اضافہ شدہ ایڈیشن

جماعتِ تبلیغ پر اعتراضات کے جوابات



ترتیب و تبویب

مولانا حافظ محمد اسلم زاہد

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ

حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ

مناظرِ اسلام حضرت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑویؒ

شہید اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ

جماعتِ تبلیغ پر اعتراضات کے جوابات

ترتیب وتبویب

مولانا حافظ محمد اسلم زاھد

الھادی
للنّشر والتّوزیع
۳۸۔ غزنی سٹریٹ اردو بازار، لاھور

نام کتاب ---------- جماعتِ تبلیغ پر اعتراضات کے جوابات

تاریخ اشاعت ---------- اگست 2009ء

صفحات ---------- 304

ناشر ---------- الھادی للنشر والتوزیع

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انتساب

ایک کم علم خادم دین اسلام کی یہ کاوش اگر انتساب کے لائق ہے تو............ وہ .... یہ سمجھتا ہے کہ اسکی یہ تالیف منسوب کی جائے ان مجاہدین اسلام کی طرف جنہوں نے اس امت میں دعوت و تبلیغ کو فروغ دینے میں جان و مال اور وقت کی قربانیاں دیں اور آج .... قرونِ اولیٰ کی نقل ان قافلوں میں نظر آتی ہے جنکی ایمانی محنت ہر ذی شعور کے دل پر دستک دے رہی ہے۔

''ہم سب کی کامیابی کا دار و مدار اطاعتِ الٰہی و اتباعِ محمدیؐ میں ہے............اور بس''

طالب علم

محمد اسلم زاہد

بسم الله الرحمن الرحيم

كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ

لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ

وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ

فہرست

عرض ناشر

اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان سے اور والدین و اساتذہ کی نیک تمناؤں سے ''مکتبہ الهادی'' کتابستان میں نمودار ہوتے ہی اسلامی لٹریچر سے اپنی خدمات کی ابتداء کر رہا ہے۔ ''جماعت تبلیغ'' اس کا طریقِ کار اور اس کے انمٹ اثرات کسی بھی ذی شعور سے مخفی نہیں ہے۔ یہ جماعت ملک اور بیرون ملک پھیلے ہوئے لاکھوں اہل اسلام کے دلوں میں اپنا احترام پیدا کر چکی ہے۔ اس لیے ہم نے اپنے اس سفر سعادت کا آغاز اس تحریک سے متعلق دو کتابوں کو چھاپنے کے ساتھ کیا ہے۔

(1) ''جماعتِ تبلیغ پر اعتراضات کے جوابات''

(2) ''آیات واحادیث اور واقعاتِ چھ نمبر''

مؤلف مدظلہٗ کی اجازت اور خصوصی دل چسپی کے ہم مشکور ہیں اور ان حضرات کے بھی ممنون ہیں جن کی راہنمائی ہمارے حوصلے بلند کیے ہوئے ہے۔

مؤلف کی اجازت سے یہ کتاب اس سے پہلے بھی طبع ہو چکی ہے تاہم اس جدید طباعت میں کئی اہم اضافے ہیں جن سے کتاب کی افادیت میں اضافہ ہوا ہے۔

خصوصاً کتاب کے آخر میں ''دارالعلوم دیوبند'' کے استاذ مولانا محمد عبداللہ معروفی مدظلہٗ کی تحریر شاملِ اشاعت ہے۔ جس میں چند اصولی باتیں ہیں، جن سے ''فضائلِ اعمال'' پر اعتراضات کی حقیقت واضح ہو جاتی ہے۔

دوسری اہم خصوصیت اس مضمون کی یہ ہے کہ اس میں ضعیف احادیث کی حجیت پر ''اہلِ سنت والجماعت'' کے موقف کی وضاحت ہے۔ جو فی زمانہ انتہائی ضروری قابل مطالعہ تحریر ہے۔ یہ تحریر مؤلف کے بیٹے ابوعبدالرحمٰن نعمان زاہد نے انٹرنیٹ سے لی ہے۔ اس مضمون کا ایک بڑا حصہ ایسا تھا جو اس کتاب میں پہلے ہی طبع ہو چکا ہے۔ تکرار سے بچنے کے لیے اسے چھوڑ کر بقیہ مفید حصہ شامل کر دیا گیا ہے۔

قارئین سے درخواست ہے کہ وہ مؤلف، ناشر، ان کے اساتذہ ووالدین اور ان مضامین نگاروں کو دعاؤں میں یاد رکھیں جن کی تحریروں سے استفادہ کرتے ہوئے کتاب کو ترتیب دے کر امت مسلمہ کے سامنے پیش کیا ہے۔

حافظ شفیق الرحمٰن

25,07,2009

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اس کتاب کی موجودہ ترتیب کا پسِ منظر

دعوت وتبلیغ کے نام سے پوری دنیا میں ''ایک محنت'' پورے اخلاص کے ساتھ جاری ہے، جس کے ثمرات وفوائد روزِ روشن کی طرح واضح ہیں۔

ہر دور میں اہل علم نے اپنی دیگر دینی واصلاحی مصروفیات کے ساتھ اپنے بیانات، تحریروں اور اس جماعت کے ساتھ وقت لگا کر اس عظیم عالمی فکر رکھنے والی جماعت کی تائید کی۔

ادھر کچھ ''کرم فرماؤں'' نے کفر وشرک اور الحاد کو تو نظر انداز کر دیا اور اس داعی الی الدین جماعت کی بیخ کنی کی طرف رخ کر لیا اور عوام وخواص کو اس دینی فریضہ اور عالمی بیداری کی تحریک سے دور رکھنے کی مساعی لاحاصل شروع کر دیں۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ، قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ اور مولانا منظور احمد نعمانی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا محمد امین اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ ودیگر اہل علم صاحبان قلم نے رسائل اور کتب کے ذریعے ان ''مہربانوں'' کے سوالات کے جوابات دے کر اس عظیم فکری وعملی جماعت میں شمولیت کی دعوت دی۔

جماعت کی مخالفت کے لیے جو لوگ ادھار کھائے بیٹھے تھے ان پر تو اثر کیا ہونا تھا؟ لیکن ان جوابات سے اخلاص اور اصلاح کے حاملین حضرات کو تسلی ہوگئی اور وہ آہستہ آہستہ اس عظیم تحریک کے ممبر بن گئے۔

راقم نے دیکھا ہے اور اپنے مخلص احباب سے بھی سنا ہے کہ اعتراضات کرنے والوں میں اہل بدعت نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا کیوں کہ یہ سنت رسول ﷺ کو عام کرنے کی تحریک تھی ان کے علاوہ اہل علم میں معترفین کی ایک کثیر تعداد وہ ہے جو خود اپنے سرپرست حضرات کے جماعت میں لگنے کی وجہ سے دینی تعلیم کی طرف آئی۔ اور انہوں نے اپنی محسن جماعت کو تختہ مشق

بنالیا لیکن کیوں کہ جماعت کی تشکیل اخلاص پر تھی وہ دن بدن ترقی کرتی رہی۔ اور دنیا کے ہر کونے سے جماعتوں کے آنے اور جانے کا سلسلہ شروع رہا۔

اعتراضات کے جوابات کی غالباً پہلی تحریری کوشش حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''تبلیغی جماعت پر عمومی اعتراضات اور ان کے جوابات'' ہے۔ بلاشبہ بڑی مقبول ہوئی اس کتاب کے بہت سے ایڈیشن نکل گئے، لیکن پہلی کتاب کے عکس در عکس کی وجہ سے الفاظ کافی بے رونق نظر آنے لگے۔

دوسرے، عنوانات کم ہونے کی وجہ سے جدید کتب کا عادی نوجوان اسے مشکل سمجھنے لگا۔ بلکہ بعض اہل علم نے بھی اسے ایک مضمون قرار دیا حالانکہ یہ کتاب حضرت شیخؒ کے علوم کے اور عالمی تبلیغی ایمانی تحریک کی معلومات کے استحضار کا بین ثبوت ہے۔

تیسرے حضرت شیخ رحمہ اللہ کے زمانے میں جماعت پر جو اعتراضات ہوئے ان کے جوابات حضرت نے اس طرح دیے کہ آج تک کافی ہیں اور غور سے کتاب کو سمجھ لیا جائے تو بہت سے آئندہ ہونے والے سوالات کے جوابات بھی اسی میں مل جائیں گے۔

اس سے قبل وقت کی ضرورت کے پیش نظر حضرت نعمانی رحمہ اللہ کا مضمون بھی حضرت شیخ الحدیث کی کتاب میں شامل کر دیا گیا۔

اب حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمہ اللہ کے وہ جوابات جو انہوں نے ''آپ کے مسائل اور ان کا حل'' میں بڑی بصیرت افروزی سے دیئے ہیں ان کو بھی خاص ترتیب کے ساتھ شامل اشاعت کیا جا رہا ہے ان جوابات کی خاصیت یہ ہے کہ ان میں ان مسائل کا حل بھی موجود ہے جو جماعت میں چلنے والے احباب کو پیش آتے ہیں۔

احباب کی خواہش ہوئی اور راقم سے بعض دوستوں نے حکماً بھی کہا اور خود مرتب نے بھی محسوس کیا۔ حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کے ان قیمتی جواہر پاروں اور آپ کی اس شاہکار تصنیف کی ترتیب نو بھی کر دی جائے جس سے کتاب کے مضامین کو سمجھنے میں آسانی ہو اور جدید طرز کتابت سے مزین کر کے اچھے کاغذ پر چھاپا جائے۔ دوسری خاص ضرورت یہ محسوس کی گئی کہ ہمارے اہل حدیث حضرات (درحقیقت غیر مقلدین) نے بھی جماعت پر طبع آزمائی

شروع کر دی ہے۔ کچھ ان حضرات کی خدمت میں بھی عرض کر دیا جائے اور جماعت میں چلنے والے احباب کو بھی اعتراضات کی حقیقت کا علم ہو جائے۔ ہمارے ان بھائیوں نے قرآن وحدیث کا مقدس نام استعمال کر کے پہلے فقہ حنفی اور اب خاص طور پر جماعت سے دور کرنے کے لیے بڑا خوبصورت جال تیار کیا ہے، جس سے پوری ملت اسلامیہ کو خسارہ پہنچ رہا ہے۔

اس مقصد کے حصول کے لیے امینِ ملت حضرت مولانا محمد امین اوکاڑویؒ کے علوم سے استفادہ کیا گیا جو بحمد للہ اس فرقہ کی نبض شناسی اور تجویز علاج میں سند کا درجہ رکھتے ہیں۔ جنہیں دونوں جماعتوں (تبلیغی جماعت اور جماعت اہل حدیث) میں رہنے کا موقع ملا اور انہوں نے دونوں کو قریب سے دیکھا۔

قبل ازیں غیر مقلدین کے سوالات و وساوس پر جوابات کی ضرورت محسوس نہ تھی کہ یہ حضرات جماعت کے مداح تھے اور بعض جگہ پر اب بھی دستِ تعاون سے گریز نہیں ہے۔ بلکہ بعض جگہ جماعت کی قیادت بھی انہیں کے ہاتھوں میں ہے۔ ہمارے شہر چونیاں کے سابق امیر الحاج محمد انور صاحب اب بھی پوری سرپرستی کرتے ہیں اور راقم اور اس کے دادا جی رحمہ اللہ کا پہلا سہ روزہ بھی ان ہی کے ساتھ لگا۔

لیکن ایک مجلّہ اور ''تبلیغی جماعت کا اسلام'' نامی کتاب اور مملکت سعودیہ عربیہ میں ان کی جماعت سے متنفر کرنے کی وارداتیں ہمیں کچھ لکھنے پر مسلسل مجبور کرتی رہیں ان محرکات کے پیش نظر مولانا اوکاڑویؒ کی ''علمی مجالس'' کی ترتیب کے دوران راقم سے اس پر کچھ کام ہوا۔

قارئین کرام! شکوک وشبہات ڈال کر انسانیت کو صراطِ مستقیم سے دور رکھنے کا یہ عمل آج کا نہیں بلکہ اس کی تاریخ بھی اتنی پرانی ہے جتنی دعوت کے کام کی عمر ہے۔

قرآن کریم نے بھی حضور ﷺ پر کفار کے اعتراضات کا تذکرہ کر کے جوابات دیے ہیں، تو گویا سنت الٰہی ہے کہ داعی پر اٹھنے والے سوالات کا مسکت جواب دیا جائے۔ تا کہ حجت تام ہو۔ وحی الٰہی کا سلسلہ تو بند ہے البتہ وحی کی تعلیمات سے مستفید ہو کر ہر دور میں اہل علم نے ہر اسلامی تحریک کی تائید اور منصفانہ دفاع کیا ہے، اس سے بہت سے فوائد حاصل ہوتے ہیں۔

(1) معترضین کا سامنا ہر کارکن کے بس کی بات نہیں ہوتی، ان تحریروں کے مطالعہ سے شبہات سے پاک گفتگو اور ممکنہ صورتِ حال سے باخبر رہنے کی وجہ سے قبل از وقت اس کا حل کارکن کے ذہن میں رہتا ہے۔

(2) اس عظیم کام کی بنیاد، دعوت کے اسلامی اصولوں پر رکھی گئی ہے۔ اس لیے بعض شکوک درحقیقت اسلام کی لاریب تعلیمات سے جاٹکراتے ہیں اور انسان تحقیق کے شوق میں دائرہ اسلام سے خارج ہوجاتا ہے۔ اس لیے اہل قلم اپنا فرض ادا کرتے ہیں تاکہ انسانیت کا ایمان محفوظ رہے اور وہ صرف جماعت دشمنی میں ایسی حرکت نہ کرگزریں۔

(3) اعتراضات سن کر عام آدمی راہِ مستقیم سے ڈگمگا جاتا ہے پھر جوابات سن کر اس کے ایمان ویقین میں اضافہ ہوتا ہے۔

(4) آئندہ تحریروں سے معلوم ہوگا کہ کس طرح دنیا فریب دے کر اس جادۂ مستقیم سے بھٹکاتی ہے۔ اراکین جماعت آئندہ یا تو اعتراضات کے جوابات وہ خود دینے لگتے ہیں یا ''سانپ کا ڈسا رسی سے بھی ڈرتا ہے'' کا مصداق کم از کم چوکنا ہوجاتے ہیں۔

(5) جو حضرات قریب سے کام کو نہیں دیکھ پاتے لیکن ظاہر کو دیکھ کر خوش فہمی کی وجہ سے جماعت کو اچھا سمجھتے ہیں ان کے مطالعہ میں اہلِ اعتراض کی تحریریں بدگمانی میں مبتلا کردیتی ہیں، جوابات کا لٹریچر ان تک پہنچے تو وہ مطمئن ہوکر پھر سنجیدگی سے سوچنے کی طرف راغب ہوجاتے ہیں۔

آخری گزارش اپنے باتوفیق قارئین سے یہ کرنی ہے کہ معترض جواب سن کر بھڑک جاتا اپنی شکست محسوس کرتا ہے تو سچ ماننے سے انکاری ہوجاتا ہے۔ اس لیے الجھنے کی ضرورت نہیں افہام، تفہیم کی فضاء میں یہ کتاب پڑھنے کے لیے دیں یا اس کتاب کا خوب مطالعہ اور ضرورت پڑنے پر اس انداز سے بات کو سامنے رکھیں کہ مناظرانہ کیفیت پیدا نہ ہو جس کا سنبھالنا ہر آدمی کا کام نہیں۔ یہ کتابیں اوروں کی بجائے جماعت کے کارکنوں کے مطالعے میں رکھنے کی ہیں۔ یہی مطالعہ ان کو بوقت ضرورت کام آئے گا۔

جماعت کے اہل حل وعقد کا نظریہ یہی ہے کہ پیار ومحبت کی فضاء نہ توڑی جائے اور کسی

طرح وقت لگا کر کام کو خود دیکھ لینے کی انہیں دعوت دی جائے۔

بڑے حضرات کو سنا ہے کہ ایک معترض ہزار اعتراض بھی لایا ہے، ان کا جواب اسی جملے کے گرد گھومتا ہے کہ ''بھائی یہ راستہ دیکھ کر چلنے کا نہیں، چل کر دیکھنے کا ہے۔''

ہمارے اباجی ارشاد فاروق صاحب رحمۃ اللہ علیہ (مولانا یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے سے تاوفات ۱۹ اپریل ۲۰۰۲ء مکمل کوائف کے ساتھ کام میں جڑے رہے تھے) وہ فرماتے تھے کہ کچھ احبابِ جماعت نے بزرگوں سے عرض کیا کہ جماعت پر لوگوں کے اعتراضات کے جوابات دیئے جاتے ہیں۔ ہمارے پاس اہل قلم موجود ہیں ہر ماہ رسالہ جاری ہوگا تو بہت سے سوالات کے جوابات ہو جایا کریں گے۔

حضرتؒ نے فرمایا تم جواب دو گے پھر اس پر اعتراضات ہوں گے پھر جواب الجواب دو گے پھر یہ سلسلہ مزید طول اختیار کر جائے گا اور معترض ایسے دور ہی رہے گا۔ مختصراً یہ کہ ان حضرات نے اس ماہنامے کی اجازت نہ دی۔

الغرض جماعت کا مزاج اعتراضات و جوابات ہرگز نہیں ہے۔ البتہ یہ سلسلہ سب کے لیے مفید ہے۔ قارئین سے استدعا ہے کہ اپنی دعاؤں میں مرتب ومعاونین و ناشرین اور ان کے اساتذہ ووالدین کو یاد رکھیں۔

(مولانا) محمد اسلم زاہد
مدرس ''بیت العلوم'' کھاڑک' لاہور
22 رجب 1324ھ 2003ء

باب اوّل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جماعت تبلیغ میں اٹھنے والے اعتراضات

اور

ان کے تسلی بخش جوابات

مدلل و حسین مرقع

نئی ترتیب اور جدید عنوانات کے ساتھ

شیخ الحدیث حضرت مولانا

محمد زکریا کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ

امابعد! نظام الدین کی دعوتِ تبلیغ کے سلسلہ میں چچا جان حضرت مولانا محمد الیاس نور اللہ مرقدہٗ ہی کے دور سے اس ناکارہ پر استفسارات اور اشکالات کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ چونکہ اس وقت صحت اچھی تھی لکھنے پڑھنے کی معذوری بھی نہیں تھی، اس لیے ہر خط کا جواب مختصر یا مفصل حسب موقع لکھتا رہا۔ جہاں تک میرا اندازہ ہے شاید ایک ہزار سے زائد خطوط اس سلسلہ میں لکھے ہوں گے۔ بہت سے اشکالات تو مشترک ہوتے تھے بعض وقتی اور ضروری بھی ہوتے تھے۔ مگر اب چند سال سے لکھنے پڑھنے کی معذوری کی وجہ سے علیحدہ علیحدہ جواب لکھوانا مشکل ہو گیا، اس لیے باوجود اپنے امراض کی کثرت اور معذوریوں کے میرا خیال یہ ہوا کہ چند اشکالات جو عموماً کثرت سے اور عامۃ الورود مجھ تک پہنچے ہیں ان کے مختصر اپنے خیالات جمع کرادوں کہ اب خطوط کا علیحدہ علیحدہ جواب لکھوانا بھی بہت مشکل ہو گیا اور اپنے اکابر بالخصوص حضرت اقدس حکیم الامۃ حضرت تھانوی اور حضرت اقدس مدنی نور اللہ مرقدہما کی طرح سے اپنے متعلق بھی یہ خیال پیدا ہوا کہ لوگوں کو اس ناکارہ کی طرف سے غلط روایات نقل کرنے کا موقع نہ مل جائے اس لیے کہ کوئی ادارہ مدرسہ ہو یا خانقاہ اس زمانہ میں کوتاہیوں سے تو خالی نہیں اور جیسا کہ میرے اکابر کی طرف سے جو بعض موقعوں پر بعض جزوی تنبیہات ہوئی ہیں ان کی وجہ سے ان اکابر کو جماعتِ تبلیغ کا مخالف قرار دے کر ہوا دی جا رہی ہے۔

اسی طرح اس ناکارہ کی طرف سے کسی تنبیہ سے کوئی غلط فائدہ نہ اٹھایا جائے اس لیے کہ میں بھی تبلیغی جماعت اور کارکنوں کی کوتاہیوں پر تنبیہات کرتا رہتا ہوں، بلکہ اپنی حماقت سے چچا جان نور اللہ مرقدہٗ کے دور میں ان پر بھی تنقید سے نہیں چوکتا تھا اور ان کے بعد عزیزانم مولانا محمد یوسف رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا انعام الحسن صاحب سلمہٗ کے دور میں نہ ان محترم عزیزوں پر بلکہ قدیم وجدید کارکنوں پر نکیر کرتا رہتا ہوں تحریراً بھی اور تقریراً بھی، اسی طرح حجاز، پاکستان اور افریقہ کے دوستوں کو بھی نکیر و تنبیہ سے نہیں چھوڑتا، یقیناً میرے بہت سے

خطوط میں تنبیہیں، نکیریں اور اعتراضات ملیں گے، ان لغویات کی طرف تو میں نے کبھی التفات نہیں کیا کہ تبلیغ والے ایسا کرتے ہیں، تبلیغ والے یوں کرتے ہیں، یہ تو ایک ہوائی گاڑی ہے اور میرے نزدیک بھی جیسا کہ بعض معترضین کا اعتراض حضرات دہلی پر ہے وہ معترضین کے اعتراضات کو گوزشتر سمجھتے ہیں، میں ان سے زیادہ سمجھتا ہوں البتہ کسی بڑے سے بڑے شخص کے متعلق بھی میرے پاس کوئی مشخص شکایت پہنچی تو میں نے اس پر نکیر اور تنبیہ میں بھی کبھی کسر نہیں چھوڑی۔ بخاری شریف میں ہے ''حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سے ایک شخص نے یوں کہا کہ تم فلاں (حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ان فتنوں کے بارے میں جو ان کے زمانے میں پیش آرہے تھے) گفتگو کرتے انہوں نے فرمایا کہ ''تمہاری یہ رائے ہے کہ میں جو ان سے گفتگو کروں وہ ساری تم سے بھی کہوں، میں ان سے تنہائی میں گفتگو کرتا ہوں میں نہیں چاہتا کہ جو فتنہ کا دروازہ بند ہے میں کھولوں......''

اس لیے مجھے بھی خیال ہوا کہ میرا کوئی تنبیہی اور نکیری خط کسی کے پاس ہو اور میرے بعد تبلیغ کے کسی مخالف نے اسے شائع کیا اور اس کو میری مخالفت تبلیغ پر حمل کیا تو یقیناً غلط ہوگا، میں اس مبارک کام کو اس زمانہ میں بہت اہم اور بہت ضروری سمجھ رہا ہوں اور خود اہل مدرسہ اور اہل خانقاہ ہونے کے باوجود بانگ دہل اس کا اعلان کرتا ہوں کہ یہ عمومی اور ضروری کام بعض وجہ سے مدارس اور خانقاہ سے زیادہ مفید اور افضل ہے۔ ان میں سب سے اہم اور عامۃ الورود اشکال جس کے متعلق سو ۱۰۰ سے کم تو نہیں، کچھ زیادہ ہی میرے خطوط میرے پاس آئے ہوں گے ان میں سب سے اہم یہ ہے۔

اشکال نمبر ۱: جہاد کی آیات و احادیث کو تبلیغ پر محمول کرنا

یہ ہے کہ تبلیغ والے جہاد کی احادیث کو اپنے تبلیغی اسفار کی تائید میں پیش کرتے ہیں اور تعجب اس پر ہے کہ یہ اشکال عوام کی بجائے اہل علم کی طرف سے زیادہ آیا، اہل علم کی طرف سے اس قسم کے اشکالات کا وارد ہونا زیادہ موجب تعجب ہے۔ اس لیے کہ جہاد کے اسفار میں قتال اگرچہ عرفاً زیادہ معروف ہے لیکن لغت اور نصوص جہاد کو قتال کے ساتھ مخصوص نہیں کرتے، اصل

جہاد اعلائے کلمۃ اللہ کی سعی ہے، جس کا درجۂ مجبوری اور آخری درجہ قتال بھی ہے، قتال اصل مقصود نہیں، بدرجۂ مجبوری ہے، تفسیر مظہری میں "کُتِبَ عَلَیْکُمُ الْقِتَالُ وَھُوَ کُرْہٌ لَّکُمْ" کی تفسیر میں لکھا ہے کہ جہاد کی فضیلت تمام نیکیوں میں اس وجہ سے ہے کہ وہ اشاعت اسلام اور ہدایت خلق کا سبب ہے پس جو شخص ان کی کوشش سے ہدایت پائے گا اس کی حسنات بھی ان مجاہدین کی حسنات میں داخل ہوں گی، اور اس سے زائد افضل علوم ظاہرہ اور علوم باطنہ کی تعلیم ہے۔ اس لیے کہ اس میں حقیقت اسلام کی اشاعت زیادہ ہے۔ فقط اس زمانہ میں تبلیغ سے جتنی ہدایت پھیلی اور پھیل رہی ہے اس سے تو کسی مخالف کو بھی انکار نہیں ہوسکتا، ہزاروں آدمی بلکہ لاکھوں بے نمازی پکے نمازی بن گئے، سینکڑوں غیر مسلم ان لوگوں کے ہاتھوں اور ان کی مساعی سے مسلمان بن گئے۔"

جہاد کا معنیٰ

جہاد کی لغوی اور شرعی تحقیق یہ ناکارہ اپنی کتاب "اوجز المسالک" شرح مؤطا امام مالک اور لامع الدراری علی جامع البخاری کے حاشیہ پر تفصیل سے لکھ چکا ہے۔ جہاد کا لغوی معنیٰ مشقت اٹھانے کے ہیں۔ اور شرعاً مشقت اٹھانا کفار کے قتال میں بھی اور اس کا اطلاق مجاہدۂ نفس پر بھی آتا ہے اور شیطان سے مجاہدہ پر بھی آتا ہے اور فاسقوں کے ساتھ مجاہدہ پر بھی، اور کفار سے جہاد ہاتھ سے بھی ہوتا ہے۔ زبان سے بھی ہوتا ہے اور مال سے بھی ہوتا ہے۔ قرآن پاک اور احادیث میں کثرت سے اس قسم کی آیات اور روایات وارد ہوئی ہیں۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے "اَلْمُجَاھِدُ مَنْ جَاھَدَ نَفْسَہٗ" اصل مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس سے جہاد کرے، مشکوٰۃ شریف میں یہ روایت شعب الایمان للبیہقی کے حوالہ سے نقل کی ہے۔ ابن عربی نے ترمذی شریف کی شرح میں لکھا ہے کہ صوفیاء کا مذہب یہ ہے کہ جہاد اکبر نفس کا جہاد ہے اور قرآن کی آیت "وَالَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا" میں اسی کی طرف اشارہ ہے اور حدیث پاک میں ہے کہ وہ اصل مجاہد نہیں جو دور کے دشمن سے جہاد کرے اصل مجاہد وہ ہے جو اس دشمن سے جہاد کرے جو ہر وقت ساتھ ہے۔

نبی کریم ﷺ ایک غزوہ سے واپس تشریف لائے تو حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"رَجَعْنَا مِنَ الْجِهَادِ الْاَصْغَرِ اِلَى الْجِهَادِ الْاَكْبَرِ" یعنی ہم چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف لوٹ کر آئے ہیں۔ "اِلىٰ آخِرِ مَا بَسَطَ فِي الْاَوْجَزِ" اور ظاہر ہے کہ یہاں جہاد اکبر کا مصداق جہاد بالسیف اور جہاد مع الکفار نہیں، اس میں یہ بھی ہے کہ علامہ باجی نے لکھا ہے کہ "سبیل اللہ" کا لفظ تمام نیکیوں کو شامل ہے۔ حدیث "رَجَعْنَا مِنَ الْجِهَادِ الْاَصْغَرِ اِلَى الْجِهَادِ الْاَكْبَرِ" مختلف طرق سے نقل کی گئی ہے۔ اہل علم حوالہ دیکھنا چاہیں تو لامع الدرر کے حاشیہ پر ملاحظہ فرمائیں۔ حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہٗ نے "التشرف بمعرفة احاديث التصوف" میں تفسیر روح المعانی سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے قرآن مجید کی آیت "جَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ" میں حضرت جابرؓ کی روایت کہ حضور ﷺ کے پاس ایک جماعت غزوہ سے واپس آئی تو حضور ﷺ نے فرمایا "تم بہت اچھا آنا آئے کہ جہاد اصغر سے جہاد اکبر کی طرف آئے۔" ان روایات میں جو کچھ ضعف ہے وہ اول تو فضائل میں معتبر ہوتا ہے اور تعدد طرق سے مندفع ہو جاتا ہے۔

علماء نے تصریح کی ہے جیسا کہ لامع کے حاشیہ میں ہے کہ فرائض نماز، روزہ وغیرہ چونکہ مقاصد العینہ ہیں وہ جہاد سے افضل ہیں۔ اس لیے کہ جہاد کی اصل غرض ایمان اور اعمالِ حسنہ ہی پر عمل کرانا ہے لامع کے حاشیہ میں ابن عابدین سے نقل کیا ہے کہ اس میں ذرا بھی تردد نہیں کہ ادائے فرائض پر مواظبت اپنے اوقات میں جہاد سے افضل ہے۔ اس لیے کہ وہ فرض عین ہے اور جہاد فرض کفایہ ہے۔ اور جہاد صرف ایمان اور نماز ہی کے لیے قائم کرنے کیلیے مشروع ہوا ہے۔ اس لیے اس کا حسن لغیرہ ہے اور نماز کا حسن لعینہٖ۔ اس لیے یہ افضل ہے اور ظاہر ہے کہ جو کچھ کوشش نماز وغیرہ کے قائم کرنے کے لیے کی جائے وہ افضل الجہاد ہی کے حکم میں شمار کی جائے گی۔

سبیل اللہ کا لفظ عام ہے

امام بخاری رحمہ اللہ نے جمعہ کی نماز کے لیے پاؤں چلنے پر "باب المشي الى الجمعة" میں حضرت ابو عبسؓ کی حدیث ذکر فرمائی ہے۔

''مَنْ اَغْبَرَتْ قَدَمَاهُ فِی سَبِيْلِ اللّٰهِ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ النَّارَ ○

''جو شخص کہ اس کے دونوں پاؤں اللہ کے راستہ میں غبار آلود ہوئے ہوں اللہ تعالیٰ جہنم کی آگ کو اس پر حرام کر دیتے ہیں۔''

اگر امام بخاری رحمہ اللہ اس حدیث پاک سے جمعہ کی نماز کے لیے پاؤں چلنے کی فضیلت پر استدلال کر سکتے ہیں تو پھر اگر مبلغین اللہ کے راستہ میں اعلاء کلمۃ اللہ کی خدمت کے لیے پاؤں چلنے پر اس حدیث سے استدلال کریں تو ان پر کیا الزام ہے۔

حضرت دہلوی نور اللہ مرقدہٗ اپنے ایک ملفوظ میں ارشاد فرماتے ہیں ''یہ سفر (یعنی سفر تبلیغ) غزوات ہی کے سفر کے خصائص اپنے اندر رکھتا ہے اور اس لیے امید بھی ویسے ہی اجر کی ہے یہ اگر چہ قتال نہیں ہے مگر جہاد ہی کا ایک فرد ضرور ہے، جو بعض حیثیات سے اگر چہ قتال سے کمتر ہے مگر بعض حیثیات سے اس سے بھی اعلیٰ مثلاً قتال میں شفاء غیظ اور اطفاء شعلۂ غضب کی صورت بھی ہے اور یہاں اللہ کے لیے صرف کظم غیظ ہے اور اس کے دین کے لیے لوگوں کے قدموں میں پڑ کے ان کی منتیں خوشامدیں کر کے بس ذلیل ہونا ہے۔ (ملفوظات)

حضرت دہلویؒ کا یہ ارشاد کہ جہاد میں اطفاء غضب بھی ہوتا ہے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کی روایت سے جو (بخاری میں آئی ہے) مستنبط ہوتا ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نے حضور ﷺ سے سوال کیا کہ ایک آدمی غنیمت کی نیت سے لڑتا ہے اور ایک آدمی اپنی قوت کے مظاہرہ کی وجہ سے لڑتا ہے، حضور ﷺ نے فرمایا کہ فی سبیل اللہ جہاد وہی ہے جو اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے ہو۔

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ کلمۃ اللہ سے مراد دعوت الی الاسلام ہے وہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے درمیان میں جو وجوہ وارد ہوئی ہیں ان میں ریا اور شہرت بھی آیا ہے اور ایک روایت میں حمیۃً بھی آیا ہے۔ اور ایک روایت میں یقاتل غضباً بھی آیا ہے یعنی اپنے حظِ نفس کے واسطے اور غصہ اتارنے کے واسطے انہوں نے لکھا ہے کہ اس روایت میں پانچ وجوہ ذکر کی گئی ہیں۔ فقط

لشکروں کو قتال کے لیے نہیں دعوت کے لیے بھیجا جاتا تھا

خود نبی کریم ﷺ سے جہاد کا اطلاق قتال کے علاوہ دوسرے امور پر بھی جو اس مقصد

میں معین ومددگار رہوں کثرت سے احادیث میں کیا گیا ہے جو اہل علم سے تو مخفی نہیں، نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ اسلامی سرحد پر ایک رات جاگنا دنیا اور دنیا کی سب چیزوں سے افضل ہے اور سرحد پر ٹھہرنا ظاہر ہے کہ اسلام ہی کی حفاظت کے لیے ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے جو شخص کسی غازی کی سامان سے مدد کرے وہ بھی غازی ہے۔ حضور اقدس ﷺ نے ایک لشکر بھیجا، اور فرمایا ہر دو آدمیوں میں سے ایک نکلے (یعنی دوسرا اس کے گھر والوں کی خبر گیری کرے) تو ثواب دونوں میں مشترک ہوگا۔ اور یہ ظاہر ہے کہ لشکروں کا بھیجنا قتال کے واسطے نہیں ہوتا تھا بلکہ اس میں اصل دعوت ایمانی ہوتی تھی، حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی مشہور حدیث اور بخاری شریف وغیرہ میں موجود ہے کہ جب نبیؑ نے فتح خیبر کے لیے جھنڈا دے کر بھیجا اور حضرت علیؓ نے درخواست کی کہ حضورؐ! جا کر ان سے قتال شروع کردوں یہاں تک وہ مسلمان ہو جائیں۔ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا بالکل نہیں۔ وہاں جا کر اطمینان سے اول ان کو اسلام کی دعوت دو، اگر ایک شخص بھی تیری کوشش سے مسلمان ہو جائے تو وہ (غنیمت کے) کے سرخ اونٹوں سے بہت اچھا ہے، اور اگر وہ اس سے انکار کریں تو پھر دوسرے درجہ میں ان کو جزیہ دینے پر آمادہ کر اور اگر وہ اس سے بھی انکار کریں تو پھر ان سے قتال کر۔ متعدد احادیث سے یہ مضمون مستنبط ہے کہ جہاد معروف میں بھی قتال مقصود نہیں بلکہ اصل مقصود ایمان اور اعلاء کلمۃ اللہ ہے۔

مولانا یوسف صاحب رحمہ اللہ نے نہٹور ضلع کے علماء کے خصوصی اجتماع میں تقریر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ حضور اقدس ﷺ نے جتنے وفود، لشکر، قبائل اور دوسرے علاقوں میں بھیجے ہیں وہ سب دعوت کے لیے تھے۔ حضور ﷺ کے تمام جہادوں کی تعداد ایک روایت کی بنا پر 19 ہے اور دوسری روایت کی بنا پر 27 ہے، ان میں سے نو کے متعلق یہ لکھا ہے کہ "بعث مقاتلا" آپؐ نے جنگ کے لیے بھیجا، بقیہ سب کے بارے میں یہی لکھا ہے کہ دعوت کے لیے بھیجا۔ (سوانح یوسفی عزیزی)

فی سبیل اللہ جہاد کے ساتھ خاص نہیں

اہل علم سے بڑا تعجب ہے کہ وہ فی سبیل اللہ کے لفظ کو جہاد بالقتال کے ساتھ مخصوص قرار دیتے ہیں جب کہ نصوص قرآنیہ اور احادیث کثیرہ اس کے عموم پر دلالت کرتی ہیں۔ قرآن پاک کی آیت "اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ" میں فی سبیل اللہ کی تفسیر میں علماء کے مختلف اقوال

ہیں جن کو اوجز جلد ثالث میں تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے۔ علامہ باجی کی رائے یہ ہے کہ اس سے مراد جہاد فی سبیل اللہ ہے، امام مالک وغیرہ سے یہ قول نقل کیا گیا ہے، امام احمدؒ کا ارشاد یہ ہے کہ اس سے مراد حج ہے، یہی رائے امام محمدؒ کی ہے اور صاحب بدائع فرماتے ہیں کہ فی سبیل اللہ سے مراد جملہ امور خیر ہیں اس میں ہر وہ سعی داخل ہے جو اللہ کی اطاعت کے بارے میں ہو مشکوٰۃ میں عبد اللہ بن عمرو سے نقل کیا گیا ہے کہ ایک صحابیؓ نے آ کر حضور اقدس ﷺ سے جہاد میں شرکت کی اجازت چاہی، حضورؐ نے دریافت کیا کہ کیا تیرے والدین زندہ ہیں؟ انہوں نے عرض کیا کہ زندہ ہیں، حضورؐ نے فرمایا کہ ان میں جہاد کر، یعنی ان کی خدمت کر یہاں نبی کریم ﷺ نے والدین کی خدمت کو بھی جہاد سے تعبیر کیا ہے۔ مشکوٰۃ شریف میں بروایت خریم بن فاتک حضور ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جو اللہ کے راستے میں کوئی خرچ کرے سات سو گناہ دو چند ہو جاتا ہے۔ جب کہ (اللہ کا راستہ) جہاد بالقتال کے ساتھ مخصوص نہیں ہے جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے۔ تو پھر اگر اہل تبلیغ اس حدیث سے تبلیغی اسفار میں خرچ کرنے کو داخل کریں تو کیا اشکال کی بات ہے؟ اسی طرح ایک دوسری حدیث میں حضرت علی، ابو درداء، ابو ہریرہ، ابو عمامہ، عبداللہ بن عمرو، جابر بن عبداللہ، عمران بن حصین رضی اللہ عنہم اجمعین سے حضور اقدس ﷺ کا ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ جو کوئی گھر رہ کر اللہ کے راستہ میں کوئی خرچ بھیجے اس کو ایک درہم کے بدلے سات سو ۷۰۰ درہم ملتے ہیں اور جو خود جہاد میں نکلے اور خرچ کرے اس کو ہر درہم کے بدلے میں سات لاکھ ۷۰۰۰۰۰ درہم کا ثواب ہوتا ہے۔ اس میں تبلیغی اسفار یقیناً داخل ہیں اور مدارس کا چندہ بھی اسی میں داخل ہے۔ تفسیر مظہری میں "مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ" کی تفسیر میں "الجهاد او غير ذلك من ابواب الخير" ہے۔

اسی طرح "اَلَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ" کی تفسیر میں "فِي تَحْصِيْلِ الْعُلُوْمِ الظَّاهِرَةِ وَالْبَاطِنَةِ وَ الْجِهَادِ" ذکر فرمایا گیا ہے۔ مشکوٰۃ شریف میں بروایت ترمذی ودارمی حضرت انسؓ سے حضور ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ جو شخص طلب علم میں گھر سے نکلے وہ فی سبیل اللہ میں داخل ہے یہاں تک کہ گھر واپس آئے۔ مشکوٰۃ کے حاشیہ پر لکھا ہے یعنی جو شخص طلب علم کے لیے نکلتا ہے اس کو جہاد میں نکلنے کا ثواب ملتا ہے اس لیے کہ یہ طالب علم بھی مجاہد کی

طرح سے ہے دین کے زندہ کرنے میں اور شیطان کے ذلیل کرنے میں اور اپنے نفس کو مشقت میں ڈالنے میں اور یہ ظاہر ہے کہ یہ سب امور تبلیغی اسفار میں بطریقِ اولی پائے جاتے ہیں۔ اعتدال میں اس قسم کی روایات بہت کثرت سے ذکر کی گئی ہیں اس میں ذکر کیا گیا ہے کہ افضل جہاد ظالم بادشاہ کے سامنے کلمہ حق کہنا ہے حالانکہ ظالم بادشاہ کا کافر ہونا ضروری نہیں بلکہ مسلمان بادشاہ اگر ظالم ہو تو وہ بھی اس میں بطریق اولی داخل ہے، البتہ شرط یہی ہے کہ ساری جد جہد کا مقصد اعلاء کلمۃ اللہ ہو جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے۔ ایک حدیث میں ہے جہاد وہی ہے جو صرف اس لیے کیا جائے کہ اللہ کے نام کا بول بالا ہو، یہ مضمون ''اعتدال'' میں بہت تفصیل سے ذکر کیا جا چکا ہے۔

حضرت تھانویؒ کی ایک تحریر

نیز حضرت حکیم الامۃ تھانویؒ، حضرت شیخ الہندؒ اور مرجع الاتقیاء حضرت اقدس شاہ عبدالرحیم صاحب نے ۱۳۲۸ھ میں جب کہ مظاہر علوم کے دار الطلبہ قدیم کی تعمیر کا سلسلہ چل رہا تھا تو مدرسہ کے چندہ کی ایک اپیل کی جو مظاہر علوم کی ۱۳۲۸ھ کی روداد میں شائع ہوئی اور حضرت حکیم الامۃؒ کی لکھی ہوئی ہے اور بقیہ ہر دو اکابر کی اس پر تصدیق ہے، اس جگہ کے مناسب وہ تحریر ہے، وہ حسب ذیل ہے:

میں اس اشتہار کے مضمون میں موافق ہوں دار الطلبہ اس وقت باقیاتِ صالحات کے افضل افراد سے ہے، حدیث صحیح میں باقیاتِ صالحات سے جن کا ثواب بعد مرنے کے بھی ملتا رہتا ہے یہ ارشاد فرمایا ہے: ''او بیتا لابن السبیل بناہ'' اور ظاہر ہے کہ طلبہ ابن السبیل یقیناً ہیں بلکہ سب ابناء السبیل سے افضل ہیں کیوں کہ یہ لوگ سبیل اللہ میں ہیں، جب مطلق سبیل والوں کی اعانت میں یہ فضیلت ہے تو سبیل اللہ والوں کی خدمت میں کیا کچھ فضیلت ہوگی، پھر غور کرنا چاہیے کہ سبیل اللہ کے سب افراد میں مطلقاً بھی اور خصوصاً اس وقت میں کہ علوم دینیہ کی سخت ضرورت ہے اور اس کی کمی سے سخت المضر تیں واقع ہیں خاص اس سبیل اللہ یعنی تحصیل و تکمیل علوم دینیہ میں سب سے زیادہ فضیلت ہے، پس بالضرور دار الطلبہ کا بنانا اس وقت اس خاص حیثیت سے سب باقیات صالحات سے افضل ہے امید ہے کہ اہل اسلام اپنی اپنی استطاعت کے موافق

اس موقع کو ہاتھ سے جانے نہ دیں گے اور بلحاظ قلیل وکثیر کے ضرور اس میں امداد فرمائیں گے۔

"والسلام علی من اتبع الھدیٰ"

العبد اشرف علی تھانوی

بے شک حضرت مولانا اشرف علی صاحب سلمہٗ نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے نہایت مناسب اور ضروری ہے۔ العبد عبدالرحیم عفی عنہ

مولانا اشرف علی صاحب نے جو تحریر فرمایا ہے حق اور صواب ہے۔

العبد محمود عفی عنہ فقط

میرا مقصد اس تحریر کے نقل کرنے کا یہ ہے کہ جو لوگ خروج فی سبیل اللہ کو صرف جہاد معروف کے ساتھ مخصوص قرار دیتے ہیں ان کے لیے تنبیہ ہے کہ فی سبیل اللہ کا لفظ جہاد معروف کے ساتھ مخصوص نہیں، تفسیر مظہری میں "قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ وَّ صَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ" کی تفسیر میں لکھا ہے "عَنِ الْاِسْلَامِ وَالطَّاعَاتِ اھ" اسی طرح سے کثرت سے تفسیر مذکورہ میں سبیل اللہ کی تفسیر طاعات اللہ سے کی گئی ہے۔ اس لیے طاعات سے جو لوگ روکنے والے ہوں ان پر تشدد میں بھی مضائقہ نہیں۔ اگر قدرت ہو اور کوئی فتنہ نہ ہو تعجب اس پر ہے کہ ان اکابر ثلٰثہ کے متبعین میں سے کسی کی طرف سے یہ مضمون سنتا ہوں کہ تبلیغ والے خروج فی سبیل اللہ میں جو جہاد کے ساتھ مخصوص ہے، خروج للتبلیغ کو شامل کرتے ہیں تو مجھے بڑی حیرت ہوتی ہے۔ بہر حال اس سیہ کار کے نزدیک تو خروج فی سبیل اللہ کی آیات واحادیث میں یہ لوگ اپنے تبلیغی اسفار کو داخل کریں تو نہ کوئی اس میں اشکال ہے، نہ تردد ہے اور جہاں تک اس کوتاہ نظر کی معلومات کا حاصل ہے وہ مفسرین ومحدثین کے کلام میں فی سبیل اللہ کا لفظ قتال کے ساتھ مخصوص نہیں پایا۔ اس لیے اہلِ تبلیغ کا اعلان آیات اور روایات سے خروج للتبلیغ جو فی سبیل اللہ کا اعلیٰ فرد ہے پر استدلال کرنا بے محل نہیں ہے۔ یہ مضمون اپنی جوانی کے زمانے میں حذف واضافہ کے ساتھ بہت سے خطوط میں لکھوا بھی چکا ہوں۔

اشکال نمبر۲: مسلمانوں کے پاس جماعتیں بھیجنا بدعت ہے

ایک اعتراض: جو کثرت سے بندہ کے پاس خطوط میں پہنچا وہ یہ کہ حضور اقدس ﷺ کے زمانہ میں یہ طریقہ نہیں تھا کہ مسلمانوں کے پاس جماعتیں بھیجی جائیں بلکہ سرایا اور جماعتیں کفار

کے لیے بھیجی جاتی تھیں، مسلمانوں کے یہاں جماعتیں بھیجنے کا معمول نہیں تھا۔ اس لیے یہ بدعت ہے۔ اس اشکال کے بھی بیسوں جوابات اس ناکارہ نے لکھے ہیں اور اس اشکال میں بھی مجھے اہلِ علم کی طرف سے اس قسم کی کوئی بات پہنچتی ہے تو زیادہ حیرت ہوتی ہے، جب کہ امر بالمعروف نہی عن المنکر مامور بہ ہے اور پہلے مضمون سے یہ بھی ظاہر ہو چکا ہے کہ دین کی اشاعت کے لیے جو کوشش بھی ہو وہ جہاد میں داخل ہے۔ پھر یہ کہنا کہ یہ طریقہ خاص حضور اقدس ﷺ کے زمانہ میں نہیں تھا اول تو فی حد ذاتہٖ غلط ہے جیسا کہ آئندہ معلوم ہوگا۔ لیکن بطریق تسلیم مامور بہ کے حاصل کرنے کا جو مباح طریقہ ہو اس کے مامور بہ ہونے میں کیا تامل ہے۔ کیا مدارس کا موجودہ طریقہ مدرسین کو اسباق کی تقسیم گھنٹوں کی پابندی، سہ ماہی، ششماہی، سالانہ امتحانات وغیرہ وغیرہ جو اس زمانہ میں نہایت ضروری ہیں اور ضروری سمجھے جا رہے ہیں، اور واقعۃً ضروری ہیں؟ کیا حضور ﷺ کے زمانے میں یہ سب تھے؟ اسی طرح خانقاہیں اور ان کے معمولات اور ان کے طرق باوجود نہایت اہم اور ضروری اور مامور بہ ہونے کے کیا حضور ﷺ کے زمانے میں یہی طریقے تھے؟ کیا کتابوں کی تصانیف، ان کی طباعت، شرح وحواشی کے سارے مروجہ طریقے حضور اقدس ﷺ کے زمانہ میں تھے؟ ایسے ہی ''ٹن کی نماز'' کہ جہاں گھنٹہ بجا خواہ امام ہو یا نہ ہو روزانہ کے مقتدی آچکے ہوں یا نہیں فوراً نماز شروع ہو جاتی ہے، یہ حضور ﷺ کے زمانہ میں کہاں تھا؟ ایسے ہی کیا کوئی عقلمند کہہ سکتا ہے کہ حضور ﷺ کے زمانہ میں توپ اور بندوق سے لڑائی نہیں تھی لہٰذا وہ تو بدعت ہے تیروں سے جہاد ہونا چاہیے۔ ان امور میں سے کسی کو بھی کوئی بدعت نہیں کہتا اور اس سب کے بعد یہ بھی کہنا غلط ہے حضور ﷺ کے زمانے میں مسلمانوں کے پاس جماعتوں کے بھیجنے کا طریقہ نہیں تھا، اس سلسلہ میں حضرت مولانا الحاج محمد یوسف صاحب رحمہ اللہ کی کتاب ''حیاۃ الصحابہؓ'' (جو اصل کتاب تو عربی میں ہے اہل علم کو خاص طور پر اس کا ملاحظہ کرنا چاہیے)

اس میں بیسیوں واقعات نبی کریم ﷺ کے جماعتوں کے بھیجنے کے بہت کثرت سے ملیں گے اور اس کے اردو ترجمے بھی کثرت سے ہو گئے ہیں، اس میں ایک مستقل باب ''**باب ارسل الصحابه الى البلدان لتعليم**'' ہے نمونہ کے طور پر چند نقل کرتا ہوں۔

(1) مسلمانوں کی تعلیم کے لیے صحابہؓ کے وفود

حضرت عاصم بن عمرؓ کی روایت سے نقل کیا گیا ہے کہ قبیلہ عضل اور قبیلہ قارہ کے چند آدمی حضور ﷺ کی خدمت میں آئے اور کہا کہ ہمارے یہاں مسلمان ہیں چند آدمیوں کو ہمارے یہاں بھیج دیجیے! جو ہمیں دین سکھلائیں، حضور اقدس ﷺ نے چھ نفر کی جماعت روانہ کی، حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کا ارشاد ہے کہ حضور ﷺ نے معاذ اور ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنھما کو یمن بھیجا، تا کہ وہاں کے لوگوں کو دین سکھلائیں، حضرت عمار بن یاسرؓ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے مجھے قبیلہ قیس کی ایک جماعت کی طرف بھیجا کہ ان کو جا کر دین کی باتیں سکھلاؤں، وہ کہتے ہیں کہ جب میں وہاں گیا تو میں نے ان کو وحشی اونٹوں کی طرح پایا کہ جن کا مقصد زندگی اونٹ اور بکریاں تھیں میں ان کی یہ حالت دیکھ کر حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں واپس آیا اور حضور ﷺ کی خدمت میں ان کی غفلت کی حالت ذکر کی تو حضورؐ نے فرمایا ''اے عمارؓ! تجھے اس سے زیادہ تعجب کی بات سناؤں ایک قوم جو دین کو جانتی بھی ہوگی اور ان سے بھی زیادہ غفلت میں ہوگی'' اور اس قسم کے متعدد واقعات حیاۃ الصحابہؓ میں لکھے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ کفار کی طرف بھی جماعتوں اور سرایا کو بھیجنا ان کی ہدایت کے لیے تو تھا اور جب مسلمان دین سے بے خبری اور بے توجہی میں ان کے قریب پہنچ گئے ہوں یا ان سے بھی آگے کفر وارتداد کی طرف بڑھ گئے ہوں تو کیا ان کی ہدایت کے لیے ضرورت نہیں؟ حضرت دہلویؒ کے ملفوظات میں ایک ارشاد نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ مکہ معظمہ میں (قبل ہجرت) جو کام کرتے تھے یعنی چل پھر کر لوگوں کو دعوت حق دینا اور اس مقصد کے لیے خود ان کے پاس جانا بظاہر مدینہ طیبہ پہنچ کر یہ کام آپؐ کا نہیں رہا۔ بلکہ وہاں آپؐ اپنا ایک مستقر بنا کر بیٹھے لیکن یہ آپؐ نے اس وقت کیا جب کہ مکی دعوت کو سنبھالنے والوں اور اس کام کو حسن وخوبی کے ساتھ انجام دینے والوں کی ایک خاص جماعت آپؐ نے تیار کر دی اور پھر اس کام ہی کا تقاضا ہوا کہ آپؐ اپنے ایک مرکز میں بیٹھ کر اس کام کو نظم کے ساتھ چلائیں اور کارکنوں سے کام لیں علیٰ ہذا حضرت عمرؓ کو مدینہ طیبہ ہی کے مرکز میں مقیم رہنا اس وقت درست ہوا جب کہ ایران اور روم کے علاقوں میں اللہ کے کلمہ کو سربلند کرنے کے لیے جہاد کرنے والے اللہ کے ہزاروں

بندے پیدا ہو چکے تھے۔ اور ضرورت تھی کہ حضرت عمرؓ مرکز میں رہ کر اس دعوت حق اور جہاد فی سبیل اللہ کے نظام کو استحکام کے ساتھ چلائیں۔

بے طلبوں میں طلب پیدا کرنے کیلئے جماعتوں کی روانگی

حضرت مولانا ظفر احمد صاحب جو حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ کے بھانجے اور حضرت دہلوی مولانا الیاس صاحبؒ کے اخیر زمانہ میں عیادت کیلئے ایک دن کے لئے گئے تھے، مگر حضرت کے اس ارشاد پر کہ تمہیں اپنا وعدہ بھی یاد ہے (مولانا ظفر احمد صاحب نے عرصہ سے نظام الدین بسلسلہ تبلیغ ایک چلہ گذارنے کا وعدہ کر رکھا تھا) مستقل وہاں قیام کر لیا اور وصال تک وہیں رہے، اور حضرت کی شدت بیماری کی وجہ سے حضرت کو مسلسل کلام کرنا مشکل تھا وہ لکھتے ہیں ''ایک دفعہ فرمایا کہ سیدنا رسول اللہ ﷺ ابتداء اسلام کے زمانہ میں (جب دین ضعیف تھا اور دنیا قوی تھی) بے طلب لوگوں کے گھر جا جا کر ان کی مجالس میں بلا طلب پہنچ کر دعوت دیتے تھے طلب کے منتظر نہیں رہے بعض مقامات پر حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کو از خود بھیجا ہے کہ فلاں جگہ تبلیغ کرو، اس وقت وہی ضعف کی حالت ہے تو اب ہم کو بھی بے طلب لوگوں کے پاس خود جانا چاہیے۔ ملحدوں، فاسقوں کے مجمع میں پہنچنا چاہیے اور کلمہ حق بلند کرنا چاہیے (پھر خشکی غالب ہوگئی اور بات نہ کر سکے تو فرمایا) مولانا تم میرے پاس بہت دیر میں پہنچے اب میں تفصیل سے کچھ نہیں کہہ سکا، بس جو کہہ دیا اسی میں غور کرتے رہئے۔ فقط (ملفوظات دہلویؒ)

یہ کہنا کہ حضور ﷺ کے زمانہ میں یہ طرز نہیں تھا کتب سیر اور کتب حدیث پر قلتِ نظر کا اثر ہے۔ ورنہ جیسا اوپر بھی لکھوا چکا ہوں کہ ''حیاۃ الصحابہؓ ''میں بہت کثرت سے وفود بھیجنے کی تفاصیل موجود ہیں اور وفد عبد القیس کا قصہ تو ساری کتب حدیث میں مشہور ہے، انہوں نے عرض کیا تھا ''یا رسول اللہ ﷺ قبیلہ مضر ہم میں اور آپ میں حائل ہے، ہم صرف اشہر حرم میں آ سکتے ہیں۔ ہمیں ایمان کے امور بتا دیجئے تاکہ اگر ہم اس پر عمل کریں گے تو جنت میں داخل ہو جائیں گے، اور جا کر اپنی قوم کو بتائیں۔ اس پر حضور ﷺ نے چار چیزوں کا حکم فرمایا اور چار چیزوں سے منع فرمایا (جس کی تفصیل آئندہ اشکال نمبر 6 میں آ رہی ہے) مسند طیالسی کی روایات میں اس قصہ

میں یہ ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ''اپنی قوم کو جا کر ان چیزوں کی دعوت دو'' (حیاۃ الصحابہؓ) اسی میں ایک بہت طویل حدیث بروایت حاکم نقل کی ہے کہ علقمۃ بن الحارثؓ کہتے ہیں کہ میں اپنی قوم کے سات آدمیوں کے ساتھ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا حضور اقدس ﷺ نے فرمایا ''تم کون ہو؟ عرض کیا ''مومن ہیں'' تو حضور ﷺ نے فرمایا ''ہر قول کی ایک حقیقت ہوا کرتی ہے تمہارے ایمان کی کیا حقیقت ہے؟ انہوں نے عرض کیا ''پندرہ چیزیں ہیں جن میں سے پانچ کا تو آپؐ نے حکم فرمایا تھا اور پانچ چیزیں آپؐ کے قاصدوں نے بتائیں (لمبی حدیث ہے مجھے تو صرف اس جملہ کی طرف متوجہ کرنا تھا) کہ حضور اقدس ﷺ کے قاصد قوموں کے پاس جا کر حضور اقدس ﷺ کے ارشادات پہنچاتے تھے۔

داعی کا فریضہ

سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی سیرت پر وسعت نظر سے کون انکار کر سکتا ہے۔ تاریخ و سیرت میں ان کی وسعت نظر دنیا میں مشہور ہے، انہوں نے جو مقدمہ حضرت دہلویؒ کی سوانح مؤلفہ مولانا الحاج علی میاں پر لکھا ہے اس کے کچھ اقتباسات اپنی جگہ پر سید صاحب کے تذکرہ میں آئیں گے اس کے اندر وہ تحریر فرماتے ہیں کہ تبلیغ و دعوت کے ان اصولوں میں سے جو آنحضرتؐ کی سیرت میں نمایاں معلوم ہوتے ہیں ایک عرض ہے۔ یعنی حضور انور ﷺ اس کا انتظار نہیں فرماتے تھے کہ لوگ آپؐ کی خدمت میں خود حاضر ہوں بلکہ آپؐ اور آپؐ کے داعی لوگوں تک خود پہنچتے تھے اور کلمہ حق کی دعوت پیش فرماتے تھے (طویل مضمون ہے جو عنقریب آرہا ہے) اس کے بعد لکھتے ہیں ''اس سے معلوم ہوا کہ داعی اور مبلغ کا خود فرض ہے کہ وہ لوگوں تک پہنچے اور حق کا پیغام پہنچائے۔ (مقدمہ سوانح حضرت دہلویؒ)

مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی مفتی دارالعلوم دیوبند سے بھی ایک صاحب نے یہ اشکال کیا کہ حضور ﷺ کے زمانہ میں لوگ کفار کے پاس جاتے تھے آج کل لوگ مسلمانوں کے پاس جاتے ہیں۔ کیا حدیث سے یہ ثابت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے مسلمانوں میں جا کر اس طرح سے تبلیغ کی ہو اگر ہے تو اس کا حوالہ چاہیے۔ مفتی صاحبؒ نے اس کے جواب میں لکھا ہے کہ کوفہ اور قرقیسیا میں صحابہ کرامؓ کا تبلیغ کے لئے جانا فتح القدیر جلد اول میں مذکور ہے، حضرت عمرؓ نے حضرت معقل بن یسار عبداللہ بن مغفل

وغیرہ حضرات کی جماعت کو شام بھیجا۔ یہ جماعتیں مسلمانوں کے پاس گئیں۔ (ازالۃ الخفاء ج جلد۲)

اشکال نمبر۳: اہل تبلیغ علم وذکر کے مخالف ہیں

یہ بھی بہت کثرت سے کانوں میں پہنچتا رہتا ہے کہ تعلیم اور خانقاہوں کو بیکار بتایا جاتا ہے۔ میرا خیال یہ ہے کہ یہ اشکال یا تو عناد سے ذکر کیا جاتا ہے یا حالات سے ناواقفیت پر۔

تبلیغ کے تو اصولِ موضوعہ کے درمیان میں جو اس کے چھ نمبر معروف ہیں اور بالکل بنیادی ہیں، اس میں علم وذکر مستقل نمبر ہے اس کے علاوہ بانی تحریک حضرت دہلویؒ اور ان کے خلف الرشید مولانا محمد یوسف صاحبؒ کے کلاموں میں، ان کی تقریروں میں، ان کے ملفوظات میں، علم وذکر پر جتنا زور ہے اتنا شاید کسی جزو پر نہ ہو، حضرت دہلویؒ کا تو مشہور مقولہ جس کو وہ ہمیشہ اپنی مجالس میں اپنے ارشادات میں بار بار دہراتے رہے کہ علم وذکر میری تحریک کے دو بازو ہیں اگر ایک بازو ٹوٹ جائے تو پرندہ کا اڑنا مشکل ہے۔ یہ اعتراض کرنے والے اگر حضرت دہلویؒ اور ان کے خلف الرشید حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ کی سوانح عمریاں اور ملفوظات دیکھ لیتے تو اس قسم کا لفظ زبان یا قلم سے نکالنے کی کبھی ہمت نہ ہوتی۔

علم وذکر کے متعلق مولانا محمد الیاسؒ کے ملفوظات

حضرت دہلویؒ کے ملفوظات میں ہے:

(**ملفوظ نمبر ۱**) ایک بار فرمایا جس کو مولانا ظفر احمد صاحب بھانجہ حضرت حکیم الامۃ تھانوی نور اللہ مرقدہٗ نے اپنے ملفوظات میں جو انہوں نے نظام الدین کے قیام میں جمع کیے اور وہ حضرت دہلویؒ کے ملفوظات میں طبع بھی ہو گئے لکھا ہے کہ مولانا نے ایک بار فرمایا کہ ہماری تبلیغ میں علم وذکر کی بڑی اہمیت ہے بدون علم کے نہ عمل ہو سکے نہ عمل کی معرفت اور بدون ذکر کے علم ظلمت ہی ظلمت ہے۔ اس میں نور نہیں ہو سکتا۔ مگر ہمارے کام کرنے والوں میں اس کی کمی ہے، میں نے (مولانا ظفر احمد صاحب نے) عرض کیا تبلیغ خود بہت اہم ہے۔ اس کی وجہ سے ذکر میں کمی ہونا ویسا ہی ہے جیسا حضرت سید صاحب بریلوی قدس سرہٗ نے جس وقت جہاد کی تیاری کے لیے اپنے خدام کو بجائے ذکر وشغل کے نشانہ بازی اور گھوڑے کی سواری میں مشغول کر دیا، تو بعض نے یہ شکایت کی کہ اس وقت پہلے جیسے انوار نہیں ہیں تو حضرت سید صاحب نے فرمایا کہ ہاں اس وقت ذکر کے انوار نہیں ہیں جہاد کے انوار ہیں اور اس کی اس وقت ضرورت ہے، فرمایا (یعنی حضرت دہلویؒ نے) مگر مجھے علم اور ذکر کی کمی کا قلق ہے اور یہ کمی اس واسطے ہے کہ اب تک اہل علم اور اہل ذکر اس میں نہیں لگے ہیں۔ اگر یہ حضرات آ کر اپنے ہاتھ میں کام لے لیں تو یہ کمی بھی پوری ہو جائے، مگر علماء اور اہل ذکر تو ابھی تک اس میں بہت کم آئے ہیں۔

تشریح:...... اب تک جو جماعتیں تبلیغ کے لئے روانہ کی جاتی ہیں ان میں اہل علم اور اہل نسبت کی کمی ہے۔ جس کا حضرت کو قلق تھا۔ کاش اہل علم اور اہل نسبت بھی ان جماعتوں میں شامل ہو کر کام کریں تو یہ کمی پوری ہو جائے الحمد للہ مرکز تبلیغ میں اہل علم اور اہل نسبت موجود ہیں، مگر وہ چند گنتی کے آدمی ہیں اگر وہ ہر جماعت کے ساتھ جایا کریں تو مرکز کا کام کون سرانجام دے۔ (ملفوظات)

(**ملفوظ نمبر ۲**) ایک دن بعد نماز فجر جب کہ اس تحریک میں عملی حصہ لینے والوں کا نظام الدین کی مسجد میں بڑا مجمع تھا، اور حضرت مولانا کی طبیعت اس قدر کمزور تھی کہ بستر پر لیٹے لیٹے بھی دو چار لفظ بآواز نہیں فرما سکتے تھے تو اہتمام سے ایک خاص خادم کو طلب فرمایا، اور اس کے

واسطے سے اس پوری جماعت کو کہلوایا کہ آپ لوگوں کی یہ ساری چلت پھرت اور ساری جدوجہد بیکار ہوگی اگر اس کے ساتھ علم دین اور ذکر اللہ کا پورا اہتمام آپ نے نہیں کیا بلکہ سخت خطرہ اور قوی اندیشہ ہے کہ اگر ان دو چیزوں کی طرف سے تغافل برتا گیا تو یہ جدوجہد مبادا فتنہ اور ضلالت کا ایک نیا دروازہ نہ بن جائے دین کا اگر علم ہی نہ ہو تو اسلام اور ایمان محض رسمی اور رسمی ہے، اور اللہ کے ذکر کے بغیر اگر علم ہو بھی تو وہ سراسر ظلمت ہے اور علیٰ ہذا اگر علم دین کے بغیر ذکر اللہ کی کثرت بھی ہو تو اس میں بھی بڑا خطرہ ہے۔ الغرض علم میں نور ذکر سے آتا ہے، اور بغیر علم دین کے ذکر کے حقیقی برکات وثمرات حاصل نہیں ہوتے۔ بلکہ بسا اوقات ایسے جاہل صوفیوں کو شیطان اپنا آلہ کار بنا لیتا ہے۔ لہٰذا علم اور ذکر کی اہمیت کو اس سلسلہ میں کبھی فراموش نہ کیا جائے اور اس کا ہمیشہ خاص اہتمام رکھا جائے ورنہ آپ کی یہ تبلیغی تحریک بھی بس ایک آوارہ گردی ہو کر رہ جائے گی اور خدانہ کرے آپ لوگ سخت خسارہ میں رہیں گے۔

(**ملفوظ نمبر ۳**) ایک بار فرمایا کہ میں ابتداء میں اس طرح ذکر کی تعلیم دیتا ہوں (یہاں اوراد کی تفصیل ہے اس کے بعد فرمایا) علم بدون ذکر کے ظلمت ہے اور ذکر بدون علم کے بہت سے فتنوں کا دروازہ ہے۔

(**ملفوظ نمبر ٤**) فرمایا کہ دو چیزوں کا مجھے بڑا فکر ہے ان کا اہتمام کیا جائے ایک ذکر کا کہ اپنی جماعت میں اس کی کمی پا رہا ہوں ان کو ذکر بتلایا جائے۔ دوسرے اہل اموال کو مصرف زکوٰۃ سمجھایا جائے ان کی زکوٰتیں اکثر برباد جا رہی ہیں مصرف میں خرچ نہیں ہوتیں۔ (مضمون طویل ہے)

(**ملفوظ نمبر ٥**) فرمایا علم سے عمل پیدا ہونا چاہئے اور عمل سے ذکر پیدا ہونا چاہیے جب ہی علم، علم ہے اور عمل، عمل ہے، اگر علم سے عمل پیدا نہ ہوا تو سراسر ظلمت ہے۔ اور عمل سے اللہ کی یاد دل میں پیدا نہ ہوئی تو پھس پھسا ہے، اور ذکر بلا علم بھی فتنہ ہے۔

(**ملفوظ نمبر ٦**) فرمایا کہ ذکر اللہ شر شیاطین سے بچنے کے لئے قلعہ اور حصن حصین ہے لہٰذا جس قدر غلط اور برے ماحول میں تبلیغ کے لئے جایا جائے شیاطین جن وانس کے برے اثرات سے اپنی حفاظت کے لئے اسی قدر زیادہ ذکر اللہ کا اہتمام کیا جائے۔

(**ملفوظ نمبر ۷**) فرمایا مجھے جب بھی میوات جانا ہوتا ہے تو میں ہمیشہ اہل خیر اور اہل ذکر

کے مجمع کے ساتھ جاتا ہوں پھر بھی عمومی اختلاط سے قلب کی حالت اس قدر متغیر ہو جاتی ہے کہ جب تک اعتکاف کے ذریعہ اس کو غسل نہ دوں یا چند روز کے لئے سہارنپور یا رائپور کے خاص مجمع اور خاص ماحول میں جا کر نہ رہوں قلب اپنی حالت پر نہیں آتا، دوسروں سے بھی کبھی کبھی فرمایا کرتے تھے دین کے کام کے لئے پھرنے والوں کو چاہیے کہ گشت اور چلت پھرت کے طبعی اثرات کو خلوتوں کے ذکر و فکر کے ذریعہ دھویا کریں۔

(**ملفوظ نمبر ۸**) ارشاد فرمایا کہ علم و ذکر کو مضبوطی سے تھامنے کی زیادہ سے زیادہ ضرورت ہے (اس کے بعد طویل ارشاد علم و ذکر کی حقیقت میں ہے جس میں یہ فرمایا کہ علم نام صرف جاننے کا نہیں) دیکھو یہود اپنی شریعت اور اپنے آسمانی علوم کے کیسے عالم تھے کہ حضور اقدس ﷺ کے نائبوں کے نائبوں تک کے حلیے نقشے حتیٰ کہ ان کے جسم کے تل کے متعلق بھی ان کو علم تھا لیکن کیا ان باتوں کے صرف جاننے نے ان کو کوئی فائدہ دیا؟

یہ چند ملفوظات مختصر لکھوائے ہیں، حضرت دہلوی اور حضرت مولانا محمد یوسف صاحب نور اللہ مرقدہما کی تقاریر ان کے ملفوظات اور ارشادات اور مکاتیب کثرت سے شائع ہو چکے ہیں۔ حضرت دہلویؒ کے ایک مکتوب کے چند فقرے نقل کراتا ہوں جو میوات کے کارکنوں کے نام لکھا گیا اور حضرت دہلویؒ کے مکاتیب میں طبع شدہ ہے "دوستو اور عزیزو! تمہارے ایک ایک سال دینے کی خبر سے جو ابھی سے مسرت ہو رہی ہے وہ تحریر سے باہر ہے اللہ تعالیٰ قبول فرمائے، اور توفیق مزید عطا فرمائے۔ میں چند باتوں کی طرف آپ صاحبان کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں۔

(الف) اپنے اپنے حلقے کے ان لوگوں کی فہرست جمع کر کے مجھے اور شیخ الحدیث صاحب کو کہ جو ذکر شروع کر چکے ہیں یا اب کر رہے ہیں یا چھوڑ چکے ہیں۔

(ب) دوسرے جو بیعت ہیں اور ان کو بیعت کے بعد جو بتلایا جاتا ہے اس کو نباہ رہے ہیں یا نہیں؟

(ج) ہر مرکز میں جو مکاتب ہیں ان کی نگرانی اور جدید مکاتب کی جہاں جہاں ضرورت ہے۔

(د) تم خود بھی ذکر اور تعلیم میں مشغول ہو یا نہیں اگر نہیں ہو تو بہت جلد اب تک کی غفلت پر

نادم شروع کر دو، الف سے مراد یہ کہ جن کو بارہ تسبیح بتائی ہیں وہ پابندی سے پورا کرتے ہیں یا نہیں اور انہوں نے ہم سے پوچھ کر کیا ہے یا خود اپنی تجویز سے ذکر کرنے والوں کو دیکھ کر شروع کیا ہے ہر ہر شخص سے دریافت کر کے نمبر وار تفصیل سے لکھو۔

(ہ) اپنے مرکزوں سے ہر ہر نمبر کے متعلق نمبر وار تفصیل کے ساتھ کارگزاری میرے اور شیخ الحدیث صاحب کے پاس روانہ کرنے کا اہتمام ہو۔

(و) جو ذکر بارہ تسبیح کر رہے ہیں ان کو آمادہ کرو کہ وہ ایک ایک چلہ رائپور جا کر گذاریں۔

(ز) میرے دوستو! تمہارے نکلنے کا خلاصہ تین چیزوں کا زندہ کرنا ہے، ذکر، تعلیم، تبلیغ یعنی تبلیغ کے لئے باہر نکالنا۔ اور ان کو ذکر و تعلیم کا پابند کرنا۔ (مکاتیب)

مولانا محمد یوسفؒ اور علم و ذکر کی اہمیت

سوانح یوسفی میں لکھا ہے کہ مولانا محمد یوسف صاحبؒ یقین اور نماز کو اس کام کی بنیاد سمجھتے ہوئے علم و ذکر کو دعوت و تبلیغ کی تحریک کے دو بازو قرار دیتے تھے اور ہمیشہ اپنی تقریروں اور مکاتیب میں اس کی طرف پوری طرح متوجہ فرماتے تھے۔ اپنے ایک اہم مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں ''علم و ذکر اس کام کے دو بازو ہیں، ان میں کسی ایک کی کمی اور سستی اصل کام کے لئے سخت مضر اور کمزور کرنے والی ہے، ہر ایک اپنی جگہ نہایت ضروری و لابدی ہے۔ علم و ذکر کے مراکز خانقاہیں اور مدارس ہیں، ہم اپنے دونوں بازوؤں کو قوی کرنے کے اندر ہر طرح ہر وقت اہل علم علماء صلحاء مشائخ کے محتاج ہیں وہ ہمارے بالخصوص ان دو اہم امور میں مقتدا ہیں چونکہ ان کے پاس علم نبوت اور جواہر نبوت موجود ہیں، ہمارے ذمہ لازم ہے کہ ہم اس علم و ذکر کی وجہ سے ان کی خوب قدر کریں۔ ان کی خدمت کریں ان کی صحبت کو اپنے لئے باعث اصلاح و نجات سمجھیں، اسی بنا پر تبلیغ کے اہم نمبروں میں سے ہے علماء اور مشائخ کی زیارت اور ان سے دعاؤں کو لینا ان کے سامنے حالات تبلیغ سنانا اور مفید مشورہ حاصل کرنا۔ مفتی عزیز الرحمٰن صاحب سوانح حضرت جی میں لکھتے ہیں ''ایک دفعہ میں نے مولانا سے اپنی درسی مصروفیات کی شکایت کی اور عرض کیا کہ میں پڑھانے سے اس قدر تھک گیا ہوں کہ جی چاہتا ہے کہ تھوڑے دنوں کے لئے کوئی آدمی مل جائے تو درسی ذمہ داری اس کے سپرد کر کے کچھ دن تبلیغ میں لگا دوں تو

فرمایا ہرگز نہیں تبلیغ سے پہلے بھی یہی کام کرنا ہے اور تبلیغ کے بعد بھی یہی کام کرنا ہے، لوگ ہمیں کہتے ہیں کہ ہم مدرسوں کے مخالف ہیں حالانکہ یہ غلط ہے، ہم پڑھانے کو بنیادی کام سمجھتے ہیں اور حد یہ ہے کہ خود پڑھاتے ہیں، ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ پڑھانے کے کام کے ساتھ تبلیغ کو بھی لگائے رکھو۔ (سوانح یوسفی عزیزی)

اہل علم کی مجلس میں علم وذکر کے متعلق استفادہ کریں

حضرت دہلویؒ اپنے ایک طویل مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں اپنے وقتوں کو صبح وشام اور کچھ حصہ شب کا اپنی حیثیت کے مناسب ان دو چیزوں (تحصیل علم وذکر) میں مشغول رکھنا۔

سوانح حضرت دہلویؒ میں علی میاں لکھتے ہیں " آپ نے میواتیوں کو دیوبند، سہارنپور، رائپور اور تھانہ بھون کی طرف بھیجنا شروع کیا اور ہدایت فرمائی کہ بزرگوں کی مجلسوں میں تبلیغ کا ذکر نہ کریں پچاس ساٹھ آدمی ماحول کے دیہاتوں میں گشت کریں اور آٹھویں روز قصبہ میں جمع ہو جائیں پھر وہاں سے دیہات کے لئے تقسیم ہو جائیں حضرات اکابر کی طرف سے اگر پوچھا جائے تو بتلا دیا جائے، از خود کچھ ذکر نہ کیا جائے" شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب کو ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں "میری ایک پرانی تمنا ہے کہ خاص اصولوں کے ساتھ مشائخ طریقت کے یہاں یہ جماعتیں آداب خانقاہ کی بجا آوری کرتے ہوئے خانقاہوں میں فیض اندوز ہوں اور جس میں باضابطہ خاص وقتوں میں حوالی کے گاؤں میں تبلیغ بھی جاری رہے اس بارے میں ان آنے والوں سے مشاورت کر کے کوئی طرز مقرر فرما رکھیں، یہ بندہ ناچیز بھی اس ہفتہ بہت زیادہ اغلب ہے کہ چند فقراء کے ساتھ حاضر ہو، دیوبند اور تھانہ بھون کا بھی خیال ہے۔ مولانا یوسف صاحبؒ اپنے منتسبین اور تبلیغی کام سے تعلق رکھنے والوں کو برابر، دیوبند حضرت مدنیؒ کی خدمت میں اور رائپور حضرت مولانا عبد القادر صاحب رائپوریؒ کی خدمت میں حاضری اور وہاں کچھ وقت صرف کرنے اور زیادہ سے زیادہ استفادہ کرنے پر زور دیتے تھے۔ (حضرت حکیم الامۃ قدس سرہٗ کا وصال مولانا یوسف صاحب کے دور سے پہلے ہو چکا تھا) اپنے ایک پرانے تعلق رکھنے والے صاحب کو اس سلسلہ میں ایک مکتوب لکھتے ہوئے کتنے اہتمام سے ہدایت فرماتے ہیں۔

''آپ کے لئے باہمی مشورہ سے رائپور کا قیام طے ہوا، نہ صرف ایک چلہ کے لئے بلکہ تین چلوں تک آپ حضرت کے پاس بخوشی رہیں، حضرت عالی کی صحبت مبارکہ کو کیمیا اور اخلاق کے بلند ہونے کا بڑا علاج تصور فرماتے ہوئے وہاں کے آداب کی پوری پوری رعایت کرتے ہوئے ذکر الٰہی کا شوق اور محبت ربانیہ کی پیداوار کی کوشش میں رہیں''

ہم سے تو کچھ نہ ہوسکا آپ ہی اس عظیم ترین دولت کی تحصیل میں لگ جائیں اللہ پاک وہاں آپ کے قیام کو ہماری نجات و مغفرت کا ذریعہ قرار دے۔ حضرت سے بعد سلام مسنون اس عاجز و ناچیز کے لئے دعاء کی درخواست عرض کردیں اور تمام متوسلین و مقیمین بارگاہ کو بھی''

بندہ محمد یوسف غفرلہ (سوانح یوسفیؒ)

اشکال نمبر ۴: تبلیغ مدارس کے نقصان کا ذریعہ ہے

مخالفت کا پروپیگنڈہ غلط ہے تبلیغی جماعت سے مدارس کو نقصان پہنچ رہا ہے یہ لوگ مدارس کی مخالفت کرتے ہیں یہ اعتراض بھی نہایت ہی لغو اور بے اصل ہے اس پہلے نمبر میں...... مدارس...... علم و ذکر کی جو اہمیت بیان ہوچکی ہے،..... اس کے بعد یہ کہنا کہ مدارس کو نقصان پہنچتا ہے یا یہ لوگ مدارس کی مخالفت کرتے ہیں جتنا بے اصل ہے ظاہر ہے۔ ایک مرتبہ اس ناکارہ سے حضرت اقدس شیخ الاسلام مولانا مدنی نوراللہ مرقدہٗ نے ارشاد فرمایا کہ یہ تبلیغی لوگ مدارس کے چندہ کو منع کرتے ہیں میں نے عرض کیا کہ یہ کسی سفیر کی روایت ہوگی، سفراء مدارس اس کے ضرور شاکی ہیں اور میں خود بھی چونکہ مدرسہ والا ہوں اس لئے میرے پاس بھی اس قسم کی شکایتیں سفراء کی طرف سے پہنچتی رہتی ہیں، میں نے عرض کیا کہ اس کی اصلیت یہ ہے کہ تبلیغی اکابر کی طرف لوگوں کی رجوعات کی کثرت اور تبلیغی اجتماعات بہت بڑی مقداروں میں ہونے لگے ہیں، کسی اجتماع کے موقع پر کسی مدرسہ کا سفیر گیا ہوا ہوتا ہے وہ یہ چاہتا ہے کہ یہ تبلیغی احباب اپنے اجتماعات میں ہمارے مدرسوں کے لئے تحریک کردیں یا کم از کم ان کو تقریر کا موقع دیں تاکہ وہ اس اجتماع کو وصول کرتے ہوئے اپنے مدرسہ کے لئے چندہ تحریک کریں، اور ان دونوں باتوں کو تبلیغی حضرات قبول نہیں کرتے اور کرنا بھی نہیں چاہئے اس لیے کہ چندہ مانگنا ان کے اصول کے خلاف ہے اور جب وہ عذر کرتے ہیں۔ تو یہ اس کو اس عنوان

سے تعبیر کرتے ہیں کہ یہ مدارس کے خلاف ہیں، میں نے حضرت سے عرض کیا مجھ سے متعدد سفراء نے یہ شکایتیں کیں اور جب میں نے ان سے پوچھا کہ کس نے اور کہاں مخالفت کی تو ان کی نشاندہی پر واقعہ کی تحقیق کی تو یہی معلوم ہوا جو میں نے اوپر عرض کیا، حضرتؒ نے فرمایا کہ روایت تو ایک مدرسہ کے سفیر ہی کی تھی فقط اس قسم کے اعتراضات زیادہ تر سفراء کی طرف سے آتے ہیں، یا ان لوگوں کی طرف سے جن سے سفراء یہ شکایت کرتے ہیں اس میں شک نہیں کہ چندہ مانگنا ان لوگوں کے اصول کے خلاف ہے، اللہ ان کو اپنے اس عزم پر باقی رکھے۔ یہاں مدرسہ کی مسجد میں چند سال ہوئے مغرب کی نماز کے بعد ایک شخص نے اعلان کیا کہ میں نظام الدین سے آیا ہوں تبلیغ میں جارہا ہوں میرے پاس کرایہ نہیں رہا۔ اہل خیر اپنی ہمت کے موافق کچھ مدد فرمائیں، میں نے اسی وقت اعلان کیا کہ یہ شخص جھوٹا ہے تبلیغ والوں کو چندہ مانگنے کی مرکز سے ہرگز اجازت نہیں اس کو کوئی چندہ نہ دے مدرسہ کی مسجد سے وہ فوراً چلا گیا، مگر معلوم ہوا شہر کی دوسری مساجد میں وہ اسی عنوان سے چندہ کرتا رہا۔ حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہٗ کے ملفوظات میں ہے ''جہاں وعظ کہہ کر چندہ مانگا سب اثر گڑ بڑ ہوگیا، بڑے زور وشور کی تقریر گھنٹہ دو گھنٹہ کی محنت ایک لفظ چندہ کے کہتے ہی سب ختم، علماء صرف تبلیغ کریں جب ہی تبلیغ مؤثر ہوسکتی ہے۔ (افاضات)

کلکتہ کے اور ممبئی کے بعض تاجروں سے ایک مدرسہ کے بڑے ذمہ دار نے یہ شکایت کی کہ تبلیغ والوں سے مدارس کے چندہ کو نقصان پہنچتا ہے، ان لوگوں نے مختلف مواقع پر ایک ہی جواب دیا کہ ہم لوگ تو ان مدارس کو چندہ تبلیغ ہی کی برکت سے دے رہے ہیں، آپ دس برس پہلے کی رودادیں نکال کر دیکھ لیں اور اب کی رودادیں نکال کر دیکھ لیں اور موازنہ کریں کہ ہمارے شہروں سے ان دس برسوں میں چندہ میں کتنا اضافہ ہوا۔ حضرت دہلوی نور اللہ مرقدہ کی سوانح میں حضرت دہلویؒ کا ایک مکتوب درج ہے جو میوات کے چند دینداروں کے نام لکھا گیا ہے، جس میں اس حقیقت کی وضاحت فرمائی تھی۔ ''دین کے ادارے اور جتنے بھی ضرورت کے امور ہیں ان سب کے لئے تبلیغ (صحیح) اصول کے ساتھ ملک ملک پھرتے ہوئے کوشش کرنا بمنزلہ زمین ہموار کرنے کے ہے اور بمنزلہ بارش کے ہے، اور دیگر جتنے بھی امور ہیں وہ اس زمین مذہب کے اوپر بمنزلہ باغات کی پرورش کرنے کے ہیں، باغات کی ہزاروں اقسام ہیں کوئی کھجوروں کا ہے کوئی اناروں کا ہے، کوئی

سیبوں کا، باغ ہزاروں چیزوں کے ہو سکتے ہیں، لیکن کوئی باغ دو چیزوں کے اندر پوری پوری کوشش کرنے کے بغیر نہیں ہو سکتا پہلی چیز زمین کا ہموار اور درست ہونا، زمین کے ہموار کرنے میں کوشش کئے بغیر یا زمین میں کوشش کر کے خود ان باغات کی مستقل پرورش کئے بغیر کسی طرح باغات پرورش نہیں پا سکتے۔ سو دین میں تبلیغی امور کی کوشش یہ تو زمین مذہب ہے، اور سب ادارے باغ ہیں، اب تک زمین مذہب ایسی ناہموار اور ہر طرح کی پیداوار اور باغات سے اس قدر نامناسب واقع ہو رہی ہے کہ کوئی باغ اس پر نہیں لگتا حضرت دہلوی کی رائے یہ تھی جس کو انہوں نے مختلف عناوین سے ملفوظات میں مکاتیب اور ارشادات میں ظاہر کیا ہے کہ ان کی تبلیغ مدارس اور خانقاہوں کی ترقی کا ذریعہ ہے۔ ایک جگہ حضرت دہلویؒ کا ایک مکتوب نقل کیا ہے علی میاں حضرت دہلویؒ کی سوانح میں لکھتے ہیں کہ مولانا مدارس دینیہ کے وجود کو مسلمانوں کے لئے نہایت ضروری سمجھتے تھے اور اس سایہ رحمت کے مسلمانوں کے سروں سے اٹھ جانے کو موجب وبال اور قہر سمجھتے تھے، لوگوں کی ناقدردانی اور غفلت سے دینی مدارس اور مکاتب کی ایک بڑی تعداد میوات میں معطل ہو گئی تھی۔ شیخ رشید احمد صاحب کو اسی خط میں اس کے متعلق تحریر فرماتے ہیں "لوگوں کو یہ بات ذہن نشین کرانے میں آپ ہمت فرما دیں کہ سینکڑوں مدرسوں کا ست پڑ جانا یا بند ہو جانا اہل زمانہ کے لیے نہایت وبال اور نہایت باز پرس کا خطرہ رکھتا ہے۔ کہ قرآن دنیا سے مٹتا چلا جائے اور ہمارے پیسوں میں اس کا کوئی حصہ اور ہمارے دلوں میں اس کا کوئی درد نہ ہو یہ سب باتیں خطرناک ہیں۔"

(سوانح مولانا محمد الیاس صاحبؒ)

اشکال نمبر ۵: جماعتوں میں علماء کی اہانت ہوتی ہے۔

یہ اعتراض بھی بہت کثرت سے آرہا ہے کہ تبلیغ والے علماء کی اہانت کرتے ہیں۔ جہاں تک علماء کی اہانت کا تعلق ہے اس دور فساد میں کون سا طبقہ کون سی جماعت ایسی ہے جو علماء کی اہانت نہیں کر رہی ہے، اگر ان میں سے کچھ لوگ تبلیغی جماعت میں بھی شریک ہو جائیں تو اس چیز کو تبلیغی جماعت کی طرف منسوب کرنا صریح ظلم ہے علماء کی اہانت کے متعلق تو یہ ناکارہ اپنے رسالہ "اعتدال" میں تقریباً پچاس صفحے پر بہت تفصیل سے گفتگو کر چکا ہے، اس میں اس اعتراض کو بھی اور

اس کی وجوہ کو بھی بہت تفصیل سے لکھا ہے جہاں تک تبلیغی جماعت کا تعلق ہے میرے علم میں تو یہ ہے کہ علماء کے احترام کی مرکز اور اکابر تبلیغ کی طرف سے بہت تاکید ہوتی ہے، اگر اس کے خلاف کسی کا قول یا فعل ہو تو اس کا ذاتی فعل یا قول ہے۔ میں اس سے پہلی فصل میں جہاں مدارس کے نقصان کا بیان کر چکا ہوں وہاں بہت سے تاجروں اور رئیسوں کا مقولہ جو متعدد علماء بلکہ خود مجھ سے بھی کہا گیا ہے کہ حضرت جی ہم لوگ تو آپ سے بہت خفا اور دور رہتے تھے۔ اس تبلیغ کی بدولت آپ تک پہنچنا ہوا۔ یہ مقولہ بلا تصنع بلا مبالغہ سو آدمیوں سے زائد سے میں نے سنا ہوگا۔ اس سے کس کو انکار ہو سکتا ہے کہ ممبئی شہر میں علماء حقہ میں تبلیغ سے پہلے جانا کتنا دشوار تھا، اور وعظ کہنے کا تو واہمہ بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ حضرت حکیم الامۃ نور اللہ مرقدہ کو اپنی اہلیہ محترمہ کی حج سے واپسی پر ممبئی تشریف لے جانے پر کس قدر اذیت دی گئی کہ مخالفین نے بجلی کے تار کاٹ دیئے مکان کا محاصرہ کر لیا اور حضرت قدس سرہٗ پر حملہ کیا۔ میزبان کی خوش اسلوبی اور بہترین انتظام کی وجہ سے حضرت اقدس سرہٗ کو اس مکان سے دوسرے مکان میں اندھیرے کے اندر پہنچایا گیا۔

۳۸ھ میں جب حضرت سہارنپوری قدس سرہٗ تین سو خدام کے ساتھ حج میں تشریف لے جا رہے تھے یہ ناکارہ بھی اس میں ہم رکاب تھا تو اہل ممبئی کے شری اور فسادی مخالفین کے خوف سے حضرت کو مع قافلہ کے ممبئی سے دس میل دور ایک قبرستان میں ٹھہرایا گیا تھا اور وہاں خیمے لگائے گئے تھے۔ علماء دیوبند کا ممبئی میں علی الاعلان جانا کس قدر دشوار تھا۔ اس سے ظاہر ہے کہ ممبئی کی کسی مسجد میں کسی معروف دیوبندی کا نماز پڑھ لینا معلوم ہو جاتا تو اس مسجد کو پاک کرایا جاتا تھا، لیکن اب وہی ممبئی ہے کہ جہاں علماء حقہ کی طلب اور بلانے کے تقاضے اتنی کثرت سے ہوتے ہیں کہ ان کا پورا کرنا بھی مشکل ہے، جہاں تک تبلیغی اکابر کے ارشادات کا تعلق ہے ان سے انکار یا چشم پوشی انتہائی موجب تعجب ہے، اگر کسی تبلیغ والے میں سے کسی نالائق نے جو پہلے سے علماء کا مخالف ہو علماء کی شان میں خلاف کہہ دیا ہو تو یہ بھی دیکھنا ہے کہ تبلیغ سے پہلے علماء کے ساتھ کیسا تعلق رکھتا تھا، اگر وہ پہلے سے معتقد تھا اور تبلیغ میں آنے کے بعد یہ حرکت شروع کی تب تو تبلیغ پر یہ الزام سچا ہے اور اگر وہ پہلے سے مخالف تھا تو تم ہی سوچو کہ اس میں تبلیغ پر کیا الزام ہے مجھے اس وقت حضرت حکیم الامۃ نور اللہ مرقدہٗ کا ایک لطیفہ یاد آیا'' ایک مدرسہ کے طالب علم نے کسی کی چوری کر لی تھی اس نے حضرت قدس سرہٗ سے

شکایت کی کہ حضرت طالب علم بھی چوری کرنے لگے تو حضرت نے ارشاد فرمایا کہ بالکل نہیں بلکہ چور طالب علمی کرنے لگے۔

علماء کے متعلق حضرت دہلویؒ کے ارشادات

حضرت دہلویؒ کا ارشاد ہے کہ:

(۱) ہمارے کارکن جہاں بھی کہیں جاویں وہاں کے حقانی علماء اور صلحاء کی خدمت میں حاضری کی کوشش کریں لیکن یہ حاضری صرف استفادہ کی نیت سے ہو اور ان حضرات کو براہِ راست اس کام کی دعوت نہ دیں۔ وہ حضرات جن دینی مشاغل میں لگے ہوئے ہیں ان کو تو وہ خوب جانتے ہیں اور ان کے منافع کا تجربہ رکھتے ہیں، اور تم اپنی یہ بات ان کو اچھی طرح سے سمجھا نہ سکو گے یعنی تم ان کو اپنی باتوں سے اس کا یقین نہ دلوا سکو گے کہ یہ کام ان کے دوسرے دینی مشاغل سے زیادہ دین کے لیے مفید اور زیادہ منفعت بخش ہے، نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ تمہاری بات کو مانیں گے نہیں اس لیے ان کی خدمت میں بس استفادہ ہی کے لئے جایا جائے، لیکن ان کے ماحول میں نہایت محنت سے کام کیا جائے اور اصولوں کی زیادہ سے زیادہ رعایت کی کوشش کی جائے اس طرح امید ہے کہ تمہارے کام اور اس کے نتائج کی اطلاعیں خود بخود ان کو پہنچیں گی، اور وہ ان کے لئے داعی اور ان کی توجہ کی طالب ہو جائے گی پھر اگر اس کے بعد وہ خود تمہاری طرف اور تمہارے کام کی طرف متوجہ ہوں تو ان سے سرپرستی اور خبر گیری کی درخواست کی جائے، اور ان کے دینی ادب و احترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنی بات ان سے کہی جائے۔ (ملفوظات)

(۲) ارشاد فرمایا کہ اگر کہیں دیکھا جائے کہ وہاں کے علماء اور صلحاء اس کام کی طرف ہمدردانہ طور سے متوجہ نہیں ہوتے تو ان کی طرف سے بدگمانیوں کو دل میں جگہ نہ دی جائے، بلکہ یہ سمجھ لیا جائے کہ ان حضرات پر اس کام کی پوری حقیقت ابھی کھلی نہیں۔ علاوہ اس کے یہ بھی سمجھنے کی بات ہے کہ دنیا جو حقیر و ذلیل چیز ہے جب اس کے گرفتار اپنے دنیوی مشاغل پر اس کام کو ترجیح نہیں دے سکتے اور اپنے مشاغل و انہماک کو چھوڑ کر اس کام میں نہیں لگ سکتے تو اہل دین اپنے اعلیٰ مشاغل کو اس کام کے لئے کیسے آسانی سے چھوڑ سکتے ہیں۔ (ملفوظات)

(۳) فرمایا کہ مسلمانوں کو علماء کی خدمت میں چار نیتوں سے جانا چاہئے۔ اول اسلام کی جہت سے، دوم یہ کہ ان کے قلوب و اجسام حامل علوم نبوت ہیں۔ اس جہت سے بھی وہ قابل تعظیم اور لائق خدمت ہیں، سوم یہ کہ وہ ہمارے دینی کاموں کی نگرانی کرنے والے ہیں، چہارم یہ کہ ان کی ضروریات کے تفقد کے لیے کیونکہ اگر دوسرے مسلمان ان کی دنیوی ضرورتوں کا تفقد کر کے ان ضرورتوں کو پورا کر دیں جن کو اہل اموال پورا کر سکتے ہیں تو علماء اپنی ان ضرورتوں میں وقت صرف کرنے سے بچ جائیں گے اور وہ وقت بھی خدمت علم و دین میں خرچ کریں گے تو اہل اموال کو ان کے ان اعمال کا ثواب ملے گا۔ (ملفوظات)

(۴) ایک بار فرمایا کہ جو وفود سہارنپور، دیوبند وغیرہ تبلیغ کے لئے جا رہے ہیں ان کے ہمراہ تجار دہلی کے خطوط کر دیئے جائیں جن میں نیاز مندانہ لہجہ میں حضرات علماء سے عرض کیا جائے کہ یہ وفود عوام میں تبلیغ کے لئے حاضر ہو رہے ہیں، آپ حضرات کے اوقات بہت قیمتی ہیں، اگر ان میں سے کچھ وقت اس قافلہ کی سرپرستی میں دے سکیں جس میں آپ کا اور طلبہ کا حرج نہ ہو تو اس کی سرپرستی فرمائیں اور طلبہ کو اس کام میں اپنی نگرانی میں ساتھ لیں۔ طلبہ کو از خود بدون اساتذہ کی نگرانی کے اس کام میں حصہ نہ لینا چاہئے، اور قافلہ والوں کو یعنی وفود تبلیغ کو نصیحت کی جائے کہ اگر حضرات علماء توجہ میں کمی کریں تو ان کے دلوں میں علماء پر اعتراض نہ آنے پائے، بلکہ یہ سمجھ لیں کہ علماء ہم سے بھی زیادہ اہم کام میں مشغول ہیں، وہ راتوں کو بھی خدمت علم میں مشغول رہتے ہیں جب کہ دوسرے آرام کی نیند سوتے ہیں، اور ان کی عدم توجہ کو اپنی کوتاہی پر محمول کریں کہ ہم نے ان کے پاس آمد و رفت کم کی ہے اس لئے وہ ہم سے زیادہ ان لوگوں پر متوجہ ہیں جو سالہا سال کے لئے ان کے پاس آ پڑے ہیں۔ پھر فرمایا کہ ایک عامی مسلمان کی طرف سے بھی بلاوجہ بدگمانی ہلاکت میں ڈالنے والی ہے اور علماء پر اعتراض تو بہت سخت چیز ہے، پھر فرمایا کہ ہمارا طریقہ تبلیغ میں عزت مسلم اور احترام علماء بنیادی چیز ہیں۔ ہر مسلمان کی بوجہ اسلام کے عزت کرنی چاہئے اور علماء کا بوجہ علم دین کے بہت احترام کرنا چاہئے۔ پھر فرمایا کہ علم اور ذکر کا کام ابھی تک ہمارے مبلغین کے قبضہ میں نہیں آیا۔ اس کی مجھے بڑی فکر ہے اور اس کا طریقہ یہی ہے کہ ان لوگوں کو اہل علم اور اہل ذکر کے پاس بھیجا جائے کہ ان کی سرپرستی میں تبلیغ بھی کریں۔ اور ان کے علم و صحبت سے بھی مستفید ہوں۔ (ملفوظات)

(۵) ایک مرتبہ مولانا ظفر احمد صاحب زاد مجدہم کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ حضرت مولانا تھانویؒ کے لوگوں کی مجھے بہت قدر ہے، کیونکہ وہ قریب العہد ہیں، اسی وجہ سے تم میری باتیں جلدی سمجھ جاتے ہو کہ مولانا کی باتیں سن چکے ہو اور تازہ سنی ہوئی ہیں، تمہاری وجہ سے میرے کام میں بہت برکت ہوتی ہے میرا بہت جی خوش ہوا، پھر بہت دعائیں دیں اور فرمایا تم خود بھی رورو کر اس نعمت کا شکر کرو۔ (ملفوظات)

(۶) فرمایا کہ ہمارے کام کرنے والوں کو تین طبقوں میں تین ہی مقاصد کے لیے خصوصیت کے ساتھ جانا چاہئے علماء اور صلحاء کی خدمت میں دین سیکھنے اور دین کے اچھے اثرات لینے کے لئے۔الی آخرہ (ملفوظات)

(۷) فرمایا کہ ہمارے اس کام کا اصول یہ ہے کہ مسلمانوں کے جس طبقہ کا حق اللہ تعالیٰ نے رکھا ہے اس کو ادا کرتے ہوئے اس دعوت کو اس کے سامنے پیش کیا جائے....علماء دین کا حق تعظیم ادا کر کے ان کو یہ دعوت دی جائے۔ (ملفوظات)

(۸) ارشاد فرمایا "علماء سے کہنا ہے کہ ان تبلیغی جماعت کی چلت پھرت اور محنت و کوشش سے عوام میں دین کی طرف صرف طلب اور قدر ہی پیدا کی جاسکتی ہے اور ان کو دین سیکھنے پر آمادہ ہی کیا جاسکتا ہے۔آگے دین کی تعلیم و تربیت کا کام علماء اور صلحاء کی توجہ فرمائی ہی سے ہوسکتا ہے اس لئے آپ حضرات کی توجہات کی بڑی ضرورت ہے۔ (ملفوظات)

(۹) کسی سلسلے سے عہد حاضر کے ایک مشہور صاحب علم اور صاحب قلم خادم دین کا ذکر آگیا جن کی بعض علمی کمزوریوں کی بنا پر خاص دین دار حلقوں کو ان پر اعتراض تھا تو فرمایا کہ میں تو ان کا قدر دان ہوں، اگر ان میں کوئی کمزوری ہو تو میں اس کا علم بھی حاصل کرنا نہیں چاہتا یہ معاملہ اللہ کا ہے شاید ان کے پاس اس کا کوئی عذر ہو، ہم کو تو عام حکم یہ ہے کہ دعائیں کرو۔

"وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ آمَنُوا الآية" (ملفوظات)

(۱۰) فرمایا کہ ہماری اس تحریک کا اصل مقصد ہے مسلمانوں کو "**جمیع ماجاء به النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم**" سکھانا یعنی اسلام کے پورے علمی و عملی نظام سے امت کو وابستہ کر دینا، یہ تو ہے ہمارا اصل مقصد۔رہی قافلوں کی یہ چلت پھرت اور تبلیغی گشت سو یہ اس مقصد کے لیے

ابتدائی ذریعہ ہے اور کلمہ اور نماز کی تلقین و تعلیم گویا ہمارے پورے نصاب کی ا، ب، ت، ہے۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ ہمارے قافلے پورے کام نہیں کر سکتے ان سے تو بس اتنا ہی ہوسکتا ہے کہ ہر جگہ پہنچ کر اپنی جدوجہد سے ایک حرکت اور بیداری پیدا کردیں اور غافلوں کو متوجہ کر کے وہاں کے مقامی اہل دین سے وابستہ کرنے کی اور اس جگہ کے دین کی فکر رکھنے والوں علماء و صلحاء کو بیچارے عوام کی اصلاح پر لگا دینے کی کوشش کریں، ہر جگہ پر اصلی کام تو وہیں کے کارکن کر سکیں گے، اور عوام کو زیادہ فائدہ اپنی ہی جگہ کے اہل دین سے استفادہ کرنے میں ہوگا۔ البتہ اس کا طریقہ ہمارے ان آدمیوں سے سیکھا جائے جو ایک عرصہ سے افادہ و استفادہ اور تعلیم کے اس طریقہ پر عامل ہیں اور اس پر بڑی حد تک قابو پاچکے ہیں۔ (ملفوظات)

(۱۱) **دین علم سے ترقی پاتا ھے**: ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں کہ علم کے فروغ اور ترقی کے بقدر اور علم ہی کے فروغ اور ترقی کے ماتحت دین پاک فروغ اور ترقی پا سکتا ہے، میری تحریک سے علم کو ذرا بھی ٹھیس پہنچے یہ میرے لئے خسران عظیم ہے۔ میرا مطلب تبلیغ سے علم کی طرف ترقی کرنے والوں کو ذرا بھی روکنا یا نقصان پہنچانا نہیں ہے۔ بلکہ اس سے بہت زیادہ ترقیات کی ضرورت ہے اور موجودہ جہاں تک ترقی کر رہے ہیں یہ بہت ناکافی ہے۔ (سوانح حضرت دہلویؒ)

علی میاںؒ سوانح مذکور میں لکھتے ہیں "مولانا ایک طرف علماء کو عوام سے اس دعوت کے ذریعہ قریب ہونے کی اور ان کا درد اپنے دل میں پیدا کرنے کی تاکید فرماتے تھے دوسری طرف عوام کو علماء کی مرتبہ شناسی، قدردانی اور ان سے استفادہ کی طرف توجہ دلاتے رہتے تھے۔ ان کو بتاکید اصول کے مطابق علماء کی خدمت میں حاضر ہونے کی فہمائش کرتے تھے ان کی ملاقات اور زیارت کا ثواب بیان فرماتے تھے۔ ان کی خدمت میں حاضر ہونے کے آداب و اصول سمجھاتے تھے۔ ان کو دعوت دینے ان سے فائدہ اٹھانے اور ان کو مشغول کرنے کا طریقہ بتاتے تھے۔ ان کی جو باتیں سمجھ میں نہ آئیں ان کی تاویل اور ان کے ساتھ حسن ظن رکھنے کی عادت ڈالتے، ان کو ان کی خدمت میں بھیجتے تھے اور پھر ان سے پوچھتے تھے کہ کس طرح گئے اور کیا باتیں ہوئیں؟ پھر ان کی تنقیدوں اور تاثرات کی اصلاح اور تصحیح فرماتے تھے۔ اسطرح عوام، تجار اور کاروباری لوگوں کو علماء سے اتنا قریب کر دیا کہ پچھلے برسوں میں کبھی اتنے قریب نہیں ہوئے۔ بدقسمتی سے شہروں میں سیاسی تحریکات اور مقامی

اختلافات کی وجہ سے عوام میں علماء کی طرف سے ایک عام بیزاری پیدا ہونے لگی تھی، اور بغیر کسی استثناء اور تخصیص کے عام حاملین دین اور علماء کے خلاف ایک عام جذبہ عناد پیدا ہونے لگا تھا۔ مولانا کی ان کوششوں اور حکمتِ عملی سے کم سے کم اس دعوت کے حلقۂ اثر میں یہ بات پیدا ہوگئی کہ سیاسی اختلافات کو عوام دین کے لیے گوارا کرنے لگے، اور سیاسی مسلک کے اختلاف کے باوجود علماء حق کی تعظیم اور قدر و اعتراف کی گنجائش نکل آئی، بڑے بڑے تاجر جو علماء سے برسوں سے متوحش تھے، علماء کی خدمت میں مؤدبانہ حاضر ہونے لگے۔ اور اپنے تبلیغی جلسوں اور تقریروں میں ادب و احترام کے ساتھ لے جانے لگے۔ (سوانح حضرت دہلویؒ)

(۱۲) **علماء کی خدمت کرو:**۔ ایک طویل ملفوظ جو اپنی بیماری کی حالت میں ان لوگوں کو خطاب کرتے ہوئے جو وضو کرا رہے تھے فرمایا کہ تم مجھے وضو کراتے وقت بیمار کی خدمت کی نیت کے علاوہ یہ نیت بھی کیا کرو" اے اللہ! ہم یہ سمجھتے ہیں کہ تیرے اس بندہ کی نماز ہم سے اچھی ہوتی ہے تو ہم اس لیے اس کو وضو کراتے ہیں کہ اس کی نماز کے ثواب میں ہمارا حصہ ہو جائے۔" پھر فرمایا" یہ میں ان لوگوں کو کہتا ہوں لیکن میں خود اگر یہ سمجھنے لگوں کہ میری نماز ان لوگوں سے اچھی ہوتی ہے تو مردود ہو جاؤں۔" اس کے بعد دوسری گفتگو کے بعد فرمایا" تم لوگ ان علماء کی خدمت کرو جو ابھی تک تمہاری قوم کو دین سکھانے کی طرف متوجہ نہیں ہوئے ہیں میرا کیا ہے؟ میں تمہارے ملک میں جاتا ہی ہوں تم نہ بلاؤ جب بھی جاؤں گا جو علماء ابھی تمہاری طرف متوجہ نہیں ہیں ان کی خدمتیں کرو گے تو وہ بھی تمہاری قوم کی دینی خدمت کرنے لگیں گے۔ (ملفوظات)

(۱۳) **مولانا محمد یوسفؒ اور علماء:** مولانا الحاج محمد یوسفؒ کی سوانح میں لکھا ہے کہ مولانا کی نگاہ میں علماء دین کی سب سے زیادہ قدر تھی۔ آج جس طرح علماء کی ناقدری ان پر بیجا تنقید کا رواج پیدا ہو گیا ہے مولانا اس کو دین کے لیے بڑا مہلک سمجھتے تھے اور ناقدری کرنے والوں کی محرومی کا باعث جانتے تھے، اپنے ایک رفیق کو تحریر کرتے ہیں:

"دیکھئے! خوب سمجھ لیجئے ہم اکابر علماء کے ہر وقت محتاج ہیں ان کے بغیر چارہ کار نہیں ان کے دامن کے ساتھ وابستگی ہماری سعادت ہے، یہ حضرات بہت سی خوبیوں اور علوم نبویہ کے انوارات کے حامل ہیں ان کی قدر دانی علومِ نبوت کی قدر دانی ہے، جس قدر ہم ان کی قدر و خدمت

کریں گے اوران کی خدمت میں حاضری کو بڑی عبادت سمجھ کران کے ارشادات ونصائح سے مستفید ہوتے ہوئے ان سے مفید مشورے حاصل کرتے رہیں گے اسی قدر علومِ نبویہ کے انوارات سے منور ہوتے رہیں گے۔" (سوانح یوسفیؒ)

(۱۴) ایک مرتبہ علماء کو تعلیمی حلقہ کے ختم پر فرمایا "ہم یہ نہیں چاہتے کہ بخاری پڑھانے والوں کو التحیات پڑھانے پر لگادیں مگر یہ ضرور چاہتے ہیں کہ التحیات یادکرانے کی بخاری پڑھانے والوں کے نزدیک بھی انتہائی اہمیت ہو۔ اس لئے کہ یہ بھی حضور ﷺ کے علوم میں سے ایک علم ہے اسے غیر اہم سمجھنے والا کہیں کا نہیں رہے گا، اور یہ بھی چاہتے ہیں کہ تعلیم کا یہ درجہ بھی ماہرین بخاری کی نگرانی میں ہو" (سوانح یوسفیؒ)

(۱۵) **علماء ہی امانت کے اہل ہیں:** ایک عالم دین کو خط لکھتے ہوئے حسب ذیل الفاظ تحریر فرمائے "حضرات عالی کو اللہ رب العزت نے ہر طرح کی خوبی سے مالا مال فرمایا ہے، ان کو نورانی روحانی علوم کا سرچشمہ بھی بنایا اور اس زبردست عظمت والی امانت نبوت کا داعی بھی بنایا، اگر حضرات عالی کی توجہات اور دعاؤں سے یہ مبارک قابل رشک اور بہترین گروہ علم کی بلندیوں سے اس مبارک عمل کے دوڑ دھوپ کے میدان میں کود پڑے اور اپنی اس علمی اشتغال والی قربانیوں کیساتھ تھوڑے دنوں اس گھاٹی کو عبور کرے تو یہ امانت مبارکہ اہلوں کے ہاتھ میں آکر سرسبز ہو جائے اور نااہلیت کی بنا پر جو خطرات لاحق ہوتے ہیں ان سے اس امانت عظیمہ کی حفاظت بھی ہو جائے۔ (سوانح یوسفیؒ)

(۱۶) **بزرگوں سے اچھا گمان رکھیں:** مولانا محمد یوسف صاحبؒ ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں" بزرگان دین سے بدظن نہ ہوں بلکہ ان کی خدمت میں محض استفادہ کے طور پر جاتے رہا کریں، ان کے پاس جب جائیں تو دھیان میں یہ نہ ہو کہ میں ان کو کچھ دینے جارہا ہوں بلکہ ہمیشہ یہی خیال رہے کہ مجھے کچھ حاصل کرنا ہے اوران حضرات کو دعوت نہ دیا کریں۔" (سوانح یوسفیؒ)

(۱۷) **علماء عوام سے دور نہ ہوں:** مولانا محمد یوسف صاحب الوداعی ہدایات میں فرمایا کرتے تھے، خصوصی گشت میں جب دینی اکابر کی خدمت میں حاضری ہو تو ان سے صرف دعا کی درخواست کی جائے۔ اوران کی توجہ دیکھی جائے تو کام کا کچھ ذکر کردیا جائے۔ (سوانح یوسفی)

مفتی عزیز الرحمٰن صاحب بجنوری اپنی ابتدائی آمد کی تفاصیل میں مولانا یوسف صاحبؒ کی طرف سے اکرام، اعزاز، خاطر کی تفاصیل لکھنے کے بعد جو قابل دید ہیں مگر بہت طویل ہیں لکھتے ہیں کہ یہ صرف میری ہی خصوصیت نہ تھی بلکہ ان کو کسی طرح سے یہ معلوم ہو جانا چاہیے تھا کہ فلاں عالم ہے بس پھر کیا تھا ان کے ساتھ بھی یہی برتاؤ ہوتا، میرے ساتھ ایک رفیق تھے، جن میں کوئی ظاہری علامت ایسی نہ تھی جس سے ان کو عالم سمجھا جائے میں نے ان کو مولانا کہہ کر خطاب کیا۔ جس پر حضرت جی متوجہ ہوئے اور اپنی جگہ سے بلوا کر اپنے قریب بٹھایا۔ حضرت جی فرمایا کرتے تھے کہ میں جو دیوبند، سہارنپور جماعتیں بھیجتا ہوں اس لئے نہیں کہ تبلیغ کی جائے ان کو دعوت دی جائے میں تو اس غرض سے بھیجتا ہوں کہ آج عوام علماء سے دور ہوتے جا رہے ہیں۔ یہ ان سے قریب ہو جاویں اسی میں ان کا فائدہ ہے۔ (سوانح یوسفیؒ عزیزی)

(۱۸) **علماء کا احترام:** مولانا یوسف صاحبؒ کے سلہٹ کی تشریف آوری کی کارگزاری کا ذکر کرنے کے بعد مفتی عزیز الرحمٰن صاحب لکھتے ہیں کہ جہاں حضرت شیخ الاسلام نور اللہ مرقدہٗ کا برسوں قیام رہا اور حضرت مولانا یوسف صاحب اس قسم کی نسبتوں کا بہت زیادہ خیال رکھا کرتے تھے جس مقام کو بزرگوں سے نسبت ہوتی وہاں کے اجتماع باوجود کام نہ ہونے کے خصوصی توجہ کے ساتھ مقرر فرماتے۔

چنانچہ انبہٹہ کا اجتماع حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کی وجہ سے طے فرمایا۔ سلہٹ کے اجتماع میں حضرت مدنیؒ کے کافی خلفاء شریک ہوئے۔ آپ نے ان کا بہت زیادہ اکرام فرمایا اور مشوروں میں شریک رکھا۔ اور احترام ملحوظ رکھتے ہوئے کام کی طرف توجہ دلائی۔ (سوانح عزیزی)

(۱۹) **سب سے اہم علم و ذکر:** مولانا محمد ثانی صاحب سوانح یوسفی میں ایک مکتوب مولانا یوسف صاحبؒ کا جناب الحاج فضل عظیم صاحب مراد آبادی ثم المکی کے نام طویل مکتوب میں لکھتے ہیں کہ "سب سے اہم جز علم و ذکر کا اشتغال ہے: اور اس کے لیے سب سے اہم دو جانبوں کے حقوق کو ادا کرنے پر مداومت پالینا ہے ایک علم و ذکر کی طرف نسبت رکھنے والے بزرگوں کی عظمت کو دل میں محسوس کرنا جو کام کیا جائے اس کی اطلاع کے ذریعے اور مشاورت کے ذریعہ ان کی بڑائی کو پہچاننا اور ان کے حقوق کو ادا کرنا، اور اسی طرح دنیوی امور میں مادی بڑوں کے حقوق کو ادا کرنا اور اپنے مادی کاموں میں ان کی مشاورت کو بھی شامل کرنا۔

(۲۰) علماء کی خدمت میں حاضری عبادت سمجھی جائے: ایک دوسرے مکتوب میں لکھتے ہیں (جو بہت طویل ہے) علم کے فضائل ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ علماء کی خدمت میں حاضری دی جائے اس کو بھی عبادت یقین کیا جائے، بہت طویل مکتوب تقریبا ۲۳ صفحے کا ہے، جو نصائح سے لبریز ہے۔ (سوانح یوسفی)

ایک اور جگہ ایک واقعہ لکھا ہے، مولانا یوسف صاحبؒ کے خادم اپنا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن ہم اپنے ساتھیوں کے ساتھ ابوداؤد شریف کا سبق پڑھنے کے لیے حضرت جی (مولانا محمد یوسف صاحبؒ) کے کتب خانہ میں جا رہے تھے کہ خبر ملی کہ مولانا مسیح اللہ خاں صاحب جلال آبادی خلیفہ حضرت تھانویؒ تشریف لا رہے ہیں، ہم لوگوں کا پڑھنا ملتوی ہو گیا، اور حضرت مولانا مسیح اللہ خاں صاحب تشریف لے آئے حضرت مولانا نے حجرے سے باہر آ کر استقبال فرمایا اور حجرہ میں بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر گفتگو کے بعد حضرت مولانا اپنے کتب خانہ سے اپنی تصانیف امانی الحبار اور حیاۃ الصحابہؓ لائے۔ اور خدمت میں پیش فرمائیں۔ موصوف دیکھتے جاتے تھے اور حضرت کی قربانی اور بلند عزمی کا اظہار کرتے جاتے تھے۔ (سوانح یوسفی)

(اشکال نمبر ۶) تبلیغ اور وعظ میں فرق نہ سمجھنے کی وجہ سے ہے

جو بہت ہی شروع سے ہو رہا ہے کہ تبلیغ علماء کا کام ہے جاہلوں کا کام تبلیغ کرنا نہیں، یہ اعتراض بہت ہی مختلف عنوانات میں مختلف عبارات میں مجھ تک پہنچتا رہا۔ اور میں مختصر و مفصل سوال کے مطابق جواب بھی لکھواتا رہا۔ یہ اعتراض دراصل تبلیغ و وعظ میں فرق نہ کرنیکی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔ وعظ درحقیقت صرف عالموں کا کام ہے جاہلوں کو وعظ کہنا جائز نہیں اس کے لیے عالم ہونا بہت ضروری ہے تاکہ جو کچھ کہہ رہا ہے وہ شریعت کے موافق ہو۔

کوئی چیز اس میں قرآن وحدیث کے خلاف نہ کہی جا سکے، اور تبلیغ جس کے معنی صرف پیام پہنچا دینے کے ہیں کوئی پیام کسی کے ہاتھ بھیج دینے کے واسطے اس کا عالم ہونا بالکل ضروری نہیں جن اکابر کے کلام میں تبلیغ علماء کے ساتھ مخصوص ذکر کی گئی ہے وہ حقیقت میں تبلیغ کے لفظ کو عام سمجھ کر اس کا اطلاق کر دیا گیا ہے ورنہ نظام الدین کی تبلیغی جماعت پر یہ اشکال بالکل نہیں وارد

ہوتا۔اس لیے کہ ان کی تبلیغ میں صرف چھ نمبر متعینہ بتائے جاتے ہیں ان ہی کی مشق کرائی جاتی ہے اور ان ہی کو پیام کے طور پر لے جا کر شہر در شہر ملک در ملک بھیجا جاتا ہے ان کے اصول میں یہ بھی ہے کہ چھ نمبروں کے ساتھ ساتواں نمبر یہ کہ ان چھ امور کے علاوہ کسی دوسری چیز میں مشغول نہ ہو، حضرت حکیم الامتؒ کا ارشاد ہے کہ جو مسائل منصوص صاف صاف شریعت کے ہیں ان کی تبلیغ صرف علماء کے ساتھ خاص نہیں ہر شخص بآواز بلند کہہ سکتا ہے امور اجتہادیہ سے خطاب کرنا البتہ علماء کے ساتھ خاص ہے کہ عوام اس میں غلطی کریں گے۔ (انفاس عیسیٰ)

تعجب ہے کہ ایک جانب تو ان پر یہ اعتراض ہے کہ جاہلوں کو تبلیغ کے واسطے بھیجا جاتا ہے اور اس کے بالمقابل دوسرا اعتراض یہ ہے کہ یہ لوگ دین کے دوسرے امور کو نہیں لیتے۔ شریعت اور دین ان چھ نمبروں میں موقوف نہیں، بہت سے اوامر، نواہی، منکرات ایسے ہیں جن کی اصلاح بہت ضروری ہے، مگر یہ تبلیغ والے ان کو نہیں چھیڑتے اس کی دراصل وجہ یہی ہے کہ یہ عامی لوگ ہوتے ہیں ان کو وعظ کہنے کی بالکل اجازت نہیں الا یہ کہ ان میں علماء ہوں تو وہ اس سے مستثنیٰ ہیں کہ عالم کا وعظ کہنا حق ہے مگر تبلیغی اسفار میں اور تبلیغی اجتماعات میں وہ بھی اس کے پابند ہیں کہ تبلیغ کے چھ نمبروں کے علاوہ اس اجتماع میں دوسری چیزیں نہ چھیڑیں کہ مسائل میں اختلافات ہوتے ہیں اور اختلافی مسائل میں مناظرہ وغیرہ شروع ہو جاتے ہیں ان کے چھ امور اجتماعی اور متفق علیہ ہیں جن میں کوئی اختلافی چیز نہیں، اور یہ بات کہ تبلیغ کے لئے عالم ہونا ضروری نہیں احادیث کثیرہ اور آثار صحابہؓ سے بہت ہی کثرت سے ثابت ہے۔

تبلیغ کے لئے عالم ہونا شرط نہیں

نبی کریم ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر متعدد اعلانات فرمائے جو کتب حدیث میں کثرت سے موجود ہیں اور ان پر یہ بھی ارشاد فرمایا کہ جو حاضر ہیں وہ غائبین کو میرا پیام پہنچا دیں، حالانکہ حجۃ الوداع میں سوا لاکھ کا مجمع تھا، کیا سارے ہی عالم تھے۔ان میں ایسے لوگ بھی تھے۔ جنہوں نے اس سے پہلے حضور اقدس ﷺ کی زیارت بھی نہیں کی تھی۔ مگر چونکہ صرف ایک خاص پیام پہنچانا تھا اس کے لیے عالم ہونے کی ضرورت نہیں، اس لیے نبی اکرم ﷺ نے متعدد مواقع میں یہ اعلان

فرمایا کہ حاضرین غائبین کو یہ پیام پہنچا دیں، امام بخاریؒ نے "باب رب مبلغ اوعیٰ من سامع" باب باندھا ہے یہ بہت سے ایسے لوگ جو کم پڑھے ہوں ایسوں کو پیام پہنچاتے ہیں جو زیادہ پڑھے ہوئے ہوتے ہیں۔ امام بخاریؒ نے حضور اقدس کا یہ پیام نقل کیا ہے کہ تمہارے خون اور تمہارے اموال اور تمہاری آبروئیں تم پر ہمیشہ کے لیے ایسے ہی حرام ہیں جیسا کہ اس شہر میں اس دن میں اور اس مہینے میں، پھر یہ اعلان فرمایا کہ جو موجود ہیں وہ غائبین کو میرا پیغام پہنچا دیں۔ بہت ممکن ہے کہ جو موجود ہیں وہ ایسے لوگوں تک میرا پیغام پہنچائیں جو سننے والوں سے زیادہ محفوظ رکھنے والے ہوں۔
اس حدیث پاک سے معترضین کا یہ اعتراض بھی اڑ گیا کہ جاہلوں کو تبلیغ کے لئے علماء کے پاس بھیجا جاتا ہے حضرت دہلویؒ کا ایک ارشاد ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے کو تبلیغ کا اہل نہیں سمجھتا تو اس کو بیٹھا رہنا نہیں چاہئے بلکہ اس کو تو کام میں لگنے اور دوسروں کو اٹھانے کی اور زیادہ کوشش کرنا چاہیے۔ بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ کوئی بڑا خیر کا کام چند نااہلوں کے سلسلہ سے کسی اہل تک پہنچ جاتا ہے اور پھر وہ پھولتا پھلتا ہے اور پھر اسکا اجر بقاعدہ "من دعا الی حسنة" (الحدیث) کی بنا پر نااہلوں کو بھی پورا پہنچ جاتا ہے۔ جو اس کام کے اس اہل تک پہنچنے کا ذریعہ بنے۔ پس جو نااہل ہو اسکو تو اس کام میں اور زیادہ زور سے لگنا ضروری ہے میں بھی اپنے کو چونکہ نااہل سمجھتا ہوں اس لیے اس میں منہمک ہوں کہ شاید اللہ تعالیٰ میری اس کوشش سے کام کو اس کے کسی اہل تک پہنچا دے اور پھر اس کام کا جو اعلیٰ اجر اللہ پاک کے یہاں ہو وہ مجھے بھی عطا فرما دیا جاوے۔ (ملفوظات حضرت دہلویؒ)

تبلیغ خاص انفرادی طور پر ہر شخص کے ذمہ ہے (حضرت تھانویؒ)

اسی طرح امام بخاریؒ نے مستقل ایک باب اور باندھا ہے۔ "باب تحریض النبی صلی اللہ علیہ وسلم وفد عبد القیس علی ان یحفظوا الایمان و العلم و یخبرو امن و رائھم" حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وفد کو چند باتیں بتائیں اور یہ فرمایا کہ ان باتوں کو محفوظ رکھو اور اپنی قوم میں جا کر ان کو پہنچا دو۔ امام بخاری نے باب القراءۃ علی المحدث میں ایک صحابیؓ کا واقعہ لکھا ہے جو ایک گاؤں کے رہنے والے تھے۔ انہوں نے عرض کیا کہ ہمارے پاس آپ کا قاصد پہنچا اور انہوں نے آپ کی طرف سے نقل کیا کہ اللہ نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا

ہے۔ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا "میرے قاصد نے سچ کہا ہے" انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ کے قاصد نے یہ بھی بتایا کہ ہمارے اوپر پانچ نمازیں فرض ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ سچ کہا، انہوں نے یہ بھی کہا کہ آپ ﷺ کے قاصد نے کہا کہ ہمارے اوپر ایک ماہ کے روزے ہیں۔ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ سچ کہا، انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ اس ذات کی قسم جس نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے میں ان چیزوں میں سے کسی میں کمی یا زیادتی نہیں کروں گا۔ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ اگر اس نے سچ کہا تو جنت میں داخل ہوگا'' اس حدیث پاک میں کمی زیادتی نہ کرنے میں مختلف اقوال ہیں، جن میں سے ایک قول یہ ہے کہ اپنی قوم کے پاس پہنچانے میں کمی زیادتی نہیں کروں گا۔ انفاس عیسیٰ میں حضرت حکیم الامۃ تھانویؒ کا ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ تبلیغ کی دو قسمیں ہیں خاص و عام، تبلیغ خاص انفرادی طور سے ہر شخص کے ذمہ ہے اور تبلیغ عام علماء کے ساتھ خاص ہے۔ اسی طرح خطاب بغیر المنصوص علماء کا کام ہے اور خطاب بالمنصوص کے ساتھ ہر مسلمان تبلیغ کا کام کر سکتا ہے۔ فقط

یہی وہ فرق ہے جس کو میں نے شروع میں کہا کہ وعظ صرف علماء کا کام ہے اور مخصوص چیزوں کا پہنچا دینا علماء کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ ہر شخص کو کرنا چاہیے۔ حضرت تھانویؒ نے اپنے وعظ آداب التبلیغ میں بہت تفصیل سے اس کو بیان فرمایا ہے اس میں بھی تبلیغ عام اور خاص کی تفریق فرمائی ہے۔ اور بیان فرمایا ہے کہ تبلیغ خاص کے لئے تو مسئلہ کی حقیقت کا معلوم ہونا اور اس کے بیان پر قدرت ہونا شرط ہے۔ اور تبلیغ عام یعنی وعظ کہنا یہ علماء کا کام ہے۔ خواہ درسیات پڑھ کر عالم ہوا ہو یا کسی عالم سے مسائل سن سن کر عالم ہوگیا ہو اس کو بھی تبلیغ عام کی اجازت ہے۔ بشرطیکہ کسی بڑے نے اس کو اس کام کے لئے متعین کیا ہو، چنانچہ صحابہؓ نے کہاں پڑھا تھا وہ بھی تو سن سن کر تبلیغ کرتے تھے، مگر ہر شخص خود نہ سمجھے کہ میں اس قابل ہوں جب تک کوئی کامل نہ کہہ دے کہ تم کامل ہو، بہجۃ النفوس کا ترجمہ جو مولانا ظفر احمد صاحب نے حضرت تھانویؒ کے ارشاد سے کیا اور وہ بخاری شریف کی احادیث کا انتخاب ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ نیز تبلیغ کا خاص طور سے اہتمام کرنا چاہیے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے یہی مراد ہے۔

وارثین انبیاء علیہم السلام کو تدریس کے ساتھ تبلیغ بھی کرنی چاہیے

کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ خواص نے درس وتدریس پر قناعت کر لی ہے عامۂ مسلمین کو امر و نہی کرنے سے پہلو تہی کی جاتی ہے، حالانکہ حضرات انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کا جن کے یہ حضرات وارث ہیں اصل وظیفہ امر و نہی اور تبلیغ ہی تھا، اصطلاحی درس وتدریس ان کا وظیفہ نہ تھا۔ درس وتدریس دراصل اسی مقصد کا وسیلہ اور ذریعہ ہے تا کہ مبلغ علم صحیح کے ساتھ تبلیغ کر سکے۔ پھر یہ کس قدر حیرت کا مقام ہے وسیلہ اور ذریعہ کا تو اتنا اہتمام اور اصل مقصد سے اتنی بے پروائی....اور عامۂ مسلمین کو جان لینا چاہیے کہ تبلیغ احکام صرف علماء ہی کے ذمہ نہیں بلکہ ہر مسلمان کے ذمہ ہے۔ جس شخص کو جتنا علم احکام کا حاصل ہے اس کو دوسروں تک پہنچانا اس کے ذمہ فرض ہے۔ مثلاً سب کو معلوم ہے کہ نماز فرض ہے تو جو نماز نہیں پڑھتا اس کو یہ حکم پہنچانا ہر شخص کے ذمہ ضروری ہے۔ اسی طرح جن کاموں کا گناہ ہونا معلوم ہے ان کا گناہ ہونا اس شخص کو بتلایا جائے جو ان میں مبتلا ہے۔ البتہ عام لوگوں کو وعظ کی صورت سے تبلیغ نہ کرنا چاہیے کہ منصب اہل علم کا ہے، جاہل جب وعظ کہنا شروع کرتا ہے تو غلط یا صحیح جو زبان پر آتا ہے کہہ جاتا ہے۔ جس سے گمراہی کا اندیشہ ہے۔ اس لیے عوام کو وعظ نہ کہنا چاہئے بلکہ گفت وشنید اور نصیحت کے طور پر ایک دوسرے کو احکام سے مطلع کرنا چاہئے کیونکہ تبلیغ احکام فرض ہے اور اس کو اصلاح حال میں بھی بڑا دخل ہے۔ فقط

(اشکال نمبر ۷) تبلیغ مدارس اور خانقاہوں کی ہے

مدارس اور خانقاہوں کے ساتھ تبلیغ کو حریف قرار دیا جاتا ہے یہ بھی غلط ہے جیسا مدارس کا فائدہ علیحدہ ہے ایسا ہی خانقاہوں کا فائدہ علیحدہ اسی طرح تبلیغ کا فائدہ بھی مستقل ہے بلکہ اس حیثیت سے کہ تبلیغ کا فائدہ عمومی ہے اور مدارس اور خانقاہوں کا فائد خصوصی ہے کہ مدارس اور خانقاہوں سے وہی لوگ تمتع حاصل کر سکتے ہیں۔ جو مدارس اور خانقاہوں میں جائیں اور تبلیغ کا فائدہ عمومی ہے اس حیثیت سے اس کا فائدہ ان دونوں سے زیادہ اہم اور اتم ہے کہ اس میں ناقدروں، جاہلوں دین سے ناواقف لوگوں کو دین کی طرف کھینچ کر لانا ہے۔ حضرت تھانویؒ کا ارشاد وافاضات میں لکھا ہے کہ ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ درس وتدریس متعارف مقصود کا

مقدمہ ہے اور اصل مقصود تبلیغ ہے۔ آج کل بڑی کوتاہی ہو رہی ہے کہ درس و تدریس کو اصل سمجھ لیا ہے اور اس کوتاہی اور غلطی کی بدولت اکثر علماء کو جو تبلیغ نہیں کرتے ایک بہت بڑی فضیلت سے محرومی ہوگئی ہے۔ حضرات انبیاء کا درس یہی تبلیغ تھا۔ ابتداء میں درس و تدریس اور بعد فراغ علوم تحصیل اور تبلیغ دونوں کے حقوق ادا کرنے چاہئیں ایک طرف متوجہ ہو کر دوسری طرف سے غفلت کرنا یہ عظیم کوتاہی ہے علماء کو اسطرف ضرور توجہ کرنی چاہئے کہ وہ اپنا وقت تبلیغ میں بھی صرف کیا کریں..... آج کل مدارس میں اس کی بڑی کمی ہے، پڑھنے پڑھانے میں جس قدر مشغولی ہے تبلیغ کی طرف مطلق توجہ نہیں۔ جس قدر وقت اس میں صرف کرتے ہیں تبلیغ میں اس کا نصف حصہ بھی خرچ نہیں کرتے۔ اسی طرح ایک دوسری جگہ تحریر ہے "ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ دین میں تبلیغ اصل ہے اور درس و تدریس اس کے مقدمات، مگر یہ شرط ہے کہ بلاضرورت کسی مفسدہ میں ابتلاء ہو جائے ورنہ سکوت ہی بہتر ہے۔ چنانچہ..... میں ایک مرتبہ ریل میں سفر کر رہا تھا موقع پر خیال رہتا تھا کہ لوگوں کو تبلیغ کرنا چاہئے۔ ایک شخص ریل میں تھا۔ اسکا پاجامہ ٹخنوں سے نیچے تھا۔ میں نے اس سے کہا کہ بھائی یہ شریعت کے خلاف ہے اس کو درست کر لینا۔ اس نے چھٹتے ہی شریعت کو ماں کی گالی دی، اسی روز سے میں نے بلاضرورت لوگوں کو کہنا چھوڑ دیا۔ کہ ابھی تک تو گناہ ہی تھا اور اس صورت میں کفر تک نوبت آ گئی۔" (افاضات یومیہ حصہ اول)

ایک مرتبہ فرمایا کہ اصل کام دعوت الی اللہ ہے۔ اور اس کے محفوظ اور قائم رکھنے کے لیے مدارس کی ضرورت ہے۔ اب یہ چاہئے کہ جب مدارس سے علم ضروری حاصل کر لیں تو دعوت الی اللہ بھی کیا کریں۔ جس کا آسان ذریعہ وعظ ہے اور پڑھنا پڑھانا اس کا مقدمہ ہے۔ اس لیے یہ شغل بھی ضرور رکھیں جیسے نماز کیلئے وضو اور وضو کے لئے پانی اور لوٹوں کا جمع کرنا ضروری ہے ایسے ہی تبلیغ کے لیے بھی پڑھنا پڑھانا ضروری ہے لیکن اگر کوئی شخص..... وضو اور لوٹوں ہی کے اہتمام میں رہے اور پانی ہی بھرا کرے اور نماز کا وقت گذر جائے تو کیا یہ شخص قابل مدح ہے؟ پس اسی طرح پڑھنا پڑھانا دعوت الی الحق کے صرف مقدمات ہیں۔ مگر اب ان مقدمات میں ایسی مشغولی ہوئی کہ اصل کام کو بھی بھول گئے افسوس جو لوگ اس کے اہل تھے وہ بھی اس کو بھولے ہوئے ہیں کہ وہ مقدمات ہی میں مشغول ہیں مقصود میں وقت صرف نہیں کرتے۔ (التبلیغ نمبر ۲۰ وعظ دعوت الی اللہ)

گذشتہ مضامین میں کثرت سے یہ مضمون لکھا جا چکا کہ حضرت دہلوی اور مولانا یوسف صاحب رحمہما اللہ کے مکاتیب ، تقاریر، ملفوظات میں مدارس اور خانقاہوں کی اہمیت جتنی کثرت سے بیان کی گئی ہے وہ ظاہر ہے اور وہ دونوں حضرات اپنی تبلیغ کو مدارس اور خانقاہوں کے لئے بمنزلہ زمین ہموار کرنے کے فرماتے اور لکھتے رہے ہیں ، اور ظاہر ہے کہ مدارس اور خانقاہوں میں وہی شخص جائے گا جس میں طلب ہوگی اور لوگوں میں طلب پیدا کرنے کا واحد ذریعہ یہ عمومی تبلیغ ہی ہے جس کی وجہ سے لوگوں میں دین کی طلب پیدا ہو اور جب تک دین کی طلب اور تڑپ پیدا نہ ہوگی نہ مدارس کو کوئی پوچھے گا نہ خانقاہوں کو، اگر تبلیغی کارگذاریوں کو معلوم کیا جائے اور ان کی احوال سے تفصیلی علم حاصل ہو تو صرف ایک میوات ہی اس کے لئے شاہد عدل ہے کہ جہاں اسلام سے بھی لوگ واقف نہیں تھے وہاں ان چالیس سال میں کتنے علماء پیدا ہوئے جن کی تعداد ہزار سے بھی متجاوز ہوگئی۔ کتنے سالکین حضرت اقدس تھانویؒ حضرت شیخ الاسلام مدنیؒ حضرت اقدس رائے پوریؒ کے خلفاء بن چکے ہیں۔علی میاںؒ حضرت دہلوی کی سوانح میں لکھتے ہیں کہ:

آپ نے یہ اچھی طرح محسوس کر لیا کہ ایسی حالت میں مسلمانوں میں ایمان یقین روبہ تنزل ہیں دین کی قدر و عظمت دلوں سے اٹھتی جارہی ہے، عام مسلمان دین کی ابتدائی اور بنیادی چیزوں سے محروم ہوتے جارہے ہیں، لہٰذا ان تکمیلی شعبوں کا قیام جو دین کی جڑ پکڑ جانے کے بعد کی چیزیں ہیں ذرا قبل از وقت باتیں ہیں ، طبائع اور رجحانات کے سیلاب کے رخ کو خداداد فراست وبصیرت سے پہچان کر آپ نے اچھی طرح محسوس کرلیا کہ نئے دینی اداروں کا قیام تو الگ رہا پرانے اداروں اور دینی مرکزوں کی زندگی بھی ایسی حالت میں خطرے سے باہر نہیں۔اس لیے کہ وہ رگیں اور شرائیں جن سے ان میں خون زندگی آتا تھا مسلمانوں کے جسم میں برابر خشک ہوتی جارہی ہیں، انکی طلب اور ان کی ضرورت کا احساس اور ان کے قائم ہو جانے کے بعد ان کی قدر اور ان کے خدمت گذاروں کی خدمات کا اعتراف ختم ہورہا ہے،اس سلسلے میں حضرت کا ایک بہت طویل مکتوب جناب الحاج شیخ رشید احمد صاحبؒ تاجر اسلحہ الٰہی بخش اینڈ کو دہلی کے نام مدارس کی اہمیت اور ان کے بقاء وتحفظ کیلئے تبلیغ کی ضرورت پر تحریر فرمایا جو بہت اہم ہے،اس کے بعد اس خط کی شرح میں علی میاں لکھتے ہیں کہ ”مولانا سمجھتے تھے کہ مدارس کا وجود مسلمانوں کیلئے نہایت ضروری ہے اور اس سایۂ رحمت

کے مسلمانوں کے سروں سے اٹھ جانے کو موجب وبال اور قہر سمجھتے تھے۔ لیکن مولانا سمجھتے تھے کہ ان مدارس کا وجود و قیام اس زمین پر ہے جو ہمارے اسلاف تیار کر گئے تھے۔ اصل دین کی تبلیغ اور جد و جہد کی بدولت مسلمانوں میں دین کی جو طلب اور قدر پیدا ہوگئی تھی اس کا نتیجہ یہ تھا کہ اس دین کو اپنی نئی نسل میں پیدا کرنے کے لیے اور اس کو دنیا میں قائم و باقی رکھنے کے لیے دیندار مسلمانوں نے جا بجا مکاتب و مدارس قائم کئے اور ان کی خدمت کو اپنی سعادت سمجھا اس بچی کھچی طلب اور قدر کا نتیجہ ہے کہ ابھی تک یہ مدارس چل رہے ہیں اور ان کو طالب علم مل رہے ہیں، لیکن اس سرمایہ طلب میں برابر کمی آرہی ہے اور اضافہ نہیں ہو رہا ہے یہ صورت حال دین کے مستقبل اور دینی اداروں کے وجود و بقاء کیلئے سخت تشویشناک ہے۔ (دینی دعوت)

(اشکال نمبر ۸) اہل علم کے ہوتے ہوئے جاہلوں کو امیر بنانا

یہ بھی بعض مرتبہ خطوط میں آیا اور سننے میں بھی آیا کہ عالموں کے ہوتے ہوئے جاہلوں کو امیر بنایا جاتا ہے۔ بظاہر تو یہ اعتراض یقیناً اہم ہے، مگر در حقیقت امارت کے مناسبات الگ ہوتے ہیں جس کے درمیان میں صرف علم کافی نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ انتظامی صلاحیتیں غور و فکر وغیرہ امور بھی ضروری ہیں۔ افضل کے ہوتے ہوئے مفضول کو امیر بنانا عہد نبوت سے چلتا آرہا ہے۔ نبی کریمؐ نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو متعدد سرایا میں امیر بنا کر بھیجا ہے۔ طعن کرنے والوں سے تو کوئی زمانہ خالی ہوتا نہیں بعض لوگوں نے انکی امارت پر اعتراض کیا حضور اقدس ﷺ نے خطبہ فرمایا۔ اور حمد و صلوۃ کے بعد ارشاد فرمایا کہ اگر تم لوگ اسامہ کی امارت پر اعتراض کرتے ہو تو اس سے پہلے ان کے والد زید کی امارت میں اعتراض کر چکے ہو اور خدا کی قسم کہ وہ امارت کا زیادہ مستحق تھا اور مجھے محبوب۔ (بخاری) اعتراضات کی وجوہ میں یہ بھی تھا کہ اس نو عمر لڑکے کو مہاجرین اولین پر امیر بنا دیا (حیاۃ الصحابہؓ) حضور اقدس ﷺ نے حضرت اسامہ کو اپنے مرض وصال میں امیر بنایا۔ جس کی تنفیذ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضور اقدس ﷺ کے وصال مبارک کے بعد کی کتب حدیث و سیر میں مفصل اس کی احادیث موجود ہیں۔ کہ اول تو اس لشکر کو اس حالت میں بھیجنے ہی پر لوگوں کو اشکال تھا۔ جب حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اصرار کیا کہ جس لشکر کو حضور اقدس ﷺ نے نافذ فرمایا ہے

میں اس کو روک نہیں سکتا تو پھر انصار نے حضرت عمرؓ کو حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس قاصد بنا کر بھیجا کہ اگر اس کا بھیجنا ضروری ہے تو پھر ہمارے اوپر کسی ایسے شخص کو امیر بنادیں جو سن رسیدہ ہو، جب حضرت عمرؓ یہ پیام لیکر حضرت صدیق اکبرؓ کے پاس پہنچے تو حضرت صدیق اکبرؓ نے حضرت عمرؓ کی داڑھی مبارک کو پکڑ کر کہا تو مر جاوے حضور اقدس ﷺ نے اس کو امیر بنایا اور تو مجھے یہ کہتا ہے کہ میں اس کو اس کی امارت سے ہٹادوں۔ حضرت عمرؓ نے جا کر کہا کہ تمہیں تمہاری مائیں روئیں مجھے تمہاری وجہ سے آج خلیفۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ پیش آیا۔'' بہت طویل قصہ ہے۔ حیاۃ الصحابہؓ نیز حضور ﷺ نے حضرت ابوعبیدہؓ کو امیر بنایا جبکہ ان کے ماتحت حضرات ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما بھی موجود تھے۔ مفصل حدیث حیاۃ الصحابہؓ میں ہے، حضور اقدس ﷺ نے جہینہ پر جو وفد بھیجا اس میں عبداللہ بن جحش کو امیر بنایا اور یہ ارشاد فرمایا کہ یہ تم میں زیادہ افضل نہیں ہے، لیکن بھوک اور پیاس پر زیادہ صبر کرنے والے ہیں۔ (حیاۃ الصحابہؓ ج ۲)

امارت کیلئے خاص صفات کو دیکھا جاتا ہے

اس سے معلوم ہوا کہ امارت کے سلسلہ کے درمیان میں صرف افضلیت کو نہیں دیکھا جاتا بلکہ اور بھی بہت سی چیزیں اس میں قابل لحاظ ہوتی ہیں۔ حضرت قیس بن سعد کو ایک لشکر کے اوپر امیر بنایا۔ جن میں حضرت عمرؓ اور حضرت ابوعبیدہؓ بھی موجود تھے۔ (حیاۃ الصحابہؓ جلد ۲)

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں یزید بن ابی سفیان کو امیر بنایا اور ماتحتی میں امین ہذہ الامۃ حضرت ابوعبیدہؓ اور امام العلماء حضرت معاذ بن جبلؓ تھے اور یہ دونوں لقب ان دونوں حضرات کیلئے حضور اقدس ﷺ کے ارشاد فرمودہ ہیں مفصل قصہ حیاۃ الصحابہؓ میں ہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت عمرو بن العاصؓ کو مہاجرین اور انصار کی بڑی جماعت پر امیر بنا کر بھیجا۔ اور ان سے فرمایا'' تم نے دیکھ لیا کہ میں نے تمہیں ایسے لوگوں پر امیر بنایا ہے جو اسلام میں تم سے مقدم ہیں اور وہ اسلام کے بارے میں تم سے زیادہ غنی ہیں۔ آخرت کے حاکموں میں سے بننے کی کوشش کیجیو، اور ہر بات کے درمیان میں اللہ کی رضا کا اہتمام رکھیو۔'' (حیاۃ الصحابہؓ)

حضرت حکیم الامۃؒ کا ارشاد افاضات یومیہ میں منقول ہے کہ محمد بن قاسم حجاج بن

یوسف کے داماد تھے، جس وقت ہندوستان پر چڑھائی کی اس وقت سترہ سال کی عمر تھی لشکر میں بڑے بڑے پرانے تجربہ کار ہمراہ تھے مگر سب ان کی اطاعت کرتے تھے۔ یہ سب برکت ایمان اور فہم صحیح کی تھی، سترہ سال کی عمر اور دوسرے ممالک پر چڑھائی، زمانہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب تھا اس وقت فہم عام تھا۔ اب جس قدر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے بعد ہوتا جارہا ہے اس قدر اس میں کمی ہوتی جارہی ہے فقط درحقیقت امارت کے واسطے صرف مشیخت یا افضلیت یا عملیت کافی نہیں اس میں ان چیزوں سے زیادہ ضرورت بالخصوص اسفار کے موقعہ پر ایسے شخص کی ہوتی ہے جو ہمت، قوت، مشقتوں کے برداشت میں زیادہ تحمل کرنے والا ہو، تبلیغ والے امارت کیلئے خاص طور پر اس کی رعایت ضرور رکھتے ہیں کہ پہلے سے کسی دورہ وغیرہ میں نکل چکا ہو کہ وہ فی الجملہ تجربہ کار ہوتا ہے واقف ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے بعض جماعتوں میں کسی پرانے کارکن کو ایسے اکابر پر بھی امیر بنادیا جاتا ہے اور بنانا ضروری ہے جو پہلے کسی گشت میں نہ گئے ہوں، کہ وہ اصول طریق کار سے اپنی علوشان کے باوجود ناواقف ہوتے ہیں۔ مقولہ مشہور ہے۔ "سل المجرب و لاتسئل الحکیم"

"تجربہ کاروں سے دریافت کرو اہل حکمت سے نہ پوچھو"

کہ بات تجربہ کار سے پوچھنی چاہئے۔ بہت سے طبیب وڈاکٹر جن کی ڈگریاں اونچی ہوتی ہیں لیکن علاج ان سے کم ڈگریوں والوں کا بوجہ ان کے تجربات کے زیادہ مؤثر ہوتا ہے۔ پہلے سفر حج یعنی ۱۳۳۸ھ میں شریف کے اخیر زمانہ میں مدینہ کا راستہ نہایت مخدوش تھا۔ جس کی وجہ سے مدینہ پاک قافلے بہت کم گئے۔ ہم لوگوں کا پہلا سفر حج تھا۔ اس لیے حضرت اقدس نے ارشاد فرمایا کہ میں تو مدینہ کئی دفعہ حاضر ہو چکا ہوں۔ قیام کی نیت سے جارہا تھا مگر قیام کی تو حضرت مولانا محب الدین صاحب اجازت نہیں دیتے۔ تم لوگوں کا پہلا حج ہے معلوم نہیں پھر حاضری ہو نہ ہو۔ اس لیے تم ہو آؤ، مدینہ پاک کے اس سفر میں اس سیہ کار کو حضرت نے امیر بنادیا حالانکہ اس قافلہ میں مجھ سے زیادہ علم والے فضل والے بڑے بڑے بوڑھے بھی موجود تھے۔ اس کی تفصیل میرے رسالہ آپ بیتی میں گذر چکی ہے۔ اس سلسلہ میں یہ الزام بھی دہرایا گیا کہ تبلیغ والوں کا یہ عذر کہ کوئی اہل نہیں تھا اس واسطے نا اہل ہی کو امیر بنادیا۔ اور اس پر بہت فقرے کسے گئے کہ جب کوئی اہل نہیں تھا تو کیا

ضرورت تھی کہ جماعت نکالی جاتی یہ بھی ناواقفیت پر مبنی ہے۔ جب تبلیغ کی اہمیت اس کی ضرورت اور احتیاج کثرت سے معلوم ہو چکی تو پھر یہ اشکال کہ نااہل کو کیوں امیر بنا دیا مسئلوں سے ناواقفیت ہے، علماء کے نزدیک بالاتفاق امیوں کی نماز امی امام کے پیچھے جائز ہے اس وجہ سے کہ جماعت میں کوئی قاری یا عالم نہیں جماعت کا چھوڑنا جائز نہیں، امارت تو معمولی چیزیں ہیں اور عارضی، حضرت حکیم الامۃ نور اللہ مرقدہٗ نے تو اپنے ملفوظات میں کثرت سے تحریر فرمادیا کہ مشائخ بعض اوقات نااہل کو بھی اجازت دے دیتے ہیں، میرے رسالہ آپ بیتی نمبر ۵ میں یہ مضمون بہت تفصیل سے گذر چکا ہے۔ حضرت تھانویؒ ایک طویل گفتگو میں ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر امامت کیلئے کوئی وجہ کافی نہ ہو تو یہی وجہ کافی ہے کہ امام کو باوجود نااہل ہونے کے جب لوگ اہل سمجھ کر امام بناتے ہیں تو ممکن ہے کہ حق تعالیٰ اس کو لوگوں کے گمان کے موافق اہل ہی کردیں۔ اکثر واقع ہوا ہے کہ مشائخ نے کسی ایسے شخص کو اجازت دی جس میں اہلیت نہ تھی مگر حق تعالیٰ نے ان کے فعل کی برکت سے اس کو اہل کردیا۔ (مجالس الحکمۃ)

انجن کی طاقت

حضرت دہلویؒ کا نکاح ۱۳۳۰ھ میں ہوا جب کہ عمر ۲۷ سال کی تھی، اور نکاح میں اعلیٰ حضرت شاہ عبد الرحیم صاحب رائپوری حضرت اقدس مولانا الحاج خلیل احمد صاحب حضرت حکیم الامت تھانویؒ وغیرہ اکابر موجود تھے۔ حضرت دہلویؒ کو امامت کیلئے بڑھا دیا تو مولانا بدر الحسنؒ نے جو خاندان کے بڑے تھے مزاحاً کہا کہ انجن تو اتنا چھوٹا اور اتنے بھاری بھاری ڈبے تو حضرت حکیم الامۃ نے فرمایا تھا کہ یہ تو انجن کی طاقت پر منحصر ہے فقط نوعمر امیر بھی بسا اوقات قافلہ کو زیادہ قابو میں رکھ سکتا ہے۔

(اشکال نمبر ۹) حضرات اکابر حضرت مدنیؒ و تھانویؒ تبلیغ کے حق میں نہ تھے

ایک اعتراض کثرت سے کانوں میں پڑا کہ حضرت حکیم الامۃ اور حضرت شیخ الاسلام مدنی نور اللہ مرقدہما اس موجودہ تبلیغ کے خلاف تھے، حضرت شیخ الاسلام نور اللہ مرقدہٗ کے متعلق تو آئندہ مستقل نمبر آرہا ہے کہ حضرت نور اللہ مرقدہٗ نے تو کثرت سے ان تبلیغی مجامع میں شرکت فرمائی۔ حضرت حکیم الامۃ قدس سرہٗ کی خدمت اقدس میں ۴۰ھ میں تو اس ناکارہ کی طباعت بذل کے

سلسلے میں بہت کثرت سے حاضری ہوئی، اس وقت تک تو یہ تبلیغ شروع نہ ہوئی تھی اس کے بعد ۴۶ھ سے حجاز سے واپسی کے بعد حضرت حکیم الامۃ نوراللہ مرقدہٗ کے وصال ۱۲ رجب ۶۲ ۱۳ھ تک بہت ہی کثرت سے حضرت قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضری کی نوبت آئی۔ مہینہ تو شاید ہی کوئی گیا ہو مگر دو مہینے مسلسل کبھی ایسے نہیں گزرے ہوں گے کہ تھانہ بھون کی حاضری نہ ہوئی ہو۔ میں نے اس دوران میں حضرت کی مجلس میں کوئی مخالفت نہیں سنی۔

مولوی الیاس نے یاس کو آس میں بدل دیا (حضرت تھانویؒ)

البتہ لوگوں سے میرے کان میں پڑا، مگر حضرت قدس سرہٗ کے اجل خلفاء کی تحریرات مستقل نمبر میں آگے آرہی ہیں جن سے ان حضرات کا اس تبلیغ کے ساتھ شغف و انہماک معلوم ہوگا، اس کے بالمقابل یہ مقولہ حضرت حکیم الامۃ کا متعدد لوگوں سے میرے کان میں پڑا کہ "مولوی الیاس صاحب نے تو یاس کو آس سے بدل دیا حضرت دہلوی نوراللہ مرقدہٗ کی سوانح میں علی میاں نے نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت مولانا الیاس صاحب نے جب حضرت حکیم الامۃ سے اس سلسلہ میں کچھ گفتگو کرنی چاہی تو مولانا نے فرمایا کہ دلائل کی ضرورت نہیں دلائل تو کسی چیز کے ثبوت اور صداقت کیلئے پیش کیے جاتے ہیں میرا تو اطمینان عمل سے ہو چکا ہے۔ اب کسی دلیل کی ضرورت نہیں آپ نے تو ماشاء اللہ یاس کو آس سے بدل دیا مولانا کو ایک بے اطمینانی یہ تھی کہ علم کے بغیر یہ لوگ فریضہ تبلیغ کیسے انجام دے سکیں گے۔ لیکن جب مولانا ظفر احمد صاحب نے بتلایا کہ یہ مبلغین ان چیزوں کے سوا جن کا ان کو حکم ہے کسی اور چیز کا ذکر نہیں کرتے۔ اور کچھ اور نہیں چھیڑتے تو مولانا کو مزید اطمینان ہوا۔" اور یہ مضمون گذشتہ مضامین حضرت تھانویؒ کے مختلف ملفوظات میں گذر چکا ہے کہ وعظ عالموں کا کام ہے تبلیغ ہر شخص کرسکتا ہے تبلیغ اور تذکیر کے فرق کے بیان میں حضرت تھانوی کے مختلف مضامین اس سلسلے میں گذر چکے ہیں، اگر کسی موقع پر حضرت حکیم الامت نے کوئی نکیر فرمائی ہوگی تو یقیناً اس روایت پر کہ جاہلوں کا وعظ نقل کیا گیا ہو، یا کسی مبلغ یا کسی خاص جماعت کی بے عنوانی نقل کی گئی ہوگی اس پر حضرت کا نکیر فرمانا برمحل ہے۔ تقریباً آٹھ سال ہوئے ایک صاحب کا خط میرے پاس آیا تھا جس میں یہی استفسار کیا گیا تھا کہ حضرت حکیم الامۃ قدس سرہٗ کیا اس تحریک کے مخالف تھے۔ اور یہ کہ میرے شیخ مجھے اس میں شرکت کی اجازت نہیں

دیتے اور میں اس کو بہت ضروری سمجھتا ہوں ایسی حالت میں مجھے کیا کرنا چاہئے۔ میرا وہ خط اسی زمانہ میں چند سال ہوئے ایک رسالہ ''چشمہ آفتاب'' میں طبع ہو گیا تھا، جس کو اس رسالہ سے یہاں نقل کراتا ہوں۔

ایک اہم مکتوب

عنایت فرمایم سلمہ بعد سلام مسنون۔ عنایت نامہ پہنچا حضرت تھانوی نوراللہ مرقدہٗ کے متعلق مخالفت میرے علم میں نہیں۔ بلکہ میرے علم میں یہ ہے کہ حضرت قدس سرہٗ متعدد مرتبہ نظام الدین تشریف لے گئے بلکہ میوات بھی تشریف لے گئے اور چچا جان یعنی مولانا محمد الیاسؒ صاحب بھی کثرت سے تھانہ بھون حاضر ہوتے تھے، تھانہ بھون کی حاضری میں یہ ناکارہ بھی اکثر ساتھ ہوتا تھا اور چچا جان ہر حاضری پر اپنی مساعی کا تذکرہ کرتے تھے اس پر حضرتؒ اظہار مسرت بھی فرماتے تھے اور دعائیں بھی دیتے تھے یہ تو اس ناکارہ کا مشاہدہ ہے۔''

البتہ یہ تو میں بھی سن رہا ہوں کہ حضرت قدس سرہٗ کے بعض خلفاء اور خواص اس کو پسند نہیں فرماتے اس کے متعلق میرا خیال ہے کہ ان حضرات کو قریب سے دیکھنے کی نوبت نہیں آئی روایات پر رائے قائم فرماتے ہیں۔ نیز چونکہ اس کی کوئی منظم جماعت نہیں، بلکہ خود آپ نے بھی دیکھا ہوگا کہ ان حضرات کی کوشش رہتی ہے کہ ہر جگہ سے آدمی نکلیں نئے آدمی اصول سے واقف نہیں ہوتے ان سے بے اصولیاں بھی ہوتی ہیں، اس ناکارہ کو شروع ہی سے بہت قریب سے دیکھنے کی نوبت آئی ہے۔ اب ان جماعتوں کے کارنامے بہت کثرت سے دیکھنے اور سننے کے مواقع پیش آتے ہیں میرے نزدیک یہ تحریک موجودہ حالت کے لحاظ سے نہایت ہی مفید اور بے انتہا ثمرات کا موجب ہے، ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں بے نمازی بے دین دیندار بن گئے جو لوگ علماء اور مدارس کے بہت خلاف تھے وہ سینکڑوں کی تعداد میں اہل علم سے متعلق اور مدارس کے معین بن گئے۔''

''نہ صرف ہندوستان و پاکستان بلکہ عرب ممالک اور دوسرے یورپ کے بہت سے شہروں میں ہزاروں آدمی دین کی طرف متوجہ ہو رہے ہیں جن ممالک میں مساجد ویران پڑی تھیں ان میں باقاعدہ نماز بلکہ تراویح کا اہتمام ہو گیا۔ کوتاہیوں سے انکار نہیں لیکن کوتاہیوں سے کون سا مجمع یا ادارہ خالی ہے نفع نقصان کی مجموعی حالت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے ہمارے مدرسہ کے ناظم الحاج مولانا اسعد اللہ صاحب مدظلہ مولانا تھانوی قدس سرہٗ کے خلیفہ ہیں وہ تو بیعت کے وقت بھی ہر مرید کو اس کی تاکید فرماتے ہیں۔ اسی

طرح دوسرے۔ بہت سے مشائخ بھی اپنے مریدین کو اس کی تاکید فرماتے ہیں، مولانا مفتی محمد شفیع صاحب پاکستانی بھی حضرت تھانوی قدس سرہ کے خلفاء میں سے ہیں۔ اس مرتبہ سفر حج سے واپسی پر خود اس ناکارہ کی موجودگی میں انہوں نے مولانا محمد یوسف صاحبؒ کو اپنے مدرسہ میں بلا کر اس کی تاکید اور تحریک پر تقریر کروائی۔

ابھی مولانا عبید اللہ صاحب بھی مدینہ منورہ سے پاکستان کے راستے سے واپس آئے انہوں نے بھی بتایا کہ مفتی صاحب نے بہت اصرار سے اپنے مدرسہ کے لوگوں کو اس بات کی طرف متوجہ فرمایا اور خود انہوں نے بھی ان کی تقریر کے بعد زوردار تائید فرمائی اس سب کے باوجود آپ کے متعلق میرا مشورہ یہ ہے کہ اگر آپ کو شیخ اس کی اجازت نہ دیں تو آپ کو ان کی منشاء کے خلاف شرکت نہیں کرنی چاہئے۔ البتہ اگر آپ کو شیخ خوشی سے اجازت دیں تو ضرور شرکت فرمائیں، ہاں یہ ضرور ہے کہ اگر آپ اپنے شیخ کی رضا کے تحت شرکت نہ فرماویں تو مخالفت بھی نہ فرماویں، اس لیے کہ میری رائے یہ ہے کہ عنایت الٰہی اس تحریک کی طرف متوجہ ہے کہ مبشرات نبی کریم ﷺ کی طرف سے اس جماعت کے متعلق تواتر سے نقل کئے جارہے ہیں اور نبی کریمؐ کی طرف سے لوگوں کو اس میں شرکت کے واسطے ترغیبات وتاکیدات خوابوں میں کثرت سے کی جارہی ہیں جس کی نظیر لیلۃ القدر کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد ہے۔ "اری رویا کم قد طواطئت فی السبع الاواخر الحدیث" جس کو شیخین نے تخریج کیا ہے، کی روشنی میں کثرت سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب میں حمایت کرنا، جو اتنی کثرت سے سننے میں آرہا ہے کہ اس کا احصاء دشوار ہے۔ اس کے علاوہ بہت سے امور ایسے ہیں کہ جن کی بناء پر یہ ناکارہ مخالفت کو خطرناک سمجھ رہا ہے، عدم شرکت دوسری چیز ہے کوئی شخص اپنے اعذار کی وجہ سے یا اپنے شرح صدر نہ ہونے کی وجہ سے شرکت نہ کرے، اس میں بندہ کے نزدیک کوئی خطرہ نہیں، لیکن مخالفت دوسری چیز ہے یہ اس ناکارہ کا ناقص خیال ہے واللہ اعلم بالصواب۔ البتہ کوئی منکر صریح دیکھی جائے تو اس پر نکیر دوسری چیز ہے۔ یہ ناکارہ اپنے ہجوم مشاغل اور کثرت امراض کی وجہ سے طویل تحریرات سے معذور ہے اس لیے آپ کو اس خصوصی تعلق پر، جو مدرسہ کی وجہ سے اس ناکارہ سے بھی ہے مختصرا اپنی رائے لکھدی ہے۔ "ان کان صوابا فمن اللہ و ان کان خطأً فمنی و من الشیطان." فقط والسلام

(شیخ الحدیث حضرت مولانا) محمد زکریا صاحب مظاہر علوم سہارنپور

بقلم محمد اسماعیل سورتی ۳۰ ج ۲ ۱۳۸۴ھ

افراد کے معاملات کو جماعت پر محمول نہ کیا جائے

اگر حضرت اقدس تھانوی نور اللہ مرقدہٗ نے کبھی کسی مبلغ یا جماعت کے متعلق کوئی تنقید فرمائی ہو تو مجھے اس سے انکار نہیں، حضرت قدس سرہٗ کی تنبیہات اور اصلاحات سے کون ناواقف ہے اور اس سے طلبہ علماء بالخصوص حضرت کے خدام اور مجازین میں کون سا مستثنیٰ ہے، خود حضرت قدس سرہٗ کا ارشاد مبارک ہے فرمایا کہ مشکل سے کوئی شخص ہوگا جو میری لڑائی سے (مراد روک ٹوک ہے) بچا ہوگا، ورنہ قریب قریب سب ہی سے لڑائی ہو چکی ہے۔ (افاضات) خوان خلیل کے ضمیمہ پر جام نمبر ۸ کے حاشیہ میں حضرت تھانوی قدس سرہٗ کا ارشاد ہے کہ باوجود درجہ مجازیت کے بھی انسان سے لغزش ہو سکتی ہے۔

حضرت مولانا تھانویؒ کی تربیت کے چند دلچسپ واقعات

اس وقت ایک موقع نظر کے سامنے بھی ہے، الامداد بابت محرم ۱۳۳۶ھ میں ایک صاحب پر جن کے مجاز ہونے کی عبارت میں بھی تصریح ہے کس قدر لتاڑ پڑی ہے..... ایک صاحب نے جو مولوی اور مجاز تھے ایک عریضہ لکھ کر خدمت والا میں پیش کیا جس میں یہ مضمون تھا کہ "میں اپنے وطن جاتا ہوں اور وہاں فتنے بہت ہیں آپ کچھ فرما دیجئے تا کہ مجھے اطمینان ہو جائے" فرمایا کہ میں کیا کہہ دوں۔ ان صاحب نے اس کا جواب دینے میں گنجلک (ٹال مٹول) کی آپ نے فرمایا کہ صاف جواب دو اس تحریر کا کیا مقصود ہے۔ اس کے بعد انہوں نے عرض کیا کہ کوئی ایسا لفظ کہہ دیجئے کہ حق تعالیٰ مددگار ہیں۔ فرمایا کہ یہ تو ایسا امر ہے کہ میں اس کے دریافت کرنے میں آپ کا حاجت مند ہوا اور آپ میرے کہنے سے پہلے ان کو جانتے ہیں پھر مجھ سے یہ لفظ کیوں کہلایا جاتا ہے۔ پھر فرمایا کہ میرے سامنے سے دور ہو جاؤ، تم کو بات کرنے کا سلیقہ بھی نہیں آیا۔ اگر دعا کرانی تھی تو صاف لفظوں میں کہا ہوتا کہ دعا کر دیجئے۔ اس کے بعد ایک صاحب نے ان صاحب کی سفارش کرنی شروع کی تو ان پر بھی لتاڑ پڑی "الامداد" میں اس کی تفصیل موجود ہے۔ فقط اس سے بھی بڑھ کر جناب الحاج حکیم محمد مصطفیٰ صاحب نور اللہ مرقدہٗ حضرت قدس سرہٗ کے کتنے اخص الخواص مقرب اور معالج جن کے متعلق حضرت حکیم الامۃ نے لکھا ہے "دیکھئے حکیم مصطفیٰ صاحب کتنے محبوب" "معتمد کتنے مقرب کتنے مخصوص اس کے باوجود حکیم مصطفیٰ صاحب نے جب کہ حضرت حکیم الامۃ لکھنؤ شفاء الملک صاحب کے زیر علاج تھے تو

حکیم صاحب نے اپنے کسی دوست کے ذریعہ سے شفاء الملک سے حضرت حکیم الامۃ کے مرض کی تشخیص کے متعلق استفسار کیا تھا کہ کیا مرض ہے اس پر حضرت حکیم الامۃ نے اس دخل در معقولات پر جتنا سخت خط حکیم مصطفیٰ صاحب کو لتاڑ کا لکھا ہے وہ میری تو نقل کی ہمت نہیں پڑتی افاضات یومیہ جلد نہم حصہ دوم ملفوظ نمبر ۱۳۳ میں نقل کیا ہے کہ اس سے یہ سمجھائے گا کہ حضرت قدس سرہٗ حکیم محمد مصطفیٰ صاحب سے ناراض ہو گئے تھے یا وہ معتوب بن گئے تھے۔ حضرت تھانویؒ اپنے بڑے بھانجے مولانا سعید احمدؒ کے متعلق فرماتے تھے کہ مجھے ان کے ساتھ سب سے زیادہ محبت تھی جس کو عشق کہہ سکتے ہیں۔ لیکن میں نے ان ہی کے ساتھ سب سے زیادہ سختی کا برتاؤ کیا..... سہارنپور کے ایک جلسہ میں مولانا کا نہایت اعلیٰ درجہ کا وعظ ہوا جس سے سامعین بیحد متاثر ہوئے حضرت نے بعد وعظ مولانا کو کسی معمولی سی بات پر برسر مجمع نہایت سختی کے ساتھ زجر و توبیخ فرمائی تا کہ ان میں عجب و پندار پیدا نہ ہو، بعد میں حضرت والا نے خود بھی یہی مصلحت بتائی۔ (اشرف السوانح)

کیا ان تین واقعوں سے یا اس قسم کے دوسرے واقعات سے کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ حضرت قدس سرہٗ اپنے سارے مجازین اور سارے اعزہ سے خفا تھے یا سب کو نکال دیا تھا اسی طرح اگر کسی مبلغ یا کسی جماعت کے متعلق کسی لغزش پر جو حضرت قدس سرہٗ تک صحیح یا غلط طریقہ پر پہنچی اور حضرت نے لتاڑا ہو تو برمحل ہے۔ لیکن اس کی وجہ سے یہ کہہ دینا کہ حضرت اس جماعت سے خفا تھے۔ کوئی بھی عقل سلیم مان سکتی ہے، بالخصوص جب کہ لوگوں کی عادت اکابر کی خدمت میں غلط واقعات پہنچانے کی مشہور و معروف ہے خوان خلیل کے قصہ کے سلسلہ میں حضرت اقدس سہارنپوری نور اللہ مرقدہ کا یہ مقولہ بھی درج ہے کہ معلوم نہیں لوگوں کو کیا مزا آتا ہے کہ غلط روایتیں پہنچا کر اہل خیر کے قلوب کو دکھاتے ہیں۔ فقط

حضرت حکیم الامۃ کی افاضات یومیہ میں بیسیوں قسم کے اس نوع کے واقعات ہیں اس لیے اکابر کی طرف سے اگر کسی آدمی پر کسی جماعت پر کوئی ڈانٹ پڑے تو وہ وقتی چیز ہوتی ہے۔ اس کو اس شخص یا جماعت کی طرف سے کلیہ پر حمل کرنا یا جہالت سے ہو سکتا ہے یا عناد سے۔

میری ڈانٹ اس لئے ہے کہ یہ حضرات مجھ سے بہتر ہو جائیں (حضرت تھانویؒ)

خود حضرت تھانویؒ نے ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ جن لوگوں پر ڈانٹ ڈپٹ روک

ٹوک زیادہ کرتا ہوں یہ واقعہ ہے کہ ان کے متعلق یہ جی چاہتا ہے کہ یہ مجھ سے اچھے ہو جائیں۔ گو عام لوگ اس کو عدم مناسبت اور بے تعلقی کی دلیل سمجھتے ہیں۔ (افاضات یومیہ)

ابو داؤد شریف میں ایک حدیث نقل کی گئی ہے، حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ مدائن (شہر کا نام) میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کچھ احادیث نقل کیا کرتے تھے جو نبی کریم ﷺ بعض لوگوں کے متعلق غصہ میں فرمایا جو لوگ یہ حدیثیں سنتے تھے اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے پاس جا کر نقل کرتے تو حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کہتے تھے کہ حذیفہ رضی اللہ عنہ کو اپنی احادیث کا زیادہ علم ہے، لوگ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے پاس جا کر کہتے کہ ہم نے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے تمہاری حدیثیں نقل کیں، انہوں نے نہ تو تصدیق کی نہ تکذیب کی تو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور ان سے دریافت کیا آپ میری ان احادیث کی تصدیق کیوں نہیں کرتے جو خود آپ نے بھی حضرت اقدس ﷺ سے سنی ہیں حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ ناراضی کے درمیان میں بعض لوگوں کے متعلق کچھ فرما دیتے تھے اور بعض اوقات بعض لوگوں کی کسی مسرت کی بات پر مسرت کا اظہار فرما دیتے تھے تم اس قسم کی روایات نقل کرنے سے یا تو رک جاؤ جن کی وجہ سے بعض لوگوں کی محبت اور بعض لوگوں کے دل میں ناراضی پیدا ہو اور آپس میں اختلاف پیدا ہو۔ تم کو معلوم ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ایک مرتبہ خطبہ میں فرمایا کہ میں ایک آدمی ہوں دوسرے آدمیوں کی طرح سے مجھے بھی غصہ آجاتا ہے پس جس آدمی کو میں نے غصہ میں کچھ کہا ہو، یا اللہ! تو اس کہنے کو لوگوں کیلئے رحمت اور قیامت کے دن برکات کا سبب بنا! تو تم ایسی حدیثیں نقل کرنے سے رک جاؤ، ورنہ میں امیر المؤمنین کے پاس تمہاری شکایت لکھوں گا۔ (بذل ج۵)

مشائخ کی مجلسوں میں ایک تکلیف دہ گروہ

خود حضرت اقدس نور اللہ مرقدہٗ سے افاضات یومیہ میں نقل کیا گیا ہے کہ مشائخ کے یہاں جو مقربین بصیغۂ اسم مفعول ہوتے ہیں ان میں ایک دو مکربین بصیغۂ اسم فاعل بھی ہوتے ہیں، ہر وقت شیخ کو اور دوسرے متعلقین کو کرب میں رکھتے ہیں، جھوٹ، سچ لگاتے رہتے ہیں، جس سے چاہا شیخ کو ناراض کر دیا جس سے چاہا راضی کر دیا، بحمد للہ ہمارے بزرگ اس سے صاف ہیں حضرت مولانا محمد

قاسم صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ تو کسی کی شکایات سنتے ہی نہ تھے جہاں کسی نے کسی کی شکایات شروع کی فوراً فرمادیا کرتے تھے کہ خاموش رہو میں سننا نہیں چاہتا، اسکے بعد کسی کی ہمت ہی شکایت کی نہ ہوتی تھی، اور حضرت حاجی صاحبؒ سب سن کر فرمادیتے تھے کہ تم نے جو کچھ بیان کیا اور فلاں شخص کی شکایت کی سب غلط ہیں۔ میں جانتا ہوں اس شخص کو وہ ایسا نہیں، ایک صاحب نے عرض کیا، حضرت گنگوہیؒ کا اس بارے میں کیا معمول تھا۔ فرمایا کہ ایک صاحب نے حضرت سے سوال کیا تھا کہ آپ سے لوگ دوسروں کی شکایت بیان کرتے ہیں آپ پر کوئی اثر ہوتا ہے فرمایا کہ ہوتا ہے۔ اور وہ یہ کہ میں سمجھ لیتا ہوں کہ دونوں میں رنجش ہے۔ مگر سن لیتے تھے سب۔'' افاضات یومیہ میں لکھا ہے کہ میں تو واقعات میں علماء تک کی روایات کا بھی اعتبار نہیں کرتا۔ میرا اعتقاد یہ ہے کہ یہ فتویٰ تو صحیح دیں گے مگر واقعات میں اکثر ان کا بھی معمول احتیاط کا نہیں، اس پر چاہے کوئی برا مانے یا بھلا جو بات تھی صاف عرض کردی۔''

ایک مرتبہ حضرت حکیم الامۃ نور اللہ مرقدہٗ نے ارشاد فرمایا کہ آج کل بزرگوں کے پاس مقربین یہ سوغاتیں لے کر جاتے ہیں کہیں اس کی شکایت کہیں اس کی شکایت کسی نے دو حضرات سے جا کر یہ کہہ دیا کہ دیکھئے آپ کے سفر حجاز کے بعد ہی اس نے (یعنی حضرت تھانویؒ) حدیث کا دورہ شروع کرادیا۔ احقر نے عرض کیا کہ شاید مثنوی شریف کے درس کو کسی نے حدیث کا دورہ سمجھ لیا ہو فرمایا یہ بھی عجیب بات ہے کہ خرگوش کو اونٹ سمجھ لے پھر فرمایا کہ اگر شروع ہی کردیتا تو کیا گناہ تھا۔ مگر لوگوں میں یہ سخت عیب کی بات ہے کہ بزرگوں کے بھی کان بھرتے ہیں۔ بزرگوں کے پاس یہ سوغاتیں لے کر جاتے ہیں۔

(احسن العزیز)

میرا مقصد ان چیزوں کے ذکر کرنے سے یہ ہے کہ مشائخ کے یہاں روایات غلط اور صحیح پہنچتی ہی رہتی ہیں۔ اور اس بناء پر اگر کسی شخص کی کوئی تعریف یا کسی کی کوئی مذمت کی ہو تو ان کو کلیہ بنا لینا ہرگز مناسب نہیں، حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہٗ نے تو جلیل القدر صحابی حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہٗ صاحبِ سر النبی ﷺ کو بھی اس پر ڈانٹ دیا کہ ایسی روایات نقل نہ کیا کریں یہ میں لکھ چکا ہوں کہ حضرت تھانوی قدس سرہٗ کے اجل خلفاء جن کی تفصیل آگے آرہی ہے اس کام میں بہت شرکت فرمارہے ہیں۔

اور حضرت مولانا وصی اللہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ نے مختصر لفظوں میں بہت اچھی بات

لکھی کہ ''آپ لوگوں سے اس قسم کے استفسارات تعجب خیز ہیں یہ تبلیغ آج سے نہیں، ایک زمانہ دراز اس پر گذر چکا ہے اور اب یہ عروج پر ہے جب علماء اس میں شریک ہیں، انہوں نے اس کی ضرورت کو اور اس کی شرعی حیثیت کو مدنظر رکھ کر اس کام کو عمل میں لایا ہوگا۔ اور یہ بات روز روشن کی طرح واضح ولائح ہے اس کے بعد اب سوال کی کیا حاجت باقی رہ جاتی ہے۔

(اشکال نمبر ۱۰) حضرت مدنیؒ کو تبلیغ کے کام سے اتفاق نہ تھا

حضرت شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کے متعلق میرے کان میں کبھی کبھی پڑا کہ حضرت بھی اس کے مخالف تھے۔ اس روایت پر تو میری حیرت کی انتہا نہ رہی اسے لیے کہ حضرت قدس سرہ کی اس تبلیغ کے ساتھ دلچسپی شغف، ترغیبات تحریر وتقریرات اتنی شائع ہوچکی ہیں کہ اس کے بعد اس قسم کی روایات حضرت کی طرف منسوب کرنا عناد کے سوا کچھ نہیں، اس جماعت کے جلسوں میں کثرت سے حضرتؒ کی شرکتیں بھی ہیں تقریں بھی ہیں اور شرکت کیلئے تاکیدیں بھی ہیں ان سب کا احاطہ اس مختصر رسالہ میں تو بہت دشوار ہے۔

حضرت کی تقریریں مستقل بھی رسائل میں شائع ہو چکی ہیں ان سب کا اس مختصر رسالہ میں نقل کرنا تو بہت دشوار ہے، حضرت شیخ الاسلام کی تبلیغی تقریروں کے نام سے بھی ایک مستقل رسالہ شائع ہو چکا اور مختلف اخبارات ورسائل میں بھی کثرت سے ان کے اقتباسات شائع کیے گئے نمونہ کے طور پر صرف ایک دو خطوط نقل کراتا ہوں، ان میں سب سے اہم بندہ کے نزدیک وہ خط ہے جو حضرت الحاج حکیم محمد اسحاق صاحب کٹھوری ممبر شوریٰ دار العلوم کے نام لکھا اور حضرت شیخ الاسلام کی تقریروں کے رسالہ میں چھپا ہوا ہے، وہ یہ ہے۔

نمبر ا: مکتوب مدنی رحمۃ اللہ علیہ

محترم المقام زید مجدکم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ مزاج مبارک یہ بات معلوم کر کے تعجب ہوا کہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کی تبلیغی جماعتیں شہر میرٹھ اور اس کے گردونواح میں تبلیغی سرگرمیوں کیلئے آتی ہیں مگر آپ حضرات اور آپ کے احباب واعزہ ان کی ہمدردی، رہنمائی، ہمت افزائی میں کوئی حصہ نہیں لیتے برخلاف اس کے وہ اشخاص جن کو اپنے بزرگوں سے کوئی تعلق نہیں ہے، اور نہ ان کو قومی اور وطنی تحریکات سے کوئی دلچسپی ہے وہ ان جماعتوں سے ہمدردی کرتے ہیں میں نہیں سمجھ سکا کہ اس کا کیا راز ہے۔

میرے محترم بزرگ! یہ جماعت تبلیغیہ نہ صرف ایک ضروری اور اہم فریضہ کی حسب استطاعت انجام دہی کرتی ہے بلکہ اس کی بھی سخت محتاج ہے کہ ان کی ہمت افزائی کی جائے۔ اور ان کو خود بھی مسلمانوں سے رابطہ قوی پیدا ہو اور مسلمانوں میں اتحاد و یگانگت کا قوی جذبہ پیدا ہو اور ان کو مذہبی احساسات کی سرگرمی کی طرف سے چلایا جائے جس سے مستقبل میں نہایت اعلیٰ درجہ کے نتائج اور ثمرات کی قوی امیدیں پیدا ہوتی ہیں، بنابریں میں امیدوار ہوں کہ آئندہ اس میں پوری جدوجہد کو کام میں لایا جائے اور ان کی ہمت افزائی کی صورتیں عمل میں لائی جاویں۔ والسلام ننگِ اسلاف حسین احمد غفرلہ ۱۶ صفر ۱۳۶۱ھ

نمبر ۲ مکتوب مدنی رحمۃ اللہ علیہ

دوسرا مکتوب پروفیسر سید احمد شاہ صاحب مرادآبادی کے نام۔

محترم المقام زید مجدکم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ تبلیغی خدمات کے انجام دینے اور اس کے لئے مولانا الیاس صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر ہدایات حاصل کرنے کا مقصد مبارک مقصد ہے، اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور پھر توفیق عطا فرمائے کہ آپ اس مبارک مقصد کو بلکہ اپنی خاندانی وراثت کو بخیر و خوبی انجام دیں۔ مولانا محمد الیاس صاحب کو علیحدہ خط لکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ بلا سفارش اس کام کو مکمل طریقہ پر انجام دیں گے اور بالفرض آپ ضرورت ہی سمجھیں تو اس عریضہ کو ان کی خدمت میں پیش کر دیں اور میرا اسلام اور استدعاء دعوات صالحہ انجام دیں۔ فقط: والسلام ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ۔

تیسرا مکتوب علماء افغانستان کے نام

جس کے متعلق سوانح یوسفی میں لکھا ہے یہ تو معلوم ہو چکا کہ حضرت مدنیؒ تبلیغی جماعت کی حمایت میں ہمیشہ سینہ سپر رہے ہیں، اور جہاں جہاں بھی ان کی مدد و اعانت کی ضرورت پڑی مدد اور سرپرستی، افغانستان میں حضرت مدنی کے تلامذہ اور تعلق رکھنے والے مشائخ بکثرت تھے۔ جب یہ تبلیغی جماعت افغانستان جانے لگی تو حضرت مدنیؒ نے بعض ذی اثر علماء کو خطوط تحریر فرمائے تا کہ جماعت کو کوئی رکاوٹ پیش نہ آئے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں۔ "طال شوقی الی لقائکم ایھا الغائبون عن نظری" بخدمت عالی جناب ذولجاہ والاکرام مولانا فضل ربی و حضرت علماء کابل لا ذالت شموس فیوضکم و بدور معالیکم لامعۃ ازیں بعد ادائے مراسم اسلامیہ و سنن نبویہ علی صاحبہا الصلاۃ والتحیۃ عرض آنکہ حاملین

عریضہ ہمارے چند احباب خدمات عالیہ میں حاضر ہو رہے ہیں، ان کا مقصد کوئی سیاسی اور ملکی نہیں ہے فقط خدمات دینیہ اور فرائض تبلیغیہ ادا کرنا ہے اور مسلمانانِ افغانستان کو وہ مقصد یاد دلانا جس کو عام مسلمانوں نے بھلا دیا ہے مقصود ہے۔ امید آنکہ آپ حضرات ان کی امداد واعانت میں کوتاہی روا نہ رکھیں گے اور ان پر اعتماد کرتے ہوئے ممکن تسہیلات سے درگذر نہ فرمائیں گے۔ والسلام خیر اندیش ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ

صدر مدرس دار العلوم دیوبند صدر جمعیۃ علماء ہند

۱۳ محرم الحرام ۱۳۷۷ھ

افغانستان کی یہ پہلی جماعت تھی جو اگست 57ء میں گئی تھی۔ اور اس کے امیر مولانا عبید اللہ صاحب بلیاوی تھے گیارہ افراد پر مشتمل تھی جن کے اسماء سوانح یوسفی میں درج ہیں، اور اسی میں اس جماعت کے کارناموں کی تفصیل ہے۔ (سوانح یوسفی از مولانا محمد ثانی حسنی)

اہل تبلیغ بھی تو انسان ہیں

بنگلور میں ایک زمانہ میں تبلیغ کے خلاف بہت زور باندھے گئے اور کہا گیا کہ یہ مدرسوں کو فضول بتاتے ہیں اور بعض اہل مدارس کی طرف سے تبلیغ کے خلاف اشتہارات لکھے گئے جو حضرت مدنی قدس سرہٗ کی خدمت میں فیصلہ کے لیے بھیجے گئے۔ جس پر حضرت قدس سرہٗ نے یہ مضمون تحریر فرما کر بھیجا تھا جو اخبار ''روشنی'' بنگلور مورخہ ۱۷ مارچ ۱۹۵۷ء میں شائع ہوا۔

''اہل مدارس کی مختلف تحریریں اور پوسٹر دربارۂ جماعت تبلیغ ومخالفت ان دنوں نظر سے گذریں۔ جن میں حد اعتدال اور توسط سے تجاوز کرتے ہوئے افراط وغلو سے کام لیا گیا ہے تبلیغ دین اور تعلیم دینی ہر دو امور ضروریات اور فرائض اسلامیہ سے ہیں ان کے کارکنوں کو ہمیشہ حدود شرعیہ کے اندر کام انجام دینا چاہئے، کوئی کام خواہ کتنا ہی اہم اور ضروری کیوں نہ ہو اگر حدود شرعیہ سے بالاتر ہو کر عمل میں لایا جائے گا تو ضرور بالضرور اس میں خرابیاں اور مفاسد پیدا ہوں گے اسے لیے میں ہر دو فریق سے نہایت ادب اور محبت سے التماس کرتا ہوں کہ وہ اعتدال اور توسط کو اختیار فرمائیں اور بے جا الزامات تراشی اور بے اعتدالیوں سے درگذر فرما کر اپنے اپنے فرائض وواجبات میں منہمک ہو جائیں زمانہ سعادت صحابہ کرامؓ سے لیکر آج تک ہمیشہ کارکن اشخاص اور جماعتوں سے غلطیاں بھی ہوتی ہیں مگر ان کی غلطیوں کی وجہ سے وہ ضروری چیزیں

ممنوع نہیں قرار دی گئیں بلکہ اصلاح کی گئی اور ان غلطیوں کو چھانٹ دیا گیا۔ اہل تبلیغ بھی ہماری طرح انسان ہیں ان میں ناتجربہ کار اور نو آموز افراط وتفریط کرنے والے اشخاص بھی ہیں۔ ان کی کسی کوتاہی پر نفس تبلیغ پر نکیر کرنا غلطی سے خالی نہ ہوگا اور یہی حال تعلیم کا بھی ہے اس لیے میں تمام بھائیوں سے امیدوار ہوں کہ ہر ایک دوسرے کی عزت افزائی کی کوشش کرے، اور گندگی اچھال کر مسلمانوں میں مزید تفریق پیدا نہ ہونے دے۔ وَاللّٰهُ يَهْدِى السَّبِيْلَ وَهُوَ الْمُسْتَعَان. ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

مفتی عزیز الرحمٰن صاحب بجنوری سوانح یوسفی میں لکھتے ہیں "اور حضرات کے بارے میں تو مجھے معلوم نہیں ہاں حضرت مدنیؒ کے بارے میں مجھے معلوم ہے کہ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب جب بھی سہارنپور تشریف لے جاتے تو دیوبند ضرور جاتے اور بہت دیر تک نہایت ادب اور احترام سے بیٹھے رہتے تھے، حضرت مدنیؒ کو بھی ان سے اسی قدر تعلق تھا جب اجتماعات میں شرکت فرماتے تھے تو پھر مصافحہ کرنے والے سے پوچھا کرتے تھے کہیے! آپ نے چلہ دیا یا نہیں؟ اگر وہ انکار کرتا تو آپ اس سے چلہ لکھواتے۔

حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی تقریر کا اہم حصہ

حضرت شیخ الاسلام قدس سرہٗ کی تبلیغی اجتماعات میں تقریریں نہایت کثرت سے ہوئیں ان میں سے چند مطبوعہ بھی ہوگئیں جو بڑی طویل ہیں ان کو اس رسالہ کا جز بنانے میں تو یہ مختصر رسالہ بہت ہی طویل ہو جائیگا، اگر کوئی صاحب خیر ان کو ایک جگہ طبع کرا دے تو علاوہ اس کے کہ نہایت افادہ اور لوگوں کی ہدایت کا سبب بنے اس کا بھی اندازہ ہو جائے گا کہ حضرت شیخ الاسلام کو تبلیغی جماعت سے کتنا تعلق تھا۔

حضرت مدنی رحمۃ اللہ کی ایک تقریر کا خلاصہ

ایک مختصر رسالہ حضرت شیخ الاسلام کی اہم تقریروں کے نام سے چھپا ہے۔ اس میں دو تقریریں مفصل طبع کی گئی ہیں۔ دوسری تقریر کا آخری حصہ نقل کراتا ہوں، یہ تقریباً ۲۶ جولائی ۱۹۵۷ء بعد نماز جمعہ بمقام ارکونم ضلع شمالی کا آرٹ مدارس میں ایک تبلیغی اجتماع میں فرمائی، تاثر کا یہ عالم تھا کہ سارا مجمع رو رہا تھا۔ اور یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ یہ حضرت کا سب سے آخری سفر تھا اور آخری ہی تقریر تھی اس کے آخری حصہ کے الفاظ یہ ہیں:

بھائیو! آپ کی یہ مجلس تبلیغ کی ہے یہ تبلیغ اصل میں وظیفہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ وہ کام جو تم کرتے ہو معمولی نہیں میں تم کو بشارت دیتا ہوں کہ خدا نے تم کو کیسی خدمت سپرد کی ہے۔

حقیقت میں کام لینے والا اللہ ہے، اگر وہ نہ چاہے تو تم کیا کرتے؟ وَمَا تَشَآؤُنَ اِلَّا اَنْ یَّشَآءَ اللّٰہُ رَبُّ الْعَالَمِیْن

ارشاد ہے: "یَمُنُّوْنَ عَلَیْکُمْ اَنْ اَسْلَمُوْا قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَیَّ اِسْلَامَکُمْ بَلِ اللّٰہُ یَمُنُّ عَلَیْکُمْ اَنْ ھَدَاکُمْ لِلْاِیْمَانِ اِنْ کُنْتُمْ صَادِقِیْنَ" خدا کا فضل ہے کہ اس نے تمہارے دلوں میں اس چیز کو ڈالا ہے۔ اسی ہندوستان میں ہمارے باپ دادا اور بہت سے لوگ گذر گئے جو آپس میں لڑتے رہے اور دنیا کے پیچھے پڑے رہے لیکن ان کو تبلیغ کا کبھی خیال نہیں آیا۔ خدا تعالیٰ نے ہمارے زمانے کے علماء اور اہل خیر کو اس کی توفیق دی۔ تم بہت سے بندگانِ خدا کو دوزخ سے نکال کر جنت میں داخل کر رہے ہو، جو کلمہ اور نماز نہیں جانتے تھے کیا وہ مستحق دوزخ نہیں تھے؟ تم ان کو سمجھا کر اللہ کے راستے پر چلاتے ہو تو کیا دوزخ سے نکال کر جنت میں داخل نہیں کر رہے ہو؟ اللہ جس کو چاہتا ہے اٹھاتا ہے اور جس کو چاہتا ہے گراتا ہے۔

منت منہ کہ خدمت سلطان ہمہ کنی
منت شناس ازو کہ بخدمت بد اشتت

خدا کا شکر ادا کرو کہ اس نے تمہیں اس کی توفیق دی یہ بات ضرور ہے کہ بہت سے لوگ تمہاری بات نہیں مانیں گے تم کیا ہو؟ لوگوں نے آنحضرت ﷺ کی بات نہ مانی اور آپ کے ساتھ کیا کیا نہیں کیا؟ تم گھبراؤ نہیں پریشان نہ ہو اگر بیوقوف اور جاہل برا بھلا کہیں، طعنہ دیں تو سن لو یہ تو سنت ہے آنحضرت ﷺ کی اور سنت ہے انبیاء سابقین کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "لقد او ذیت فی اللہ و ما اوذی احد مثلی و لقد اُخِفت فی اللہ و ما اخیف احد مثلی" (الحدیث) اگر تمہیں کامیابی نہیں ہوئی اور کوئی بھی سیدھا نہیں ہوا تو اس کے باوجود تمہارا درجہ بڑا ہے اور تمہیں پورا اجر ملے گا۔ تم اطمینان رکھو تمہارا کام اللہ کے دربار میں مقبول ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خیبر فتح کرنے کیلئے بھیجتے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا چاہتے ہیں قتال شروع کردوں؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہاں جا کر ٹھہرو، اور لوگوں کو "لا الہ الا اللہ" کی طرف بلاؤ اگر مانیں تو دوسرا معاملہ کرنا اس لیے کہ "لان یھدی اللہ بک رجلا خیر لک من الدنیا و ما فیھا" ایک آدمی کو بھی تمہارے ذریعہ اللہ تعالیٰ ہدایت دے دے تو وہ تمہارے لیے دنیا و ما فیہا سے بہتر ہے دوسری روایت میں ہے کہ تم کو جوان اونٹوں کے ملنے سے بھی یہ بہتر ہے۔

بھائیو! تم نے جو قدم اٹھایا ہے وہ مبارک ہے اللہ پاک تمہاری جد وجہد سے لوگوں کو

فائدہ پہنچائے۔ اور تم سے اسلام کی خدمت لے۔ تم ہرگز تنگدل مت ہو، تکلیفیں اٹھانی پڑیں گی جیسے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء علیہم السلام کو اٹھانی پڑیں، کیا تم کو خبر ہے کہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عرب سے کیوں نکلے؟ وہ عراق میں پہنچے، شام، ایران، افغانستان، سندھ، یوپی، بہار اور جنوب میں دکن تک پہنچے؟ یہاں تک کیوں پہنچے ان کا مقصد کیا تھا؟ ملک فتح کرنا تھا؟ یا دولت لوٹنی تھی؟ ہرگز نہیں ان کا اصلی مقصد صرف ''لا الہ الا اللہ'' کی دعوت دینا تھا، دنیا کو سچے دین پر لانا تھا اللہ کے بچھڑے ہوئے بندوں کو اللہ سے ملانا تھا اور دوزخ سے نکال کر جنت میں داخل کرنا تھا، بعد والوں نے بے وقوفی کی کہ دنیا کے پیچھے پڑ گئے تاریخ گواہ ہے کہ ہند میں باہر سے آنے والے مسلمانوں کی تعداد صرف چار یا پانچ لاکھ تھی، مگر تقسیم ہند کے وقت دس کروڑ پچیس لاکھ مسلمان تھے۔ ہمارے بزرگ اسلاف نے اور اولیاء کرام نے تبلیغ دین کیلئے بہت ہی کوششیں کیں، ایک انگریز اسمتھ لکھتا ہے کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے دست مبارک پر نوے لاکھ مسلمان ہوئے۔ ان کے پاس کیا تھا؟ کوئی فوج تھی؟ فقط اللہ کی معرفت کا خزانہ تھا۔ ہر جگہ اللہ کے سچے بندے گذرے ہیں جنہوں نے دین کی تبلیغ کی، میں نے تاریخ ترکی میں دیکھا کہ ترک قوم کے تین لاکھ خاندان ایک دن میں مسلمان ہوئے اللہ کا کرم کہ تبلیغ کی کوشش وہ پھل لائی کہ ایک زمانہ میں بعض حکام کو یہ تدبیر کرنی پڑی کہ وہ اپنی رعایا کو مسلمان ہونے سے روکیں 100ھ میں خلافت عمر بن عبد العزیزؒ کے زمانہ میں خراساں کے حاکم کو یہ خطرہ ہوا کہ جزیہ بند ہونے سے خزانہ خالی ہو جائے گا اس لیے اعلان کرنا پڑا کہ کسی کا اسلام اس وقت تک قبول نہ کیا جائے گا جب تک وہ ختنہ نہ کرالے، بوڑھوں کے لیے تکلیف دہ بات تھی اس لئے اس حکم کے جاری ہونے سے اسلام کی ترقی رک گئی، اب خلیفہ کو اطلاع ملی کہ والی خراساں نے اسلام پر پابندی لگا دی ہے تو آپ نے اس کو معزول کر کے دوسرے کو مقرر کر دیا اور فرمایا کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس لیے آئے تھے کہ ان پر اسلام کو موقوف رکھا جائے؟

میرے بھائیو! ہمارے اسلاف کی کوششوں سے اہل اللہ علماء کرام اور عام مسلمانوں کی کوششوں سے دس کروڑ پچیس لاکھ مسلمان ہو گئے، اگر غلط کاری نہ ہوئی ہوتی تو یقیناً ہندوستان کا اکثر حصہ مسلمان ہو جاتا، میرے بزرگو! اللہ نے آپ کے دلوں میں تبلیغ کی محبت ڈالی یہ مبارک کام ہے اور آپ مبارک باد کے مستحق ہیں۔ اللہ آپ کو اس سے زیادہ خدمت کی توفیق عطا کرے اپنی بھی اصلاح کرو اور اپنے بھائیوں

کی بھی، اللہ آپ کو مزید ہمت عطا فرمائے۔ بھائیو! تنگدل نہ ہو، اللہ کی رحمت کے امیدوار رہو، سب کو اللہ کی رضا و خوشنودی اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی طرف بلاؤ خود بھی عمل کرو، رسول اللہ ﷺ کی صورت بناؤ سیرت اختیار کرو۔ واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ مولانا حفظ الرحمٰنؒ اور مفتی کفایت اللہؒ کی سرپرستی

حضرت شیخ الاسلام نور اللہ مرقدہٗ کی تبلیغی اجتماعات میں بہت کثرت سے شرکت ہوئی ہے، جن کو تتبع اور تلاش کیا جائے تو بہت ہی وقت لگے گا، میرے روزنامچوں میں بھی بہت سے اجتماعات ایسے ملیں گے جن میں حضرت شیخ الاسلام کی شرکت ملے گی، سوانح یوسفی میں ڈاسنہ کے اجتماع میں جو ۳ جمادی الاخریٰ ۱۳۷۵ھ مطابق ۱۷ جنوری ۵۶ء منگل کی دوپہر کو حضرت شیخ الاسلام نے شرکت فرمائی۔ اس کے متعلق سوانح کے حاشیہ میں یہ لکھ دیا گیا غالباً حضرت مدنیؒ کی یہ شرکت تبلیغی اجتماعات میں اپنی زندگی کی آخری شرکت تھی یہ اندازہ سے لکھا گیا۔ اس لیے کہ ایک ہی سال بعد حضرت شیخ الاسلام کا وصال ہو گیا لیکن آرکاٹ کے جس اجتماع کی شرکت کا ذکر اوپر گذرا وہ اس کے بعد کی ہے حضرت مدنی قدس سرہٗ نے ۱۹۴۷ء کے ہنگاموں کے بعد جب کہ نظام الدین کے حضرات کو جلسے کرنے مشکل ہو رہے تھے، بہت کثرت سے اجتماعات میں شرکت فرمائی، سوانح یوسفی میں لکھا ہے کہ ۱۹۴۷ء کے ہنگامے میں ایسے پرخطر دور میں ادھر ادھر جانا دشوار تھا، ذرا قدم نکالا موت نے آدبوچا۔ بڑے سے بڑے ہمدرد تعلق والے آنکھیں پھیر لیتے حتیٰ کہ بعض ایسے اہم ترین اور مخلص ترین اور پرانے تعلق رکھنے والے اصحاب جو اس وقت صاحب اختیار تھے، جن کا حکومت میں اثر ورسوخ تھا انہوں نے بھی ایسے پرخطر دنوں میں خاموش رہنے کا مشورہ دیا......... لیکن اس اندھیری رات میں روشنی کی ایک ایسی شمع بھی چلی جس نے روشنی دی۔ حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ کا تو کہنا ہی کیا کہ وہ برابر مرکز اور مرکز والوں کی سرپرستی فرماتے رہے اور ان کی ہمت کو شکستہ ہونے سے، بچائے رکھا لیکن مولانا حفظ الرحمٰن صاحبؒ نے بھی اپنی مجاہدانہ زندگی اور دیرینہ تعلق و احساس فرض کی صفت کا پوری طرح مظاہرہ کیا۔ (مولانا کے متعلق مضمون ان کے بیان میں آرہا ہے) حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ اور مولانا احمد سعید صاحبؒ بھی ان خطرناک ایام میں جماعت کی بہت زیادہ معاونت فرماتے رہے۔

دیگر اکابر کی نظام الدین کی تبلیغ کے متعلق آراء وارشادات

(الف) حضرت اقدس قدوۃ الاتقیاء رأس الاصفیاء شاہ عبدالقادر صاحب رائپوری نوراللہ مرقدہ کے متعلق تو شاید ہی کسی کو اس سے انکار کی جرأت ہو کہ حضرت قدس سرہٗ کا نظام الدین کثرت سے تشریف لے جانا، اور تبلیغی اسفار اور اہم امور میں مشوروں میں شرکت بہت کثرت سے ہوتی تھی خود اس ناکارہ کے ذریعہ سے حضرت اقدس رائپوری قدس سرہٗ نے حضرت دہلوی نوراللہ مرقدہٗ کے دور میں اور اس کے بعد مولانا الحاج محمد یوسفؒ کے دور میں کئی باران اکابر کو رائپور میں اجتماعات کرانے کے لیے بلایا، اور حضرت رحمۃ اللہ کے دور میں بار بار، رائپور میں تبلیغی اجتماعات حضرت کے ارشادات پر ہوئے۔

حضرت رائپوریؒ کی دہلی میں تشریف بری بھی بہت کثرت سے ہوتی تھی۔ جس کے دوران میں تبلیغی مشورے حضرت دہلویؒ کے دور میں بھی اور مولانا محمد یوسفؒ کے دور میں بھی حضرت رائپوریؒ سے ہوا کرتے تھے، باوجود اس کے کہ حضرت دہلویؒ کی یہ تمنا رہتی تھی کہ حضرت رائپوریؒ کی تشریف بری اس سے بھی زائد ہو۔ جس کے متعلق آپ بیتی نمبر ۴ میں ایک طویل قصہ بھی لکھوا چکا ہوں کہ حضرت دہلویؒ کی اس تمنا اور خواہش پر کہ حضرت کی تشریف آوری میں اضافہ ہو جائے حضرت کا یہ ارشاد کہ "میری آمد تو ان (اس ناکارہ کی طرف اشارہ فرما کر) پر موقوف ہے" اس پر چچا جان نوراللہ مرقدہ کو بہت غصہ آیا اور فرمایا کہ جب حضرت کی تشریف آوری اتنی آسان ہے پھر اتنی تاخیر کیوں ہوتی ہے۔ سوانح حضرت دہلویؒ میں لکھا ہے کہ مولانا کے نزدیک ملک کی جہالت وغفلت دینی بے حمیتی اور جذبات کی خرابی تمام فتنوں کی جڑ اور ساری خرابیوں کا سرچشمہ تھی اور اس کا علاج صرف یہ تھا کہ میوات کے لوگ اپنی اصلاح وتعلیم اور دین کو دنیا پر مقدم رکھنے اور اس کے لیے جدوجہد کرنے کی طاقت اور جذبات پیدا کرنے کے لیے باہر اور خصوصاً یوپی کے شہروں میں جائیں۔ اور اس کے لیے سب سے پہلا سفر اپنے وطن کاندھلہ کا رمضان میں تجویز ہوا جس کی تفصیل سوانح حضرت دہلوی میں موجود ہے۔ اس کے بعد دوسرا سفر رائپور کا تجویز ہوا، اور شوال میں ۱۰۔۱۱، آدمیوں کو اپنے ساتھ لیکر رائپور تشریف لے گئے۔ رائپور بھی اطمینان کی جگہ تھی اور دینی وروحانی مرکز تھا۔ نیز مولانا عبدالقادر صاحب جانشین حضرت مولانا الحاج شاہ عبدالرحیم صاحب نوراللہ مرقدہٗ نے رائپوری

سے یکجہتی اور یگانگت کی بنا پر وہاں سے بھی کوئی تکلف اور اجنبیت نہیں تھی۔ (سوانح حضرت دہلویؒ)

یہ میوات کی جماعتوں کے یوپی میں آنے کی ابتدائیں ہیں۔ اس کے بعد متعدد مرتبہ رائپور میں اجتماعات ہوتے رہے اور حضرت اقدس رائپوری قدس سرہٗ باغ کے اپنے تمام لوگوں کو اجتماع میں شرکت کیلئے اہتمام سے بھیجتے تھے۔ یہ ناکارہ بھی رائپور کے متعدد اجتماعات میں شریک ہوا۔ سوانح یوسفی میں لکھا ہے کہ مولانا محمد یوسف صاحبؒ نے تقسیم ہند کی لائی ہوئی مصیبت اور وحشت پیدا کرنے والے دور میں اجتماعات کی ابتداء ایسے مقام سے کی جہاں پر ذکر کی فضا قائم تھی اور برسوں سے اللہ اللہ کرنے والے وہاں پر موجود تھے۔ اور ایک ایسے مرد خدا اور بزرگ شخصیت کا سایہ تھا جس نے برسوں ایمان و یقین اور یاد الٰہی کا سبق دیا۔ تقسیم ہند کے بعد سب سے پہلا اجتماع رائپور میں ہوا۔ ۳ ربیع الثانی ۱۳۶۷ھ مطابق ۱۴ فروری ۱۹۴۸ء کی شب میں مولانا محمد یوسف صاحب نظام الدین سے سہارنپور تشریف لے گئے اور لکھنؤ سے مولانا ابوالحسن علی ندوی اور مولانا محمد منظور صاحب نعمانی پنجاب میل سے سہارنپور پہنچے۔ دوسرے دن صبح ان سارے حضرات کی رائپور روانگی ہوئی۔ رائپور میں ایک طویل اجتماع تھا جس کے سلسلہ میں یکشنبہ کی شب میں جامع مسجد میں ایک جلسہ ہوا۔ یہ جلسہ اپنی نوعیت کا ایک کامیاب بنیادی جلسہ تھا۔ اس سے آئندہ اجتماعات اور جلسوں کی راہ ہموار ہوئی مشرقی پنجاب کے بہت سے پناہ گزیں جنہوں نے رائپور میں آکر قیام کر لیا تھا وہ بھی اس میں شریک ہوئے یہی وہ سفر ہے جس میں حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائپوری نے مولانا محمد یوسفؒ سے پاکستان کے سفر اور دورہ پر اصرار فرمایا۔

دوسرا اجتماع رائپور کا پہلے سے طے شدہ نہ تھا پہلے سے کسی کو خبر تھی، اور نہ کوئی اس کے لیے انتظام ہی کیا گیا تھا، مولانا محمد یوسفؒ حضرت رائپوری صاحبؒ سے ملنے کی خاطر رائپور تشریف لے گئے۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ اہل فیض آباد ضلع سہارنپور بہت دنوں سے حضرت شیخ الحدیث سے فیض آباد آنے کی درخواست اور اصرار کر رہے تھے مگر حضرت رائپوری نے حضرت شیخ الحدیث کو سفر کی مشقت کی خاطر فیض آباد جانے کی رائے نہ دی اور جو حضرات فیض آباد لیجانے پر مصر تھے ان سے یہ فرمایا کہ تم لوگ رائپور میں رہو اور حضرت شیخ سے یہیں نیاز حاصل کرو ۱۶ محرم ۱۳۷۳ھ بروز شنبہ مولانا محمد یوسف صاحب سہارنپور تشریف لے گئے مع دوسرے رفقاء کے انہوں نے جب

حضرت شیخ کو سہارنپور میں نہ پایا تو اسی وقت رائپور تشریف لے گئے اس طرح اس وقت رائپور میں اہل تعلق کا ایک اجتماع ہو گیا، حضرت اقدس رائپوری نور اللہ مرقدہ نے اہل رائپور کو حکم دیا کہ وہ قرب و جوار میں آدمیوں کو بھیج کر لوگوں کو جمع کریں، اور بدھ کی صبح کو جامع مسجد رائپور میں ایک تبلیغی اجتماع کرلیں۔ مولانا محمد یوسف صاحب نے عرض کیا کہ میں اس وقت حضرت کی صرف زیارت کے لیے آیا ہوں، مگر حضرت رائپوری نے حکم فرمایا، اصرار فرمایا، مولانا محمد یوسف صاحب اس پر آمادہ ہو گئے اور بدھ کی صبح کو تقریباً چھ گھنٹے جامع مسجد رائپور میں اجتماع ہوا قرب و جوار کا یہ کامیاب اجتماع تھا حضرت شیخ اور مولانا کی تشریف بری کو سن کر بڑی تعداد میں لوگ جمع ہو گئے مولانا نے اس اجتماع میں چار گھنٹہ تقریر فرمائی۔ اور تقریر کے بعد دو گھنٹے تشکیل ہوئی۔ (سوانح یوسفی)

حضرت رائپوری نور اللہ مرقدہٗ اور حضرت دہلوی اور حضرت مولانا محمد یوسف صاحب نور اللہ مرقدہما کی سوانح عمریوں میں بہت کثرت سے ان دونوں حضرات کی رائپور میں حاضری اور اجتماعات کے تذکرے ہیں، اور حضرت اقدس رائپوری نور اللہ مرقدہٗ کی بھی حضرت دہلوی کے زمانے میں اور حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کے زمانے میں نظام الدین کی تشریف بری اور کئی کئی دن قیام اور اہم امور میں مشوروں کا ذکر ہے۔ چونکہ گلالتہ کا اجتماع حضرت دہلوی نور اللہ مرقدہٗ کی وصال کے بعد اہم اجتماع تھا جس میں شرکت کے لیے حضرت اقدس رائپوری نور اللہ مرقدہٗ رائپور سے اہتمام کے لیے تشریف لے گئے۔ سوانح یوسفی میں اس اجتماع کی تفصیل بہت ہی طویل لکھی ہے، لکھا ہے کہ مراد آباد کے ستر ۷۰ نفر پیدا ہ چل کر اس جلسہ میں شرکت کے لیے تشریف لے گئے۔ لیکن ذوق و شوق اور کیف و سرور اتنا تھا کہ تکان کا پتہ بھی نہ چلا، سہارنپور سے شیخ الحدیث صاحب اور رائپور سے حضرت رائپوری ۲۹/ شوال کو نظام الدین پہنچے اور ہر دو حضرات یک شنبہ کی صبح کو نظام الدین سے گلالتہ تشریف لے گئے۔ اسی دن اجتماع تھا اور جوالا پور ضلع سہارنپور کا اجتماع تو حضرت اقدس رائپوری ہی کی سفارش پر تجویز ہوا تھا جس کی تفصیل سوانح یوسفی میں ہے۔

حضرت تھانویؒ کے خلیفۂ اجل حضرت مولانا وصی اللہ کا مکتوب گرامی:

(ب) حضرت مولانا وصی اللہ خلیفہ اجل حضرت حکیم الامۃ نور اللہ مرقدہٗ کے مکتوب کا مختصر حصہ حضرت حکیم الامۃ کے بیان میں گذر چکا۔ پورا مکتوب یہ ہے:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ایسے استفسارات پہلے یہاں آئے ہیں ان کا جواب دیا گیا ہے، اب آپ نے بھی کیا ہے۔ آپ جیسے حضرات سے یہ امر تعجب خیز ہے۔ یہ تبلیغ آج سے نہیں ایک زمانہ دراز اس پر گذر چکا ہے اور اب یہ عروج پر ہے۔ جب علماء اس میں شریک ہیں انہوں نے اس کی ضرورت کو اور اس کی شرعی حیثیت کو مدنظر رکھ کر اس کام کو عمل میں لایا ہوگا۔ اور یہ بات روز روشن کی طرح واضح ولائح ہے۔ اس کے بعد اب سوال کی اور پھر ہم جیسے لوگوں سے کیا حاجت باقی رہ جاتی ہے۔ کام مقصود ہے اور اس کو شرعی طریقہ سے کرنا ہے اور علماء دونوں کو جانتے ہیں پھر ان کی تقلید کو جو ضروری سمجھ رہا ہے اس پر ان کی تقلید ضروری ہے، جو کام کرتا ہے اس کی اہمیت کو وہ عمل سے پہلے اور شرعی نقطۂ نظر سے اس کو سمجھ لیتا ہے۔ بس یہ دونوں پہلو پیش نظر ہیں پھر اب سوال کی حاجت نہیں۔ سوال عمل سے پہلے ہوتا ہے اور اب سوال سے کیا فائدہ؟ اب تبلیغ اپنے عروج پر ہے وہ روز بروز بڑھتی ہی رہے گی۔ جو اس کے موافق ہو خلوص سے اس کو عمل میں لائے۔ سوال سے تردد کا پتہ چلتا ہے کہ اب عمل کے جواز ہی میں تردد ہے یا سب کو اس میں شریک کرنا چاہتا ہے۔ بہت سے کام ہیں اور ضروری ہیں سب کو کرنا ہے۔ ایک جماعت اس کے لیے ہونا بھی ضروری ہے اور بس اور حدود شرع کا پاس ولحاظ ہر جماعت کے لیے ضروری ہے۔ والسلام

وصی اللہ عفی عنہ (چشمۂ آفتاب)

حضرت مولانا وصی اللہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ کے خلیفۂ خاص مولانا ڈاکٹر صلاح احمد صاحب صدیقی جو رسالہ ''معرفت حق'' جو حضرت مولانا وصی اللہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی خانقاہ سے نکلتا ہے اس کے مدیر بھی ہیں ان کے داماد جناب شمس الرحمٰن صاحب کا خط میرے پاس آیا۔ جنہوں نے اپنی تبلیغی مساعی جمیلہ ہر ہفتہ دو گشتوں میں شرکت، مرکز میں شب گذاری اور روزانہ بعد فجر کی تعلیم کے اپنے متعلق ہونا، اور ہفتہ واری تقریر اپنے ذمہ ہونا وغیرہ وغیرہ امور کی تفصیل لکھنے کے بعد لکھا ہے کہ ڈاکٹر صاحب میری جماعت کی آمد ورفت پر کبھی کچھ نہیں فرماتے۔ بلکہ کبھی کبھی بہت ہی فراخدلی سے کہتے ہیں کہ یہ بھی بہت بڑا اور ضروری کام ہے اور ہمارا ہی کام ہے فقط۔ اللہ تعالیٰ ڈاکٹر صاحب کو ان کی سرپرستی کا دونوں جہان میں بہترین بدلہ عطا فرمائے اور ان کے داماد صاحب کی مساعی جمیلہ کا اجر ڈاکٹر

صاحب کو بھی عطا فرمائے، اور ان سب اجور کا مجموعہ حضرت شاہ وصی اللہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ کو عطا فرمائے کہ یہ سب حضرت شاہ صاحب ہی کی توجہ کا نتیجہ ہے۔

مولانا اسعد اللہ صاحب خلیفہ حضرت تھانویؒ کا مکتوب

(ج) مکتوب مولانا اسعد اللہ صاحب خلیفہ حضرت حکیم الامۃ تھانوی نور اللہ مرقدہٗ ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

محترمی و مکرمی مولانا صاحب! وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ کئی روز ہوئے آپ کے جوابی گرامی نامے نے عزت بخشی۔ حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تبلیغی تحریک اور حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے اختلافات کے متعلق میں نے آپ کے استفسار پر کافی غور کیا اور اس سلسلے میں اپنی معلومات کو ذہن میں یکجا کرتا رہا۔ پھر میں نے آپ کے گرامی نامہ کا جواب لکھنے کے لیے محمد اللہ سے کہا۔

(۱) جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے حضرت نے کسی کو میرے سامنے تبلیغ سے نہیں روکا اور نہ منع کیا۔

(۲) چند ہی دنوں کی بات ہے حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نے اپنے یہاں مولانا عبید اللہ صاحب سرگرم کارکن تبلیغ سے تبلیغی تقریر کرائی اور حضرت مفتی صاحب موصوف اپنے یہاں کام کرتے رہتے ہیں علاوہ ازیں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ کے بہت سے متوسلین اور معتقدین تبلیغ میں عملی حصہ لیتے رہتے ہیں۔ جہاں تک میری ذات کا تعلق ہے میں تبلیغ میں شرکت کو اپنی سعادت سمجھتا ہوں، میرے عوارض مجھے اجازت نہیں دیتے کہ میں عملی شرکت کروں، پھر گاہے بہ گاہے تبلیغی اجتماعات میں شرکت کرتا رہتا ہوں۔ اور اب سے چار پانچ سال قبل سہارنپور کی جامع مسجد میں جمعرات کے ہفتہ واری اجتماع میں پابندی سے شریک ہوتا تھا۔ نیز میں اپنے تمام احباب ظاہر و باطن کو ادھر متوجہ کرتا رہتا ہوں۔ اور وہ لوگ جو مجھ سے بیعت ہوتے ہیں انہیں تو میں بتاکید تبلیغ میں شرکت کے لیے کہتا رہتا ہوں۔ ادھر یہ ایک حقیقت ہے کہ ہمارے حضرت کے یہاں برابر تبلیغ کا کام ہوتا رہا ہے۔ ممکن ہے کہ کبھی حضرت نے کسی مبلغ کے متعلق کچھ فرمایا ہو نفس تبلیغ پر حضرت نے میرے علم کے مطابق کبھی نکیر نہیں فرمائی اور جب آپ خود تحریر فرما رہے ہیں، دوسری طرف جو احقر نے اس دعوت و تبلیغ کو دیکھا تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس دور میں سنت

رسول اللہ ﷺ کے مطابق زندگی گذارنے کا واحد ذریعہ یہی تبلیغ ہے۔ اب اس کے بعد مزید استفسار کی کیا گنجائش رہی؟ واقعہ یہ ہے کہ موجودہ آزمائشی حالات نے تبلیغ کی ضرورت کو ہمیشہ سے زائد ثابت کر دیا۔ نیز اس کا نفع ظاہر و باہر ہے۔ اللہ کے حکم سے رسولوں نے تبلیغ کی ان کے بعد برابر ان کے صحابہؓ، تابعین، تبع تابعین، علماء اور اولیاء وصوفیاء رحمہم اللہ ہمیشہ تبلیغ کرتے رہے۔ مجھے امید ہے بلکہ یقین ہے کہ اب آپ کو اطمینان ہو جائے گا، اور کوئی خلش باقی نہیں رہے گی۔ تبلیغ نے تمام دنیا کے مسلمانوں میں بیداری پیدا کر دی ایسی صورت میں اس کا تعاون ضروری ہے۔ مجھے حضرت شیخ مدظلہٗ سے معلوم ہوا کہ حضرت پھولپوری قدس سرہٗ تبلیغ کے بڑے زبردست حامی تھے۔ حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہٗ تو انتہائی شد ومد کے ساتھ تحریک تبلیغ کے حامی تو تھے ہی نیز دورہ کے اساتذہ حضرت مولانا امیر احمد صاحب، مفتی مظفر حسینؒ صاحب اور دوسرے مدرسین عملاً شرکت کرتے رہتے ہیں۔ علاوہ ازیں یہ ایک حقیقت ہے کہ دراصل تبلیغ کا سرچشمہ اور منبع مظاہر علوم بذات خود ہے اس تحریک کے موسس مئوید اور سرپرست سب ہی مظاہر علوم کے سرپرست رہے۔ حضرت شیخ ہر ماہ کافی روپیہ مبلغین کے دعوت طعام وغیرہ میں خرچ فرماتے ہیں۔ والسلام فقط

(حضرت مولانا) محمد اسعد اللہ (رحمہ اللہ) بقلم محمد اللہ

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تائید

(د) حضرت مولانا الحاج قاری محمد طیب صاحب خلیفہ حضرت حکیم الامۃ تھانوی صدر مہتمم دارالعلوم دیوبند کی شرکت ان تبلیغی اجتماعات میں اتنی کثرت سے ہوتی رہتی ہے کہ ان کی تفاصیل کا احصاء مشکل ہے۔ حضرت قاری صاحب کی کئی تقاریر مستقل طور پر ایک رسالہ میں جس کا نام ''کیا تبلیغی کام ضروری ہے'' میں شائع ہو چکی ہیں۔ اگر حضرت قاری صاحب کے تبلیغی اسفار کی تفصیل کو کوئی جمع کرنا چاہے تو رسالہ دارالعلوم سے معلوم ہو جائے گا کہ کہاں کہاں کے اجتماعات میں حضرت قاری صاحب کی شرکت ہوئی ہے۔ میوات کے متعدد اجتماعات میں یہ ناکارہ بھی حضرت قاری صاحب کے ساتھ شریک ہوا، اور سہارنپور کے سالانہ اجتماع میں ہمیشہ قاری صاحب کی تشریف آوری اور کئی کئی گھنٹے اس تبلیغی جماعت کی حمایت اور اس میں شرکت کی تاکید تقریروں میں تو یہ ناکارہ خود بھی شریک ہوا قاری صاحب کی بھوپال

کے اجتماع کی ایک تقریر جس کو مولوی محمد احسن ندوی نے ضبط کیا تھا اور اس کو ''نشان منزل'' نے طبع کیا تھا۔ جس کی نقل ''حقیقت تبلیغ'' مرتبہ جناب الحاج ابراہیم یوسف باوا صاحب رنگونی میں ہے کہ ہندوستان میں اس وقت دعوت و تبلیغ کے کام کو چند سال قبل حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے شروع کیا خدا تعالیٰ نے ان کے قلب مبارک پر اس کا القاء کیا انہوں نے تبلیغ کے لیے جماعتوں کا طریقہ اختیار کیا مولانا محمد یوسف صاحب نے جماعتی طریقہ اختیار فرمایا میں نے شاید کہیں لکھا ہے کہ تبلیغ کو اللہ تعالیٰ نے مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے دل پر بطور فن کے القاء کیا۔

اس میں تعلیم و تربیت سیر و سیاحت روح کی دل چسپی بدن کی ورزش ہر ایک چیز موجود ہے۔ آج کے دور میں یہ کام بڑا ہی مفید اور لازمی ہے۔ اسی وجہ سے یہ کام تیزی سے پھیل رہا ہے اور اس خاموش تبلیغ سے ایک عظیم انقلاب آرہا ہے، ہندوستان کے ہر خطہ میں اور ہندوستان سے باہر جہاں بھی گیا وہاں میں نے تبلیغی جماعتیں اور تبلیغی مراکز دیکھے، رسمی انداز میں اس عالمگیر طریقہ پر کام نہیں ہوسکتا اور اس کے ساتھ ساتھ نہ فتنہ و فساد ہے اور نہ واویلا و شور، آپ نے کہیں نہیں سنا ہوگا کہ ان جماعتی لوگوں نے کبھی غدر کیا، کہیں فساد برپا کیا یہ خاموش تبلیغ ہے جو عالم گیر طریقہ سے ساری دنیا میں پھیلتی جارہی ہے اور اس کی مقبولیت روز بروز بڑھتی چلی آرہی ہے۔ تبلیغ کے کام میں آدمی کو اس کے گھر سے نکالا جاتا ہے وہ گھر کے ماحول سے نکل کر خدا کے گھر میں پہنچتا ہے۔ وہاں اسے دوسرا ماحول ملتا ہے۔ گھر کے ماحول اور اس کے ماحول میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ یہاں سے داعی اور عامل دونوں بننا پڑتا ہے...... وہ داعی بن کر آتا ہے اور عامل بن کر جاتا ہے۔ آج کے دور میں بہت سی تحریکیں چل رہی ہیں لیکن یہ تحریک اپنی مثال آپ ہے۔ اس میں نہ عہدے ہیں نہ منصب ہیں، نہ کرسیاں ہیں اور نہ سیٹیں ہیں۔ بلکہ اپنے ہی مال کا خرچ ہے اپنی جیب پر بار ہے۔ یہ تحریک موجودہ دور میں دین کے تحفظ کے لیے ایک بڑی پناہ گاہ ہے...... آج جس دور سے ہم گذر رہے ہیں، اس دور میں مسلمانوں کے لیے صرف دو پناہ گاہیں ہیں ایک دینی مدرسے دوسرے یہ تبلیغی کام۔

قاری صاحب کا ایک بہت طویل وعظ ۴۴ صفحہ کا ''کیا تبلیغی کام ضروری ہے؟'' کے نام سے بلفظہ شائع کیا گیا ہے جس میں قاری صاحب نے ان سب اعتراضات کا جواب دیا ہے جو اس وقت ان کے کان میں پڑے تھے اور ان کو یاد رہے تھے اس کے بعد فرمایا خلاصہ وعظ کا یہ ہے کہ اصلاح نفس کے چار طریقے ہیں۔ جو میں نے اوپر بیان کئے اور اس کام میں اصلاح نفس کے تقریباً چاروں طریقے موجود

ہیں۔ جو جتنی محنت کرے گا اتنی ہی ترقی حاصل کرے گا۔ اس لیے کہ جب آپ عمل کریں گے تو اس پر اس کام کے ثمرات بھی ضرور مرتب ہوں گے۔ اب تک معترضین کے متعلق جو کچھ ہم نے کہا وہ ان کے اعتراض کو مان کر کے اور اگر غور کیا جائے تو سرے سے ان کے اعتراضات ہی قابل تسلیم نہیں اس لیے کہ اس میں بڑے اور پرانے لوگ بھی تو موجود ہوتے ہیں جن سے کام کے اصول معلوم ہو سکتے ہیں اور اصول سے کام کرنے میں ترقی ہوگی۔ بعض ارباب درس وتدریس ہوتے ہیں اور بعض اہل فتویٰ ان سے آپ کو روکتے بھی نہیں ہیں۔

اگر کسی کو علم حاصل کرنا ہو تو ان سے کر سکتا ہے، مسائل معلوم کرنا ہوں تو ان سے معلوم کئے جا سکتے ہیں۔ کام کرنے والوں کے لیے یہ سب باتیں ہیں اور محنتیں ہیں اور نہ کام کرنے والوں کے لیے یہ سارے اعتراضات ہیں۔ بہرحال نسخہ ہے مکمل، ہاں دل ہی اگر نہ چاہے تو اور بات ہے کسی نے صحیح کہا کہ: اگر تو نہ چاہے تو بہانے ہزار ہیں

تو بات بتلانے والوں نے بتلا دی، اعلان کرنے والوں نے آواز بھی لگا دی، منزل بھی بتلا دی ثمرہ بھی بتلا دیا کہ یہ سامنے آئے گا، اب ان حضرات کی ذمہ داری نہیں ہے کہ وہ آپ کی طرف چلیں بھی، آپ چلیں گے اور کام کریں گے تو اس کا پھل پائیں گے ظاہر ہے کہ نفع عام ہے اس لیے اس میں ضرورت ہے کہ سب چلیں، اگر آپ تعلیم میں شرکت کر سکتے ہوں تو تعلیم میں شریک ہوں، گشت میں شرکت کر سکتے ہوں تو گشت میں شریک ہوں، اور اگر کچھ اوقات لگا سکتے ہوں تو اوقات بھی لگائیں اور بھائی اس سے کنارے رہنا بڑی ہی محرومی کی بات ہے۔ فکری طور پر ہو، عملی طور پر جس درجہ میں بھی ہو اس میں شریک رہنا چاہیے۔

سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ خلیفۂ مجاز حضرت تھانویؒ کی تائید

(ہ) حضرت مولانا الحاج سید سلیمان ندوی خلیفہ حضرت تھانویؒ کی شرکت لکھنو کے قیام میں پھر بھوپال کے قیام میں پھر پاکستان کے قیام میں ان تبلیغی اجتماعات میں بہت کثرت سے ہوئی ہے حجاز کے تبلیغی اجتماعات میں بھی حضرت سید صاحب کی شرکت ہوتی ہے اور تقریریں بھی فرمائی ہیں۔ مولانا الحاج ابوالحسن علی میاں صاحب نے جو حضرت دہلوی کی سوانح عمر لکھی ہے اس پر حضرت سید صاحب کا مبسوط مقدمہ ہے جس کے متعلق سید صاحب کی سوانح ''تذکرہ سلیمان'' میں لکھا ہے کہ یہ بلند پایہ مقدمہ بھی اپنی

جامعیت علمیت اور افادیت کے اعتبار سے اپنی نظیر آپ ہے۔ بیس صفحات میں اتنے ہی اہم مضامین کی وسعتوں کو سمیٹ لینا یہ حضرت ہی کا حصہ تھا، صرف عنوانات کے شمار ہی سے اس کی گونا گونی کا اندازہ لگایئے جو یہ ہیں: (۱) امت مسلمہ کا فریضہ (۲) دولت وسلطنت مقصود اصلی نہیں (۳) امت مسلمہ جانشین ہے (۴) تعلیم وتزکیہ میں تفریق (۵) تعلیم وتزکیہ کی یکجائی (۶) فلاح دونوں کی یکجائی میں ہے (۷) مزاج نبوت قوام ملت ہے (۸) صاحب سوانح اس معیار سے (۹) سلسلہ، ولی اللٰہی، صاحب (۱۰) سوانح کا سلسلہ نسب (۱۱) اس عہد میں تبلیغی ناکامی کے وجوہ (۱۲) انبیاء کے اصول دعوت (تذکرہ سلیمان) یہ تو اجمالی عنوانات ہیں۔ ان میں سے عنوان نمبر ۸ ''صاحب سوانح اس معیار سے'' کے ذیل میں مقدمہ لکھا ہے کہ ''آئندہ اوراق میں جس داعی حق اور دعوت حق کی تصویر کھینچی گئی ہے میری آنکھوں نے اس کے چہرے کے خدوخال کا مشاہدہ کیا تھا، اس کے ظاہر وغائب کے حالات دیکھتا اور سنتا رہا اور جن کو یہ سعادت حاصل نہیں ہوئی ان کو ان اوراق کے پڑھنے سے اس کی پوری کیفیت معلوم ہو جائے گی۔ اور اسی ضمن میں اس کے اصول وطریق دعوت اور خود حقیقت دعوت کے سارے حالات واضح ہو جائیں گے۔

اسی مقدمہ کے عنوان نمبر ۵، انبیاء کے اصول دعوت کے ذیل میں تحریر فرمایا: ''تبلیغ و دعوت کے ان اصولوں میں سے جو حضور ﷺ کی سیرت میں نمایاں معلوم ہوتے ہیں ایک عرض ہے یعنی حضور انور ﷺ اس کا انتظار نہیں فرماتے تھے کہ لوگ آپؐ کی خدمت میں خود حاضر ہوں بلکہ آپؐ اور آپؐ کے داعی لوگوں تک خود پہنچتے تھے اور حق کی دعوت دیتے تھے یہاں تک کہ کبھی کبھی لوگوں کے گھروں تک خود پہنچ جاتے تھے۔ اور کلمۂ حق کی دعوت پیش فرماتے تھے۔ مکہ معظمہ سے سفر کر کے طائف تشریف لے گئے اور وہاں عبد یالیل وغیرہ رئیسوں کے گھروں پر جا کر تبلیغ کا فرض ادا فرمایا حج کے موسم میں ایک ایک قبیلہ کے پاس تشریف لے جاتے اور ان کو حق کا پیغام پہنچاتے۔ اور ان کی ترشی وتند جوابوں کی پرواہ نہ فرماتے تھے۔

آخر اسی تلاش میں یثرب کے وہ سعادت مند ملے جن کے ہاتھوں سے ایمان واسلام کی دولت مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ کو منتقل ہوئی، صلح حدیبیہ کے بعد جب ملک میں امن وامان واطمینان ہوا تو اسلام کے سفیر مصر وایران وحبش کے بادشاہوں اور عمان وبحرین اور یمن اور حدود شام کے رئیسوں کے پاس اسلام کا پیغام لے کر پہنچے۔ اور مختلف صحابہؓ نے عرب کے مختلف صوبوں اور قبیلوں میں جا کر اسلام کی

تبلیغ کی، حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ گئے، حضرت علی اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما نے یمن کا رخ کیا، یہی حال ہر دور کے علماء حق اور ائمہ دین کا رہا۔

اس سے معلوم ہوا کہ داعی اور مبلغ کا خود فرض ہے کہ وہ لوگوں تک پہنچے اور حق کا پیغام پہنچائے۔ بعض صاحبوں کو خانقاہ نشینوں کے موجودہ طرز سے یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ ان خاصان حق کا ہمیشہ سے یہی طریقہ رہا ہے حالاں کہ یہ سراسر غلط ہے، ان بزرگوں کی سیرتوں اور تذکروں کو کھول کر پڑھیں تو معلوم ہوگا کہ یہ کہاں کے رہنے والے تھے، فیض کہاں سے پایا اور جو پایا اس کو کہاں کہاں بانٹا اور کہاں جا کر زیر زمین آرام کیا اور یہ اس وقت کیا جب دنیا ریلوں، لاریوں، موٹروں اور سفروں کے دوسرے سامان راحت سے محروم تھی۔ معین الدین چشتی علیہ الرحمۃ سیستان میں پیدا ہوئے، چشت واقع افغانستان میں دولت پائی اور راجپوتانہ کے کفرستان میں آ کر حق کی روشنی پھیلائی، فرید شکر گنج علیہ الرحمۃ سندھ کے کناروں سے دہلی تک اور دہلی سے پنجاب تک آ گئے۔ اور ان کے مریدوں میں حضرت نظام الدین سلطان الاولیاء علیہ الرحمۃ اور پھر ان کے خلفاء کے احوال اور ان کے سفر کے مقامات اور ان کے مزارات کی جائے وقوع کو دیکھئے کہ وہ کہاں کہاں ہیں کوئی دکن میں ہے کوئی مالوہ میں ہے کوئی بنگال میں ہے کوئی صوبجات متحدہ میں ہے (مقدمہ سوانح) سید صاحب اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں۔

سید سلیمان ندوی رحمہ کا اہم مکتوب

''از بھوپال یکم ذی الحجہ ۱۳۶۸ھ'' عزیزم مکرم حیاکم اللہ تعالیٰ السلام علیکم ورحمۃ اللہ ملکی زندگی سے مدنی زندگی بمشکل کامیاب ہوسکتی ہے، اور پچھلے فرسودہ نظام زندگی کی بنیاد پر تجدید کی دیواریں کھڑی نہیں ہوسکتی، خود مسلمان بننا دوسرے کو مسلمان بننے کی دعوت دینا وقت کی اہم پکار ہے۔ اور اس نفرت کے بجائے محبت کے جذبہ سے انجام دینا سب سے اہم ہے۔ (تذکرہ سلیمان)

اسی سوانح میں دوسری جگہ لکھا ہے کہ ''حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تبلیغی جماعت کا ایک بڑا مرکز بھوپال بھی تھا اور تبلیغی حضرات کئی وجوہ سے حضرت والا سے خاص تعلق رکھتے تھے اس لیے جب تک حضرت بھوپال میں مقیم رہے تبلیغی کاموں کی گویا سرپرستی فرماتے رہے اور غالباً حضرت ہی کے ایماء سے مولانا اشفاق الرحمٰن کاندھلوی بڑی گرم جوشی سے تبلیغی وفود میں حصہ لیتے رہے اور اپنے مواعظ حسنہ

کے ذریعہ ریاست کے چپہ چپہ تک اسلام خالص کی دعوت پہنچائی۔

صاحب سوانح ایک جگہ لکھتے ہیں کہ وصال سے صرف چار یوم قبل مغرب کے بعد جب حضرت والا حسب معمول نماز سے فارغ ہو کر چارپائی پر لیٹے تھے کہ سفیر شام مع چند رفقاء کے تشریف لائے۔ اس کے بعد سفیر نے جماعت تبلیغ کے متعلق حضرت والا کی شخصی رائے دریافت فرمائی، ارشاد ہوا کہ تبلیغی جماعت دین خالص کی داعی ہے۔ (تذکرہ سلیمان)

مولانا الحاج علی میاں صاحب حضرت دہلوی کے لکھنو کے سفر کی تفاصیل لکھتے ہوئے تحریر کرتے ہیں کہ سید سلیمان صاحب ایک روز پہلے لکھنو تشریف لا چکے تھے اور مولانا کے ساتھ ہی مقیم تھے، سید صاحب کو اس سے چند گھنٹے پہلے کے لیے تھانہ بھون کے اسٹیشن اور تھانہ بھون سے کاندھلہ تک ریل میں مولانا سے گفتگو کا اتفاق ہوا تھا اور آپ نے اگلے روز پھاٹک جبش خان کے جلسہ میں مولانا کی دعوت کی ترجمانی اور اپنے خیالات کا اظہار فرمایا تھا، اس موقع پر آٹھ نو دن شب و روز ساتھ رہا۔ آخری روز جمعہ کے دن جو خاص مصروفیت کا تھا امیر الدولہ اسلامیہ کالج تشریف لے گئے جہاں ایک بہت بڑا اجتماع آپ کے انتظار میں تھا وہاں پہلے مولانا سید سلیمان صاحب نے ایک پر اثر تقریر کی آپ کے بعد مولانا نے ارشاد فرمایا (سوانح حضرت دہلویؒ) یہ ناکارہ بھی حضرت دہلوی کی معیت میں ندوۃ العلماء میں مقیم رہا۔ سید صاحب بہت اہتمام سے حضرت دہلوی کی نجی تقاریر اور اجتماعات میں نہایت ہی سکون و وقار کے ساتھ شریک رہتے اور بہت غور سے تقاریر خاص طور سے نجی مجالس کی سنتے۔ ایک دفعہ میرے سامنے حضرت دہلوی سے فرمایا تھا کہ آپ کے ارشادات میں مجھے حکیم الامتؒ کے ارشادات کی یاد تازہ ہوتی ہے۔

سوانح یوسفی میں لکھا ہے کہ ۴۹ء میں مولانا سید سلیمان ندوی حج کو تشریف لے گئے، مولانا سید سلیمان ندوی سے عرب کے علماء بہت پہلے سے واقف تھے ان کے حجاز پہنچنے سے تبلیغی جماعت کے افراد نے بڑا فائدہ اٹھایا اور کئی ایسے اجتماع کئے جن میں عرب کے علماء بکثرت شریک ہوئے اور حجاز و یمن اور شام و عراق کے علاوہ سوڈان، مصر، مراکش، ٹیونس کے علماء بھی شریک ہوئے۔ اس سلسلے کا پہلا اجتماع حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مکان میں ہوا تھا، اور سید صاحب نے ایک ایسے اجتماع کو خطاب کیا جس میں مصر، سوڈان، مراکش، ٹیونس کے فاضل علماء اور خواص جمع تھے۔ مولانا سید سلیمان ندویؒ نے نہایت اچھے پیرائے اور علمی اسلوب میں بڑے سلجھے ہوئے انداز سے دعوت و تبلیغ پر روشنی ڈالی۔ اجتماع

کے اختتام پر سب ہی علماء اور خواص نے اپنے اپنے پتے دیے، علماء نے کام کو خوب سراہا اور اس کام سے اپنے تعلق کا اظہار کیا۔ (سوانح)

اطاعت امیر کا ایمان افروز تذکرہ

(نوٹ:۔ ان سطور کی پروف ریڈنگ کے دوران ۱۵۔ اپریل ۲۰۰۴ کو حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ کی وفات کی حسرت آیات کی خبر مولانا شفیق الحسن ناصر کے ذریعہ ملی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون)

مفتی زین العابدین صاحب لائل پوری نے اس سفر حج کا قصہ اپنے گرامی نامہ میں تفصیل سے لکھا ہے، وہ لکھتے ہیں کہ سید سلیمان ندویؒ جب ۱۹۴۹ء میں ہند سے حجاز تشریف لے گئے ہم مکہ معظمہ تین دن مسلسل حاضر ہوتے رہے، تیسرے دن حضرت نے پوچھا آپ کہاں کے ہیں تو بندہ نے عرض کیا کہ پنجاب کا ہوں، حضرت عثمانی رحمۃ اللہ علیہ سے ڈابھیل میں دورہ پڑھا پھر امرتسر میں پڑھاتا رہا، اس کے بعد سات چلے تبلیغ میں لگائے، پھر ایک سال نظام الدین گذارا، پھر ان حضرات نے یہاں ۱۹۴۷ء میں بھیج دیا۔ اب یہاں اس طرح حجاج میں اور بقیہ وقت یہاں کے عربوں میں کام کرتے رہتے ہیں۔ اس پر فرمایا کہ تیرا نام بمبئی میں معلوم ہوا تھا۔ اور یہ بھی کہ یہاں کے امیر جماعت تم ہو۔ میں نے عرض کیا مجھے امیر بنا رکھا ہے تو فرمایا کہ میرا یہاں کو پورا وقت آپ کے حوالہ ہے میں خود کوئی پروگرام نہیں بناؤں گا۔ چنانچہ اس پر اس شدت سے عمل فرمایا کہ ایک دن میں مدرسہ صولتیہ میں لیٹا ہوا تھا، ایک ساتھی نے آکر اٹھایا کہ شیخ عمر بن حسن رئیس امر بالمعروف نجد شیخ عبداللہ بن حسن شیخ الاسلام کے بھائی تشریف لائے ہیں، میں حیران ہو کر اٹھا ان سے باہر آکر ملا پھر اندر لے گیا تو انہوں نے ارشاد فرمایا، میں شیخ سید سلیمان ندوی کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان کو اپنے یہاں کھانے کی دعوت دی تو انہوں نے ارشاد فرمایا کہ میں یہاں کا وقت تبلیغ میں دے چکا ہوں، میرے امیر سے پوچھیں اگر وہ قبول کرلیں تو مجھے قبول ہے۔ چنانچہ میں اسی وقت شیخ عمر بن حسن کی کار میں ان کے ساتھ بیٹھ کر سید صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا اور حضرت سے استفسار کر کے ان کی دعوت قبول کی۔ اور ان کے چلے جانے کے بعد میں نے عرض کیا کہ حضرت ان بڑے لوگوں سے تو براہِ کرم آپ خود طے فرما لیا کریں تو فرمایا بالکل نہیں جو طے کرنا ہے تجھے کرنا ہوگا۔ فقط

جناب الحاج عبدالوہاب صاحب روحِ رواں تبلیغ پاکستان اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں:

''سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ تو ہمارے ساتھ ہر اتوار کو تشریف لے جاتے تھے، اور بندہ کی باتوں کو سنتے تھے، اور بندہ کا نام ''بلبل ہزار داستان'' رکھا ہوا تھا، فرماتے تھے کہ جب تم لوگ آجاتے ہو تو میں سمجھتا ہوں کہ دنیا میں خیر ہی خیر ہے اور جب تم چلے جاتے ہو تو سمجھتا ہوں کہ دنیا میں شر ہی شر ہے فقط۔

خلیفہ حضرت اقدس تھانویؒ مولانا عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ کی توثیق

(و) حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب سابق صدر مدرس مدرسہ مظاہر علوم خلیفہ حضرت اقدس حکیم الامۃ تھانوی نور اللہ مرقدہما جب تک سہارنپور مقیم رہے میوات کے جلسوں میں کثرت سے تشریف لے جاتے رہے۔ حضرت مولانا کی ایک دفعہ طبیعت ناساز تھی حکیم کو دکھانے دہلی تشریف لے گئے چونکہ نظام الدین ہی قیام کرتا رہتا تھا اس وقت حضرت دہلویؒ میوات کے ایک سخت ترین سفر پر جارہے تھے جو پہاڑ پر تھا، حضرت دہلوی نے مولانا کو بھی ساتھ چلنے کی دعوت دی، باوجود یہ کہ مولانا بیمار بھی تھے اور حکیم کے پاس علاج کے لیے تشریف لے گئے تھے مگر ساتھ ہولیے۔ جمعہ کا دن نہایت گرمی کا وقت پہاڑ تک سواری مل گئی، مگر پہاڑ پر پاؤں چڑھنا پڑا اچھا جان تو مشاق تھے ہمیشہ کے عادی تھے مولانا مرحوم کو اس قسم کے سفر کا کبھی سابقہ نہیں پڑا تھا دونوں اکابر نہایت مشقت کے ساتھ جمعہ کی عجلت کی وجہ سے تیزی سے پہاڑ پر چڑھ رہے تھے پسینہ پسینہ ہورہے تھے۔ ایک ناواقف میواتی نے دوسرے کو آواز دے کر کہا کہ ارے فلانے دیکھ تو مولبی گنجی کھانے کے شوق میں کیسا بھاگ رہے ہیں۔ (گنجی میوات کا ایک خاص کھانا ہے جو ان کے یہاں بہت پسندیدہ ہے اور یوپی والوں کو اس کا کھانا مشکل ہے۔) ''تجلیات رحمانی''

یعنی حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی سوانح عمری میں لکھا ہے کہ تبلیغی جماعت کے کام سے آپ کو بڑی دل چسپی تھی، تبلیغ کو آپ اس دور میں جہاد اکبر سمجھتے تھے۔ امیر جماعت تبلیغ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حضرت مولانا کے ساتھ بڑے گہرے تعلقات تھے۔ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کے خلوص اور للٰہیت کے صمیم قلب سے قائل تھی، فرماتے تھے کہ یہ جو کچھ حرکت ہورہی ہے حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کے خلوص اور للٰہیت کی برکت ہے۔ مولانا محمد یوسف صاحب حضرت مولانا کے خاص تلامذہ میں سے تھے انہوں نے دورہ کی اکثر کتابیں مولانا مرحوم سے پڑھی تھیں۔ تبلیغی جماعت کے بعض دوسرے سرکردہ حضرات مولانا کے تربیت یافتہ اور تلامذہ تھے۔ مولانا انعام

الحسن صاحب مولانا عبید اللہ صاحب حضرت مولانا سے پڑھے ہوئے ہیں۔ مولانا سعید احمد خاں صاحب امیر جماعت سعودی عرب حضرت کے تلمیذ خاص اور بڑے تعلق والے تھے، مولانا اپنے تلامذہ و متعلقین کو تبلیغی سلسلہ میں شرکت کا حکم اور مشورہ دیتے۔

مولانا منظور احمد صاحب چنیوٹی نے تحریر کیا کہ میں مدرسہ سے رخصت لے کر تین چلوں پر مشرقی پاکستان چلا گیا تھا اور اب جماعت تبلیغی کے ہمراہ مکہ مکرمہ جارہا ہوں، اس کے جواب میں حضرت مولانا نے تحریر فرمایا جو کام آپ کر رہے ہیں اس میں شک نہیں کہ موجودہ زمانے میں جہادِ اکبر ہے۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ ایک صاحب نے کراچی سے مولانا کو لکھا کہ میں تبلیغی جماعت کے ساتھ جو دعوت الی اللہ کے لیے جاتی ہے شرکت برابر کرتا رہتا ہوں مگر پچھلی اتوار کی شام کو تبلیغی جماعت کے ایک صاحب جو عالم معلوم نہیں ہوتے تھے انہوں نے اپنے بیان میں فرمایا کہ گشت میں جانے والوں کو سات لاکھ نمازوں کا ثواب ملتا ہے، حالاں کہ مسجد الحرام خانہ کعبہ میں نماز پڑھنے والوں کو صرف ایک لاکھ کا ثواب، یہ بات کچھ سمجھ میں نہیں آئی۔ حالاں کہ حضرت تھانویؒ کے وعظ آداب التبلیغ میں پڑھا تھا کہ یہ تبلیغ فرض کفایہ ہے تو جب فرض عین نہیں تو انہوں نے یہ کیسے بیان کر دیا؟ جس پر حضرت مولانا نے مختصراً تحریر فرمایا کہ ایسے جزوی امور کو ترک کر دیجئے جو بات شریعت کے موافق نظر آئے اس پر عمل کرتے رہیں۔ (تجلیات رحمانی)

ایک شخص نے تبلیغ میں مسلسل چلوں کا ذکر کیا تو فرمایا کہ موجودہ زمانہ میں یہ بہت بڑا فریضہ ہے۔ مگر اس کے ساتھ پسماندگان کے حقوق کا بھی خیال فرمانا ضروری ہے۔ (تجلیات رحمانی)

حضرت مفتی اعظم پاکستان رحمۃ اللہ علیہ کی سرپرستی

(د) حضرت مولانا الحاج مفتی محمد شفیع صاحب سابق مفتی دارالعلوم دیوبند حال ناظم جامعہ اسلامیہ کراچی خلیفہ حضرت تھانوی قدس سرہٗ کے متعلق حضرت ناظم صاحب مظاہر علوم اور اس ناکارہ کے خطوط میں گذر چکا ہے کہ حضرات دہلی کی آمد پر حضرت مفتی صاحب ان لوگوں کو اپنے مدرسے میں بلاتے ہیں اور مدرسین وطلبہ کو جمع فرما کر ان حضرات سے تبلیغی تقریریں اہتمام سے کراتے ہیں اور بعد میں خود بھی اس کی تائید میں تقریر فرماتے ہیں، واقعات بالا تو خود میرے مشاہد ہیں وہاں کے طلبہ کے خطوط سے بھی اکثر حضرت مفتی صاحب کی مستقل تقریر اس جماعت کی تائید و نصرت و شرکت میں ہونی

معلوم ہوتی رہتی ہے۔

یہ چند نمونے میں نے حضرت حکیم الامۃ نور اللہ مرقدۂ کے اجل خلفاء کے نقل کرائے ہیں۔ میری سمجھ میں تو نہیں آتا کہ اگر حضرت حکیم الامۃ اس جماعت سے خفا تھے تو حضرت کے اجل خلفاء میں سے کسی کو بھی ناراضی کی خبر نہ ہوئی اور یہ سب حضرات نہایت جوش وخروش کے ساتھ اس میں شرکت بھی فرماتے رہے شرکت کے تقاضے بھی پورے کرتے رہے۔ حضرت مولانا ظفر احمد صاحب حضرت حکیم الامۃ نور اللہ مرقدۂ کے بھانجے نے ایک مستقل چلہ اس میں دینے کا وعدہ فرما رکھا تھا جو مشاغل کے ہجوم کی وجہ سے پورا نہ ہوسکا اور وہ جب چچا جان کی بیماری میں ایک دن تشریف لے گئے اور چچا جان نور اللہ مرقدۂ نے ان کو ان کا وعدہ یاد دلایا تو اپنی سخت مجبوری اور ضرورت کے باوجود مستقل قیام فرمالیا اور وصال تک وہیں موجود رہے، اور اس زمانہ میں تبلیغی اجتماعات میں کثرت سے شرکت فرماتے رہے اور ملفوظات بھی جمع کرتے رہے۔ اور اس کا اطمینان بھی دلاتے رہے کہ آپ کے بعد یہ کام انشاء اللہ اسی طرح چلتا رہے گا۔ جیسا کہ ملفوظات حضرت دہلوی میں تفاصیل سے موجود ہے، میں نے حضرت حکیم الامۃ قدس سرہٗ کے خلفاء آراء اور ارشادات اسی وجہ سے لکھوائے ہیں کہ لوگ حضرت قدس سرہٗ کی طرف سے اس چیز کو پھیلاتے ہیں کہ حضرت حکیم الامۃ ناراض تھے۔ تعجب ہے کہ اس مجہول روایت کی اطلاع حضرت کے اجل خلفاء کو نہ ہوئی۔

بالخصوص مولانا ظفر احمد صاحب کو جو ہر وقت کے تھانہ بھون کے حاضر باش خانقاہ کے مفتی اعظم اور حضرت قدس سرہٗ کے مسودات اور ارشادات کو لکھنے والے اور حضرت کی خدمت میں رہ کر اعلاء السنن وغیرہ کی تصانیف کرتے رہے۔ ان کو حضرت تھانوی کی ناراضی کا شائبہ بھی ہو جاتا تو حضرت دہلوی کے اخیر زمانہ میں اس طرح موجودہ تبلیغ کے اندر سرگرمی سے منہمک نہ ہوتے۔ ان کے علاوہ آراء دیگر مشائخ اور علماء کی نمونہ لکھواتا ہوں۔

مولانا شاہ محمد یعقوب صاحب اور تبلیغی جماعت

(الف) حضرت مولانا الحاج شاہ محمد یعقوب صاحب مجددی نقشبندی، بھوپالی، مولانا الحاج عمران خاں صاحب کی وجہ سے وہ بھوپال کی مرکزی جماعت کے روح رواں ہیں اور حضرت شاہ صاحب کے

اخص الخواص مریدین میں ہیں۔ تبلیغ کی سرپرستی فرماتے رہے، خاص طور سے بھوپال کے اجتماع میں کثرت سے دعائیں اور مشورے بھی فرماتے رہے، حضرت مولانا الحاج ابوالحسن علی میاں نے حضرت شاہ صاحب کی خدمت میں چند روز قیام کے دوران میں حضرت شاہ صاحب کے ملفوظات حضرت پیران پیر کے مواعظ کی طرح سے تاریخ وار مجالس کے ساتھ جمع کئے۔ جن کا نام ''صحبتے با اہل دل'' ہے۔ اس میں تحریر فرماتے ہیں، اٹھارویں مجلس ۳/ذی قعدہ ۱۳۸۸ھ آج حضرت کی طبیعت کچھ مضمحل تھی، کمر میں کئی دن سے درد تھا آج اس میں غالباً زیادتی ہوگئی اشراق پڑھ کر خلاف معمول لیٹ گئے اور آنکھ لگ گئی۔ مولانا انعام الحسن صاحب چند رفقاء وخدام کے ساتھ ملنے آئے، یہ معلوم کر کے کہ حضرت آرام فرمارہے ہیں راقم سطور کے پاس اندر مہمان خانہ میں آگئے، کچھ دیر کے بعد جلسہ (اجتماع بھوپال) میں شرکت کرنے والے مہمانوں اور خانقاہ میں آنے والوں کا ہجوم ہوگیا، اندر کا دلان بالکل بھر گیا۔ حضرت بیدار ہوگئے مولانا کے میرے پاس تشریف رکھنے کا علم ہوا تو بجائے باہر خانقاہ میں جانے کے اندر تشریف لے آئے اور دالان کے کنارے جہاں جوتے اتارے جاتے ہیں اس کے پاس ہی بیٹھ گئے۔ حاضرین نے صدر مجلس میں تشریف رکھنے کے لیے عرض کیا تو فرمایا مجھے یہیں راحت ہے، بے تکلفی بڑی راحت کی چیز ہے۔

مولانا انعام الحسن صاحب اور ان کے بعض رفقاء نے یورپ میں تبلیغی اثرات جماعتوں کی نقل وحرکت اور مساجد کی تعمیر کا سلسلہ شروع ہونے کا ذکر کیا یہ بھی تذکرہ فرمایا کہ جماعت کے لوگوں نے پیرس میں ایک چھوٹی سی مسجد تعمیر کی اس مرتبہ رمضان المبارک میں وہاں تراویح ہوئی، ۶۰/۷۰ آدمی تراویح میں شریک ہوتے تھے، اخیر عشرہ میں ایک صاحب نے اعتکاف بھی کیا، خط میں تھا کہ پیرس کی تاریخ میں شاید یہ پہلا اعتکاف ہے، حضرت نے ان واقعات پر بڑی مسرت کا اظہار کیا اور فرمایا کہ خدا کی شان ہے کہ کفر وظلمت کے مرکز میں یہ تبدیلیاں ہورہی ہیں اور اسلام اور ایمان کے مرکزوں میں اور بزرگوں کے خاندانوں میں جہاں پشتوں سے دینداری اور بزرگی چلی آرہی تھی مغرب کی نقالی دین سے بے رغبتی بلکہ دین کی تحقیر اور شعائر اسلام سے وحشت اور ان کے ساتھ تمسخر کے مناظر دیکھنے میں آتے ہیں۔ ''ع چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی'' فرمایا کہ ہم تو اسی وقت سے معتقد ہیں کہ جب نظام الدین کی یہ مسجد بہت مختصر اور کچی پکی تھی۔ اور کچھ معذور واپاہج میواتی وہاں پڑے رہتے تھے،

ہمیں تو یہ باغ اسی وقت لہلہاتا نظر آتا تھا۔ میں ایک مرتبہ نظام الدین کی زیارت کے لیے گیا، زیارت سے فارغ ہو کر جانے لگا تو کسی نے کہا کہ ایک چھوٹی سی مسجد اور ہے وہاں ایک چھوٹا سا مدرسہ اور ایک بزرگ رہتے ہیں وہاں بھی چلئے۔ میں حاضر ہوا اور ان بزرگ (مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ) کا دریافت کیا، کہا گیا کہ وہ اس وقت مسجد سے باہر گئے ہوئے ہیں ظہر کی نماز کے وقت ملیں گے۔ میں ٹھہر گیا اور ظہر کی نماز کا وقت آیا وہ تشریف لائے، میں نے ان کے پیچھے نماز پڑھی یا تو اپنے والد صاحب کے پیچھے (ایسے اطمینان کی) نماز پڑھی تھی یا ان کے پیچھے۔ پھر میں نے مولانا یوسف صاحب کا دور بھی دیکھا، ایک دن میں نے اسے کہا کہ میں نے آپ کو اس وقت دیکھا تھا جب صفوۃ المصادر پڑھتے تھے۔ بڑی سادگی سے بولے اب بھی وہی پڑھ رہا ہوں۔ (صحبتے با اہل دل)

بھوپال کا رسالہ ''نشان منزل'' میں وقتاً فوقتاً حضرت شاہ صاحب کے ارشادات اس جماعت وتبلیغ کی حمایت میں شائع ہوتے رہے ہیں جو میری نگاہ سے بھی وقتاً فوقتاً گذرتے رہے ہیں۔ اس وقت یہ خیال بھی نہیں تھا کہ ان چیزوں کو کسی وقت نمایاں کرنا پڑے گا۔ لیکن اگر کوئی دیکھنا چاہے تو نشان منزل کا رسالہ میں بہت کثرت سے ملے گا۔ بھوپال کا سالانہ اجتماع بہت مشہور ہے۔

(ب) جناب الحاج مفتی کفایت اللہ صاحب مفتی اعظم دہلی کی شرکت میوات کے جلسوں میں کثرت سے ہوئی، اور بعض اجتماعات میں یہ ناکارہ بھی شریک تھا۔ مفتی محمود صاحب گنگوہی فرماتے ہیں کہ مفتی صاحب کے ساتھ میوات کے بعض اجتماعات میں میں بھی شریک ہوا ہوں۔ مفتی صاحب اور مولانا الحاج احمد سعید صاحب سابق ناظم جمعیۃ علماء کی تقریریں میوات کے بعض جلسوں میں بندہ نے خود سنی ہیں۔ بہت ہی شدومد سے لوگوں کو اس کام میں شرکت کے لیے تقاضا اور دعوت دیا کرتے تھے۔ سوانح یوسفی میں ایک جلسہ کا مختصر ذکر ہے اس میں لکھا ہے کہ قصبہ نوح ضلع گوڑگانواں میں ایک تبلیغی اجتماع ۲۷/ذی الحجہ ۱۳۲۸ھ بروز یک شنبہ ہوا۔ اس جلسہ میں مرکز کے اکابر کے علاوہ مفتی کفایت اللہ صاحب، مولانا احمد سعید صاحب دہلویؒ، مولانا حفظ الرحمٰن صاحب سیوہاروی، مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی شریک ہوئے۔ اس تبلیغی اجتماع میں مولانا احمد سعید صاحب دہلوی نے تبلیغ کی ضرورت اور افادیت پر کئی گھنٹے تقریر فرمائی۔ اس اجتماع میں میوات کے اہل تعلق اور کثیر تعداد میں میواتی شریک ہوئے۔ دوسری جگہ لکھتے ہیں کہ مولانا عبدالرشید صاحب مسکین بھوپال کے مشہور عالم اور ملی کارکن نے

مولانا محمد الیاس صاحب کی زندگی میں مفتی کفایت اللہ صاحب کی وساطت سے بھوپال میں تبلیغی کام کی دعوت دی تھی (سوانح یوسفی)

حضرت دہلویؒ اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں آج یہ بندہ اس دعوت کو لے کر مدرسہ امینیہ گیا تھا جس میں اللہ کے فضل اور لطف اور رحمت نے بہت امید افزاء صورت پیدا فرمادی، حضرت مفتی صاحب نے تمام مدرسین اور طلباء کو جمع فرمایا اور میری تحریض کے بعد مولوی فخر الحسن صاحب نے تحسین فرمائی ان کے بعد حضرت مفتی صاحب نے باوجود وقت کے تنگ ہونے کے اس کی صورت ثابت فرمائی۔ عنوان بہت ہی اچھا اختیار فرمایا، حضرت دہلویؒ اپنے ایک اہم مکتوب میں علی میاں کو تحریر کرتے ہیں کہ اس وقت ایک اہم ضرورت جو درپیش ہے وہ یہ کہ مبلغین کی معتدبہ جماعت کراچی پہنچ رہی ہے۔ وہاں سے ایک تار جناب کی دعوت کا آیا ہوا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ حیدرآباد سندھ میں ایک جلسہ ہونے والا ہے اس میں اکابر مثلاً مفتی کفایت اللہ صاحب، مولانا طیب صاحب وغیرہما اکابر علماء امت شرکت فرمارہے ہیں اس میں آپ کی شرکت کی شدید ضرورت ہے، آپ اللہ سے مانگتے ہوئے اور اسی پر بھروسہ فرماتے ہوئے اور استقلال اور دل جمعی کے ساتھ دعوت دینے کے عزم سے حیدرآباد سندھ تشریف لے جاویں۔ (مکاتیب)

۱۳۶۰ھ میں قصبہ نوح میں ایک بڑا تبلیغی اجتماع ہوا۔ میوات کی سرزمین میں اس سے پہلے اتنا بڑا اجتماع نہیں ہوا تھا۔ شرکاء جلسہ کا اندازہ پچیس ہزار کا کیا جاتا ہے۔ حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب جو اس اجتماع میں شریک تھے فرماتے تھے کہ میں ۳۵ سال سے ہر قسم کے مذہبی اور سیاسی جلسوں میں شریک ہو رہا ہوں لیکن میں نے اس شان کا ایسا بابرکت اجتماع آج تک نہیں دیکھا۔ (سوانح یوسفی)

مراد آباد کے اجتماع میں حضرت دہلوی نوراللہ مرقدہٗ تشریف نہ لا سکے ان کی جگہ نیابت میں جناب الحاج مفتی کفایت اللہ صاحب نے شرکت فرمائی۔ (سوانح یوسفی)

مولانا محمود حسن صاحب مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند کی تصدیق

(د) جناب الحاج مفتی محمود حسن صاحب مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند کی شرکت موجودہ تبلیغ کے اجتماعات میں اور مخالفین کے اعتراضات کے جوابات میں بہت کثرت سے رسائل اور اخبارات میں شائع ہو چکی ہیں اور بہت سے مضامین ''کیا تبلیغی کام ضروری ہے'' میں شائع ہو چکے ہیں۔ ایک تحریر ان

کی کسی شاکی کی شکایات کے جواب میں رسالہ ''حقیقت تبلیغ'' مؤلفہ الحاج ابراہیم یوسف باوا رنگونی میں ہے، وہ کسی معترض کے خط کے جواب میں ہے جس کا نام مجھے معلوم نہیں، خط بہت طویل ہے جو حقیقت تبلیغ میں چھپا ہوا ہے اور اس سے رسالہ ''کیا تبلیغی کام ضروری ہے'' میں بھی نقل کیا گیا ہے۔ اس نے لکھا تھا کہ تبلیغی جماعت کی سرگرمیاں ماشاء اللہ ترقی پذیر ہیں جماعتیں یوں بھی تمام سال قریہ قریہ گشت کرتی رہتی ہیں۔ خصوصاً یہاں بھوپال میں کثرت سے سالانہ اجتماع اور ہفتہ وار اجتماع کو دیکھنے کا موقع ملتا رہا۔ لیکن اس ضمن میں چند امور ہمیشہ کھٹکتے رہے اور دل کلیۃ جماعت کے طریق کار سے متفق نہ ہوا، لیکن گذشتہ ماہ نومبر ۱۹۶۳ء میں لکھنؤ کے سالانہ اجتماع میں آپ کو دیکھ کر یہ خیال ہوا کہ یہ عاجز کسی غلطی یا وسوسۂ شیطانی میں مبتلا ہے، اس بنا پر اسی وقت سے یہ خلش تھی کہ حضرت محترم سے اپنے رفع شکوک ودفع وساوس کے لیے اس باب میں استفسار کر کے اصلاح حاصل کروں گا، آگے اشکالات کی فہرست ہے جو مفتی صاحبؒ کے جواب سے خود سمجھ میں آتی ہے۔

اہم مکتوب

مکرم ومحترم زیدت مکارمکم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ! گرامی نامہ صادر ہوا مگر رمضان المبارک میں اتنی طویل تحریر کا پڑھنا مشکل، پھر جواب اس سے زیادہ مشکل، تاہم پڑھا، معلوم ہوا کہ وقتی اور کوئی فوری چیز جواب طلب نہیں۔ مکرما! تبلیغ کا جو نقشہ آپ نے کھینچا ہے، میں نے اس سے قبل کبھی نہیں سنا اور دیکھنے کی تو آج تک نوبت نہیں آئی، میں نے خود طویل طویل سفر کئے ہیں، یہاں بھی ہمیشہ ہفتہ وار اجتماع میں شرکت کرتا ہوں ۳۵ برس سے شرکت کا موقع ملتا رہتا ہے، سہارنپور، دیوبند، رائپور، لکھنؤ وغیرہ کے اکابر ارباب مدارس وارباب خانقاہ کا جو کچھ اس کام سے تعلق ہے وہ بھی براہ راست معلوم ہے، مشائخ کرامؒ اپنے زیر تربیت سالکین کو کس طرح اس کام کی ترغیب دے کر کام میں لگاتے ہیں، وہ بھی معلوم ہے اس کی بھی کوئی وجہ نہیں کہ آپ کے بیان کو غلط کہا جائے ہوسکتا ہے کہ بعض کم فہم کم علم نا تجربہ کار لوگوں کے ذاتی اعمال وکردار سے کوئی صورت رونما ہو جائے یا کچھ اصحاب اغراض لوگ ان نا تجربہ کار لوگوں کا اپنے مقاصد پورے کرنے کے لیے غلط طور پر استعمال کرلیں جس سے اس قسم کے فتنے پیدا ہوں، آپ کی تحریر کردہ صورت حال یقیناً بہت دکھ اور اذیت کی چیز ہے یہ بھی یقینی امر

ہے کہ اس قسم کی چیزوں (تعزیہ داری وغیرہ اور مدارس وخانقاہوں کی مخالفت یا توہین) کی ذمہ دار حضرات کی طرف سے ہرگز اجازت نہیں، ایسی چیزیں تبلیغ کے کام اور دین کو سخت نقصان پہنچانے والی ہیں، تبلیغی نمبروں میں ایک نمبر اکرام مسلم بھی ہے اصولی حیثیت سے وہ بہت قابل اہتمام ہے۔ حضرت مولانا محمد الیاسؒ کی طرف سے سخت ہدایت ہے کہ جس بستی میں جماعت جائے وہاں کے علماء اور مشائخ کی خدمت میں ضرور حاضر ہو ان کے اصولوں کی پابندی کرے، ان کو ہرگز دعوت نہ دے ان سے صرف دعا کی درخواست کرے، علماء اور طلباء کو ہدایت ہے کہ اس کام کی وجہ سے درس ومطالعہ تکرار کا حرج ہرگز نہ کریں۔ سالکین کو ہدایت ہے کہ اپنے اوراد ووظائف اور تسبیحات کو ہرگز ترک نہ کریں بلکہ زمانہ خروج میں شدت کے ساتھ پابندی کرے، راتوں میں تہجد اور ذکر وگریہ کی عام فضا اذکار ومراقبات کا اہتمام، مواخات ومؤاسات، ایثار وہمدردی، تواضع وانکسار، احتساب وانضباطِ اوقات، حقوق اللہ وحقوق العباد کی نگہداشت وغیرہ یہ وہ دینی امور ہیں جو خانقاہوں کا طرۂ امتیاز ہیں اور حق تعالیٰ نے مشائخ پر ان کا انعام فرمایا ہے۔

تبلیغی جماعت کے ذمہ دار حضرات کی پوری کوشش ہے کہ اللہ پاک ان امور کی طرف سے تمام مسلمانوں کو متوجہ فرمائے اور سب کے نفوس میں ان کو راسخ فرمادے تو پھر یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ یہ جماعت خانقاہوں کے کام کو قدر کی نظر سے نہیں دیکھتی، علم وذکر کا نمبر اخلاص نیت کا نمبر آخر کس لیے ہے؟ جگہ جگہ جماعت نے مدارس دینیہ قائم کئے اور کر رہی ہے، خود مرکز نظام الدین دہلی میں عربی مدرسہ ہے جہاں چھوٹی بڑی سب کتابیں پڑھائی جاتی ہیں۔ میں نے خود تبلیغ کے لیے جن اکابر علماء ومشائخ کو نکلتے اور ترغیب دیتے ہوئے دیکھا ہے چند کے نام یہ ہیں، حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ صدر جمعیۃ علماء ہند وصدر مدرسہ امینیہ دہلی میں جو میوات کے علاقہ میں ان کے ساتھ تھا۔ اور ان کو بہت نزدیک سے دیکھا ہے کہ ان کو تبلیغی کام سے کس قدر گہرا تعلق تھا، مفتی اشفاق الرحمن صاحب مفتی مدرسہ فتح پوری دہلی، مفتی جمیل احمد صاحب مفتی تھانہ بھون، مولانا اسعد اللہ صاحب مجاز حضرت تھانویؒ، حضرت مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث مظاہر علوم سہارنپور مجاز حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ، مولانا حسین احمد صاحب صدر مدرس دار العلوم دیوبند مجاز، حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ، حضرت مولانا ابوالحسن ندویؒ، حضرت مولانا منظور احمد نعمانیؒ وغیرہم۔ جب ایک کام اس

قدر عالم گیر ہو اور مسلمانوں کے گروہ دین سیکھنے کے لیے نکلیں تو ان سے بے اصولی اور غلطی ہونا بھی مستبعد نہیں، خاص کر ایسی حالت میں کہ ہر جماعت کو امیر عالم بھی میسر نہ آئے نہ ان کی غلطی کو سراہا جائے گا نہ ان کی غلطی کی وجہ سے تبلیغ سے بددل ہو کر کام کو چھوڑا جائے گا نہ تبلیغ کے فوائد وضرورت سے صرف نظر کیا جائے گا۔ بلکہ خود غلطی سے بچتے ہوئے دوسروں کو غلطی سے بچانے کی کوشش کی جائے گی اور اس کی بڑی ذمہ داری ان علماء حضرات پر ہے جو غلطیوں کو دیکھ کر دلوں میں اعتراضات کا پہاڑ قائم کر لیں۔ اور اس کام سے دور ہی دور رہیں۔ ان کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ اس کام کو اپنا کام تصور کرتے ہوئے پوری قوت کے ساتھ شرکت کریں اور کم علم وفہم بھائیوں سے جو غلطی ہو اس کو شفقت ومحبت کے ساتھ ان پر ترس کھاتے ہوئے ''الدین النصیحۃ'' کے پیش نظر بلطائف الحیل اصلاح فرمائیں وقت ملاقات اگر آپ زبانی تذکرہ فرماتے تو کچھ مزید عرض کرتا۔ والسلام

کوئی بات ناگوار خاطر گذرے تو معاف فرمائیں اس تحریر میں جو غلطی دیکھیں اصلاح فرمائیں اور مطلع فرمائیں شکر گذار رہوں گا۔ والسلام

احقر محمود عفی عنہ مدرسہ جامع العلوم کانپور

مفتی صاحب کے ۹ خطوط بہت مفصل مکاتیب محمودیہ کے نام سے مستقل رسالہ کی شکل میں بھی طبع ہو چکے ہیں جو رسالہ ''کیا تبلیغی کام ضروری ہے'' میں بھی طبع ہوئے ہیں، مکتوب ہذا ان نو مکاتیب میں سے آٹھواں ہے۔ اس کی تمہید میں ناشر نے لکھا ہے کہ مفتی صاحب کی شخصیت ان چند برگزیدہ ہستیوں میں سے ایک ہے جو ایام طالب علمی اور تبلیغ کے ابتدائی دور سے ہی کام میں دلچسپی اور حصہ لیتے رہے اور جہاں بھی رہے اپنے تعلیم وتدریس اور افتاء جیسے مشاغل کے ساتھ مرکز سے وابستہ رہے اور اسی کے زیر سایہ کام کرتے رہے اور اب بھی دار العلوم دیوبند میں وقتاً فوقتاً طلبہ میں خطاب فرمایا کرتے ہیں، اور اس حیثیت سے بھی اور اس حیثیت سے کہ وہ ملک کے سب سے بڑے دینی ادارے کے صدر مفتی ہیں اور ان کے پاس تبلیغی جماعت سے متعلق بھی سوالات آتے رہتے ہیں جن کے جوابات ان کو دینے پڑتے ہیں ان خطوط کی صورت میں اس گرانقدر عطیہ پر بہت ہی مشکور وممنون ہیں۔ ''فجزاہ اللہ خیر الجزاء'' اس مجموعہ کے علاوہ مفتی صاحب کے دوسرے خطوط بھی متعدد رسائل میں شائع ہو چکے ہیں۔

مولانا حفظ الرحمٰن ناظم جمعیۃ علماء اسلام کی توثیق

(ہ) مولانا حفظ الرحمٰن صاحب ناظم عمومی علماء تبلیغی اسفار میں بہت کثرت سے شرکت کرتے تھے، مجھے بھی مولانا مرحوم کے ساتھ میوات کے بعض جلسوں میں شرکت کی نوبت آئی، لیکن ۴۷ء کے ہنگامے میں جتنی کثرت سے مولانا نے اجتماعات میں شرکت کی اس کا بیان سوانح یوسفی میں اس طرح لکھا ہے کہ "۴۷ء میں مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے اپنی مجاہدانہ زندگی اور دیرینہ تعلق احساس فرض کی صفت کا پوری طرح مظاہرہ کیا...... مولانا محمد یوسف صاحب اور ان کے ہمراہیوں کی خبر گیری شب و روز رکھی۔ مولانا محمد یوسف صاحب ہمیشہ ان کے اس احسان کا ذکر کرتے رہے کہ جب کہ سب کی ہمتیں چھوٹ چکی تھیں اور اپنے بھی پرائے ہو رہے تھے مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے اپنا ہاتھ بڑھایا اور اپنی جماعت بتا بتا کر جہاں یہ جماعت جانا چاہتی بھیجتے اور اس کی حفاظت کا سامان کرتے۔ جماعت جب بھی کسی جگہ کے لیے پروانہ راہداری مانگتی تو باوجود یہ کہ مولانا انتہائی مشغول ہوتے لیکن پروانہ راہداری فوراً لکھ دیتے کہ یہ جماعت ہماری جماعت ہے اس پرچہ کو لے کر جماعت جہاں بھی جانا چاہتی چلی جاتی۔ کہیں بھی پولیس مزاحم نہ ہوتی اس کے علاوہ خود مولانا اپنا وقت نکال کر گشت کرتے ہوئے نظام الدین کثرت سے جاتے......

بعض اوقات جماعت کی طرف سے امور پیش آتے جو مولانا کو الجھن میں ڈال دیتے لیکن کسی وقت بھی ہمدردی اور شفقت کا ہاتھ نہ اٹھاتے اپنے رویہ میں ادنیٰ سا فرق نہ آنے دیئے۔ مولانا محمد یوسف صاحب کا ایک خاص مزاج تھا۔ وہ کسی ایسے اجتماع یا جلسے میں شریک نہ ہوتے جو صرف سیاسی ہو یا جس میں شرکت کرنے سے تبلیغی کام پر اثر پڑے۔ اس نازک موقعہ پر ایسے کئی حالات پیش آئے۔ ایک مرتبہ میوات میں گھاسیڑہ کے مقام پر ہندو مسلمانوں کا حکومتی پیمانہ پر ایک جلسہ کیا گیا، جس میں گاندھی جی سردار پٹیل اور پنڈت نہرو بھی شریک تھے۔

چونکہ یہ میوات کا علاقہ تھا اور مولانا محمد یوسف صاحب سے تعلق رکھنے والے اس کے باشندے تھے اور وہی لوگ فساد سے زیادہ متاثر تھے۔ لیکن یہ جلسہ خالص سیاسی طرز کا تھا...... اس لیے اس جلسہ میں شرکت نہ کرنے کا ارادہ کرلیا، مولانا حفظ الرحمٰن صاحب اور مولانا احمد سعید صاحب

بستی نظام الدین تشریف لے گئے اور مولانا سے فرمایا کہ آپ بھی اس جلسہ میں شریک ہوں، لیکن مولانا نے ان حضرات کے احترام کو ملحوظ نظر رکھتے ہوئے اپنی عدم شرکت کا اظہار فرمادیا۔ مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے مولانا کے صریح انکار اور اپنی پوزیشن کی نزاکت کے باوجود کسی قسم کی ناراضگی یا بیزاری کا اظہار نہیں کیا اور آئندہ بھی کبھی اس ناگواری کو زبان پر نہ لائے۔ اور دبی زبان سے بھی کبھی ذکر نہ کیا بلکہ ہر آڑے وقت برابر جماعتوں کی ہر طرح مدد کی اور جو بھی رکاوٹیں پیش آئیں ان کو دور کیا، یہی وہ مولانا کا طرز عمل تھا جس نے مولانا محمد یوسف صاحب کے دل کو تشکر اور ممنونیت سے بھر دیا تھا۔ مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کا بھی وہ احسان ہے جس کو ہمیشہ یاد کیا گیا اور مرکز کے ہر بڑے چھوٹے نے اس کا کھلے دل سے اعتراف کیا۔ (سوانح یوسفی)

مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کی طرف سے ابتداء میں تو اپنی جماعت کے اندر بھی لیکن اب اپنی جماعت میں تو علی الاعلان یہ الزام نہیں رہا، لیکن مخالفین کا مکالمۃ الصدرین کی ایک عبارت کو بہت جلی قلموں سے شائع کرتے ہیں کہ اہل تبلیغ کو حکومت (انگریزوں) کی طرف سے روپے ملتے ہیں، اب تو وہ حکومت بھی نہیں رہی وہ دور بھی ختم ہوگیا۔ لیکن چونکہ اس عبارت سے اب بھی غلط فہمی پھیلاتے ہیں اس لیے مجھے مستقل نمبر پر جو ۱۳ نمبر میں آرہا ہے لکھنا پڑا۔ لوگ مولانا کی طرف نسبت کئے ہوئے جھوٹے الفاظ کو بہت کثرت سے شائع کرتے ہیں اور مولانا مرحوم کی مؤکد تردید کو جو مولانا نے "وَكَفىٰ بِاللّٰهِ شَهِيدًا" کے ساتھ کی ہے نظر انداز کر دیتے ہیں۔ مولانا مرحوم نے تو ہمیشہ اس جماعت کو اپنی جماعت بیان کیا اور ۴۷ء کے ہنگامہ میں جہاں کہیں پروانۂ راہداری کی ضرورت پیش آئی یہی الفاظ کہ "یہ ہماری جماعت ہے" لکھ کر دیے۔

مفتی عزیز الرحمٰن بجنوریؒ

(و) مفتی عزیز الرحمٰن صاحب بجنوری نے تو مولانا یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ایک مستقل سوانح لکھی ہے جس میں اس کام کی اہمیت اس کے دینی منافع اور مولانا یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا علماء کے ساتھ احترام کا معاملہ اور ان کے واقعات بہت کثرت سے لکھے ہیں، وہ ایک جگہ لکھتے ہیں کہ:
"حضرت جی فرمایا کرتے ہیں کہ موجودہ مغربیت کا توڑ تبلیغی جماعتوں کی بے حد و حساب نقل و حرکت

اوران چھ نمبروں کی اشاعت پر ہے۔اس پر عاجز نے بہت سوچا بالآخر شرح صدر ہو گیا اور اب میں یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ دنیا وآخرت کی کامیابیاں ادھر ہیں۔ مجھے جملہ اکابر کی آراء نہ مقصود ہیں اور نہ تتبع وتلاش کی فرصت ہے، جن حضرات کی تبلیغ کے ساتھ اہمیت حافظہ میں محفوظ تھی وہ لکھوادیا ورنہ اگر تتبع کیا جائے تو علماء کرام اور اہل الرائے سینکڑوں نہیں ہزاروں ملیں گے جنہوں نے اس مبارک کام کو سمجھا، دیکھا اور اس کی اہمیت کو محسوس کیا۔اس کے خلاف اگر چند اکابر یا علماء اس کی مخالفت نہ کریں تو کوئی اشکال کی بات نہیں، دین کا کون سا کام ایسا ہے جس میں اختلاف نہیں ہے۔البتہ میرے ذہن میں پختہ ہے کہ جن حضرات نے مخالفت فرمائی ہے وہ صرف غیر محقق روایات پر مبنی ہے۔خود نظام الدین جا کر یا اجتماعات میں شرکت کر کے ملاحظہ کرنے کی نوبت نہیں آئی۔اسی لیے جب مجھ سے کوئی شخص کوئی اعتراض کیا کرتا ہے تو میرا پہلا سوال یہ ہوتا ہے کہ آپ نے نظام الدین میں کتنا قیام کیا اور اس مبارک کام میں کتنے چلے دیے تاکہ میں اندازہ کر سکوں کہ یہ آپ کی اپنی رائے ہے یا محض روایات پر مبنی ہے۔

ڈاکٹر ذاکر حسین مرحوم اور لندن کا پہلا گشت

(د) ڈاکٹر ذاکر حسین مرحوم صدر جمہوریہ ہونے سے پہلے بلکہ ۴۷ء کے ہنگامہ سے پہلے بہت کثرت سے نظام الدین تشریف لاتے تھے اور لندن میں جو سب سے پہلا تبلیغی گشت ہوا اس کی سرکردگی بھی ڈاکٹر صاحب ہی نے کی تھی کہ ڈاکٹر صاحب اپنی کسی ضرورت سے لندن گئے ہوئے تھے وہاں تبلیغی جماعت سب سے پہلے پہنچی چونکہ بہت پہلے سے اس جماعت سے واقف تھے، جامعہ ملیہ میں یہ جماعت کثرت سے جاتی رہتی تھی اس لیے ڈاکٹر صاحب نے لندن میں سب سے پہلا گشت اس جماعت کو کرایا۔ایک کتاب ہے "بیس بڑے مسلمان" اس میں ڈاکٹر صاحب کا ایک خط نقل کیا ہے، جس کا مضمون یہ ہے "اس اہم کام (تبلیغ دین) کی انجام دہی کا جو نظم مولانا محمد الیاس صاحبؒ نے قائم فرمایا ہے اس کو دیکھنے اور سمجھنے کا موقعہ مجھے پچھلے دنوں نصیب ہوا اس کام کی سچی روح مجھے اس نظم میں کارفرما دکھائی دیتی ہے۔ایمان اور یقین بحث اور دلیل سے پیدا نہیں ہوتے کسی کو یہ دولت نصیب ہو تو دوسروں تک بھی اسے منتقل کر دیتا ہے اپنے دل کی آگ سے دوسروں کے سینے بھی گرماتا ہے اور

اپنے عمل کی بھی بے چینی سے بے عملوں کی عروق مردہ میں بھی خون زندگی دوڑا دیتا ہے۔ فقط

ڈاکٹر ذاکر حسین کے متعلق میں نے اپنے حافظہ سے لکھا تھا کہ لندن کا سب سے پہلا اجتماع ان کی سرکردگی میں ہوا، ایک دوست نے بتایا کہ سوانح یوسفی میں اس واقعہ کو بہت تفصیل سے لکھا ہے، اس میں لکھا ہے کہ حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے تعلق رکھنے والوں میں کئی ایسے اہل علم اور مغربی علوم سے واقف اور یورپ کے تمدن سے گہری واقفیت رکھنے والے حضرات تھے۔ ان میں سرفہرست ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب شیخ جامعہ ملیہ اور حال صدر جمہوریہ ہند ہیں۔ مدتوں سے یہ حضرات مولانا الیاس صاحب کی خدمت میں آتے جاتے تھے اور حضرت مرحوم سے گہرا تعلق ہو گیا تھا۔ اور اس تحریک کے مؤیدین میں سے تھے۔

۲۰ جنوری ۱۹۴۶ء میں ان ہی دو (ڈاکٹر ذاکر صاحب اور جناب راحت رضوی صاحب) کے ذریعہ لندن میں تبلیغ کا ابتدائی گشت شروع ہوا جو لوگ لندن کی ہماہمی سے واقف ہیں وہ بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اس ملک میں خالص دینی اور تبلیغی کام جب کہ اس میں گشت جیسے عمل کو ایک ضروری جزو قرار دیا گیا ہے کتنا مشکل اور نامانوس ہوگا، اس زمانہ میں ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب ایک تعلیمی کانفرنس میں لندن گئے ہوئے تھے۔ انہوں نے لندن میں اس گشت کا افتتاح کیا۔ چونکہ ڈاکٹر صاحب علمی دنیا میں ایک ممتاز درجہ رکھتے ہیں اور عالم گیر شہرت کے مالک ہیں اس لیے لندن کے رہنے والوں نے ادھر توجہ کی اس گشت کے امیر و قائد راحت رضوی صاحب لکھنوی ہوئے۔ یہ گشت بڑا مبارک ثابت ہوا اور اس سے مقامی کام کی ابتداء ہوئی۔

(اشکال نمبر ۱۱) تبلیغ میں جبر سے کام لیا جاتا ہے

ایک اعتراض یہ بھی کثرت سے کانوں میں پڑتا رہا کہ اہل تبلیغ لوگوں پر جبر کرتے ہیں اور زبردستی کرتے ہیں۔ میرا خیال یہ ہے کہ جبر و زبردستی میں اور اصرار و الحاح میں بہت فرق ہے عوام کے سمجھنے کی چیز تو نہیں مگر علماء کے سمجھنے کی چیز ضرور ہے کہ اکراہ کی کیا تعریف ہے۔ مجھے سینکڑوں نہیں ہزاروں جلسوں میں شرکت کی نوبت آئی۔ اصرار اور ترغیبیں تو بہت کثرت سے سننے میں آئیں۔ لیکن زبردستی کرتے تو میں نے دیکھا نہیں اور اصرار کو زبردستی کہنا مشکل ہے۔ حضرت دہلوی کا

ارشاد ہے کہ جن لوگوں کے حقوق خدمت تم پر ہیں اور جن کی اطاعت کرنا تمہارے لیے ضروری ہے ان کی خدمت و راحت کا انتظام کر کے اور ان کو مطمئن کر کے اس کام میں نکلو اور اپنا رویہ ایسا رکھو کہ تمہارے علم و اصلاح کے ذوق میں ترقی دیکھ کر تمہارے سرپرست اس مشغلہ میں تمہارے لگنے سے نہ صرف یہ کہ مطمئن ہوں بلکہ خواہاں اور راغب ہو جائیں۔ (ملفوظات حضرت دہلویؒ)

حضرت دہلوی اپنے ایک ملفوظ میں ارشاد فرماتے ہیں: ''اہل علم ایک سلسلہ یہ شروع فرما دیں کہ پہلے سے طے کرلیں کہ آئندہ جمعہ فلاں مسجد یا فلاں گاؤں میں پڑھنا ہے اور اپنے متعلقین کو بھی اس کی اطلاع دیدیں۔ وہاں پہنچ کر نماز سے پہلے تبلیغی گشت اور لوگوں کو آمادہ کر کے مسجد میں لائیں پھر تھوڑی دیر کے لیے انہیں روک کر دین کی اہمیت اور اس کے سیکھنے کی ضرورت ان کو سمجھا کر دین سیکھنے کے واسطے تبلیغی جماعتوں میں نکلنے کی دعوت دیں اور ان کو سمجھائیں کہ اس طریقہ پر وہ چند روز میں دین کا ضروری علم و عمل سیکھ سکتے ہیں۔ اگر اس دعوت پر تھوڑے تھوڑے آدمی بھی تیار ہو جائیں تو کسی مناسب جماعت کے ساتھ ان کے بھیجنے کا بندوبست کریں۔

حضرت دہلویؒ اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں'' آپ لوگ خوب یقین فرمالیجئے کہ ہماری تحریک اور اسلامی تبلیغ نہ کسی کی دل آزاری کو پسند کرتی ہے اور نہ کسی فتنہ فساد کے الفاظ سننا چاہتی ہے۔ آپ لوگوں نے بدعتی کے لفظ سے بعض جگہ کے لوگوں کو یاد کیا ہے آئندہ سے ایسے الفاظ سے احتراز چاہیے۔ (طویل مکتوب)

مولانا محمد یوسف صاحب نے کارکنوں کے لیے ہدایات کا جو بہت طویل مکتوب لکھا ہے اس کے الفاظ یہ ہیں'' مطالبہ اور تشکیل کے وقت محنت ساری دعوت کا مغز بنتی ہے۔ اگر مطالبوں پر جم کر محنت نہ ہوئی تو پھر کام کی باتیں رہ جائیں گی۔ اعذر کا دل جوئی اور غیب کے ساتھ حل بتائیں، صحابہ کی قربانیوں کے قصوں کی طرف اشارے کریں اور پھر آمادہ کریں۔ (سوانح یوسفی)

مولانا محمد یوسف صاحب اپنے ایک طویل مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں، کارکنوں کو تشکیل کی صورت میں لکھنے کے بعد...... اپنی دعوت میں تو چار ماہ کا مطالبہ رکھیں لیکن اس پر زور اتنا دیں جتنی لوگوں میں استعداد ہو اگر وہ اس دعوت کے بعد صرف ایک گھنٹہ روز کا بھی لگانے پر آمادہ ہو جائیں تو اس کی قدر کریں، اور اس وقت کو اتنا قیمتی بنائیں کہ اس کے سامنے اس

محنت کی قیمت اچھی طرح کھل جائے۔ (سوانح یوسفی عزیزی)

جبر بھی کسی حد تک جائز ہے

یہ تو نظام الدین کے حضرات کا عمل ہے لیکن میرے نزدیک اگر جبر بھی دین کے کاموں میں ہو تو اپنی استطاعت اور قدرت کے موافق کوئی مضائقہ نہیں۔ "لَا اِکْرَاہَ فِی الدِّیْن" کافروں کے حق میں ہے کہ ان کو زبردستی تلوار کے زور سے مسلمان نہیں بنایا جا سکتا، لیکن مسلمان کے بارے میں حضور ﷺ کا پاک ارشاد ہے کہ "من رأی منکم منکراً فلیغیرہ بیدہ" (الحدیث) مشہور ہے کہ اگر کوئی ناجائز بات ہوتے دیکھے اور قدرت ہو تو ہاتھ سے روکے اور ہاتھ سے قدرت نہ ہو تو زبان (ڈانٹ) سے روکے اور یہ بھی طاقت نہ ہو تو دل سے اس کا برا سمجھنا تو ایمان کا سب سے کم ترین درجہ ہے۔ حضور اقدس ﷺ کا پاک ارشاد ہے "مثلی کمثل رجل استوقد ناراً" (الحدیث) مشکوۃ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ میں ہے حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ میری مثال اس شخص کی ہے جس نے ایک آگ جلائی جب وہ خوب روشن ہوگئی تو اس کے اوپر پروانے وغیرہ گرنے لگے آگ میں جلنے لگے۔ اور آدمی ان پروانوں کو ہٹاتا ہے اور وہ پروانے اس شخص پر زبردستی گرتے ہیں اور آگ میں گھستے ہیں۔ پس اسی طرح میں بھی تمہاری کمریں پکڑ کر آگ سے ہٹاتا ہوں اور تم آگ میں گھسے جاتے ہو۔ یہ بخاری کی روایت ہے اور مسلم شریف کی روایت میں ہے کہ میں تم سے کہتا ہوں کہ آگ سے ہٹ جاؤ اور تم اس میں گھسے چلے جاتے ہو یہ تبلیغ والے حضور ﷺ کی اتباع میں لوگوں کو جہنم سے ہٹا رہے ہیں۔ کھینچ رہے ہیں کیا بے نمازی اور بے دین جہنم میں نہیں گر رہے؟ کیا اسی کو زبردستی کہا جاتا ہے۔ حضرت حکیم الامۃ نور اللہ مرقدہٗ کا ارشاد ہے کہ ترک تبلیغ کے لیے محض ناگواری مخاطب عذر نہیں، حق تعالیٰ فرماتے ہیں: "اَفَنَضْرِبُ عَنْکُمُ الذِّکْرَ صَفْحاً اَنْ کُنْتُمْ قَوماً مُسْرِفِیْن" کیا ہم تم کو نصیحت کرنے سے پہلو تہی کریں گے کہ تم لوگ حد سے نکلنے والے ہو، حالاں کہ اللہ تعالیٰ کے ذمہ تو امر بالمعروف واجب نہیں۔ وہ اس سے پاک ہیں کہ ان پر کوئی بات واجب ہو، بس یاد رکھئے کہ امر بالمعروف کے لیے عذر صرف یہ ہے کہ لحوق ضرر کا اندیشہ ہو اور ضرر بھی جسمانی محض فوت منفعت عذر نہیں۔ جو شخص خدا سے بیگانہ ہے اگر اس کو احکام

الٰہی کی تبلیغ ناگوار ہے تو ہماری جوتی سے، ہم تبلیغ سے کیوں رکیں بس ہم کو خدا پر نظر رکھنا چاہیے اور صرف اس کی رضا کا طالب ہونا چاہیے، چاہے تمام عالم ناراض ہوجائے۔ (انفاس عیسیٰ)

دوسری جگہ ارشاد ہے کہ اگر کوئی کہے کہ ہم کسی کو نصیحت کرتے ہیں تو وہ برا مانتا ہے ناک منہ چڑھاتا ہے اور ہمارے درپئے ایذا ہوجاتا ہے تو کیا پھر بھی ہم امر بالمعروف کریں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ آپ امر بالمعروف شروع کردیں جب کام شروع کر کے گاڑی اٹکے گی اس وقت استفسار کرلینا ابھی سے اعذار کا حکم دریافت کرنے کا آپ کو حق نہیں، بلکہ اس وقت اعذار کا حکم دریافت کرنا گویا جان بچانے کی تدبیریں ڈھونڈنا ہے۔ (انفاس عیسیٰ)

ایک سالک پر حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا اصرار

حسن العزیز میں ایک دیہاتی کا طویل قصہ نقل کیا ہے کہ وہ حضرت کی خدمت میں بیعت کی نیت سے حاضر ہوا۔ حضرت نور اللہ مرقدہٗ نے اس کے حال کے اعتبار سے اس کو پندرہ دن قیام ضروری بتایا اس نے کہا کہ کھیتی باڑی کی وجہ سے نہیں رہ سکتا۔ حضرت نے پوچھا کہ کوئی اور بھائی وغیرہ بھی ہے، اس نے عرض کیا کہ ہیں اور اگر کچھ دن یہاں رہوں گا تو ناراض ہوجائیں گے۔ فرمایا کہ اب یہاں تو ناراض نہیں ہو رہے جب جاؤ گے تو اکٹھے ناراض ہولیں گے، کم از کم پندرہ دن تو ٹھہرو تاکہ اتنے دن کا گھسا ہوا شیطان دل کے اندر سے نکلے اور اتنے دن بھی بہت کم ہیں ورنہ قاعدہ سے تو یہ چاہیے تھا کہ جتنے دن تک وہ شیطان دل میں گھسا ہوا رہا کم از کم اتنے دن تو اس کے نکلنے کے لیے چاہئیں۔ پھر اس نے مغرب کے بعد بیعت کی درخواست کی اور اصرار کیا، حضرت نے فرمایا کہ میں کہہ چکا ہوں کہ ابھی بیعت کی ضرورت نہیں اس پر اس نے بیچ میں کہہ دیا کہ میری حالت تو ایسی ہوگئی ہے نماز چھوڑنے کو جی چاہتا ہے، اس پر حضرت بہت برہم ہوئے اور دیر تک نہایت سختی کے ساتھ ڈانٹتے رہے کہ اچھا جنون ہے اگر ایسا ہی جنون ہے تو کبھی گوہ کھانے کو جی نہ چاہا ابھی سر پر لگ جائے تو دماغ روشن ہوجائے اپنے پاس سے دھکا دے کر نالائق پاجی کہہ کر اٹھا دیا۔

اگر تبلیغ والے یوں کہیں کہ جس گھر میں دو آدمی ہوں نمبروار ایک آدمی تبلیغ میں جاتا رہے دوسرا گھر کا کام کرتا رہے تو اس پر کیا الزام ہے رسالہ کے خاتمہ پر تکملہ میں حضرت حکیم الامۃ کے

ایک خلیفہ مولانا عبدالسلام کا تفصیلی قصہ آ رہا ہے کہ حضرت حکیم الامۃ نے باوجود والد صاحب کی ناراضی کے جانے کی اجازت نہ دی، اگر چہ تبلیغ والے والد صاحب کی ناراضگی پر ان کو راضی کرنے کی تاکید کرتے ہیں اور یہ ناکارہ تو والد صاحب کی اجازت کے بغیر جانے کی اجازت ہی نہیں دیتا۔ اگر چہ میں تبلیغ کو اتنا ہی ضروری سمجھتا ہوں جتنا اصلاح نفس لیکن تبلیغ پر اعتراض کرنے والوں کو پہلے حکیم الامۃ پر اعتراض کرنا ہوگا کہ انہوں نے باپ کی ناراضی کی بھی پرواہ نہ کی۔

ایک شخص نے حضرت حکیم الامۃ قدس سرہٗ کی خدمت میں دو ماہ رہنے کی خواہش ظاہر کی کہ ایک بیوی دو بچے ایک میں چار آدمی ہیں، حضرت نور اللہ مرقدہٗ نے ان کو لکھا کہ کیا یہ ہوسکتا ہے کہ بیوی کو دو ماہ کے اس کے باپ کے گھر ان سب کی خوشی سے چھوڑ دیا جائے، اس طرح آسانی سے موقع مل سکتا ہے۔ (تربیت السالک)

اگر تبلیغ والے یہ کہیں کہ اپنی غیبت کے زمانے میں بیوی کو اس کے گھر چھوڑ دو تو وہ گردن زنی ہے، حقوق العباد کی پرواہ نہیں کرتے۔

صحت جسمانی سے صحت روحانی مقدم ہے

تربیت السالک میں ایک شخص نے اپنا طویل حال لکھا ہے کہ میں ڈیڑھ ہزار کا مقروض ہوں، میری آمدنی چمڑے کی تجارت ہے...... اب گذارش یہ ہے کہ آپ ضرور اجازت دیدیں کہ میں آٹھ دن کے لیے حاضر خدمت ہو جاؤں شاید اس آٹھ دن کی قلیل مدت میں میری حالت میں تغیر ہو جائے اور اگر قرض کا عذر مانع ہو تو میں یہ عرض کروں گا کہ اگر خدانخواستہ مجھ کو دفعتہً کوئی جسمانی مرض لاحق ہو جائے کہ جس کی وجہ سے علاج کرنا ضروری ہو جائے اور دہلی حکیم اجمل صاحب کی خدمت میں جانا پڑے تو پھر بجبوری سب خرچ برداشت کرنا پڑیں گے اور یہی کہا جائے گا کہ اگر چہ میں قرض دار ہوں قرض ادا کرنا تمام کاموں سے مقدم ہے لیکن جب صحت جسمانی ہی ٹھیک نہ ہوگی تو قرض ادا ہونا بھی غیر ممکن ہے اس لحاظ سے میرے خیال میں صحت جسمانی کی حفاظت زیادہ ضروری ہوگی۔

پس بالکل اسی ضرورت کو سمجھ کر میں اجازت حاضری آٹھ یوم کی چاہتا ہوں میرے خیال سے صحت جسمانی سے صحت روحانی زیادہ اہم اور ضروری ہے اور پھر جب کہ میری دنیا کا دارومدار بھی

اسی روحانی صحت پر موقوف ہے۔ مختصر گزارش یہ ہے کہ اگر مناسب ہو تو اجازت حاضری مرحمت فرمائی جائے۔ حضرت قدس سرہٗ کا مختصر جواب یہ ہے کہ آپ کی مجموعی حالت موجودہ میں آنے کی ممانعت نہیں۔

قرض برائے تبلیغ

اگر تبلیغ والے بھی کسی مقروض کو اس نہایت ہی اہم ضروری روحانی کام کے لیے نکلنے کی ترغیب دیں تو وہ مجرم کیوں؟ لوگ دنیوی لغویات کے لیے محض شادیوں میں نام ونمود کے لیے سودی روپے تک قرض لیتے ہیں اور باوجود بار بار کے سمجھانے، علماء کے روکنے کے کبھی بھی ان کو قرض یا سود کا خیال نہیں آتا، لیکن دینی کام کے لیے سوالات، استفتاء اور اعتراضات سب ہی کچھ ہوتے ہیں جو لوگ اپنے مقروض ہونے کا عذر کرتے ہیں۔

اگرچہ ناکارہ خود کبھی ایسے لوگوں کو جو مقروض ہوں یا قرض لے کر جائیں جانے کی اجازت نہیں دیتا تاوقتیکہ ادائیگی قرض کا کوئی اعتماد یا ذریعہ معلوم نہ ہو جائے، لیکن تبلیغی لوگوں پر اعتراض کرنے والوں سے یہ ضرور پوچھا کرتا ہوں کہ آپ نے کبھی کسی مقروض سے یہ بھی پوچھا کہ یہ قرضہ جو آپ کے ذمہ ہوا تبلیغ ہی میں جانے کی وجہ سے ہوا یا ناجائز رسومات ادا کرنے کے واسطے لیا تھا، میرے سینکڑوں خطوط میں ایسے لوگوں کو جانے کی ممانعت ملے گی۔ مگر میں جب لوگوں سے پوچھتا ہوں کہ آپ کے ذمہ جو قرض ہوا تھا وہ تبلیغی سفر کی وجہ سے ہوا تھا یا بیٹی کی شادی کی وجہ سے آپ نے محض لوگوں کے طعن وتشنیع کی وجہ سے شادی میں تو سود پر قرض لے لیا اس وقت کسی سے مسئلہ نہ پوچھا لیکن ایک دینی اہم کام کے سفر کے لیے آپ کو استفتاء کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ اس کا کوئی معقول جواب، مجھے اب تک نہ ملا۔

اپنے معاملات اللہ کے سپرد کر دو

حضرت حکیم الامۃ نور اللہ مرقدہٗ کی خدمت میں ایک صاحب نے بہت لمبا چوڑا خط لکھا، جس میں دین ودنیا دونوں کے متعلق پریشانیاں لکھی تھیں اور یہ بھی لکھا تھا کہ میں حاضری کا قصد بہت دنوں سے کرتا ہوں مگر ایسے واقعات پیش آجاتے ہیں کہ حاضر ہو ہی نہیں سکتا۔ اب حاضری کا مصمم ارادہ تھا مگر ایک مقدمہ میرے ایک عزیز نے دائر کر دیا مجبوراً آ نہیں سکتا۔ حضرت

نے لکھا کہ میں دعا کرتا ہوں کہ پریشانیاں رفع ہوں اور یہاں آنا بہتر تھا، اگر صورت آنے کی نہ بھی ہوتو تدبیر لکھتا ہوں کہ اپنے معاملات اللہ کے سپرد کر دینا چاہیے وہ جو کریں اس میں راضی رہے۔ یہ بہترین تدبیر ہے کوئی کر کے تو دیکھے، پھر ارشاد فرمایا کہ آج کل لوگ ایسے جوابات کو خشک مضامین سے تعبیر کرتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ ہمیں مضامین (خشک) میں مزا نہیں آتا۔ میں کہتا ہوں کہ گوہ کے کیڑے کے نزدیک حلوائی کی ساری دکان بے فائدہ ہے، کیڑا کہنے لگے کہ یہ جولڈو اور پیڑے ہیں جو دکان میں رکھے ہیں بے فائدہ ہیں کیوں کہ میرے کام تو آتے نہیں۔ اور یوں کہے کہ گو بر وغیرہ اچھی چیز ہے تو اس کا یہ کہنا کیسا ہی ظاہر ہے کہ محض فضول ہے۔ (حسن العزیز)

حضرت حکیم الامۃ نور اللہ مرقدہٗ نے بھی تو یہی ارشاد فرمایا جو تبلیغ والے کہتے ہیں کہ اپنے سارے کام اللہ کے سپرد کر کے نکلو جن پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ جبر کرتے ہیں اعزار کو سنتے نہیں بجائے اس کے اس کی تحقیق کریں کہ تمہیں کوئی عذر تو نہیں اگر کوئی عذر کرے تو کہہ دیتے ہیں کہ اللہ کے سپرد کرو...... اگر میں یوں کہوں کہ یہ بھی حضرت دہلویؒ کے ارشاد پر عمل ہے کہ تعلیم حضرت تھانویؒ کی ہو اور طریق کار میرا تو اس کا کون انکار کرے گا۔ اس سب کے بعد ایک تجربہ میرا اور بھی ہے اور بہت تکلیف دہ ہے کہ بہت سے لوگ اپنی پریشانیوں سے گھبرا کر نظام الدین پہنچ جاتے ہیں اور وہاں از خود نام لکھواتے ہیں، اور جب گھر کے لوگ اور قرض خواہ اصرار کرتے ہیں تو تبلیغ کو آڑ بناتے ہیں کہ میں مجبور کر کے بھیج دیا گیا تا کہ گھر والوں سے نجات مل جائے، یہ سنی سنائی باتیں نہیں بلکہ میرے پاس اس قسم کے بلا مبالغہ پچاسوں خطوط آئے ہیں تو ہر خط کے جواب میں یہی لکھواتا ہوں کہ تمہارے جو حالات ہیں ان کے ہوتے ہوئے تبلیغ میں جانا ہرگز مناسب نہیں، اس رسالہ کے لکھوانے کے بعد طباعت سے پہلے کیرانہ کے ایک صاحب کا خط پہنچا ہے جو حسب ذیل ہے۔

ایک خط اور شیخ الحدیث رحمۃ اللہ کا جواب

قبلہ وکعبہ شیخ الحدیث مدظلہ العالی!

السلام علیکم! گذارش یہ ہے کہ حضرت والا دوکان میں نقصانات اور قرض ہونے کی وجہ سے اتنا پریشان ہوا ہوں کہ دوکان بھی چھوڑ دی اور قرض والوں کی وجہ سے جب انہوں نے

پریشان کیا تو گھر کو بھی چھوڑنا پڑا، اور میں پریشان ہو کر مرکز نظام الدین آ گیا اور بال بچے گھر پر چھوڑ آیا۔ لیکن ان کے پاس صرف پانچ روپے کے اور کچھ گھر پر نہ تھا اور میرے پاس بھی صرف سات روپے تھے۔ جو دہلی کرایہ لگ کر ختم ہو گیا۔ اور یہاں پر رہ کر اب آگے تبلیغ میں نکلنے کے لیے کچھ پیسہ نہیں ہے۔ حضرت والا آپ تجویز فرمائیں کہ میں کہیں تبلیغ میں جاؤں یا گھر پر جیسا آپ فرمائیں گے انشاءاللہ آپ کے حکم پر چلوں گا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ خدا قرض سے نجات دلائے۔ فقط والسلام

جواب از زکریاؒ

بعد سلام مسنون! آپ نے جو حالات لکھے ہیں ان کے لحاظ سے میرے نزدیک چلہ میں جانا ہرگز مناسب نہیں بلکہ گھر والوں کی معاشی خبر گیری اور قرض والوں کا قرض ادا کرنا بہت ضروری ہے۔ اگر آپ اپنے حالات کی وجہ سے کیرانہ میں قیام نہ کر سکتے ہوں تو قرب و جوار میں کہیں مزدوری یا ملازمت کی فکر کیجئے اور خود فاقہ کر کے اولاً گھر والوں کے معاش کا فکر کیجئے اور اس کے بعد قرض کی ادائیگی کا۔

فقط والسلام

۱۱/ربیع الثانی ۹۲ھ

اس قسم کے جیسا کہ پہلے لکھوا چکا ہوں پچاسوں خطوط آئے ہوں گے مگر مجھے ان کی کوئی اہمیت نہیں تھی اس لیے، جواب لکھوا کر چاک کر دیے۔ یہ خط عین وقت پر پہنچا۔ اس لیے لکھوا دیا، اگر تحقیق کی جائے کہ جن لوگوں پر تبلیغ والوں کا اصرار ہوگا ان کو میری طرف سے ممانعت ضرور ملے گی۔ دو سال قبل کیرانہ کے متعدد خطوط اس قسم کے آئے تھے، مگر معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے صرف تبلیغ والوں کے اصرار کا ذکر کیا میری ممانعت کا ذکر نہیں کیا۔ اگر ان لوگوں سے اب بھی تحقیق کی جائے تو میرے خطوط ان کے پاس ضرور ملیں گے مجھے دو چیزوں میں خاص تصلب ہے، ایک یہ کہ جن کے ذمہ حقوق العباد ہوں وہ مقدم ہیں، دوسرے یہ کہ جو کسی شیخ سے منسلک ہوں اور شیخ کی طرف سے ممانعت ہو وہ ہرگز بغیر اجازت کے شریک نہ ہوں، یہ مضمون اس رسالہ میں پہلے آ چکا ہے۔

(اشکال نمبر۱۲) چلہ کہاں سے نکالا گیا ہے

ایک اعتراض قریب میں تو سننے میں نہیں آیا مگر پہلے کثرت سے آیا اور زیادہ تعجب

یہ ہے کہ بعض اہل علم کی طرف سے بھی یہ اشکال کان میں پڑا۔ جس سے زیادہ حیرت ہے کہ یہ چلہ تبلیغ والوں نے کہاں سے نکالا اور اس کی اصل کیا ہے؟ حالاں کہ چلہ کی اصل قرآن پاک میں بھی ہے حدیث میں بھی ہے۔ قرآن پاک کا ارشاد ہے: "وَوٰعَدْنَا مُوسٰى ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً وَّاَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِيْقَاتُ رَبِّهٖٓ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً" حضرت حکیم الامۃ نور اللہ مرقدہٗ نے تفسیر بیان القرآن میں اس آیت شریفہ کو مشائخ کے چلوں کی اصل فرمایا ہے۔

چنانچہ تحریر فرماتے ہیں۔ "وفیہ اصل الاربعین المعتاد عندالمشائخ الذی یشاھدون البرکات فیھا اھ" یعنی آیت شریفہ صوفیہ کے چلوں کی اصل ہے جس میں وہ حضرات بہت سی برکات کا مشاہدہ کرتے ہیں، حضرت شیخ الہند نور اللہ مرقدہٗ کے ترجمہ کے فوائد میں لکھا ہے کہ جب بنی اسرائیل کو طرح طرح کی پریشانیوں سے اطمینان نصیب ہوا تو انہوں نے موسیٰؑ سے درخواست کی کہ اب ہمارے لیے کوئی آسمانی شریعت لایئے جس پر ہم دل جمعی کے ساتھ عمل کر کے دکھلائیں۔ موسیٰؑ نے ان کا معروضہ بارگاہ الٰہی میں پیش کر دیا خدا تعالیٰ نے ان سے کم از کم تمیں دن اور زیادہ سے زیادہ چالیس دن کا وعدہ فرمایا کہ جب اتنی مدت تم پے در پے روزے رکھو گے اور کوہ طور پر معتکف رہو گے تم کو تورات شریف عنایت کی جائیگی۔ چالیس دن کی معیاد پوری ہوجانے پر حق تعالیٰ نے موسیٰؑ کو کسی مخصوص و ممتاز رنگ میں شرف کا مکالمہ بخشا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہٗ کی مشہور حدیث ہے جس کو صاحب مشکوٰۃ نے بخاری اور مسلم دونوں سے نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے رسول اللہ ﷺ نے جو الصادق المصدوق ہیں ارشاد فرمایا کہ آدمی کی ابتدائی خلقت ماں کے رحم میں چالیس دن تو نطفہ رہتی ہے اور پھر چالیس دن تک خون کا لوتھڑا رہتا ہے پھر چالیس دن تک وہ بوٹی بنا رہتا ہے، اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ تغیر حالت میں چالیس دن کو خاص دخل ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص چالیس دن اخلاص کے ساتھ ایسی طرح نماز پڑھے کہ تکبیر اولیٰ فوت نہ ہو تو اس کو دو پروانے ملتے ہیں، ایک پروانہ جہنم سے چھٹکارے کا دوسرا نفاق سے بری ہونے کا۔

دوسری حدیث میں ہے جو شخص چالیس دن کسی مسجد میں نماز پڑھے کہ رکعت اولیٰ فوت نہ ہو اس کو جہنم سے آزادی مل جاتی ہے۔ (فضائل نماز)

ایک اور حدیث میں ہے کہ جو شخص میری مسجد میں چالیس نمازیں اس طرح پڑھے کہ ایک نماز بھی اس کی مسجد سے فوت نہ ہو تو اس کے لیے آگ سے برأت لکھی جاتی ہے اور عذاب سے بری ہونا لکھا جاتا ہے اور وہ شخص نفاق سے بری ہو جاتا ہے۔ (فضائل حج) ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص میری امت پر چالیس دان تک غلہ روکے اور صدقہ کرے تو اس کا صدقہ مقبول نہ ہوگا۔ (جامع الصغیر)

ایک اور حدیث میں ہے کہ جو شخص اللہ کے لیے چالیس دن تک اخلاص کے ساتھ اعمال کرے گا اللہ جل شانہٗ اس کے دل میں حکمت کے چشمے ابال کر اس کی زبان سے ادا کراتے ہیں۔ (جامع الصغیر)

اور چہل حدیث کی روایات تو مختلف الفاظ کے ساتھ نقل کی گئی ہیں جو میرے رسالہ چہل حدیث فضائل قرآن کے شروع میں نقل کی گئی ہیں جس سے حضور ﷺ نے چالیس حدیثوں کے محفوظ کرنے پر مختلف بشارتیں فرمائی ہیں، ان سے بھی چالیس کے عدد کی اہمیت معلوم ہوتی ہے، ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص کسی نابینا کی چالیس قدم تک دستگیری کرے اس کی مغفرت کر دی جائے گی۔

دوسری حدیث میں ہے کہ جنت اس کے لیے واجب ہو جائے گی (جامع الصغیر) مسلم شریف میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ ان کے صاحبزادے کا انتقال ہو گیا تو انہوں نے اپنے (آزاد کردہ غلام) کریب سے فرمایا کہ دیکھ باہر کتنے آدمی ہیں۔ انہوں نے آ کر عرض کیا کہ بہت بڑا مجمع ہے۔ تو ابن عباسؓ نے فرمایا کہ چالیس ہوں گے فرمایا جی ہاں!

تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جنازہ لے چلو۔ میں نے حضور اقدس ﷺ سے سنا ہے۔ ارشاد فرمایا کہ جس مسلمان کا انتقال ہو جائے اور اس کے جنازہ کی نماز چالیس نفر پڑھیں جو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں تو اس میت کے حق میں ان کی سفارش قبول ہوتی ہے۔ صوفیاء کے یہاں تو چلہ کشی معروف و مشہور چیز ہے، ہر چیز کے لیے چلے کرائے جاتے ہیں۔ اعتکاف کے بھی، اسماء الٰہیہ کے بھی جو ہر شخص کے حال کے مناسب مشائخ تجویز کرتے ہیں۔

چپ کا چلہ

اور حضرت تھانوی قدس سرہٗ نے تو چپ کا چلہ بھی تجویز فرمایا، حضرت قدس سرہٗ نے ہواخوری سے واپسی کے بعد فرمایا کہ میں نے ایک چلہ سکوت ایجاد کیا...... لوگ کہتے ہیں کہ کیسا سخت چلہ نکالا بڑا سخت کام لیتا ہے یہ چلہ ایسا نکالا ہے کہ بہت ہی مشکل ہے پھر فرمایا کہنے دو لوگوں کے کہنے کی کہاں تک پرواہ کی جائے۔ الحمد للہ متقدمین کی سنت زندہ ہوتی ہے، سائل نے پوچھا کہ یہ چلہ سکوت پہلے بھی کسی نے کرایا؟ فرمایا نہیں یہ چلہ تو نہیں کرایا مگر قلت کلام کے بڑے بڑے اہتمام کئے اب یہ انتظامی امر ہے کہ پہلے اور طرح سے اس کے اہتمام کئے گئے اور اب یہ صورت تجویز کی گئی ہے۔ (حسن العزیز)

مفتی محمود صاحبؒ نے نقل کیا تھا کہ ایک صاحب نے جن کے لیے حضرت نے چلہ سکوت تجویز کیا تھا انہوں نے ایک تختی تعویذ کی طرح اپنے گلے میں لٹکا رکھی تھی جس پر جلی قلم سے لکھا ہوا تھا "خاموش"

ایک صاحب نے اپنی خرابی حالت کا تفصیلی حال لکھا، حضرت نے فرمایا کہ اللہ جل شانہٗ نے ہر مرض کا معالجہ تجویز فرمایا ہے۔ استعمال میں ہمت کی ضرورت ہے اس کے لیے آج کا دن اور روانگی کا دن چھوڑ کر پورے چالیس روز قیام کرو (تربیت السالک) حضرت حکیم الامۃ کا ایک ارشاد ہے کہ مناسبت پیدا کرنے کے لیے کم از کم چالیس روز تو شیخ کی صحبت میں رہے مگر یہ ایک ضابطہ کی بات ہے، اصل تو یہ کہ اس کی کوئی مدت نہیں (افاضات)

جواب اشکال نمبر ۱۳:

انگریزوں کی امداد سے نہیں بلکہ اللہ کی مدد سے تبلیغی کام کو ترقی ملی

ایک قدیم اور بہت پرانا اعتراض جو ابتداء میں تو اپنی جماعت میں بہت زوروں پر چلا، اخبارات، اشتہارات میں مخالفین نے اسے بہت اچھالا، لیکن مولانا حفظ الرحمن صاحب

رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مدنی قدس سرہٗ کی تردید کے بعد اپنی جماعتیں تو علی الاعلان اس کو ذکر نہیں کرتی تھیں لیکن ''**اذا خلا بعضھم الیٰ بعض**'' اشارۃً کنایۃً اب بھی اس کی یاددہانی کرتے رہتے ہیں۔ لیکن دوسری جماعتوں کے لوگ اس وقت بھی اپنے اشتہارات کی موٹی اور جلی سرخیوں اور رسائل میں لکھتے رہتے ہیں وہ یہ کہ اس تبلیغ کو ابتداء میں انگریزوں کی طرف سے پیسے ملتے تھے۔ یہ روایت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے مکالمۃ الصدرین سے نقل کی گئی، اس میں لکھا ہے کہ مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے کہا کہ مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تبلیغی تحریک کو بھی ابتداً حکومت کی جانب سے بذریعہ حاجی رشید احمد صاحب کچھ روپیہ ملتا تھا پھر بند ہوگیا (مکالمہ) مولانا حفظ الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنی جماعت کے ذمہ دار حضرات میں اور جمعیۃ العلماء کے ناظم عمومی اور تبلیغ کے خاص معاونین میں تھے۔ ان کی شہادت ایسی نہ تھی کہ اس کو نظرانداز کردیا جائے۔ اس لیے اس روایت نے بہت شہرت پکڑی، لیکن چند ماہ بعد جب حضرت شیخ الاسلام مدنی نوراللہ مرقدہٗ نے اس مکالمۃ الصدرین کی تردید اور اس کی روایت کی تردید میں ایک رسالہ ''کشف حقیقت'' لکھا۔ اور اس میں مولانا حفظ الرحمٰن صاحبؒ کی طرف سے اپنے اس قول کی تردید ان الفاظ میں لکھی ''اس وقت فوری طور پر ایک ایسے افترا اور بہتان اور کذب بیانی کی تردید ضروری سمجھتا ہوں جس سے عمداً وقصداً مرتب صاحب نے بعض مخلصین کے درمیان معاندانہ افتراق وانشقاق پیدا کرنے اور غلط فہمی میں ڈال کر بغض وعناد کے قریب تر لانے کی سعی ناکام فرمائی ہے، میرا روئے سخن مکالمۃ الصدرین کی اس عبارت کی جانب ہے۔

(عبارت مذکورہ مکالمۃ الصدرین) ''وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا'' اس کا ایک ایک حرف افترا و بہتان ہے، میں نے ہرگز ہرگز یہ کلمات نہیں کہے اور نہ مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تحریک کے متعلق یہ بات کہی گئی۔ ''**سُبْحَانَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ**'' بلکہ مرتب صاحب نے اپنی روانئ طبع سے اس کو گھڑ کر اس لیے میری جانب منسوب کرنا ضروری سمجھا کہ اس کے ذریعہ سے حضرت مولانا الیاس کی تحریک سے والہانہ شغف رکھنے والے ان مخلصوں کو بھی جمعیۃ

علماء ہند سے برہم اور تنقیر کرنے کی ناکام سعی کریں، جو جمعیۃ علماء ہند کے اکابر و رفقاء کار کے ساتھ بھی مخلصانہ عقیدت اور تعلق رکھتے ہیں۔

اب قارئین کرام کا اپنا فرض ہے کہ وہ اس تحریر کو صحیح قرار دیں، جس کی بنیاد شرعی اور اخلاقی احساسات کو نظر انداز کر کے محض جو جھوٹے پروپیگنڈے پر قائم کی گئی ہے یا اس سلسلہ میں میری گزارش اور تردید پر یقین فرمائیں البتہ میں مرتب کی اس بیجا جسارت کے متعلق اس سے زیادہ اور کیا کہہ سکتا ہوں" والی اللہ المشتکی و اللہ بصیر بالعباد "

اس کے بعد حضرت شیخ الاسلام نور اللہ مرقدہٗ تحریر فرماتے ہیں" مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کے بیان مذکورہ کی رو میں حضرت علامہ عثمانی صاحبؒ کا ایک مختصر بیان چند سطروں میں لیگی اخباروں میں آیا تھا، جس میں مولانا موصوف نے بقیہ اراکین وفد سے مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کے بیان اور اس عبارت کے انکار کی تصدیق کا مطالبہ کیا تھا اور دوسرے اعتراضات کا کوئی جواب نہ تھا، حضرت مدنی اس پر طویل کلام فرماتے ہوئے لکھتے ہیں" مولانا حفظ الرحمٰن صاحب اپنے انکار کو" وَ کَفیٰ بِا للّٰہِ شَھِیْدًا اور" سُبْحَانَکَ ھٰذَا بُھْتَانٌ عَظِیْمٌ "وغیرہ کے ساتھ مؤکد فرماتے ہیں۔

ہر چمکتی چیز سونا نہیں ہوتی

اس کے بعد کشف حقیقت'' میں دوسرے بیانات کی تردید کے بعد مولانا عثمانیؒ کو خطاب کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ آپ تو خود ہی خوب جانتے ہیں کہ جب ۳۰ھ میں کانگریس اور جمعیۃ العلماء کی سول نافرمانی کی تحریک شروع ہوئی تھی تو حکومت کے اشارہ سے'' ترغیب الصلوٰۃ'' کے نام سے مختلف مقامات پر انجمنیں قائم کی گئی تھیں'' چنانچہ دہلی میں بھی اس انجمن کا زور شور تھا حتیٰ کی مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنی نیک نیتی سے اس کو مذہبی تحریک سمجھ کر اپنے معتقدین کو اس میں شرکت کی اجازت دی تھی، یہ سلسلہ شروع ہی ہوا تھا کہ ایک روز شام کے وقت'' شہری لیگ'' کے نام سے ایک جلوس شہر میں نکلا، یہ لیگ علی الاعلان سول نافرمانی کی تحریک

کے خلاف قائم کی گئی تھی...... اس میں مسلمانوں کو یہ دیکھ نہ صرف حیرت ہوئی بلکہ ان میں سخت غم وغصہ کی لہر دوڑ گئی کہ جلوس کی ترتیب میں ''انجمن ترغیب الصلوٰۃ'' کی رضا کارانہ کور بھی نمایاں موجود ہے'' آخر جب دو چار روز کے بعد اہل شہر کی ایک مجلس میں اس واقعہ کا مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ کی موجودگی میں ذکر آیا تو مولانا بیحد متاثر ہوئے اور نظام الدین جا کر انہوں نے سختی کے ساتھ اس شہ اتحاد کو درہم برہم کر کے خود کو اور اپنی جماعت کو اس سے جدا کر لیا' حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کی موجودہ تحریک تو اس کے بہت عرصہ بعد منظر عام پر آئی ہے، لہٰذا کون بیوقوف اس کا ذکر کر کے صریح دروغ گو بن سکتا ہے' مگر مرتب ''مکالمہ'' کے مقاصد مشومہ نے مذکورہ بالا الفاظ کی جگہ ''مکالمۃ الصدرین'' کی پر افتراء گفتگو ایجاد کر کے شائع کر دی' جس کی بناء پر مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کو ان زوردار الفاظ میں برائت کرنی پڑی۔

''فلاحول و لاقوۃ الاباللہ العلی العظیم'' (کشف حقیقت)

یہ اشکال اعتراض پرانا بھی ہو گیا اور اپنی جماعت میں ختم بھی ہو گیا۔ مگر چونکہ ''مکالمۃ الصدرین'' کی روایت کو اب بھی بعض مخالفین مولانا حفظ الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب کر کے جلی الفاظ میں شائع کرتے ہیں اس لیے مجھے اس کے ذکر کرنے کی ضرورت پڑی بلکہ اپنی اس تحریر کی بھی زیادہ ضرورت یہی ہوئی کہ میری کسی تحریر سے غلط فہمی پیدا نہ کی جائے۔

اشکال نمبر ۱۴: حضرت تھانویؒ کی کتابیں تبلیغ میں کیوں نہیں؟

ایک جدید اور تازہ اعتراض جو آج تک کبھی کان میں نہیں پڑا۔ ایک دوست نے مجھے سنایا کہ ایک رسالہ میں یہ لکھا ہے کہ یہ لوگ حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہٗ کی کتابوں سے روکتے ہیں' ایک اور زیادہ افسوسناک یہ سانحہ ہے کہ ایک عالم اگر چہ وہ اپنی تلون مزاجی کے لیے کافی مشہور ہیں' مگر تاہم ان کا شمار اور زور قلم حلقہ علماء میں ہے۔ اور خود تو معلوم ہوا کہ وہ ہندوستان

و پاکستان کے وسیع حلقہ میں بالخصوص افتاء میں '' ثالث ثلثہ'' ہونے کے مدعی ہیں اپنے مکتوب میں ایک صاحب مقیم جدہ کو تحریر فرماتے ہیں کہ ''مولانا تھانوی کی کتابیں نہ دیکھی جائیں۔ انتہی بلفظہ

اس اعتراض کا پہلا جزو دوسرے عام اعتراضات کی طرح سے گول مول جماعت کی طرف منسوب کیا گیا ہے، جماعت کے افراد اب ہزاروں لاکھوں تک نہیں بلکہ اب کروڑوں سے متجاوز ہو گئے جہاں تک میری معلومات ہیں دنیا کا کوئی ملک ایسا نہیں ہوگا جہاں تبلیغی جماعت نہ گئی ہو اور جہاں کے لوگ تبلیغی کام میں مشغول نہ ہو رہے ہوں۔ اس لیے یہ گول الزام تو دوسرے الزامات کی طرح سے قابل التفات نہیں۔ کس کس سے تحقیق کی جائے بالخصوص جبکہ تبلیغ کے نصاب میں حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہٗ کے بہشتی زیور کو ہر شخص پڑھتا ہے پڑھنے کی تاکید کی جاتی ' اور حضرت دہلوی کا مشہور ارشاد ہے'' جو بیسیوں جگہ شائع ہو چکا ہے کہ تعلیم حضرت تھانوی کی ہو اور طرز میرا ہو۔ نیز تبلیغی نصاب میں خاص طور سے جزاءُ الاعمال کی تاکید کثرت سے ہے'' مکتوبات میں باربار اس پر تاکید ہے'' ایک مکتوب میں ہے کہ میرا دل چاہتا ہے کہ محکمہ تبلیغ سے ایک نصاب مقرر کیا جائے' اس سلسلہ کے ترقی پکڑ جانے پر آپ جیسے اہل علم کے مشورہ کی ضرورت ہوگی بالفعل میں نے نارسا طبیعت سے پانچ کتابیں تجویز کر رکھی'' ان میں سب سے پہلے جزاءُ الاعمال ہی کا ذکر ہے۔

ایک دوسرے مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں بندہ اس چیز کا بہت متمنی ہے کہ تبلیغ کے سلسلہ کی یہ چند کتابیں ان کے ساتھ تبلیغ کی لائن میں قدم دھرنے والوں کے ساتھ ہوں وہ کتب حسب ذیل ہیں جواب تک تجویز ہو چکی ہیں۔ جزاء الاعمال' چہل حدیث وغیرہ۔ ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں کہ امکنہ تبلیغ میں امور ذیل کی کتابوں کا رچ جانا بہت ضروری ہے۔ جزاء الاعمال وغیرہ۔

ایک جگہ لکھتے ہیں کہ ''تبلیغ کے سلسلہ میں میرا جی چاہتا ہے کہ ایک نصاب مقرر ہو کر وہ ہر ہر شخص کے رگ وپے میں سما جاوے'' جس کو یوں جی چاہتا ہے کہ اگر ایک شخص پڑھا لکھا ہے اول تنہائی میں دیکھا کرے اور پھر سنایا کرے اور اس میں جو اعمال ہوں اس پر اول اپنے آپ کو جمانے کی کوشش

کرے اس کو مجمع میں پھیلا دے، بالفعل پانچ کتابوں کا اہتمام ہے راہ نجات' جزاء الاعمال وغیرہ۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے متوسلین سے ملتے رہیں

ایک مکتوب میں جس میں کارکنان میوات کے لئے اہم ہدایات لکھی ہیں اس میں ۹ نمبر یہ ہے کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے منتفع ہونے کے لیے ضروری ہے کہ ان کی محبت ہو اور ان کے متعلقہ آدمیوں سے اور ان کی کتابوں کے مطالعہ سے منتفع ہوا جاوے۔ ان کی کتابوں کے مطالعہ سے علم آوے گا اور ان کے آدمیوں سے عمل۔

حضرت دہلوی نور اللہ مرقدہٗ نے حضرت تھانوی قدس سرہٗ کے وصال کے بعد جو تعزیتی خطوط اپنے احباب کو لکھے ہیں ان میں حضرت نور اللہ مرقدہٗ کے ایصال ثواب کی تاکید و ترغیب اور تعلیمات کی توسیع کی کوشش کو لکھا ہے ایک صاحب حضرت تھانوی کے لوگوں میں ملاقات کے لیے تشریف لائے تو حضرت دہلوی نے فرمایا ''جن حضرات کا حلقہ محبت اتنا وسیع ہو جتنا کہ ہمارے حضرت تھانوی قدس سرہٗ کا تھا چاہئے کہ ان کی تعزیت عامہ کی فکر کی جائے' میرا جی چاہتا ہے کہ اس وقت حضرت کے تمام تعلق رکھنے والوں کی تعزیت کی جائے اور خاص طور سے یہ مضمون آج کل پھیلا یا جائے کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے تعلق بڑھانے، حضرت کی برکات سے استفادہ کرنے اور ساتھ ہی حضرت کے ترقی درجات کی کوششوں میں حصہ لینے اور حضرت کی روح کی مسرتوں کو بڑھانے کا سب سے اعلیٰ اور محکم ذریعہ یہ ہے کہ حضرت کی تعلیمات حقہ اور ہدایات پر استقامت کی جائے۔ اور ان کو زیادہ سے زیادہ پھیلانے کی کوشش کی جائے۔'' (ملفوظات دہلویؒ)

عجیب اعتراض

البتہ اس اعتراض کا دوسرا جز وسانحہ عظیم جو لکھا ہے یہ اعتراض سب سے پہلے اسی مرتبہ کان میں پڑا۔ اتفاق سے جس وقت مجھے یہ الفاظ سنائے جا رہے تھے تو مولانا ...... میرے پاس تشریف فرما تھے۔ ان الفاظ کو سن کر انہوں نے بھی بہت استعجاب کیا اور کہا کہ یہ

اعتراض آج تک کبھی کان میں نہیں پڑا اتفاق سے اسی دوران میں اکابر نظام الدین تشریف لائے تو انہوں نے بھی یہی فرمایا کہ یہ واقعہ ہمارے کانوں میں کبھی نہیں پڑا۔ میں نے قرب و جوار کے مفتیان سے پوچھا کہ تم میں سے اس کا مصداق کون ہے تو ہر شخص نے اس واقعہ سے لاعلمی اور تبری ظاہر کی تو میں نے ایک جوابی کارڈ معترض صاحب کو لکھا جس میں ان متلون مزاج عالم کا نام دریافت کیا اور جدہ کے ان صاحب کا پتہ پوچھا جن کے نام یہ خط لکھا گیا۔ اس کا مضمون یہ تھا۔

عنایت فرمایم سلمہ بعد سلام مسنون' پرسوں کی ڈاک سے آپ کا مرسلہ ایک رسالہ پہنچا، یہ ناکارہ اپنی صحت وقوت کے زمانہ میں تو ہر موافق ومخالف چیز پڑھنے کا بڑا شوقین تھا۔ لیکن اب کئی سال سے امراض کی کثرت اور آنکھوں کی معذوری کی وجہ سے ضروری خطوط کا سننا اور لکھوانا بھی مشکل ہے' میرے ایک دوست نے بتلایا کہ اس میں نظام الدین کی تبلیغ کے متعلق کچھ معروضات آپ نے تحریر فرمائی ہیں۔ اس لیے میں نے مختلف اوقات میں تھوڑا تھوڑا سنا۔

اس میں کوئی نئی بات ایسی نہ تھی جواب تک اشتہارات واخبارات اور خطوط میں مختلف علماء سے سوال و جواب نہ ہو چکے ہوں اور ان کے جوابات مختلف علماء کی طرف سے کثرت سے شائع نہ ہو چکے ہوں، البتہ صرف ایک بات اس میں نئی سنی جو نہ اب تک کان میں پڑی تھی اور تحقیق سے معلوم ہوا وہ یہ کہ نظام الدین کے احباب اور تبلیغی احباب میں سے کسی کے کان میں یہ روایت پہنچی ہو' آپ نے اس رسالہ کے صفحہ نمبر ۱۰ پر بالخصوص جماعت کی طرف یہ منسوب کیا ہے کہ یہ لوگ حضرت تھانویؒ کی تصانیف سے روکتے ہیں اس سلسلہ میں مجھے جماعت کے ان افراد کے نام کی ضرورت ہے جو حضرت حکیم الامۃ تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتابوں سے روکتے ہیں کہ میں ان سے اس کا جواب طلب کروں۔

اس میں آپ نے ایک عالم صاحب کا ذکر کیا کہ وہ اپنے مکتوب میں ایک صاحب مقیم جدہ کو تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت تھانویؒ کی کتابیں نہ دیکھی جائیں'' مجھے ان عالم صاحب کے نام کی بھی ضرورت ہے کہ میں ان سے اس کا استفسار کروں اور جدہ کے ان صاحب کا

پتہ چاہئے جن کے نام یہ خط لکھا گیا ہے' ایک صاحب کے خط پر آپ کو ساری جماعت تبلیغ پر یہ سنگین الزام لگانا بندہ کے ناقص فہم سے بالا ہے۔ اس کے متعلق بجائے رسالہ میں اشاعت کے آپ کو مرکز والوں کو اور خاص طور سے اس ناکارہ کو پہلے خط سے متنبہ کرنا چاہئے تھا تاکہ ان عالم صاحب سے اس کا منشا دریافت کرتا۔ اگر واقعی آپ کی نیت نیک تھی اور اصلاح مقصود تھی بالخصوص جبکہ بانی تحریک کا یہ مشہور مقولہ تو آپ نے بھی اپنے رسالہ میں بار بار دہرایا ہے اور اہل بدعت بھی اس کو اپنے اشتہارات میں بڑے جلی عنوانات سے شائع کرتے ہیں کہ تعلیم حضرت حکیم الامۃ کی اور طریق کار میرا' ایسی حالت میں ایک شخص کے مقولہ کو جماعت کی طرف منسوب کرنا دیانۃً تو کہاں تک صحیح تھا' اس سے تو آپ خود ہی واقف ہوں گے اور اگر کسی شخص نے اپنے کسی نجی خط میں کسی مصلحت سے یا حضرت حکیم الامۃ قدس سرہٗ کے ساتھ تعلق کی کمی سے ایسا لکھا تو بانی تحریک کے بار بار کے ارشادات کے خلاف جماعت کی طرف اس کو منسوب کرنا بندہ کے خیال میں تو حضرت حکیم الامۃ قدس سرہٗ کیساتھ بھی آپ نے ادب کا معاملہ نہیں کیا' اس لیے کہ جماعت تبلیغ اب ہندوستان و پاکستان میں نہیں حجاز' عراق' لندن' امریکہ' افریقہ' برما وغیرہ سارے ہی ملکوں میں پھیل چکی ہے اور ساری دنیا نہ تو حضرت حکیم الامۃ قدس سرہٗ کی معتقد ہے اور نہ اکابر میں کوئی بھی ایسا ہے جس کی ساری دنیا معتقد ہو اس لیے آپ نے غیر معتقد لوگوں کے لئے حجت پیش کی ہے کہ تبلیغ والے بھی حضرت حکیم الامۃ قدس سرہٗ کی تصانیف سے روکتے ہیں' بہر حال ان کا تب اور مکتوب الیہ کے نام سے بواپسی مطلع فرمادیں۔ والسلام زکریا

شب ۷ اصفر ۹۲ھ

اس کے جواب میں وہی عمومی الزامات دہرائے گئے جس کے متعلق پہلے بھی لکھا جاچکا ہے میں نے بعض دوسرے احباب سے بھی ان متلون مزاج مفتی صاحب کی تحقیق کرنی چاہی کہ میں ان مفتی صاحب سے براہِ راست دریافت کروں مجھے اس میں کامیابی نہ ہوسکی' عرصہ کے بعد ایک ایسے صاحب کا نام معلوم ہوا جو اتفاق سے جس دن یہ رسالہ سب سے پہلے مجھے سنایا

جارہا تھا اس وقت میرے پاس موجود تھے۔ انہوں نے بھی بڑے استعجاب اور حیرت سے اس مضمون کو سنا اور ایسے شخص سے اپنی لاعلمی ظاہر کی جو حضرت تھانوی کی کتابوں سے روکتا ہو' مجھے جدہ کے ان صاحب کا پتہ بتانے سے انکار کر دیا گیا کہ میں براہِ راست ان صاحب سے اس خط کی تحقیق کرتا۔

جماعت کا فیضان

باقی جماعت کے افراد میں ہر نوع کے آدمیوں کا ہونا سب ہی کو معلوم ہے۔ وہ جاہل جو دین سے بالکل ناواقف نمازوں سے بے خبر آداب مشائخ سے کہاں واقف ہو سکتے ہیں' حضرت دہلوی نور اللہ مرقدہٗ کے ملفوظات میں متعدد جگہ یہ مضمون ہے کہ ہماری تبلیغی جماعت تو دھوبی کی بھٹی ہے اس میں ہر قسم کے پاک ناپاک' کپڑے پڑتے ہیں۔ اور صاف ہوتے ہیں اور اس سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا کہ لاکھوں نہیں کروڑوں کی دینی حالت بہتر سے بہتر ہوگئی' ہزاروں نہیں لاکھوں ایسے ہیں جو کلمہ' نماز کو بھی نہیں جانتے تھے وہ تہجد گزار و ذاکر بن گئے' جو لوگ اپنے احوال کے اعتبار سے کفر کے قریب پہنچ گئے تھے وہ اس کی برکت سے مشائخ سلوک میں داخل ہو گئے۔ حضرت حکیم الامۃ' شیخ الاسلام حضرت مدنی' حضرت اقدس رائپوری نور اللہ مرقدہم کے مجازین میں داخل ہو گئے۔ یہ خیال کہ جو شخص جماعت میں نام لکھوالیتا ہے وہ اخلاق فاضلہ سے فوراً مزین ہو جاتا ہے کس کی عقل میں آسکتا ہے اخلاق کی درستی کے لیے تو سالہا سال مجاہدات کرنے پڑتے ہیں اور جماعت میں شریک ہونے والوں کے سابقہ حالات معلوم ہونا ضروری ہیں کہ اس کا اگر تعلق پہلے حضرت تھانوی قدس سرہٗ سے تھا بعد میں تبلیغ میں داخل ہونے سے عقیدت میں کمی ہوئی تب تو جماعت پر الزام آسکتا ہے لیکن جو شخص پہلے ہی سے سخت مخالف ہو اس کی مخالفت کو تبلیغ کی طرف منسوب کرنا یہ تو صریح تعصب اور تبلیغ کی مخالفت ہے۔

اس سے کون شخص انکار کر سکتا ہے کہ لیگ و کانگریس کی زور کے زمانہ میں دونوں

طرف کے عوام نہیں بلکہ کم درجہ علماء بھی ایک دوسرے سے متنفر اور سخت سے سخت گالیاں دینے والے تھے اور دونوں کی کتابوں کو پڑھنا تو درکنار ہر دو فریق کی کتابوں کا نام بھی گوارانہ تھا۔ اور تبلیغی جماعت میں دونوں طرح کے حضرات کثرت سے شریک تھے۔

میرا تو تجربہ ہے اور انشاء اللہ اس سے کسی کو بھی انکار نہ ہوگا کہ تبلیغی جماعت میں شریک ہونے کے بعد عصبیت اور گروہ بندی میں نمایاں کمی ہوئی' میں پہلے اعتراض میں لکھ چکا ہوں کہ نہ صرف مجھ سے بلکہ اکابر علماء سے بہت سے لوگوں نے خود اس کا اعتراف کیا ہے کہ ہم تو علماء سے اتنے بدظن تھے کہ ملنا بھی گوارا نہ تھا۔ اور اب ہم اس تبلیغ کی برکت سے آپ حضرات کے خادم بنے کھڑے ہیں' نیز بہت جدو جہد کے بعد ان صاحب نے متلون مزاج عالم کا نام مجھے بعد میں لکھا وہ اتفاق سے غیر ملکی سفر میں تھے۔ میں نے ان سے بھی بذریعہ خط دریافت کیا۔ عرصہ کے بعد ان کے بیک وقت دو گرامی نامے سفر ہی سے پہنچے۔ جس میں بہت زور وشور سے اپنے الزام کی تبری کی وہ مکتوب نمبرا میں لکھتے ہیں کہ ''اس عبارت میں اگر فتوے والی عبارت نہ ہوتی تو میں اس کو اپنے ہی بارہ میں سمجھتا' مگر فتوے کی بات سے ہی شبہ ہوا کیونکہ میں فتویٰ نویسی سے ہمیشہ سے گریز کرتا ہوں معلوم نہیں میرے بارے میں ان صاحب کو یہ غلط فہمی کیوں ہوئی اور کسی بزرگ نے ان کو یہ بتلایا۔ بہر حال اب یہ بات بالکل متعین ہے کہ یہ بات بالکل غلط ہے۔ میں چونکہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتابوں کو اصلاح کے لیے بہت مفید اور خاص کر علماء کے لیے ان کا مطالعہ بہت ضروری سمجھتا ہوں اس لیے پورے یقین سے اس کی تردید کر سکتا ہوں کہ میں نے ایسی بات کبھی نہیں لکھی۔ زیادہ سے زیادہ یہ ممکن ہے کہ کسی نے مجھ سے جماعتوں میں تعلیم کے لیے مشورہ کیا ہو تو میں نے فضائل کے لئے کہا ہو'میں اس میں صرف تبلیغ کی مصلحت سمجھتا ہوں اور انشاء اللہ اس بارہ میں ہر ایسے آدمی کو مطمئن کر سکتا ہوں جو مخلص ہو اور سمجھنا چاہے یہ واقعہ ہے کہ فضائل کی کتابوں سے ہزاروں اللہ کے بندوں کو ولایت حاصل ہوئی ہے جدہ میں کسی صاحب سے میری خط وکتابت نہیں ہے' ایک صاحب کی طرف خیال جاتا ہے کہ شاید ان سے یہ بات چلی ہو' واپسی

میں ان سے بات کروں گا۔

دوسرے خط میں لکھتے ہیں کل ایک خط ہوائی اڈہ پر جاتے ہوئے لکھا تھا وہ ناقص رہ گیا تھا، جو بات میری طرف منسوب کی گئی ہے وہ اس لئے بھی قطعاً غلط ہے کہ میں عام طور سے لوگوں کو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتابوں کے مطالعہ کا مشورہ دیتا ہوں، یہ مشورہ عام تقریروں میں بھی دیتا ہوں اور تبلیغی کام سے اپنے تعلق کے آغاز سے اس وقت تک مجھے کوئی دور ایسا یاد نہیں جب میرا یہ حال اور ذوق نہ رہا ہو، مجھے حضرت تھانوی کی کتابوں سے ذاتی مناسبت ہے، میری قطعیت کے ساتھ یہ رائے ہے کہ تبلیغی کام کی مصلحت کا تقاضہ یہی ہے کہ اس کی تعلیم کے نظام میں حضرت کے یہ فضائل پڑھے جائیں، بعض لوگوں نے مجھ سے میری کتابوں کے متعلق کہا۔ میں نے ان سے کہا کہ پھر یہ سوال اٹھے گا کہ مولانا طیب صاحب، مولانا سعید احمد اکبرآبادی یا مولانا علی میاں کی کتابیں کیوں نہ پڑھی جائیں۔ اسی طرح اگر حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتابیں جماعت کے تعلیمی نظام میں رکھی جائیں تو ایک حلقہ کی رائے ہوگی کہ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوبات بھی رکھے جائیں اور نقشبندی سلسلہ کے لوگ چاہیں گے کہ حضرت امام ربانی یا خواجہ معصوم یا اسی سلسلہ کے دیگر اکابر کی تصانیف یا مکتوبات پڑھے جائیں اور امت کے موجودہ مزاج کے تجربہ کی بنا پر یقین ہے کہ اس مسئلہ پر انتشار تنازع اور کشمکش کی نوبت آئیگی۔ اس لیے سلامتی اس میں ہے اور اسی میں خیر ہے کہ بس فضائل کی یہ کتابیں پڑھی جائیں اور ان کتابوں کی تاثیر وافادیت اور مقبولیت الحمد للہ تجربہ اور مشاہدہ میں آچکی ہیں۔ فقط۔

اشکال نمبر ۱۵: دینی نفع کے لئے ہر شخص کو کیوں ملا جاتا ہے

حضرت دہلوی پر ایک اعتراض یہ ہے کہ وہ ہر قسم کے لوگوں سے ملتے ہیں خود حضرت دہلوی کا ارشاد ہے کہ ہمارے بعض خاص حضرات میرے اس رویہ سے ناراض ہیں کہ میں اس دینی کام کے سلسلے میں ہر طرح اور ہر وضع کے لوگوں اور مسلمانوں کے ہر گروہ کے آدمیوں

سے ملتا ہوں' اور ملنا چاہتا ہوں اور اپنے لوگوں سے بھی ان کے ساتھ ملنے جلنے کو کہتا ہوں لیکن میں اپنے خاص حضرات کی اس ناراضی کو سہنا اور ان کو معذور قرار دیتے ہوئے ان کو بھی اس طرف لانے کی پوری سعی کرتے رہنا شکر واجب کا ایک جزو سمجھتا ہوں۔ ع

چوں حق بر تو پاشد تو بر خلق پاش

ان حضرات کا خیال ہے کہ یہ طرز عمل ہمارے حضرت نور اللہ مرقدہٗ کے طریقہ اور مذاق کے خلاف ہے' لیکن میرا کہنا یہ ہے کہ جس چیز کا دین کے لئے نافع اور نہایت مفید ہونا دلائل اور تجربوں سے معلوم ہو گیا اس کو صرف اس لئے اختیار نہ کرنا کہ ہمارے شیخ نے یہ نہیں کیا' بڑی غلطی ہے۔ (ملفوظات حضرت دہلویؒ)

اس ملفوظ میں بات نہایت اہم اور قابل لحاظ ہے کہ حضرت دہلوی کا یہ ارشاد کہ جس کام کا حق ہونا محقق ہو جائے اس کو صرف اس وجہ سے نہ کرنا کہ ہمارے شیخ نے نہیں کیا یہ ہر شخص کا کام نہیں خود اسی شخص کا کام ہے جو خود بھی شیخ المشائخ کے درجہ تک پہنچ گیا ہو' ورنہ ہم جیسے عامیوں کے لئے یہ درجہ حاصل نہیں، حضرت قطب الارشاد گنگوہی نور اللہ مرقدہٗ نے بہت سے امور ایسے کئے جوان کے شیخ نے نہیں کئے تھے اور بعض امور میں حضرت حکیم الامۃ نے بھی اپنے شیخ کے بعض اعمال میں اتباع ترک کر کے حضرت گنگوہی نور اللہ مرقدہٗ کا اتباع کیا۔ اس لیے تو مسئلہ بہت اونچا ہے اور باریک ہے حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب نور اللہ مرقدہٗ نے تذکرۃ الرشید جلد ثانی میں اس مضمون کو بہت بسط وتفصیل سے لکھا ہے' جہاں حضرت امام ربانی نور اللہ مرقدہٗ نے حذاقت امراض کی تشخیص اور اس کا علاج لکھا ہے یہاں ساری تفصیل اور توضیح کی گنجائش نہیں مجھے تو اس وقت اس مضمون کو بیان کرنا تھا کہ عمومی اعتراضات سے نہ تو کوئی جماعت خالی اور نہ اکابر میں سے کوئی خالی ہے۔

اشکال نمبر ۱۶: تبلیغ والے اعتراضات کا جواب کیوں نہیں دیتے؟

تبلیغ والوں پر یہ بھی ایک مستقل اعتراض ہے کہ وہ معترضین کے اعتراضات کی

طرف التفات نہیں کرتے' میرے نزدیک یہ اعتراض لغو ہے۔ اس لیے کہ بلا تعین گول مول اعتراض کی طرف کون توجہ کرسکتا ہے بالخصوص تبلیغی حضرات کو تو اپنے مشاغل کے ہجوم کی وجہ سے اتنی فرصت نہیں رہی کہ ایسے لغو اعتراضات کہ "تبلیغ والے ایسا کرتے ہیں" کی طرف التفات کریں اکابر نے بھی کبھی التفات نہیں کیا۔ حضرت حکیم الامۃ نور اللہ مرقدہٗ پر ہمیشہ کتنے اعتراضات کی بوچھاڑ ہر طرف سے رہی حضرت کا ارشاد ہے کہ اعتراض سے تو انسان کسی حالت میں بھی نہیں بچ سکتا نیک ہو یا بد' عالم ہو یا جاہل ہو بس اسلم یہ ہے کہ معترضین کو بکنے دیں اور جو سمجھ میں آوے کرے۔ (از: طویل ملفوظ: افاضاتِ یومیہ)

حضرت حکیم الامۃ نور اللہ مرقدہٗ کا مستقل رسالہ حکایات الشکایات کبھی پڑھا تھا اور میرے کتب خانہ میں موجود بھی ہے مگر اس وقت وہ تو نہیں ملا البتہ اس کی تمہید جو چند ماہ ہوئے الامداد سے اس ناکارہ نے حضرت حکیم الامۃ نور اللہ مرقدہٗ کے رسالہ "خوان خلیل" کے ضمیمہ میں نقل کی تھی یہ ہے۔ بعد حمد صلوٰۃ کے یہ احقر عرض رسا ہے کہ ایک مدت دراز سے مجھ پر عنایت فرماؤں کی طرف سے بے جا اعتراضوں کی بوچھاڑ ہے' جن میں سے اکثر کا سبب تعصب و تحزب ہے' جس کے جواب کی طرف احقر نے اس لیے کبھی التفات نہیں کیا کہ میں نے ان اعتراضوں کو قابل التفات نہیں سمجھا نیز یہ بھی خیال ہوا کہ آجکل جواب دینا قاطع اعتراض نہیں ہوتا بلکہ اور زیادہ مطول کلام ہو جاتا ہے' تو وقت بھی ضائع ہوا اور غایت بھی حاصل نہیں ہوئی۔ تیسرے مجھ کو اس سے زیادہ اہم کام اس کثرت سے رہے کہ اس کام کے لئے مجھ کو وقت بھی نہیں مل سکتا تھا' چوتھی میں نے جہاں تک دل کو ٹٹولا ایسے اعتراضوں کے جوابوں میں نیت اچھی نہیں پائی میں اہل خلوص کو کہتا نہیں مگر مجھ جیسے مغلوب النفس کی نیت تو زیادہ یہی ہوتی ہے کہ جواب نہ دینے میں معتقدین کم ہو جائیں گے۔ شان میں فرق آ جائے گا' جس کا حاصل ارضاء عوام ہے سو طبعاً مجھ کو اس مقصود یعنی ارضاء عوام میں غیرت آتی ہے۔ بہت طویل مضمون ہے' جس میں حضرت حکیم الامۃ نور اللہ مرقدہٗ نے بے جا اعتراضات کی طرف توجہ نہ کرنے کا اپنا معمول اور ترغیب فرمائی ہے۔

حضرت تھانویؒ اور اعتراضات کا حل

ایک مرتبہ ایک گمنام خط حضرت کی خدمت میں آیا۔ حضرت حکیم الامتؒ نے ارشاد فرمایا کہ جوابی تو ہے نہیں جس کے جواب کی ضرورت ہو اس کو علیحدہ رکھئے' پڑھنے کی بھی ضرورت نہیں ایک تو ۔ نے لا یعنی حرکت کی اور ایک میں لا یعنی حرکت کروں کہ اس کو سنوں' ۔ مخواہ اپنا جی خراب کروں چنانچہ بلا سنے ردی میں رکھوا دیا' پھر فرمایا کہ متو ضلع اعظم گڈھ میں دوران وعظ میں ایک شخص نے ایک پرچہ لا کر مجھ کو دیا اور دیتے ہی چلا گیا۔ میں نے بعد وعظ وہیں پر چراغ میں بلا پڑھے اس کو جلا دیا' ایک صاحب کہنے لگے بلا پڑھے جلا دینے کو آپ کا جی کیسے مانا؟ ہم کو تو بے پڑھے کبھی صبر نہ آتا۔ میں نے کہا کہ جی عقل کی تو یہی بات ہے کیونکہ اگر جواب کی ضرورت ہوتی تو وہ بلا جواب کیسے چلا جاتا پھر میرے پڑھنے کی کیا ضرورت تھی کیونکہ نہ معلوم اس میں گالیاں لکھی تھیں یا نہ جانے کیا بلا لکھی ہو۔ (حسن العزیز)

ایک جگہ ارشاد فرماتے ہیں لوگ بے جانے اور بے سمجھے اعتراض کر دیتے ہیں' پہلے ایک چیز کو دیکھو سمجھ لو اور اگر وہ چیز قالی نہ ہو تو اس کو اکتساب کرنے کے بعد کہو جو کچھ کہنا ہے'' یہ ناکارہ بھی عمومی اعتراض کرنے والوں سے یہ پوچھا کرتا ہے کہ یہ اعتراض آپ نے خود ملاحظہ فرمایا سنا ہوا ہے' آپ نے کتنے دن نظام الدین قیام فرمایا اور کتنے چلوں میں باہر گشت کیا تاکہ وہاں کے حالات مشاہدہ اور تجربہ صحیح ہوتا حضرت حکیم لامۃ قدس سرہٗ دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں' آپکے سارے شبہات کسی کے پاس رہنے سے رفع ہونگے کسی جگہ آپ کو رہنا چاہئے اور سارے شبہات دفعتہً پیش کر کے دو مہینے تک زبان بند رکھیں یہ طریقہ ہے اور اس کا طریقہ یہ نہیں ہے کہ کوئی شخص مل گیا اس کے سامنے شبہات پیش کر دیئے اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس سے علیحدہ ہو کر پھر شبہات تازہ ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح شبہ بھی وہی معتبر ہوتا ہے جو کام کرنے کے بعد ہو اس سے پہلے ہوائی شبہات ہوتے ہیں۔ میں نے موتمر الانصار کے جلسہ میں میرٹھ کے اندر

علی الاعلان کہہ دیا تھا کہ جن صاحبوں کو شبہات پیش آتے ہیں وہ چالیس روز ہمارے پاس رہیں اور سارے شبہات ایک پرچہ پر لکھ کر دیں۔ اور اس عرصہ تک زبان بند رکھیں انشاء اللہ سارے شبہات حل ہو جائیں گے' طویل ملفوظ ہے۔ (حسن العزیز)

جناب الحاج قاری طیب صاحب نے ایک تبلیغی اجتماع میں جو سہارنپور ہی میں ہوا تھا فرمایا کہ اعتراضات تو وہ قابل قبول ہیں جو کام میں گھس کر کئے جائیں اور جو باہر بیٹھ کر اعتراضات کرے وہ قابل قبول نہیں ہوا کرتے اگر اندر گھس کر کوئی اعتراض کرے تب تو ٹھیک ہے۔ لیکن اندر گھسنے والا کوئی اعتراض کرتا نہیں کیونکہ داخل ہونے کے بعد اسے کام کا فائدہ معلوم ہو جاتا ہے۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ سب باہر کے اعتراضات ہیں جو قابل قبول نہیں طویل مضمون جو رسالہ ''کیا تبلیغی کام ضروری ہے'' میں موجود ہے۔ ایک جگہ حضرت تھانوی کا ارشاد ہے کہ یہ زمانہ نہایت ہی پرفتن ہے جو غریب اپنے مسلک اور مشرب اور اپنے بزرگوں کے طرز پر رہے اور سلف کا مذہب اختیار کرے سب اس کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ جاتے ہیں' کسی طرح چین نہیں لینے دیتے چنانچہ اس جرم میں میرے حال پر بھی بعض کی عنایت ہے' مگر الحمد للہ میں التفات بھی نہیں کرتا بولنا مجھ کو بھی آتا ہے زبان اللہ نے مجھ کو بھی دی اللہ نے قلم بھی میرے ہاتھ میں دیا ہے لیکن میں اس طرز ہی کو پسند نہیں کرتا (افاضات)

ایک جگہ ارشاد ہے کہ معترضین کے کہنے کا خیال کیا جائے تو زندگی محال ہے اس واسطے آدمی کو چاہئے کہ اپنا معاملہ حق تعالیٰ کے ساتھ صاف رکھے اور دنیا کو بکنے دے کوئی کچھ کہا کرے۔ (حسن العزیز)

حضرت نظام الدین تو چچا جان نور اللہ مرقدہٗ کی تمنا پر عمل کرتے ہوئے کہ تعلیم حضرت تھانویؒ کی ہو اور طریق کار میرا اعتراضات کے جواب کی طرف التفات بھی نہیں کرتے۔ اور لوگوں کو اس پر غصہ آتا ہے کہ ہمارے اعتراض کی طرف التفات نہیں کیا۔ حالانکہ ان لوگوں کو اس میں نہ تصنع ہے نہ رعایت ان فضولیات کی فرصت بھی نہیں سینکڑوں کی آمد و رفت کا سلسلہ تو روز انہ کا ہے اور بعض اوقات نئے آنے والوں کا سلسلہ تو ہزار سے بھی متجاوز ہو جاتا ہے۔ ایسی حالت میں وہ کام کریں یا گول مول اعتراضوں کے جوابات کی طرف التفات

کریں ان کو واقعی التفات نہیں کرنا چاہئے کہ بقول حضرت تھانوی کے ان کے پاس دینی اہم کام بہت زیادہ ہیں' البتہ دوسرے اکابر اہل علم نے ان عمومی اعتراض کے اپنی تقاریر اور تحریروں میں بیسیوں جوابات دے دیئے ہیں' بالخصوص جناب الحاج قاری طیب صاحب خلیفہ حضرت حکیم الامتؒ نے مولانا محمد منظور نعمانی نے مفتی محمود حسن صاحب صدر مفتی دار العلوم دیوبند نے اور دیگر اکابر نے بھی جو مختلف رسائل میں مفصل شائع ہو چکے ہیں بالخصوص ''کیا تبلیغی کام ضروری ہے'' میں ان حضرات اکابر کی تقریرات اور تحریرات جمع کر دی گئی ہیں اور مولانا منظور صاحب کے جوابات تو الفرقان کے رسالہ میں بہت کثرت سے شائع ہوتے رہے ہیں' مستقل مضامین اعتراضات کے جوابات میں بہت مفصل تحریر فرمائے ہیں' اور کچھ عمومی اعتراضات یہ ناکارہ بھی اس رسالہ کے شروع میں لکھوا چکا ہے جو عامۃ الورود ہیں۔

جماعت میں جائیں تو یہ احتیاط رکھیں (ہدایات)

جہاں تک نظام الدین کے حضرات کا تعلق ہے وہ تو اپنی طرف سے احتیاطوں میں کمی نہیں کرتے جس کو وہی جانتا ہے جو وہاں کچھ قیام کر چکا ہو' یا اجتماعات میں شریک ہوا ہو یا کسی جماعت کی روانگی کے وقت کی ہدایات سن چکا ہو جس میں روانہ ہونے والوں کے لیے اکابر علماء کے احترام اور رفقاء کے ساتھ برتاؤ' رفقاء کی راحت و آرام کی کوشش' کسی رفیق کی چیز بھی بلا اجازت نہ لینا اور اجازت پر لینے کے باوجود فراغ پر جلدی واپس کر دینا' ایسی چھوٹی باتوں پر تنبیہات ہوتی ہیں جن پر عام طور پر توجہ بھی نہیں۔ یہ الوداعی ہدایات کم سے کم آدھ گھنٹہ اور بعض اوقات ایک بلکہ دو گھنٹے تک طویل ہو جاتی تھیں اور ہو جاتی ہیں' صرف ایک اجتماع کی ہدایات کو عزیز مولوی محمد ثانی سلمہ نے مولانا محمد یوسف صاحب کی سوانح کے آخر میں جمع کیا وہ خود مستقل دس صفحے کا مضمون ہے پورا نقل کرنا تو دشوار ہے اس کے آخر میں چند ضروری امور مختصراً ذکر کئے گئے ہیں۔

وہ فرماتے ہیں کہ نکلنے کے زمانے میں بس چار کاموں میں اپنے کو مشغول رکھنا

ہے، سب سے پہلی چیز ہے ایمان ویقین کی اور ایمان والے اعمال کی دعوت' اور اس دعوت کے لیے عمومی گشت ہوں گے خصوصی گشت ہونگے' جن کے اصول وآداب گشت کے لیے نکلتے وقت بتلائے جائیں گے ان کو دھیان سے سنا جائے' پھر جب آپ دعوت کے لیے گلیوں اور بازاروں میں نکلیں گے تو شیطان آپ کو وہاں کے نقشوں کی طرف متوجہ کریگا۔ اسلئے سب سے پہلے دعا کرنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ شیطان ونفس کے شرور سے بچائے۔ اور اپنی مرضی کے مطابق کام کرنے کی توفیق دے پورے گشت میں اس کا اہتمام رہے کہ بس اللہ کے جلال اور جمال پر اور اسکی صفات عالیہ پر نظر رہے نگاہیں نیچی رہیں اور اپنا مقصد نگاہ کے سامنے رہے' جس طرح جب کسی مریض کو ہسپتال لیکر جاتے ہیں تو خود مریض اور اس کے ساتھی ہسپتال کی عالیشان عمارتوں کو دل چسپی سے نہیں دیکھتے بلکہ ان کے سامنے بس مریض کا علاج ہوتا ہے' خصوصی گشت میں اگر دیکھا جائے کہ وہ صاحب جن سے آپ ملنے گئے ہیں اس وقت توجہ سے بات سننے کو تیار نہیں ہیں تو مناسب طریقہ سے جلدی بات ختم کر کے ان کے پاس سے اٹھ جانا چاہئے' اور اگر دیکھا جائے کہ وہ صاحب متوجہ ہیں تو پوری بات ان کے سامنے رکھنا چاہئے' خصوصی گشت میں اکابر کے پاس اگر جایا جائے تو صرف دعاء کی درخواست کی جائے اور ان کی توجہ دیکھی جائے تو کام کا کچھ ذکر کر دیا جائے۔

نمبر۲: جب تعلیم کے لئے بیٹھیں تو نہایت ادب سے بیٹھیں دل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے علم کی عظمت سے دبا ہوا ہو۔ نمبر۳ و نمبر۴ جو وقت دعوت اور تعلیم سے خالی ہو اور کوئی دوسرا ضروری کام بھی اس وقت میں نہ ہو اسمیں نوافل پڑھے جائیں یا قرآن مجید کی تلاوت کی جائے یا تسبیح میں مشغول کیا جائے یا اللہ کے کسی بندہ کی خدمت کی جائے یہ چار کام اس پورے زمانہ میں بطور اصل مقصد کے کئے جائیں گے۔

مجبوری میں چار باتیں

چار باتیں بمجبوری کرنے کی ہیں اور چار باتوں سے روکا گیا ہے۔ پہلی چار باتیں

نمبر ۱ کھانا پینا نمبر ۲ قضاء حاجت نمبر ۳ سونا نمبر ۴ باہم بات چیت کرنا' یہ ناگریز ضروتیں ہیں ان کو بس اتنا ہی وقت دیا جائے جتنا ضروری اور ناگزیر ہو' سونے کے لیے دن رات میں بس چھ گھنٹے کافی ہیں۔

چار باتیں جن سے ہر حال میں بچیں

چار باتیں وہ ہیں جن سے پورے اہتمام سے بچا جائے۔

نمبر ۱: کسی سے سوال نہ کیا جائے بلکہ کسی کے سامنے اپنی کوئی ضرورت ظاہر بھی نہ کی جائے یہ بھی ایک طرح کا سوال ہے۔ نمبر ۲: اشراف سے بھی بچا جائے۔ اشراف یہ ہے کہ زبان سے تو سوال نہ کریں لیکن دل میں کسی بندہ سے کچھ حاصل ہونے کی طمع ہو' گویا بجائے زبان کے دل میں سوال ہو' نمبر ۳: اسراف سے بچا جائے اسراف یعنی فضول خرچی ہر حال میں معیوب اور مضر ہے۔ لیکن اللہ کے راستے میں نکلنے کے زمانہ میں اس کے نتیجے اپنے حق میں بھی بہت برے ہوتے ہیں۔ اور دوسرے ساتھیوں کے حق میں بھی۔ نمبر ۴: بغیر اجازت کسی ساتھی کی بھی کوئی چیز استعمال نہ کی جائے بعض اوقات دوسرے آدمی کو اس سے بڑی ایذا پہنچتی ہے اور یہ شرعاً قطعاً حرام ہیں ہاں اجازت لیکر استعمال کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ بس یہ ہیں ضروری باتیں جن کی پابندی رکھنا اس راستے میں نکلنے والوں کے لیے ضروری ہیں اور آپ لوگوں کے چوبیس گھنٹے ان پابندیوں کے ساتھ گذرنے چاہئیں۔ ان اعمال کی پوری پابندی کرتے ہوئے آپ اللہ کی زمین میں اور اللہ کی مخلوق میں پھریں اور اپنے لیے اور پوری امت مسلمہ کے لیے اور عام انسانوں کے لیے اللہ تعالیٰ سے ہدایت مانگیں بس یہی آپ کا عمل اور آپ کا وظیفہ ہو۔ اگر آپ نے ایسا کیا تو اللہ تعالیٰ جو ارحم الراحمین ہے ہرگز محروم نہیں رکھے گا۔ (سوانح یوسفی)

جب جماعتیں نظام الدینؒ سے جاتی ہیں تو ان کو بہت اہتمام اور بہت تفصیل سے روانگی کے وقت کی ہدایات بتائی جاتی ہیں اور نظام الدینؒ کی مسجد میں ایک بڑے تختہ پر ایک

مضمون چسپاں ہے تاکہ ہر شخص ہر وقت اس کو دیکھا کرے' وہ مضمون حسب ذیل ہے۔

ایک اہم مضمون دینی کام کرنے والوں کے لئے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم' ضروری ہدایت' تبلیغ میں جانے والے حضرات کو خاص طور سے ان امور کی رعایت رکھنی چاہئے۔ ورنہ منافع سے زیادہ نقصان کا اندیشہ ہے۔

(۱)...... ہر کلمہ گو اور علم والے کا دل سے اکرام واحترام کریں' اور اس کی مشق کریں۔

(۲)...... دوسرے کے عیوب سے اپنی آنکھیں بند کریں۔ اپنے عیوب تلاش کرتے رہیں۔

(۳)...... بیان اور تعلیمی حلقوں' اور مجلسوں میں کسی طبقہ یا جماعت یا فرد پر نکیر یا طنز نہ کرنا' جو لوگ جماعت میں وقت نہ لگا سکیں ان کی بھی تنقیص نہ کرنا۔

(۴)...... ہر علاقہ کے بزرگان دین علماء اور مشائخ سے استفادہ کی اور دعا کی نیت سے ملیں اور ہر ایک کے تعلق والوں سے اکرام ومحبت کے ساتھ مل کر کام کریں' کسی پر تنقید نہ کریں۔

(۵)...... تبلیغ اور جماعت میں نکلنے کو دنیوی فائدہ حاصل کرنے کا ذریعہ نہ بنایا جائے بلکہ اپنے حاصل ہوئے مفادوں کو قربان کرنے کی مشق کی جائے۔

(۶)...... بیان میں اپنے کارنامے نہ بیان کئے جائیں' انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور اسلاف علیہم الرحمۃ کے واقعات کے ذریعہ ترغیب دی جائے اور ان ہی کی مددوں کا تذکرہ کیا جائے۔

(۷)...... کرنیوالی ذات صرف خدا کی ہے' دن میں اسکے دین کی انتھک کوشش کر کے راتوں کو تضرع وزاری والحاح کے ساتھ خدا ہی سے اسکی نصرت اور مدد مانگی جائے اور جو کچھ وجود میں آئے اس کا کرم سمجھا جائے۔ فقط

یہ نقشہ کئی سال سے مسجد میں لٹکا ہوا بھی ہے اور آنے والوں کو اس کی طرف توجہ بھی دلائی جاتی ہے جب جماعتیں جاتی ہیں ان کو تفصیلی ہدایات جیسا کہ اوپر گذر چکا اہتمام سے

سمجھائی جاتی ہیں، اور جب کوئی جماعت واپس آتی ہے بہت اہتمام سے اسکی کارگذاری سنی جاتی ہے، اور اس میں جو چیزیں قابل اصلاح ہوتی ہیں ان پر تنبیہ نکیر اصلاح کی جاتی ہے، سہانپور جو جماعتیں آتی ہیں ان لوگوں میں اگر کوئی بے اصولی یا تقریر میں کسی لغزش کی اطلاع مجھے ملتی ہے تو فوراً مرکز کو جماعت کی تفصیل اور اس کے امیر کی تعیین کیساتھ اطلاع کرتا ہوں، اور یہ جماعت جب واپس جاتی ہے تو اس چیز پر خاص طور سے نکیر کی اطلاعیں بھی مجھے ملتی ہیں بندہ کے خیال میں تو اہل مرکز کی یہ رعایتیں اتنے ہمہ گیر کام کے درمیان میں یقیناً قابل قدر ہیں، دور بیٹھے اپنی مجالس یا اخبار و اشتہارات میں یہ کہہ دینا کہ جماعت والے ایسا ایسا کرتے ہیں بندہ کے خیال میں تبلیغ والوں کے لیے کوئی مفید چیز ہے نہیں، معترضین کے لئے شاید ان کی نیک نیتی سے ان کیلئے کوئی موجب اجر ہو یہ بات کہ کوتاہی کرنے والوں پر کوئی تادیبی کارروائی نہیں کی جاتی۔ اس بات کا مفہوم اعتراض کرنے والے ہی اچھی طرح سمجھتے ہوں گے کہ کیا تادیبی کارروائی کی جائے، ان کو کوڑے لگائے جائیں یا جیل خانہ بھیج دیا جائے؟ جہاں تک تنبیہات اصلاحات کا تعلق ہے وہ اوپر کے مضامین سے واضح ہو چکا ہے اس زمانے میں بھی زیادہ تر ہدایات مولانا محمد عمر صاحب پالن پوری فرماتے ہیں اسکی نقل مختصراً کرتا ہوں۔

❁❁❁❁

مولانا محمد عمر پالن پوری رحمۃ اللہ علیہ کی ہدایات

الحمدللہ و کفیٰ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

اللہ تعالیٰ نے سارے انسانوں کے حالات کو اعمال سے جوڑا ہے، چیزوں سے نہیں جوڑا اور اعمال کو اعضاء سے جوڑا ہے اور اعضاء کو دل سے جوڑا ہے اور دل خدا کے قبضے میں ہیں' اگر دل کا رخ اللہ کی طرف ہو جائے تو اعمال اللہ کے لیے ہو کر حالات دنیا و آخرت کے بنیں گے۔ حتیٰ کہ بیوی کے منہ میں لقمہ بھی ڈالے تو صدقہ کا ثواب لے اور اگر دل کا رخ غیر اللہ کی طرف ہو اعمال غیر اللہ کے لیے ہو کر حالات خراب ہونگے حتیٰ کہ سخی شہید اور قاری بھی ہو تو دوزخ میں جائے گا۔ لہٰذا سب سے زیادہ ضرورت اس بات کی ہے کہ دل کا رخ اللہ کی طرف ہو' اسے ہدایت کہتے ہیں جو ایک نور ہے جو انسان کے دل میں ڈالا جاتا ہے جیسے سورج کی روشنی سے چیزوں کا نفع نقصان نظر آتا ہے' خارجی چیزوں کے نفع ونقصان کے دکھانے کے لیے خارجی روشنی چاند و سورج کی ہے اور داخلی اعمال کے نفع ونقصان دکھانے کے لیے داخلی نورِ ہدایت اللہ نے پیدا کیا۔ دل میں ہدایت کا نور ہو' تو امانت اور سچائی میں نفع نظر آئے گا' اور خیانت اور جھوٹ میں نقصان نظر آئیگا' اور اگر ضلالت کا اندھیرا ہو تو اعمال کا نفع ونقصان نظر نہیں آتا' لہٰذا جب اعمال بگڑتے ہیں' تو حالات خراب ہوتے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ ہر انسان کو سب سے زیادہ ضرورت ہدایت کی ہے' اور ہدایت خدا کے قبضے میں ہے۔ اِنَّکَ لَاتَھْدِی مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہُ یَھْدِی مَنْ یَشَآءُ وَھُوَ اَعْلَمُ بِالْمُھْتَدِیْن ''خدا سے ہدایت لینے کے لیے سوائے دعا کے اور کوئی راستہ نہیں ہے، اس لیے اللہ نے سب کے لیے مشترکہ دعا ''سورۂ فاتحہ'' میں ہدایت کی تجویز کی۔ کسی دعا کا مانگنا اتنا ضروری نہیں کیا جتنا کہ ہدایت کی دعاء کا مانگنا ضروری کیا' روزانہ ہر نمازی چالیس پچاس مرتبہ یہ دعا مانگتا ہے' لیکن یہ دنیا دارالاسباب ہے اس لیے جو دعا مانگی جائے اس کے لیے اسباب اختیار کیے جائیں، شادی کر کے اولاد کی دعا مانگی جاتی ہے، کھیت میں ہل

چلا کر کھیتی میں برکت کی دعا مانگی جاتی ہے، ایسے ہی ہدایت کی دعا کے ساتھ محنت کرنا بھی ضروری ہے۔ اگر مجاہدہ کیا جائے تو اللہ کی طرف سے ہدایت کا وعدہ ہے۔ ''**وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا** الآیۃ'' تو دو چیزیں ہوئیں، ایک طرف مجاہدہ ہو دوسری طرف دعا ہو تو اللہ کی ذات سے ہدایت ملنے کا یہ قوی ذریعہ ہے' مجاہدہ انفرادی ہو تو ہدایت انفرادی ملے گی اعمال انفرادی طور پر بنیں گے حالات بھی انفرای بنیں گے اور مجاہدہ اجتماعی ہو تو ہدایت اجتماعی زندہ ہوگی تو اعمال بھی مجموعہ کے بنیں گے تو حالات بھی اجتماعی طور بنیں گے' ان جماعتوں کا خدا کے راستہ میں نکلنا اسی مجاہدہ کیلئے ہے اور جو لوگ گھروں پر واپس جا رہے ہیں وہ بھی مقامی کام کریں یعنی ہفتہ کے دو گشت روزانہ کی تعلیم مسجد میں اور اپنے گھر کی عورتوں اور بچوں میں بھی فضائل کی کتاب پڑھیں، تا کہ دین پر چلنے کا شوق پیدا ہو' اور ماہانہ تین دن اطراف کے دیہاتوں میں جاویں اور ہفتہ واری اجتماع میں رات گزاریں۔ یہ چند کام اجتماعی ہیں اس کے علاوہ ہر آدمی کم سے کم چھ تسبیحیں پوری کرے' اور قرآن پاک کی تلاوت کرے اور فرض نمازوں کے علاوہ نفلی نمازیں جتنی نبھا سکے اسے کرے چونکہ واپس جا رہے ہیں ایسے واپس جانے والے بھی غور سے سنیں۔

مجاہدہ کیا ہے؟

اب سنو مجاہدہ کیا ہے؟ مجاہدہ یعنی اپنے آپ کو رضاء الٰہی کیلئے اعمال میں مشغول رکھنا' یوں دین میں بہت سے اعمال ہیں لیکن چند بنیادی اعمال میں رضاء الٰہی کے جذبے سے اللہ کے یقین کے ساتھ اپنے آپکو مشغول رکھنے سے دین کے بقیہ اعمال پر چلنے کی استعداد پیدا ہو جاتی ہے' وہ بنیادی اعمالِ مساجد ہیں یعنی اپنے آپکو مجالسِ ایمانیہ میں تعلیم کے حلقوں میں نمازوں میں، اذکار میں اور دعوت میں آخرت کے تذکروں اور خدمت گزاری میں دعاؤں میں رضاء الٰہی کے جذبہ سے مشغول رکھنا، یہ اعمال مطلوب مجاہدہ ہیں، یعنی نفس کیخلاف ہیں' مطلوب مجاہدہ مطلقاً تکلیف اٹھانے کا نام نہیں ہے' یہ تکلیف تو نفس کے مطابق ہے، مجاہدہ کی طرف نفس آنے نہیں دیتا۔

نفس انسان کا سب سے بڑا دشمن ہے، نفس کا سب سے پہلا کام یہ ہے کہ وہ انسان کو چیزوں سے جوڑے رکھے، اعمال کی طرف نہ آنے دے اور اگر کوئی آدمی اعمال کی طرف آ جائے، تو نفس اعمال پر جمنے نہیں دیتا، اسی وجہ سے تعلیم، بیان یا ذکر اور تلاوت سے نفس آدمی کو کسی بہانے سے اٹھا کر بازار میں لے جاتا ہے اور اگر کوئی آدمی ان اعمال میں جم گیا تو یہ نفس کھانا کھانے اور استنجاء کرنے اور سونے کے وقت ادھر ادھر کے تذکروں کے ذریعہ اور خیالات کے ذریعہ سارے اعمال کا نور ختم کراتا ہے۔ اور اگر کوئی اس میں بھی سنت پر جمارہا تو پھر نفس گھروں پر واپس لوٹنے کے بعد کاروباری مشاغل اور گھریلو مشاغل میں اتنا گھیرتا ہے کہ آدمی مقامی تعلیم، گشت، اذکار وعبادات چھوڑ بیٹھتا ہے اور اگر کوئی آدمی مقامی طور پر بھی اعمال میں جمایعنی کاروباری وگھریلو مشاغل کے ساتھ ساتھ تعلیم وگشت واذکار وعبادات ومشوروں میں فکر سے لگارہا تو نفس کا آخری حربہ یہ ہوتا ہے کہ اب وہ اعمال سے نہ روکے گا بلکہ ان اعمال کو اللہ کے لیے ہونے کے بجائے اپنے لیے کرائے گا، یعنی ان اعمال سے لوگوں میں عزت ہوگی، شہرت ہو گی، لوگ برکت کے لیے گھر پر لیجائیں گے، تعلقات میں وسعت ہوگی، دنیاوی اغراض پوری ہونگی الغرض ان اعمال کو اللہ کے لیے ہونے کے بجائے اغراض کے لیے کرانے کی کوشش کرے گا لہٰذا یہ اعمال اگر کسی دنیاوی غرض سے ہوں تو پھر مجاہدہ دینیہ نہیں رہتا۔

یہ اعمال اسی وقت دینی مجاہدہ بنتے ہیں، جب خالص اللہ کے لیے ہوں، تب ہی ان میں طاقت آتی ہے اور اللہ کی نسبت کا نور آ کر ہدایت کا ذریعہ بنتے ہیں، نفس کا یہ حربہ موت تک چلتا رہتا ہے، اس لیے ہمارا پہلا کام تو یہ ہو کہ چیزوں کو قربان کر کے اعمالِ مساجد کے عادی بنیں اور اس کے ساتھ بار بار اپنی نیت ٹٹولتے رہیں، یہ فکر موت تک لگی رہے، اگر نیت میں اخلاص نظر نہ آوے تو بھی ان اعمال میں لگے رہیں فکر کرتے رہیں تو کرمِ الٰہی سے امید ہے کہ وہ اخلاص مرحمت فرماویں گے، بے فکر نہ ہوں، ان اعمال میں مشغولی کی ترتیب کیا ہو جماعت جب روانہ ہو تو امیر مامور ایک دوسرے کو پہچان لیں، ہر ساتھی کی نوعیت سامنے ہو۔

امیر اور اس کی اطاعت

امیر کی اطاعت ضروری ہے، جب تک کہ امیر قرآن وحدیث کے مطابق کہے اس کی بات مانی جائے بلکہ امیر کو صراحۃً کہنے کی ضرورت نہ پڑے بلکہ جماعت اشاروں اور منشاء کو دیکھ کر کام میں لگنے کی کوشش کرے امیر کی اطاعت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت آسان ہوگی اللہ کی اطاعت آسان ہوگی، لیکن امیر اپنے آپ کو سب کا خادم جانے اور مامورین امیر کو اپنا بڑا جانیں، جس آدمی کو خود امیر بننے کا شوق ہو اسے امیر نہ بنایا جائے۔ اللہ ایسے امیر کو اس کے نفس کے حوالے کر دیتے ہیں جو آدمی امیر بننے سے واقعی ڈر رہا ہو وہ امیر بنانے کے لائق ہے جو خود امیر بننا نہیں چاہتا اسے مشورہ کر کے امیر بنایا جائے تو اللہ اس کے ساتھ ایک فرشتہ مقرر کرتے ہیں تا کہ اسے سیدھا چلاوے یعنی اس کے ساتھ غیبی تائید ہوتی ہے' حضرت جی دامت برکاتہم (مولانا انعام الحسن صاحب اس وقت حیات تھے) ارشاد فرمایا کرتے ہیں امیر امیر ہے آمر نہیں ہے یعنی اس کے ساتھ ہمیشہ امر کا فکر لگا ہوا ہو' امیر حاکمانہ لہجہ سے کام نہ لے بلکہ ترغیب دے کر لوگوں سے دینی کام کرادے۔ اب جماعت میں نکل کر چوبیس گھنٹے کیسے گذاریں۔ جماعت میں ایک دو ساتھی انتظامی کام کے لیے طے ہو جائیں تا کہ ساری جماعت کا ذہن اعمال کے لئے فارغ رہے وہ دو ساتھی ریل یا موٹر کی تحقیق کریں۔

سفر میں کیا کریں؟

باقی ساری جماعت پلیٹ فارم پر اپنی تعلیم میں مشغول رہے' ایسے عمومی مقامات پر تعلیم میں ایمانیات' اخلاقیات' عبادات اور آخرت اور انسانیت کے تذکرے ہوں ...... تا کہ جو بھی سنے اسے فائدہ ہو اور صحیح انسانیت کی فضا بنے' ریل میں ایک بوگی میں سوار نہ ہو سکیں تو دو تین بوگیوں میں ہو جائیں' اور ریل کے وقت کا نظام بنالیں۔ تعلیم' تلاوت' اذکار اور وقت پر نمازوں کا جماعت کے ساتھ پڑھنا چاہئے دو۲ دو۲ آدمی جماعت کریں۔ پلیٹ فارم پر ریل کے زیادہ رکنے

کا یقین ہو تو اتر کر نماز با جماعت پڑھیں اس سے مجموعی عبادت کی فضاء بنتی ہے۔

لیکن اگر ریل کے زیادہ دیر رکنے کا یقین نہ ہو تو اپنی ہی بوگی میں دو۲ دو۲ آدمی جماعت کر کے نماز پڑھیں صرف فرض اور وتر اور صبح کی سنتیں پڑھیں اور باقی سنتیں اور نفلیں چھوڑ دیں تا کہ مسافروں کو تکلیف نہ ہو' فرض بھی مختصر پڑھیں' فجر کی اذان کے وقت مسافر سوئے ہوتے ہیں اس لیے اذان دھیمی آواز سے دیں۔ ریل میں ساتھیوں کو فکر مند بنایا جائے تا کہ آگے جا کر وقت اچھا گذاریں۔ ریل سے اترنے سے پہلے ایک ساتھی ایسا مقرر کریں جو پیچھے دیکھ لے کہ کسی کی کوئی چیز چھوٹ گئی ہو تو اتار لے۔

جب بستی آجائے......

ریل سے اتر کر شہر میں داخلہ سے پہلے سارے ساتھی دعا کر لیں' لیکن سامان بیچ میں رکھیں تا کہ گم نہ ہو جائے۔ بستی دیکھنے کی جو مسنون دعا ہے وہ پڑھیں تو زیادہ اچھا ہے ورنہ اس وقت کے مناسب دعا مانگیں' دعا مانگنے سے پہلے ساتھیوں کا مختصر سا ذہن بنایا جائے کہ راستہ میں نظریں نیچی کرتے ہوئے اللہ کا ذکر کرتے ہوئے چلیں تا کہ کسی غیر محرم عورت یا تصویروں پر نگاہ نہ پڑے۔ نگاہ کے راستے سے دل میں خرابی جاتی ہے۔ مسجد میں جاتے ہوئے پہلے بائیں پیر کا جوتہ نکالیں پھر داہنے پیر کا' لیکن مسجد میں پہلے دایاں پیر داخل کریں پھر بایاں پیر داخل کریں اور داخلہ کی دعا پڑھ لیں اور اعتکاف کی نیت کر لیں اور بستر اگر خارج مسجد کا کمرہ ہو تو اس میں رکھیں ورنہ مسجد میں کسی کونے پر ایسی ترتیب سے رکھیں کہ نمازیوں کو تکلیف نہ ہو پھر وضو کر کے اگر وقت مکروہ نہ تو دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھ کر سارے ساتھی مشورہ میں بیٹھ جائیں' مشورہ میں چوبیس گھنٹے کا نظام بنالیں اور ساتھیوں کے ذمہ کام تقسیم کریں' دو۲ باتیں بہت فکر سے سوچیں (۱) اس بستی سے جماعت کیسے نکلے؟ (۲) یہاں مقامی کام کیسے چالو کیا جائے؟ اس کے لیے سارے ساتھیوں کو فکر مند کریں، مقامی احباب کو بھی شریک کیا جائے' تا کہ بستی کی صحیح نوعیت سامنے آسکے۔ یہاں تعلیمی

گشت ہو رہا ہے کہ نہیں' لوگ اوقات گذارنے والے ہو گئے ہیں یا نہیں' یا ان میں سے کسی کے جماعت میں نکلنے کے وعدے ہیں یا نہیں' اس اعتبار سے محنت ہو گی۔

مشورہ کے آداب

سب سے پہلے مشورہ یہ کیا جائے کہ کھانا کون پکائے کیونکہ اپنا کھانا کھا کر کام میں جان پیدا ہوتی ہے۔ کھانا پکانے کے لیے آدمی طے کر کے پھر خصوصی گشت کی جماعت بنائی جائے۔ مشورے میں ایک ہی کام روزانہ ایک ہی آدمی کے سپرد نہ ہو بلکہ بدل بدل کر ساتھیوں کو کام دیئے جائیں تاکہ ہر عمل کی ہر ساتھی کو مشق ہو ہر ساتھی دعوت دینے والا بنے' تعلیم کرنے والا بنے' گشت کرنے والا بنے' کھانا پکانے والا بنے' تاکہ دوسری جماعت چلا سکے' مشورہ میں امیر جس سے رائے مانگے ، وہ رائے دے' سب ساتھی بہت فکر سے مشورہ کریں لاابالی پن نہ ہو' رائے دینے والا چند باتوں کا لحاظ رکھے، ایک تو یہ کہ رائے دینے میں کام کی اور ساتھیوں کی رعایت ہو۔ یعنی نفسانیت نہ مثلاً خود کے سر میں درد ہے' سونا ہے لیکن کام کا اور ساتھیوں کا فائدہ تعلیم میں ہے تو یہ رائے نہ دے کہ سب سو جائیں' یہ رائے نہ دے یہ خیانت ہے' رائے تو تعلیم کی دے اور جب تعلیم شروع ہو تو امیر سے اجازت لے کر اپنی معذوری کی بناء پر آرام کرے۔ لیکن رائے میں صرف اپنی وجہ سے سونے کی رائے نہ دے' دوسرے یہ کہ رائے میں کسی ساتھی کی رائے کے کاٹ کا انداز نہ ہو' اختلافی رائے میں اگرچہ حرج نہیں ہے' لیکن کاٹ کا انداز نہ ہو مثلاً کسی نے رائے دی کہ ابھی آرام کرنا چاہئے آپ کی رائے تعلیم کی ہے تو سیدھی سادھی تعلیم کی رائے دو فائدہ بتاؤ نہ یہ کہو کہ کیا یہ آرام کا وقت ہے؟ گھروں سے سونے کیلئے آئے ہو' اس سے ساتھی کا دل دکھے گا۔

تیسرے یہ کہ رائے میں تحکم کا انداز نہ ہو مثلاً یوں کہے'' ابھی سوائے تعلیم کے اور کیا ہوگا، تعلیم ہی ہونی چاہئے اور کچھ نہ ہونا چاہیے'' گویا امیر پر حکم دیا جا رہا ہے یہ بھی غلط ہے۔ امیر جب فیصلہ دے تو ساری رایوں کا احترام کرتے ہوئے فیصلہ دے۔ امیر کثرت رائے

پابند نہیں ہے سب رایوں کے بعد جو اللہ اس کے دل میں ڈالے اس کے مطابق فیصلہ دے لیکن سارے ساتھیوں کی رائے کا احترام کرے۔ مثلاً بعضوں کی رائے سونے کی ہے اور بعضوں کی رائے تعلیم کی ہے امیر کے ذہن میں تعلیم کا فیصلہ دینا ہے تو یوں کہے کہ بھائی جماعت تھکی ہوئی ہے آرام ضروری ہے اگر جماعت بیمار پڑ گئی تو کام کیسے ہوگا' دن کو اگر آرام کرے تو تہجد میں اٹھنا بھی آسان ہوتا ہے اس لیے آرام بھی بہت ضروری ہے جیسا کہ ہمارے بھائیوں نے مشورہ دیا۔ لیکن یہ بستی نئی ہے آتے ہی سونے سے ہی ہماری مجبوری نہ جان سکیں گے اور بدظن ہو جائیں گے۔ اس لیے میری رائے یہ ہے کہ پہلے تھوڑی تعلیم ہو جائے پھر آرام کر لیں گے۔ اس طرح ساتھیوں کا جوڑ باقی رہتا ہے۔

اب امیر کے فیصلے کے بعد سارے ساتھی خوشی خوشی کام میں لگیں کوئی ساتھی اپنی رائے کو وحی منزل من السماء نہ جانے اور اصرار نہ کرے بلکہ امیر کا فیصلہ جس کی رائے کے مطابق ہو وہ تو ڈر جائے کہ کہیں میرے نفس کا چور میری رائے میں نہ ہو اور خوب فکر مند ہو کر دعا خیر مانگے اور جس کی رائے کے خلاف امیر کا فیصلہ ہو تو خوش ہو جائے کہ کم از کم میرے نفس کے چور سے یہ مشورہ محفوظ رہا' اور خوب اہتمام سے کام میں لگ جائے۔

برقت کھانے کا اہتمام اپنا انتظام ضروری ہے

تاکہ خصوصی گشت سے پہلے اپنے کھانے کا انتظام کرنے کے لیے آدمی مقرر ہو جائے۔ اگر کھانے کا نظم نہ کیا اور خصوصی گشت میں گئے تو چودھری صاحب سب سے پہلے کھانے کے بارے میں پوچھیں گے تو آواز دھیمی نکلے گی دعوت کی جان نکل جائیگی اس لیے ہر جماعت اپنے ساتھ اپنا توا' پرات اور برتن ساتھ رکھے' اور اگلے گاؤں میں جانے سے پہلے والے گاؤں سے ہی آٹا' چاول خرید لے تاکہ دوسرے گاؤں میں پہنچ کر خریدنا نہ پڑے' جماعت والوں کا کمال یہ ہے کہ اپنا کھانا پکا دیں اور گاؤں والوں کا کمال یہ ہے کہ مہمانوں کو کھانا کھلا دیں ضیافت

کی صفت اگر کسی علاقہ میں ہے تو اسے ختم نہیں کرنا ہے، لیکن جماعت والے اپنی ضیافت...... کام میں لگنے کو بتائیں۔ یعنی ہمارے گشت و تعلیم و خطاب میں ساتھ دو اور گاؤں سے چلہ تین چلہ کی جماعت تیار کراؤ، یہ اصل ضیافت ہے اس ساری محنت میں شرکت کے ساتھ اگر کھانے کی ضیافت کی جائے تو ہوسکتا ہے کہ جماعت والے مختلف پہلوؤں پر غور کر کے ایک آدھ وقت کی قبول کریں جماعت والے حضرات اس پر غور کریں کہ اگر دعوت نہ کھانے میں اپنی محنت کا فائدہ ہے کہ لوگوں میں زیادہ اثر پڑے گا اور دین سے قریب ہونگے تو اکرام باقی رکھتے ہوئے دعوت نہ کھائے۔ مثلاً یہ کہے کہ تم ہی فکر مند ہو لہٰذا تم ہمارے ساتھ ہی جماعت نکلوانے کی محنت کرو اگر کھانا پکانے میں لگ گئے تو کام رہ جائے گا لہٰذا کھانا تو دونوں وقت کا پک چکا ہے اور تمہیں خدا جزائے خیر دے اب تو ہم سب کام کی فکر کریں یا اس قسم کی اور کوئی اکرام کی بات کر کے ٹال دیں۔

اور اگر یہ معلوم ہو کہ کھانا کھانے سے اور ضیافت قبول کرنے سے بستی کے لوگ قریب ہونگے تو اپنے آپ کو اشراف سے بچاتے ہوئے ایک آدھ وقت کا قبول کریں یا اپنا اور میزبان کا کھانا ساتھ کر کے سب ساتھ بیٹھ کر مسجد میں کھالیں الغرض قبول نہ کرنے میں اکرام ملحوظ رہے اور قبول کرنے میں اپنے کو اشراف سے محفوظ رکھنے کی کوشش کریں جماعت والوں میں اپنا کھانے کا جذبہ ہو اور گاؤں والوں میں کھلانے کا جذبہ ہو۔

خصوصی گشت کے آداب

خصوصی گشت کے لئے تین چار احباب جاویں۔ ان ہی میں سے ایک مقامی بھی ہو۔ خصوصی گشت بااثر لوگوں میں کرتے ہیں۔ اگر کوئی دینی اعتبار سے بااثر ہوں مثلاً بزرگ ہیں عالم ہیں پیر ہیں شیخ ہیں۔ اس قسم کے بااثر حضرات کے پاس ان کے ملنے کے اوقات میں جانا چاہئے بے وقت نہ پہنچے جس سے ان کے معمولات میں حرج نہ ہو۔ ان کی خدمت میں دعوت دینے کی نیت سے نہ پہنچیں، اگر صرف ظاہر داری ہو اور اندر سے استفادہ کی نیت نہ ہو تو فائدہ نہ

ہوگا' بلکہ اس سے اللہ والے کے قلب میں بھی تمہاری طرف تکدر کا خطرہ ہے اس لیے استفادہ کی نیت جاویں۔ اگر متوجہ ہوں تو سفر کے حالات مختصر سنائے جائیں۔ امت کے حالات سنائے جائیں اور کام کا فائدہ سنایا جائے۔ تا کہ ان کا قلب دعا کی طرف متوجہ ہو اس سے ہمارا کام بنے گا۔ لیکن کسی فرد یا گاؤں کی برائی نام لے کر نہ بیان کریں اگر وہ بزرگ متوجہ نہ ہوسکیں تو تھوڑی دیر بیٹھ کر دعا کی درخواست کر کے واپس آ جائیں تو بھی خصوصی گشت ہو گیا اور اگر کسی دنیاوی لائن کے بااثر آدمی کے پاس جانا ہو مثلاً چودھری صاحب یا کوئی بڑے تاجر یا سرمایہ دار کے پاس جانا ہو تو اس میں اپنی حفاظت کی بہت ضرورت ہے۔ ان کی مادی چیزوں کا دل پر اثر نہ پڑے ورنہ ہم بجائے داعی ہونے کے مدعو ہو جائیں گے۔ نظریں نیچی کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہوئے جائیں ایک ساتھی کو خصوصی گشت میں امیر بنا دیں۔ ان سے جا کر موقع محل کی مناسبت سے بات چیت ہو' لیکن چھ نمبروں کے اندر رہ کر بات ہو' کوئی اختلافی یا سیاسی بات نہ ہو، کسی کی حمایت یا مخالفت کی بات نہ ہو ان صاحب کو جتنے وقت کے لئے آمادہ کیا جا سکے آمادہ کیا جائے۔ اور اگر متوحش ہونے کا خطرہ ہو تو کم سے کم مسجد میں اعلان کریں یا اپنا کوئی آدمی گشت میں ساتھ کریں۔ اسی پر لایا جائے بشرطیکہ ان کا اعلان یا ان کے آدمی کا گشت میں شریک ہونا دینی مصلحت کے خلاف نہ ہو۔

خواص سے بات

خواص کے سامنے ایک دم سے تکلیف اٹھانے کی بات کے بجائے آخرت میں ہمیشہ کی عزت اور اکرام کا ایسا تذکرہ ہو کہ اس کے لیے اپنی محنت میں تکلیف اٹھانے کی بات سے اور قربانی کی بات سے تبشیر ہو تنفیر نہ ہو' تیسیر ہو تعسیر نہ ہو' "بَشِّرُوا وَلَا تُنَفِّرُوا يَسِّرُوا وَلَا تُعَسِّرُوا" کی رعایت ہو' یہی بات عمومی گشت اور تعلیم اور بیان اور تشکیل میں ہر جگہ ملحوظ رہے۔ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اس کی رعایت ہر جگہ ہو' دوسرا عمومی گشت یہ ہماری دعوت میں ریڑھ کی ہڈی ہے۔

عمومی گشت کے آداب

عمومی گشت میں یہ بات ملحوظ رہے کہ جس نماز کے بعد عمومی بیان کرنا ہے اس نماز سے پہلے والی نماز میں جماعت مسجد میں ہو' یہ مقامی طور پر گشت میں بھی ملحوظ رہے۔ مثلاً مغرب کے بعد بیان ہے تو عصر کی نماز میں جماعت موجود ہو بعض مرتبہ مقامی گشتوں میں صرف اعلان کر دیا جاتا ہے کہ آج عشاء سے پہلے گشت ہے کھانا کھا کر آ جانا' لوگ اپنی فرصت میں آتے ہیں' رواروی والا گشت ہوتا ہے' سالہا سال سے گشت کے باوجود نمازیوں کی تعداد نہیں بڑھتی صرف وقت گذاری سی ہو جاتی ہے (نہ ہونے سے تو اتنا ہونا بھی بہتر ہے) لیکن اس سے دینی ماحول نہیں بنتا۔ مثلاً مغرب کے بعد خطاب کرنا ہے تو عصر کی نماز کے بعد جم کر اعلان اور ترغیب اور لوگوں سے یہ کہا جائے عصر سے عشاء تک کا وقت کون کون فارغ کرتا ہے۔ جیسے تین چلوں کی تشکیل ہوتی ہے۔ اسی طرح عصر سے عشاء تک وقت لے لو جو لوگ اتنا وقت دیں انہیں آگے کر دو باقی لوگوں پر اصرار نہ ہو' انہیں جانے دو لیکن یہ کہا جاوے کہ اگلی نماز میں فارغ ہو کر آئیں' اور دوسروں کو بھی دعوت دے کر لا دیں' جو لوگ عصر سے عشاء تک فارغ ہو کر بیٹھ گئے اب ان کا وقت امانت ہے سب کو اعمال میں لگایا جائے اگر لوگ زیادہ ٹھہر گئے تو جتنی عمومی گشت کی جماعتیں بنانے کی ضرورت ہو اتنی بنائی جائیں اگر ان لوگوں سے معلوم ہو کہ قرب و جوار میں خواص سے بھی ملا جا سکتا ہے تو بقدر ضرورت خصوصی گشت کے لئے بھی تین تین چار چار آدمیوں کی جماعتیں بنا کر بھیج دیں تاکہ خواص کے گھروں پر، قیام گاہوں پر جا کر اپنی پوری دعوت سمجھا کر نقد بیان میں لانے کی کوشش ہو پھر مسجد میں جو لوگ بچ جائیں ان میں ایک ساتھی جم کر دعوت والی بات کرے۔ کچھ ساتھی ذکر و دعاؤں میں لگیں' کچھ احباب نئے لوگوں کے لئے فارغ رہیں کہ باہر سے جو نئے احباب مسجد میں بھیجے جائیں انہوں نے اگر نماز نہ پڑھی ہو تو استنجاء وضو کرا کر اس وقت کی فرض نماز پڑھا کر دعوت والے حلقہ میں بٹھا دیں اور آخر تک ان کی نگرانی کرے۔ ان کا جی لگائے ان کی

تشکیل کا فکر ہو عمومی گشت رواروی کے ساتھ نہ ہو بلکہ فکر اور اہتمام سے ہو جماعت دس آدمیوں کے لگ بھگ ہو ایک امیر بنایا جائے ایک مقامی رہبر بنایا جائے۔ ایک متکلم ہو دعا مانگ کر سب گشت میں چلیں، سب مل جل کر چلیں، نظریں نیچی ہوں، زبان سے ذکر اللہ ہو رہبر جس کے پاس لے جائے متکلم اس سے بات کرے امیر کا کام یہ ہے کہ سب کو جوڑے رکھے رہبر کو سمجھا دیا جائے کہ وہ لوگوں کے عیب نہ بتا دے کہ دیکھو یہ بے نمازی ہے یہ شرابی ہے ایسا نہ کہے صرف ملاقات کرادے۔ متکلم مزاج شناسی، موقع شناسی مردم شناسی کی رعایت کے ساتھ بات کرے اس کا اکرام بھی باقی رہے اور اللہ کی بات بھی پہنچ جائے بات میں طعن کا انداز نہ ہو، نرم لہجے سے بات کرے صرف اعلان درجہ نہ ہو کہ فلاں نماز کے بعد بیان ہوگا آ جائیو صرف اتنا نہ ہو بلکہ اس طور پر بات کرے کہ وہ آدمی نقد مسجد کی طرف چل دے، زیادہ لمبی تقریر بھی نہ ہو۔

متکلم کی بات

گشت میں ایسے معین لفظ نہیں جو ہر موقع پر چل جائیں تخمینا یہ الفاظ ہیں کہ بھائی ہم اور آپ مسلمان ہیں ہم نے کلمہ پڑھ کر اللہ کی بات ماننے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے پر چلنے کا اقرار کیا ہے۔ اسی سے دنیا و آخرت میں ہمیں کامیابی ملے گی لیکن اس کے لیے ایک محنت درکار ہے اسی کے سلسلے میں جماعت آئی ہے مسجد میں ہمارے ساتھی اسی سلسلہ میں ابھی بات کررہے ہیں لہذا آپ مسجد تشریف لے چلیں فلاں نماز کے بعد اسی محنت کو تفصیلی طور پر کھولا جائے گا۔ بعض موقع پر کلمہ بھی سنا جائے تو حرج نہیں ہے۔ ہر موقع پر سنا جائے کبھی ان الفاظ میں حسب موقع کمی و بیشی کرسکتے ہیں، مسجد کی طرف جانے کے لیے جتنے احباب آمادہ ہو جائیں ان کے ساتھ اپنا ایک آدمی لگا کر بھیجا جائے۔ اگر مسجد کی طرف جانے کو کوئی صاحب آمادہ نہ ہوں تو ان کو اپنے ساتھ گشت میں لے لیں، اگر اس کے لیے بھی آمادہ نہ ہوں تو اگلی نماز کے بعد بیان میں شرکت کا وعدہ لے لیا جائے اور کہا جائے کہ دوسروں کو بھی لانا۔ یہ آخری درجہ کی چیز ہے ورنہ اصل

تو نقد مسجد میں لانا ہے اس گشت کے ذریعہ غفلت کی جگہ میں یادالٰہی کی مشق کرنی ہے۔ تواضع اور صبر کو سیکھنا ہے اکرام ملحوظ رکھتے ہوئے حکم الٰہی کے پہنچانے کی مشق کرنی ہے اس میں اپنی اصلاح کی نیت ہو وے، گشت میں کشیدگی کی نوبت نہ آئے بلکہ لوگوں کو نرمی سے مانوس کرنے کی سعی ہو، گشت کے ذریعے پورے گاؤں میں چہل پہل ہو' رات کا بیان مقامی احباب کے مشورے سے مغرب کے بعد عشاء کے بعد جب بھی طے ہوا ہو اس میں خطاب کرنے والے کا پہلے سے مشورہ ہو۔

مطالبے والا بیان

بیان میں چھ نمبروں کے اندر رہ کر بات ہو' دنیا کی بے ثباتی اور آخرت کا عظیم الشان اور پائیدار ہونا جم کر کہا جائے' انبیاء علیہم السلام اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے صحیح واقعات بیان کر کے آخر میں چار چار ماہ کا مطالبہ ہو' اس بیان میں جماعت کے سارے ساتھی بھی متفکر ہو کر بیٹھیں' اکیلے مقرر کے حوالہ نہ ہو، مقرر کو کھڑا کر کے ساتھی اپنے آرام یا چائے وغیرہ کی طرف متوجہ نہ ہوں' مقرر پوری جماعت کی زبان ہے سب ملے جلے ہوں تو زبان کا اثر ہوگا نماز کے بعد اعلان کر کے مختصر سی سنتیں پڑھ کر سارے ساتھی خوشامد کر کے مجمع کو جوڑیں اس اجتماعی عمل کے موقع پر اپنا انفرادی عمل ذرا موٴخر کر دے۔ مثلاً مغرب کے بعد کے اوابین سے پہلے مجمع جڑنے کا فکر ہو' پتہ نہیں اس مجمع میں سے کتنے آدمی دین کی دعوت پر یا فرائض پر کھڑے ہو جائیں یہ نوافل سے بدرجہا بہتر ہے لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ نوافل ترک کر دیئے جائیں' بلکہ جب سارا مجمع جڑ جائے تو ساتھی دو ۲ دو ۲ تین ۳ تین ۳ کر کے الگ کونے میں جا کر اپنی اوابین بھی باری باری سے پڑھ لیں تا کہ اجتماعی اور انفرادی کام یکے بعد دیگرے سب ہوں' نوافل و اذکار کے اہتمام میں بھی فرق نہ پڑے بلکہ اہتمام اور زیادہ ہو جائے۔ بیان کے بعد تشکیل کے وقت کچھ دیر منتظر رہے تا کہ لوگ اپنے چلہ تین چلہ بولیں پھر ساتھی حلقہ بنا بنا کر مقامی احباب کی تشکیل کریں' ان کے اعذار کا حل بتا دیں ان کے اعذار سن کر مرعوب نہ ہوں بلکہ حکمت سے اس کا حل بتا دیں۔ دینی محنت اتنی

ہی اہمیت کے ساتھ سامنے آوے کہ آدمی اعذار کا حل خود ہی نکالے لیکن اعذار کا جواب دینے میں مجذوب بھی نہ بنیں' وہ تو کہہ رہا ہے کہ میری بیوی بیمار ہے اور آپ کہہ رہے ہیں کہ مرنے دے' دین اجڑ رہا ہے نکل جا یہ کہنا بالکل غلط ہوگا' آئندہ اس قسم کا آدمی بیان میں بھی نہیں آئے گا' اس کے عذر اور تکلیف میں ہمدردی کا اظہار ہو اور سنجیدگی کے ساتھ شریعت کی حدود کی رعایت کے ساتھ اس کا حل بتایا جائے' تھوڑے وقت کے نام بولے جائیں حتیٰ کہ تین دن اور ایک دن بھی کوئی دے تو قدر دانی کے ساتھ نام لیا جاوے اور وقت اچھا گذروایا جاوے تو وہی تین چلہ کا بن جائے گا جو نام آوے ان کا وقت اور پتہ بھی لکھ لیا جائے۔ اور صبح کو وصولیوں کا گشت کر کے جماعت نقد نکالی جائے' اور روانہ کر دیا جائے ساتھ میں پرانا آدمی لگایا جائے۔ روانہ کرتے وقت اصول وآداب مختصر سے بیان کئے جائیں۔ اگر ایک دن میں جماعت نہ نکل سکے تو اسی بستی میں دوسرے دن ٹھہر جاؤ۔ جماعتیں جماعتوں کو نکالیں۔ یہ اصل ہے اور اجتماعات سے جماعتوں کا نکلنا یہ ثانوی درجہ ہے۔ جو جماعت نکل جائے یہ آپ کی محنت کا خلاصہ ہے۔

چند کام تجربہ کے

جماعت کے نکالنے میں چند کام تجربہ میں آئے۔ ایک تو جماعت اپنا کھانا پکائے تو آسانی سے جماعت نکلتی ہے' دوسرے گاؤں میں وصولی کا گشت کرے۔ پہلے سے جن کے وعدے ہوں یا اب نکلنے کا وعدہ کیا ہو انہیں گھروں پر جا جا کر تیار کرنا اور دیگر موقعوں پر بھی تشکیل جاری رہے۔

مقامی کام

جنہوں نے باہر جانے کے نام لکھوائے اس کے علاوہ جو مجمع میں بچ جائے ان کو مقامی کام پر آمادہ کیا جائے بلکہ نام مانگیں' اور مقامی کام کے لیے وہاں ایک جماعت بنائیں' جن کے ذمہ چند کام ہوں ایک تو روزانہ کی تعلیم مسجد میں چالو کرے۔ اس کا وقت بھی مقرر کرو دوسرے

ہفتہ میں دو گشت کیا کریں ایک گشت اپنی مسجد کے اطراف میں اس کا بھی دن اور وقت مقرر کرے اور دوسرا گشت دوسرے محلے کی مسجد میں کریں لیکن دوسرا گشت دوسرے محلہ والوں سے کرانا ہے دو تین ہفتہ میں انہیں بذات خود گشت پر کھڑا کرنا ہے جب وہ گشت پر کھڑے ہو جائیں اور خود کرنے لگیں تو پھر ان کے ذمہ یہ بھی کیا جائے کہ اپنے گشت کے علاوہ اور مسجدوں میں گشت کو چالو کریں۔ اور آپ کسی تیسری مسجد میں گشت چالو کریں یعنی دوسرا گشت مختلف مساجد میں چالو کروانے کیلئے ہے' یوں ہر مسجد والے اپنے گشت کے علاوہ دوسرا گشت بھی کریں اور گشت چالو کرادیں' تیسرے یہ کہ اپنے گشت کے دنوں میں بیان کر کے چلہ تین چلہ کی جماعتیں بنادیں کم سے کم تین دن کی جماعتیں بنادیں' اور خود بھی ماہانہ تین دن کی جماعت میں جادیں۔

شب جمعہ

چوتھے یہ کہ ہفتہ واری اجتماع اگر ہو رہا ہو تو اس میں عصر سے اشراق تک خود بھی وہ مقامی جماعت میں جائے اور دوسروں کو بھی لے جائے، یہ ہفتہ واری اجتماع پورے شہر کی مسجدوں میں محنتوں کا نچوڑ اجتماع ہے۔ ہر محلہ والے تین تین دن کی جماعتیں لے کر پہنچیں یا زیادہ وقت کی جماعتیں لیکر پہنچیں تا کہ ہفتہ واری اجتماع میں صرف بیان ہی نہ ہو بلکہ سارے محلوں سے جماعتیں بن کر آویں اور روانہ ہوں' ہر محلے والے اگر دو دو آدمی بھی چلے کیلئے دے دیں تو وہ تین جماعتیں ہر ہفتہ چلہ تین چلہ کی روانہ ہو سکتی ہیں۔ ورنہ تین تین دن کی جماعتیں جتنی بن سکیں لاویں۔ ہفتہ واری اجتماع میں ہر آدمی اپنا اپنا کھانا لے کر پہنچے اور عصر سے اشراق تک سب اس ماحول میں ٹھہریں رات کو خطاب ہو اور صبح جماعتیں روانہ ہوں' اطراف میں تین دن کی جو جماعتیں جاویں وہ پھر اسی طرح محنت کر کے چلوں کے لئے آدمی اٹھاویں یا کم وبیش وقت کے لیے آدمی اٹھاویں اور آخر میں وہ بھی مقامی جماعت بنادیں۔ اور مندرجہ بالا کام ان کے سپرد کریں۔ مقامی جماعت ان چند کاموں کو خود بھی کرے اور اہل محلہ کو بھی ان کاموں پر اٹھاوے' تعلیم گشت ماہانہ تین دن ہفتہ واری اجتماع

اگر ہو رہا ہو تو شرکت اور اگر نہ ہو رہا ہو تو حضرت جی دامت برکاتہم سے پوچھے بغیر چالو نہ کرے۔

انفرادی اعمال

اس کے علاوہ یہ مقامی جماعت کچھ انفرادی معمولات پر بھی چلے اور چلاوے مندجہ بالا امور تو اجتماعی ہیں' اس کے علاوہ کم از کم چھ تسبیحیں' تلاوت' نوافل کا اہتمام خود کرے اور ہر گشت کے دن مجمع کو ان عمال پر آمادہ کرے۔

گھر کی تعلیم

اس کے علاوہ ہر آدمی کو ترغیب دے کہ اپنے گھر میں مستورات اور بچوں میں روزانہ فضائل کی تعلیم ہوتا کہ عورتوں اور بچوں میں بھی عبادات واذکار اور دین پر چلنے کا ذہن بنے' یوں مستورات کا کام بغیر کسی شور وہنگامے کے ہزاروں گھروں میں جاری ہو جائے گا۔ فضائل کی تعلیم گھریلو زندگی کی تبدیلی کا انشاءاللہ سبب بنے گی اس ترتیب سے مسجد کے باہر والے مسجد میں آ کر گشتوں کے ذریعہ نمازی بنیں گے اور نمازی داعی بنیں گے اور کام کا تعدیہ ہوگا' ایک مجمع کا مجمع کام والا بہت آسانی سے بنتا جائے گا۔ اس میں لوگوں کے گھریلو اور کاروباری مشاغل کی رعایت ہے تو جماعت بیرون تشکیل کے ساتھ مقامی جماعت بھی بنا کر مندرجہ بالا امور ان کے سپرد کریں یہ ہماری دعوت والی لائن ہوئی یعنی خصوصی گشت عمومی گشت عام بیان اور انفرادی طور پر ریل اور موٹر جو بھی ملے حکمت سے دعوت دے۔

تعلیم کے آداب

دعوت کے علاوہ جماعت اپنے آپ کو تعلیم میں مشغول کرے جم کر تعلیم ہو' تعلیم کا ایک جزو تو یہ ہے کہ فضائل کی کتابوں کا سننا سنانا ہو' ہماری اس تعلیم میں فضائل کی تعلیم ہوتی ہے اس سے شوق اور رغبت پیدا ہوتی ہے اور اس میں کوئی اختلاف پیدا نہیں ہوتا چونکہ مسائل میں اختلاف ہے اس لیے اجتماعی تعلیم میں مسائل کا تذکرہ نہیں ہوتا کیونکہ اگر ہم نے وضو کے چار فرض

بتائے تو یہ صرف حنفیوں کے لیے دعوت ہوگی' شافعی حضرات نہیں جڑیں گے کیونکہ ان کے وہاں چھ فرض ہیں فضائل پر ہم پوری امت کو جوڑ سکتے ہیں' جماعت کی نماز پر ستائیس ۲۷ درجہ کا ثواب ملنا اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے' دوسرے یہ کہ اگر سارے ہی حنفی ہوں تو بھی مسائل بیان کرنے کی اجازت نہیں ہے کیونکہ جماعت میں اکثر عوام ہوتے ہیں غلط مسائل بتانے لگیں گے اس لیے مسائل کو تو علماء کرام کے لیے ہی رکھیں۔ فضائل کے ذریعے دین کا پیاسا بنانا ہے' جب پیاسا بن کر پانی مانگے یعنی مسائل پوچھے تو اسے کہہ دے کہ اپنے اپنے کنویں کا پانی پیو' یعنی حنفی' حنفی علماء سے پوچھے شافعی' شافعی علماء سے پوچھے' اہلحدیث اپنے علماء سے پوچھے۔ یوں سب جڑ کر چل سکتے ہیں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ جماعت والے مسائل سے بے نیاز ہو جائیں' مسائل کا سیکھنا ضروری ہے اس کے بغیر نماز وغیرہ کا عمل نہ ہوگا' فضائل کے معلوم ہوئے بغیر تو ہو سکتا ہے لیکن مسائل کے بغیر عمل نہ ہوگا۔ فضائل تو صرف اعمال کا شوق دلانے کیلئے ہیں اس لیے اجتماعی تعلیم میں صرف فضائل ہونگے اور مسائل ہر آدمی اپنے طور پر انفرادی طور علماء کرام سے پوچھ پوچھ کر ہو' کروڑں مسلمان نماز نہیں پڑھتے اور ہم جزئیات پر جھگڑیں یہ مناسب نہیں کسی بھی طرح مسلمان نماز پر آوے پھر اپنے علماء سے طریقے پوچھے فضائل کی کتابیں جو حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب دامت برکاتہم سے حضرت مولانا الیاسؒ نے لکھائی ہیں جس میں حکایت صحابہ بھی ہے انہیں میں سے تعلیم ہو' بہت سے بھائی یہ پوچھتے ہیں کہ یہ کتابیں تو بیسیوں مرتبہ پڑھ چکے اب آگے کی کتابیں بتاؤ تاکہ علم بڑھے۔ حالانکہ ہماری اس تعلیم کا مقصد قرآن وحدیث کی باتوں سے اثر لینا آجاتا ہے' خوشی کی خبروں سے خوشی کا اثر ہو غمی کی خبروں سے غمی کا اثر ہو جیسے دنیا کی خبروں سے ہوا کرتا ہے یہ قرآن وحدیث سے ہونے لگے' اس لیے اس کیفیت کو پیدا کرنے کے لیے بار بار انہیں احادیث کو عظمت کے ساتھ سنا جائے۔ انسان صرف علم سے عمل پر نہیں پڑتا۔ اگر ایسا ہوتا تو شرابی شراب کو حرام جانتا ہے لیکن بچتا نہیں' اور بے نمازی نماز کے فرض ہونے کا علم رکھتا ہے لیکن پڑھتا نہیں۔ اصل علم کا نور ہے جو آدمی کو عمل پر ڈالتا ہے۔ وہ تو اس وقت ملتا ہے جب آدمی

تعلیم میں عظمت کے ساتھ بیٹھے' کلام اور صاحب کلام کا احترام دل میں لیتے ہوئے بیٹھے اور ظاہر ہیئیت بھی عظمت کی بنائے۔ اگر باوضو ہو کر خوشبو لگا کر بیٹھے تو اور زیادہ اثر ہونے کی امید ہے' دیہاتی ان باتوں کی رعایت سے بعض مرتبہ بیٹھتے ہیں تو ان میں بہت جلد اثر ہو کر عمل پر پڑ جاتے ہیں، ان فضائل کا قلب پر اتنا تاثر ہو کہ عمل کے وقت وہ فضیلت مستحضر رہے اس کی ہر شخص کو ضرورت ہے خواہ عالم ہو یا نہ ہو پرانا ہو یا نیا ہو سب اس کے موت تک محتاج ہیں اور یہ سارا معاملہ قرآن اور حدیث کی عظمت کے ساتھ جڑا ہوا ہے اس تعلیم میں اپنی تقریر نہ ہو بلکہ حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم نے جو فائدہ لکھا ہے اسی کو پڑھا جائے ہاں اگر کوئی مشکل ہو تو ترجمہ کر دے اس تعلیم کے موقع پر گشت بھی ہو تا کہ صرف جماعت والوں کی تعلیم ہو کر نہ رہ جائے بلکہ گاؤں والے بھی شریک ہوں۔

تعلیم کا دوسرا حصہ

اس تعلیم کا دوسرا جز و قرآن کا سننا سنانا ہے کم سے کم سورۂ فاتحہ اور چند سورتیں ایک دوسرے کی سنی جائیں' حلقہ بنا کر سنی جائیں اس کے ذریعے بستی والوں میں صرف احساس پیدا کرانا ہے کیونکہ تھوڑے وقت میں تو وہ اپنی نماز ٹھیک نہیں کر سکتے صرف سیکھنے کا جذبہ پیدا ہو اس کے لیے تشکیل بھی آسان ہوگی' لیکن جو احباب جماعت میں نکلے ہیں ان کو نماز سبقاً سبقاً یاد کرانی چاہئے۔ تا کہ چلہ میں کم سے کم نماز تو ٹھیک ہو جائے' جسے جتنی یاد ہے دوسروں کو یاد کرا دے دین سیکھنے والے کی فضیلت یہ ہے کہ اگر دین سیکھنے کی نیت سے نکلے تو فرشتے پیروں کے نیچے پر بچھاتے ہیں' اور سکھانے والے کی فضیلت یہ ہے کہ زمین و آسمان والے حتیٰ کہ چیونٹیاں اپنے بلوں میں اور مچھلیاں سمندر میں اس کے لئے دعا کرتی ہیں' لیصلون علیٰ معلم الناس الخیر'' تو دونوں اپنے فکر اور شوق سے مشغول ہوں' ان حلقوں میں حسب استعداد غلطی بتائی جائے پورا فن تجوید کھولنے سے عوام قرآن سیکھنے سے مایوس ہو جائیں گے موٹی موٹی ایسی غلطیاں ٹھیک کرائی جائیں جو فوری طور پر ٹھیک ہوں تا کہ اس میں سیکھنے کا شوق ہو' غلطی کا احساس ہو اور

قرآن سیکھنا آسان نظر آئے بعض مرتبہ غلطی بتانے سے کسی کے شرمندہ ہونے کا خطرہ ہو' مثلاً چودھری ہے یا گریجویٹ ہے تو ایسے موقع پر اجتماعی طور پر بتایا جائے یعنی کسی شخص کا نام لے کر نہ بتایا جائے۔ عمومی طور پر اصلاح ہوتا کہ بات بھی پہنچے اور شرمندہ بھی نہ ہو۔ التحیات اور دعائے قنوت اجتماعی تعلیم میں نہ ہو کیونکہ اس میں بھی اختلاف ہے۔ البتہ کلمہ طیبہ' سوۂ فاتحہ اور چند سورتیں ہوں' ہاں اپنی انفرادی تعلیم میں اور چیزیں بھی یاد کریں۔

چھ نمبروں کا تذکرہ

اس تعلیم میں چھ نمبروں کا مذاکرہ بھی ہو اصل تو یہ چھ نمبر اپنی زندگی میں اتارنے کیلئے ہیں' بیان سیکھنے کے لیے نہیں ہیں' کلمہ کی اتنی دعوت دیں کہ ساری چیزوں کا یقین نکل کر اللہ کی ذات کا یقین دل میں اتر جائے اور سارے طریقوں سے کامیابی کا یقین نکل کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقوں میں کامیابی کا یقین آجائے' نماز کو سنوار کر ایسا پڑھے کہ چوبیس گھنٹہ کی زندگی حقیقت صلوٰۃ پر آجائے اور اعضاء وجوارح امر الٰہی کے پابند بن جائیں تعلیم کے حلقوں میں بیٹھ کر اتنا شوق پیدا ہو کہ ہر کام کرنے سے پہلے یہ تحقیق کرلے کہ اسمیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ کیا ہے' اللہ کا ذکر اتنا کرے کہ اللہ کا دھیان دل میں جم جائے جو گناہوں سے روکے اور ہر وقت کے امر پر کھڑا کردے ان ساری صفات کے پیدا ہونے کے باوجود دوسرے مسلمانوں کو اپنے سے اچھا سمجھنے کی مشق کرے جس سے تواضع پیدا ہوگی' اگر ان اعمال کو کر کے عجب ہوا اپنے کو بڑا سمجھنے کا مرض پیدا ہوا تو کیے کرائے پر پانی پھر جانے کا خطرہ ہے' اس میں کم سے کم درجہ حقوق العباد کی ادائیگی ہے اگر یہ نہ ہو تو نیکیاں ان کے حصے میں چلی جائیں گی' جن کی حق تلفی ہوئی ہے۔ اکرام تو اس سے بھی آگے درجہ ہے ان سارے اعمال کو دنیا کی کسی غرض کے ماتحت نہ کرے بلکہ رضائے الٰہی کا جذبہ ہو آج دین کا کام کر کے آدمی یہ دیکھتا ہے کہ مجھے دنیا کتنی ملی' آخرت کا جذبہ نہ رہا۔ لہٰذا عمل کی طاقت نکل گئی۔ صحابہؓ دین کے لیے اپنی دنیا قربان کرتے تھے تو ان کے دین

میں بڑی طاقت تھی کیونکہ انکے عمل میں اللہ کی نسبت قوی تھی۔ اس لیے جماعت میں جانے والے کو کہا جاتا ہے کہ اپنے گاڑھے پسینہ کی کمائی جیب میں ہو اور آدمی اپنی جان مال کے ساتھ نکلے۔ اور یہ دیکھے کہ دین کیلئے میری دنیا کتنی قربان ہوئی' اس قربانی کے بقدر اخلاص پیدا ہوگا' الغرض دین کو اپنی دنیا بنانے کا ذریعہ نہ بنائے' آخرت بنانے کا ذریعہ بنائے' اللہ اپنے کرم سے دنیا بھی بنا دیتے ہیں' لیکن ہماری نیت یہ نہ ہو اللہ کے وعدوں پر یقین ہو لیکن مقصود اور نیت اللہ کی رضاء ہو' ان ساری باتوں کے علاوہ دعوت دینا مستقل سیکھنے کی چیز ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا' حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی آپ کے تابع بن کر آویں گے۔ اس لیے اب یہ دعوت والا کام اس امت کو کرنا ہے چاہے جونسے طبقہ کا امتی ہو' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے زمانے کے سو فیصد امتیوں کو داعی بنایا حتیٰ کہ دیہاتی حضرات اور سختی سے بات کرنے والے بدوی حضرات کو بھی داعی بنایا نبوت کے بعد سب سے پہلا وہ کام جس پر ہر کلمہ گو کو اٹھایا وہ کلمہ کی دعوت ہے پنج وقتہ نماز بھی فرض نہ تھی لیکن کلمہ والی دعوت شروع سے آخر تک چلتی رہی' آج بھی ہر شخص پر محنت کرنی ہے کہ وہ داعی بنے' داعی کی مثال منادی کی ہے اور منادی کے لیے پورا عالم ہونا ضروری نہیں' جتنی بات کی ندا دے رہا ہے اتنی بات معلوم ہونی چاہئے دعوت کی مثال زمین کی سی ہے اور ایمان کی مثال جڑ کی سی ہے اس پر دین کا درخت تیار ہوتا ہے' دعوت دینے سے ایمان قوی ہوتا ہے اس کیلئے مشاغل میں سے ایک مرتبہ چار ماہ فارغ کئے جائیں پھر حسب استطاعت سالانہ چار ماہ چھ ماہ یا چلہ دیتے رہیں' سالانہ ماہانہ ہفتہ واری اور روزانہ کی کوئی ترتیب دین کی محنت کی قائم ہو۔ یہ بہت ہی مختصر سے چھ نمبر ہیں' اس میں ساتھیوں کو کوئی بات سمجھانی ہو تو تعلیم کے موقعہ پر اطمینان سے سمجھائی جا سکتی ہے مثلاً کوئی بے عنوانی ہے کہ اجتماعی طور پر سمجھانے کا اچھا موقع ہے۔

ذکر

ذکر و دعوت اور تعلیم کے علاوہ ذکر الٰہی میں وقت گذرے ذکر میں سب سے اہم

قرآن پاک کی تلاوت ہے روزانہ کی تلاوت کا اتنا معمول ہو جتنا کہ روزانہ نبھا سکے اور جو بے پڑھے حضرات ہوں وہ روزانہ پندرہ بیس منٹ یا آدھ گھنٹہ قرآن پاک سیکھ لیا کریں' لیکن جتنا قرآن نماز میں پڑھنا ضروری ہے وہ پہلے سیکھ لیں' بعد میں پورا قرآن سیکھنے کی نیت سے روزانہ محنت کریں۔ اس کے علاوہ اذکار مسنونہ ہیں جن میں سوم کلمہ درود شریف اور استغفار دوسو۲۰۰ دوسو۲۰۰ مرتبہ سے کم پڑھیں' اور روزمرہ کی مسنون دعائیں مثلاً کھانے سے پہلے اور بعد اور استنجاء کے بعد اور پہلے سوتے وقت اور جاگ کر مسجد میں داخل ہوتے وقت' مسجد سے نکلتے وقت سواری پر سوار ہوتے وقت جو اذکار مسنون ہیں وہ بھی یاد کر کے عمل میں لانے کی کوشش ہو زندگی بھر کیلئے یہ سنتیں زندگی میں آجائیں' اور گھر پر عورتوں اور بچوں میں بھی زندہ کریں لیکن یہ سنتیں معتبر کتابوں میں دیکھ کر یاد کریں' من گھڑت سنتیں نہ ہوں ان اذکار مسنونہ میں بہت نور ہے اور امت میں اختلاف بھی نہیں ہے' تلاوت اور اذکار مسنون کے علاوہ اگر کوئی صاحب کسی سے بیعت ہوں تو اپنے شیخ کا بتلایا ہوا ذکر بھی پورا کریں' اور اگر کوئی مشائخ کے متوسلین ایک جماعت میں ہوں ہر ایک اپنے شیخ کے بتلائے ہوئے طریقہ پر ذکر کرے' اور کوئی صاحب کسی بزرگ پر تنقید نہ کریں' امت کو مطلقاً اللہ کے ذکر پر ڈالنا ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ خلوت اور جلوت میں دعاؤں کا خوب اہتمام ہو یہ کام دعاؤں سے چلے' دن بھر کی تھکا دینے والی محنت ہو اور تنہائیوں میں خوب رو رو کر دعاؤں کا مانگنا ہو پتہ نہیں کس کا رونا اللہ کو پسند آ جائے اور ہدایت کے دروازے کھل جائیں۔

عبادات

دعوت' تعلیم اور ذکر کے ساتھ عبادات بھی ذوق وشوق سے ادا کی جائیں فرض نماز جماعت سے پڑھنے کا اہتمام ہو تکبیر اولیٰ فوت نہ ہونے پائے۔ صف اول کا فکر ہو' خوب جی لگا کر نمازیں پڑھی جائیں فرائض کے علاوہ قضاء نمازیں اور سنتیں نفلیں بھی اہتمام سے پڑھی جائیں' اشراق' چاشت اوابین اور تہجد کے اہتمام کی فکر کی جائے۔

کام کرنے والے خصوصی طور سے تہجد کا خوب اہتمام کریں' تو دن بھر کے کاموں میں قوت رہے گی۔" رھبان باللیل و فرسان بالنھار "دن کو دعوت کے لیے اللہ کے بندوں کے سامنے کھڑا ہونا' رات کو دعا کیلئے اللہ کے سامنے ہاتھ اٹھانا اور دن کو بندوں سے خدا کی قدرت منوانا۔ اور رات کو خدا کی رحمت کو بندوں کی طرف متوجہ کرانا۔" یَآ اَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَاَنْذِر " کا منظر ہو اور رات کو" یَآ اَیُّھَا الْمُزَّمِّلُ قُمِ اللَّیْلَ" (المزمل) کا منظر ہو' لیکن نئے آنے والوں پر تہجد وغیرہ کے لئے اتنا زور نہ دیا جائے کہ وہ اکتا جائیں نفل کو نفل کے درجہ میں رکھنا ہے فرض کا درجہ نہیں دینا ہے البتہ شوق اتنا دلایا جائے کہ آدمی خود کہے کہ مجھے جگا دو' پھر نئے آدمی کو جگانے میں حرج نہیں۔

خدمت

دعوت' تعلیم ذکر وعبادت کے ساتھ ساتھ ساتھیوں کی خدمت بھی ہو' احباب جتنی خدمت گذاری کریں گے اتنا ہی جوڑ ہوگا' ہر ساتھی خدمت کرنے والا ہو خدمت چاہنے والا کوئی نہ ہو تو اس سے جماعت میں جوڑ ہو جائے گا' اور اگر سارے خدمت چاہنے والے ہوں خدمت کرنے والا کوئی نہ ہو تو اس سے جماعت میں آپس میں لڑائی ہوگی' تکلیف کے موقع پر اپنے آپ کو آگے کرے اور راحت کے موقع پر دوسروں کو آگے کرے وہ جماعت بہت مبارک ہے جو آپس میں محبت کے ساتھ اپنا وقت پورا کرے' مختلف علاقوں اور مزاجوں کے احباب ایک جماعت میں ہوتے ہیں ان میں آپس میں کشیدگی نہ ہو بلکہ محبت سے وقت گذرے۔ اس کا آسان طریقہ یہ ہے کہ سب سے چھوٹا بن کر رہے تو جوڑ پیدا ہوگا' اور اگر بڑا بن کر ہر آدمی رہے تو توڑ ہوگا' تواضع سے جوڑ ہوتا ہے اور تکبر سے توڑ ہوتا ہے' یہ چند کام تو کرنے کے ہیں۔

ان کاموں سے بچنا ہے

اور کچھ کام ایسے ہیں جن سے بالکلیہ بچنا چاہئے' اس میں ایک تو اشراف سے

دوسرے سوال سے بچنا چاہئے۔ کسی انسان کے کھانے یا پیسے یا چیزوں کی طرف اگر خیال آ جائے اور اندر ہی اندر کھچڑی پکے تو یہ اشراف ہے اور اگر زبان سے مانگ لیا تو یہ سوال ہے داعی سائل نہیں ہوا کرتا "مَآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی اللّٰه" اگر کسی چیز کی ضرورت ہو تو نماز پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے مانگے انسانوں سے نہ مانگے اس سے قوت دعاء بڑھے گی اسی طرح فضول خرچی سے بچے سیدھا سادھا کھانا بستر کپڑا ہو یہی سادگی پھر گھر میں داخل ہوگی یہ سادگی بذات خود مطلوب ہے اس کی برکت سے اقتصادی پریشانیاں بھی دور ہونگی اسکے علاوہ کسی کی چیز اس کی اجازت کے بغیر استعمال نہ کرے اگر اجازت بھی دے تو سنجیدگی کے ساتھ استعمال کرے بے محل استعمال نہ کرے اور اس کی ضرورت کے وقت پر استعمال نہ کرے ان چند باتوں سے بالکلیہ بچنا ہے یہ ساری ظاہری تدابیر ہیں اصل کرنے والے اللہ ہیں خوب محنت کر کے پھر اللہ کے سامنے رو کے اپنی گندگیوں کا قصوروں کا اعتراف کرتے ہوئے۔ شیطان اول تو محنت سے رو کے گا یہ غرور ہے اور اگر محنت کی تو پھر عجب پیدا کرائے گا۔ آدمی محنت خوب کرے پھر خدا کے سامنے روتا رہے تو انشاء اللہ اس کے ہاتھوں اللہ کا دین پھیلنے کی امید ہے ہر جماعت اپنا وقت پورا کئے بغیر نہ لوٹے جتنا وقت لکھوایا ہے اس سے جھکتا تولے یعنی دو چار روز زیادہ دے لکھائے ہوئے سے کم نہ کرے۔

سب ساتھی داعی بنیں

ایک بات یہ بھی ذہن میں رہے کہ ساتھ چلنے والے داعی بنیں اس کا طریقہ یہ ہے کہ ان سے گشت تعلیم بیان وغیرہ سارے کام کرائے جائیں اور کبھی کبھی نئی جماعت دے کر تین دن کے لیے اپنے سے الگ کیا جائے۔ جماعت کا بوجھ سر پر پڑے گا تو دعوت کا کام کھلے گا۔ تین دن کے بعد جب واپس آویں تو پوری کارگزاری سنی جائے اب یہ صاحب ساتھ رہیں گے تو ہر چیز فکر سے سیکھیں گے ہر جماعت یہ دیکھے کہ اس میں جماعتوں کے چلانے والے کتنے ہیں؟ اور ہر ساتھی کا وقت کیسا گذرا؟ اور جس علاقہ میں گئے وہاں سے کتنی جماعتیں نکلیں اور کتنی جگہ مقامی کام

چالو ہوا' اور خود اپنا وقت کیسے گذرا؟ ہر جماعت اس طور خود ہی اپنا محاسبہ کرے۔

ہجرت اور نصرت

ہماری اس دعوت کے دو پہلو ہیں ایک ہجرت' دوسرے نصرت' ہجرت تو یہ ہے اپنے مرغوبات کو قربان کر کے خدا کے راستے میں نکلنا' اور نصرت یہ ہے کہ اپنی بستی میں کوئی جماعت آوے تو ہم ان کا پورا ساتھ دیں' اور ان کے کام میں ہاتھ بٹائیں' گاؤں سے جماعت نکلوانے میں ان کے معاون بنیں' صرف کھلانے پلانے کی نصرت نہ ہو' بلکہ کام میں ہاتھ بٹانے کی نصرت ہو' اس سے انشاء اللہ دین پھیلے گا' مکہ مکرمہ کے مہاجرین کی حبشہ والوں نے بھی نصرت کی' لیکن صرف ٹھکانہ دیا' اکرام کیا' لیکن مہاجرین کے کام کو نہ اوڑھا' تو حبشہ سے دین نہیں پھیلا' اور مدینہ منورہ والوں نے ایسی نصرت کی ٹھکانہ دینے اور سہولتیں بہم پہنچانے کے علاوہ کام میں شریک ہوئے بلکہ دینی محنت کو اوڑھا تو مدینہ منورہ سے دین پھیلا' نصرت کی دوسری نوعیت یہ ہے کہ اپنی بستی میں سے جو آدمی خدا کے راستے میں جائے اس کے کاموں کی خیر وخبر باقی احباب لیں۔ مثلاً اس کی وجہ سے گشت تعلیم چالو تھی اس کے جانے کے بعد باقی ماندہ لوگ اوڑھیں یا وہ مکتب پڑھاتا تھا تو اب گاؤں والے باری باری اس کا کام کریں تا کہ بچوں کی تعلیم میں حرج نہ ہو اس کے گھر والوں کی دلجوئی' ہمت افزائی اپنی مستورات کے ذریعہ کرائی جائے۔ گھر والی بیمار ہو تو اپنی اہلیہ کے ذریعہ دوا کی ترتیب بنائی جائے' سودا سلف کوئی لانے والا نہ ہو تو سودا لا دیں' الغرض اس کے بال بچوں کو اپنے بڑے کی غیر حاضری محسوس نہ ہو "من خلف الغازی کمن غزا" اگر باہر نہ نکلے تو کم سے کم باہر نکلنے والوں کی دلجمعی کا سبب بنے' لیکن اس پر اکتفا نہ کرے یہ تو جب ہے جب ہجرت نہ کرے تو نصرت کرے ورنہ اصل ہجرت ہے ہجرت نہ تو پھر نصرت ہے "لولا الهجرت لكنت امرا من الانصار" اس کے واپس آنے کے بعد اگر گھریلو اور کاروباری حالات پریشان کن ہوں تو اسے طعنہ نہ مارا جائے' بلکہ تسلی دی جائے "وتواصوا بالصبر" کا منظر قائم ہو تا کہ

وہ آئندہ ہمت سے دین کا کام کر سکے۔ یہ ہدایات آجکل بھی بہت اہتمام سے بڑی تفصیل سے دی جاتی ہیں اور سمجھائی جاتی ہیں' یہ خیال کہ صرف جماعتوں کا نکال دینا مقصد ہے یہ غلط ہے۔

اشکال نمبر ۷ا: مسائل کی بجائے فضائل کی کتابوں پر زور کیوں؟

ایک اعتراض یہ بھی اکثر کانوں میں پڑا کہ تبلیغ والے فضائل کی کتابوں پر زور دیتے ہیں' مسائل کی کتابوں پر نہیں اس اعتراض سے بھی بڑی حیرت ہے کہ جب کسی عالم کی زبان سے سنتا ہوں' واقعہ صحیح ہے اور ایسا ہی ہے کہ تبلیغی نصاب میں فضائل کی کتابوں کو زیادہ اہمیت ہے۔ جس کی وجہ خود حضرت دہلوی نور اللہ مرقدہٗ کے ملفوظات میں مسطور ہے وہ ارشاد فرماتے ہیں۔ ''فضائل کا درجہ مسائل سے پہلے ہے' فضائل سے اعمال کے اجر پر یقین ہوتا ہے جو ایمان کا مقام ہے اور اسی سے آدمی عمل کے لیے آمادہ ہوتا ہے' مسائل معلوم کرنیکی ضرورت کا احساس تو تب ہی ہوگا جب وہ عمل پر تیار ہوگا' اس لیے ہمارے نزدیک فضائل کی اہمیت زیادہ ہے''

(ملفوظات حضرت دہلویؒ)

اور بھی متعدد ملفوظات حضرت دہلوی اور مولانا محمد یوسف صاحب کے اس مضمون کے ہیں' جو ان کے ملفوظات اور سوانح سے معلوم ہو سکتے ہیں' ہدایات بالا میں اس کی مکمل وجہ لکھی جا چکی ہے کہ فضائل میں اختلاف نہیں مسائل میں اختلاف ہے۔ اور ان حضرات کا یہ فعل اللہ اور اس کے پاک رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی عین سنت ہے' بخاری شریف میں حضرت عائشہؓ سے نقل ہے کہ قرآن پاک میں جو ابتداء میں نازل ہوا وہ آخر قرآن میں مفصل ہوا اس میں جنت دوزخ کا ذکر تھا' یہاں تک کہ جب لوگ اسلام کی طرف متوجہ ہو گئے تو اسکے بعد حلال و حرام کے احکام اترے اگر شروع ہی میں یہ احکام اتر جاتے کہ شراب مت پیو تو لوگ کہنے لگتے کہ اس کو تو ہم نہیں چھوڑ سکتے' اور اگر نازل ہوتا کہ زنا چھوڑ دو تو وہ کہتے کہ ہم سے تو کبھی بھی نہیں چھوٹے گا۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر مکہ میں جبکہ میں کمسن لڑکی تھی (سورۃ

قمر کی آیۃ) "بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ اَدْهٰى وَاَمَرُّ" بلکہ قیامت ہے ان کے وعدے کا وقت اور وہ گھڑی بڑی آفت ہے اور بہت کڑوی (ترجمہ حضرت شیخ الہند) اور سورۂ بقرہ اور نساء (جن میں احکام کی آیتیں ہیں وہ اس وقت نازل ہوئیں جب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ گئی تھی (یعنی مدینہ منورہ میں) حضرت تھانوی نوراللہ مرقدہٗ کا ارشاد ہے۔ پہلے مجھ کو شبہ تھا کہ علماء وعظ میں احکام کیوں نہیں بیان کرتے' صرف ترغیب وترہیب پر اکتفاء کرتے ہیں۔ اور جو علماء محض واعظ ہیں صرف ان پر یہ سوال نہیں تھا بلکہ حقیقت میں جو علماء ہیں ان کے متعلق یہ شبہ تھا اور اپنے بزرگوں پر بھی یہی شبہ تھا' لیکن پھر خود تجربہ سے معلوم ہوا کہ وعظ میں مسائل بیان کرنا ٹھیک نہیں خصوصاً اس زمانہ میں جب کہ بدفہمی کا بازار گرم ہے۔ صرف ترغیب دینا ہی مناسب ہے ترغیب ہی دینا چاہئے۔ یہ تجربہ مجھ کو لکھنؤ کے ایک وعظ سے ہوا' میں نے چند مسئلے ربوا کے متعلق ایک دم بیان کردیے سامعین میں بعض مسائل میں اختلاف ہوگیا' میرے پاس مکرر تحقیق کے لیے آئے۔ معلوم ہوا کہ قلت فہم یا سوءِ حفظ سے کسی مقدمہ کا مقدم دوسرے کی تالی سے جوڑ دیا اور بالعکس اس لیے گڑبڑ ہوگئی اور جب خود واقعہ پیش آوے گا تو اس کے پوچھنے پر صرف واقعہ نظر میں ہوگا' اس میں غلط نہیں ہوسکتا۔ (افاضات یومیہ)

ایک دوسرے ملفوظ میں اسی واقعہ کو دوسرے عنوان سے تعبیر فرما کر آخر میں فرمایا ہے کہ اسی مصلحت کی بناء پر علماء صرف مضامین ترغیب وترہیب ہی کے وعظ میں بیان فرماتے ہیں۔ (حسن العزیز)

ایک جگہ ارشاد ہے کہ میرے مواعظ میں امید کے مضامین بہت ہوتے ہیں' ترہیب بہت کم ہوتی ہے' میری زیادہ غرض یہ ہوتی ہے کہ لگاؤ اور محبت حق تعالیٰ سے پیدا ہوجائے گو خیال ہوتا ہے کہ جرأت معصیت پر نہ ہوجائے' لیکن لگاؤ اور محبت اگر پیدا ہوجائے ...... تو معصیت ہو ہی نہیں سکتی' یہ حضرت حاجی صاحب کا طریق ہے وہاں بس تسلی تھی کسی حال میں مایوس نہ ہونے دیتے تھے' یوں فرماتے تھے کہ ہم لوگ عبد احسانی ہیں احسان اور لطف کے بندے ہیں

جب تک آرام و آسائش میں ہیں تب تک تو عقائد بھی درست ہیں اور تھوڑا بہت نماز روزہ بھی ہے اور جہاں کوئی مصیبت پڑی بس سب رخصت۔ (حسن العزیز)

حضرت قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا جواب

جناب الحاج مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ نے اس اعتراض کا جواب اپنے وعظ میں بہت تفصیل سے دیا ہے' فرمایا کہ یہ لوگ ایک اعتراض یہ کیا کرتے ہیں کہ تبلیغی جماعت والے صرف فضائل بیان کرتے ہیں مسائل نہیں بیان کرتے اور دین درست ہوتا ہے مسائل سے فضائل سننے کے بعد دل میں امنگ تو پیدا ہو جاتی ہے مگر جب آگے مسئلہ معلوم نہ ہوگا تو ممکن ہے کہ لوگ امنگ اور جذبات کی رو میں بہہ کر من گھڑت عمل شروع کر دیں اور اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ لوگ بدعت میں مبتلا ہو نگے 'لوگوں کا یہ کہنا کہ اس طرز عمل سے لوگ بدعت کے اندر مبتلا ہوتے چلے جائیں گے اولاً تو محض احتمال اور امکان کی بات ہے' دیکھنا یہ ہے کہ واقعہ کیا ہے' چالیس برس کے اندر کتنے لوگ بدعت میں مبتلا ہوئے؟ رہا مسائل کا نہ چھیڑنا اس کا اگر یہ جواب دیا جائے کہ ہم پہلے فضائل بیان کر کے جذبہ پیدا کرنا چاہتے ہیں بعد میں مسائل چلائیں گے تو بھی غلط ہے کیونکہ چالیس سال سے تبلیغ چل رہی ہے کیا آج تک جذبہ ہی پیدا نہیں ہوا' اس کا صحیح جواب یہ ہے کہ تبلیغ والے فضائل ہی تو بیان کرتے ہیں مسائل سے انکار تو نہیں کرتے' کیا وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ مسئلہ کسی سے نہ پوچھو' ہرگز وہ ایسا نہیں کہتے' دوسرے یہ کہ کام کرنے کے مختلف میدان اور مختلف لائنیں ہوتی ہیں کوئی درس و تدریس کی لائنیں اختیار کرتا ہے کوئی وعظ و تبلیغ کی تو کوئی سیاست و حکمت کی ان حضرات نے بھی ایک لائن اختیار کر لی ہے فضائل بیان کرتے ہیں لوگوں کے اندر دینی جذبہ پیدا کرتے ہیں اب ساری لائن وہی اختیار کر لیں یہ نہ تو ضروری ہے اور نہ ہی ممکن۔

جب آپ کسی کام کو شروع کرتے ہیں تو آپ کام کرنے سے پہلے کچھ مقاصد

اور اصول مقرر کرتے ہیں اور اپنی لائن متعین کرتے ہیں اس میں آپ سب چیزوں کو داخل نہیں کرتے تو پھر آپ اس میں سب چیزوں کو کیوں شامل کرنا چاہتے ہو؟ بہر حال جب کوئی اعتراض کرے تو اس سے سن لینا چاہئے اور اپنا کام کرتے رہنا چاہئے' عمل ہی سب اعتراضات کا جواب ہے۔ بس تبلیغ والوں کا حاصل یہ ہے کہ لوگوں کے اندر دین کا جذبہ اور دینی امنگ پیدا کر دی جائے اب اس امنگ سے آدمی دین کی جس لائن میں بھی کام لینا چاہے لے سکتا ہے تیز دیکھنے میں یہ آتا ہے کہ جب کسی چیز کی امنگ پیدا ہو جاتی ہے تو آدمی خود ہی اس امنگ کو صحیح طریقہ سے پورا کرنے کی جدوجہد اور سعی کرتا ہے۔

علماء سے ملیں اور مسائل معلوم کریں

اگر آپ کے اندر صحیح امنگ پیدا ہو گئی ہے اور آپ کو مسائل کی طلب ہے تو علماء سے ملئے مدرسہ میں جائیے اور مسائل معلوم کیجئے باقی کام میں نہ لگنا اور اعتراضات کا کرنا یہ حیلہ حوالہ کرنے والوں کا کام ہے جیسا کہ میں نے ابھی کہا کہ ہر جماعت کا ایک نصب العین اور طریقہ کار ہوتا ہے' آپ کا اس پر دوسری چیزوں کا لادنا کہ فلاں چیز کو بھی اس میں شامل کر لیجئے کسی طرح مناسب نہ ہوگا جب اس جماعت نے اپنا ایک موضع متعین کر لیا تو آپ کو چاہئے کہ آپ اس پر کار بند رہنے دیں' بہر حال تبلیغ سے نفع اظہر من الشمس ہے کہ لاکھوں انسانوں کے دلوں میں دین کی امنگ اور طلب پیدا ہوئی اور اسی امنگ اور طلب کی وجہ سے کتنی بدعات ختم ہوئیں ورنہ لاکھوں آدمیوں کا محض اللہ اور اللہ کے دین کی خاطر اپنا پیسہ خرچ کر کے سفر کرنا اپنا کھانا اپنا پینا' پہلے یہ جذبہ کہاں تھا۔ تو اس سے جو نفع پہنچا اس کو تو آپ بیان نہ کریں اور جو ان کا منصوبہ نہیں اس کو آپ اعتراض کی بنیاد بنائیں یہ تو کوئی مناسب بات نہ ہوگی' بہر حال اصلاح نفس کے چار جزو اور چار طریقے ہیں اور تبلیغ کے اندر حسن اتفاق چاروں طریقے جمع ہو گئے ہیں' صحبت صالح بھی ہے' ذکر و فکر بھی ہے' مواخاۃ فی اللہ بھی ہے اور محاسبہ نفس بھی ہے' اور انہیں چاروں مجموعوں کا نام تبلیغی

جماعت ہے، عام لوگوں کے لئے اصلاح نفس کا اس سے بہتر کوئی اور طریقہ نہیں ہو سکتا اس طریقہ کار سے دین عام ہوتا جا رہا ہے، اور ہر ملک کے اندر یہ صدا پہنچتی چلی جا رہی ہے اس طریقہ کار سے دین عام ہوتا جا رہا ہے، لوگ تیزی سے اعمال کی جانب بڑھ رہے ہیں اور اپنے آپ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے سانچے میں ڈھالنے کی پوری کوشش کر رہے ہیں کم از کم ان تجربات کو سامنے رکھ کر اعتراض کرنے والوں کو ٹھنڈے دل سے سوچنا اور غور کرنا چاہئے، اس لیے اس میں خود چل کر اس کام کے فائدہ کو دیکھنا چاہئے آپ خود داخل ہو کر اس بات کا فائدہ محسوس کریں گے کہ اس کام سے آپ کو کیا فائدہ پہنچا۔

آپ اسے تجربات کی روشنی میں معلوم کر لیجئے جو شخص بھی حسن نیت سے اس کام میں آئے گا اس کا اثر اسے ضرور ہوگا، اس کام میں دعوت بھی ہے اور دعوت ہے لا الہ الا اللہ کی، نماز کی محنت بھی ہے ساتھیوں کے ساتھ تعلق بھی ہے ذکر بھی ہے محاسبہ بھی ہے اور بھی بہت سی چیزیں ہیں یہی وجہ ہے کہ اس محنت سے بہت سی خیر اور بھلائی انسان میں آ رہی ہے، کتنے برے تھے جماعت کی وجہ سے اچھے بن گئے، یہاں تک دیکھا گیا ہے کہ برے عقیدہ والے صالح عقیدہ والے بن گئے ہیں۔ اور پھر اعتراضات تو وہ قابل قبول ہیں جو کام میں گھس کر کیے جاویں اور جو باہر بیٹھ کر اعتراضات کرے وہ قابل قبول نہیں ہوا کرتے۔ اگر اندر گھس کر کوئی اعتراض کرے تب تو ٹھیک ہے لیکن اندر گھسنے والا کوئی اعتراض کرتا نہیں کیونکہ داخل ہونے کے بعد اسے اس کام کا فائدہ معلوم ہو جاتا ہے اس سے معلوم ہو گیا کہ یہ سب باہر کے اعتراضات ہیں جو قابل قبول نہیں، یوں تو اعتراضات سے مدرسہ والے بھی خالی نہیں اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی اعتراض سے خالی نہیں۔ (کیا تبلیغی کام ضروری ہے)

اشکال نمبر ۱۸: موجودہ تبلیغ مولانا محمد الیاسؒ کے طرز پر نہیں

اعتراض موجودہ تبلیغ مولانا محمد الیاسؒ کے طرز پر نہیں ہے۔ اور جواب ایک

احمقانہ جاہلانہ اعتراض بھی کانوں میں پڑا کہ تبلیغ اپنی افادیت ہدایت اور اصلاح کے درمیان یقیناً ایسی ہی تھی جیسا کہ لوگ بتاتے ہیں' لیکن اب موجودہ تبلیغ چونکہ حضرت دہلوی کی طرز پر نہیں رہی اس لیے اب یہ ضلالت وگمراہی ہے میں ان لوگوں سے پوچھتا ہوں کہ کیا موجودہ دارالعلوم دیوبند اسی طرز پر باقی ہے جو حضرت نانوتوی قدس سرہٗ اور حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب کے دور میں تھا؟ کیا مظاہر العلوم سہارنپور اب اسی طریقہ اور اصول پر ہے جو حضرت مولانا احمد علی صاحب نور اللہ مرقدہٗ اور حضرت شیخ الہند اور مولانا کفایت اللہ صاحب کے دور میں تھا؟ کیا موجودہ جمیعۃ علماء ہند وہی جمیعۃ ہے جو حضرت حاجی صاحب اور حضرت گنگوہی کے زمانہ میں تھیں اور اگر وہ نہیں ہیں تو کیا ساری گمراہی وضلالت ہے؟ تو کیا یہ سارے ہی ادارے اور ان جیسے سارے ہی ادارے اب ضلالت وگمراہی بن گئے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مشہور ارشاد ہے کہ میرا زمانہ سب سے بہتر زمانہ ہے پھر اس کے بعد کا زمانہ' پھر اس کے بعد زمانہ' اس لیے خیر القرون سے جتنا بھی بعد ہوتا جائے گا ظاہر ہے کہ وہ صلاح وفلاح خیر وبرکات ہرگز نہیں رہ سکتی جو سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں تھی تو کیا اب اسلام کو ضلالت وگمراہی کہا جائیگا؟

مشکوۃ شریف میں بخاری شریف کی روایت سے نقل کیا ہے' حضرت زبیر بن عدی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم لوگ انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حجاج ظالم کے مظالم کی شکایت کی تو انہوں نے صبر کی تلقین کی اور فرمایا کہ کوئی زمانہ تم پر ایسا نہیں آئے گا کہ اس کے بعد والا اس سے زیادہ برا نہ ہو میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی سنا ہے حضرت زہری کہتے ہیں کہ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی خدمت میں دمشق میں حاضر ہوا تو وہ رو رہے تھے اور فرما رہے تھے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کی کوئی چیز بھی ایسی نہیں رہی جو تم لوگوں نے بدل نہ دی ہو' ایک نماز رہ گئی تھی اسے بھی ضائع کر دیا (یہ دو حدیثوں کا مشترک مضمون ہے) بخاری میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تم لوگ ایسے زمانہ میں ہو کہ اگر مامور بہ کا دسواں حصہ بھی چھوڑ دو تو ہلاک ہو جاؤ' لیکن عنقریب ایک زمانہ آنے والا ہے کہ اگر وہ لوگ مامور

یہ کا دسویں حصہ پر بھی عمل کریں گے تو نجات پالیں گے۔ (مشکوٰۃ)

مشکوٰۃ میں بروایت ترمذی حضرت انسؓ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ جس دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ پاک تشریف آوری ہوئی مدینہ پاک کی ہر چیز روشن ہوگئی اور جس دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا ہر چیز بے نور ہوگئی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دفن کے بعد ہم ہاتھ مٹی سے جھاڑنے بھی نہ پائے تھے کہ ہم نے اپنے دلوں میں تغیر پایا' اس لیے اکابر کے دور کی برکات اور ان کے انوار بعد میں ڈھونڈنا یا بعد والوں کو ان کے معیار پر جانچنا نادانی کے سوا کیا ہوسکتا ہے میں تو پچاس سال سے دیکھ رہا ہوں کہ اکابر میں سے جو بھی گیا اپنی جگہ بالکل خالی چھوڑ گیا وہ برکات انوار خیرات جو ان اکابر کے دور میں تھیں بعد میں نہ مل سکیں۔

مفتی محمودؒ کا جواب

مفتی صاحب نے اسی نوع کے ایک اعتراض پر اپنے ایک نجی خط میں جو چشمۂ آفتاب میں چھپ بھی گیا ہے بڑی شدت سے نکیر کی ہے۔ اس کے آخر میں لکھا ہے کہ تبلیغی کام کسی خاص طبقہ کی اصلاح کا ذریعہ نہیں بلکہ تمام دین کے احیاء اور تمام مسلمانوں کی اصلاح اور پختگی کا ذریعہ ہے اور دائرہ اسلام کی بیش از بیش وسعت کا ذریعہ ہے' اور دیگر اقوام کے مطالعہ کا ذریعہ ہے کہ جو غلط چیزیں غلط ماحول اور جہالت کی وجہ سے لوگوں میں پھیل گئی ہیں ان کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں' چونکہ یہ کام بہت عمومی حیثیت رکھتا ہے ہر قسم کے آدمی اس میں آتے ہیں اور کام کرتے ہیں اور ایک کی اصلاح اس کے حوصلہ کے موافق ہوتی ہے۔ اس لیے بے علم اور باعلم ذہین اور نجی نئے اور پرانے' تجربہ کار اور بے تجربہ' متقی اور غیر متقی' ذاکر اور غافل' نستعلیق اور شکستہ' شہری اور دیہاتی' شستہ زبان اور اکھڑ سب کو تنقید کرتے وقت ایک معیار پر جانچنا اور ایک وزن سے تولنا صحیح نہیں بلکہ اصولاً غلط ہے۔ کسی سے اگر کوتاہی ہو جائے تو اس کو اصول قرار نہیں دیا جاسکتا۔ بلکہ اصلاح کی طرف متوجہ کیا جائے گا آپ کی اس تحریر سے انشاء اللہ کام کرنے والوں کے بددل ہوجانے کا تو اندیشہ نہیں کیوں کہ ان میں جو اہل علم ہیں وہ دلائل حقہ کی روشنی میں اعلیٰ وجہ البصیرت

کام کررہے ہیں، آپ کی مجمل تحریر سے ان کے دلائل میں اضمحلال پیدا نہیں ہوگا اور جو بے علم ہیں وہ اپنی عملی اور اخلاقی حالت کو بہتر سے بہتر ترقی پر دیکھتے ہیں اور ان کے ایمان میں قوت پیدا ہوتی ہے، جس سے یقین میں پختگی آتی ہے اور اللہ پاک کی رحمتیں ان پر نازل ہوتی ہیں، بے علم ہونے کے باوجود ان کو یہ چیزیں روزانہ زیادہ سے زیادہ اس کام پر مستعد کرتی ہیں۔ (چشمہ آفتاب)

حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کا قول

حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہٗ نے اپنے ایک ملفوظ میں فرمایا کہ ''میں سچ عرض کرتا ہوں کہ ہم اپنی وضع پر نہیں رہے۔ ہم اپنے بزرگان سلف کی سوانح دیکھتے ہیں کہ ان کا برتاؤ دیکھ دیکھ کر لوگ مسلمان ہوتے ہیں'' (ملفوظات یومیہ) کیا خدانخواستہ نعوذ باللہ خانقاہ اشرفیہ حضرت تھانویؒ کے دور میں ضلالت و گمراہی بن گئی تھی؟ جب کہ وہ اپنے اکابر اور اسلاف کا طرز مدارس کے معاملہ میں اور اوقات کے سلسلہ میں کئی واقعات لکھ چکا ہے، جن پر عمل تو درکنار موجودہ اہل مدارس کے حلق کے تلے بھی نہیں اترتے۔ تو کیا ان سب مدارس کو گمراہی کہہ دیا جائے گا؟ جن کا وجود موافق و مخالف سب کے نزدیک نہایت ضروری ہے۔ ان سب کے باوجود مجھے نہ تبلیغ والوں کو معصوم بتانا ہے نہ ان کی بے جا حمایت کرنی ہے۔ نہ ان کی غلطیوں سے انکار ہے، پہلے مختلف نمبروں میں یہ مضامین کثرت سے گزر چکے ہیں کہ غلطیوں سے کونسا گروہ اور کونسا ادارہ خالی ہے۔ میرا مقصد ان سارے مضامین سے یہ ہے کہ اعتراضات سے اگر واقعی اصلاح مقصود ہے اور محض تخریب مقصود نہیں ہے تو پھر اعتراضات اصلاح کے طریقہ سے ہونا چاہئیں جن کی تفاصیل اوپر گذر چکی ہیں، حضرت حکیم الامۃ نور اللہ مرقدہٗ نے ایک ملفوظ میں ارشاد فرمایا ہے کہ مدرسہ کی مخالفت کرنے والے تو خود اعتراض میں مبتلا ہیں الا ماشاء اللہ، شکایات تو خود مجھ کو بھی کارکنان مدرسہ سے ہیں مگر شکایات کا یہ طریقہ نہیں جو ان مخالف لوگوں نے اختیار کر رکھا ہے، کہ انہوں نے مدرسہ ہی کو بیخ و بنیاد سے اکھاڑ دینے کا انتظام کر دیا، مجھ کو مدرسہ والوں کے ساتھ تو صرف طریقہ کار سے اختلاف ہے اور مخالفین کے ساتھ ان باتوں سے اختلاف ہے جو بدون

تحقیق کارکنان مدرسہ کے سر تھوپ گئیں۔ آخر دین بھی کوئی چیز ہے دشمنی میں بھی حدود سے تجاوز نہ ہونا چاہیے۔

دوسرے یہ کہ اگر ان کو دشمنی بھی ہے تو کارکنان مدرسہ سے نہ کہ مدرسہ سے' تو ایسی حرکت کرنا یا وہ طریقہ اختیار کرنا جس سے مدرسہ کو نقصان پہنچے یہ کس درجہ تک عقل کی بات ہے اور خاص اغراض پورا کرنے کی وجہ سے چالاکیاں اور پالیسی اختیار کرنا کون سی کمال کی بات ہے۔ ایسی پالیسی تو ہم بھی جانتے ہیں مگر استعمال سے نفرت ہے (افاضات یومیہ) جہاں تک مبلغین پر تنبیہات کا تعلق ہے اور ان کی فہمائش اور اصلاح کا تعلق ہے میں پہلے لکھوا چکا ہوں کہ نظام الدین سے جماعتوں کی روانگی کے وقت دو گھنٹے تک ہدایات سمجھی جاتی ہیں اور اس تبلیغ کی موجودہ تحریک کے سلسلہ میں اب سے بیالیس سال پہلے حضرت دہلویؒ کے ارشاد پر اس ناکارہ نے رسالہ فضائل تبلیغ لکھا تھا جو کئی بار طبع بھی ہو چکا ہے۔ اس کے درمیان کئی فصلیں مبلغین کی تنبیہات اور ان کے کاموں کی اصلاح کے بارے میں شائع ہو چکی ہیں نیز اپنے رسالہ الاعتدال میں ۵۷ھ میں لکھا گیا تھا معترضین کے متعلق بھی کچھ تفصیل لکھوا چکا ہوں' جس کا یہاں اعادہ موجب طوالت ہے۔ یہ بھی میں پہلے لکھوا چکا ہوں کہ جو جماعتیں مرکز میں واپس جاتی ہیں ان سے بہت اہتمام سے اب بھی کارگزاری سنی جاتی ہے اور اس میں قابل اصلاح چیزوں پر نکیر اور تنبیہ کی جاتی ہے۔ جماعتوں کے سہارنپور آنے کے زمانے میں کسی کارکن سے کوئی لغزش میرے کان میں پڑتی ہے یا مبلغین کی تقریروں میں سے کسی کی تقریر میں کوئی بے اعتدالی کان میں پڑتی ہے تو میں اس جماعت کی تحقیق اس مقرر کا نام اور تقریر کا قابل گرفت حصہ نقل کر کے مرکز بھیجتا ہوں کہ وہ اس جماعت سے واپسی پر میرے خط کے حوالہ سے اس کی گرفت بھی کرتے ہیں اور یہ ناکارہ خود بھی ان مقرر صاحب یا کارکن کو تنہائی میں بلا کر اس پر نکیر کرتا ہے' مضمون بے ارادہ طویل ہو گیا بہت ہی مختصر اجمالی طور پر چند امور لکھوانے کا خیال تھا مگر بات میں بات یاد آتی گئی، آخر میں حضرت دہلویؒ کے چند ملفوظات پر جو کام سے خصوصی تعلق رکھتے ہیں اس مضمون کو ختم کرتا ہوں۔

ملفوظات حضرت دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

ملفوظ نمبر ۱:۔ ارشاد فرمایا کہ سب سے پہلا اور اہم تقاضہ یہ ہے کہ آدمی اپنی زندگی کا احتساب کرے، اپنے فرائض اور اپنی کوتاہیوں کو سمجھے اور ان کی ادائیگی کا فکر کرنے لگے لیکن اگر اس کے بجائے وہ اپنے علم سے دوسروں ہی کے اعمال کا احتساب اور ان کی کوتاہیوں کے شمار کا کام لیتا ہے تو پھر یہ علمی کبر و غرور ہے جو اہل علم کے لیے بڑا مہلک ہے۔ ؎ ''کار خود کن کار بیگانہ مکن''

ملفوظ نمبر ۲: ارشاد فرمایا کہ ہماری اس تحریک کا اصل مقصد ہے مسلمانوں کو جمیع ماجاء بہ النبی ﷺ سکھانا (یعنی اسلام کے پورے علمی و عملی نظام سے امت کو وابستہ کر دینا) یہ تو ہے میرا اصل مقصد، رہی قافلوں کی یہ چلت پھرت اور تبلیغی گشت سو یہ اس مقصد کے لیے ابتدائی ذریعہ ہے اور کلمہ و نماز کی تلقین و تعلیم گویا پورے نصاب کی ا۔ب۔ت ہے۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ ہمارے قافلے پورا کام نہیں کر سکتے ان سے تو بس اتنا ہی ہو سکتا ہے کہ ہر جگہ پہنچ کر اپنی جدوجہد سے ایک حرکت و بیداری پیدا کر دیں اور غافلوں کو متوجہ کر کے وہاں کے مقامی اہل دین سے وابستہ کرنے کی اور اس جگہ کے دین کی فکر رکھنے والوں (علماء وصلحاء) کو بے چارے عوام کی اصلاح پر لگا دینے کی کوشش کریں۔ ہر جگہ پر اصلی کام تو وہیں کے کارکن کر سکیں گے اور عوام کو زیادہ فائدہ اپنی ہی جگہ کے اہل دین سے استفادہ کرنے میں ہوگا، البتہ اس کا طریقہ ہمارے ان آدمیوں سے سیکھا جائے جو ایک عرصہ سے افادہ واستفادہ اور تعلیم و تعلم کے اس طریقہ پر عامل ہیں، اور اس پر بڑی حد تک قابو پا چکے ہیں۔

ملفوظ نمبر ۳:۔ حضرت مولانا ظفر احمد صاحب سابق شیخ الاسلام پاکستان تقسیم سے پہلے حضرت دہلوی کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے تو دیکھتے ہی فرمایا ؎

بلبہم رسید جانم تو بیا کہ زندہ مانم
پس ازاں کہ من نہ مانم بچہ کار خواہی آمد

مجھ (مولانا ظفر احمد صاحب) پر اتنا اثر ہوا کہ آبدیدہ ہو گیا۔ پھر فرمایا کہ وعدہ بھی یاد ہے؟ میں نے (مولانا ظفر احمد صاحب) وعدہ کیا تھا کہ کچھ دن تبلیغ میں دوں گا، عرض کیا یاد ہے،

مگر اس وقت تو دہلی میں گرمی بہت ہے رمضان میں تعطیل ہوگی تو بعد رمضان کے وقت دوں گا۔ فرمایا کہ تم رمضان کی باتیں کرتے ہو یہاں شعبان کی بھی امید نہیں۔ میں نے عرض کیا بہت اچھا اب میں ٹھہر گیا آپ دل برا نہ کریں۔ میں ابھی تبلیغ میں وقت دوں گا۔ یہ سن کر چہرہ خوشی سے چمک اٹھا، میرے گلے میں بانہیں ڈال دیں اور پیشانی پر بوسہ دیا اور دیر تک سینہ سے لپٹائے رکھا، اور بہت دعائیں دیں، پھر فرمایا تم نے میری طرف رخ تو کیا ہے، بہت سے علماء تو دور ہی دور سے میرے مقصد کو سمجھنا چاہتے ہیں، پھر ایک بڑے عالم کا نام لیا کہ وہ تبلیغ میں آجکل بہت حصہ لے رہے ہیں مگر مجھ سے پوچھو تو اب تک بھی وہ میرے منشاء کو نہیں سمجھے کیوں کہ مجھ سے آج تک بلاواسطہ گفتگو نہیں کی اب میں وسائط سے اپنے منشاء کو کیوں کر سمجھا دوں؟ خصوصاً جب کہ وسائط بھی ناقص ہوں، اس لیے میں چاہتا ہوں کہ تم کچھ دن میرے پاس رہو تو میری منشاء کو سمجھو گے۔ دور رہ کر نہیں سمجھ سکتے، یہ میں جانتا ہوں کہ تم تبلیغ میں حصہ لیتے ہو جلسوں میں تقریر کرتے ہو، تمہاری تقریر سے نفع بھی ہوتا ہے مگر یہ تبلیغ وہ نہیں جو میں چاہتا ہوں۔

ملفوظ نمبر ٤:۔ ایک دینی مدرسہ کے طلبہ کی ایک جماعت سے خطاب کا آغاز اس سوال سے کیا بتاؤ تم کون ہو؟ پھر خود ہی فرمایا تم مہمانان خدا اور مہمانان رسول ﷺ ہو مہمان اگر میزبان کو ایذاء دے تو اس کی ایذا دوسروں کی ایذا سے زیادہ تکلیف دہ ہوتی ہے۔ پس اگر تم طالب علم ہو کر خدا اور رسول ؐ کی رضا کے کام نہ کرو اور غلط راہوں پر چلو تو سمجھ لو کہ تم اللہ اور رسول اللہ ﷺ کے ستانے والے ان کے مہمان ہو۔

ملفوظ نمبر ٥:۔ فرمایا دوستو! ابھی کام کا وقت باقی ہے، عنقریب دین کے دو زبردست خطرے پیش آئیں گے ایک تحریک شدھی کی طرح کفر کی تبلیغی کوشش جو جاہل عوام میں ہوگی، اور دوسرا خطرہ ہے الحاد و دہریت کا جو مغربی حکومت و سیاست کے ساتھ ساتھ چلا آرہا ہے۔ یہ دونوں گمراہیاں سیلاب کی طرح آئیں گی جو کچھ کرنا ہے ان کے آنے سے پہلے پہلے کرلو۔

ملفوظ نمبر٦:۔ فرمایا دین کی عمومی تعلیم و تربیت کا جو طریقہ ہم اپنی اس تحریک کے ذریعہ رائج کرنا چاہتے ہیں صرف وہی طریقہ حضور اقدس ﷺ کے زمانہ میں رائج تھا، اور اسی طرز سے

وہاں عام طور پر دین سیکھا اور سکھایا جاتا تھا۔ بعد میں جو اور طریقے اس سلسلے میں ایجاد ہوئے مثلاً تصنیف وتالیف اور کتابی تعلیم وغیرہ سو ان کو ضرورت حادثہ نے پیدا کیا، مگر اب لوگوں نے صرف اسی کو اصل سمجھ لیا ہے، اور حضور ﷺ کے زمانے کے طریقہ کو بالکل ہی بھلا دیا ہے حالاں کہ اصل طریقہ وہی ہے اور عمومی پیمانے پر تعلیم وتربیت صرف اسی طریقہ سے دی جاسکتی ہے۔"

ملفوظ نمبر ۷:۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے جو وعدے فرمائے ہیں بلاشبہ وہ بالکل یقینی ہیں اور آدمی اپنی سمجھ بوجھ اور اپنے تجربات کی روشنی میں جو سوچتا ہے اور جو منصوبے قائم کرتا ہے وہ محض ظنی اور وہمی باتیں ہیں، مگر آج کا عام حال یہ ہے کہ اپنے ذہنی منصوبوں اور اپنے تجویز کیے ہوئے وسائل واسباب اور اپنی سوچی ہوئی تدابیر پر یقین واعتماد کر کے لوگ ان کے مطابق جتنی محنتیں اور کوششیں کرتے ہیں اللہ کے وعدوں کی شرطیں پوری کر کے ان کا مستحق بننے کے لیے اتنا نہیں کرتے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنے خیالی اسباب پر ان کو جتنا اعتماد ہے اتنا اللہ کے وعدوں پر نہیں ہے اور یہ حال صرف ہماری عوام کا ہی نہیں ہے بلکہ سب ہی عوام وخواص کا (الا ماشاء اللہ) ان ہی وعدوں والے اور یقینی اور روشن راستہ کو چھوڑ کر اپنی ظنی اور وہمی تدبیروں میں الجھے ہوئے ہیں، پس ہماری اس تحریک کا خاص مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کی زندگی سے اس اصولی اور بنیادی خرابی کو نکالنے کی کوشش کی جائے۔ اور ان کی زندگیوں وسرگرمیوں کو ظنون واوہام کی لائن کی بجائے الٰہی وعدوں کے یقینی راستہ پر ڈالا جائے۔ انبیاء علیہم السلام کا طریقہ یہی ہے اور انہوں نے اپنی امتوں کو یہی دعوت دی ہے وہ اللہ کے وعدوں پر یقین کر کے اور بھروسہ کر کے ان کی شرطوں کے پورا کرنے میں اپنی ساری کوششیں صرف کر کے ان کے مستحق بنے اللہ کے وعدوں کے بارے میں جیسا تمہارا یقین ہوگا ویسا ہی تمہارے ساتھ اللہ کا معاملہ ہوگا۔ حدیث قدسی ہے۔ "" انا عند ظن عبدی بی "

ملفوظ نمبر ۸:۔ فرمایا ہمارے سب کام کرنے والوں کو یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ تبلیغ کے لیے باہر جانے کے زمانے میں بالخصوص علم اور ذکر کی طرف بہت زیادہ توجہ کریں۔ علم اور ذکر میں ترقی کے بغیر دینی ترقی ممکن نہیں نیز علم اور ذکر کی تحصیل وتکمیل اس راہ میں بڑوں سے وابستگی رکھتے ہوئے اور ان کے زیر ہدایت اور ان کی نگرانی میں ہو، انبیاء علیہم السلام

کا علم وذکر اللہ تعالیٰ کے زیر ہدایت اور اس کے حکم کے ماتحت ہوتا تھا اور حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا علم وذکر رسول اللہ ﷺ کی ہدایت کے ماتحت اور آپ کی نگرانی میں ہوتا تھا۔ پھر ہر زمانہ کے لوگوں کے لیے اس قرآن کے اہل علم اور اہل ذکر گویا رسول اللہ ﷺ کے خلفاء ہیں، لہٰذا علم وذکر میں اپنے بڑوں کی نگرانی سے استغناء نہیں یہ بھی ضروری ہے کہ خاص کر باہر نکلنے کے زمانہ میں صرف اپنے خاص مشاغل میں اشتغال رہے اور دوسرے تمام مشاغل سے یکسو رہا جائے۔ اور وہ خاص مشاغل یہ ہیں، تبلیغی گشت، علم، ذکر، دین کے لیے گھر بار چھوڑ کر نکلنے والے اپنے ساتھیوں کی خصوصاً اور عام خلق اللہ کی عموماً خدمت کی مشق، اور تصحیح نیت اخلاص واحتساب کا اہتمام اور اتہام نفس کے ساتھ بار بار اس اخلاص واحتساب کی تجدید یعنی اس کام کے لیے نکلتے وقت یہ تصور کرنا اور اثناء سفر میں بھی بار بار اس تصور کو تازہ کرتے رہنا کہ ہمارا یہ نکلنا صرف اللہ کے لیے اور ان نعمائے آخرت کی طمع میں ہے جن کا وعدہ دین کی خدمت ونصرت پر اور اس راہ کی تکلیفیں اٹھانے پر فرمایا گیا ہے یعنی بار بار اس دھیان کو دل میں جمایا جائے کہ اگر میرا نکلنا خالصاً مخلصاً ہوگیا اور اللہ تعالیٰ نے اس کو قبول فرمالیا تو اللہ کی طرف سے مجھے دو نعمتیں ضرور ملیں گی جن کا وعدہ اس کام پر قرآن پاک اور احادیث میں فرمایا گیا ہے اور وہ یہ یہ ہوں گی، بہرحال ان الٰہی وعدوں پر یقین اور ان کی امید کے دھیان کو بار بار تازہ کیا جائے۔ اور اپنے سارے عمل کو اسی یقین اور اسی دھیان سے باندھا جائے۔ بس اسی کا نام ایمان واحتساب ہے اور یہی ہمارے اعمال کی روح ہے۔

ملفوظ نمبر ۹:۔ فرمایا اس راہ میں کام کرنے کی صحیح ترتیب یوں ہے جب کوئی قدم اٹھانا ہو مثلاً خود تبلیغ کے لیے جانا ہو یا تبلیغی قافلہ کہیں بھیجنا ہو یا شکوک وشبہات رکھنے والے کسی شخص کو مطمئن کرنے کے لیے اس سے مخاطب ہونے کا ارادہ ہو تو سب سے پہلے اپنی نااہلیت اور بے بسی اور وسائل واسباب سے اپنی تہی دستی کا تصور کر کے اللہ کو حاضر ناظر وقادر مطلق یقین کرتے ہوئے پورے الحاح وزاری کے ساتھ اس سے عرض کریں کہ خداوند! تو نے بارہا بغیر اسباب کے بھی محض اپنی قدرت کاملہ سے بڑے بڑے کام کر دیے ہیں۔ اللہ! بنی اسرائیل کے لیے تو نے محض اپنی قدرت ہی سے سمندر میں خشک راستہ پیدا کر دیا تھا۔ حضرت ابراہیمؑ کے لیے تو نے اپنی رحمت اور

قدرت ہی سے آگ کو گلزار بنا دیا تھا اور اے اللہ! تو نے اپنی حقیر حقیر مخلوقات سے بھی بڑے بڑے کام لے لیے ہیں ابابیل سے تو نے ابرہہ کے ہاتھیوں والے لشکر کو شکست دلوائی اور اپنے گھر کی حفاظت کرائی، عرب کے اونٹ چرانے والے امیوں سے تو نے اپنے دین کو ساری دنیا میں چمکایا اور قیصر وکسریٰ کی سلطنتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کرا دیا، پس اے اللہ! اپنی اس سنت قدیمہ کے مطابق مجھ نکمے ناکارہ اور عاجز و بے بس بندہ سے بھی کام لے۔ اور میں تیرے دین کے جس کام کا ارادہ کر رہا ہوں اس کے لیے جو طریقہ تیرے نزدیک صحیح ہے مجھے اس کی طرف رہنمائی فرما اور جن اسباب کی ضرورت ہو وہ محض اپنی قدرت کاملہ سے مہیا فرما دے۔ بس اللہ سے یہ دعا مانگ کے کام میں لگ جائے جو اسباب اللہ کی طرف سے ملتے رہیں ان سے کام لیتا رہے اور صرف اللہ ہی کی قدرت و نصرت پر کامل بھروسہ رکھتے ہوئے اپنی کوشش بھی بھرپور کرتا رہے اور رو رو کے اس سے نصرت اور انجاز وعد کی التجائیں بھی کرتا رہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی مدد ہی کو اصل سمجھے اور اپنی کوشش کو اس کے لیے شرط اور پردہ سمجھے۔

ملفوظ نمبر ۱۰:۔ فرمایا کہ ہماری تبلیغ کا حاصل یہ ہے کہ عام دیندار مسلمان اپنے اوپر والوں سے دین کو لیں، اور اپنے نیچے والوں کو دیں، مگر نیچے والوں کو اپنا محسن سمجھیں کیوں کہ جتنا ہم کلمہ کو پہنچائیں گے، پھیلائیں گے اس سے خود ہمارا کلمہ بھی کامل اور منور ہوگا، اور جتنوں کو ہم نمازی بنائیں گے اس سے خود ہماری نماز بھی کامل ہوگی، تبلیغ کا یہ بڑا گر ہے کہ اس سے مبلغ کو اپنی تکمیل مقصود ہو، دوسروں کے لیے اپنے کو ہادی نہ سمجھے کیوں کہ ہادی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں ہے۔

ملفوظ نمبر ۱۱:۔ حضرت مولانا علی میاںؒ نے حضرت دہلویؒ کی سوانح میں لکھا ہے جو خود میرے علم میں بھی ہے بلکہ میں خود تنخواہ دار مبلغین کا ابتداء بہت حامی رہا، میرے ہی اصرار پر شروع میں مبلغین رکھے گئے۔ اور تجربہ سے واقعی معلوم ہوا کہ تنخواہ دار مبلغین سے وہ لوگ بہت مفید اور کارآمد ثابت ہوئے جو بلا معاوضہ دینی جذبہ سے کام کرتے ہیں، علی میاں صاحب لکھتے ہیں کہ دہلی اور دوسرے مقامات پر تبلیغ کرنے کے لیے کچھ عرصہ میں پانچ تنخواہ دار مبلغین رکھے ہوئے تھے جو قریب قریب تبلیغ کے مروجہ عام طریقوں پر کام کرتے تھے انہوں نے تقریباً ڈھائی سال کام کیا لیکن ان سے مولانا کا مقصود حاصل نہیں ہوتا تھا اور مولانا اس سست اور بے روح کام سے بہت اکتا گئے

تھے، ان لوگوں کے کام سے وہ دینی اور اصلاحی نتائج حاصل نہیں ہو رہے تھے اور وہ حرکت و زندگی نہیں پیدا ہو رہی تھی جو میوات کے رضا کار اور طالب اجر اور ایثار پیشہ مبلغین سے پیدا ہو گئی تھی مولانا اس طریق کار سے بالکل غیر مطمئن ہو گئے تھے اور اس کو ختم کر دینا چاہتے تھے۔ (دینی دعوت)

ملفوظ نمبر ۱۲:۔ ایک مکتوب میں حضرت دہلویؒ ارشاد فرماتے ہیں "تبلیغ کے لیے خاص جگہ کو مخصوص کر لینا اور باقی مواضع کو اس کے بعد پر رکھنا ایک سنگین بنیادی غلطی ہے، خطرناک اور زہریلا خیال ہے، ہرگز ہرگز اس کو دل میں جگہ نہ دیں اور اس خیال کو قلب میں نہ آنے دیں۔" علی میاں اس کی تائید میں لکھتے ہیں کہ اگر ایک ہی مقام پر اپنی کوشش اور توجہ کو مرکوز رکھا ہوتا اور دوسرے مقام کی طرف قطعاً توجہ نہ دی جاتی تو سخت ہمت شکنی اور شکستہ دلی کا باعث ہوتا۔ اس لیے کہ بعض مقامات قطعاً اہلیت اور استعداد سے محروم ہیں، مقامات کی تعداد اور تنوع کی وجہ سے ہمت افزائی اور تازگی کام میں رہی۔ (مکاتیب)

آخری گذارش

آخر میں کام کرنے والے احباب سے بھی باصرار درخواست ہے کہ حضرت دہلویؒ کے اور حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ کے ملفوظات اور ارشادات اور ہر دو کی سوانح عمریاں اور مکاتیب بہت اہتمام سے مطالعہ میں رکھا کریں کہ کام کرنے والوں کے لیے یہ بہت قیمتی ہوتی ہیں اور ان اصول کی پابندی کام میں اضافہ ترقی اور برکت کا سبب ہے، اور جیسا کہ حضرت دہلویؒ نے بار بار فرمایا اور ملفوظات میں بھی کئی جگہ آیا کہ ان اصول کی رعایت سے تو انشاء اللہ کام میں ترقی کی امید ہے اور بے اصولی سے سخت خطرات کا اندیشہ ہے اس مضمون کو بھی یہ ناکارہ رسالہ فضائل تبلیغ میں بہت تفصیل سے لکھ چکا ہے۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين وصلى الله تعالىٰ علىٰ خير خلقه محمد وعلىٰ اله واصحابه اجمعين برحمتك يا ارحم الراحمين

محمد زکریا کاندھلویؒ

چہار شنبہ ۲۵/ ربیع الاول ۱۳۹۲ھ بمطابق ۱۰/ مئی ۱۹۷۲ء

تکملہ

اس ناکارہ نے جب حکیم الامۃ نوراللہ مرقدہٗ کے خلفاء ہند کی اس کام میں شرکت اور آراء لکھیں تو اس وقت اپنے بعض دوستوں کو پاکستان میں لکھا کہ حضرت حکیم الامۃ نوراللہ مرقدہٗ کے خلفاء میں سے آپ کے کام میں کسی کی شرکت ہوتو ضرور مطلع فرمادیں، رسالہ کے پورا ہونے کے بعد چند دوستوں کے خطوط آئے چونکہ رسالہ کی ابھی تک طباعت پوری نہیں ہوئی تھی گو معظم حصہ ہوگیا تھا، اس لیے تکملہ کے طور پر ان احباب کے خطوط بھی نقل کرتا ہوں۔

(۱) مکتوب عزیزم الحاج مولوی احسان الحق صاحب مدرس مدرسہ عربیہ رائیونڈ

میں نے ڈاکٹر اسماعیل صاحب کے ذریعہ سے جو عریضہ لکھا ہے (وہ ابھی تک نہیں پہنچا) جس میں حضرت تھانوی نوراللہ مرقدہٗ کے خلفاء کے متعلق لکھ چکا ہوں۔ دوبارہ احتیاطاً لکھتا ہوں (ا) مولانا عبدالسلام نوشہرہ والے دس یوم کے لیے یہاں تشریف لائے تھے مقامی مرکز میں تشریف لے جاتے ہیں، علاقے کے اجتماع میں شرکت کرتے ہیں۔ صاحبزادہ کو چلے کے لیے بھیجا (ب) مولانا عبدالغنی صاحب پھولپوری کراچوی رحمۃ اللہ علیہ (ج) پیر فخر الدین گھونکی رحمۃ اللہ علیہ ہر دو حضرات بھی تبلیغ کے زبردست مؤید تھے (د) مولوی مقصوداللہ صاحب باریسال مشرقی تو تبلیغ کے کام میں چلوں کے حساب سے شرکت فرمایا کرتے تھے (ہ) مولوی نوراللہ بخش صاحب چاٹگامی کے دوخلفاء مولانا عبدالحلیم صاحب فینی اور مولانا سعید الحق صاحب ہاتھیہٗ پہلے تو ابھی زندہ ہیں چار ماہ تبلیغ میں لگانے کے ارادے سے آئے تھے، اور آج کل وقت تبلیغ کا پورا کر کے کراچی میں مقیم ہیں۔ مولانا سعید الحق صاحب تبلیغ کے بڑے زبردست کارکنوں میں تھے۔ (و) مولانا محمد اللہ صاحب (ز) مولانا اطہر علی صاحب جنگ سے پہلے حیات تھے اب کا حال معلوم نہیں اور یہ دونوں حضرات بھی خوب تائید فرماتے ہیں۔

(۲) عزیز احسان کا ایک مکتوب

بلکہ متعدد خطوط دیگر احباب کے جب کہ یہ رسالہ زیر کتابت تھا پہنچے۔ ان سب کا نقل

کرانا تو شعار ہے عزیز احسان کا مکتوب چونکہ مختصر ہے اس لیے اس کو مختصر کر کے لکھواتا ہوں۔

حضرت والا کا گرامی نامہ بمبئی لندن کراچی ہوتا ہوا ان دنوں رائیونڈ پہنچا جب کہ میں سفر میں تھا واپسی سے اس سے مشرف ہوا۔ اس میں فوری جواب دینے کا حکم تھا، لیکن بعض باتیں قاضی جی، عبدالوہاب اور مولانا عبدالعزیز صاحب سے دریافت کر کے جواب دینے کی تھیں۔ اور یہ تینوں بھی سفر میں تھے اب ان حضرات کے واپس آتے ہی معلومات حاصل کر کے جواب ارسال خدمت کر رہا ہوں۔ ہمارے ہاں پیر فخر الدین صاحب رحمۃ اللہ گھونکی سندھ اور مولانا عبدالغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ کراچی، ہر دو حضرت تھانویؒ کے خلفاء میں سے تبلیغی کام کی بہت زیادہ تائید فرمایا کرتے تھے اور دیگر خلفاء میں سے مولانا قاضی عبدالسلام صاحب نوشہرہ اور مولانا فقیر اللہ صاحب پشاور حیات ہیں۔ اور ہر دو زبردست مؤید موکد ہیں، اپنے اقارب کو یہاں بھیجتے ہیں بلکہ اول الذکر تو ایک مرتبہ خود یہاں تشریف لائے تھے دس یوم کے لیے۔ اور مشرق میں تھانوی سلسلے کے خلفاء میں سے پیر مقصود صاحب رحمۃ اللہ باریسال بہت ہی زیادہ عملی حصہ لیا کرتے تھے، ادھر سے رائیونڈ بھی تشریف لائے تھے۔ اور دیگر خلفاء میں سے مولانا عبدالوہاب صاحب مدظلہ ہاٹ ہزاری، مولانا اطہر علی صاحب کشور گنج اور پیر جی حضور مولانا محمد اللہ صاحب لال باغ ڈھاکہ لسانی تائید فرماتے ہیں اور مولانا نور بخش صاحب رحمۃ اللہ فینی جو کہ حضرت تھانوی کے اجل خلفاء میں سے تھے، ان کے خلیفہ مولانا سعید الحق صاحب اتر ہاتھیہ بھی بہت ہی زیادہ عملی حصہ لیا کرتے تھے اور ان کے دوسرے خلیفہ مولانا عبدالحلیم صاحب فینی تو گزشتہ سال چار ماہ کے لیے یہاں تشریف لائے اب راستہ مسدود ہونے کی وجہ سے کراچی قیام پذیر ہیں۔

(۳) مکتوب جناب الحاج مفتی زین العابدین صاحب

وہ تحریر فرماتے ہیں کہ مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ رائیونڈ کے اجتماع میں تشریف لائے مکی مسجد کراچی تو بارہا تشریف لائے بیان بھی فرمایا، لوگوں نے ان کے بیان پر اوقات دیے۔ حضرت جی رحمۃ اللہ (مولانا محمد یوسف صاحب) جب بھی کراچی تشریف لائے حضرت

مفتی صاحب ان کو باصرار دار العلوم بلاتے رہے اور دار العلوم میں ان کا بیان کرایا اور مجھ سے بارہا فرمایا کہ سالانہ امتحان سے پہلے آکر دار العلوم میں بیان کیا کرو تا کہ طلباء زیادہ تعداد میں وقت لگانے کے لیے نکلیں اور بالکل یہی صورت حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ (خلیفہ حضرت تھانویؒ) کی تھی۔ جب بھی ملتان کا تبلیغی اجتماع ہوا حضرت نے خیر المدارس کی چھٹی کی' حضرت جی مدظلہٗ (مولانا انعام صاحب) کو خیر المدارس بلا کر بیان کرایا اور یہاں تک کہ جب بھی میں خیر المدارس گیا مجھ سے طلباء میں بیان کرایا اور طلباء نے اوقات لکھوائے اور میرے لیے خیر المدارس کے سالانہ جلسے میں حاضری ضروری تھی اور بیان بھی ضرورت تبلیغ پر کراتے تھے۔ حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب رحمۃ اللہ (خلیفہ حضرت تھانویؒ) کی حیات میں جامعہ اشرفیہ کے جلسے میں بندے کی حاضری ضروری تھی اور بیان ان کی طرف سے ضرورت تبلیغ پر مقرر ہوتا تھا ایک دفعہ نیلا گنبد کی مسجد میں حضرت مفتی صاحب سے تعلق رکھنے والوں نے دعوت الحق کا کام شروع کیا ہمارے ساتھی اسی مسجد میں دوگشت اور تعلیم کرواتے تھے انہوں نے مجھ سے پوچھا ہم کیا کریں؟ تو میں نے ان سے کہا کہ جب ان حضرات نے کام شروع کر دیا تو تم دوسری جگہ کام کرو۔ مقصد تو تبلیغ کا کام ہے۔ چند روز بعد میں دوبارہ لاہور آیا تو حسب دستور حضرت مفتی صاحب سے ملنے گیا، امرتسر کے قیام کے زمانے سے بہت شفقت فرماتے تھے، میں نے عرض کیا حضرت الحمدللہ دعوت الحق کا کام شروع ہو گیا اس لیے میں نے اپنے ساتھیوں کو دوسری جگہ کام کرنے کو کہہ دیا ہے، تو فرمایا کہ منع نہ کرتے وہ بھی کرتے رہتے۔ کیوں کہ یہ لوگ التزام واہتمام سے معلوم نہیں کرتے ہیں یا نہ اور وہ کام جو التزام سے ہو رہا ہے رک جائے گا تو میں نے عرض کیا خدانخواستہ یہ حضرات چھوڑ دیں گے تو پھر ان سے کرنے کو کہہ دوں گا۔ چنانچہ کچھ مدت بعد انہوں نے بالکل چھوڑ دیا اور احباب نے پھر شروع کر دیا اور الحمدللہ ہم نے ہمیشہ ان حضرات کو اپنے اکابرؒ میں سے سمجھا اور انہوں نے بھی ہمیشہ ہمیں اپنا سمجھا ہے اور اب بھی دار العلوم کراچی، جامعہ اشرفیہ اور خیر المدارس کے ساتھ معاملہ حسب سابق ہے۔ ''والحمدللہ علی ذالک''

(۴) مکتوب جناب الحاج عبدالوہاب صاحب

وہ اپنے خط میں تحریر کرتے ہیں کہ مولانا عبدالسلام صاحب نوشہرہ کے ایک بزرگ ہیں مدرسہ حسین بخش دہلی کے فارغ ہیں، حضرت تھانویؒ دستار بندی کے جلسے میں تشریف لے گئے۔ جب ان کی دستار بندی فرمارہے تھے مصافحہ کیا تو فرمایا دو تین ماہ کے لیے ہمارے پاس تھانہ بھون آجانا چنانچہ یہ اپنے گاؤں زیارت کاکا سے تھانہ بھون تشریف لے گئے اور وہاں قیام کیا، لیکن ایک ماہ کے بعد ان کے والد صاحب کا خط آیا کہ میں ناراض ہوں واپس آجاؤ تمہارے لیے والد کی خدمت ضروری ہے، حضرت تھانویؒ نے خود ہی جواب لکھوایا کہ جس چیز میں لگا ہوا ہوں اس کے بغیر میرا والد صاحب کی خدمت میں جانا جائز نہیں اور ان کو روک لیا تین ماہ کے بعد خلافت دے کر رخصت فرمایا۔

آج سے چار پانچ برس پہلے ہمارا گرمیوں میں ٹیکسلا میں اجتماع ہوا وہاں تین روز کے لیے تشریف لائے ہمیں بالکل خبر نہ تھی کہ وہ تشریف لائے ہوئے ہیں۔ عوام میں چھپے رہے دس روز لکھوا دیے اور رائیونڈ تشریف لے آئے۔ فجر کی نماز کے بعد بندہ ہی بیان کرتا تھا شروع سے لے کر اخیر تک سنتے تھے بیچ میں بوڑھا ہونے کی وجہ سے پیشاب کے لیے اٹھ کر جاتے تھے۔ اسی دوران جماعتوں میں باہر بھیج دیا گیا، اس زمانہ میں ہمارے یہاں آٹھ دس روز کے بعد رائیونڈ واپس بلا لیا جاتا تھا اور پھر کسی اور جماعت میں جوڑ کر بھیج دیا جاتا تھا، اسی میں چلہ پورا کرنے کا ارادہ کر لیا۔ ہمیں کچھ خبر نہیں کہ عالم ہیں یا غیر عالم۔ اپنے آپ کو ظاہر نہ ہونے دیا۔ ایک روز بندہ کا ان کے پاس گذر ہوا یا خود ہی بندہ کے پاس تشریف لائے کہ خلوت میں بات کرنی ہے۔ بندہ نے عرض کیا حاضر ہے، فرمانے لگے کہ یہ میرے معمولات ہیں تو اس میں کچھ اضافہ کرنے کو کہہ دے تو میں بڑھا دوں، بندہ نے عرض کیا کہ جن سے آپ بیعت ہوں ان ہی سے پوچھیں میں تو نہ عالم نہ کسی سے اجازت۔ فرمانے لگے کہ تو ضرور بتا، غرض اس سوال وجواب میں اپنا سارا واقعہ سنایا مجھے بڑی شرم اور ندامت ہوئی کہ یہ تو اپنے آپ کو چھپانے میں کامیاب ہو گئے لیکن پہنچاننے میں ناکامیاب ہو گئے۔ پھر فرمایا کہ میں نے تیرے سارے بیان سنے اور بس تربیت

کے لیے اپنے دو بیٹوں کو جو کہ فارغ التحصیل ہیں مولوی ہیں ان کو تیرے پاس بھیجوں گا۔ بندہ نے عرض کیا کہ حضرت ضرور بھیجیں اور دعاء فرمادیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ان سے منتفع فرمادے، فرمانے لگے کہ نہیں انگریزی کالجوں کی طرف ان کا رخ ہے۔ انشاء اللہ تیرے پاس رہنے سے بہت فائدہ ہوگا، ہر شب جمعہ میں جو کہ ان ہی کی جامع مسجد میں ہوتی ہے شرکت فرماتے ہیں ابھی دو تین ہفتہ پہلے بندہ حاضر ہوا نوشہرہ میں تو خدمت میں حاضری کے لیے گیا تو تشریف فرمانہ تھے بندہ جماعت کے پاس واپس آگیا تو مغرب کی نماز وہیں آکر پڑھی اور بندہ کے بیان میں شروع سے آخر تک بیٹھے رہے۔ بندہ کو پتہ چل جاتا تو انہی سے عرض کرتا عشاء کے بعد ملاقات ہوئی کھانا بھی اکٹھا کھایا اور پھر تشریف لے گئے۔ انہیں صرف ایک اشکال ہے کہ جمعہ کی صبح کو جماعتوں کو ان دیہات میں بھیج دیا جاتا ہے جہاں جمعہ نہیں ہوتا اس سے جمعہ کی اہمیت پر چوٹ پڑتی ہے، بندہ نے احباب سے عرض کیا کہ بھائی جمعرات کو روانہ کردیا کرو۔ بندہ نے سارا واقعہ اس لیے درج کردیا کہ انہوں نے کسی بات پر اشکال نہیں کیا۔ ہمارے یہاں بھی رہے اور جماعتوں میں باہر بھی پھرے اور مزاج میں تنقید اتنی ہے کہ بھرے جلسوں میں مقرر کو ٹوک دیتے ہیں اور کسی کی مخالفت کی پرواہ نہیں کرتے...... گزشتہ سال پہاڑوں کا نہایت دشوار گزار سفر اختیار فرمایا صرف بندہ کے ایک پیغام پر اور ایک اجتماع میں بھی آئے۔ فقط۔

جیسا کہ رسالہ میں بار بار کئی جگہ لکھوا چکا ہوں کہ حضرات نظام الدین کو اس قسم کے اعتراضات اور جوابات کی فرصت ہے اور نہ ان لوگوں کو ادھر متوجہ ہونا چاہیے۔ لیکن دیگر اکابر اس قسم کے اعتراضات کے بہت سے جوابات تحریراً و تقریراً دے چکے ہیں، بالخصوص حضرت الحاج قاری محمد طیب صاحب مولانا محمد منظور صاحب نعمانی، الحاج مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی وغیرہ اور بعض مضامین اس رسالہ میں گذر بھی گئے ہیں اور ان حضرات کے اکثر مضامین رسالہ ''کیا تبلیغی کام ضروری ہے'' میں مفصل طبع ہو چکے ہیں۔ رسالہ کے خاتمہ پر مولانا منظور احمد نعمانیؒ کا مضمون جو الفرقان میں طبع ہوا ہے نقل کراتا ہوں اور اسی پر رسالہ کو ختم کرتا ہوں۔ ❁❁❁❁

باب دوم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تبلیغی جماعت کے متعلق بعض اہم شبہات کے حقائق پر مبنی

جوابات

حضرت مولانا

محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

کی

ایک دلنشین تحریر

''تبلیغی جماعت'' اور بعض شکایات

از: مولانا محمد منظور نعمانیؒ مطبوعہ ''الفرقان'' ذیقعدہ ۱۳۷۹ھ

کئی مہینے ہوئے صوبہ ممبئی سے ایک صاحب علم کا خط اس ناچیز کے نام آیا تھا۔ جس میں ''تبلیغی جماعت'' اور اس کے کام سے متعلق کچھ شکایات درج تھیں اتفاق سے گذشتہ مہینے شوال میں ایک سفر کے دوران میں اس کا جواب لکھا جاسکا اسی سفر میں بعض تبلیغی احباب سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس طرح کی شکایتیں بعض خاص حلقوں میں یہاں بھی پھیل رہی ہیں اس لیے اس جواب کی عام اشاعت مناسب سمجھی گئی (منظور احمد نعمانی عفا اللہ عنہ)

بسمہ سبحانہ وتعالیٰ

مکرمی ومحترمی...... زید مجدکم...... سلام مسنون

خدا کرے مزاج بعافیت ہوں، گرامی نامہ کا جواب آج بہت تاخیر سے دے رہا ہوں، میری عادت سی ہوگئی ہے کہ جن خطوط کا جواب مختصر نہیں دیا جاسکتا وہ فرصت کے انتظار میں رکھے رہتے ہیں اور بسا اوقات ہفتوں اور کبھی کبھی تو کئی مہینوں کے بعد ان کے جواب کی نوبت آتی ہے آپ کے گرامی نامہ کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہوا اس وقت سفر میں ہوں اور یہ جواب چلتی ٹرین میں لکھ رہا ہوں آپ کو انتظار جواب کی بڑی زحمت ہوئی ہوگی امید ہے کہ معذور تصور فرما کر معاف فرمادیں گے۔

آپ نے تبلیغی جماعت اور اس کے تبلیغی کام کے متعلق جو چند شکائتیں اور بعض اشکالات لکھے ہیں اور بعض اصلاح طلب امور کی طرف توجہ دلائی ہے اس کے بارے میں پہلی بات تو مجھے یہ عرض کرنی ہے کہ آپ نے جماعت کا خاص رکن اور ذمہ دار سمجھ کر اس سلسلہ میں مجھے مخاطب فرمایا ہے میں ذرہ برابر انکسار کے بغیر عرض کرتا ہوں'' واقعہ میں میری یہ حیثیت بالکل نہیں ہے۔ میں اگرچہ اصولی طور پر اس کام کو بڑا مبارک اور مقبول کام سمجھتا ہوں اور میرے دل میں اس

کی بڑی عظمت ہے لیکن اپنے خاص حالات اور اپنے ان بعض مشاغل کی وجہ سے جن کو میں نے اپنا رکھا ہے میں اس کام میں بہت کم عملی حصہ لے سکتا ہوں اور چونکہ یہ کام سراسر عملی ہے اس میں کسی کا کوئی منصب اور کوئی عہدہ نہیں ہے اس لیے میں اس کے تیسرے درجہ کے کارکنوں میں شمار ہونے کے قابل نہیں ہوں اس لیے اس کام کے سلسلہ میں اگر آپ کو یا کسی کو کوئی مخلصانہ مشورہ دینا ہو یا کسی اصلاحی بات کی طرف توجہ دلانی ہو تو اس کام کے اصل مرکز ''بستی نظام الدین اولیاء دہلی'' کو لکھنا چاہئے بلکہ زیادہ صحیح اور مفید طریقہ یہ ہے کہ اس کام کے اصل روح رواں حضرت مولانا محمد یوسف صاحب دامت فیوضہم کی خدمت میں حاضر ہو کر مشافہۃً ان سے عرض کیا جائے۔''

تاہم چونکہ اس کام سے اور اس کے خاص کارکنوں اور ان کے حالات وخیالات سے بفضلہ تعالیٰ واقفیت رکھتا ہوں اس لیے گرامی نامہ کے مندرجہ جات کے بارے میں چند باتیں عرض کرتا ہوں۔ آپ کے خط سے مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس کام کی حقیقت سے آپ شاید بالکل واقف نہیں ہیں بلکہ اس کے مشہور عنوان ''تبلیغ'' کے لفظ سے آپ کے ذہن میں جو تصور قائم ہوا ہے، بس اسی کو بنیاد بنا کر آپ نے رائے قائم کی ہے اور مشورے دیے ہیں اس لیے ان میں زیادہ تر ایسے ہیں جو اصل کام سے بالکل غیر متعلق ہیں۔ ''یہ داخلی تبلیغ'' اور ''خارجی تبلیغ'' کی لمبی بحث جو آپ نے لکھی ہے اسی ناواقفی کا نتیجہ ہے۔ میرا ہمیشہ سے یہ خیال ہے کہ اس کام کے لیے ''تبلیغ'' کا عنوان اور اس کے کرنے والوں کے لئے ''تبلیغی جماعت'' کا نام بہت سوں کے لیے غلط فہمیوں اور ذہنی الجھنوں کا سبب بنتا ہے، تبلیغ کے اس لفظ سے لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ وعظ ونصیحت کا کام ہے اور ''تبلیغی جماعت'' وعظ ونصیحت کا کام کرنے والوں کی کوئی ٹیم یا پارٹی ہے اس لیے وہ یہ ضروری سمجھتے ہیں کہ اس جماعت کے ہر آدمی کو دین کا اتنا علم ضروری ہونا چاہئے جتنا کہ وعظ ونصیحت کے لئے ضروری ہے اسی طرح عملی حیثیت سے بھی اس میں کوئی نمایاں کمی نہ ہونی چاہیے۔ پھر جب وہ پھرنے والی تبلیغی جماعتوں میں ایسے لوگوں کو بھی دیکھتے ہیں جن کو صحیح وضو کرنا بھی نہیں آتا اور جن کی وضع اور صورت بھی شریعت کے مطابق نہیں ہوتی تو ان کے دلوں میں سخت

اعتراض پیدا ہوتا ہے...... اسی طرح جب وہ دیکھتے ہیں کہ تبلیغی جماعت والے سب سے زیادہ اصرار اس پر کرتے ہیں کہ لوگ اپنے گھر چھوڑ کر اس کام کے لیے باہر نکلیں اور لمبے لمبے سفر کریں تو بھی لوگوں کو حیرت ہوتی ہے۔ اور ان کے دلوں میں اعتراض پیدا ہوتا ہے کہ جب وعظ ونصیحت ہی کرنا ہے اور قرب وجوار میں اور خود اپنے علاقوں میں بھی ایسے لوگ موجود ہیں جن میں یہ کام کرنے کی ضرورت ہے تو یہ لمبے لمبے سفر کیوں کئے جاتے ہیں اور اللہ کے بندوں کا پیسہ ریل کے کرایوں میں کیوں فضول صرف کرایا جاتا ہے؟ بہرحال اس طرح کے سارے اعتراضات صرف اس لیے پیدا ہوتے ہیں کہ تبلیغی جماعت کا کام وعظ ونصیحت سمجھا جاتا ہے، حالانکہ اصل حقیقت یہ ہے کہ یہاں تبلیغ سے مراد ایک خاص نظام عمل ہے یعنی ایک خاص قسم کے دینی اور دعوتی ماحول میں خاص اصولوں کے ساتھ کچھ خاص اعمال واشغال کی پابندی کرتے ہوئے خاص پروگرام کے مطابق زندگی گذارنا جس سے ایمانی کیفیت میں ترقی ہو، دین سے تعلق اور واقفیت بڑھے اعمال واخلاق کی کچھ اصلاح ہو اور دین کے لیے جانی ومالی قربانی کی عادت پڑے، الغرض یہاں تبلیغ سے مراد یہی خاص "عملی پروگرام" ہے اور اس لیے ہر مسلمان کو خواہ اس کے علم وعمل میں کتنی ہی کمی ہو اس کی دعوت دی جاتی ہے بلکہ جہاں تک بس چلتا ہے کھینچنے کی کوشش کی جاتی ہے...... اور ان کو ساتھ لینے کیلئے کوئی شرط نہیں لگائی جاتی بلکہ اس امید پر ان کو لے جایا جاتا ہے کہ انشاء اللہ جماعتی ماحول اور اس کی فضاء سے یہ متاثر ہوں گے اور اللہ تعالیٰ جو در اصل ہادی اور مقلب القلوب ہے، ہم سب پر اپنا فضل فرمائے گا۔ اس لیے جماعتوں میں ہر طرح کے اور ہر قماش کے لوگ ہوتے ہیں۔

البتہ جیسا کہ آپ نے تحریر فرمایا ہے یہ غلطی جماعتوں میں ہوتی ہے کہ عام مجمعوں میں بعض اوقات ایسے لوگوں کو بات کرنے کے لئے کھڑا کر دیا جاتا ہے جو اس کے اہل نہیں ہوتے بلکہ اس کام سے بھی اچھی طرح واقف نہیں ہوتے اور پھر وہ بات کرنے میں اپنے علم کے حد کی بھی پابندی نہیں کرتے لیکن اس کو جیسے آپ غلط سمجھتے ہیں اسی طرح کام کے ذمہ دار حضرات بھی اس کو غلط اور اس کی اصلاح ضروری سمجھتے ہیں جماعتوں کو سفر شروع کرتے وقت جو

ہدایتیں دی جاتی ہیں ان میں اس بارہ میں بھی ہدایت کی جاتی ہے کہ بات کس کو اور کس طرح کرنی چاہئے' ان ہدایتوں کی پوری پابندی ہو تو ایسی غلطیاں نہ ہوں۔ لیکن واقعہ یہی ہے کہ ایسی غلطیاں بکثرت ہوتی ہیں' یہ بات کام کی ذمہ داروں کے لیے بلاشبہ بہت فکر اور توجہ کے لائق ہے خود میری رائے یہ ہے کہ ایسے اہم امور کے بارے میں زبانی ہدایات کے علاوہ اگر کوئی تحریری یادداشت بھی دے دی جایا کرے تو پھر انشاء اللہ ایسی غلطیوں کا بہت کچھ سدباب ہوسکتا ہے۔

تبلیغ کی وجہ سے مدارس کو ترقی ملی ہے

اس کے بعد میں آپ کے خط کے سب سے اہم اور آخری جز کے متعلق کچھ عرض کرتا ہوں۔ اور آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ "تبلیغی جماعت والے دینی مدارس کی مخالفت کرتے ہیں اور جو لوگ تبلیغی جماعت میں کام کرنے لگتے ہیں ان کا تعلق مدرسوں سے کم ہو جاتا ہے۔" یہ بات بڑی سنگین ہے ایسی باتوں کو زبان پر یا قلم پر لانے سے پہلے جتنی تحقیق کر لینی ضروری ہے میرا خیال ہے کہ اس کے بغیر آپ نے یہ بات لکھ دی ہے۔ اگر آپ تبلیغی کام سے تعلق رکھنے والے کسی خاص شخص یا چند متعین افراد کے متعلق ایسی بات کہیں تو زیادہ مستبعد نہیں' میں ابھی عرض کر چکا ہوں کہ اس کام سے تعلق رکھنے والوں میں ان تمام مزاجوں اور خیالوں کے لوگ ہوسکتے ہیں جو مسلمانوں کے موجودہ معاشرے میں پائے جاتے ہیں لیکن تبلیغی کام کرنے والوں کے متعلق عموم کے ساتھ یہ بات کہنا کہ وہ دینی مدارس کی مخالفت کرتے ہیں بڑی زیادتی کی بات ہے۔ آپ نے اتنا تو سوچا ہوتا کہ اس کام سے تعلق رکھنے والوں میں کتنے ہیں جو خود مدرسے چلا رہے ہیں یا مدرسوں میں تدریس کی خدمت انجام دے رہے ہیں' خود حضرت مولانا محمد یوسف صاحب (۱) جو اس کام کے روح رواں ہیں اور سب سے بڑے ذمہ دار ہیں ایک مدرسہ (کاشف العلوم) وہ بھی چلا رہے ہیں' جس میں خود بھی پابندی سے درس دیتے ہیں اور یہی حال ان کے خاص الخاص رفقاء کار مولانا انعام الحسن صاحب اور مولانا عبید اللہ صاحب وغیرہ کا ہے۔ مجھے بھی آپ اس کام

سے خاص تعلق رکھنے والوں میں سمجھتے ہیں اور مدارس کی دنیا سے میرا تعلق آپ کو معلوم ہے۔ یعنی یہ کہ میں دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ اور عاملہ کا رکن ہوں، دارالعلوم ندوۃ العلماء سے بھی میرا تعلق ہے بلکہ اب تو کچھ عرصہ سے میں نے تدریس کی کچھ ذمہ داری بھی لے لی ہے۔ اور بھی ایسے بیسیوں حضرات کو آپ جانتے ہوں گے جو اس کام سے بھی تعلق رکھتے ہیں اور کسی مدرسہ کی ذمہ داری بھی ان پر ہے۔ ایسی صورت میں یہ کہنا کہ تبلیغی کام کرنے والے دینی مدارس کی مخالفت کرتے ہیں کس قدر غلط اور کتنی بے تکی بات ہے۔

مدارس کی مخالفت کی اصل وجہ اور علاج

میرے نزدیک حقیقت اس بارہ میں یہ ہے کہ بہت سے ایسے لوگ بھی جن کا ذہن کسی وجہ سے مدارس اور اہل مدارس کے خلاف بن چکا ہے اپنے اسی ذہن کے ساتھ اس کام میں لگ جاتے ہیں' اور ان کی زبانوں سے وقتاً فوقتاً ایسی باتیں نکلتی ہیں اسی طرح کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک آدمی جو دین سے بالکل بے تعلق تھا غفلت اور فراموشی کی زندگی گذار رہا تھا اس کام میں لگنے کے بعد بس اسی کام کو اصل دینی کام اور دینی خدمت سمجھتا ہے اور جب وہ دیکھتا ہے کہ بہت سے علماء اور اہل مدارس جن پر دین کی خدمت کا سب سے زیادہ حق ہے یہ کام نہیں کررہے تو اپنی علمی اور دینی تربیت نہ پانے کی وجہ سے ان پر اعتراض اور تنقید کرنے لگتا ہے، لیکن میں اپنے معمولات اور تجربوں کی بنا پر پورے وثوق سے کہہ سکتا ہوں اور کہتا ہوں کہ ایسے لوگوں کا تعلق کام سے جس قدر بڑھتا ہے اور اصل کارکنوں اور ذمہ داروں سے جتنا ان کا اختلاط ہوتا ہے ان کی اس غلطی کی اصلاح ہوتی رہتی ہے، البتہ دوسری علمی و عملی غلطیوں کی طرح اس غلطی کی اصلاح کے لیے یہاں تردید و بحث کا طریقہ اختیار نہیں کیا جاتا۔ بلکہ اپنے طریقہ پر ذہن بدلنے کی کوشش کی جاتی ہے جو اللہ تعالیٰ کے فضل سے اکثر کامیاب ہوتی ہے، میں ایسے متعدد حضرات کو جانتا ہوں جو پہلے مدارس اور اہل مدارس سے سخت بیزار اور بڑے بیباک معترض تھے۔ لیکن اس

کام سے اور پھر کام کے مرکز نظام الدین سے تعلق بڑھنے کے بعد ان کا ذہن بدلا اور وہ مدارس کے قدر شناس اور خادم بن گئے۔ ہم نے خود حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ کو دیکھا ہے کہ وہ اس کا پورا اہتمام کرتے تھے کہ ان سے اور ان کے کام سے تعلق رکھنے والے لوگ حضرات علماء کرام سے اور مدارس سے گہرا عقیدت مندانہ تعلق رکھیں اور ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بھی اس کا پورا اہتمام اور اس کی پوری کوشش کرتے ہیں، آپ کو تو معلوم نہ ہوگا لیکن میں بتاتا ہوں کہ ہر مہینہ مولانا موصوف کی خدمت میں مختلف علاقوں اور طبقوں کے نئے نئے سینکڑوں افراد اور بیسیوں پچاسوں جماعتیں آتی ہیں ان کا یہ مستقل معمول ہے کہ اپنے پاس آنے والے ہر اہم فرد اور ہر اہم جماعت کو وہ دیوبند اور سہارنپور (کے مدارس میں) حتی الوسع ضرور بھیجتے ہیں تاکہ وہاں کے اکابر کی زیارت کریں اور وہاں کے علمی مراکز دارالعلوم اور مظاہر علوم کو بھی دیکھیں اس طرح ہر مہینے اس تبلیغی راستے سے مختلف اقطاع کے سینکڑوں افراد ہمارے ان علمی مرکزوں سے واقف ہوتے ہیں۔ اور ان کی عظمت اور ہمارے اکابر کی عقیدت اپنے قلوب میں لے کر اپنے علاقوں کو لوٹ جاتے ہیں، ان علمی مرکزوں اور ان کے مسلک حق کی یہ ایک ایسی ٹھوس اور خاموش خدمت انجام دی جارہی ہے...... جو ہم اپنی مساعی سے غالباً کسی طرح بھی انجام نہیں دے سکتے تھے خود مولانا محمد یوسف صاحب دیوبند سہارنپور وغیرہ کے اکابر سے جیسا نیازمندانہ تعلق رکھتے ہیں اور اس سلسلہ میں ان کا جو رویہ ہے اس کے معلوم ہونے کے بعد ان سے محبت وعقیدت رکھنے والے کسی شخص کی رائے مدارس اور حضرات اہل مدارس کے خلاف کس طرح ہوسکتی ہے۔

مدارس کی مالی ترقی میں معاونت

اس کے علاوہ اس کام سے مدرسوں کے لیے جو مجموعی فضا بن رہی ہے اس کا احساس تو میرے نزدیک ہر ایک کو ہونا چاہیے معلوم نہیں آپ جیسے حضرات اس کو کیوں نہیں محسوس کرتے میں تو گویا اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں کہ اس تبلیغی کام سے ہمارے مدارس کو بالکل اس طرح کی مدد مل رہی ہے جس طرح کی مدد بارش کے پانی اور موافق ہواؤں سے کھیتوں اور باغوں کو ملتی

ہے۔ میں ایسے سینکڑوں افراد و اشخاص بلکہ بہت سے ایسے علاقوں اور طبقوں کو بتا سکتا ہوں جن کا ہمارے دینی مدارس سے کوئی ربط و تعلق نہ تھا نہ وہ ہمارے اکابر سے آشنا اور واقف تھے، تبلیغی جماعتوں ہی کی آمد و رفت نے ان میں دینی احساس پیدا کیا اور ان ہی کے ذریعہ وہ ہمارے مدارس اور ہمارے اکابر کی دینی خدمات سے واقف ہوئے، پھر وہاں سے طلبہ بھی دینی مدارس میں آنے لگے اور دینی مدارس کی خدمت ہونے لگی اس سلسلہ میں خصوصیت سے یہ بات بھی قابل ذکر سمجھتا ہوں کہ جہاں تک میرا اندازہ ہے ہندوستان کے ہمارے دینی مدارس کو سب سے زیادہ امداد کلکتہ اور بمبئی کے اہل خیر سے ملتی ہے۔ میں رجماً بالغیب نہیں بلکہ اپنی قابلِ وثوق معلومات کی بنا پر کہہ سکتا ہوں کہ ان دونوں شہروں سے جس قدر امداد ہمارے دینی مدارس کو تبلیغی جماعت کے کام اور اثر سے پہلے ملتی تھی، اب اس سے کئی گناہ زیادہ ملتی ہے اور بہت سے اہلِ مدارس بھی جانتے ہوں گے کہ دینی مدارس کی اس خدمت اور فکر مندی میں زیادہ حصہ ان ہی اہلِ خیر کا ہے، جن کا تبلیغی کام سے بھی خالص تعلق ہے۔

مدارِس کی خدمات

اس سلسلہ میں ایک اور بات بھی ہم اور آپ جیسوں کے سوچنے کی ہے کہ اب جب کہ مدارس عربیہ کی آبادی صرف ان غریب گھرانوں کے طلبہ سے ہے، جو اسکولوں اور کالجوں کی تعلیم کا خرچ برداشت نہیں کر سکتے (حتیٰ کہ ہم لوگ بھی جنہوں نے جو کچھ پایا ہے ان غریب پرور مدرسوں سے پایا ہے، اپنے بچوں کو عزت کی روٹی حاصل کرنے کے لیے کالجوں میں بھیجنے لگے ہیں) تو ایسے وقت میں اس تبلیغی کام کے طفیل بہت سے وہ لوگ جن کا ارادہ اپنے بچوں کو تعلیم کے لیے یورپ اور امریکہ بھیجنے کا تھا اور ان کو اس کے پورے وسائل بھی حاصل تھے وہ اپنے ان ہی بچوں کو اسکولوں اور کالجوں سے نکال نکال کر ہمارے ''دار العلوموں'' میں بھیج رہے ہیں۔ ان سب باتوں کو سامنے رکھ کر سوچئے کہ تبلیغی کام اور اس کے کرنے والوں کی جو شکایات آپ نے دینی مدارس سے متعلق کی ہے وہ کس قدر بے جا ہے۔ میرا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ اس کام کے کرنے

والے فرشتے ہیں یا اس کام میں غلطیاں نہیں ہو رہی ہیں، بلاشبہ اس کام میں بہت سی غلطیاں ہوتی ہیں اور اس کام سے تعلق رکھنے والوں میں بہت ہی گھٹیا قسم کے افراد بھی ہیں، اس کام کی ساخت ہی ایسی ہے بقول حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ کے ''یہ تو دھوبی کی بھٹی ہے اس میں میلے کچیلے اور غلیظ بھرے گندے ناپاک کپڑے بھی ہیں۔''

لیکن جس قسم کی شکایتیں اور جس انداز میں آپ نے کی ہیں میں ان کو صحیح نہیں سمجھتا مجھے جن غلطیوں کا احساس ہوتا ہے میں کام کرنے والوں کو اپنی بساط کے مطابق ان کی طرف توجہ دلاتا رہتا ہوں، ہاں بعض چیزیں ایسی بھی ہیں کہ باہر کا آدمی از راہ اخلاص ان کو غلط اور قابل اصلاح سمجھے، اور جو کام میں گھسا ہوا ہے اور اس کام کی منطق سے واقف ہے وہ اسے ناگزیر سمجھے گا ایسی چیزوں میں اپنی رائے کے اظہار کے بعد کام کے ذمہ داروں کے علم اور ان کی دیانت پر اعتماد کرنا چاہیے۔

جیسا کہ عرض کر چکا ہوں اس سلسلہ میں جو کچھ لکھنا آپ ضروری سمجھیں اس کام کے مرکز کو دہلی لکھیں اور مجھے بالکل معذور تصور فرمائیں۔

والسلام

محمد منظور نعمانی نور اللہ مرقدہٗ

❁❁❁❁

باب سوم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فضائل اعمال، فضائل صدقات، بہشتی زیور، ہدایہ

اور

تبلیغی کام پر غیر مقلدین کے وساوس

اوران کا مدلل محاسبہ

حضرت مولانا

محمد امین صفدر اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ

کے

حقیقت انگیز قلم سے

''فضائل اعمال'' پر غیر مقلدین کے وساوس

وکیل اہلسنت حضرت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

''تبلیغی جماعت'' جس کے متعلق کچھ معلومات آپ کو گذشتہ صفحات سے ہوئیں، یوم تاسیس سے ہی اس پر اعتراضات کا سلسلہ جاری ہے۔ اور ہر دور میں یہ وساوس اپنا رنگ بدلتے رہتے ہیں۔ چنانچہ نصف صدی سے یہ جماعت غیر مقلدین کے عتاب کا شکار بھی ہے۔ مولانا اوکاڑوی کو اللہ پاک نے اس فتنہ کی سرکوبی کے لیے چنا اور ان کے ذریعے ہزاروں انسانوں کا ایمان محفوظ رہا' بلکہ بہت سے خوش قسمت مرزائیت وغیرہ فرق باطلہ سے تائب ہو گئے تبلیغی جماعت سے حضرت کو خاص پیار تھا اور انہوں نے وقت بھی لگایا تھا۔ اس لیے مختلف مجالس میں اس کے خلاف وساوس کا ازالہ فرمایا کرتے تھے جسے ہم نے اکٹھا کر کے کتابی شکل دے دی ہے۔ فرماتے ہیں: ''کراچی کے سفر میں ایک صاحب سے ملاقات ہوئی جو اپنا نام مرزا وحید بیگ بتا رہے تھے وہ اصل میں پنجابی ہیں مگر عرصہ دراز سے امریکہ میں مقیم ہیں۔ انہوں نے اپنی سرگذشت یوں بیان فرمائی کہ میں یہاں سے ایف، اے کر کے امریکہ گیا تھا۔ ایک سال اس حال میں گزرا کہ دونوں عیدیں اور چند نمازیں بھی پڑھیں۔ آخر عید کی نماز میں دو تین ساتھیوں سے ملاقات ہوئی' جو تبلیغی جماعت سے تعلق رکھتے تھے' انہوں نے میرا ایڈریس نوٹ کیا اور مجھ سے رابطہ رکھا۔

''دعوت و تبلیغ'' نے زندگی کا رخ بدل دیا

مزید حالات سناتے ہوئے وہ نوجوان کہنے لگا ''ان تبلیغی حضرات کی صورت اور سیرت شریعتِ محمدیہ ﷺ کی ترجمان تھی، ان کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے سے مجھے بھی اسلامی زندگی کا احساس ہوا۔ میں نے تبلیغی جماعت کے ساتھ وقت لگانا شروع کر دیا، مجھے ایک عجیب ذہنی سکون اور قلبی راحت محسوس ہوئی اور الحمدللہ میں نماز روزے کا پابند بن گیا، حرام حلال کا امتیاز کرنے لگا، اپنے

وقت اور مال سے کچھ حصہ دین سیکھنے اور اس کی تبلیغ کرنے کے لیے وقف کر دیا۔ بیوی بچوں، دوست احباب، سب پر محنت کی اور ایک پرسکون دینی ماحول بن گیا اور میری زندگی کے پورے چار سال اسی طرح گذرے۔ میں نے اور میری بیوی نے گذشتہ زندگی کی نمازوں کو قضا کیا۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد میں جو کوتاہیاں ہوئی تھیں شرعی مسائل پوچھ کر ان کی ادائیگی اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ندامت اور توبہ کا شغل اختیار کیا۔ فضائل اعمال، تعلیم الاسلام اور بہشتی زیور کتابیں خریدیں اور ان کی تعلیم اور عمل میں کوشش کرتے۔''

صراط مستقیم سے گمراہی کی طرف

چار سال کے بعد ایک عید کے موقعہ پر ہی دو تین نو جوانوں نے مجھے آ گھیرا۔ بڑی گرمجوشی سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے میرے دینی جذبات اور کوششوں کی تعریف کی۔ اگرچہ ان نو جوانوں کے چہرہ پر داڑھی تھی نہ ان کا لباس شرعی انداز کا تھا لیکن وہ دین سے لگاؤ اور محبت کا ذکر اس جوش سے کرتے تھے کہ میں ان کا گرویدہ ہو گیا ان کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا ہو گیا۔ اس نیت سے کہ ان کے جذبہ کی قدر کر کے ان کو شرعی صورت وسیرت اور شرعی لباس اور احکام پر آسانی سے آمادہ کیا جا سکتا ہے۔ میں ان کے ہاں گیا ان کے پاس اسلامی کتابوں کی ایک لائبریری تھی۔

(قارئین! وہ نو جوان ان غیر مقلدین کو لے کر حضرت اوکاڑویؒ کے پاس آ جاتا ہے۔ حضرت ان کے وساوس سنتے ہیں اور انہیں جوابات دے کر وساوس کا ازالہ فرما رہے ہیں' ہم نے اس ساری گفتگو کو وسوسہ نمبر اور ازالہ کے عنوان سے ترتیب دیا ہے۔)

وسوسہ نمبر ا:۔ تبلیغ والوں کا دین انڈیا کا ہے نہ کہ مکہ مدینہ والا

وہ نو جوان کہنے لگا'' انہوں نے مجھے کہا کہ آپ لوگوں کا دین انڈیا سے آیا ہے اور ہمارا مکہ، مدینہ سے اور وہ یہ کہتے ہوئے ایک کتاب صلوٰۃ الرسولؐ، مصنفہ مولانا محمد صادق سیالکوٹی، مجھے دی کہ اگر مکے، مدینے کا دین ماننا ہے تو یہ کتاب پڑھو'' میں نے یہ کہتے ہوئے کتاب لے لی'' یہ کتاب تو سیالکوٹی کی ہے نہ کہ مکہ مدینہ کی۔'' انہوں نے کہا اگرچہ سیالکوٹ میں لکھی گئی مگر باتیں

مکہ مدینہ کی ہیں۔

میں نے ان غیر مقلدین سے کہا کہ حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ نے بھی فضائل اعمال میں آیات قرآنیہ احادیث نبویہ ﷺ اور نیک لوگوں کے واقعات ہی ذکر فرمائے ہیں۔ بہت عجیب کتاب ہے، میری زندگی میں یہ تبدیلی اسی کتاب کی مرہونِ منت ہے کہ میں بے نماز تھا، نمازی بن گیا۔ جھوٹ بولتا تھا اس سے توبہ کی، حلال حرام کا خیال نہیں کرتا تھا اب پوری کوشش کر کے حرام سے بچتا ہوں، میری صورت اور سیرت میں جو ''اسلامی رنگ'' ہے یہ اسی کتاب کی برکت ہے۔

وسوسہ نمبر۲:۔ ''فضائل اعمال'' میں حوالہ جات نہیں

حضرت جی پھر انہوں نے فوراً میری بات کاٹتے ہوئے کہا کہ آپ پڑھے لکھے آدمی ہیں، شیخ الحدیث صاحب نے بہت سی باتیں بلا حوالہ نقل کر دی ہیں۔ انہوں نے مجھے کئی ایک مقامات دکھائے جہاں کوئی حوالہ نہ تھا اور پھر ''صلوٰۃ الرسول'' دکھا دکھا کر کہہ رہے تھے کہ دیکھو ہر بات باحوالہ ہے۔ دین ہمیشہ باحوالہ اور مستند ہونا چاہیے نہ کہ بے حوالہ اور غیر مستند اس بات سے وہ صالح نوجوان بالکل لاجواب ہو گیا اور واقعی بڑا دھچکا لگا کہ حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ نے بہت جگہ حوالے کیوں نہیں دیے؟ حضرت اوکاڑوی ؒ فرماتے ہیں اس نے یہ بتاتے ہوئے مجھے کہا کہ آپ مجھے اس بات کا جواب دیں۔ تاکہ ان غیر مقلدین کو مطمئن کر سکوں۔

ازالہ:۔ میں نے کہا ''اس کا جواب حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ خود دے چکے ہیں۔''

فرماتے ہیں: ''اس جگہ ایک ضروری امر پر متنبہ کرنا بھی لابدی ہے وہ یہ کہ میں احادیث کا حوالہ دینے میں مشکوٰۃ، تنقیح الرواۃ، احیاء العلوم کی شرح اور منذری کی ترغیب وترہیب پر اعتماد کیا ہے اور کثرت سے ان سے مواد لیا ہے، اس لیے ان کے حوالہ کی ضرورت نہیں سمجھی۔ البتہ ان کے علاوہ کہیں اور سے کیا ہے تو اس کا حوالہ نقل کر دیا ہے۔ (فضائل قرآن ص ۷)

اس نے اس عبارت کو تین دفعہ پڑھا اور کہنے لگا ''حضرت ؒ نے واقعی بات واضح فرما دی لیکن میں نے پورا مطالعہ نہیں کیا۔''

آپ اپنا طرز عمل خود ہی دیکھ لیں

پھر میں نے کہا کہ ''صلوٰۃ الرسول (ان غیر مقلدین کی نماز کی مشہور کتاب)'' میں بھی کئی باتیں بلاحوالہ درج ہیں ص ۴۴۹ تا ص ۴۵۴ جو اذکار اور اعمال درج کئے ہیں وہ سب بلاحوالہ درج ہیں۔ چنانچہ مولوی عبدالرؤف (ان کے اپنے مولوی غیر مقلد عالم) صلوٰۃ الرسول کلاں کے حاشیہ پر آیت کریمہ کے عمل کا یوں مذاق اڑاتا ہے:۔

کیا ایسا بہتر نہیں ہے کہ یہ وظیفہ آیت کریمہ کرنے والے کو ایک مچھلی نما صندوق میں بند کر کے کسی دریا میں یا سمندر میں پھینک دیا جائے۔ تاکہ حضرت یونسؑ کے مچھلی کے پیٹ کے اندھیرے کا نہ صرف نقشہ ہی کھنچ جائے بلکہ یونسؑ والی صحیح کیفیت پیدا ہو جائے۔ اس طریقہ سے عمل کرنے سے اکتالیس دن انتظار کی ضرورت نہیں بلکہ چند ہی گھنٹوں میں بفضلہٖ تعالیٰ ہر قسم کے ہموم و غموم کے بادل چھٹ جائیں گے۔ کسی طرح کی بھی مشکل و مصیبت باقی نہ رہے گی، بلکہ سب پریشانیوں اور مصیبتوں سے نجات ابدی مل جائے گی۔ ''انا للہ وانا الیہ راجعون'' مجھے نہایت تعجب بھی ہے اور افسوس بھی کہ اس قسم کی لایعنی چیزیں اور خرافات ہم سلفیین میں کدھر سے گھس آئیں باللہ علیکم کیا اس قسم کی باتیں اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس سے استہزاء کے مترادف نہیں؟ یہ طریقے کس آیت قرآنی اور کس حدیث نبویؐ سے ماخوذ ہیں۔ (اس محفل میں بیٹھے غیر مقلدین بڑے حیران ہیں کہ ہمارے ہی مولوی نے ہماری ہی کتاب کو غلط قرار دیا ہے)

(صلوٰۃ الرسول محشی ص ۵۰۴)

غلط حوالہ جات:۔ وہ آنے والا نوجوان تو یہ بے حوالہ باتیں اور ان پر تبصرہ پڑھ کر ہی حیران ہو رہا تھا کہ میں نے بتایا کہ صلوٰۃ الرسول میں بہت سے حوالے غلط ہیں۔ دیکھئے صلوٰۃ الرسول ص ۱۳۶ پر زیر عنوان ''نماز کے لامثال محاسن'' فضائل کی ۱۲۴ احادیث نقل کی ہیں اور حوالہ صحاح ستہ کا دیا ہے مگر ان میں سے ۱۱۴ احادیث ''۱، ۵، ۶، ۷، ۸، ۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۳، ۱۴، ۱۵، ۱۶، ۱۷، ۲۰-۱۷ کا نشان تک صحاح میں نہیں ہے۔ اسی طرح مولوی عبدالرؤف صاحب (غیر مقلد اپنے ہی مولوی کی خبر لیتے

ہوئے) ہی لکھتے ہیں.

بعض ایسی احادیث بھی ہیں کہ موصوف نے انہیں جن کتب، کی طرف منسوب کیا ہے ان کتب میں وہ نسخوں پائی جاتیں۔ مثلاً ۲۷۸، ۲۸۳، ۳۱۱، ۳۴۳، ۳۵۸، ۵۰۹، ۵۷۱، ۲۶۰، ۶۳۹، ۶۶۵، ۶۶۷، ۲۷۷، (صلوٰۃ الرسول محشی ص ۱۴) یہ بارہ احادیث بھی ایسی ہیں کہ جن کے حوالے غلط ہیں۔ مثال کے طور پر ۲۶ غلط حوالے دیے ہیں ورنہ ''ایں خانہ ہمہ آفتاب است'' میں نے کہا ''اس چھوٹی سی کتاب میں غلط حوالوں کی اتنی بھرمار۔'' اب تو مرزا وحید بیگ بھی دریائے حیرت میں غرق ہے اور بار بار کہہ رہا تھا کہ یا اللہ تیرے سادہ دل بندے کدھر جائیں۔

وسوسہ نمبر ۳:۔ فضائلِ اعمال میں ضعیف احادیث ہیں

جناب وحید صاحب نے کہا کہ پھر ان غیر مقلدوں نے مجھے بتایا کہ اکثر باتیں تو شیخ الحدیث صاحب رحمۃ اللہ بلا حوالہ لکھیں اور جن کا حوالہ دیا ان میں سے بھی اکثر ضعیف، جھوٹی اور من گھڑت احادیث لکھ دیں لیکن صلوٰۃ الرسول میں ایک بھی ضعیف حدیث نہیں ہے۔ وحید صاحب نے بتایا کہ ان کا یہ اعتراض تو واقعی بہت وزنی تھا جس سے میں فضائل اعمال سے دل برداشتہ ہوگیا۔

ازالہ:۔ میں نے کہا دل برداشتہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ ان کا یہ اعتراض محدثین کے مسلمہ اصول کے خلاف ہے کیونکہ محدثین کا اصول ہے کہ فضائل اور ترغیب و ترہیب میں ضعیف احادیث مقبول ہیں۔ خود حضرت شیخ الحدیثؒ نے اس اصول کو بیان فرمایا۔ چنانچہ فضائل نماز کے آخر میں آخری گزارش کے تحت فرماتے ہیں:

''اخیر میں اس امر پر تنبیہ ضروری ہے کہ حضرات محدثینؒ کے نزدیک فضائل کی روایات میں توسع ہے اور معمولی ضعف قابل تسامح، باقی صوفیاء کرام رحمہم اللہ کے واقعات تو تاریخی حیثیت رکھتے ہی ہیں اور ظاہر ہے کہ تاریخ کا درجہ حدیث کے درجہ سے کہیں کم ہے''

(فضائلِ نماز ص ۹۶)

ایک جگہ فرماتے ہیں ''اگرچہ محدثانہ حیثیت سے ان پر کلام ہے لیکن یہ کوئی فقہی مسئلہ نہیں جس میں دلیل اور حجت کی ضرورت ہو مبشرات اور منامات ہیں۔'' (فضائل درود ص ۵۶)

قرآنی اصول اور فضائلِ اعمال

میں نے مزید کہا میں اس کی تھوڑی سی تفصیل عرض کر دیتا ہوں۔(جس سے معلوم ہوگا کہ ''فضائل اعمال'' کی احادیث معتبر ہیں)

جس طرح سارے حساب کا خلاصہ دو ہی قاعدے ہیں، جمع اور تفریق۔ حدیث کی سند کے راوی میں بھی بنیادی طور پر دو ہی باتیں دیکھی جاتی ہیں، حفظ اور عدالت، (راوی ایسا ہو کہ) اس کا حافظہ اچھا ہو اور وہ نیکوکار ہو فاسق فاجر نہ ہو۔ اگر راوی میں ضعف حفظ کی وجہ سے ہے تو اس کو محدثین ''ضعفِ قریب'' کہتے ہیں کیونکہ متابعت یا شواہد سے ختم ہو جاتا ہے۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے دو عورتوں کی گواہی کو ایک مرد کے برابر قرار دے دیا ہے وجہ یہ ہی بتائی ہے کہ اگر ایک عورت بھول جائے گی تو دوسری یاد دلا دے گی، اسی سے محدثین نے یہ اصول بنا لیا کہ اگر ایک حدیث کی دو سندیں ہوں اور دونوں میں ایک راوی ایسا ہو کہ جس کا حافظہ کمزور ہو تو دونوں سندیں مل کر وہ حدیث صحیح مانی جائے گی۔ اسی لیے حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ علیہ بہت جگہ یہ تحریر فرما دیتے ہیں ''یہ مضمون بہت سی روایات میں آیا ہے'' تاکہ معلوم ہو جائے کہ شواہد اور متابعات کی وجہ سے مقبول ہے۔ اب ان روایات کو رد کرنا گویا قرآنی اصول کا انکار کرنا ہے تو یہ اعتراض حضرت رحمۃ اللہ کی بجائے قرآن پاک پر ہونا چاہیے۔ (وحید صاحب حیران تھے کہ قرآن وحدیث کے نعرے لگا کر مجھے دین سے دور کرنے والے خود قرآنی اصول سے ناواقف ہیں)

آگے مولانا نے مزید فرمایا:

فضائل میں ضعیف احادیث معتبر ہیں

اور اگر راوی عادل نہ ہو تو اس کو ضعف شدید کہتے ہیں اس لیے احکام میں اس کی روایت حجت نہیں ہوتی مگر فضائل اور تاریخ میں سرے سے عدالت ہی شرط نہیں ہے۔ رسول اقدس ﷺ فرماتے ہیں: حدثوا عن بنی اسرائیل ولا حرج (بخاری ج ۱/۴۹۱، ترمذی ج ۲/ص ۱۰۷) بنی اسرائیل سے روایت کرو کوئی حرج نہیں۔ جب ترغیب وترہیب کے واقعات کافروں تک سے روایت کرنے کی اجازت ہے تو یہ غیر عادل راوی کیا ان یہود سے بھی بدتر ہیں؟ (ہرگز نہیں) پھر

یہاں بھی جب کئی طریقوں سے روایت ہو اس کے بیان میں کوئی حرج نہیں، ہاں احکام میں ایسے راویوں کی روایت حجت نہیں۔ پس معلوم ہوا کہ حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ نے جو روایات لی ہیں وہ قرآن پاک، احادیث نبویہ اور محدثین کے اصولوں کے عین مطابق لی ہیں اور سب محدثین نے فضائل میں یہی طریق اختیار فرمایا ہے۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ مقدمہ شرح مسلم ج/ص ۲۱ اور شیخ ابن تیمیہ فتاوی ج ۱۸/ ص ۶۵۔ ۶۸ پر تصریح فرماتے ہیں کہ فضائل میں ضعاف مقبول ہیں۔

اتنی نہ بڑھا پاکیٔ داماں کی حکایت

میں نے کہا آپ حیران ہوں گے کہ صلوٰۃ الرسول میں نہ صرف فضائل میں بلکہ احکام میں بھی ضعیف احادیث کی بھرتی کر دی گئی ہے۔ (ان کے اپنے) مولوی عبدالرؤف صاحب نے نمبر وار ۸۴، احادیث کی نشاندہی کی ہے جو انتہائی ضعیف احادیث ہیں۔ ۶‘ ۱۳‘ ۱۴‘ ۱۶‘ ۲۲‘ ۳۴‘
۵۲‘ ۵۳‘ ۵۶‘ ۵۳‘ ۵۶‘ ۶۶‘ ۷۳‘ ۷۵‘ ۸۸‘ ۱۰۷‘ ۱۰۹‘ ۱۱۰‘ ۱۵۳‘ ۱۵۹‘ ۱۶۰‘ ۱۶۱‘ ۱۶۳‘ ۱۶۴‘ ۱۶۵‘
۱۶۶‘ ۱۶۷‘ ۱۶۸‘ ۱۶۹‘ ۱۷۲‘ ۱۷۳‘ ۲۰۴‘ ۲۰۵‘ ۲۰۶، ۲۰۹، ۲۱۴، ۲۲۴، ۲۲۶، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۶،
۲۳۹، ۲۴۱، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۷۸، ۳۶۳، ۳۸۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۹، ۴۴۴، ۴۴۸،
۴۵۹، ۴۶۱، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۸۵، ۵۴۱، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۵۱، ۵۵۷، ۵۶۵، ۵۷۸،
۵۸۴، ۵۸۶، ۶۲۶، ۶۳۰، ۶۵۴، ۶۶۰، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۷۳، ۶۷۹، ۶۸۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۹،
۷۰۳۔ یہ تمام احادیث انتہائی ضعیف ہیں۔ اسی کو کہتے ہیں ”دیگراں را نصیحت خود میاں فضیحت“ یہ دیکھ کر تو جناب وحید صاحب بہت پریشان تھے کہ الٰہی یہ ماجرا کیا ہے۔

”ہاتھی کے دانت کھانے کے اور دکھانے کے اور“

وسوسہ نمبر ۴:۔ یہ فضائل صدقات وغیرہ شرک سے پُر ہیں

پھر مجھے انہوں نے بتلایا کہ یہ فضائل اعمال تو سارا شرک سے بھرا ہوا ہے۔ فضائل صدقات، فضائل درود اور فضائل حج میں ایسے واقعات ہیں جو واقعۃً شرک کی تعلیم دیتے ہیں۔ کچھ دن تو میں پریشان رہا کہ یہ کتاب ساری دنیا میں پھیل چکی ہے، ہزاروں نہیں لاکھوں انسانوں کی

زندگیوں میں اس نے انقلاب پیدا کر دیا ہے، سینکڑوں علماء نے ابھی اسے دیکھا ہے مگر کسی مفتی، محدث اور فقیہ کی نظر یہاں تک نہیں گئی جہاں تک ان کلرکوں کی پہنچ گئی ہے مگر ان واقعات کی کوئی تاویل مجھے بھی سمجھ نہ آتی تھی آخر نہ صرف یہ کہ میں نے تبلیغی جماعت کو چھوڑ دیا بلکہ ان کے سخت مخالف ہوگیا کیونکہ میرے علم کے مطابق یہ لوگ (تبلیغی جماعت والے) شرک کے مبلغ تھے اور ان کی نمازیں بھی غلط درغلط تھیں۔ اب میرے نزدیک، نماز، روزے، حج اور جہاد سے سب سے بڑی نیکی تبلیغی جماعت کی مخالفت تھی۔ گھر میں، بازار میں، دفتر میں، مجالس میں، مساجد میں، میرا یہی جہاد ہے کہ یہ جماعت توحید نہیں شرک کی داعی ہے اور اسلام نہیں حنفیت کی پرچار کرتی ہے۔

اگرچہ اب مجھ میں جماعت اور تکبیر اولیٰ کی پابندی کا کوئی ذوق نہیں، حلال، حرام کی بھی زیادہ تفتیش باقی نہیں رہی مگر توحید وسنت کا نشہ ہے جس کے بعد ہر گناہ معاف ہو جاتا ہے، اپنی نماز کا وہ اہتمام باقی نہیں رہا مگر دوسروں کو مشرک اور بے نماز کہنے کا ذوق بڑھ گیا ہے، اپنی اصلاح کی بھی خاص فکر نہیں رہی کیوں کہ ان سب سے مقدم اس ساری دنیا کو شرک سے بچانا ہے جن کو فضائل اعمال کے مطالعہ نے مشرک بنا دیا ہے۔ اگرچہ دنیا میں مجھے اس میں خاص کامیابی نہیں ہوئی کیونکہ دو سال کی محنت شاقہ سے میں بمشکل دو کلرکوں کو تبلیغی جماعت سے کاٹ سکا ہوں جب کہ ہزاروں نئے آدمی اس جماعت سے جڑ گئے ہیں لیکن آخرت میں اللہ تعالیٰ سے پورے پورے اجر کا امیدوار ہوں۔

کرامات کی حقیقت نہ جاننے کی وجہ سے ایک اعتراض

وحید صاحب نے ایک اور کتاب دکھائی یہ ایک کالج کے لیکچرار غیر مقلد نے ''الدیوبندیہ'' یعنی علمائے دیوبند کے عقائد'' دیوبندیت'' بریلوی دیوبندی ایک ہیں'' اور'' تبلیغی جماعت کا اسلام'' نامی رسالے لکھے ہیں جن میں صوفیائے کرام رحمہم اللہ کی متشابہات یا شطحیات جمع کر دی ہیں لیکن ان میں سے کسی رسالہ میں یہ نہیں بتایا کہ متشابہات اور شطحیات کا شرعی حکم کیا ہے حالانکہ امت کا اجماع ہے کہ کرامات اور شطحیات میں چونکہ ان لوگوں کے اختیار وارادہ کو دخل نہیں ہوتا۔ اس لیے وہ مرفوع القلم ہوتے ہیں جیسے خواب میں کلمۂ کفر کسی کی زبان سے جاری ہو جائے تو اسے کافر نہیں کہا جاتا، خواب میں کوئی گناہ کا کام کرے تو اسے ہرگز گناہ گار نہیں کہا جاتا لیکن غیر

مقلدین کی بدنصیبی ہے کہ ان کے حصہ میں قرآن پاک میں سے متشابہات، احادیث میں سے متعارضات، فقہ سے شواذ اور تصوف سے شطحیات آئی ہیں یہی ان کا ''علمی حدود اربعہ'' ہے۔

ازالہ نمبر۲:...... میں نے کہا وحید بھائی جن واقعات کی طرف آپ اشارہ فرمارہے ہیں وہ کرامات ہیں، ان کو خرق عادات بھی کہتے ہیں یعنی

(1) عادت یہ ہے کہ مرد عورت دونوں کے ملاپ سے اولاد پیدا ہو مگر خرق عادت یہ ہے کہ بی بی مریم کو بغیر مس بشر کے بیٹا مل جائے۔

(2) عادت یہی ہے کہ اونٹنی اونٹنی سے پیدا ہو اور خرق عادت یہ ہے کہ اونٹنی پہاڑ سے پیدا ہو۔

(3) عادت یہی ہے کہ سانپ سپنی کے انڈے سے نکلے اور خرق عادت یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی سانپ بن جائے۔

(4) عادت یہی ہے کہ آپریشن یا دوا سے جھلی دور ہو جائے اور نابینا دیکھنے لگے اور خرق عادت یہ ہے کہ یوسف علیہ السلام کی قمیص اور عیسیٰ علیہ السلام کا ہاتھ لگنے سے بینائی آجائے۔

(5) عادت یہی ہے کہ بیل بیلوں کی طرح آواز نکالے اور بھیڑیا بھیڑیوں کی طرح مگر خرق عادت یہ ہے کہ بیل اور بھیڑیا انسانوں کی طرح کلام کریں، ان میں جو باتیں عادت ہیں ان میں کچھ انسان کا بھی اختیار ہوتا ہے لیکن خرق عادت میں اختیار اللہ تعالیٰ کا ہوتا ہے اور ظہور مخلوق کے ہاتھ پر ہوتا ہے۔

غیر مقلدیت یا عیسائیت پسندی......؟

دیکھئے قرآن پاک میں مسیح علیہ السلام کے معجزات مذکور ہیں، مسلمان بھی ان معجزات کو برحق مانتے ہیں اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ یہ معجزات عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ پر ظاہر ہوئے مگر یہ سب قدرت خداوندی کا ظہور تھا۔ جب مسلمان ان کو قدرت الٰہی کا ظہور مانتے ہیں تو ان کو ہر ہر معجزہ دلیل توحید نظر آتا ہے لیکن عیسائی ان معجزات کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عادت اور ان کے اختیار سے مانتے ہیں تو انہوں نے ایک ایک معجزہ کو دلیل شرک بنالیا۔ اب ان معجزات سے شرک کشید کر لینا اس میں نہ تو اللہ تعالیٰ کا قصور تھا نہ عیسیٰ علیہ السلام کا، قصور تو عیسائی ذہنیت کا تھا جس نے توحید کو شرک بنا ڈالا۔ بالکل اسی طرح ہم اہلسنت والجماعت جب کرامات کا مطالعہ کرتے ہیں تو ان کو

خدا تعالیٰ کے علم وقدرت کا کرشمہ یقین کرتے ہیں اس لیے ہمیں ان کرامات میں توحید ہی توحید نظر آتی ہے، ورآپ لوگ جب ''تبلیغی نصاب'' کا مطالعہ عیسائی ذہن سے کرتے ہیں تو آپ کو وہ کرامات شرک ہی شرک نظر آتی ہیں تو قصور نہ اللہ تعالیٰ کا ہے کہ اس نے ان بزرگوں کی عزت افزائی کے لیے اپنی قدرت نمائی کیوں کی اور نہ ہی ان بزرگوں کا، قصور تو سارا اس عیسائی ذہنیت کا ہے۔ اگر آپ بھی اس عیسائی ذہنیت سے توبہ کر کے اسلامی ذہن سے مطالعہ کریں تو آپ کو توحید ہی توحید نظر آئے گی۔

کرامات کا انکار قدرت خداوندی کا انکار ہے

اب وحید صاحب بڑے غصے میں تھے (اور ان نوجوانوں سے جواب دینے کا کہہ رہے تھے) لیکن غیر مقلدین نے اور سوال کیا کہ ان واقعات میں تو ایسی ایسی باتیں ہیں جو ہو ہی نہیں سکتیں، بالکل ناممکن ہے۔ میں نے پوچھا کس سے نہیں ہوسکتیں خالق سے یا مخلوق سے؟ اگر مخلوق سے نہیں ہوسکتیں تو بالکل درست مگر ان کو مخلوق کا فعل قرار دینا ہی تو عیسائی ذہنیت ہے اور اگر کہو کہ خالق سے بھی نہیں ہوسکتیں تو یہ اللہ تعالیٰ کے علم وقدرت کا انکار ہے۔ اگر آپ اس کے منکر ہیں اور خالق کی قوت اتنی ہی مانتے ہیں جتنی آپ کی کہ جو آپ سے نہ ہو سکے وہ خدا سے بھی نہیں ہوسکتا تو اپنی توحید کی خیر منایئے اور توبہ کیجئے۔ اللہ والوں کی کرامات کا انکار نہیں یہ تو اللہ تعالیٰ کی قدرت کا انکار ہے۔

وسوسہ نمبر ۵: بزرگوں کی طرف جھوٹے واقعات منسوب ہیں کیونکہ لوگ اپنے بزرگوں کے لیے غلط اور جھوٹے واقعات گھڑ لیتے ہیں تو ان کا کیا اعتبار؟

ازالہ: جھوٹ کہاں نہیں گھڑا گیا لوگوں نے جھوٹے خدا بنائے، جھوٹے نبی بنائے، جھوٹی حدیثیں بنائیں، جعلی کرنسی بنائی تو کیا صرف جھوٹے خداؤں کا ہی انکار کرو گے یا ساتھ ہی سچے خدا کا بھی انکار کرو گے؟ صرف جھوٹے نبیوں کا ہی انکار کرو گے یا سچوں کا بھی انکار کرو گے؟ صرف جھوٹی حدیثوں کا انکار کرو گے یا سچی احادیث کو بھی چھوڑ دو گے؟ صرف جعلی کرنسی سے بچو گے یا اصلی کرنسی بھی گلی میں پھینک دو گے؟ یہاں بھی جھوٹے واقعات کو ماننے کی آپ کو کس نے دعوت دی ہے؟ اور سچے واقعات سے انکار کیوں ہے؟

وسوسہ ٦: وحید صاحب نے غیر مقلدین کا سوال دہراتے ہوئے کہا ایسے واقعات کو کیسے مان لیا جائے؟ ان میں ایسی باتوں کا ذکر ہے جو انبیاء علیہم السلام اور صحابہؓ کے لیے بھی ظاہر نہیں ہوئیں، نبی اور صحابہ کا مقام تو ولی سے بہت بلند ہے۔ یہ بالکل ناممکن ہے کہ ایک خرق عادت نبی اور صحابی کے ہاتھ پر تو ظاہر نہ ہو اور کسی ولی کے ہاتھ پر ظاہر ہو جائے۔

ازالہ: (مولانا نے جواباً کہا) عجیب بات ہے جہاں قیاس جائز ہو وہاں تو آپ اس کو شرک کہتے ہیں اور خرق عادات میں قیاس شروع کر دیا ہے۔ میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ آپ کو خواب نظر آتے ہیں یا نہیں؟ اس نے کہا آتے ہیں۔ میں نے کہا بالکل وہی جو انبیاء اور صحابہ کرام کو آئے یا اور بھی؟ اس نے کہا یہاں انبیاء اور صحابہ کا کیا ذکر اللہ تعالیٰ جس کو خواب چاہیں دکھا دیں۔

مثال نمبر ا:...... میں نے کہا بعض اوقات ایک چھوٹے بچے کو خواب نظر آتا ہے اور صبح بتاتا ہے کہ آج خواب میں، میں نے دیکھا کہ نانا ابو آئے ہیں اور واقعتاً وہ آبھی جاتے ہیں اور خواب سچا ہو جاتا ہے مگر اس خواب کا کوئی یہ کہہ کر انکار نہیں کرتا کہ گھر کے بڑوں کو یہ خواب نہیں آیا تو ہم کیسے مان لیں کہ بچے کو خواب آ گیا؟ (یہ کوئی بھی نہیں کہتا اور سارے مان لیتے ہیں)

مثال نمبر ۲:...... دیکھو بی بی مریم ولیہ ہیں ان کو بے موسم پھل مل رہے ہیں مگر حضرت زکریا علیہ السلام جو نبی ہیں ان کو نہیں مل رہے یہ اللہ کی دین ہے۔

مثال نمبر ۳:...... سیدہ عائشہ صدیقہؓ کو خاوند کے ہوتے ہوئے لڑکی بھی نہیں دی اور بی بی مریم کو بغیر خاوند کے لڑکا عطاء فرما دیا۔

مثال نمبر ۴:...... حضرت یعقوب علیہ السلام ہاتھ مبارک روزانہ منہ پر پھرتے ہیں مگر بینائی واپس نہیں آئی، حضرت یوسف علیہ السلام کی صرف قمیض لگنے سے بینائی واپس آ گئی۔

مثال نمبر ۵:...... جو ہوا سلیمان علیہ السلام کا تخت اٹھائے پھرتی تھی اس ہوا کو یہ حکم نہیں ملا کہ سفر ہجرت میں آپ ﷺ کو ایک لمحہ میں مدینہ پہنچا دے۔

مثال نمبر ٦:...... حضرت سلیمان علیہ السلام نبی ہیں لیکن تخت بلقیس کا آنا ان کے صحابی کی کرامت ہے۔

مثال نمبر ۷:...... یہ اللہ تعالیٰ کا اختیار ہے وہ چاہیں تو ہزاروں میل دور بیت المقدس کا کشف ہو

جائے، جنت دوزخ کا کشف ہو جائے اور نہ چاہیں تو چند میل سے سیدنا عثمانؓ کی شہادت کی غلط خبر آئے اور آپؐ بیعت لینا شروع فرمادیں۔

مثال نمبر ۸:...... وہ نہ چاہے تو کنعان کے کنویں میں یوسف علیہ السلام کا یعقوب علیہ السلام کو پتہ نہ چلے اور جب چاہے تو مصر سے یوسف علیہ السلام کے کرتے کی خوشبو کنعان میں سونگھا دے۔ میں نے کہا آپ جو ساری دنیا کو مشرک کہہ رہے ہیں اس پر نظر ثانی کریں اور توبہ کریں۔ (کرامات میں اللہ کی طاقت کی طرف نظر رکھیں)

صوفیاء کرام کے بارہ میں نواب صدیق حسن کی نصیحت

فضائل اعمال وغیرہ میں صوفیاء پر یہ اعتراض غیر مقلدین کی اپنی کتب سے ناواقفیت کی بناء پر کیا گیا ذیل کی تحریر ان کے مسلم عالم کی ہے۔نواب صاحب فرماتے ہیں:

کہ صوفیاء کرام رحمہم اللہ کے حالات میں چار امر قابل بحث ہیں۔

(امر اوّل)...... مجاہدات، ان کا تعلق اذواق ومواجید اور محاسبہ نفس و اعمال کے ساتھ ہے۔ انہی اذواق کی منتہا اور غایات کو مقامات کے نام سے تعبیر کرتے ہیں۔

(امر دوم)...... کشف و ادراک حقائق عالم غیب جس کا تعلق صفات ربانیہ۔ عرش وکرسی و ملائکہ ووحی ونبوت وروح وحقائق موجودات غائب وشاہد وترکیب اکوان وغیرہ سے ہے۔

(امر سوم)...... تصرفات انواع کرامات کے ساتھ اکوان وعوالم میں۔

(امر چہارم)...... الفاظ موہومہ یعنی شطحیات بعض لوگ ان امور چہارگانہ کے منکر ہیں، بعض محسن ہیں اور بعض تاویلات کے قائل ہیں۔

بہر حال امر اوّل میں کوئی کلام وانکار نہیں ہوسکتا۔ صوفیاء کرام کے اذواق بالکل صحیح ہیں اور ان کا تحقق عین سعادت ہے۔

اسی طرح امر دوم صحیح ناقابلِ انکار ہے اگرچہ بعض علماء نے انکار کیا ہے، مگر یہ انکار حق کے مقابل کوئی چیز نہیں ہے۔

امر سوم یہ انواع متشابہات میں سے ہے اس لیے اس کا تعلق وجدانِ قلبی سے ہے، محض الفاظ ولغت سے ان کی مرادات پر اطلاع نہیں ہوسکتی الفاظ تو محض محسوساتِ متعارفہ کی تعبیر کے

لیے وضع کیے گئے ہیں۔

امر چہارم شطحیات اس کا تعلق غلبہ حال اور واردات سے ہے محسوسات سے بیگانہ وار رہتے ہیں اسی سبب سے بعض اوقات ان کی زبان سے ایسے کلمات صادر ہو جاتے ہیں جو ان کے قصد وارادہ سے نہیں ہوتے ظاہر ہے کہ جو شخص مغلوب الحال ہو وہ ہر طرح معذور اور مجبور ہے اس قسم کے لوگوں میں سے جو شخص صاحب فضل ولائق اقتدا ہو اس کے کلمات موہومہ کو مقصد جمیل پر محمول کرنا چاہیے۔ (ماثر صدیقی ص ۱۵۱/ جلد ۴ مرتب: حضرت پیران پیر اور غیر مقلدین)

وسوسہ نمبر ۷: غیر مقلد نے کہا کیونکہ تبلیغی جماعت والے مقلد ہیں اور یہ جو نماز پڑھتے ہیں اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے محض اندھی تقلید ہے کیا یہ نماز قبول ہوگی؟

ازالہ: آپ ایمانداری سے بتائیں کہ آپ کو تکبیر تحریمہ سے لے کر سلام تک نماز کے ہر ہر قول اور ہر ہر فعل کی دلیل تفصیلی یاد ہے؟ اگر ہے تو ذرا سنا دیں! اس نے کہا کہ دو تین مسائل کے علاوہ مجھے کسی مسئلے کی دلیل یاد نہیں۔ میں نے کہا تو آپ کے اقرار سے آپ کی نماز ستانوے فیصد تقلیدی ہے وہ کیسے قبول ہوگی؟ اب وہ پریشان سا ہوا کہنے لگا وہ کہتے ہیں کہ:

وسوسہ نمبر ۸: ہم صرف قرآن وحدیث کو مانتے ہیں اور حنفیوں سے حدیث کا مطالبہ کرتے ہیں اور لاکھوں روپے انعام رکھتے ہیں مگر کوئی حنفی جواب نہیں دیتا۔

ازالہ: ہم بھی دو حدیثیں آپ سے پوچھتے ہیں آپ ہی میرا مطالبہ پورا فرمادیں اور کروڑ روپیہ فی حدیث انعام لے لیں۔

غیر مقلدین سے چند سوالات

پہلا سوال:...... ایک حدیث ایسی لائیں کہ امام کے پیچھے مقتدی کو ۱۱۳ سورتیں پڑھنی حرام ہیں، صرف ایک سورۃ فاتحہ پڑھنی فرض ہے اس کے پڑھے بغیر مقتدی کی نماز نہیں ہوتی اور اس حدیث کو اللہ یا رسول اللہ ﷺ نے صحیح فرمایا ہو (کیونکہ تمہارے نزدیک اللہ اور رسول ﷺ کے سوا کسی کی بات حجت نہیں)

دوسرا سوال:...... چار رکعت نماز میں آٹھ سجدے ہوتے ہیں۔ آپ نہ آٹھ سجدوں میں جاتے وقت رفع یدین کرتے ہیں اور نہ اٹھتے وقت۔ گویا سولہ جگہ رفع یدین نہیں کرتے اور دوسری اور چوتھی

رکعت کے شروع میں بھی رفع یدین نہیں کرتے تو کل اٹھارہ جگہ رفع یدین نہیں کرتے اور چار رکعت میں رکوع ہوتے ہیں۔آپ رکوع جاتے اور اٹھتے وقت رفع یدین کرتے ہیں، یہ آٹھ رفع یدین ہوئیں اور پہلی اور تیسری رکعت کے شروع میں رفع یدین کرتے ہیں تو کل دس جگہ رفع یدین ہوئیں۔آپ ایک اور صرف ایک اور صرف ایک حدیث پیش فرمائیں کہ آنحضرت ﷺ اٹھارہ جگہ رفع یدین نہیں کرتے تھے اور دس جگہ کرتے تھے اور یہ آپ کا ہمیشہ کا عمل تھا جو اس طرح نماز نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی؟ اور اس حدیث کو اللہ یا رسول اللہ ﷺ نے صحیح فرمایا ہو۔ہم آپ کو انعام بھی دیں گے اور اہلحدیث بھی ہو جائیں گے۔صرف ایک غیر جانبدار عربی پروفیسر یہ تصدیق کر دے کہ واقعی دونوں حدیثوں میں مطلوبہ پانچ باتیں پائی گئی ہیں۔وحید صاحب نے کہا مجھے تو ایسی حدیثیں معلوم نہیں میں اپنے (غیر مقلدین) علماء سے ان کا مطالبہ کروں گا اگر میں لے آیا تو آپ کو اہلحدیث ہونا پڑے گا اور اگر نہ لا سکا تو میں اہلسنت والجماعت حنفی بن جاؤں گا۔میں نے کہا بالکل درست۔وہ چلا گیا۔(اور غیر مقلدین بھی چلے گئے)

اہل حدیث سے مطالبہ حدیث شرارت کیوں؟

تین دن بعد وحید صاحب اکیلے آئے اور کہا میں نے تین دن آرام نہیں کیا، ایک ایک مولوی صاحب کے پاس پہنچا اور ان سے کہا کہ صرف دو مطلوبہ حدیثیں لکھ دو لیکن کسی نے حامی نہیں بھری بلکہ ناراض ہوئے کہ ایسے سوالات ہمارے پاس آئندہ نہ لانا، یہ سوالات محض شرارت کے لیے ہیں۔وحید صاحب کہتے ہیں میں نے ان سے کہا کہ اگر ایسے سوال آپ کریں تو اس کو تو آپ عمل بالحدیث کہتے ہیں اور وہ لوگ آپ سے حدیث پوچھ لیں تو اس کو آپ شرارت کہتے ہیں۔وحید صاحب نے کہا کہ وعدہ کے مطابق تو مجھے اہلسنت والجماعت حنفی بن جانا چاہیے مگر میرے ابھی اور بھی اشکالات ہیں۔

صرف دو حدیثوں کا سوال

وسوسہ نمبر۹: وحید صاحب نے کہا معلوم ہے ہوا کہ سورۃ فاتحہ فرض ہے اور مقتدی اگر سورۃ فاتحہ نہ پڑھے تو اس کی نماز بالکل نہیں ہوتی۔

ازالہ: میں نے کہا کہ دو آیتیں یا حدیثیں مجھے لکھوا دیں میں آپ کا بہت شکر گزار رہوں گا۔ایک تو

یہ کہ مقتدی پر سورۃ فاتحہ فرض ہے اور دوسری حدیث یہ لکھوائیں کہ نماز میں کل فرائض کتنے ہیں؟ آپ کے تمام علماء مل کر یہ دو حدیثیں نہیں دکھا سکتے۔

میں نے کہا وحید صاحب! اہلسنت والجماعت کا دین کامل ہے ان کا فقہ میں فرائض کی پوری تفصیل ہے، غیر مقلدین کا دین ناقص ہے یہ بے چارے کسی حدیث سے مکمل فرائض نہیں دکھا سکتے اس نے کہا یہ کیا بات ہے اگر نہ دکھا سکیں گے تو میں وہ ناقص دین چھوڑ دوں گا۔

میں نے کہا اب تک آپ جو نماز پڑھتے آرہے ہیں آپ کو فرائض تک معلوم نہیں چہ جائے کہ ان کے دلائل، تو آپ یہ نماز کن کی اندھی تقلید میں پڑھ رہے ہیں۔ تقلید تو آپ کے ہاں شرک ہے تو نماز پڑھ کر آپ نمازی بنتے ہیں یا مشرک؟۔

رفع یدین کے متعلق ایک سوال

وسوسہ نمبر ۱۰: اس نے کہا کہ اٹھارہ جگہ رفع یدین نہ کرنا سنت ہے اور دس جگہ ہمیشہ رفع یدین کرنا سنت ہے اور حنفیوں کی نماز بالکل خلاف سنت ہے۔

ازالہ: میں نے کہا میں چاہتا ہوں کہ کامل اہلحدیث بنوں نہ کہ آپ کی طرح ناقص، اس لیے یہاں بھی آپ دو احادیث مجھے دکھائیں ایک وہ حدیث جس میں صراحت ہو کہ اٹھارہ جگہ ترک رفع یدین سنت ہے اور دس جگہ رفع یدین کرنا سنت ہے اور دوسری وہ حدیث دکھائیں کہ چار رکعت نماز میں کل کتنے اقوال اور افعال سنت ہیں تا کہ پتہ چلے کہ آپ کا دین کامل ہے یا ناقص؟ اس نے کہا مجھے تو ایسی حدیث یاد نہیں میں نے کہا بڑی حیرت ہے کہ ساری دنیا کے مسلمانوں کو آپ مشرک اور بے نماز کہتے نہیں تھکتے اور اپنی نماز سے اتنے غافل ہیں کہ نہ نماز کے فرائض کی حدیث یاد ہے نہ نماز کی سنتوں کی حدیث یاد ہے قیامت کو حساب پوری نماز کا ہوگا یا صرف ایک فرض اور ایک سنت کا؟ آپ اپنے پر رحم کریں اور دوسروں کو بے نماز کہنے کی بجائے اپنی مکمل نماز حدیث سے ثابت کریں۔

وسوسہ نمبر ۱۱: مسئلہ فاتحہ خلف الامام کے متعلق وحید صاحب نے کہا کہ پوری امت کا اتفاق ہے کہ جو شخص امام کے پیچھے فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی۔

ازالہ: میں نے کہا" آپ پوری امت شاید کسی غیر ذمہ دار غیر مقلد کو سمجھتے ہیں وحید صاحب! آپ کو شاید معلوم نہیں کہ غیر مقلد علماء نے اس مسئلہ میں ہتھیار ڈال دیے ہیں۔ سنئے! امام احمد

رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ''ہم نے اہل اسلام میں سے کسی سے نہیں سنا جو یہ کہتا ہو کہ جب امام جہر سے قرأت کرتا ہو اور مقتدی اس کے پیچھے قرأت نہ کرے تو اس کی نماز فاسد ہوگی۔ فرمایا کہ یہ آنحضرت ﷺ ہیں اور یہ آپؐ کے صحابہؓ اور تابعین رحمہم اللہ ہیں اور یہ امام مالک ہیں اہل حجاز ہیں، یہ امام ثوری رحمۃ اللہ ہیں اہل عراق میں یہ امام اوزاعی رحمہ اللہ ہیں اہل شام میں اور یہ امام لیث رحمہ اللہ ہیں اہل مصر میں، ان میں سے کوئی بھی یہ نہیں کہتا کہ جب کوئی شخص نماز پڑھے اور اس کا امام قرأت کرے اور مقتدی قرأت نہ کرے تو اس کی نماز باطل ہے۔ (مغنی ابن قدامہ ج ۱/ص ۲۰۲) وحید صاحب! معلوم ہو گیا کہ پورے خیر القرون میں ایک مسلمان بھی بے نماز کہنے میں ان کا ہمنوا نہیں ہے۔

پوری امت سے ہٹ کر موقف اختیار کیا ہے

مزید پڑھیے امام بخاری رحمہ اللہ سے لے کر دور قریب کے محققین علمائے اہلحدیث تک کسی کی تصنیف میں یہ دعویٰ نہیں کیا گیا کہ فاتحہ نہ پڑھنے والے کی نماز باطل ہے، وہ بے نماز ہے وغیرہ۔ اس لیے اگر آج بعض حضرات نے جو قدم اٹھایا ہے اسے پیش قدمی نہیں کہا جا سکتا پھر جماعت کے نامور اور ذمہ دار حضرات میں بھی ان کا شمار نہیں ہوتا۔ (توضیح الکلام ج ۱/ص ۴۳)

(یہ مذکورہ کتاب غیر مقلدین کے مستند عالم کی ہے)

مزید سنئے ارشاد الحق اثری (غیر مقلد عالم) لکھتے ہیں ''فاتحہ نہ پڑھنے والے پر تکفیر کا فتویٰ یا اس کے بے نماز ہونے کا فتویٰ امام شافعی رحمہ اللہ سے لے کر مؤلف خیر الکلام تک کسی ذمہ دار محقق عالم نے نہیں دیا۔'' (توضیح الکلام ج ۱/ص ۹۹)

نیز لکھتے ہیں: ''امام بخاری رحمہ اللہ سے لے کر تمام محققین علمائے اہلحدیث میں سے کسی نے یہ نہیں کہا کہ جو فاتحہ نہ پڑھے وہ بے نماز ہے، کافر ہے۔'' (توضیح الکلام ج ۱/ص ۵۱۷)

نیز تحریر کرتے ہیں: ''ہمارا تو مسلک ہے کہ فاتحہ خلف الامام کا مسئلہ فروعی اختلافی ہونے کی بنا پر اجتہادی ہے پس جو شخص حتی الامکان تحقیق کرے اور یہ سمجھے کہ فاتحہ فرض نہیں خواہ نماز جہری ہو یا سری اپنی تحقیق پر عمل کرلے تو اس کی نماز باطل نہیں ہوتی۔''

(۳۲ و توضیح الکلام از ارشاد الحق اثری ج ۱/ص ۴۵)

عجیب تضاد ہے

اب وحید صاحب بار بار ان اردو عبارات کو پڑھتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ اہلحدیث مذہب بھی عجیب ہے۔ تقریروں میں رات دن ہمیں کہتے ہیں کہ یہ حنفی بے نماز ہیں مگر تحریروں میں ایسے سب لوگوں کو غیر محقق اور غیر ذمہ دار قرار دے رہے ہیں۔ اس سے تو یہ بات سمجھ میں آرہی ہے کہ ان لوگوں کا کوئی ٹھوس مسلک نہیں محض اہلسنت والجماعت سے ضد ہے۔ اپنے گھر بیٹھ کر خوب ضد کو ظاہر کیا، ان کو بے نماز اور مشرک تک کہا، جہاں اہلسنت سے آمنا سامنا ہوا تو ہتھیار ڈال دیے اور اپنے سارے فرقے کو غیر محقق اور غیر ذمہ دار قرار دے دیا' گویا یہ فرقہ گرگٹ کی طرح رنگ بدلتا رہتا ہے۔

ہدایہ پر اعتراضات

وسوسہ نمبر ۱۲: وحید صاحب نے کہا کہ غیر مقلدین کے بقول ضد اور جھوٹ تو حنفیوں میں بھی پایا جاتا ہے۔ دیکھو پہلے حنفی ضد نہیں کرتے تھے لیکن آج کل کے حنفی تو نہ قرآن و حدیث کو مانتے ہیں اور نہ فقہ حنفی کو۔ دیکھئے ہدایہ میں لکھا ہے پگڑی پر مسح جائز ہے۔ (ج ۱/ ص ۱۰) آنحضرت ﷺ کا عمل دوام غلس میں (فجر اندھیرے میں پڑھنے کا) تھا (ج ۱/ ص ۱۷۲) اذان میں ترجیع ثابت ہے (ج ۱/ ص ۲۹۲) حضرت مولانا مظہر جان جاناں ہمیشہ سینہ پر ہاتھ باندھتے تھے۔ (ج ۱/ ص ۳۹۱) ایک وتر پر مسلمانوں کا اجماع ہو چکا ہے (ہدایہ ج ۱/ ۵۲۹) ابن ہمام نے کہا رکوع کے بعد قنوت پڑھنے کی حدیث صحیح ہے (ج ۱/ ص ۵۳۰) لیکن آج کل کے حنفی محض اہلحدیث کی ضد میں ہدایہ کے مسائل پر عمل نہیں کرتے۔

ازالہ: میں نے کہا آپ نے ہدایہ کے حوالوں میں با قاعدہ جلد اور صفحہ بھی بتایا ہے مگر یہ سب حوالہ جات بالکل جھوٹے ہیں ہدایہ میں تو ان کے خلاف لکھا ہے:

(1)...... **لا یجوز المسح علی العمامة**...... (ج ۱/ ص ۴۰) پگڑی میں مسح جائز نہیں۔

(2)...... **یستحب الاسفار بالفجر لقوله علیه السلام اسفروا بالفجر فانه اعظم للاجر** ...... مستحب ہے کہ نماز روشنی میں پڑھی جائے اس لیے کہ رسول اقدس ﷺ نے فرمایا خوب روشن کر کے نماز پڑھو اس میں زیادہ اجر ہے۔

(3)...... **لا ترجیع فی المشاهیر** ...... احادیث مشہورہ میں ترجیع نہیں ہے۔ (ج ۱/ ص ۲۱۰)

(4)...... صاحب ہدایہ کا وصال ۵۹۰ھ میں ہوا جب کہ مرزا مظہر جان جاناں ۱۱۱۱ھ میں ہوئے تو چھ سو سال پہلے کی کتاب میں ان کا سینے پر ہاتھ باندھنا کیسے لکھا گیا ہے؟

(5)...... ہدایہ میں تو ہے ...... **حکی الحسن اجماع المسلمین علی الثلاث**...... امام حسن بصری رحمہ اللہ نے سب مسلمانوں کا اجماع نقل کیا ہے کہ وتر تین ہیں۔

(6)...... شیخ ابن ہمام نے ۸۶۱ھ میں وصال فرمایا جب کہ صاحب ہدایہ ۵۹۰ھ میں وصال فرما چکے تھے تو اپنی پیدائش سے تین سو سال قبل ہی ہدایہ میں رکوع کے بعد قنوت پڑھنے کا مسئلہ کیسے لکھ

گئے؟ آخر آپ لوگ عقل کے پیچھے کیوں لٹھ لیے پھر رہے ہیں؟

وحید صاحب نے کہا یہ حوالے ہمارے مولوی یوسف جے پوری نے حقیقۃ الفقہ میں لکھے ہیں اگر یہ میں اصل عربی ہدایہ سے نہ دکھا سکا تو پھر اہلحدیث کے مذہب کے جھوٹے ہونے میں مجھے ذرہ بھر شک نہیں رہے گا۔

یہ گھر جو بہہ رہا ہے کہیں تیرا گھر نہ ہو

میں نے کہا جیسے پہلے آپ کی خواہش کے مطابق ہم نے دو احادیث مانگیں وہ ان سے آپ نہ لا سکے، نماز کے مکمل فرائض اور مکمل سنتیں حدیث سے نہ دکھا سکے، اب فقہ پر ایک ہی سانس میں چھ جھوٹ بول دیے، یہ بھی آپ ہرگز نہ دکھا سکیں گے۔ دیکھئے ضد اور جھوٹ حنفیوں کی عادت ہے یا آپ کا اوڑھنا بچھونا۔

ضد احناف کرتے ہیں یا......؟

میں نے کہا ''اس ملک میں اہلسنت والجماعت حنفی ہی اسلام لائے، قرآن لائے، سنت لائے، فقہ لائے، اور لاکھوں کافروں کو مسلمان کیا جب یہ فرقہ پیدا ہوا، تو اس نے ضد کو ہی اپنا روز مرہ کا معمول بنا لیا۔ چند مسائل بطور نمونہ دیکھیں:

1)...... حنفی کہتے تھے منی ناپاک ہے۔ انہوں نے ضد میں کہہ دیا منی بالکل پاک ہے۔
(عرف الجادی ص ۱۰، کنز الحقائق ص ۱۲، نزل الابرار ج ۱/ص ۴۹، بدور الاہلہ ص ۱۵)

2)...... حنفی کہتے تھے کہ تھوڑے پانی مثلاً ایک لوٹے میں تھوڑی سی نجاست بھی گر جائے اگر چہ اس پانی کا رنگ یا بو یا مزا نہ بدلے تو بھی ناپاک ہے مگر حکیم صادق سیالکوٹی نے صاف کہا کہ جب تک نجاست کی وجہ سے تینوں وصف رنگ، بو، مزہ نہ بدلیں اس وقت تک پانی ناپاک نہیں ہوتا۔
(صلوٰۃ الرسول ص ۵۳)

3)...... حنفی کہتے تھے کہ خمر (شراب) نجس العین ہے مثل پیشاب کے مگر ضد کا خدا برا کرے وحید الزمان نے صاف لکھ دیا کہ پاک ہے۔ (نزل الابرار ج ۱/ص ۴۹)

4)...... حنفی مردار، خنزیر اور خون کو ناپاک کہتے تھے انہوں نے محض ضد میں ان کو پاک کہہ

دیا۔ (بدورالابلہ،عرف الجادی ص ۱۰)

معلوم ہواان کے ہاں منی،خنزیر،مردار،خون سے پورا جسم اور کپڑے لت پت ہوں تو بھی ان کا جسم اور کپڑے پاک ہیں۔ وحید صاحب! کیا ہی خوب ہو کہ ایک دن یہ پورا نقشہ بنا کر آپ نماز پڑھیں۔چلو زندگی کی ایک ہی نماز عمل بالحدیث پرادا ہو جائے کیا خیال ہے؟

5)...... حنفی کہتے تھے کہ استنجاء کرتے وقت نہ قبلہ کی طرف منہ کرے نہ پشت،لیکن انہوں نے ضد میں کہہ دیا:"ولا یکرہ الاستقبال والاستدبار للاستنجاء" (نزل الابرار ج۱/ص ۵۳) یعنی استنجاء کے وقت قبلہ کی طرف منہ کرنا اور پشت کرنا مکروہ نہیں۔

6)...... احناف کہتے تھے کہ بے وضو آدمی کو قرآن کو ہاتھ نہ لگانا چاہیے مگر انہوں نے صاف کہہ دیا کہ محدث راмس مصحف جائز باشد (عرف الجادی ص ۱۵) یعنی بے وضو شخص کا قرآن کو چھونا جائز ہے۔ضد کا تو یہ حال ہے۔

حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانویؒ لکھتے ہیں:"ایک اور عجوبہ سماعت فرمائیں آبادی کے اندر بول و براز کی حالت میں قبلہ کی طرف رخ کرنے کا جواز مختلف فیہ ہے اس لیے احتیاط بہر حال اس میں ہے کہ اس سے احتراز کیا جائے مگر اہلحدیث کے ہاں تو دوسرے مذاہب کی مخالفت ہی بڑا اجہاد ہے۔ چنانچہ کراچی میں انہوں نے اپنی مسجد کے استنجاء خانے گرا کر از سر نو قبلہ رخ تعمیر کرائے ہیں۔ وجہ پوچھنے پر ارشاد ہوا کہ یہ سنت چودہ سو سال سے مردہ تھی ہم نے اس کو زندہ کیا ہے۔(احسن الفتاویٰ ج۳/ص ۱۰۹)

بہشتی زیور پر اعتراضات

وسوسہ نمبر ۱۳: وحید صاحب کہنے لگے کہ اگر اہل حدیثوں نے حنفیوں سے ضد کی ہے تو حنفی حدیث رسول سے ضد کرتے ہیں۔ دیکھو رسول اقدس ﷺ نے فرمایا "کتا برتن میں منہ ڈال دے تو اس برتن کو سات دفعہ دھودو" لیکن "بہشتی زیور" میں ہے کہ سات دفعہ نہیں تین دفعہ دھودو۔ دیکھو مکے والا دین کوفہ میں آ کر کس طرح بدل گیا اس ضد کا کوئی ٹھکانہ ہے کہ نبی ﷺ کچھ کہیں امام ابوحنیفہ صاحب رحمہ اللہ کچھ۔

ازالہ: میں نے کہا وحید صاحب! حضرت عطاء مکہ کے مفتی تھے جنہوں نے دوسو صحابہؓ کی زیارت کی وہ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا "جب کتا تم میں سے کسی کے برتن میں منہ ڈال دے تو اسے چاہیے کہ پانی بہا دے اور برتن کو تین بار دھولے (الکامل لابن عدی) پھر حضرت عطاء رحمہ اللہ خود ابوہریرہؓ سے یہی فتویٰ نقل فرماتے ہیں کہ تین مرتبہ دھویا جائے (دار قطنی ج ۱/ ص ۶۶) پھر خود عطاء رحمہ اللہ یہی فرماتے ہیں کہ میں نے اس بارہ میں سات دفعہ دھونا بھی سنا ہے۔ پانچ دفعہ بھی اور تین دفعہ بھی۔ (عبدالرزاق ج ۱/ ص ۹۷)

وحید صاحب......! افسوس ہے کہ آپ نے "بہشتی زیور" کے بارہ میں غلط بیانی فرمائی ہے کہ اس میں سات دفعہ دھونے سے منع کیا ہے۔ حضرت نے بہت احتیاط فرمائی ہے۔ فرماتے ہیں: کتے کا جھوٹا نجس ہے اگر کسی برتن میں منہ ڈال دے تو تین مرتبہ دھونے سے پاک ہو جاوے گا چاہے مٹی کا برتن ہو چاہے تانبے وغیرہ کا دھونے سے سب پاک ہو جاتا ہے لیکن بہتر یہ ہے کہ سات مرتبہ دھووے اور ایک مرتبہ مٹی لگا کر مانجھ بھی ڈالے کہ خوب صاف ہو جاوے (بہشتی زیور حصہ اوّل جانوروں کے جھوٹے کا بیان مسئلہ نمبر۲) وحید صاحب فرمایئے کہ یہ کس حدیث کے خلاف ہے؟

آئینہ دکھایا تو بُرا مان گئے

اب ذرا نواب صدیق حسن خاں کی بھی سن لیجئے۔ فرماتے ہیں۔ کتے کے منہ ڈالنے والی

حدیث پورے کتے، اس کے خون، بال اور پسینے کے ناپاک ہونے پر دلالت نہیں کرتی۔

(بدور الاہلہ ص ۱۶)

اور نواب وحید الزمان فرماتے ہیں: ''لوگوں نے کتے، خنزیر اور ان کے جھوٹے کے متعلق اختلاف کیا ہے زیادہ راجح یہ ہے کہ ان کا جھوٹا پاک ہے ایسے ہی لوگوں نے کتے کے پیشاب، پاخانہ کے متعلق اختلاف کیا ہے حق بات یہ ہے کہ ان کے ناپاک ہونے پر کوئی دلیل نہیں۔

(نزل الابرار ج ۱/ص ۵۰)

وحید صاحب! آپ نے دیکھا ان حضرات کو کتے سے کتنا پیار ہے؟ اس کا خون بھی پاک پیشاب بھی پاک، پاخانہ بھی پاک، لعاب اور جھوٹا بھی پاک۔

فضائل اعمال کے حصہ

(حکایاتِ صحابہؓ) پر اعتراضات

وسوسہ نمبر ۱۴: وحید صاحب نے کہا کہ حکایات صحابہؓ میں شیخ الحدیث صاحب نے یہ متضاد بات لکھ دی ہے ص ۲۷ پر لکھتے ہیں کہ حضرت حنظلہؓ فرماتے ہیں کہ جب ہم بیوی بچوں میں مشغول ہوتے ہیں تو وہ حالت باقی نہیں رہتی، جو حضور اقدس ﷺ کی پاک صحبت میں ہوتی ہے اس لیے مجھے نفاق کا ڈر ہے اور ص ۷۹ پر لکھتے ہیں کہ حضرت حنظلہؓ کی نئی شادی ہوئی تھی وہ بلا غسل میدان جہاد میں تشریف لے گئے اور شہید ہو گئے تو ملائکہ نے انہیں غسل دیا تو ان کے بچے تھے کہاں جن میں مشغولیت سے انہیں نفاق کا خوف ہوتا؟ ایسی متضاد باتوں کی وجہ سے ہی پڑھے لکھے لوگ اس کتاب سے متنفر ہوتے جارہے ہیں۔

ازالہ: میں نے کہا الحمد للہ پڑھی لکھی دنیا اس کتاب کی برکات سے دین کی دلدادہ بن رہی ہے ہاں ان پڑھ اور ضدی کا علاج کسی کے پاس نہیں۔ جس واقعہ میں حضرت حنظلہؓ نے نفاق کا ڈر ظاہر کیا ہے وہ حضرت حنظلہؓ بن الربیع کاتب رسول ہیں اور جن حضرت حنظلہؓ کو فرشتوں نے غسل دیا وہ حضرت حنظلہؓ بن مالک ہیں۔ یہ تفصیل بحوالہ مرقاۃ حاشیہ مشکوٰۃ ص ۱۹۷/ج ۶ پر ہے۔ جب وحید صاحب کو یہ دکھایا گیا تو وہ بہت پریشان ہوئے اور توبہ توبہ کررہے تھے کہ ہم تو اس اعتراض کو بہت اچھالتے ہیں اور کتنے لوگوں کو ہم نے پریشان کیا تو اب پتہ چلا کہ یہ بیماری ان کی اپنی کم علمی تھی۔ (اللہ تعالیٰ ہمیں معاف فرمائے)

وسوسہ نمبر ۱۵: وحید صاحب نے کہا کہ خون کا حرام ہونا قرآن پاک کی قطعی نص سے ثابت ہے لیکن حضرت شیخ الحدیث صاحب نے دو صحابہ کرامؓ کے خون پینے کا واقعہ ذکر کیا اور حضرت نبی کریم ﷺ کو بھی علم ہوا اور آپ ﷺ نے ان پر کوئی ناراضگی نہ فرمائی بلکہ فرمایا کہ جس کے خون میں میرا خون ملا اس کو جہنم کی آگ نہیں چھو سکتی کیا اللہ کے نبی قرآن کی مخالفت کر سکتے ہیں؟

ازالہ نمبر ۱: میں نے کہا کہ ان دو میں ایک واقعہ تو حضرت ابو سعید خدریؓ کے والد

محترم حضرت مالکؓ بن سنان کا ہے اس کا ذکر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے (الاصابہ ج ۳/ص ۳۴۶) اور ابن البرؒ نے الاستیعاب ج ۳/ص ۳۷۰ پر کیا ہے تو کیا آپ ان دونوں حفاظ کو بھی حضرت شیخ الحدیث کے ساتھ اعتراض میں شامل کریں گے یا نہیں؟

ازالہ نمبر۲: دوسرے یہ کہ حضرت مالکؓ بن سنان احد میں ہی آخر میں شہید ہو گئے۔ (الاستیعاب ج ۳/ص ۳۷۰)

دیکھئے احد میں شہید ہونے والوں میں بعض وہ بھی تھے' جنہوں نے شراب پی تھی' کیونکہ ابھی شراب کی حرمت کا اعلان نہیں ہوا تھا تو کیا آپ ثابت کر سکتے ہیں کہ احد سے پہلے خون یعنی دمِ مسفوح کی حرمت نازل ہو چکی تھی؟ امام قرطبی رحمہ اللہ اپنی تفسیر ج ۲/ص ۲۱۶ پر فرماتے ہیں کہ دمِ مسفوح والی آیت حجۃ الوداع کے دن عرفہ میں نازل ہو چکی تھی آپ کا اعتراض ہی باطل ہے ہاں نبی اقدسؐ اور صحابہ کرامؓ کے ساتھ حسن ظن رکھنا واجبات میں سے ہے' اس لیے کسی صحابیؓ کے شراب پینے کا ذکر پڑھ کر ہم فوراً یقین کر لیں گے کہ یہ حرمت سے پہلے کا واقعہ ہے۔

(نوٹ: اس مسئلہ پر اہم معلومات اگلے صفحات میں پڑھیے!)

ایسے ہی کسی صحابی کے خون پینے اور اس پر حضور اقدس ﷺ کے نہ ڈانٹنے سے یقیناً یہی سمجھا جائے گا کہ حرمت سے قبل کا واقعہ ہے اور حضرت عبداللہ بن زبیر حضور اقدسؐ کے وصال کے وقت نو سال کے تھے ان کا واقعہ بھی حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے الاصابہ ج ۲/ص ۳۱۰ پر نقل کیا ہے تو کیا اس اعتراض میں حافظ ابن حجر کو بھی شریک کیا جائے گا یا نہیں؟ انہوں نے بچپن میں یہ حرکت کی تو اگر حرمت سے پہلے کی بات ہے' تو اعتراض ہی نہیں اور بعد میں کی تو اس جملہ میں ڈانٹ موجود ہے جس کے بدن میں میرا خون جائے گا اس کو آگ چھو نہیں سکتی' مگر تیرے لیے بھی لوگوں سے ہلاکت ہے اور لوگوں کو تجھ سے۔

اپنی کتابیں بھی دیکھیں

اس قسم کے اعتراض کسی علمی بنیاد پر نہیں محض ضد پر مبنی ہیں۔ دیکھو حنفی کہتے ہیں کہ امام ناپاک ہو غسل کئے بغیر نماز پڑھا دے یا بغیر وضو کے نماز پڑھا دے' تو مقتدیوں کی نماز نہیں ہوتی لیکن علامہ وحید الزمان ضد میں آ کر یہ لکھ گئے کہ امام جنابت یا بے وضو ہونے کی حالت میں نماز

پڑھائے تو مقتدیوں کو نماز لوٹانے کی ضرورت نہیں۔ (نزل الابرار ج ا/ص ۱۰۱)

اہلسنت کہتے ہیں کہ کافر کے پیچھے مسلمان کی نماز نہیں ہوتی مگر وحید الزمان صاحب کہتے ہیں ہو جاتی ہے۔ (نزل الابرار ج ا/ص ۱۰۱)

وسوسہ نمبر ۱۶: وحید صاحب نے کہا کہ حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ نے تو تحریر کیا ہے کہ حضور ﷺ کے فضلات پیشاب، پاخانہ وغیرہ سب پاک ہیں۔

ازالہ: میں نے کہا فضلہ کا معنی بچا ہوا پھوک ہے معدہ کھانے کو پکاتا ہے اس میں اصل قوت جگر کھینچ لیتا ہے اور پھوک پاخانہ بن کر نکل جاتا ہے یہ معدے کا فضلہ ہے پھر جگر خون تیار کر کے دل کو دیتا ہے اور جو پھوک رہ جاتا ہے وہ پیشاب بن کر خارج ہو جاتا ہے یہ جگر کا فضلہ ہے پھر وہ خون ایک ایک رگ کو سٹیم مہیا کرتا ہے اس خون سے جو فضلہ بچتا ہے وہ مسامات میں پسینے کی شکل میں خارج ہو جاتا ہے، پھر وہ جو خون جزو بدن اور گوشت بن گیا اس کا پھوک میل کچیل کی شکل میں مسامات کے ذریعے نکلتا ہے۔

(1)......لیکن یہ تو صراحۃً ثابت ہے کہ عوام کے میل کچیل پر مکھی بیٹھتی ہے مگر آنحضرت ﷺ کے جسد اطہر پر مکھی نہیں بیٹھتی تھی۔

(2)......اور یہ بھی متفق علیہ حقیقت ہے کہ عوام کا پسینہ بدبودار ہوتا ہے مگر آنحضرت ﷺ کا پسینہ مبارک دنیا کی اعلیٰ ترین خوشبوؤں کو شرماتا تھا۔

(3)......آپ ﷺ کی نیند مبارک کو بھی نیند ہی کہا جاتا تھا مگر وہ نیند ہماری ہزار بیداریوں سے اعلیٰ وارفع تھی، آپ ﷺ کا خواب بھی وحی ہوتا تھا۔

(4)......آپ ﷺ کی نیند مبارک سے وضو نہیں ٹوٹتا تھا تو جیسے آپ ﷺ کا پسینہ مبارک پسینہ ہی کہلاتا ہے مگر کس نے کہا کہ آپ ﷺ کے پسینہ مبارک کو عام انسانوں جیسا سمجھا جائے وہ آپ کے لیے پسینہ ہی تھا مگر عشاق کیلئے بہترین خوشبو۔

(5)......بادام روغن نکالنے کے بعد جو بادام کا فضلہ بچتا ہے وہ بادام کا تو فضلہ ہی ہے مگر بنولہ کہے کہ میرے فضلہ جیسا ہے تو کوئی عقلمند اس کو تسلیم نہیں کرے گا۔ آنحضرت ﷺ بے شک انسان تھے لیکن آپ ﷺ کو جن خصائص سے اللہ تعالیٰ نے نوازا تھا ان خصائص کا انکار کیوں کیا جائے؟

(6)...... یاقوت بھی پتھر ہے، حجر اسود بھی ایک پتھر ہے مگر یاقوت اس کا مقابلہ کہاں کر سکتا ہے حجر اسود جنت سے آیا ہوا ہے۔

(7)...... حضرات انبیاء علیہم السلام کے اجسام مطہرہ مقدسہ میں اللہ تعالیٰ نے جنت کے خواص رکھ دیئے ہیں اسی لیے ان اجسام مطہرہ کو مٹی پر حرام کر دیا گیا ہے ان اجسام مطہرہ کا پسینہ مثل جنت کے پسینے کے خوشبودار بنا دیا گیا اسی طرح دوسرے فضلات بھی اگر خصوصیت طہارت رکھتے ہوں تو اس میں کیا اشکال ہے؟ (اس سوال کا ایک تفصیلی جواب آئندہ باب میں ملاحظہ فرمائیں۔ مرتب)

روشنی کی طرف

وحید صاحب میری یہ ساری باتیں ٹیپ کر کے لے گئے، دو دن بعد آئے اور کہنے لگے ''جس طرح مطلوبہ احادیث وہ لوگ پیش نہیں کر سکے اسی طرح حقیقۃ الفقہ والے نے جو غلط حوالہ جات ہدایہ کے دیے ہیں وہ بھی عربی ہدایہ سے نہیں دکھا سکے اور ''صلوٰۃ الرسول'' کے غلط حوالے بھی صحاح ستہ سے نہیں دکھا سکے، نہ ہی صلوٰۃ الرسول کے فضائل تو کجا احکام میں ضعیف احادیث پیش کرنے کا کوئی جواب ان کے پاس ہے اور مجھے یقین ہو گیا ہے کہ اس فرقہ کا کوئی اصول نہیں اس کی بنیاد صرف اور صرف اہلسنت والجماعت کی ضد پر ہے۔ آپ نے جو مسائل ان کے بتائے وہ ضد کا واضح ثبوت ہی ہیں۔ میں اپنی غلطیوں کا اعتراف کرتا ہوں کہ دعوت وتبلیغ والے ایسے لوگوں کو چھوڑ کر جن کی صورت اور سیرت سے پیغمبر پاک ﷺ کی سنتیں نمایاں تھیں، جو خوف خدا کی دولت سے مالا مال تھے، جو حرام وحلال کا امتیاز کرتے تھے، جن کا دن رات اس فکر میں گزرتا تھا کہ نبی پاکؐ کا طریقہ کسی طرح دنیا میں جاری ہو جائے، میں ان چھوکروں کے پیچھے لگ گیا جن کے پلے میں بجز اکابر اہل اسلام پر بدزبانی کرنے اور ان کے خلاف بدگمانی پھیلانے اور مسلمانوں کو اکابر اہل اسلام سے متنفر کرنے کے کوئی کام نہیں ہے اب میں تہ دل سے توبہ کرتا ہوں کہ الحمد للہ مسلک حقہ اہلسنت والجماعت حنفی پر ہی قائم رہوں گا اور اس کے خلاف وسوسے پھیلانے والوں سے خود بھی خبردار رہوں گا اور دوسروں کو بھی خبردار کروں گا۔ اللہ تعالیٰ مجھے حق پر استقامت نصیب فرمائیں اور دین میں وسوسے

ڈالنے والوں کے شر سے محفوظ فرمائیں۔ (تجلیات جلد اص ۴۶۰ سے مولانا محمد امین اوکاڑویؒ کے ملفوظات کو ایک خاص انداز میں مرتب کیا گیا)

اٰمین یااِلٰہ العَالَمِینَ

باتوفیق قارئین سے درخواست

عالمی دینی تحریک پر سوالات کے جوابات آپ نے پڑھے۔ ہر دور میں اہل علم نے دینی تحریکوں پر اعتراضات کے بھرپور جوابات دیے ہیں اور ان سے خاطر خواہ فائدہ ہوا لیکن ان حضرات نے فائدہ حاصل کیا جنہوں نے تعصب سے بالاتر ہوکر پڑھا۔

اکثر و بیشتر سواالات کی وجہ بدگمانی ہے اور اس کا علاج صرف یہ ہے چند دن اس جماعت کے ساتھ رہ کر اعمال کو اپنی آنکھوں سے دیکھا جائے۔ الحمدللہ جوابات سے بہت سے معترضین معتقدین بن گئے، فتنہ وفساد کے اس دور میں دُعا کرنی چاہیے کہ:

اے اللہ ہم پر حق واضح فرمادے اور اس کی اتباع نصیب کردے۔ (آمین)۔

باب چہارم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تبلیغ میں چلنے والے احباب کے مسائل

اور

''فضائل اعمال'' پر سوالات

اور

ان کا تسلی بخش حل

شہید ختم نبوت حضرت مولانا

محمد یوسف لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ

کے گوہر بار قلم سے

تبلیغی جماعت کے متعلق اہم سوالات کے جوابات

از:...... مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمۃ اللہ علیہ

سب سے پہلے ایک سوال اور اس کا جواب لکھا جاتا ہے۔ جس سے حضرت لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ کی اس جماعت سے محبت اور اس مشن سے عقیدت مندانہ وابستگی ظاہر ہو رہی ہے۔ مرتب

کوئٹہ سے ایک صاحب نے اپنے مکتوب میں لکھا ہے:......

''بندہ یہ بات بلا مبالغہ کہتا ہے کہ آپ کی تصنیف و تحریر سے بندہ کے دل میں آنجناب کا جتنا احترام سمایا ہوا ہے شاید اتنا قدر و احترام اپنے والد کا بھی میرے دل میں نہیں ہوگا۔ میرا تعلق چونکہ تبلیغی جماعت کے ساتھ ہے اور تبلیغی جماعت کے بارے میں آپ کی آراء کئی دفعہ نظروں سے گزری ہے، جس میں آپ نے تبلیغی جماعت کی تائید بہت عقیدت مندی اور زبردست ولولے کے ساتھ کی تھی۔ چونکہ یہ کام ہمارا ایک مقصدی فریضہ ہے اگرچہ ہمیں اس کام کو شرح صدر کے ساتھ کرنا چاہیے، محض تقلیدی طریقہ پر نہیں۔ لیکن پھر بھی علماء حضرات کی تائید اس پرفتن دور میں بہت ضروری ہے اور بار بار ضروری ہے۔''

اس سلسلے میں آپ سے استدعا یہ ہے کہ آج کل ایک جماعت پھرتی ہے، جن کی اچھی خاصی داڑھی بھی ہوتی ہے۔ یہ جماعت مختلف شہروں میں آ کر لاؤڈ اسپیکر کے ذریعے نماز روزہ اور اس قسم کے اچھے اعمال کی آواز لگاتے ہیں مثلاً جھوٹ نہ بولو، چوری نہ کرو! وغیرہ وغیرہ اور ساتھ ہی رسالے بھی تقسیم کرتے ہیں، جس کا نام ''ضرب حق'' رکھا ہے اور مصنف کا نام عتیق الرحمٰن گیلانی لکھا ہے۔ اس دفعہ یہ جماعت ہمارے شہر ضلع پشین کوئٹہ میں آئی تھی، اور ساتھ ہی بہت سے رسالے بھی لائے تھے جلدی جلدی کچھ آواز لگا کر رسالے تقسیم کر کے فوراً شہر سے نکل گئے۔

ان رسالوں میں عجیب قسم کی خرافات اور بکواس لکھی ہوئی تھی۔ رسالے کے اکثر صفحوں پر بڑی بڑی سرخیاں قائم کر کے تبلیغی جماعت پر الزام لگائے تھے۔ ایک صفحے پر جس کی نقل آپ کے پاس بھیج رہا ہوں آپ کی کتاب ''عصر حاضر'' کا سہارا لے کر لکھا تھا کہ مفتی محمد یوسف لدھیانوی

نے اس جماعت کو عالمگیر فتنہ قرار دیا ہے۔ اب تبلیغی جماعت کے اپنے اکابرین نے اس جماعت کو فتنہ قرار دینا شروع کر دیا۔

گذارش یہ ہے کہ آپ کے بارے میں میرا سینہ بالکل صاف ہے لیکن امت کے سادہ لوح انسانوں کا اس فتنے میں پھنسنے کا شدید خطرہ ہے۔ اس لیے اخبار کے ذریعے اس جماعت کا دجل آشکارا کریں اور ایک بار پھر تبلیغی جماعت کو اپنے زریں خیالات سے نوازنے کی زحمت فرما کر باطل فرقوں کی حوصلہ شکنی کریں تا کہ ہمارے علاقے کے بلکہ پورے پاکستان کے سادہ لوح باشندے اس فتنے سے بچ جائیں۔'' جواب جلد از جلد پوری تفصیل کے ساتھ مطلوب ہے۔

حضرت نے جواب میں لکھا ہے۔

محترم ومکرم......!

زید مجدہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ......!

''آپ نے عتیق الرحمٰن گیلانی نام کے کسی شخص کا ذکر کیا ہے کہ اس نے تبلیغی جماعت کے خلاف پمفلٹ لکھے ہیں، اور ان میں کہا گیا ہے کہ اکابرین نے اس جماعت کو فتنہ قرار دیا ہے، اور یہ کہ اس کے معتقدین تبلیغی جماعت کو بدنام کرنے کے لیے مسقل مہم چلا رہے ہیں، اور بہت سے سادہ لوح لوگ ان سے متاثر ہو رہے ہیں، اس سلسلہ میں چند امور لکھتا ہوں، بہت غور سے ان کو پڑھیں۔''

(ا) مختصر اعلان

تبلیغ والوں کا جس مسجد میں گشت یا بیان ہوتا ہے، اس سے پہلے ان الفاظ میں اس کا اعلان کیا جاتا ہے:

''حضرات! ہماری اور سارے انسانوں کی کامیابی اللہ تعالیٰ کے حکموں کو پورا کرنے اور آنحضرت ﷺ کے مبارک طریقوں پر چلنے میں ہے، اس کے لیے ایک محنت کی ضرورت ہے، اسی محنت کے سلسلہ میں نماز کے بعد بات ہوگی، آپ سب حضرات تشریف رکھیں، ان شاء اللہ بڑا نفع ہوگا۔ یہ ہے دعوت و تبلیغ کی وہ ''محنت'' جو تبلیغی جماعت کا موضوع ہے، اور جس کا اعلان ہر مسجد میں ہوتا ہے۔''

(۲) انبیاء علیہم السلام کی دعوت

اللہ تعالیٰ کے بندوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلانا یہ وہ پاک مقصد ہے جس کے لیے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو مبعوث فرمایا اور ان حضرات نے بغیر کسی اجر کے محض رضائے الٰہی کے لیے دعوت الی اللہ کا فریضہ انجام دیا، اس راستے میں ان کے سامنے مصائب و مشکلات کے پہاڑ آئے، انہیں ایذائیں دی گئیں، ان کی تحقیر کی گئی، انہیں ستایا گیا، ان کو گالیاں دی گئیں، انہیں دھمکایا اور ڈرایا گیا، لیکن ان کے پائے استقامت میں لغزش نہیں آئی، بلکہ تمام تر مصائب و مشکلات کو ان حضرات نے محض رضائے الٰہی کے لئے برداشت کیا، اور اس کے لیے جان و مال اور عزت و آبرو کی کسی قربانی سے دریغ نہیں فرمایا۔ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے جو حالات قرآن کریم اور احادیث شریفہ میں بیان فرمائے گئے ہیں۔ ان میں جہاں یہ واضح ہو جاتا ہے کہ یہ حضرات ایمان و یقین، صبر و استقامت اور بلند ہمتی کے کتنے بلند مقام پر فائز تھے، وہاں یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ دعوت الی اللہ کا مقصد کس قدر عظیم الشان اور عالی مقصد ہے کہ اس مقصد کے لیے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام نے فوق العادت قربانیاں پیش کیں۔

(۳) ختم نبوت کی ذمہ داری

آنحضرت ﷺ خاتم النبیین ہیں، آپ ﷺ پر سلسلہ نبوت ختم کر دیا گیا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی شخص کو نبوت و رسالت کے منصب رفیع پر فائز نہیں کیا جائے گا، آپ کی ختم نبوت کے طفیل میں دعوت الی اللہ کا یہ کام، جس کے لیے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو کھڑا کیا گیا تھا، اب آپ ﷺ کی امت کے سپرد کر دیا گیا، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ (آل عمران: ۱۰۴)

اور تم میں ایک جماعت ایسی ہونا ضروری ہے کہ خیر کی طرف بلایا کریں اور نیک کام کرنے کو کہا کریں اور برے کاموں سے روکا کریں اور ایسے لوگ پورے کامیاب ہوں گے۔

(ترجمہ حضرت تھانویؒ)

نیز ارشاد ہے:

كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ الآيةo (آل عمران: ۱۱۰)

تم لوگ اچھی جماعت ہو کہ وہ جماعت لوگوں کے لئے ظاہر کی گئی ہے تم لوگ نیک کاموں کو بتلاتے ہو اور بری باتوں سے روکتے ہو اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہو۔

(ترجمہ: حضرت تھانویؒ)

ان آیات شریفہ میں دعوت الی اللہ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام امت محمدیہ (علیٰ صاحبھا الصلوٰۃ والتسلیمات) کے سپرد کر کے اسے ''خیر امت'' کا لقب دیا گیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس امت کا ''خیر امت'' ہونا اسی مبارک کام کی وجہ سے ہے۔

(۴) امّت کا فریضہ

ان آیات شریفہ میں دعوت الیٰ اللہ کا جو فریضہ امت کے سپرد کیا گیا ہے، الحمدللہ! کہ یہ امت اس فریضہ سے کبھی غافل نہیں ہوئی، بلکہ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے لے کر آج تک اکابر امت اس مقدس خدمت کو بجالاتے رہے ہیں، اور دعوت الی اللہ کے خاص خاص شعبوں کے لیے افراد اور جماعتیں میدان میں آتی رہیں، کبھی قتال و جہاد کے ذریعہ، کبھی وعظ و ارشاد کی شکل میں، کبھی درس و تدریس کی صورت میں، کبھی تصنیف و تالیف کے ذریعہ، کبھی مدارس اور خانقاہوں کے قیام کے طریقہ سے، کبھی اصلاح و ارشاد کے راستہ سے، کبھی قضا و افتاء کے ذریعہ سے، کبھی باطل اور گمراہ فرقوں کے ساتھ مناظرہ و مباحثہ کے ذریعہ، کبھی انفرادی طور پر، کبھی اجتماعی تعلیم و تبلیغ کے ذریعہ۔ یہ سب کی سب دعوت الیٰ اللہ ہی کی مختلف شکلیں اور اس کے مختلف شعبے ہیں۔ الحمدللہ! دعوت الی اللہ کا کوئی میدان ایسا نہیں جس کو امت نے خالی چھوڑ دیا ہو، اور کوئی شعبہ ایسا نہیں، جس میں کام کرنے والی ایک معتد بہ جماعت موجود ہو۔ **فالحمدلله على ذلک۔**

(۵) مولانا محمد الیاسؒ اور ان کی جماعت کا سلف صالحین سے تعلق

تبلیغی جماعت جس طرز پر دعوت الی اللہ کا کام کر رہی ہے، یہ سنت نبوی ﷺ اور طریقہ سلف صالحینؒ کے عین مطابق ہے۔ حضرت اقدس مولانا شاہ محمد الیاس کاندھلویؒ ثم دہلوی، حضرت قطب الارشاد مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے خادم، حضرت اقدس مولانا خلیل احمد سہارنپوری مہاجر مدنی کے خلیفہ اور اپنے دور کے تمام اکابر امت معتمد اور منظور نظر تھے۔

ان کی زندگی کا ایک ایک عمل سنت نبوی ﷺ کے سانچے میں ڈھلا ہوا تھا' وہ ایمان و اخلاص، زہد و توکل، ایثار و ہمدردی، صبر و استقامت، بلند نظری و بلند ہمتی اور اخلاق و اوصاف میں فائق الاقران تھے، حق تعالیٰ شانہٗ نے ان سے دین کی دعوت و تبلیغ کا تجدیدی کام لیا، اور اللہ تعالیٰ نے مادیت کے جدید طوفان کے مقابلے میں ان پر ''عمومی دعوت'' کا طریقہ منکشف فرمایا، اور انہوں نے ایک عام سے عام آدمی کو بھی دین کی دعوت کے کام میں لگا دیا، حضرت مولانا الیاسؒ کے وقت سے آج تک ''تبلیغی جماعت'' اسی نہج اور اسی نقشہ پر دعوت الی اللہ کا کام کر رہی ہے، اور الحمدللہ ثم الحمدللہ اس کے ذریعے کروڑوں افراد کو حق تعالیٰ نے فسق و فجور کی تاریکیوں سے نکال کر شریعت مطہرہ کی پابندی اور سنت نبوی ﷺ کے مطابق زندگی ڈھالنے کا جذبہ عطا فرما دیا ہے۔

(۶) اللہ کا کام

تبلیغی جماعت کے اس مبارک کام پر لوگوں کی طرف سے ناواقفی کی وجہ سے نکتہ چینیاں بھی ہوئیں' اس کے کام میں رکاوٹیں پیدا کرنے کی کوشش بھی کی گئی' اور اس کو بدنام کرنے لیے افسانے بھی گھڑے گئے' لیکن یہ اللہ کا کام ہے' الحمدللہ! کہ ان تمام رکاوٹوں کے باوجود اللہ تعالیٰ اپنے مخلص بندوں سے اپنے دین کی دعوت کا کام لے رہا ہے' حق تعالیٰ شانہ کی رحمت و عنایت سے قوی امید ہے کہ وہ اپنے بندوں کو اس کام کے لیے کھڑا کرتے رہیں گے۔

(۷) راز کی بات

اس ناکارہ کو ایک عرصہ تک تبلیغی اسفار میں شریک ہونے کی سعادت حاصل ہوئی ہے' اور

اکابر تبلیغ کی نجی سے نجی محفلوں میں بیٹھنے اور ان کے حالات کا بغور مطالعہ کرنے کا موقع ملا ہے حق تعالیٰ شانہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس ناکارہ کو اس سلسلہ میں جس قدر قریب سے قریب ہونے کا موقع ملا ہے اسی قدر اس کام کی افادیت اور اس کام میں لگنے والے حضرات کی حقانیت اس ناکارہ پر کھلتی گئی ہے اس لیے یہ ناکارہ کامل انشراح اور پر بصیرت کے ساتھ یہ اظہار کرنا ضروری سمجھتا ہے کہ تبلیغی جماعت کا کام نہایت مبارک ہے امت محمدیہ (علیٰ صاحبھا الصلوٰت والتسلیمات) کی نشاۃ ثانیہ کا ذریعہ ہے اور تمام مسلمان بھائیوں کا اس بابرکت کام میں لگنا دنیا و آخرت کی سعادتوں کا ذریعہ ہے حق تعالیٰ شانہ ہمیں اپنی رضا و محبت نصیب فرمائیں اور دنیا و آخرت میں اپنے مقبول بندوں کی رفاقت و معیت نصیب فرمائیں۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل جلد نہم)

(قارئین! یہاں سے سوالات و جوابات کا وہ سلسلہ شروع کیا جاتا ہے جو اس عظیم جماعت کے متعلق لوگوں نے حضرت لدھیانویؒ سے لوگوں سے کیے اور حضرت نے بصیرت افروز جوابات دیے۔)

ملفوظات پر اعتراض

۵......ملفوظات الیاسؒ کا مرتب اپنی کتاب میں ان کا یہ دعویٰ نقل کرتے ہوئے لکھتا ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

"کُنتُم خَيرَ اُمَّةٍ اُخرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ"

کی تفسیر خواب میں یہ القاء ہوئی کی تم مثل انبیاء علیہم السلام کے لوگوں کے واسطے ظاہر کیے گئے ہو (ملفوظات ص:۵۱)

(س) سائل نے لکھا کہ حضرت پوچھنا یہ چاہتا ہوں کہ کیا حضرت جی یعنی مولانا محمد الیاسؒ کا یہ دعویٰ صحیح ہے؟

(ج) انبیاء کے مثل" سے مراد ہے کہ جس طرح ان اکابر پر دعوت دین کی ذمہ داری تھی حضور ﷺ کی ختم نبوت کے طفیل میں یہ ذمہ داری امتِ مرحومہ پر عائد کردی گئی اس میں کون سی بات خلاف

واقعہ ہے اور اس پر کیا اشکال ہے؟

دوسرا اشکال

مولوی عبدالرحیم شاہ باڑہ ٹوٹی صدر بازار دہلی والے ان کی کتاب (اصول دعوت و تبلیغ) کے آخری ٹائٹل مولوی احتشام الحسن صاحب (مولانا الیاس ؒ کے برادر نسبتی ان کے خلیفہ اول ہیں) ان کی یہ تحریر ''انتظار کیجئے'' کے عنوان سے شائع ہوئی ہے یہ تحریر انہوں نے اپنی ایک کتاب (زندگی کی صراط مستقیم) کے آخر میں ضروری انتباہ کے نام سے شائع کی ہے لکھتے ہیں:

نظام الدین کی موجودہ تبلیغ میرے علم وفہم کے مطابق نہ قرآن وحدیث کے موافق ہے اور نہ حضرت مجدد الف ثانی اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور علماء حق کے مسلک کے مطابق ہے، جو علماء کرام اس تبلیغ میں شریک ہیں ان کی پہلی ذمہ داری ہے کہ اس کام کو پہلے قرآن وحدیث ائمہ سلف اور علماء حق کے مسلک کے مطابق کریں' میری عقل وفہم سے بہت بالا ہے کہ جو کام حضرت مولانا محمد الیاس ؒ کی حیات میں اصولوں کی انتہائی پابندی کے باوجود صرف ''بدعتِ حسنہ'' کی حیثیت رکھتا تھا اس کو اب انتہائی بے اصولیوں کے بعد دین کا اہم کام کس طرح قرار دیا جارہا ہے؟ اب تو منکرات کی شمولیت کے بعد اس کو بدعتِ حسنہ بھی نہیں کہا جاسکتا' میرا مقصد صرف اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہونا ہے۔''

(**س**) حضرت برائے مہربانی اس سوال کا جواب ذرا تفصیل سے عنایت کریں کیونکہ میں اس کی وجہ سے پریشان ہوں اللہ آپ کو جزائے خیر عطاء فرمائیں۔ آمین

(**ج**) (تبلیغ کی محنت) ان بزرگ کے علم وفہم کے مطابق نہیں ہوگی لیکن یہ بات قرآن کی کس آیت میں آئی ہے کہ ان بزرگ کا علم وفہم دوسروں کے مقابلہ میں حجت قطعیہ ہے؟ الحمد للہ! تبلیغ کا کام جس طرح حضرت مولانا الیاس ؒ کی حیات میں اصولوں کے مطابق ہورہا ہے آج بھی ہورہا ہے، ہزاروں نہیں لاکھوں انسانوں کی زندگیوں میں انقلاب آرہا ہے، بے شمار انسانوں میں

دین کا درد، آخرت کی فکر، اپنی زندگی کی اصلاح کی تڑپ اور بھولے ہوئے انسانوں کی محمد رسول اللہ ﷺ والی لائن پر لگانے کا جذبہ پیدا ہو رہا ہے' اور یہ ایسی باتیں ہیں جن آنکھوں سے دیکھا جا سکتا ہے اب اس خیر و برکت کے مقابلہ میں جو کھلی آنکھوں نظر آ رہا ہے تبلیغ سے روٹھے ہوئے ایک بزرگ کا علم و فہم کیا قیمت رکھتا ہے؟

اور ان بزرگ کا اس کام کو ''بدعتِ حسنہ'' کہنا بھی ان کے علم و فہم کا قصور ہے' دعوت الی اللہ کا کام تمام انبیاء کرام علیہم السلام کا کام چلا آیا ہے' کون عقل مند ہوگا جو انبیاء کرام علیہم السلام کے کام کو بدعت کہے؟

میں نے اعتکاف میں قلم برداشتہ یہ چند الفاظ لکھ دیئے ہیں، امید ہے کہ موجب تشفی ہوں گے' ورنہ نکات کی تشریح مزید بھی کی جا سکتی تھی' مگر اس کی نہ فرصت ہے اور نہ ضرورت۔ ایک خاص بات یہ کہنا چاہتا ہوں کہ جو لوگ علم میں کمزور ہوں ان کو کچے پکے لوگوں کی کتابیں اور رسالے پڑھنے سے پرہیز کرنا چاہئے، کیونکہ ایسے لوگوں کا مقصود تو محض شبہات وساوس پیدا کر کے دین سے برگشتہ کرنا ہوتا ہے، اعتراضات کس پر نہیں کئے گئے؟ اس لئے ہر اعتراض لائق التفات نہیں ہوتا۔

اپنی اور اپنے مسلمان بھائیوں کی اصلاح

(س) میرا مسئلہ تبلیغ سے متعلق ہے۔ قرآن پاک کی آیت کا ترجمہ لکھتا ہوں۔

تم بہترین امت ہو۔ لوگوں کے لئے نکالے گئے ہو تم لوگ نیک کام کا حکم کرتے ہو اور برے کام سے منع کرتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو''۔

دوسری آیت کا ترجمہ

''اور تم میں سے ایک جماعت ایسی ہونی ضروری ہے جو خیر کی طرف بلائے اور نیک کاموں کے کرنے کو کہا کرے اور برے کام سے منع کرے۔ ایسے لوگ پورے کامیاب ہوں گے'' ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''جو شخص کسی ناجائز کام کو ہوتے ہوئے دیکھے اگر اس پر

قدرت ہو تو اس کو ہاتھ سے بند کر دے اتنی قدرت نہ ہو تو دل میں برا جانے اور یہ ایمان کا بہت کم درجہ ہے''۔

ایک دوسری حدیث کا مفہوم ہے

''تمام نیک اعمال جہاد کے مقابلے میں ایک قطرہ ہیں اور تبلیغ دین ایک سمندر ہے اور جہاد تبلیغ کے مقابلے میں بس ایک قطرہ ہے''۔

آیت اور حدیث کی روشنی میں ان کا جواب دیں؟۔

(ج) آپ نے صحیح لکھا ہے، دین کی دعوت دینا، لوگوں کو نیک کاموں پر لگانا اور برے کاموں سے روکنا بہت بڑا عمل ہے۔ ہر مسلمان پر فرض ہے کہ اپنی اصلاح کے ساتھ ساتھ اپنے مسلمان بھائیوں کی فکر کرے اور بقدر استطاعت ان کو نیکیوں پر لگائے اور برائیوں سے بچائے۔ آخری حدیث جو آپ نے لکھی ہے۔ یہ میری نظر سے نہیں گزری۔

کیا تبلیغی جماعت سے جڑنا ضروری ہے؟

(س) جماعت کے بارے میں آپ کی رائے کیا ہے؟ کیا اس کام میں جڑنے کے علاوہ بھی اصلاح اور ایک مخصوص ذمہ داری بحیثیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک مسلمان امتی ہونے کے ادا ہو سکتی ہے۔ ایک مسلمان کے ذمہ کیا ہے؟ وہ کیسے اپنی زندگی کا رخ صحیح کرے اور ساری انسانیت کے لئے فکرمند کیونکر ہو؟۔

(ج) جماعت بہت مبارک کام کر رہی ہے۔ اس میں جتنا وقت بھی لگایا جا سکے ضرور لگانا چاہئے اس سے اپنی اور امت کی اصلاح کی فکر پیدا ہوتی ہے، اور اپنے نفس کی اصلاح کے لیے کسی شیخِ کامل محقق کے ساتھ اصلاحی تعلق رکھنا چاہیے۔

طائف سے واپسی پر آنحضرت ﷺ کی حج کے موقع پر تبلیغ

(س) کیا طائف سے واپسی پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تبلیغ سے روک دیا گیا تھا اور آپ صلی اللہ

علیہ وسلم صرف حج کے موقع پر ہی دین کی تبلیغ کر سکتے تھے؟۔

(ج) کفار کی جانب سے تبلیغ پر پابندی لگانے کی کوشش ہوتی رہی، لیکن یہ پابندی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی قبول نہیں فرمائی، البتہ جب یہ دیکھا کہ اہل مکہ میں فی الحال قبول حق کی استعداد نہیں اور نہ یہاں رہ کر آزادانہ تبلیغ کے مواقع ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے موسم حج میں باہر سے آنے والے قبائل کو دعوت پیش کرنے کا زیادہ اہتمام فرمایا، جس سے یہ مقصد تھا کہ اگر باہر کوئی محفوظ جگہ اور مضبوط جماعت میسر آ جائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں ہجرت کر جائیں۔

کیا نماز کی دعوت اور سنت کی تلقین ہی تبلیغ ہے؟

(س) تبلیغ کے کیا معنی ہیں اور اس کا دائرہ کار کیا ہے؟ کیا نماز کی دعوت اور سنت کی تلقین ہی تبلیغ ہے؟ اگر کوئی شخص معاشرے کو سنوارنے کے لئے جدوجہد کرتا ہے تو لوگ کہتے ہیں کہ یہ اقتدار کے لیے ایسا کرتا ہے اور کہتے ہیں کہ سنت پر عمل کریں تو دنیا قدموں میں خود بخود آ جائے گی۔ حالانکہ مقصد اصلاح معاشرہ ہے اور معاشرے کو ان برائیوں سے بچانا مقصود ہے جو اسے دیمک کی طرح چاٹ رہی ہیں۔ پوچھنا یہ ہے اس شخص یا جماعت کا یہ فعل کس حد تک اسلام کے مطابق ہے کیا یہ تبلیغ کی مد میں شامل ہے؟

(ج) معاشرہ افراد سے تشکیل پاتا ہے، افراد کی اصلاح ہوگی تو معاشرے کی اصلاح ہوگی، اور جب تک افراد کی اصلاح نہیں ہوتی اصلاح معاشرہ کی کوئی صورت ممکن نہیں۔ پس جو حضرات بھی افراد سازی کا کام کر رہے ہیں وہ دعوت و تبلیغ کا کام کر رہے ہیں۔

تبلیغ کا دائرہ کار تو پورے دین پر حاوی ہے، مگر نماز دین کا اولین ستون ہے۔ جب تک نماز کی دعوت نہیں چلے گی اور لوگ نماز کی طرف نہیں آئیں گے نہ ان میں دین آئے گا اور نہ ان کی اصلاح ہوگی اور ہر کام میں سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنانے کی دعوت، درحقیقت پورے دین کی دعوت ہے، کیونکہ سنت ہی دین کی شاہراہ ہے۔ اس لیے بلاشبہ نماز اور سنت کی دعوت ہی دین کی تبلیغ

ہے۔

تبلیغی اجتماعات کی دعاء میں شامل ہونے کے لئے سفر کرنا اور عورتوں کا جانا

(س) تبلیغی دوستوں نے مستورات کے تبلیغ میں جانے کے لیے خاص اصول وشرائط رکھے ہیں، ان اصولوں کی پابندی کرتے ہوئے عورتوں کے لیے تبلیغی جماعت کے اجتماعات میں وعظ ہوتا ہے اور اختتام پر بلند آواز سے دعا ہوتی ہے۔ ایک دعا مانگتا ہے اور باقی سب آمین کہتے ہیں، اس پر بڑے بڑے مصارف کر کے دور دراز سے لوگ سفر کر کے شریک ہونے کی کوشش کرتے ہیں اور اس کو اجتماع کا اصل مقصد سمجھتے ہیں۔ اگر کوئی اس میں شریک نہ ہو اور اٹھ کر چلا جائے تو تصور کیا جاتا ہے کہ اس نے اجتماع میں شرکت نہیں کی۔ بندہ بھی اس میں شریک ہونے کا بڑا آرزو مند ہوتا ہے اور تلاوت قرآن سے اس کو زیادہ باعث ثواب سمجھتا ہے۔ کیا یہ نظریہ درست ہے یا نہیں؟

(ج) تبلیغی جماعت کے اجتماعات بڑے مفید ہوتے ہیں اور ان میں شرکت باعث اجر وثواب ہے۔ اختتام اجتماع پر جو دعا ہوتی ہے وہ موثر اور رقت انگیز ہوتی ہے۔ اجتماع اور اس دعاء میں شرکت کے لئے سفر باعث اجر ہوگا۔ انشاء اللہ۔ قرآن کریم کی تلاوت اپنی جگہ بہت اہم اور باعث ثواب ہے دونوں کا تقابل نہ کیا جائے۔ بلکہ تلاوت بھی کی جائے اور اجتماع میں شرکت بھی کی جائے۔

عورتوں کا تبلیغی جماعتوں میں جانا کیسا ہے؟

(س) عورتوں کا تبلیغی جماعت میں جانا کیسا ہے؟

(ج) تبلیغ والوں نے مستورات کے تبلیغ میں جانے کے لیے خاص اصول وشرائط رکھے ہیں۔ ان اصولوں کی پابندی کرتے ہوئے عورتوں کا تبلیغی جماعت میں جانا بہت ضروری ہے، اس سے دین کی فکر اپنے اندر بھی پیدا ہوگی اور امت میں دین والے اعمال زندہ ہونگے۔

کیا تبلیغ کے لیے پہلے مدرسہ کی تعلیم ضروری ہے؟

(س) بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ تبلیغ عالموں کا کام ہے، اس میں جو لوگ کچھ نہیں جانتے ان کو

چاہیے کہ وہ پہلے مدرسہ میں جا کر دین کا کام سیکھ لیں بعد میں یہ کام کریں ورنہ ان کی تبلیغ حرام ہے۔کیا یہ صحیح ہے؟

(ج) غلط ہے، جتنی بات مسلمان کو آتی ہے اس کی تبلیغ کر سکتا ہے۔اور تبلیغ میں نکلنے کا مقصد سب سے پہلے خود سیکھنا ہے اس لیے تبلیغ کے عمل کو بھی ''چلتا پھرتا مدرسہ'' سمجھنا چاہیے۔

لوگوں کو خیر کی طرف بلانا قابل قدر ہے لیکن انداز تند نہ ہونا چاہیے

(س) جناب میں بذات خود نماز پڑھتا ہوں اور دوسروں کو نماز پڑھنے کی نصیحت کرتا ہوں۔ لیکن ہمارے ایک صوفی صاحب ہیں انہوں نے مجھے منع فرماتے ہوئے کہا کہ جناب آپ کسی کو نماز کے لیے زیادہ سخت الفاظ میں نہ کہا کریں کیونکہ آپ کے بار بار کہنے کے باوجود دوسرا آدمی نماز پڑھنے سے انکار کرے تو اس طرح انکار کرنے سے آپ گنہگار ہوتے ہیں۔لیکن جناب میرا مشن تو یہی اور تھا بھی کہ اگر میں کسی کو بار بار کہتا ہوں اور اگر وہ آج انکار کرتا ہے تو کوئی بات نہیں، شاید کل اس کے دماغ میں میری بات بیٹھ جائے اور وہ نماز شروع کر دے۔ میں تو یہاں تک سوچتا ہوں کہ چلو آج نہیں تو میرے مرنے کے بعد میری آواز ان کے کانوں میں گونجنے لگے اور شاید پھر یہ نماز شروع کر دیں۔اس سلسلے میں آپ میری رہنمائی فرمائیں کہ مجھے کیا کرنا چاہیے۔ امید ہے آپ قرآن وحدیث کی روشنی میں میری پریشانی دور فرمائیں گے۔

(ج) آپ کا جذبہ تبلیغ قابل قدر ہے، بھولے ہوئے بھائیوں کو خیر کی طرف لانے اور بلانے کی ہر ممکن کوشش کرنی چاہئے، لیکن انداز گفتگو خیر خواہانہ ہونا چاہیے، سخت وتند نہیں، تا کہ آپ کے انداز گفتگو سے لوگوں میں نماز سے نفرت پیدا نہ ہو۔

گھر بتائے بغیر تبلیغ پر چلے جانا کیسا ہے؟

(س) بعض لوگ اپنا شہر یا اپنا ملک چھوڑ کر اپنے اہل وعیال کو یہ بتائے بغیر کہ وہ کہاں جا رہے ہیں اور کتنے دن کے لیے جا رہے ہیں، چپ چاپ نکل جاتے ہیں۔اور کسی مقام پر پہنچ کر اپنے

گھر والوں کو بذریعہ خط وغیرہ بھی کوئی اطلاع نہیں دیتے۔ بلکہ اس اجنبی شہر یا ملک کے مسلمانوں کا کلمہ درست کرانے اور نماز کی تلقین کرنے میں مصروف رہتے ہیں۔ اکثر ان کے اہل خانہ کو اس عمل سے پریشانی ہوتی ہے اور خرچ وغیرہ نہ ملنے کی وجہ سے شکایت بھی ہوتی ہے۔ وہ لوگ اس طرح ۵۔۵یا۶۔۶ ماہ بلکہ ایک ایک سال باہر گزارتے ہیں۔ اس کو وہ ''چلہ'' دینا کہتے ہیں۔ نیز وہ خود بھی سمجھتے ہیں اور دوسروں کو بھی سمجھاتے ہیں کہ جو جتنا لمبا چلہ دیتا ہے وہ اتنا ہی کامل مسلمان بن جاتا ہے۔ یہ عمل کہاں تک درست ہے؟ اور کیا کتاب وسنت کے مطابق ہے؟ کیا صحابہ کرامؓ نے بھی ایسے چلے دیے ہیں؟ عربی میں چلے کو کیا کہا جاتا ہے؟ کیوں کہ اردو میں تو چلہ صرف چالیس دن کا ہوتا ہے۔ وہ بھی پیر، فقیر اور روحانی عامل کسی وظیفہ وغیرہ پڑھنے کی مدت کے لیے استعمال کرتے ہیں۔

(ج) ایسا بے وقوف تو شاید ہی دنیا میں کوئی ہو جو سال چھ مہینے کے ملک سے باہر چلا جائے نہ گھر والوں کو بتائے نہ وہاں جا کر اطلاع دے، نہ ان کے نان نفقہ کا سوچے۔ ایسی فرضی صورتوں پر تو احکام جاری نہیں کیے جاتے۔ جہاں تک دین کے سیکھنے سکھانے کا عمل ہے، یہ مسلمانوں کے ذمہ فرض ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور بزرگان دین بھی ہماری طرح گھروں میں بیٹھے رہتے تو شاید ہم بھی مسلمان نہ ہوتے، نہ آپ کو سوال کی ضرورت ہوتی اور نہ کسی کو جواب دینے کی۔ جوان بیبیوں کو چھوڑ کر جو لوگ چند ٹکے کمانے کے لیے سعودیہ، دبئی، امریکہ چلے جاتے ہیں اور کئی کئی سال تک نہیں لوٹتے، ان کے بارے میں آپ نے کبھی مسئلہ نہیں پوچھا۔ جو لوگ دین سیکھنے کے لیے مہینے دو مہینے چار مہینے کے لیے جاتے ہیں ان کے بارے میں آپ کو مسئلہ پوچھنے کا خیال آیا۔ میرا مشورہ یہ ہے کہ گھر کے لوگوں کے نان ونفقہ کا انتظام کر کے آپ بھی چار مہینے کے لیے تو ضرور تشریف لے جائیں، اس کے بعد آپ مجھے لکھیں کیوں کہ اس وقت آپ جو کچھ تحریر فرمائیں گے، وہ علی وجہ البصیرت ہوگا۔

ماں باپ کی اجازت کے بغیر تبلیغ میں جانا

(س) اگر مکی مسجد گارڈن کراچی جائیں تو لوگ وہاں وہابی کہتے ہیں اور دوسری طرف جانے

سے بریلوی اور بدعتی ہونے کا خطاب ملتا ہے۔ میرے ناقص مشاہدہ میں یہ بے چارے تبلیغی جماعت والے صحیح ہیں اور میں ہر جمعرات کو جاتا ہوں مگر میری ناقص فہم میں نہیں آتا کہ ماں باپ بوڑھوں کی بھی رضا مندی اور ان کی بھی خدمت فرض ہے۔ میرا مطلب ہے جب وقت ہے تو جاؤ، بہت سے تو ماں اگر بیمار ہے تو بھی چلے جاتے ہیں۔ میں نے دو مرتبہ تین تین دن لگائے ہیں۔ آپ براہِ کرم بتلایئے کہ ان کی اجازت کے بغیر ہم جماعت میں جاسکتے ہیں یا نہیں؟

(ج) تبلیغی جماعت کے بارے میں آپ نے صحیح لکھا ہے کہ یہ اچھے لوگ ہیں، ان کی نقل وحرکت کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے ہزاروں انسانوں کی زندگیاں بدل دی ہیں، اس لیے ان لوگوں کے ساتھ جتنا وقت گذرے سعادت ہے۔ رہا یہ کہ والدین کی اجازت کے بغیر جانا جائز ہے نہیں؟ تو اس میں تفصیل ہے۔ اگر والدین خدمت کے محتاج ہوں اور کوئی دوسرا خدمت کرنے والا بھی نہ ہو تب تو ان کو چھوڑ کر ہرگز نہ جانا چاہیے، اور اگر ان کو خدمت کی ضرورت نہیں، محض اسی وجہ سے روکتے ہیں کہ ان کے دل میں دین کی عظمت نہیں ورنہ اگر یہی لڑکا دوسرے شہر بلکہ غیر ملک ملازمت کے لیے جانا چاہے تو والدین بڑی خوشی سے اس کو بھیج دیں گے۔ کیوں کہ دنیا کی قیمت انہیں معلوم ہے دین کی معلوم نہیں۔ تو ایسی حالت میں تبلیغ میں جانے کے لیے والدین کی رضامندی کوئی شرط نہیں۔ کیوں کہ تبلیغ میں نکلنا درحقیقت ایمان سیکھنے کے لیے ہے اور ایمان کا سیکھنا اہم ترین فرض ہے۔

تبلیغی جماعت سے والدین کا اپنی اولاد کو منع کرنا

(س) تبلیغ دین کا سلسلہ جیسا کہ آپ کو مجھ سے بہتر علم ہوگا اگر ہم تبلیغی کاموں میں حصہ لیں گھر والے اس سے اس لیے منع کریں کہ رشتہ داروں میں ناک کٹ جائے گی وہ کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہیں گے کہ ان کا لڑکا تبلیغی ہوگیا ہے۔ ایسی صورت میں کیا کرنا چاہیے؟ کیا اس مبارک کام کو چھوڑ دینا چاہیے؟

(ج) تبلیغ کا کام ہرگز نہ چھوڑیئے، لیکن والدین کی بے ادبی بھی نہ کی جائے، بلکہ نہایت

صبر و تحمل سے ان کی کڑوی باتوں کو برداشت کیا جائے۔ یہ لوگ بیچارے دنیا کی عزت و منصب کی قدر جانتے ہیں، دین کی قدر و قیمت نہیں جانتے۔ ضرورت ہے کہ ان کو کسی تدبیر سے سمجھایا جائے کہ دین کی پابندی عزت کی چیز ہے اور بے دینی ذلت کی چیز ہے۔

تبلیغ کرنا اور مسجدوں میں پڑاؤ ڈالنا کیسا ہے؟

(س) تبلیغ کا کام کرنا کیسا ہے اور تبلیغی جماعت کا بستروں سمیت مسجد میں پڑاؤ ڈالنے کے متعلق کیا حکم ہے؟

(ج) تبلیغ کے نام سے جو کام ہو رہا ہے اس کا سب سے بڑا فائدہ خود اپنے اندر دین میں پختگی پیدا کرنا اور اپنے مسلمان بھائیوں کو رسول اللہ ﷺ والے طریقوں کی دعوت دینا ہے۔ تجربہ یہ ہے کہ اپنے ماحول میں رہتے ہوئے آدمی میں دین کی فکر پیدا نہیں ہوتی۔ بیسیوں فرائض کا تارک رہتا ہے اور بیسیوں گناہوں میں مبتلاء رہتا ہے۔ عمریں گذر جاتی ہیں مگر کلمہ نماز بھی صحیح کرنے کی توفیق نہیں ہوتی۔ تبلیغ میں نکل کر احساس ہوتا ہے کہ میں نے کتنی عمر غفلت اور ناقدری کی نذر کر دی اور اپنی کتنی قیمتی عمر ضائع کر دی۔ اس لیے تبلیغ میں نکلنا ضروری ہے۔

اور جب تک آدمی اس راستے میں نکل نہ جائے اس کی حقیقت سمجھ میں نہیں آسکتی، چونکہ تبلیغ میں نکلنے سے مقصد دین کا سیکھنا اور سکھانا ہے اور دین کا مرکز مساجد ہیں، اس لیے تبلیغی جماعتوں کو خدا کے گھروں میں اعتکاف کی نیت سے ٹھہر کر دین کی محنت کرنا بالکل بجا ہے اور درست ہے۔

تبلیغی نصاب کی کمزور روایتوں کا مسجد میں پڑھنا

(س) کیا تبلیغی نصاب میں کچھ حدیثیں کمزور شہادتوں والی بھی ہیں اگر ہیں تو اس کا مسجد اور گھر میں پڑھنا کیسا ہے؟

(ج) فضائل میں کمزور روایت بھی قبول کر لی جاتی ہے۔

تبلیغی جماعت پر اعتراض کرنے والوں کو کیا جواب دیں؟

(س) موجودہ دور میں تبلیغی جماعت کام کرتی ہے۔ ہر کسی کو نماز کی طرف بلانا، تعلیم وغیرہ

کرنا۔ مگر لوگ اکثر مخالفت اس طرح کرتے ہیں کہ یہ جاہل ہیں، اپنی طرف سے چھ باتیں بنائی ہیں فقط انہیں ہی بیان کرتے ہیں۔

(ج) جو لوگ اعتراض کرتے ہیں ان سے کہا جائے کہ بھائی تین چلے، ایک چلہ، دس دن، تین دن جماعت میں نکل کر دیکھو پھر اپنی رائے کا اظہار کرو، جب تک وقت نہ لگاؤ اس کام کی حقیقت سمجھ میں نہیں آئے گی اور کسی چیز کی حقیقت سمجھے بغیر اس کے بارے میں رائے دینا غلط ہوتا ہے۔

کیا برائی میں مبتلا انسان دوسرے کو نصیحت کر سکتا ہے؟ نیز کسی کو اس کی کوتاہیاں جتانا کیسا ہے؟

(س) میں ایک طالب علم ہوں، طالب علم ساتھیوں کی محفل میں شراب اور پھر خودکشی کا تذکرہ چل نکلا۔ میں نے توبہ کرتے ہوئے کہا کہ شراب ''ام الخبائث'' ہے اور ''خودکشی'' حرام ہے۔ اس پر ایک طالب ساتھی نے مجھ سے دریافت کیا کہ کیا آپ نماز پڑھتے ہیں؟ میں نے شرمندگی کے ساتھ عرض کیا نہیں۔ پھر انہوں نے مجھے احساس دلایا کہ آپ داڑھی بھی مونڈھتے ہیں؟ میں نے سر تسلیم خم کر دیا۔ اس پر موصوف فرمانے لگے کہ جب آپ پر نماز فرض ہے ادا نہیں کرتے جس کے متعلق سب سے پہلے پرسش ہوگی اور داڑھی بھی مونڈھتے ہیں تو پھر حرام (شراب اور دیگر معاشرتی برائیاں) جن کا درجہ بعد میں آتا ہے ان کے بارے میں کیوں فکر مند ہوتے ہیں؟ واضح رہے کہ موصوف خود بے نمازی اور کلین شیو ہیں۔ مندرجہ بالا تفصیل کی روشنی میں مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات مرحمت فرما کر ہم دوستوں کی الجھن دور فرمائیں۔ کیا کوئی شخص جو خود ان کوتاہیوں اور گناہوں کا مرتکب ہو رہا ہو کسی دوسرے شخص کی وہی کوتاہیاں گنوانے اور نصیحت کرنے کا حق رکھتا ہے؟

(ج) کسی کو اس کی کوتاہیاں اور برائیاں جتانا اس کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ محض طعن و تشنیع کے طور پر برائی کا طعنہ دیا جائے، یہ تو حرام اور گناہ کبیرہ ہے، قرآن کریم میں اس کی مذمت فرمائی ہے۔ اور دوسری صورت یہ ہے کہ خیر خواہی کے طور پر اس سے کہا جائے کہ یہ

برائی چھوڑ دینی چاہیے، یہ نصیحت کرنا اچھا ہے جو بہت اچھا عمل ہے۔قرآن وحدیث میں برائی سے روکنے کا جگہ جگہ حکم آیا ہے۔ رہا یہ کہ جو شخص خود کسی گناہ میں مبتلا ہو کیا وہ دوسروں کو اس گناہ سے منع کر سکتا ہے یا نہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ دوسرے کو منع کر سکتا ہے مگر دوسرے پر نصیحت کا اثر اسی وقت ہوتا ہے جب آدمی خود بھی عمل کرے، ایسا شخص جو خود گناہ میں مبتلا ہو اگر دوسرے کو نصیحت کرے تو اس کو یوں کہنا چاہیے کہ بھائی! میں خود بھی گناہگار ہوں، اس گناہ میں مبتلا ہوں۔ آپ خود بھی اس گناہ کو چھوڑ دیں اور میرے لیے بھی دعا کریں کہ میں اس گندگی سے نکل جاؤں۔

(س) کیا بے نمازی شخص کو وہ تمام حرام اور ممانعت اختیار کر لینے چاہئیں جن کا درجہ بعد میں آتا ہے اور جن سے وہ مکمل طور پر پہلو تہی کرتا ہے؟

(ج) ایک جرم دوسرے جرم کے اور ایک گناہ دوسرے گناہوں کے جواز کی وجہ نہیں بن جاتا۔ جو شخص دوسرے گناہوں سے بچتا ہے مگر نماز نہیں پڑھتا اس کو تو یہ کہا جائے گا کہ جب ماشاءاللہ آپ دوسرے گناہوں سے بچتے ہیں تو آپ کو ترک نماز کے گناہ سے بھی بچنا چاہیے۔ مگر یہ کہنا جائز نہیں کہ جب آپ ترک نماز سے نہیں بچتے تو دوسرے گناہوں سے کیوں پرہیز کرتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ جو دوسرے گناہوں سے بچتا ہے مگر ایک بڑے گناہ میں مبتلا ہے اللہ تعالیٰ اس کو کسی دن اس گناہ سے بچنے کی توفیق عطا فرما دیں گے۔ علاوہ ازیں ہر گناہ ایک مستقل بوجھ ہے جس کو آدمی اپنے اوپر لاد رہا ہے، پس اگر کوئی آدمی کسی گناہ میں مبتلا ہے تو اس کے یہ معنی ہرگز نہیں کہ دنیا بھر کی گندگیوں کو آدمی سمیٹنا شروع کر دے۔

(س) ناصح کا طرزِ عمل اور اندازِ نصیحت درست تھا یا غلط؟

(ج) اوپر کے جوابات سے معلوم ہو گیا کہ ان کا طرزِ عمل قطعاً غلط تھا اور یہ نصیحت ہی نہیں تھی تو ''اندازِ نصیحت'' کیا ہو گا۔

کمپنی سے چھٹی لیے بغیر تبلیغ پر جانا

(س) میں جہاں کام کرتا ہوں وہاں میرے ساتھ چار اور ساتھی ہیں۔ عموماً یہ ہوتا ہے کہ

ایک ایک ساتھی یا دو دو دس بارہ دن کے لیے کام پر نہیں آتے ہیں اور حاضری لگتی رہتی ہے۔ یہ چھٹیاں باری باری ہوتی ہیں جب میری باری ہوتی ہے تو میں اکثر ۱۰ دن کے لیے تبلیغ پر نکل جاتا ہوں اور حاضری لگتی ہے۔ اب بتائیے کہ یہ میرا تبلیغ میں جانا کیسا ہے؟ کیا الٹا گناہ تو نہیں؟ میرے جانے سے کمپنی کو کوئی نقصان بھی نہیں ہوتا۔ مفصل جواب دیجئے اور میرے جانے کا افسروں کو پتہ بھی نہیں چلتا۔

(ج) کمپنی سے رخصت لیے بغیر غیر حاضری کرنا خیانت ہے۔ اور اس وقت کو کسی دوسرے کام میں استعمال کرنا ناجائز اور حرام ہے۔ آپ کو لازم ہے کہ غیر حاضری کے دنوں کی تنخواہ وصول نہ کیا کریں۔

امر بالمعروف نہی عن المنکر کی شرعی حیثیت

(س) قرآن مجید میں اور احادیث مبارکہ میں بھی ایسی کئی احادیث مبارکہ ہیں اور ان آیات اور احادیث کا مفہوم اس طرح بنتا ہے کہ مسلمان کے لیے نہ صرف یہ کہ خود نیک عمل کرے بلکہ دوسروں کو بھی ان کی تلقین کرے اسی طرح نہ صرف خود برے کاموں سے پرہیز کرے بلکہ دوسروں کو بھی اس سے بچنے کی ترغیب دے۔ اس کام کو نہ کرنے پر احادیث مبارکہ میں وعیدیں بھی آئی ہیں سوال یہ ہے کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر فرض ہے یا فرض کفایہ یا واجب ہے یا کوئی اور شکل یا یہ کہ مختلف صورتوں میں مختلف حکم؟

(ج) مسئلہ بہت تفصیل رکھتا ہے مختصر یہ کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر فرض ہے دو شرطوں کے ساتھ، ایک یہ کہ یہ شخص مسئلہ سے ناواقف ہو۔ دوم یہ کہ قبول کی توقع غالب ہو، اگر یہ دو شرطیں نہ پائی جائیں تو فرض نہیں، البتہ بشرط نفع مستحب ہے اور اگر نفع کی بجائے اندیشہ نقصان کا ہو تو مستحب نہیں۔

(س) آج کل دعوت و تبلیغ کے نام سے مسجدوں میں جو محنت ہو رہی ہے اور اس سلسلے میں جو اجتماعات ہوتے ہیں ان میں جڑنا یا شمولیت اختیار کرنا فرض ہے یا اس کی کیا حیثیت ہے؟ اس

کے علاوہ یہ کہ میں بہت سے علماء کرام کی مجالس میں جاتا رہتا ہوں لیکن انہوں نے کبھی چالیس دن، چار مہینے یا اجتماعات پر زور نہیں دیا بلکہ یہ حضرات اکابرین کے انفرادی اعمال پر اور زہد وتقویٰ پر زیادہ زور دیتے ہیں۔ میری رہنمائی فرمائیں کہ ایک مسلمان کو کس طرح مکمل زندگی گزارنی چاہیے؟

(ج) دعوت وتبلیغ کی جو محنت ہو رہی ہے اس کے دو رخ ہیں، ایک اپنی اصلاح اور اپنے اندر دین کی طلب پیدا کرنا، پس جس شخص کو ضروریات دین سے واقفیت ہو، اپنی اصلاح کی فکر اور بزرگوں سے رابطہ وتعلق ہو اس کے لیے یہ کافی ہے اور جس شخص کو یہ چیز حاصل نہ ہو اس کے لیے اس تبلیغ کے کام میں جڑنا بطور بدلیت فرض ہے اور دوسرا رخ دوسروں کی اصلاح کی فکر کرنا ہے یہ فرض کفایہ ہے جو شخص اس کام میں جڑتا ہے مستحق اجر ہوگا اور جتنے لوگ اس کی محنت سے اس کام میں لگیں گے ان سب کا اجر اس کے نامہ اعمال میں درج ہوگا اور جو نہیں جڑتا وہ گناہگار تو نہیں اس ''اجر خاص'' سے البتہ محروم ہے مگر یہ کہ اس سے بھی زیادہ اہم کام میں مشغول ہو۔

تبلیغ کا فریضہ اور گھریلو ذمہ داریاں

(سوال) بعض حضرات سہ روزہ، عشرہ، چالیس روزہ، چار مہینے یا سال کے لیے اکثر گھربار چھوڑ کر علاقے یا شہر سے باہر جاتے ہیں تاکہ دین کی باتیں سیکھیں اور سکھائیں اکثر لوگ اس کو سنت اور کچھ لوگ اس کو فرض کا درجہ دیتے ہیں ایک عالم صاحب نے کہا ہے کہ یہ سنت ہے نہ فرض بلکہ یہ ایک بزرگوں کا طریقہ ہے۔ تاکہ عالم لوگ دین کی باتیں سمجھیں، اور اس پر عمل کریں۔ اس کی حیثیت واضح فرمائیں..........!

(جواب) دعوت وتبلیغ میں نکلنے سے مقصود اپنی اصلاح اور اپنے ایمان اور عمل کو ٹھیک کرنا ہے اور ایمان کا سیکھنا فرض ہے تو اس کا ذریعہ بھی فرض ہوگا البتہ اگر کوئی ایمان کو صحیح کر چکا اور ضروری اعمال میں بھی کوتاہی نہ کرتا ہو اس کے لیے فرض کا درجہ نہیں رہے گا۔

(سوال) تبلیغ پر جانے والے کچھ لوگ گھر والوں کا خیال کیے بغیر چلے جاتے ہیں جس سے ان

کے بیوی بچوں وغیرہ کو معاشی پریشانی ہوتی ہے۔ اور انہیں قرض مانگنا پڑتا ہے؟

(جواب) ان کو چاہیے کہ غیر حاضری کے دنوں کا بندوبست کر کے جائیں۔ خواہ قرض لے کر، کہ بچوں کو پریشان نہ ہونا پڑے۔

(سوال) اسی طرح کچھ حضرات اکثر اپنے گھر میں بتائے بغیر کچھ لوگوں کو مہمان بنا کے لے آتے ہیں اور یہ ایک سے زیادہ مرتبہ ہوتا ہے۔ آج کل کے معاشی حالات میں گھر والے اس طرز عمل سے پریشان ہوتے ہیں اور لوگ ان کے متعلق غلط باتیں کرتے ہیں۔

(جواب) اس میں گھر والوں کی پریشانی کی تو کوئی بات نہیں۔ جس شخص کے ذمہ گھر کے اخراجات ہیں اس کو فکر مند ہونے کی ضرورت ہے۔ غلط باتیں تو لوگ انبیاء واولیاء کے بارے میں بھی مشہور کرتے رہے ہیں عوام کی باتوں کی طرف التفات کرنا ہی غلط ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ شرعی نقطہ نظر سے صحیح ہے یا نہیں۔ وہ میں اوپر ذکر کر چکا ہوں۔

(سوال) اکثر لوگ اسی وجہ سے تعلیمی حلقوں میں جو کہ عشاء کی نماز کے بعد مسجدوں میں ہوتی ہیں شرکت سے کتراتے ہیں اور اپنے رشتہ داروں کو بھی روکتے ہیں، کیونکہ ان محفلوں میں سہ روزہ وغیرہ کی دعوت دی جاتی ہے اور اس پر زور دیا جاتا ہے۔

(جواب) جو لوگ اس سے کتراتے ہیں وہ اپنا نقصان کرتے ہیں، مرنے کے بعد ان کو پتہ چلے گا کہ وہ اپنا کتنا نقصان کر کے گئے اور تبلیغ والے کتنا کما کر گئے۔

تبلیغ اور جہاد

(سوال) تبلیغ اور جہاد دونوں فرض ہیں ترجیح کس کو دی جائے گی؟ وضاحت فرما دیں۔

(جواب) جہاں صحیح شرائط کے ساتھ جہاد ہو رہا ہو وہاں جہاد بھی فرض کفایہ ہے اور دعوت وتبلیغ کا کام اپنی جگہ اہم ترین فرض ہے۔ اگر مسلمانوں کے ایمان کو محفوظ کر لیا جائے تو جہاد بھی صحیح طریقہ سے ہو سکے گا۔ اس لئے عام مسلمانوں کو تو تبلیغ کے کام کا مشورہ دیا جائیگا۔ ہاں! جہاں جہاد بالسیف کی

ضرورت ہو، وہاں جہاد ضروری ہوگا۔

کیا تبلیغ میں نکل کر خرچ کرنے کا ثواب سات لاکھ گنا ہے

(**سوال**) جو تبلیغ والے کہتے ہیں کہ اللہ کے راستے میں نکل کر اپنے اوپر ایک روپیہ خرچ کرنے کا ثواب سات لاکھ روپے صدقہ کرنے کے برابر ملتا ہے اور ایک نماز پڑھنے کا ثواب انچاس کروڑ نمازوں جتنا ملتا ہے، کیا یہ صحیح ہے۔؟

(**جواب**) حدیث سے یہ مضمون ثابت ہوتا ہے۔

تبلیغی جماعت سے متعلق چند سوال

(**سوال**) تبلیغی جماعت والے کیسے لوگ ہیں؟

(**جواب**) بہت اچھے لوگ ہیں۔ اپنے دین کے لئے مشقت اٹھاتے ہیں۔

(**سوال**) تبلیغی جماعت والے کہتے ہیں اللہ کے راستے میں نکلو، اللہ کے راستے میں ایک نماز کا ثواب انچاس کروڑ نمازوں کے برابر ہے۔ لیکن میں نے سنا ہے کہ یہ ثواب جہاد فی سبیل اللہ میں ہے؟

(**جواب**) تبلیغی کام بھی جہاد فی سبیل اللہ کے حکم میں ہے۔

(**سوال**) اجتماعی کام میں شریک ہونا چاہیے لیکن دوسرے وقت میں اپنے انفرادی اعمال کا بھی اہتمام کرنا چاہیے۔

فضائل اعمال پر چند شبہات کا جواب

(**سوال**) ایک دوست انڈیا سے کتاب لائے ہیں۔ "تبلیغی نصاب، ایک مطالعہ" تابش مہدی صاحب نے تحریر کی ہے ان کی دعوت یہ ہے کہ تبلیغی نصاب میں موضوع، ضعیف اور عقل سے بعید کتاب وسنت کی تعلیمات کے برعکس واقعات اور سب کچھ ہی اس تبلیغی نصاب میں موجود ہے۔ اور شیخ الحدیثؒ نے عربی میں احادیث لکھ دی ہیں اور عربی ہی میں بتا دیا کہ یہ روایت موضوع ضعیف ہے یا مردود۔

مگر اردو میں یہ نہیں لکھا جو بے ایمانی میں آتی ہے اور گزارش ہے کہ علماء دیوبند اس کتاب سے ایسی احادیث اور حکایات و خواب دور کر دیں جو اسلامی مزاج سے میل نہیں کھاتی ہیں اور یہ کتاب صرف رضاالٰہی کے لیے اور گمراہیت سے بچانے کے لیے ہی لکھی ہے۔

اسی کتاب میں لکھا ہے کہ دیوبند کے بڑے بڑے اکابر بھی شیخ الحدیث کی اس کتاب سے واقف ہیں اور ان کی حیات میں جب بھی اکابرین دیوبند سے کہا گیا تو جواب یہ ملا "اگر تبلیغی نصاب کی۔ مندرجہ ذیل بالا غلطیوں پر تنقید کی گئی تو شیخ الحدیثؒ ناراض ہو جائیں گے" اور یہ بات شرع سے ہٹ کر تھی اس لیے تابش مہدی صاحب نے جو کہ مدیر "الایمان" دیوبند ہیں یا تھے اس طرف توجہ فرمائی اور ہمت کی، وغیرہ وغیرہ۔

آج اسی کتاب کی بدولت بہت سے دوست جو کہ پہلے بھی کچھ اس جماعت سے متنفر تھے اب تو ایک ہتھیار ان کے ہاتھ ہے۔ حق بات حق ہی ہوتی ہے۔ (بشرطیکہ حق کی تفصیل وہ جانتا ہو) میں یہ صلاحیت نہیں رکھتا اس لیے حضرت کی خدمت میں یہ چند چیزیں عرض کرتا ہوں۔

اپنے والد صاحب کو صحابہ کرامؓ پر فضیلت دینے کی تہمت

(۱) "تحریف قرآن کا عظیم نمونہ" کے تحت جو کچھ لکھا ہے خلاصہ لکھ دیتا ہوں۔ قرآن حکیم کی کسی بھی آیت یا جملہ کا وہ مفہوم اخذ کرنا جو منشائے خداوندی کے برعکس ہو تحریف کہلاتا ہے اور جس نے قرآن حکیم میں تحریف کی گویا اسلام کی بنیاد ہی ہلا دی اور ایسے شخص کا تعلق اسلام سے کس حد تک قائم رہ سکتا ہے قارئین واقف ہیں سورۃ قمر کی آیت "وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ" کا ترجمہ ہر عالم نے وہی کیا ہے جو منشائے خداوندی ہے اس کے بعد مولانا اشرف علی تھانویؒ شیخ الہندؒ مولانا شاہ رفیع الدینؒ مولانا شاہ عبدالقادر دہلویؒ کا ترجمہ پیش کیا پھر شیخ سعدیؒ و شاہ ولی اللہؒ کا ترجمہ پیش کیا گیا۔ ایک ترجمہ لکھ دیتا ہوں۔ "تحقیق ہم نے قرآن کو نصیحت پکڑنے کے لیے آسان کر دیا۔ پھر ہے کوئی نصیحت پکڑنے والا۔" فضائل قرآن ص ۵۴ پر ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ کلام اللہ شریف کا حفظ یاد ہو جانا

درحقیقت یہ خود قرآن شریف کا ایک کھلا معجزہ ہے ورنہ اس سے آدھی تہائی مقدار کی کتاب بھی یاد ہونا مشکل ہی نہیں بلکہ قریب بہ محال ہے اس وجہ سے حق تعالیٰ شانہ نے اس کے یاد ہو جانے کو سورۃ قمر میں بطور احسان ذکر فرمایا اور بار بار اس پر تنبیہ فرمائی۔

آیت کا ترجمہ: ہم نے کلام پاک کو حفظ کرنے کے لئے سہل کر رکھا ہے کوئی ہے حفظ کرنے والا۔

(فضائل اعمال ص ۲۶۰)

(۲) حضرت شیخ الحدیثؒ کے والد اور حضرت حسینؓ کے تحت ہے: سید السادات حضرت حسینؓ اپنے بھائی حضرت حسنؓ سے بھی ایک سال چھوٹے تھے اس لیے ان کی عمر حضور اکرم ﷺ کے وصال کے وقت اور بھی کم تھی یعنی چھ برس اور چند مہینے کی چھ برس کا بچہ کیا دین کی باتوں کو محفوظ کر سکتا ہے؟ لیکن امام حسینؓ کی روایتیں حدیث کی کتابوں میں نقل کی جاتی ہیں محدثین نے انہیں اس جماعت میں شمار کیا ہے جن سے آٹھ حدیثیں منقول ہیں۔

حکایات صحابہؓ صفحہ ۱۶۳ میں حضرت شیخ الحدیثؒ نے فائدہ کے تحت یہ بتایا ہے کہ اس قسم کے ذہانتی واقعات حضرت حسینؓ ہی نہیں دوسرے بہت سے صحابہ کرامؓ کی زندگیوں میں بھی پائے جاتے ہیں۔ پھر فائدے کے ضمن میں حضرت شیخ الحدیثؒ نے اس سے بھی زیادہ قابل ذکر ذہانت کا تذکرہ بایں انداز فرمایا ہے کہ "میں نے اپنے والد صاحب نور اللہ مرقدہٗ سے بھی بار بار سنا ہے اور اپنے گھر کی بوڑھیوں سے بھی سنا ہے کہ میرے والد صاحب کا جب دودھ چھڑایا گیا تو پاؤ پارہ حفظ ہو چکا تھا اور ساتویں برس کی عمر میں قرآن شریف پورا حفظ ہو چکا تھا اور اپنے والد یعنی میرے دادا صاحب سے مخفی فارسی کا بھی متعد بہ حصہ بوستان، گلستان سکندر نامہ وغیرہ بھی پڑھ چکے تھے۔

ملاحظہ فرمائیں کہ حضرت مؤلفؒ نے کس سادگی اور حکمت کے ساتھ باپ کو حضرت حسینؓ اور دوسرے صحابہ کرامؓ و اکابر پر فوقیت دے دی۔ اگر حضرت حسینؓ نے چھ برس کی عمر میں چند حدیثیں یاد کر لیں تو کون سی قابل ذکر بات ہوگئی اس قسم کی ذہانتیں تو دوسرے لوگوں میں پائی جاتی ہیں۔ مگر باعث حیرت بات تو یہ ہے کہ حضرت شیخ کے والد نے ماں کا دودھ چھوڑنے سے قبل ہی پاؤ پارہ حفظ کر لیا جب

کہ بچے اس عمر میں بول بھی مشکل پاتے ہیں یہ واقعہ بیان کر کے مؤلف محترم نے اپنے والد کو نہ صرف یہ کہ صحابہ کرامؓ پر فوقیت دے دی بلکہ حضرات انبیاء علیہم السلام سے بھی آگے بڑھا دیا اس قسم کے واقعات تو ان کی زندگیوں میں شاذ و نادر ہی ملیں گے حضرت عیسیٰ ماں کی گود میں محض چند ہی الفاظ بول سکے تھے یہاں پاؤ پارہ حفظ کا ذکر ہے۔

حضرت ابن زبیرؓ کا واقعہ

(۳) آنحضور ﷺ پر ایک عظیم بہتان کے تحت ہے۔ خون کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے خواہ وہ کسی کا بھی خون ہو۔ ارشاد خداوندی ہے۔

"اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَ الدَّمَ وَ لَحْمَ الْخِنْزِيْرِ" (النحل:۱۱۵)

سورۃ البقرۃ آیت ۱۷۳ اور سورۃ المائدہ آیت ۳ میں بھی یہ حکم من و عن موجود ہے یہ ایک مسلمہ اصول ہے کہ جس معاملے میں قرآن یا حدیث کا صریح حکم موجود ہو اس میں کسی قسم کی تاویل و منطق کی گنجائش نہیں باقی رہتی۔ لہٰذا قرآن کی رو سے خون ہمیشہ، ہمیشہ اور ہر فرد بشر کے لیے حرام ہے اب اگر مرضی سے کوئی اسے جائز قرار دیتا ہے تو گویا وہ اللہ کے حکم کی خلاف ورزی کرتا ہے ان معروضات کے بعد شیخ الحدیثؒ کی ایک کاوش فکر ملاحظہ فرمائیں۔

حضور اقدس ﷺ نے ایک مرتبہ سینگیاں لگوائیں اور جو خون نکلا وہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو دیا کہ ان کو کہیں دبا دیں وہ گئے اور آ کر عرض کیا کہ دبا دیا۔ حضور اکرم ﷺ نے دریافت کیا کہاں؟ عرض کیا میں نے پی لیا حضور اکرم ﷺ نے فرمایا جس کے بدن میں میرا خون جائے گا اس کو جہنم کی آگ نہیں چھو سکتی۔

لگے ہاتھوں اسی ضمن کی دوسری روایت بھی ملاحظہ ہو:

احد کی لڑائی میں جب نبی اکرم ﷺ کے چہرہ انور یا سر مبارک میں خود کے دو حلقے گھس گئے تھے الخ تو حضرت ابو سعید خدریؓ کے والد ماجد مالک بن سنانؓ نے اپنے لبوں سے اس خون کو چوس لیا۔ الخ

(حکایاتِ صحابہؓ ص ۱۷۳)

دوسری روایت میں نے صرف اشارے کے طور پر لکھ دی ہے۔ پوری نہیں لکھی۔

ایک ہی مضمون کی یہ دو منقولہ روایتیں ہیں ایک خمیس کے حوالے سے اور دوسری قرۃ العیون کے حوالے سے یہ دونوں کتابیں اہل علم کے نزدیک میلادِ اکبر۔ میلاد گوہر یا یوسف زلیخا اور جنگ زیتون جیسی غیر مستند اور گمراہ کن ہیں۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ ایسی خلاف شریعت حرکت کوئی صحابیؓ رسولؐ دانستہ ہرگز ہرگز نہیں کر سکتا ایسے خون کا حرام ہونا قرآن مجید میں صریح طور پر موجود ہے۔ لیکن اگر تھوڑی دیر کے لیے با دل نخواستہ یہ فرض ہی کر لیا جائے کہ حضرت ابن زبیر اور مالک بن سنانؓ نے محبت میں آ کر اپنے محبوب کا خون پی لیا ہوگا اگرچہ دل اس کے لیے بھی آمادہ نہیں ہے، مگر یہ بات کس طرح مان لی جائے کہ حضور اکرم ﷺ نے ان دونوں صحابہؓ کو اس خلاف قرآن عمل سے روکنے یا منع کرنے کے بجائے انہیں دوزخ سے خلاصی کی خوشخبری دے دی اور یہ کہہ کر جس کے بدن میں میرا خون جائے گا اس کو جہنم کی آگ نہیں چھو سکے گی آئندہ کے لیے اجازت بلکہ ترغیب دے دی اس لیے کہ آپ ﷺ رسولؐ تھے۔ نبی و رسول کا ایک ایک سانس اس کی شریعت کا نمائندہ ہوتا ہے نبی کی زبان سے نکلی ہوئی بات شریعت بن جاتی ہے۔ اس لیے ایسی عظیم ہستی کی طرف اس قسم کی غلط بات کا انتساب حد درجہ ناجائز اور نادرست ہے۔ ان سب کے علاوہ آنحضور ﷺ کی نظافت طبعی بھی اس روایت کی تکذیب کرتی ہے۔

غالباً حضرت شیخ الحدیثؒ کی نظر سے حضور اکرم ﷺ کی یہ حدیث ضرور گزری ہوگی۔ "من کذب علی متعمدا فلیتبوء مقعده من النار" بلاشبہ حضرت شیخ الحدیثؒ نے یہ بے سند روایت بیان کر کے رسول اکرم ﷺ پر ایک عظیم اتہام کا ارتکاب کیا ہے۔ پھر فائدہ کے نوٹ میں لکھا ہے۔

حضور اکرم ﷺ کے فضلات پاخانہ پیشاب وغیرہ سب پاک ہیں اس لیے اس میں کوئی اشکال نہیں۔ (حکایاتِ صحابہؓ ص ۱۷۲)

لیکن موصوف مرحوم نے یہ نہ بتایا کہ انہیں یہ بات کہاں سے ملی۔ براہِ راست قرآن میں موجود ہے یا حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ یا آپ کے صحابہ کرامؓ نے عملاً اس کا ثبوت دیا۔ آگے لکھا ہے۔

’’خیر محترم شیخ الحدیثؒ تو اس دنیا میں نہیں رہے ان کے خلفاء ہی کی خدمت میں التماس ہے کہ وہ کسی مستند حوالے سے کم از کم کسی ایک ہی صحابی کی نشاندہی فرمائیں جس نے آپ ﷺ کے فضلات پاخانہ پیشاب وغیرہ نوش جاں فرما کر امت کے لیے حلال اور پاک ہونے کا ثبوت دیا ہو۔ میں ان کا بے حد ممنون و متشکر رہوں گا۔‘‘

(۴) ’’یہ اعجوبے‘‘ کے تحت میں، میں ایک ہی بات نقل کرتا ہوں فضائل صدقات ص ۴۷۲ پر ایک بزرگ کے بارے میں بتایا ہے کہ وہ روزانہ ۱۰۰۰ رکعتیں کھڑے ہو کر ۱۰۰۰ بیٹھ کر پڑھا کرتے تھے جب کہ ایک رکعت فی منٹ کے حساب سے اس طرح ۳۳ گھنٹوں میں ممکن ہے اور شب و روز میں کل ۲۴ گھنٹے ہوتے ہیں آخر مزید ۹ گھنٹے کہاں سے آئے۔ جواب کا منتظر رہوں گا۔

مہتاب احمد سلطنت عمان

جواب

بسم اللہ الرحمن الرحیمo

الحمدللہ و کفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ، امابعد

تابش مہدی کی یہ کتاب کئی سال پہلے نظر سے گذری تھی اور بعض احباب کے اصرار پر یہ داعیہ بھی اس وقت پیدا ہوا تھا کہ اس کا جواب لکھا جائے۔ لیکن کتاب کے مطالعہ کے بعد معلوم ہوا کہ کتاب کا مصنف نہ تو علمِ حدیث کے فن سے واقف ہے اور نہ ہی دیگر اسلامی علوم پر اس کی نظر ہے۔ اس بے چارے کے علم وفہم کا حدود اربعہ کچھ اردو کتب ورسائل کا سطحی مطالعہ ہے اور بس ایسے شخص کی تردید کے درپے ہونا محض اضاعتِ وقت ہے۔ دوسری طرف حضرت شیخ نوراللہ مرقدہٗ کے رسائل کو حق تعالیٰ شانہٗ نے ایسی مقبولیت عطا فرما رکھی ہے کہ دنیا بھر کی مختلف زبانوں میں ان رسائل کا مذاکرہ ہو رہا ہے۔ اور دن رات کے چوبیس گھنٹوں میں شاید ایک لمحہ بھی ایسا نہ گزرتا ہوگا جس میں دنیا کے کسی نہ کسی خطہ میں ان رسائل کے سننے، سنانے کا شغل جاری نہ رہتا ہو۔ ظاہر ہے کہ یہ مقبولیت محض من جانب اللہ ہے کسی انسان کے سعی وکسب کا نتیجہ نہیں۔ پس جب کہ حضرت مصنفؒ کے اخلاص وللّٰہیت کی برکت سے حق تعالیٰ شانہٗ نے ان کتابوں کو ایسی خارقِ عادت مقبولیت عطا فرما رکھی ہے، تو تابش مہدی جیسے لوگوں کی سطحی تنقید سے ان کا کیا بگڑتا ہے؟

علاوہ ازیں سنت اللہ اسی طرح جاری ہے کہ جس شخصیت کو منجانب اللہ شرف قبولیت کا جامہ پہنا جاتا ہے، کچھ لوگ ایسی شخصیت کی پوستین دری اور اس پر بے جا تنقید کو اپنا محبوب مشغلہ بنا لیتے ہیں، اس قانون سے اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام کو بھی مستثنیٰ نہیں فرمایا۔

جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وَكَذَالِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيَاطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا، وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ مَافَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَo (الانعام:۱۱۲)

"اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے دشمن سے شیطان پیدا کیے، کچھ آدمی اور کچھ جن۔ جن میں سے بعضے دوسروں بعضوں کو چکنی چپڑی باتوں کا وسوسہ ڈالتے رہتے تھے، تا کہ ان کو دھوکہ میں ڈال دیں

اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا' تو یہ ایسے کام نہ کر سکتے۔ سو ان لوگوں کو اور جو کچھ یہ افترا پردازی کر رہے ہیں' ان کو آپ رہنے دیجیے۔" (ترجمہ: حضرت تھانویؒ)

اور یہ چیز ان اکابر کے رفع درجات کا ذریعہ ہے۔ جیسا کہ شیعہ کے اتہامات آج تک حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کے رفع درجات کا ذریعہ بنے ہوئے ہیں۔ اس سنت اللہ کے مطابق حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ کے مقابلہ میں بھی تابش مہدی جیسے لوگوں کا وجود ضروری تھا۔ اب اگر تابش مہدی کے تمام الزامات کا معقول اور مدلل جواب بھی لکھ دیا جائے تب بھی ان صاحب کو "رجوع" کرنے اور اپنی غلطی کا اعتراف کرنے کی توفیق نہیں ہوگی۔ بلکہ شیطان انکو نئے نئے نکتے تلقین کرتا رہے گا۔

الغرض ان وجوہ اسباب کی بناء پر تابش مہدی کے تنقیدی رسالہ کا جواب لکھنا غیر ضروری بلکہ کارِ عبث معلوم ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ آنجناب کا گرامی نامہ بھی کئی مہینوں سے رکھا ہے۔ لیکن اس کا جواب دینے کو جی نہ چاہا۔ آج آپ کی خاطر دل پر جبر کر کے قلم ہاتھ میں لیا ہے۔ کوشش کروں گا کہ آپ کے چار سوالوں کا جواب گو مختصر ہو، مگر شافی ہو تا کہ آپ کی پریشانی دور ہو جائے۔

(۱) تحریف قرآن کا الزام

"سورۃ القمر" کی آیت ۲۲ "ولقد یسرنا القرآن للذکر فهل من مدکر" کا جو ترجمہ حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ نے فضائلِ قرآن میں کیا ہے، یعنی ہم نے کلامِ پاک کو حفظ کرنے کے لیے سہل کر رکھا ہے کوئی ہے حفظ کرنے والا"؟

تابش مہدی اپنے محدود سطحی مطالعہ کی بناء پر اس کے بارے میں تحریف قرآن کا فتویٰ صادر فرماتے ہیں کیوں کہ یہ ترجمہ عام اردو تراجم کے خلاف ہے۔ اگر ان کو مستند عربی تفاسیر دیکھنے کا اتفاق ہوا ہوتا تو معلوم ہوتا کہ حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ کا بیان کردہ بھی صحیح ہے اور یہ بھی سلف صالحین سے منقول ہے، کیوں کہ اس آیت کریمہ کے دو مفہوم بیان کئے گئے ہیں۔ اور اپنی جگہ دونوں صحیح ہیں۔

ایک یہ کہ "ہم نے قرآن کو حفظ کرنے کے لیے آسان کر دیا ہے۔"

اور دوسرا یہ کہ "ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لیے آسان کر دیا ہے۔"

— بعض اکابر نے دونوں مفہوم نقل کر دیے ہیں اور بعض نے صرف ایک کو اختیار فرمایا ہے اور بعض نے دونوں کو ذکر کر کے ایک کو ترجیح دی ہے۔ جو مفہوم حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ نے اختیار کیا ہے اس

کے لیے چند تفاسیر کے حوالے ذکر کر دینا کافی ہیں۔

(۱) تفسیر جلالین میں ہے:

"سهلناه للحفظ اوهياناه للتذكر"

ترجمہ:۔ہم نے اس کا آسان کر دیا ہے حفظ کے لیے یا مہیا کر رکھا ہے نصیحت حاصل کرنے کے لیے۔

(۲) تفسیر کشاف میں ہے:

ای سهلناه للاذكار والاتعاظ، وقيل: ولقد سهلناه للحفظ واعنا عليه من اراد حفظه، فهل من طالب للحفظ ليعان عليه، ويروى ان كتب اهل الاديان نحو التوراة والانجيل لا يتلوها اهلها الا نظراً، ولا يحفظونها ظاهراً كما القرآن○(تفسیر کشاف ص: ۴۳۵ ج ۴)

"ہم نے اس قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لیے آسان کر رکھا ہے۔اور کہا گیا ہے کہ ہم نے اس کو حفظ کرنے کے لیے آسان کر رکھا ہے اور جو شخص اس کو حفظ کرنا چاہے اس کی اعانت اپنے ذمہ لے رکھی ہے پس ہے کوئی اس کے حفظ کرنے والا کہ اس کی مدد کی جائے؟ مروی ہے کہ پہلے ادیان کے لوگ اپنی کتابیں ناظرہ پڑھ سکتے تھے قرآن کی طرح حفظ نہیں پڑھ سکتے تھے۔"

(۳) (ولقد يسرنا القرآن) ای سهلناه (للذكر)ای للحفظ والقراة (فهل من مدكر)ای من ذاكر يذكره ويقراه، والمعنى هو الحث على قراة وتعلمه، قال سعيد ابن جبير: ليس من كتب الله كتاب يقرا كله ظاهرا الا القرآن○(زادالمیسر ۹۴۔۹۵ج ۸)

"اور ہم نے آسان کر دیا قرآن کو ذکر کر کے، یعنی حفظ ۳ وقرأت کے لیے۔پس کیا ہے کوئی یاد کرنے والا، جو اس کو یاد کرے اور پڑھے؟ اور مقصود قرآن کریم کی قرأت اور اس کے سیکھنے کی ترغیب دلانا ہے۔سعید ابن جبیرؒ کہتے ہیں کہ قرآن کریم کے سوا کتب الٰہیہ میں کوئی کتاب ایسی نہیں جو پوری کی پوری حفظ پڑھی جاتی ہو۔"

امام ابن جوزیؒ نے صرف وہی مفہوم اختیار کیا ہے جو حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ نے فضائل قرآن میں ذکر فرمایا:

تفسیر قرطبی میں ہے:

ای سھلناہ للحفظ واعناعلیہ من اراد حفظہ فھل من طالب للحفظہ فیعان علیہ. قال سعید بن جبیر : لیس من کتب اللہ کتاب یقرا کلہ ظاھراً الا القرآن ٥

(تفسیر قرطبی:ص ۱۳۴ ج ۱۷)

"یعنی ہم نے اس کو حفظ کرنے کے لیے آسان کردیا ہے اور جو شخص اس کو حفظ کرنا چاہے اس کی اعانت ہے۔ پس کیا کوئی اس کو حفظ کرنے کا طالب ہے، کہ اس کی اعانت کی جائے؟ سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں کہ کتب الٰہیہ میں قرآن کے سوا کوئی کتاب نہیں جو پوری حفظ پڑھی جاتی ہو۔"

امام قرطبی نے بھی صرف اسی مفہوم کو لیا ہے۔

(۵) تفسیر ابن کثیر میں ہے:۔

ای سھلناہ للحفظ، ویسرنا معناہ لمن ارادہ لیتذکر الناس...... قال مجاھد: (ولقد یسرنا القرآن لذکر) یعنی ھونا قرأتہ، وقال السدی: یسرنا تلاوتہ علی الالسن، وقال الضحاک: قال ابن عباس رضی اللہ عنھما: لو لا ان اللہ یسرہ علی لسان الآدمین ما استطاع احد من الخلق ان یتکلم بکلام اللہ عزوجل وقولہ: (فھل من مدکر) ای فھل من متذکر بھذاالقرآن الذی یسر اللہ حفظہ ومعناہ"

(مختصر تفسیر ابن کثیر ص: ۴۱۰ ج ۳)

یعنی جو شخص قرآن کو حاصل کرنا چاہے تو ہم نے اس کے لیے اس کے الفاظ کو سہل اور اس کے معنی کو آسان کردیا ہے تا کہ لوگ غور کریں...... امام تفسیر مجاہد فرماتے ہیں کہ "ہم نے قرآن کو آسان کردیا یاد کے لیے" یعنی اس کے پڑھنے کو آسان کردیا ہے۔ سیدی کہتے ہیں کہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے اس کی تلاوت کو زبانوں پر آسان کردیا ہے اور ضحاکؒ حضرت ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: "اگر اللہ تعالیٰ نے آدمیوں کی زبانوں پر اس کو آسان نہ کیا ہوتا تو مخلوق میں سے کوئی بھی کلام الٰہی کو زبان سے ادا نہ کرسکتا"۔ "فھل من مدکر" یعنی کوئی اس قرآن کے ساتھ نصیحت حاصل کرنے والا ہے جس کے حفظ و معنی کو اللہ تعالیٰ نے آسان کردیا ہے۔ (اور آگے ابن شوذبؒ، مطر وراقؒ اور قتادہؒ سے بھی یہی مضمون نقل کیا ہے)

مندرجہ بالا عبارت سے واضح ہے کہ جو مفہوم حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ نے ذکر فرمایا وہ ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے اور تابعینؒ میں سے امام مجاہد، قتادہ، ضحاک، مطروراق اور سدی رحمہم اللہ سے منقول ہے۔

(۶) تفسیر البحر المحیط میں ہے:

ای للاذکار والاتعاظ، وقیل: للذکر للحفظ، ای سھلناہ للحفظ، وقال ابن جبیر: لم یستظھر شیء من الکتب الالھیہ غیر القرآن.

''یعنی ہم نے قرآن نصیحت کرنے کے لیے آسان کردیا ہے اور کہا گیا ہے کہ ذکر سے مراد حفظ ہے یعنی ہم نے اس کو حفظ کے لیے آسان کردیا ہے۔ ابن جبیرؒ فرماتے ہیں کہ قرآن کے سوا کتب الہیہ میں سے کوئی کتاب حفظ نہیں کی گئی۔''

(۷) تفسیر روح المعانی:۔

للذکر ای للتذکر والاتعاظ، وقیل: المعنی سھلنا القرآن للحفظ، فھل من طالب لحفظه لیعان علیه؟ ومن ھنا قال ابن جبیر: لم یستظھر شیء من الکتب الالھیہ غیر القرآن، واخرج ابن المنذر وجماعة عن مجاھد انه قال یسرنا القرآن ھونا قرأته ٥

ہم نے قرآن کو ذکر کرنے کے لیے یعنی نصیحت حاصل کرنے کے لیے آسان کردیا ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ آیت کے معنی یہ ہیں کہ ہم نے قرآن کو حفظ کرنے کے لیے آسان کردیا ہے۔ پس کیا کوئی اس کے حفظ کرنے کا طالب ہے کہ حفظ کرنے کے لیے اس کی اعانت کی جائے؟ اسی بناء پر سعید ابن جبیرؒ فرماتے ہیں کہ کتب الہیہ میں قرآن کے علاوہ کوئی کتاب حفظ نہیں کی گئی۔ ابن منذر اور ایک جماعت نے حضرت مجاہدؒ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا ''ہم نے قرآن کو سہل کر رکھا ہے''۔ یعنی ہم نے اس کی قرأت کو آسان کر رکھا ہے۔

(۸) تفسیر مظہری میں ہے:

ای للاذکار والاتعاظ، بان ذکرنا فیه الانواع المواعظ والعبر والوعید احوال الامم السابقة، والمعنی یسرنا القرآن للحفظ بالاختصار وعذوبه اللفظ٥

''یعنی ہم نے قرآن کو آسان کر دیا ہے نصیحت حاصل کرنے کے لیے بایں طور کہ ہم نے اس میں انواع واقسام کی نصیحتیں، عبرتیں، وعیدیں اور گذشتہ امتوں کے حالات ذکر کر دیے ہیں۔ یا یہ معنی کہ ہم نے قرآن کو اختصار اور الفاظ کی شیرینی کے ذریعہ حفظ کرنے کے لیے آسان کر دیا ہے۔''

(۹) تفسیر بغوی میں ہے:

(ولقد یسرنا) سھلنا (القرآن لذکر) لیتذکر ویعتبربه، وقال سعید ابن جبیر: یسرناہ للحفظ والقراۃ، ولیس شیء من کتب اللہ یقراء کلہ ظاھراً الا القرآن○

''اور ہم نے قرآن کو سہل کر رکھا ہے ذکر کے لیے، تاکہ اس کے ذریعہ نصیحت وعبرت حاصل کیا جائے۔ سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں کہ ہم نے اس کو حفظ وقرأت کے لیے آسان کر رکھا ہے اور کتب الٰہیہ میں قرآن کریم کے علاوہ اور کوئی ایسی کتاب نہیں جس کو حفظ کیا جاتا ہو۔''

(۱۰) تفسیر کبیر میں ہے:

ثم قال تعالیٰ: (ولقد یسرنا القرآن للذکر فھل من مدکر) وفیه وجوہ: الاول: للحفظ، فیکمن حفظه ویسھل، ولم یکن شیء من کتب اللہ تعالیٰ یحفظه علی ظھر القلب غیر القرآن، وقوله تعالیٰ: (فھل من مدکر) ای ھل من یحفظه ویتلوہ○

پھر فرمایا ''اور ہم نے قرآن کو آسان کر رکھا ہے پس کیا ہے کوئی یاد کرنے والا؟ اس میں کئی وجوہ ہیں۔ اول یہ کہ ذکر کے لیے، سے مراد ہے ''حفظ کرنے کے لیے'' پس اس کا حفظ کرنا ممکن اور سہل ہے اور کتب الٰہیہ میں قرآن کے سوا کوئی کتاب ایسی نہیں جو زبانی حفظ کی جاتی ہو۔ اور ارشاد خداوندی "فھل من مدکر" کا مطلب یہ ہے کہ ہے کوئی جو اس کو حفظ کرے اور اس کی تلاوت کرے؟

مندرجہ بالا حوالوں سے واضح ہوا ہوگا کہ حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ کے ذکر کردہ مفہوم کو نہ صرف یہ کہ اکابر مفسرین نے ذکر کیا ہے بلکہ بہت سے اکابر نے تو یہی مفہوم بیان فرمایا ہے اور اس مفہوم کے بیان کرنے والوں میں نام آتے ہیں۔ حضرت ترجمان القرآن عبداللہ بن عباس، حضرت سعید بن جبیر، حضرت مجاہد، حضرت قتادہ رضی اللہ عنہم اور مطر وراق جیسے اکابر صحابہ وتابعین

کے۔ لیکن تابش مہدی صاحب کے نزدیک یہ مفہوم بیان کرنا قرآن کریم کی تحریف ہے۔

انا للہ و انا الیہ راجعون۔

اس وضاحت کے بعد تابش مہدی سے دریافت کیا جائے کہ کیا ان کو اپنی غلطی کا اعتراف کرنے اور ایک جلیل القدر محدث اور عارف ربانی پر تحریف کا الزام واپس لینے کی توفیق ہوگی؟ اور کیا ان کے خیال میں مندرجہ بالا اکابر مفسرین سب کے سب قرآن کی تحریف کرنے والے تھے؟

"نعوذ باللہ من الجھل و الغباۃ"

(۲) اپنے والد کو حضرات صحابہؓ پر فوقیت دینے کی تہمت

حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ نے حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بچپن کی یادداشت کے جو واقعات لکھے ہیں ان کے تحت یہ فائدہ درج فرمایا ہے:

"بچپن کا زمانہ حافظہ کی قوت کا زمانہ ہوتا ہے۔ اس وقت کا یاد کیا ہوا کبھی بھی نہیں بھولتا ایسے وقت میں اگر قرآن پاک حفظ کرا دیا جائے تو نہ کوئی دقت ہو، نہ وقت خرچ ہو۔"

اور پھر اس فائدہ کی وضاحت کے لیے اپنے والد ماجد کا قصہ ذکر فرمایا ہے اس کے آخر میں لکھتے ہیں:

"یہ پرانے زمانے کا قصہ نہیں ہے، اسی صدی کا واقعہ ہے، لہٰذا یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ صحابہؓ جیسے قویٰ اور ہمتیں اب کہاں سے لائی جائیں؟"

اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ فائدہ میں جو بچپن کے اندر قرآن کریم حفظ کرانے کی ترغیب دی گئی تھی کہ اس کی تائید کے لیے والد ماجدؒ کا واقعہ ذکر فرمایا ہے۔

"حکایات صحابہ" جب سے تالیف ہوئی ہے۔ اس کو بلا مبالغہ کروڑوں انسانوں نے پڑھا سنا ہوگا لیکن اس واقعہ کے سیاق و سباق سے یہ خبیث مضمون کبھی کسی کے ذہن میں نہیں آیا جو تابش مہدی نے اخذ کیا ہے جو مضمون نہ مصنف کے ذہن میں ہو، نہ اس کی سیاق و سباق سے اخذ کیا جا سکتا ہو اور نہ اس کے لاکھوں قاریوں کے حاشیہ خیال میں بھی گزرا ہو اس کے مصنف کی طرف منسوب کرنا آپ ہی فیصلہ کر سکتے ہیں کہ دیانت و امانت کی کون سی قسم ہے؟

اور حضرت شیخ کے والد ماجدؒ کے واقعہ کا سیدنا عیسیٰؑ سے مقابلہ کرنا بھی حماقت و غباوت کی

حد ہے۔ حضرت عیسیٰؑ کا واقعہ ولادت کے ابتدائی ایام کا ہے جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے کہ پیدائش کے بعد حضرت مریمؑ بچے کو اٹھائے ہوئے قوم کے سامنے آئیں لوگوں نے دیکھتے ہی چہ مگوئیاں شروع کیں اور حضرت مریمؑ کے بارے میں ناشائستہ الفاظ کہے ان کے جواب میں حضرت مریمؑ نے بچے کی طرف اشارہ کر دیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

انی عبداللہ اتانی الکتاب وجعلنی نبیا، وجعلنی مبارکا این ما کنت و اوصانی بالصلاۃ والزکاۃ ما دمت حیا، وبرا بوالدتی ولم یجعلنی جبارا شقیا، والسلام علی یوم ولدت ویوم اموت ویوم ابعث حیاo (مریم: ۳۳)

''وہ بچہ (خود ہی) بول اٹھا کہ میں اللہ کا (خاص) بندہ ہوں اس نے مجھ کو کتاب (یعنی انجیل) دی اور اس نے مجھ کو نبی بنایا (یعنی بنا دے گا) اور مجھ کو برکت والا بنایا میں جہاں کہیں بھی ہوں اور اس نے مجھ کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا جب تک میں (دنیا میں) زندہ رہوں اور مجھ کو میری والدہ کا خدمت گزار بنایا اور اس نے مجھ کو سرکش بد بخت نہیں بنایا اور مجھ پر (اللہ کی جانب سے) سلام ہے جس روز میں پیدا ہوا اور جس روز مروں گا اور جس روز قیامت میں زندہ کر کے اٹھایا جاؤں گا۔'' (ترجمہ حضرت تھانویؒ)

کہاں طفل یک روزہ کا ایسی فصیح و بلیغ تقریر کرنا اور کہاں دو سال کے بچے کا قرآن کریم کی سورتیں یاد کر لینا؟ کیا ان دونوں کے درمیان کوئی مناسبت ہے؟

تابش مہدی جانتے ہوں یا نہ جانتے ہوں لیکن اہل عقل جانتے ہیں کہ ڈیڑھ سال کا بچہ عموماً بولنے لگتا ہے اب اگر چھ مہینے کی طویل مدت میں حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ کے والد ماجد نے پاؤ پارہ یاد کر لیا تو اس میں تعجب کی کون سی بات ہے اور اس کا موازنہ حضرت عیسیٰؑ کے معجزہ تکلم فی المہد سے کرنا تابش مہدی جیسے غیر معمولی ذہین لوگوں کا ہی کام ہو سکتا ہے۔ ورنہ کون عقلمند ہوگا جو دو ڈھائی سالہ بچے کے چند چھوٹی سورتیں یاد کر لینے کو ایک خارق عادت اور واقعہ اور معجزہ عیسوی سے بالاتر اعجوبہ سمجھنے لگے؟

(۳) حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما کا واقعہ

تیسرے سوال کے تحت تابش مہدی نے جو لکھا ہے اس کا تجزیہ کیا جائے تو دو بحثیں نکلتی

ہیں، اول یہ کہ ابن زبیر اور مالک بن سنانؓ کے جو واقعات حضرت شیخ نوراللہ مرقدہٗ نے ذکر فرمائے ہیں وہ مستند ہیں یا نہیں؟ دوسری بحث یہ کہ حضور ﷺ کے فضلات کا کیا حکم ہے، وہ پاک ہیں یا نہیں؟

جہاں تک پہلی بحث کا تعلق ہے اس سلسلہ میں یہ گزارش ہے کہ یہ دونوں واقعے مستند ہیں اور حدیث کی کتابوں میں سند کے ساتھ روایت کئے گئے ہیں۔

چنانچہ ابن زبیر رضی اللہ عنہما کا واقعہ متعدد سندوں کے ساتھ متعدد صحابہ کرامؓ سے مروی ہے حوالہ کے لیے درج ذیل کتابوں کی مراجعت کی جائے۔

(۱) مستدرک حاکم (۳۔۵۵۴) حلیۃ الاولیاء (۱۔۳۳۰) سنن کبری بیہقی (۷۔۶۷) کنزالعمال بروایت ابن عساکر (۱۳۔۴۶۹) مجمع الزوائد بروایت طبرانی وبزار (۸۔۲۷۰) الاصابہ بروایت ابویعلیٰ والبیہقی فی الدلائل (۲۔۳۱۰) سیر اعلام النبلاء للذہبی (۳۔۳۶۶) الخصائص الکبریٰ (۲۔۲۵۲)

اب اس واقعہ کے ثبوت کے بارے میں چند اکابر محدثین کی آراء ملاحظہ فرمائیں۔

امام بیہقی سنن کبری (۷۔۶۷) میں اس واقعہ کو حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے روایت کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

قال الشیخ رحمہ اللہ: وروی ذلک من وجہ آخر عن اسماء بنت ابی بکر وعن سلمان فی شرب ابن الزبیر رضی اللہ عنہم دمہ"٥

''حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما کے آنحضرت ﷺ کے خون پی جانے کا واقعہ حضرت اسماء بنت ابی بکر اور سلمان فارسی رضی اللہ عنہم سے بھی متعدد اسانید سے مروی ہے۔

حافظ نورالدین ہیثمیؒ مجمع الزوائد (۸۔۲۷۰) میں اس واقعہ کو خصائص نبوی ﷺ کے باب میں درج کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

رواہ الطبرانی والبزار ورجال البزار رجال الصحیح غیر ھنید بن القاسم وھو ثقہ٥

''یہ طبرانی اور بزار کی روایت ہے اور بزار کے تمام راوی صحیح کے راوی ہیں۔ سوائے ھنید

بن القاسم کے اور وہ بھی ثقہ ہیں۔

حافظ شمس الدین ذہبی نے تلخیص مستدرک (۳۔۵۵۴) میں اس پر سکوت کیا اور سیر اعلام النبلاء (۳۔۳٦٦) میں لکھتے ہیں:

''رواه ابویعلی فی مسنده وما علمت فی هنید جرحة''

ترجمہ:۔ یہ حدیث ابویعلی نے اپنی مسند میں روایت کی ہے اور ھنید راوی کے بارے میں کسی جرح کا علم نہیں۔

کنزالعمال (۱۳۔۴۲۹) میں اس کو ابن عساکر کے حوالے سے نقل کرنے کے بعد لکھا ہے: رجالہ ثقات (اس کے تمام راوی ثقہ ہیں)

مالک بن سنان رضی اللہ عنہٗ کا واقعہ

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہٗ کے والد ماجد حضرت مالک بن سنان رضی اللہ عنہٗ کا جو واقعہ حضرت شیخ نوراللہ مرقدہٗ نے ''قراۃ العیون'' کے حوالے سے نقل کیا ہے۔ الاصابہ (۳۔۳۴٦) میں یہ واقعہ ابن ابی عاصم، بغوی، صحیح ابن السکن اور سنن سعید بن منصور کے حوالے سے نقل کیا ہے۔

تاریخ خمیس اور قراۃ العیون

تو تابش مہدی ایسے اہل علم کے نزدیک غیر مستند اور گمراہ کن کتابیں ہیں لیکن تابش مہدی سے دریافت کیجئے کہ حدیث کی مندرجہ بالا کتابیں اور یہ اکابر محدثین، جن کا میں نے حوالہ دیا ہے کیا وہ بھی نعوذ باللہ غیر مستند اور گمراہ کن ہیں اور یہ بھی دریافت کیجئے کہ تابش مہدی اپنے جہل کی وجہ سے ان مشہور ومعروف مآخذ سے ناواقف تھے یا ان کا رشتہ منکرین حدیث سے استوار ہے؟ کہ نہ انہیں ان کتب حدیث پر اعتماد ہے جن میں یہ واقعات متعدد اسانید کے ساتھ تخریج کئے گئے ہیں اور نہ ان اکابر محدثین پر اعتماد ہے۔ جنہوں نے ان واقعات کی توثیق فرمائی ہے۔

دوسری بحث فضلات نبوی ا کا حکم

ایک سوال کے جواب میں یہ مسئلہ ضروری تفصیل کے ساتھ ذکر کر چکا ہوں کہ مذاہب اربعہ

کے محققین کے نزدیک آنحضرت ﷺ کے خصائص میں سے ایک خصوصیت یہ ہے کہ آپ کے فضلات پاک ہیں اوراس کے لیے امام ابوحنیفہؒ، امام نوویؒ، حافظ ابن حجر عسقلانیؒ، حافظ بدرالدین عینیؒ، ملاعلی قاری علامہ ابن عابدین شامیؒ،مولانا محمد انورشاہ کشمیریؒ اور مولانا محمد یوسف بنوریؒ کے حوالے سے ذکر کر چکا ہوں یہ جواب ''بینات'' محرم الحرام ۱۴۰۹ھ میں شائع ہو چکا ہے۔آپ کی سہولت کے لیےاس کا اقتباس درج ذیل ہے:

میری گذشتہ تحریر کا خلاصہ یہ تھا کہ اول تو معلوم کیا جائے کہ یہ واقعہ کسی مستند کتاب میں موجود ہے یا نہیں؟ دوم یہ کہ حضور ﷺ کے فضلات کے بارے میں اہل علم وا کابر ائمہ دین کی تحقیق کیا ہے ان دو باتوں کی تحقیق کے بعد جوشبہات پیش آسکتے ہیں ان کی توجیہ ہوسکتی ہے اب ان دونوں نکتوں کی وضاحت کرتا ہوں۔

امر اول یہ کہ واقعہ کسی مستند کتاب میں ہے یا نہیں؟ حافظ جلال الدین سیوطیؒ کی کتاب خصائص کبریٰ میں حضور ﷺ کی امتیازی خصوصیات جمع کی گئی ہیں۔اس کی دوسری جلد کے صفحہ ۲۵۲ کا فوٹو آپ کو بھیج رہا ہوں۔جس کا عنوان ہے'' آنحضرت ﷺ کا بول و براز پاک تھا'' اس عنوان کے تحت انہوں نے احادیث نقل کی ہیں ان میں سے دو احادیث جن کو میں نے نشان زدہ کر دیا ہے، کا ترجمہ یہ ہے۔

(۱) ابو یعلی، حاکم، دارقطنی، طبرانی اور ابونعیم نے سند کے ساتھ حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے رات کے وقت مٹی کے پکے ہوئے ایک برتن میں پیشاب کیا، پس رات کو اٹھی، مجھے پیاس تھی، میں نے وہ پیالہ پی لیا، صبح ہوئی تو میں نے آپ ﷺ کو بتایا۔ پس آنحضرت ﷺ مسکرائے اور فرمایا تجھے پیٹ کی تکلیف کبھی نہ ہوگی اور ابو یعلی کی روایت میں ہے کہ آج کے بعد تم پیٹ کی تکلیف کی شکایت کبھی نہ کرو گی۔''

(۲) طبرانی اور بیہقی نے بسند صحیح حکیمہ بنت امیمہ سے اور انہوں نے اپنی والدہ حضرت امیمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ حضور ﷺ کے یہاں لکڑی کا ایک پیالہ رہتا تھا۔ جس میں شب کو گاہ و بے گاہ پیشاب کر لیا کرتے تھے اور اسے اپنی چارپائی کے نیچے رکھ دیتے تھے۔آپ ایک مرتبہ صبح کو اٹھے اس کو تلاش کیا تو وہاں نہیں ملا۔اس کے بارے میں دریافت فرمایا

تو بتادیا گیا کہ اس کو برہ نامی حضرت ام سلمہ کی خادمہ نے نوش کرلیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اس نے آگ سے بچاؤ کے لیے حصار بنالیا۔

یہ دونوں روایتیں مستند ہیں اور محدثین کی ایک بڑی جماعت نے ان کی تخریج کی ہے اور اکابرامت نے ان واقعات کو بلانکیر نقل کیا ہے اور انہیں خصائص نبویؐ میں شمار کیا ہے۔

امر دوم: حضور ﷺ کے فضلات کے بارے میں اکابرامت کی تحقیق

(۱) حافظ ابن حجر عسقلانی فتح الباری **باب الماء الذی یغسل به شعر الانسان** (۱۔۲۷۲ مطبوعہ لاہور) میں لکھتے ہیں:

وقد تکاثرت الادلة علی طهارة فضلاته، وعد الائمة ذلک من خصائصه فلا یلتفت الی ما وقع فی کتب کثیر من الشافعیه مما یخالف ذالک، فقد استقر الامر بن ائمتهم علی القول بالطهارةo

’’حضور ﷺ کے فضلات کے پاک ہونے کے دلائل حد کثرت کو پہنچے ہوئے ہیں اور ائمہ نے اس کو آپ کی خصوصیات میں شمار کیا ہے، پس بہت سے شافعیہ کی کتابوں میں جو اس کے خلاف پایا جاتا ہے وہ لائق التفات نہیں کیوں کہ ان کے ائمہ کے درمیان طہارت قول ہی پر معاملہ آن ٹھہرا ہے۔

(۲) حافظ بدالدین عینی نے عمدۃ القاری (۲۔۳۵) مطبوعہ دارالفکر بیروت میں حضور ﷺ کے فضلات کی طہارت کو دلائل سے ثابت کیا ہے اور شافعیہ میں سے جو لوگ اس کے خلاف قائل ہیں ان پر بلیغ رد کیا ہے، اور صفحہ ۷۹ جلد ۲ میں حضرت امام ابوحنیفہؒ کا حضور ﷺ کے بول اور باقی فضلات کی طہارت کا قول نقل کیا ہے۔

(۳) امام نوویؒ نے شرح مہذب (۱۔۲۳۴) میں بول اور دیگر فضلات کے بارے میں شافعیہ کے دونوں قول نقل کر کے طہارت کے قول کو موجہ قرار دیا ہے وہ لکھتے ہیں:

حدیث شرب المرأة البول صحیح، رواه الدار قطنی، وقال: هو حدیث صحیح، وهو کاف فی الاحتجاج لکل الفضلات قیاساً الخo

(شرح مہذب ص۲۳۴ ج۱)

''عورت کے پیشاب پینے کا واقع صحیح ہے، امام دارقطنی نے اس کو روایت کر کے صحیح کہا ہے اور حدیث آپ ؐ کے فضلات کی طہارت کے استدلال کے لیے کافی ہے۔''

(۴) علامہ ابن عابدین شامیؒ لکھتے ہیں:

صحیح بعض ائمة الشافعیه طهارة بوله ﷺ وسائر فضلاته وبه قال ابوحنیفه کما نقله فی المواهب اللدنیة عن شرح البخاری للعینی ٥

(ردالمحتار ۱: ۲۱۸ مطبوعہ کراچی)

''بعض ائمہ شافعیہ نے آپ ﷺ کے بول اور باقی فضلات کی طہارت کو صحیح قرار دیا ہے۔ امام ابوحنیفہؒ بھی اسی کے قائل ہیں جیسا کہ مواہب لدنیہ میں علامہ عینیؒ کی شرح بخاری سے نقل کیا ہے۔''

(۵) ملا علی قاریؒ جمع الوسائل شرح الشمائل (۲۔۲ مطبوعہ مصر ۱۳۱۷ھ) میں اس پر طویل کلام کے بعد لکھتے ہیں:

قال ابن حجر: وبهذا استدل جمع من ائمتنا المتقدمین وغیرهم علی طهارة فضلاته ﷺ وهو المختار وفاتاً لجمع من المتاخرین فقد تکا ثرت الادلة علیه وعدة الائمة من خصائصه ﷺ.

(جمع الوسائل شرح الشمائل ص ۲ ج ۲ مصر ۱۳۱۷ھ)

''ابن حجر کہتے ہیں کہ ہمارے ائمہ متقدمین کی ایک جماعت اور دیگر حضرات نے ان احادیث سے آنحضرت ﷺ کے فضلات کی طہارت پر استدلال کیا ہے، متاخرین کی جماعت کی موافقت میں بھی مختار ہے، کیوں کہ اس پر دلائل بکثرت ہیں اور ائمہ نے اس کو آنحضرت ﷺ کے خصائص میں شمار کیا ہے۔''

(۶) امام العصر مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں:

ثم مسألة طهارة فضلات الانبیاء توجد فی کتب المذاهب الاربعة٥

(فیض الباری ۱. ۲۵۰)

''فضلات انبیاء کی طہارت کا مسئلہ مذاہب اربعہ کی کتابوں میں موجود ہے۔''

(۷) محدث العصر حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ لکھتے ہیں:

وقد صرح اهل المذاهب الاربعةبطهارة فضلات الانبياء الخ o(معارف السنن ا . ۹۸)

"مذاہب اربعہ کے حضرات نے فضلات انبیاء علیہم السلام کے پاک ہونے کی تصریح کی ہے۔"

الحمدللہ! ان دونوں نکتوں کی وضاحت تو بقدر ضرورت ہو چکی ہے، یہ واقعہ مستند ہے اور مذاہب اربعہ کے ائمہ فقہاء نے ان احادیث کو تسلیم کرتے ہوئے فضلات انبیاء علیہم السلام کی طہارت کا قول کیا ہے، اس کے بعد بھی اگر اعتراض کیا جائے تو اسے ضعف ایمان ہی کہا جا سکتا ہے۔

اب ایک نکتہ محض تبرعاً لکھتا ہوں، جس سے یہ مسئلہ قریب الفہم ہو جائے گا۔ حق تعالیٰ شانہٗ کے اپنی مخلوق میں عجائبات ہیں جن کا ادراک بھی ہم لوگوں کے لیے مشکل ہے۔ اس نے اپنی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ سے بعض اجسام میں ایسی محیر العقول خصوصیات رکھی ہیں جو دوسرے اجسام میں نہیں پائی جاتیں۔

وہ ایک کیڑے کے لعاب سے ریشم پیدا کرتا ہے، شہد کی مکھی کے فضلات سے شہد جیسی نعمت ایجاد کرتا ہے، اور پہاڑی بکرے کے خون کو نافہ میں جمع کر کے مشک بنا دیتا ہے۔ اگر اس نے اپنی قدرت سے حضرات انبیاء علیہم السلام کے اجسام مقدسہ میں بھی ایسی خصوصیات رکھی ہوں کہ غذا ان کے ابدان طیبہ میں تحلیل ہونے کے بعد بھی نجس نہ بلکہ اس سے جو فضلات ان کے ابدان میں پیدا ہوں وہ پاک ہوں تو کچھ جائے تعجب نہیں۔ اہل جنت کے بارے میں سبھی جانتے ہیں کہ کھانے پینے کے بعد ان کو بول براز کی ضرورت نہ ہوگی، خوشبودار ڈکار سے سب کھایا پیا ہضم ہو جائے گا اور بدن کے فضلات خوشبودار پسینے میں تحلیل ہو جائیں گے۔ جو خصوصیت کہ اہل جنت کے اجسام کو وہاں حاصل ہوگی اگر حق تعالیٰ شانہٗ حضرات انبیاء علیہم الصلوٰت والتسلیمات کے پاک اجسام کو وہ خاصیت دنیا ہی میں عطا کر دیں تو بجا ہے، پھر جب کہ احادیث میں اس کے دلائل بکثرت موجود ہیں، جیسا کہ اوپر حافظ ابن حجرؒ کے کلام میں گذر چکا ہے تو انبیاء علیہم السلام کے اجسام کو اپنے اوپر قیاس کر کے ان کا انکار کر دینا یا ان کے تسلیم کرنے میں تامل کرنا صحیح نہیں۔

اور اس پر چند مزید حوالوں کا اضافہ کرتا ہوں۔

(۱) امام بیہقیؒ نے سنن کبریٰ میں کتاب النکاح کے ذیل میں آنحضرت ﷺ کے خصائص ذکر کیے ہیں اسی سلسلہ میں ایک باب کا عنوان ہے۔

"باب ترکه الا نکار علی من شرب بوله و دمه"

یعنی جن حضرات نے آپ کا بول ودم پیا ان پر آپ کا انکار نہ کرنا''

اور اس کے تحت تین واقعات سند کے ساتھ ذکر کئے ہیں، حضرت امیمہؓ کا واقعہ، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کا واقعہ اور حضرت سفینہؓ کا واقعہ ہے۔

(۲) اوپر ذکر کر چکا ہوں کہ امام حافظ نورالدین ہیثمیؒ نے بھی مجمع الزوائد میں ان واقعات کو خصائص نبویؐ میں ذکر کیا ہے۔

(۳) اور حافظ جلال الدین سیوطیؒ نے خصائص کبریٰ میں یہ واقعات درج ذیل عنوان کے تحت ذکر فرمائے ہیں:۔

"باب اختصاصه صلی الله علیه وسلم بطهارة دمه وبوله وغائطه"

ترجمہ:۔ یعنی آنحضرت ﷺ اس کی خصوصیات کا بیان کیا کہ آپ کے فضلات پاک تھے۔''

(۴) فقہ شافعی کی کتاب ''نھایۃ المحتاج'' (۱۔۲۴۲) میں ہے:۔

وشمل کلامه نجاسة الفضلات من رسول الله ﷺ وهو ما صححاه وحمل القائل بذلک الاخبار التی یدل ظاهر ما للطهارة کعدم انکارة ﷺ شرب ام ایمن بوله علی التداوی، لکن جزم البغوی وغیره بطهارتها، وصححه القاضی وغیره، ونقله المعرانی عن الخراسائین، وصححه السبکی والبارزی والزرکشی، وقال ابن الرفعة: انه الذی اعتقده القی الله به، وقال البلقینی: ان به القتوی، وصححه القایانی قال: انه الحق، وقال الحافظ ابن حجر: تکاثرت لادله علی ذلک وعده الائمه فی خصائصه، فلا یلتفت الی خلافه، ان وقع فی کتب کثیر من الشافعیة، فقد استقر ألامر من أئمتهم علی القول بالطهارة، انتهی، وافتنی به الوالد رحمه الله تعالیٰ وهو المعتمدo (نھایۃ المحتاج ص۲۴۲ ج۱)

''اور مصنف کا کلام شامل ہے، آنحضرت ﷺ کے فضلات کو، اور دونوں حضرات (یعنی رافعیؒ اور نوویؒ) نے اس قول کی تصحیح کی ہے اور جو لوگ اس کے قائل ہیں انہوں نے ان احادیث کو جو بظاہر طہارت پر دلالت کرتی ہے، جیسے آنحضرت ﷺ کا ام ایمن کے شرب بول پر نکیر نہ کرنا، ان کو علاج پر محمول کیا ہے، لیکن امام بغوی وغیرہ نے قطعیت کے ساتھ فضلات نبوی کو پاک قرار دیا ہے اور قاضی وغیرہ نے اسی کو صحیح کہا ہے اور عمرانی نے خراسانیوں سے اس کو نقل کر کے صحیح قرار دیا ہے اور امام سبکی، بارزی اور زرکشی نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ ابن رفعہ فرماتے ہیں کہ میں یہی عقیدہ رکھتا ہوں اور اسی پر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہوں گا، علامہ بلقینی فرماتے ہیں کہ اسی پر فتویٰ ہے اور قایانی نے اسی کو صحیح کہا ہے اور فرمایا ہے کہ یہی حق ہے اور حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ اس پر دلائل بکثرت ہیں اور ائمہ نے اس کو آنحضرت ﷺ کی خصوصیت میں شمار کیا ہے۔ پس اس کے خلاف کا قول لائق التفات نہیں۔ اگرچہ وہ بہت سے شافعیہ کی کتابوں میں درج ہوا ہے کیوں کہ ائمہ شافعیہ کے نزدیک معاملہ طہارت کے قول پر آٹھہرا ہے۔ میرے والد ماجد (شیخ شہاب الدین رملی) رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس پر فتویٰ دیا ہے اور یہی لائق اعتماد ہے۔

(۵) اور فقہ شافعی کی کتاب ''مغنی المحتاج'' (۱۔۷۹) میں ہے:

وھذہ الفضلات من النبی ﷺ طاھرۃ کما جزم به البغوی وغیرہ، وصححه القاضی وغیرہ، افتی نه شیخی خلافا لما فی الشرح الصغیر، والتحقیق من النجاسة لان برکة الحبشیة شربت بوله ﷺ فقال: لن تلج النار بطنک، صححه الدار قطنی، وقال ابو جعفر الترمذی: دم النبی ﷺ طاھر، لان اباطیبة شربه وفعل مثل ذلک ابن الزبیر وھو غلام حین اعطاہ النبی ﷺ دم حجامته لیدفنه فشربه، فقال له النبی ﷺ من خالط دمه دمی لم تمسه النار''(مغنی المحتاج ص ۸۹ ج ۱)

''اور آنحضرت ﷺ کے یہ فضلات پاک تھے جیسا کہ امام بغوی وغیرہ نے قطعیت کے ساتھ یہ فیصلہ فرمایا ہے اور قاضی وغیرہ نے اسی کو صحیح قرار دیا ہے اور میرے شیخ (شہاب رملی) نے اسی پر فتویٰ دیا ہے، بخلاف اس کے جو شرح صغیر اور تحقیق میں نجاست کے قول کا ذکر کیا ہے کیوں

کہ برکہ حبشیہ نے آنحضرت ﷺ کا بول نوش کیا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تیرا پیٹ آگ میں داخل نہ ہوگا۔ اس حدیث کو امام دار قطنیؒ نے صحیح کہا ہے ابو جعفر ترمذی فرماتے ہیں کہ آنحضرت کا خون پاک تھا کیوں کہ ابوطیبہ رضی اللہ عنہ نے اس کو نوش کیا اور حضرت ابن زبیرؓ نے بھی یہی کیا جب کہ وہ نوعمر لڑکے تھے۔ جب آنحضرت ﷺ نے سینگیاں لگوا کر ان کو وہ خون دفن کرنے کے لیے دیا تو انہوں نے پی لیا۔ اس پر آنحضرت ﷺ نے ان کو فرمایا کہ ''جس کے خون میں میرا خون مل گیا اس کو آتش دوزخ نہیں پہنچے گی۔''

(۶) فقہ مالکی کی کتاب منح الجلیل شرح مختصر الخلیل میں (۱۔۵۴) میں ہے:

الا الانبیاء علیهم الصلوٰة والسلام فضلتهم طاهرة ولو قبل بعثتهم لاصطفاء هم واستجاء هم كان للتنظيف والتشريع٥

''آدمی کے فضلات ناپاک ہیں سوائے انبیاء علیہم السلام کے کہ ان کے فضلات پاک ہیں خواہ ان کی بعثت سے قبل ہو بوجہ ان کے برگزیدہ ہونے کے اور ان کو استنجاء کرنا تنظیف وتشریع کے لیے تھا۔''

اکابر امت کی اس قسم کی تصریحات بے شمار ہیں، ان کے مقابلہ میں تابش مہدی جیسے لوگوں کے رائے کی کیا قیمت؟ اس کا فیصلہ ہر شخص کرسکتا ہے اور جب یہ معلوم ہو چکا کہ طہارت فضلات آنحضرت ﷺ کی ایسی خصوصیت ہے جس پر بقول حافظ الدنیا ابن حجرؒ بکثرت دلائل جمع ہیں'' اور مذاہب اربعہ کے ائمہ و محققین اس کے قائل ہیں تو اس مسئلہ پر عمومات سے استدلال کرنا صحیح نہیں۔ بلکہ قادیانیوں کی سی جہل آمیز حرکت ہے۔ وہ لوگ بھی عمومات سے استدلال کر کے حضرت عیسیٰؑ کی خصوصیت، بن باپ پیدائش اور رفع آسمانی کا انکار کرتے ہیں۔ افسوس ہے کہ تابش مہدی بھی بزعم خود قرآن سے استدلال کرتے ہوئے جہل مرکب کے اسی گڑھے میں گر رہے ہیں، جس میں ان سے پہلے بہت لوگ گر چکے ہیں۔

(۴) ہزار رکعت پڑھنے کا واقعہ

حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ نے ایک بزرگ کا قول نقل کیا ہے کہ وہ ایک ہزار رکعت کھڑے ہو کر اور ایک ہزار رکعت بیٹھ کر پڑھا کرتے تھے تابش مہدی ہمیں منٹوں کا حساب لگا کر بتاتے ہیں

کہ چوبیس گھنٹے کے محدود وقت میں یہ کیونکر ممکن ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کے معجزات اور حضرات اولیاء اللہ کی کرامات کے واقعات کو محض عقلی ڈھکوسلوں اور ریاضی کے حسابات کے ذریعہ جھٹلانا عقلمندی نہیں، بلکہ عقلیت کا ہیضہ ہے۔ مسلمان جس طرح انبیاء کرام علیہم السلام کے معجزات کو برحق مانتے ہیں اسی طرح ان کا یہ عقیدہ بھی ہے کہ:

کرامات الاولیاء حق — اولیاء اللہ کی کرامات برحق ہیں۔

جو خارق عادت امر کسی نبی برحق کے ہاتھ پر ظاہر ہو وہ ''معجزہ'' کہلاتا ہے اور جو کسی ولی اللہ کے ہاتھ پر ظاہر ہو اسے ''کرامت'' کہا جاتا ہے۔

امام اعظم ابوحنیفہؒ ''الفقہ الاکبر'' میں فرماتے ہیں:

''والآیات للانبیاء والکرامات للاولیاء حق''

ترجمہ:۔ انبیاء کرام کے معجزات اور نشانات اور اولیاء کی کرامتیں برحق ہیں۔

شیخ علی قاریؒ اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

والآیات ای خوارق العادات المسماة بالمعجزات للأنبیاء والکرامات للأولیاء حق ای ثابت بالکتاب والسنة، ولا عبرة بمخالفة المعتزلة واهل البدعة فی انکار الکرامة، والفرق بینهما، ان المعجزة امر خارق للعادة کاحیاء میت واعدام جبل علی وفق التحدی وهو دعوی الرسالة ولکرامة خارق للعادة الا انها غیر مقرونة بالتحدی وهو کرامة للولی وعلامة لصدق النبی فان کرامة التابع کرامة امتبوع ٥(شرح فقه اکبر ص ٩٥ مطبوعه مجتبائی دهلی ١٣٤٨ه)

''انبیاء علیہم السلام کی آیات یعنی وہ خارق عادت امور جن کو معجزات کہا جاتا ہے اور اولیاء کی کرامات برحق ہیں اور معتزلہ اور اہل بدعت جو کرامت کے منکر ہیں، ان کی مخالفت کا کوئی اعتبار نہیں اور معجزہ وکرامت کے درمیان فرق یہ ہے کہ معجزہ اور خارق عادت امر ہے جو بطور تحدی یعنی دعوائے رسالت ونبوت کے ساتھ ہو، جیسے کسی مردہ کو زندہ کر دینا یا کسی جماعت کو ہلاک کر دینا اور کرامت خارق عادت امر کو کہتے ہیں مگر وہ تحدی ساتھ مقرون نہیں ہوتی اور (ایسا خارق عادت جو

کسی ولی کے ہاتھ پر ظاہر ہو) وہ ولی کی کرامت ہے اور اس کے متبوع نبی کے سچے ہونے کی علامت ہے۔ کیوں کہ جو چیز تابع کے لیے شرف وکرامت ہو وہ اس کے متبوع کے لیے بھی شرف وکرامت ہے۔"

امام طحاویؒ اپنے عقیدہ میں (جو تمام اہلسنت کے یہاں مسلم ہے) لکھتے ہیں:

ونوس بما جآء من کرامتهم وصح عن الثقات من روایتهم"

"اور اولیاء اللہ کی کرامت کے جو واقعات منقول ہیں اور ثقہ راویوں کی روایات سے صحیح ثابت ہیں ہم ان پر ایمان رکھتے ہیں۔"

اس کے حاشیہ میں محمد بن نافع لکھتے ہیں:

کرامات اولیاء حق ثابتة بالکتاب والسنة وهی متواترة لا یکنرها الا اهل البدع کالمعتزلة ومن نحا نحوهم من المتکلمین، وقد ضلل اهل الحق من انکرها لانه ابا نکاره صادم الکتاب والسنة ومن عارضها وصادمهما برأیه الفاسد وعقله الکاسد فهو ضال مبتدع

(العقیده الطحاویة ص ٢٤ مطبوعه دائرة المعارف الاسلامیة، آسیا آباد، بلوجستان)

"اولیاء اللہ کی کرامتیں برحق ہیں کتاب وسنت سے ثابت ہیں، اور یہ متواتر ہیں ان کے منکر صرف اہل بدعت ہیں جیسے معتزلہ قسم کے متکلمین اور اہل منکر کرامات کو گمراہ قرار دیتے ہیں، کیوں کہ وہ اپنے انکار سے کتاب وسنت سے ٹکراتا ہے اور جو شخص اپنی فاسد رائے اور کھوٹی عقل کے ذریعہ کتاب وسنت سے ٹکراؤ اور مقابلہ کرے وہ گمراہ اور مبتدع ہے۔"

عقیدہ نسفیہ میں اولیاء اللہ کی کرامات کی مثالیں ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

وکرامات الاولیاء حق فتظهر الکرامة علی طریق نقض العادة للولی من قطع المسافة البعیدة فی المدة القلیلة وظهور الطعام والشراب واللباس عند الحاجة والمشی علی الماء والطیران فی الهواء وکلام الجماد والعجماء اندفاع المتوجه من البلاء وکفایة الهم عن الاعداء وغیر ذلک من الاشیاءO (شرح عقائد نسفی ص ۱۴۴ مابعد)

''اور اولیاء اللہ کی کرامات برحق ہیں، پس ولی کے لیے بطور خرق عادت کے کرامت ظاہر ہوتی ہے مثلاً قلیل مدت میں طویل مسافت طے کر لینا بوقت حاجت غیب سے کھانے، پانی اور لباس کا ظاہر ہو جانا، پانی پر چلنا، ہوا میں اڑنا، جمادات وحیوانات کا گفتگو کرنا، آنے والی مصیبت کا ٹل جانا، دشمنوں کے مقابلہ میں مہمات کی کفایت ہونا وغیرہ وغیرہ۔

معجزہ وکرامت کی ایک صورت یہ ہے کہ معمولی کھانا یا پانی بہت سے لوگوں کو کافی ہو جائے۔ احادیث میں اس کے متعدد واقعات مذکور ہیں اور اولیاء اللہ کے سوانح میں بھی یہ چیز تواتر کے ساتھ منقول ہے اور جس طرح معجزہ وکرامت کے طور پر کھانے پینے کی چیز میں خارق عادت برکت ہو جاتی ہے، اسی طرح وقت میں بھی ایسی خارق عادت برکت ہو جاتی ہے کہ عقل وقیاس کے تمام پیمانے ٹوٹ جاتے ہیں۔ ایسی خارق عادت برکت کی ایک مثال معراج شریف کا واقعہ ہے۔

چنانچہ حضور ﷺ جب معراج پر تشریف لے گئے تو طویل مسافت طے کر کے پہلے مکہ مکرمہ سے بیت المقدس پہنچے، وہاں انبیاء کرام علیہم السلام کی امامت فرمائی پھر وہاں سے آسمانوں پر تشریف لے گئے اور آسمانوں سے بھی اوپر لامکاں تک پہنچے۔ جنت و دوزخ کی سیر فرمائی اب اگر ان تمام امور کو عقل وقیاس کے پیمانوں سے ناپا جائے تو ان واقعات معراج کے لیے اربوں کھربوں سال کا عرصہ دراز ہے، لیکن قدرت خداوندی سے یہ سب کچھ رات کے ایک حصہ میں ہوا، اسی طرح اگر بطور خرق عادت اللہ تعالیٰ نے کسی مقبول بندے کے اوقات میں غیر معمولی برکت فرما دی ہو اور اس نے محدود وقت میں دو ہزار رکعتیں پڑھ لیں ہوں تو محض عقلی موشگافیوں کے ذریعہ انکار وہی شخص کر سکتا ہے جو انبیاء کرام علیہم السلام کے معجزات کا اور حضرات اولیاء اللہ رحمہم اللہ کی کرامات کا منکر ہے اور جیسا کہ اوپر معلوم ہوا ایسا شخص زمرۂ اہل سنت سے خارج ہے۔

جناب تابش مہدی صاحب بزعم خود جرح وتنقید کے اسلحہ سے مسلح ہو کر حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ کے خلاف نبرد آزمائی کے لیے نکلے تھے، لیکن حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ کی کرامت دیکھیے کہ وہ راہ بھول کر اہل باطل اور اہل بدعت کی صف میں جا کھڑے ہوئے ہیں۔

وہ شیفتہ کہ دھوم تھی حضرت کے زہد کی
میں کیا کہوں کہ رات مجھے کس کے گھر ملے

حضرت امام ابوحنیفہؒ اور دیگر بہت سے اکابر کے کثرت عبادت کے واقعات تواتر کے ساتھ منقول ہیں، لیکن بہت سے عقلیت گزیدہ حضرات تابش مہدی کی طرح ان کو محض اپنی عقل کے زور سے رد کرتے ہیں اور شاید یہ بیچارے اپنی ذہنی وفکر پرواز کے لحاظ سے معذور ہیں کیوں کہ:

"فکر ہر کس بقدر ہمت است"

شپرہ چشم اگر آفتاب کے وجود کا انکار کرے تو اس کو معذور سمجھنا چاہیے لیکن جن لوگوں کو معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ کا معاملہ ان کے خاص بندوں کے ساتھ وہ نہیں ہوتا جو ہم جیسوں کے ساتھ ہوا کرتا ہے، وہ ایسے واقعات کے انکار کی جرأت نہیں کرتے۔

تبلیغی جماعت کا فیضان: ایک سوال کا جواب

(س) آپ کی خدمت اقدس میں ایک پرچہ بنام "تبلیغی جماعت احادیث کی روشنی میں" جو طیبہ مسجد کے مولانا نے کسی شخص ریاض احمد کے نام سے بنوایا ہے پیش خدمت ہے اس میں منجملہ اور باتوں کے تیسری حدیث میں تحریر کیا ہے "انہیں جہاں پانا قتل کر دینا قیامت کے دن ان کے قتل کا بڑا اجر وثواب ہے۔" (بخاری جلد۲ ص۱۰۲۴)

ایک بات عرض خدمت ہے کہ واقعی بعض حضرات اس جماعت کے لیے بہت مشتعل ہو جاتے ہیں اور بجائے کسی اعتراض اور سوال کے جواب دینے کے یا قائل کرنے کے ہاتھا پائی اور حد یہ ہے کہ گالی گلوچ پر اتر آتے ہیں دوسرے یہ لوگ کافی حد تک صرف کتابیں پڑھنا اولین فرض سمجھتے ہیں مگر عملی زندگی میں اکرام مسلم وغیرہ سے تعلق نہیں، یہ سنی سنائی بات نہیں بلکہ میرا ذاتی مشاہدہ ہے۔

سب سے بڑی بات یہ ہے کہ لوگ برسہا برس لگالیں گے مگر چھ نکات سے آگے نہیں نکلتے اور صرف تبلیغی نصاب ہی پڑھتے ہیں، قرآن پاک سے استفادہ نہیں کرتے جب کہ مسلمان کے لیے قرآن کریم ہی سب کچھ ہے جس کی تشریحات احادیث نبوی سے ملتی ہیں، ان سے

جب قرآن پاک کا ذکر کرو تو وہ کہتے ہیں صحابہؓ نے پہلے ایمان سیکھا پھر قرآن اور یہ لوگ برسہا برس لگانے کے بعد بھی ایمان سکھاتے رہتے ہیں قرآن پر کبھی نہیں آتے بلکہ کئی لوگ اس پر مشتعل ہوگئے اور لڑنے لگے۔ گو میں تبلیغی جماعت سے تقریباً ۱۰ سال سے منسلک ہوں مگر کچھ عرصے سے میرا دل اس جماعت سے ہٹ سا گیا ہے، خصوصاً اب اس پرچے کی روشنی میں بالکل دوراہے پر کھڑا ہوں۔

براہِ کرم رہنمائی فرمائیں، اب اس پر تفصیلی روشنی ڈالیں تاکہ میں فیصلہ کرسکوں کہ کون سا راستہ ٹھیک ہے اور یہ احادیث کن لوگوں کے لیے ہے؟

(ج) تبلیغی جماعت کے بارے میں جناب ریاض احمد صاحب کا جو اشتہار آپ نے بھیجا ہے اس قسم کی چیزیں تو میری نظر سے پہلے بھی گذرتی رہی ہیں ان کا تو براہِ راست تبلیغی جماعت پر نہیں بلکہ علمائے دیوبند پر اعتراض ہے جس کو وہ ''دیوبندی فتنہ'' سے تعبیر کرتے ہیں۔ نعوذ باللہ! حالانکہ حضرات علمائے دیوبند سے اللہ تعالیٰ نے دینی خدمات کا جو کام گزشتہ صدی میں لیا ہے وہ ہر آنکھوں والے کے سامنے ہے۔ جو احادیث شریفہ ریاض احمد صاحب نے نقل کی ہیں شراحِ حدیث کا اتفاق ہے کہ وہ ان خوارج کے متعلق ہیں، جنہوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کے زمانہ میں ان کے خلاف خروج کیا تھا اور وہ حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ اور دیگر تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نعوذ باللہ برے الفاظ سے یاد کرتے تھے، علماءِ دیوبند کا یا تبلیغی جماعت کا ان سے رشتہ جوڑنا، اور خوارج کے بارے میں جو احادیث وارد ہوئی ہیں ان کو نہ صرف عام مسلمانوں پر بلکہ اکابر اولیاء اللہ (حضرت قطب العالم مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ، حضرت اقدس مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ، حضرت اقدس مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانیؒ، حضرت اقدس مولانا مفتی محمد شفیعؒ، حضرت اقدس مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ، حضرت شیخ مولانا زکریا مہاجر مدنیؒ وغیرھم) پر چسپاں کرنا نہایت ظلم ہے۔

ان اکابر کی زندگیاں علم نبوت کی نشر و اشاعت اور ذکر الٰہی کو قلوب میں راسخ کرنے میں گذریں، تمام فتنوں کے مقابلہ میں یہ حضرات سینہ سپر رہے اور دین میں کسی ادنیٰ تحریف کو

انہوں نے کبھی برداشت نہ کیا، یہ حضرات خود اتباعِ سنت کے پتلے تھے اور اپنے متعلقین کو رسول اللہ ﷺ کے اخلاق و آداب پر مر مٹنے کی تعلیم دیتے تھے۔ جن لوگوں کو ان اکابر کی خدمت میں حاضری کی کبھی توفیق عطا نہیں ہوئی وہ بیچارے جو چاہیں کہتے پھریں، لیکن جن لوگوں کو خود برسہا برس تک ان اکابر کی خفی و جلی محفلوں میں حاضری میسر آئی ہو وہ ان کے تمام احوال و کوائف کے چشم دید گواہ ہوں ان کو معلوم ہے کہ یہ حضرات کیا تھے؟ بہر حال کفار و منافقین کے بارے میں جو آیات و احادیث آئی ہیں ان کو ان اولیاء اللہ پر چسپاں کرنا ظلم عظیم ہے اور یہ ظلم ان اکابر پر نہیں، کہ وہ تو جس ذات عالی کی رضا پر مر مٹے تھے اس کی بارگاہ میں پہنچ چکے ہیں، ان کو اب کسی کی مدح و ذم کا کوئی فائدہ یا نقصان نہیں، جو لوگ ان اکابر پر طعن کرتے ہیں وہ خود اپنی عاقبت خراب کرتے ہیں اور اپنی جان پر ظلم کرتے ہیں۔ حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرت فاروقِ اعظمؓ کو لوگ کیا کیا نہیں کہتے؟ مگر لوگوں کی بدگوئی کا ان اکابر کو کیا نقصان ہے؟ یہ دونوں اکابر آج تک صحبت نبویؐ کے مزے لوٹ رہے ہیں۔ لیکن بدگوئی کرنے والوں کو اس سے بھی عبرت نہیں ہوتی۔ یہی سنت اکابر دیوبند میں بھی جاری ہوئی۔ یہ اکابر حق تعالیٰ شانہٗ کی رضا و رحمت کی آغوش میں جا چکے ہیں اور ان کی بدگوئی کرنے والے مفت میں اپنا ایمان برباد کر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کے حال پر رحم فرمائیں۔ رہا آپ کا یہ سوال کہ تبلیغی جماعت والے کسی سوال کا جواب دینے کی بجائے ہاتھا پائی یا گالی گلوچ پر اتر آتے ہیں ممکن ہے آپ کو ایسے لوگوں سے سابقہ پڑا ہو، لیکن اس ناکارہ کو قریباً چالیس برس سے اکابر تبلیغ کو دیکھنے اور ان کے پاس بیٹھنے اور ان کی باتیں سننے کا موقع ملا رہا ہے۔ میرے سامنے تو کوئی ایسا واقعہ پیش نہیں آیا۔

اور آپ کا یہ ارشاد کہ تبلیغ والے چھ نمبروں سے نہیں نکلتے اور دین کی دوسری مہمات کی طرف توجہ نہیں دیتے، یہ بھی کم از کم میرے مشاہدے کے خلاف ہے، ہزاروں مثالیں تو میرے سامنے ہیں کہ تبلیغ میں لگنے سے پہلے وہ بالکل آزاد تھے اور تبلیغ میں لگنے کے بعد انہوں نے نہ صرف خود قرآن کریم پڑھا، بلکہ اپنی اولاد کو بھی قرآن مجید حفظ کرایا اور انگریزی پڑھانے کی بجائے انہیں دینی تعلیم میں لگایا، دینی مدارس قائم کیے، مسجدیں آباد کیں، حلال و

حرام اور جائز و ناجائز کی ان کے دل میں فکر پیدا ہوئی اور وہ ہر چھوٹی بڑی بات میں دینی مسائل دریافت کرنے لگے، بہت ممکن ہے کہ بعض کچے قسم کے لوگوں سے کوتاہیاں ہوتی ہوں، لیکن اس کی ذمہ داری تبلیغ پر ڈال دینا ایسا ہوگا کہ مسلمانوں کی بداعمالیوں کی ذمہ داری اسلام پر ڈال کر نعوذ باللہ اسلام ہی کو بدنام کیا جانے لگا۔ جس طرح ایک مسلمان کی بدعملی یا کوتاہی اسلام پر صحیح عمل نہ کرنے کی وجہ سے ہے نہ کہ نعوذ باللہ اسلام کی وجہ سے اسی طرح کسی تبلیغ والے کی کوتاہی یا بدعملی بھی تبلیغ کے کام کو پوری طرح ہضم نہ کرنے کی وجہ سے ہوسکتی ہے، نہ کہ خود تبلیغی کام کی وجہ سے اور لائق ملامت اگر ہے تو وہ فرد ہے نہ کہ تبلیغ۔

آپ نے لکھا ہے کہ آپ تقریباً دس سال سے تبلیغ سے منسلک ہیں مگر اب آپ کا دل اس سے ہٹ گیا ہے، یہ تو معلوم نہیں کہ دس سال تک آپ نے تبلیغ میں کتنا وقت لگایا ہے تاہم دل ہٹ جانے کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ تبلیغ جیسے اونچے کام کے لیے اصولوں اور آداب کی رعایت کی ضرورت ہے، وہ آپ سے نہیں ہوسکی۔ اس صورت میں آپ کو اپنی کوتاہی پر توبہ واستغفار کرنا چاہیے اور یہ دعا بہت ہی الحاح وزاری کے ساتھ پڑھنی چاہیے۔

اللھم انی اعوذبک عن الحور بعدالکور، ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ ھدیتنا وھب لنا من لدنک رحمۃ انک انت الوھاب"

(آپ کے مسائل اور ان کا حل جلد ہشتم)

❁❁❁❁

''فضائل اعمال'' پر اعتراضات۔ایک اصولی جائزہ

تمہید: حامداً ومصلیاً: شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ کی شہرہ آفاق ومقبول ترین کتاب ''مجموعہ فضائل اعمال'' محتاج تعارف نہیں ہے، نو قیمتی کتابوں (حکایات صحابہؓ، فضائل نماز، فضائل قرآن مجید، فضائل رمضان، درود شریف، فضائل صدقات، فضائل حج) کا یہ مجموعہ ایک گنجینۂ علم معرفت اور مرقع درس عبرت ہے۔ دلوں میں شریعت مقدسہ اور اس کے احکام کی عظمت کا سکہ بٹھانے میں ایک لاجواب کتاب ہے، دعوت اسلامی کا فریضہ انجام دینے والے ہر عالم وغیر عالم کے ہاتھ میں ایک روشن قندیل ہے، جس کی روشنی میں راستہ کے نشیب وفراز سے باخبر ہوکر دعوتی سفر تیز رفتاری کے ساتھ طے کیا جاسکتا ہے، بالخصوص ایک عالم اور صاحب تحقیق کو تو اس کتاب کے ذریعہ متعلقہ مضامین پر نصوص قرآن وحدیث اور اقوال وآثار کا ایک وافر مواد ہاتھ آجانے کے علاوہ مشکل نصوص کے سمجھنے میں بے حد مدد ملتی ہے، کتاب کا ایک ایک لفظ، ایک ایک حرف نہ جانے اخلاص وللّٰہیت کی کس چاشنی میں ڈبویا ہوا ہے کہ جس نے بھی ایک بار چکھا دلدادہ وگرویدہ ہوئے بغیر نہ رہا، اور یہ امر واقعہ ہے کہ اس کتاب نے لاکھوں انسانوں کے دلوں میں انقلاب پیدا کردیا اور بقول حضرت مولانا سید ابوالحسن ندوی رحمۃ اللہ:

''ان (کتب فضائل) سے جو دینی وعملی نفع پہنچا اس کے بارے میں ایک ممتاز معاصر عالم یہ کہنا مبالغہ آمیز نہیں معلوم ہوتا کہ ان کتابوں کے ذریعہ ہزاروں بندگان خدا ولایت کے درجہ تک پہنچ گئے۔''
(ایک عالمی وبین الاقوامی کتاب فضائل اعمال)

آخر تو کوئی وجہ ہے کہ نو اعمال پر مشتمل یہ مجموعہ:

1: آج دنیا کی اکتیس زبانوں میں اس کے ترجمے ہوچکے ہیں۔

سعودی عرب، ہندوستان، پاکستان، بنگلہ دیش، افغانستان، ایران، ازبکستان، برما، ملیشیا، انڈونیشیا، انگلینڈ، افریقہ، امریکہ، کناڈا، ترکی، جاپان، زامبیا، سری لنکا، فرانس، فلپائن، کمبوڈیا، کینیا، پرتگال جیسے تئیس ممالک کے ایک سو پینتالیس محققین اور اہل علم ''فضائل اعمال'' کے علمی وتحقیقی خدمت اور اس کو دیگر زبانوں میں منتقل کرنے میں مصروف کار ہیں۔ (ایضاً: ص 21)

(۳) صرف ہندو پاک کی حد تک چوہتر (74) اشاعتی ادارے اس کتاب کو مسلسل شائع کر رہے ہیں۔
(۴) اس لیے بلا مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ مختلف زبانوں میں اس کے نسخوں کی مجموعی تعداد کروڑوں کے شمار سے باہر ہے۔

کتب فضائل پر ایک تاریخی نظر

حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ کی اس کتاب کا موضوع کوئی نیا نہیں، بلکہ عام کتب حدیث کے علاوہ مستقل طور سے دوسری صدی ہجری (جب کہ حدیث نبوی کی باضابطہ تدوین ابھی مکمل نہیں ہوئی تھی) میں آداب واخلاق، زہد ورقاق، اور فضائل وترغیب پر تصنیف کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا اور آج تک قائم ہے۔ کچھ تصنیفات حسب ذیل ہیں:

کتاب الزهد للام عبدالله بن المبارك (ت ۱۸۱ ھ)
فضائل القرآن للام الشافعي (ت ۲۰۴ ھ)
فضائل القرآن لابی عبید (ت ۲۲۴ھ)
کتاب الزهد للام احمد بن حنبل (ت ۲۴۱ھ)
الادب المفرد للام البخاري (ت ۲۵۶ ھ)
کتاب الاداب، کتاب الزهد، وفضائل الاوقات للام البهيقي (ت ۴۵۸ھ)
الترغيب والترهيب لابن شاهين (ت۳۸۵ ھ)
الترغيب والترهيب لابی القاسم اسماعيل بن محمد الاصفهانی (ت ۵۳۵ ھ)
الترغيب والترهيب للحافظ عبدالعظيم بن عبدالمقری المنذری (ت ۶۵۶ ھ)

اذکار اور دعاؤں میں

۱۲ ...... عمل اليوم والليلة للنسائی (ت ۳۰۳ھ)
۱۳ ...... عمل اليوم والليلة لابن الحسينی (ت۳۶۴ھ)
۱۴ ...... کتاب الدعاء للطبرانی (ت ۳۶۰ھ)
۱۵ ...... الدعوات الكبير للبيهقی، الاذکار للنووی (ت ۶۷۶ھ)

درود شریف اور اس کے مخصوص صیغوں کے فضائل پر حافظ شمس الدین سخاوی (ت ۹۰۲ھ) کی

"القول البدیع فی الصلاۃ علی الحبیب الشفیع"

وغیرہ زیادہ مشہور ہیں۔

اسی سلسلۃ الذہب کی ایک نمایاں کڑی شیخ الحدیث رحمہ اللہ کا مجموعہ "فضائل اعمال" ہے جو اردو زبان میں اپنی جامعت اور شرح وبسط کے اعتبار سے منفرد حیثیت رکھتا ہے۔

"مجموعہ فضائل اعمال" کی تالیف

یہ پوری کتاب جو "تبلیغی نصاب" یا "فضائل اعمال" کے نام سے مشہور ہے، حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ نے کسی منظم پروگرام کے پیش نظر تالیف نہیں فرمائی بلکہ مختلف ابواب وموضوعات پر یہ مختلف کتابیں ہیں، جو مختلف اوقات میں مختلف حضرات کے تقاضوں اور اصرار کے نتیجہ میں شیخ نے ترتیب دیں، ان کو جماعت تبلیغ کے ذمہ داران نے جماعتوں میں نکلنے والے احباب کی دینی تعلیم وتربیت کے واسطہ سے تجویز کر دیا، اسی لیے اس مجموعہ کو بعض ناشرین نے "تبلیغی نصاب" کے نام سے شائع کر دیا، بہت دنوں تک یہ نام چلتا رہا بعد میں اصل موضوع کی رعایت سے فضائل اعمال کے نام سے طبع ہونے لگا، ۹ کتابوں کے اس مجموعے کے مفردات کی تالیف اور محرکات کی تفصیل کچھ اس طرح ہے:

۱.....فضائل قرآن مجید:

اوائل ذی الحجہ ۱۳۴۸ھ میں اس کی تالیف شروع ہوئی اور ۲۹ ذی الحجہ ۴۸ھ کو مکمل ہوئی، حضرت اقدس مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے ایک خلیفہ تھے شاہ یٰسین صاحب نگینوی، انہیں کے ایماء اور خواہش پر یہ کتاب تصنیف کی گئی۔

۲.....فضائل رمضان:

یہ کتاب حضرت نے اپنے چچا جان مولانا محمد الیاس رحمہ اللہ بانیٔ تحریک تبلیغ کی فرمائش پر رمضان ۱۳۴۹ھ میں تالیف فرمائی، اور تکمیل ۲۷ رمضان المبارک کو ہوئی۔

۳.....فضائلِ تبلیغ:

یہ بھی چچا جان نور اللہ مرقدہٗ کے ارشاد پر لکھی گئی اور ۵ صفر شب دوشنبہ ۱۳۵۰ھ کو پوری ہوئی،

اس کی تالیف میں چند روز لگے۔

۴......حکایاتِ صحابہؓ:

صفر ۱۳۵۷ھ میں ''اجراڑہ'' جاتے ہوئے شیخ رحمہ اللہ کو میرٹھ میں شدید نکسیر پھوٹی اور تقریباً دو گھنٹے خون بہہ گیا، ڈاکٹروں اور حکیموں نے آپ کو چند ماہ تک دماغی کام کرنے سے بالکل منع کر دیا، ادھر تقریباً چار برس سے حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری نور اللہ مرقدہ کی طرف سے ''حکایاتِ صحابہؓ'' کی تالیف کا تقاضا تھا، شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اس بیماری کے زمانہ کو غنیمت جان کر تعمیل ارشاد میں پڑے پڑے کچھ لکھتا رہا اور ۱۲ شوال ۵۷ھ کو پوری ہوگئی۔''

۵......فضائل نماز:

یہ بھی چچا جان نور اللہ مرقدہ کے حکم کی تعمیل میں لکھی گئی اور ۷ محرم ۱۳۵۸ھ شب دوشنبہ میں پوری ہوئی۔

۶......فضائل ذکر:

یہ بھی چچا جان قدس سرہ ہی کی تعمیل ارشاد میں لکھی گئی اور ۲۶ شوال ۱۳۵۸ھ شب جمعہ کو پوری ہوئی۔

۷......فضائلِ حج:

حضرت جی مولانا محمد یوسف صاحب رحمہ اللہ کے شدید اصرار اور تقاضے پر یہ کتاب تالیف فرمائی، ۳ شوال ۱۳۶۶ھ کو اس کی ابتدا ہوئی اور ۱۴/ جمادی الاولیٰ ۶۷ھ بروز جمعہ اس سے فراغت ہوئی، اصل کتاب کی تالیف مرکز نظام الدین میں ہی رہ کر ہوئی، کیوں کہ ۴۷ھ کے قیامت خیز ہنگامہ کی وجہ سے شیخ کو چار ماہ مرکز نظام الدین میں محبوس ہونا پڑا تھا، شیخ فرماتے ہیں: ''نفس رسالہ سے فراغت تو شوال ہی میں ہوگئی تھی لیکن کچھ حکایات کا اضافہ سہارن پور واپسی پر ہوا۔'' اس رسالہ کی مقبولیت و افادیت اتنی بڑھی کہ شیخ فرماتے ہیں: ''ہزاروں خطوط اس نوع کے پہنچے کہ اس رسالہ سے حج وزیارت میں بہت لطف آیا۔''

۸......فضائل صدقات:

حضرت مولانا محمد الیاس رحمہ اللہ کی جانب سے دو کتابوں کے لکھنے کی تاکید تھی، ایک فضائل

زکوۃ اور دوسری فضائل تجارت، چنانچہ فضائل حج کی تکمیل کے بعد مرکز نظام الدین ہی میں شیخ نے فضائل صدقات کی بسم اللہ کر دی، جو ۲۲ صفر ۱۳۶۸ھ کو سہارن پور میں مکمل ہوئی۔

۹..... فضائل درود:

فضائل کے سلسلے کا یہ آخری رسالہ ہے اسے بھی شیخ نے شاہ یلیین نگینوی کی فرمائش اور خواہش پر تکمیل میں رقم فرمایا، شاہ صاحب کا انتقال تو ۳۰ شوال ۱۳۶۰ھ میں ہی ہو گیا تھا، لیکن آپ نے وصیت کی تھی کہ میرے انتقال کے بعد بھی مولانا زکریا سے اس کتاب کے لکھنے کا تقاضا جاری رکھا جائے۔ شیخ فرماتے ہیں:

''مگر بداعمالیوں نے مہلت نہ دی لیکن ۱۳۸۳ھ میں مدینہ پاک حاضری پر شدت سے اس کا تقاضا شروع ہوا، واپسی پر بھی تسائل ہوتا رہا اور ۲۵ رمضان ۸۴ھ کو بسم اللہ کر ہی دی اور ۶ ذی الحجہ ۸۴ھ کو دفعۃً ختم کر دی۔'' (آپ بیتی نمبر:۲۔ص:۱۷۸)

اللہ تعالیٰ نے ان کتب فضائل کو وہ مقبولیت عطا فرمائی کی محتاج بیان نہیں اور موافق و مخالف ہر ایک کو تسلیم ہے کہ کوئی بھی دینی کتاب اس کثرت سے نہیں پڑھی جاتی، جتنے کہ یہ رسائل پڑھے اور سنے جاتے ہیں، جس کی کچھ تفصیل اوپر گزر چکی ہے۔

دنیا کی ریت ہے کہ ہر پھلدار درخت پر ڈلے مارے جاتے ہیں، سورج جو اپنی بھرپور ضیاء پاشی سے عالم کو منور کرتا ہے، شپرہ چشم کو اس کی تابانی یکسر ناقابل برداشت ہوتی ہے، چنانچہ اس کتاب پر بھی مختلف حلقوں کی جانب سے اعتراضات کی بوچھاڑ ہوئی، طرح طرح کی نکتہ چینیاں کی گئیں، ہمیں اس حقیقت سے قطعاً انکار نہیں کہ روئے زمین پر خدا کی کتاب کے علاوہ کوئی کتاب نقص وخلل سے محفوظ نہیں، بڑے بڑے اصحاب علم سے ان کی گراں قدر تصنیفات میں کچھ نہ کچھ فروگذاشتیں ہوئی ہیں جو کتاب کی گوں ناگوں خوبیوں کے بالمقابل نہ کچھ حیثیت رکھتی ہیں اور نہ ہی علمی حلقوں نے کوئی حیثیت دی ہے۔

خلاصہ بحث

اس مقالہ میں اعتراضات کی بنیادی طور پر تین قسمیں قرار دی گئی ہیں۔

۱۔ اشکالات جو کسی طالب حق کو پیش آتے ہیں اور اہل علم سے رجوع کرنے پر تھوڑی بہت وضاحت سے ختم ہو جاتے ہیں، ظاہر ہے یہ اشکالات مستقل موضوع بحث بنانے کے لائق نہیں، اور نہ ہی ان اشکالات کا کوئی دیر پا اثر ہوتا ہے۔

۲۔ وہ اعتراضات جن کا تعلق اس عقلیت پسندانہ رجحان سے ہے، جو تمام ہی نصوص حدیث کو اپنی نام نہاد عقل سلیم کے خلاف قرار دے کر یا اپنی عقل نارسا کے بموجب قرآن سے معارض قرار دیتے ہوئے ٹھکرا دینے کا قائل ہے، خواہ ثبوت و استناد کے اعتبار سے ان کی حیثیت کتنی ہی مضبوط ہو اور خواہ علماء امت نے اس کی کتنی ہی معقول توجیہات کی ہوں، چنانچہ اس کی کئی ایک مثالیں دے کر اختصار کے ساتھ مدلل طور سے اعتراض کو دفع کیا گیا ہے۔

۳۔ وہ تنقیدات جن کی حیثیت علمی ہے اور ان میں بعض پہلوؤں سے وزن بھی محسوس کیا جاتا ہے، ان تنقیدات کا محور یہ ہے کہ مجموعہ ''فضائل اعمال'' میں شیخ الحدیث رحمہ اللہ نے کثرت سے ضعیف بلکہ موضوع حدیثوں کو داخل کر دیا ہے، جس سے اصل دین کی شبیہ مسخ ہو کر رہ گئی ہے۔

اس طرح کی تنقیدات کے جواب کو اصولی طور پر تین نکتوں پر تقسیم کیا گیا ہے۔

۱۔ مجموعہ فضائل اعمال کی معتبریت اس کے مصادر و مآخذ کے آئینے میں کیا ہے؟

۲۔ حدیثوں سے استدلال و استشہاد کے وقت کیا اصلاحی اعتبار سے ان کا صحیح ہونا ضروری ہے یا اس سے کم تر درجہ کی حدیثیں بھی کافی ہیں؟ اگر ہیں تو کس حد تک؟ علمائے امت کا کیا معمول رہا ہے؟

۳۔ ترغیب و ترہیب کے باب میں نصوص قرآن وسنت کے علاوہ بزرگوں کے اقوال، افعال، حکایات اور منامات و مبشرات کا سہارا لینا درست ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو کس حد تک؟

پہلے نکتے میں ثابت کیا گیا ہے کہ شیخ رحمہ اللہ نے جن کتابوں اور مآخذ کی مدد سے یہ رسائل مرتب فرمائے ہیں وہ علاوہ چند ایک کے، سب بجائے خود قابل اعتماد اور اہل علم کے درمیان مقبول و مستند قرار دی جاتی رہی ہیں اور جو مآخذ غیر مستند ہیں، ان سے استفادہ کی نوعیت بھی واضح کر دی گئی ہے، جس سے فضائل اعمال کی معتبریت متاثر نہیں ہوتی۔

دوسرے نکتے میں ٹھوس دلائل کی روشنی میں ثابت کیا گیا ہے کہ حدیثوں سے استدلال کے لیے ان کا اصلاحی اعتبار سے صحیح یا حسن ہونا ضروری نہیں، بلکہ ضعیف حدیث بھی کافی ہوتی ہے، باب احکام

میں بھی اور فضائل، مناقب، سیر اور ترغیب وترہیب میں بھی۔

پھر باب احکام میں اس کا اعتبار کیے جانے پر چاروں مذاہب کے فقہاء کرام، محدثین اور ظاہریہ سب کی تصریحات پیش کی گئی ہیں۔

باب احکام کے ۱۱۰۰ میں ضعیف حدیث پر عمل کرنے اور بیان کرنے کے جواز پر امت کا اجماع اہل علم کی عبارتوں اور ان کے طرز عمل سے ظاہر کیا گیا ہے، حتیٰ کہ جن بڑے اہل علم کی جانب اس سلسلہ میں اختلاف منسوب کیا جاتا ہے ان کی آراء بھی جمہور کے مطابق ہیں اور اس پر مضبوط ثبوت پیش کیے گئے ہیں، مثلاً امام بخاری، مسلم، یحیٰ بن معین، ابوبکر بن عربی، ابوشامہ مقدسی، شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور علامہ شوکانی ان حضرات کا مذہب بھی جمہور کی طرح غیر احکام میں ضعیف حدیث کے قابل قبول ہونے کا ہے۔

خصوصیت سے امام بخاری و مسلم کے صحیحین میں ان کے طرز عمل سے بھی یہ حقیقت آشکارا ہوتی ہے اور اس کی مثالیں بھی پیش کی گئی ہیں۔

اس ضمن میں ''فضائل اعمال'' میں ضعیف حدیث سے استدلال وعمل کے شرائط پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے اور محدثین وفقہائے امت کے طرز عمل سے واضح کیا گیا ہے کہ ضعیف حدیث کی استدلالی حیثیت پر گفتگو کے وقت فضائل اعمال کا اطلاق یہ حضرات ایسے موقع پر کرتے ہیں، جہاں کوئی مخصوص عمل کسی دلیل صحیح یا حدیث حسن سے ثابت نہ ہو۔ بلکہ صرف کسی ضعیف حدیث میں اس کی فضیلت یا ترغیب وارد ہوئی ہو، چنانچہ چند شرائط کے ساتھ اس عمل کو مستحب قرار دیتے ہیں اور ترغیب وترہیب کا اطلاق ایسے موقع پر کرتے ہیں جہاں کوئی عمل پہلے سے دلیل صحیح سے ثابت نہ ہو، البتہ کسی ضعیف حدیث میں اس کی مخصوص فضیلت وغیرہ وارد ہوئی ہو تو اس میں ضعیف سے ضعیف حدیث بیان کرنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے، بشرطیکہ موضوع نہ ہو۔

اس کے بعد باب ترغیب وترہیب میں ضعیف (بلکہ بعض وہ حدیثیں جن پر بعض حضرات نے موضوع تک کا حکم لگایا ہے) کے بیان کرنے او تدلال کرنے کا تعامل مشہور ائمہ محدثین اور ناقدین کے حوالہ سے دکھایا گیا ہے، ان میں خصوصیت سے ابن جوزی، منذری، نووی، ذہبی، ابن حجر عسقلانی، سیوطی، ابن قیم رحمۃ اللہ قابل ذکر ہیں، جنہوں نے ترغیب وترہیب کے لیے انتہائی درجہ کی ضعیف حدیثوں کو اپنی کتابوں میں بطور استدلال پیش کیا ہے، اس کی چند ایک مثالیں بھی پیش کی گئی ہیں، لہٰذا اگر شیخ نے بھی انتہائی ضعیف حدیثیں

اس مقصد کے لیے پیش کردیں، تو طریقۂ محدثین سے جداگانہ کوئی طریقہ اختیار نہیں کیا۔

تیسرے نکتے میں واضح کیا گیا ہے کہ عبرت پذیری کے لیے قصے کہانیوں کا بیان کرنا کوئی قبیح عمل نہیں ہے، جس کے شیخ مرتکب ہوئے ہوں، بلکہ شریعت مطہرہ اور حدیث نبوی کی روشنی میں ان قصوں کا ذکر کرنا دائرہ جواز میں آتا ہے، ضمناً بعض قصوں کے استبعادی پہلو پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔

(مولانا عبداللہ معروفی استاذ دارالعلوم دیوبند)

اعتراضات اور ان کی حیثیت

اس کتاب پر جو اعتراضات ہوئے ان کی جزئیات میں جانے کا موقع نہیں، اصولی طور سے کچھ معروضات پیش خدمت ہیں، ان اعتراضات کی تین قسمیں ہیں:

نمبر ا:...... وہ اشکالات جو کسی طالب حق کو پیش آتے ہیں اور اس کا ذہن تھوڑی بہت وضاحت سے صاف ہو جاتا ہے، حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کی وضاحتی خطوط کے مجموعہ "کتب فضائل پر اشکالات اور ان کے جوابات" میں اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ مثلاً دیکھئے مکتوب نمبر: ١١، جس میں حضرت امام شافعیؒ کے متعلق دن رات میں قرآن کریم کے ساٹھ ختم کرنے کی بات پر استبعاد کا جواب دیا گیا اور مکتوب نمبر: ١٢...... جس میں منبر نبویؐ کے متعلق اس استفسار کا جواب ہے کہ آنحضرت ﷺ کا منبر تین درجوں کا تھا یا اس سے کم و بیش کا۔

نمبر ٢:...... وہ اعتراضات جن کا تعلق اس عقلیت پسندانہ رجحان سے ہے جو تمام ہی نصوص حدیث کو اپنی نام نہاد عقل سلیم کے خلاف قرار دے کر یا اپنی عقل نارسا کے بموجب قرآن سے معارض قرار دیتے ہوئے ٹھکرا دینے کے قائل ہیں، خواہ ثبوت و استناد کے اعتبار سے ان کی حیثیت کتنی ہی مضبوط ہو اور خواہ علمائے امت نے اس کی کتنی ہی معقول توجیہات کی ہوں، جیسے:

(1)...... فضلات نبی ﷺ کی طہارت پر اعتراض، جناب تابش مہدی نے "تبلیغی نصاب ایک مطالعہ" (ص: ٣٥ تا ٣٩) میں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور حضرت مالکؓ بن سنان کے رسول اللہ ﷺ کے نکلے ہوئے خون کو پینے یا چوسنے کے واقعہ اور اس سے فضلات نبی ﷺ کی طہارت پر شیخ کے استدلال کا بڑے گھناؤنے انداز میں مذاق اڑایا ہے، حالاں کہ اولاً تو ثبوت کے اعتبار سے اس طرح کے واقعات

میں شک کی گنجائش نہیں ہے کہ حضرت ابن الزبیرؓ کا واقعہ متعدد سندوں سے مروی ہے۔ (دیکھئے: مستدرک حاکم ۳۔۵۵۴ مجمع الزوائد ۸۔۲۷۰)

امام بیہقیؒ نے سنن کبریٰ (۷۔۶۷) میں فرمایا:

"وروی ذلک من اوجسه اخسر عن اسماء بنت ابی بکر، وعن سلمان فی شرب ابن الزبیر دمه" حافظ ہیثمی نے فرمایا: "رواه الطبرانی والبزار، ورجال البزار رجال الصحیح غیر هنید بن القاسم وهو ثقة، حافظ شمس الدین ذهبی نے بهی" سیر اعلام النبلاء" (۳۶۶/۳)

میں اس پر صحت کا حکم لگایا ہے۔

اسی طرح حضرت مالک بن سنان کا واقعہ ابن حجر رحمہ اللہ نے الاصابہ (۳۴۶/۳) میں ابن ابی عاصم، صحیح ابن السکن اور سنن سعید بن منصور کے حوالے سے نقل کی ہے، لیکن بے چارے ناقد نے حکایات صحابہؓ میں صرف تاریخ الخمیس اور قراۃ العیون کا حوالہ پاکر اس کو "میلاد گوہر" اور "یوسف زلیخا" جیسی کتاب کی روایت قرار دے دیا۔

نیز آیت قرآنی

(انما حرم علیکم المیتة والدم......الخ)

کے منافی قرار دیتے ہوئے عقل صریح کے بھی خلاف قرار دیا ہے حالاں کہ روایات کی قوت کو دیکھتے ہوئے مذاہب اربعہ کے محققین نے اس کا حضور ﷺ کی خصوصیت قرار دیا ہے۔ آیت کریمہ کا کوئی ٹکراؤ نہیں ہے سرے سے اس مسئلہ پر تفصیلی ومحققانہ کلام کے لیے دیکھئے مضمون مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ ماہنامہ بینات کراچی بابت ماہ شوال ۱۴۰۹ھ۔

(2)......مسئلہ توسل میں حد درجہ افراط وتفریط پایا جاتا ہے، ادلۂ شرعیہ کی روشنی میں علمائے دیوبند نے جو مؤقف اختیار کیا ہے وہ انتہائی معتدل ہے، حضور ﷺ کے وسیلے سے دعا کے جواز کے سلسلہ میں حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ نے فضائل اعمال میں جو کچھ لکھا ہے افراط وتفریط سے محفوظ اور مضبوط دلائل پر مبنی ہے، "فضائل ذکر" باب دوم کی فصل نمبر ۳ میں حدیث

"عن عمرؓ قال قال رسول الله ﷺ لما اذنب آدم الذنب الذی اذنبه، رفع

راسه الی السماء، فقال اسئلک بحق محمدالا غفرت لی، فاوحی الله الیه ......الخ"
متعدد کتب احادیث کے حوالے اور کئی ایک متابعات وشواہد کے ساتھ درج ہے، جس سے مسئلہ توسل بخوبی ثابت ہوتا ہے۔

مگر کوئی صاحب غیظ وغضب میں بھرا ہوا خط شیخ کو لکھتے ہیں کہ یہ حدیث سراسر موضوع ہے، قرآن کریم کی آیات

"وقال ربکم ادعونی استجب لکم ......الخ (مؤمن ۶۰)

"واذا سالک عبادی عنی فانی قریب"

وغیرہ کے منافی ہے اور عقل کے بھی خلاف ہے کہ اس دعا سے اللہ کے متعلق سوئے ظن پیدا ہوتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ شیخ رحمہ اللہ نے نہایت ٹھنڈے انداز میں تفصیلی جواب مرحمت فرمایا کہ آپ کو تو قرآن وحدیث میں کھلا ہوا تعارض نظر آتا ہے اور مجھے اس کا واہمہ بھی نہیں ہوتا، آپ نے لکھا کہ حدیث موضوع ہے، مجھے اب تک بھی اس حدیث کا موضوع ہونا کہیں نہیں ملا۔ مسئلہ کے متعلق مزید تسلی وتشفی کے لیے دیکھئے وضاحتی خطوط کا مجموعہ (کتب فضائل پر اشکالات اوران کے جوابات ص ۱۳۹ تا ۱۵۴، نیز ص ۱۷۰ تا ۱۷۴)

(۳)...... وہ تنقیدات جن کی حیثیت علمی ہے اوران میں بعض پہلوؤں سے وزن بھی محسوس کیا جاتا ہے، ان تنقیدات کا محور مجموعہ "فضائل اعمال" کی حدیثوں کی استنادی حیثیت ہے یعنی ناقدین کے بقول شیخ الحدیث رحمہ اللہ نے ان رسائل میں کثرت سے ضعیف بلکہ موضوع حدیثوں کو داخل کردیا ہے، جس سے اصل دین کی شبیہ مسخ ہوکر رہ گئی ہے۔

آخرالذکر دونوں قسم کی تنقیدات عموماً مخلصانہ تنقید کی بجائے ایسے لوگوں کی جانب سے کی گئی ہیں، جو مؤلف رحمہ اللہ سے مسلکی اختلاف رکھتے ہیں، چنانچہ ان کی تنقیدات حد درجہ جارحانہ ہیں، اپنے نظریہ کے خلاف احادیث پر ٹھنڈے دل سے غور کرنے کے بجائے ان کی طرف سے کتاب، مصنف اور کتاب سے استفادہ کرنے والوں پر کھل کر تہمتوں کی بوچھاڑ کی گئی ہے۔

(۱) ملاحظہ ہو ایک ناقد کا لب ولہجہ

— واهم کتاب عند التلغیین کتاب "تبلیغی نصاب" الذی الفه رئوسائهم

المسمیّ محمد زکریا الکاندھلوی، ولھم عنایة شدیدة بھذاالکتاب، فھم یعظمونه کما یعظم اھل السنة، "الصحیحین" وغیرھما من الکتب، وقدجعل التبلیغیون ھذا الکتب عمدة، ومرجعاًللھنود وغیرھم من الاعاجم التابعین لھم، وفیه من الشرکیات، والبدع، والخرافات، والاحادیث الموضوعة، والضعیفة شیء کثیر، فھو فی الحقیقه کتاب شر و ضلال وفتنة" (محمود بن عبدالله التویجری فی کتابه "القول اللبلغ فی التحذیر من جماعة التبلیغ ص: ۱۱)

یعنی تبلیغی جماعت والوں کے نزدیک اہم ترین کتاب تبلیغی نصاب (مجموعہ فضائل اعمال) جس کو محمد زکریا نامی ان کے کسی پیشوا نے تالیف کیا ہے، یہ لوگ اس کتاب کی اسی طرح تعظیم کرتے ہیں، جس طرح اہل سنت صحیحین وغیرہ کتب حدیث کی کرتے ہیں، ان لوگوں نے اس کتاب کو ہندوستانیوں اور دوسرے عجمی وابستگان تبلیغ کے حق میں اصل مدار اور مرجع کی حیثیت دے رکھی ہے، جب کہ اس کتاب میں مشرکانہ اعمال، بدعات وخرافات اور ضعیف وموضوع حدیثوں کی ایک بڑی مقدار ہے، درحقیقت یہ کتاب برائی، گمراہی اور فتنہ کا پلندہ ہے۔

(۲) ملاحظہ ہو ایک اور صاحب کی گل افشانی

"یہودیوں کی سازش یہ رہی ہے کہ وہ عالمی سطح پر مسلمانوں کے اندر سے روح جہاد ختم کردیں، اپنے اس مقصد کی تکمیل کے یہودی مشن نے ہر دور میں علماء اور مذہبی جماعتوں کو ہی استعمال کیا اور مسلمانوں کے اندر سے روح جہاد کو ختم کرنے میں اب تک کے تمام لٹریچر میں تبلیغی نصاب کو نمایاں مقام حاصل ہے، یہ اس لیے بھی کہ لوگ اسے حدیث کی کتاب کہنے لگے ہیں، جب کہ حدیث نام کی کوئی چیز اس میں مشکل ہی سے مل پاتی ہے۔" (تبلیغی نصاب ایک مطالعہ، ص: ۵۷ از تابش مہدی)

(۳) یہی صاحب ایک جگہ ارشاد فرماتے ہیں:

"حضرت شیخ الحدیث صاحب نے اپنی کتاب میں بے سند اور دین سوز روایتیں نقل کی ہیں، یا انہوں نے چند ایسے مشاغل دین میں شامل کیے ہیں جن کا ثبوت نہ احادیث نبوی سے ملتا ہے اور نہ صحابہ کرامؓ کی مقدس زندگیوں سے۔" (ایضاً ص: ۶۷)

(۴) ایک ناقد صاحب قدرے ٹھنڈے لب ولہجہ میں ناصحانہ تبصرہ یوں فرماتے ہیں:

''ایسی حدیثوں کو عوام کے سامنے پیش کر کے یہ تاثر دینا کہ ارشادات رسولؐ ہیں، دین کے لیے کمزور بنیادیں تلاش کرنے، اور لوگوں کی نظروں میں دین کو مشتبہ بنا دینے کا باعث ہے، اس سے بدعات کی راہیں کھلتی ہیں، ملت کے اندر تفرقہ بندی اور طرح طرح کے فتنوں کا سامان ہوتا ہے۔'' (موضوع اور ضعیف حدیثوں کا چلن۔ ص:۱۲۰۔ زشمس پیرزادہ)

بات چاہے کتنی ہی غلط ہو، آج کی پر آشوب دنیا پروپیگنڈے کے زور سے غلط یا صحیح باور کرانے میں کسی نہ کسی حد تک کامیاب ہو ہی جاتی ہے، ہمارے نزدیک ان تنقیدات کی حیثیت سوائے تشکیکات کے اور کچھ نہیں اور یہ تشکیکات عام قاری کے سامعہ ودماغ میں جب تسلسل کے ساتھ پہنچتی ہیں تو وہ ایک حد تک ضرور متاثر اور غلط فہمی کا شکار ہوتا ہے، اس لیے ہم اصولی طور پر کچھ غلط فہمیوں کا ازالہ کرنے کی کوشش کریں گے۔

ہمارے سامنے غور وخوض کے تین نکتے ہیں

(۱) ''مجموعہ فضائل اعمال'' کی معتبریت اس کے مصادر وماخذ کے آئینے میں کیا ہے؟

(۲) حدیثوں سے استدلال واستشہاد کے وقت کیا اصلاحی اعتبار سے ان کا صحیح ہونا ضروری ہے؛ یا اس سے کم تر درجہ کی حدیثیں بھی کافی ہیں؟ اگر ہیں تو کس حد تک؟ علمائے امت کا کیا معمول رہا ہے؟

(۳) ترغیب وترہیب کے باب میں نصوص قرآن وسنت کے علاوہ بزرگوں کے اقوال، افعال، حکایات اور منامات ومبشرات کا سہارا لینا درست ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو کس حد تک؟

پہلا نکتہ:

پوری کتاب پر سرسری نظر ڈالنے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ براہ راست جن مصادر وماخذ سے حضرت شیخ نے استفادہ کیا ہے، ان کی تعداد ایک سو سے متجاوز ہے، کسی بھی باب کا آغاز ان قرآنی آیات سے فرماتے ہیں، جن سے زیر بحث موضوع پر صراحتاً، دلالتاً، یا اشارتاً روشنی پڑتی ہو، پھر مختلف کتب تفسیر وغیرہ کی ورق گردانی کے بعد ان کی مناسب تشریح وتوضیح فرماتے ہیں، اس سے زیادہ تر اعتماد تفسیر ابن

کثیر اور حافظ سیوطی کی الدر المنثور پر ہوتا ہے، جو تفسیری روایات کے اہم و مستند مجموعے ہیں۔ پھر احادیث کے انتخاب میں عموماً درج ذیل کتابوں پر اعتماد فرماتے ہیں:

ا...... الترغیب والترہیب للحافظ عبدالعظیم بن عبدالقوی المنذری (ت ٦٥٦ ھ) شروع سے آخر تک دیکھتے جائیے سب سے زیادہ حدیثیں اسی کتاب سے شیخ نے لی ہیں، اس لیے "فضائل اعمال" کی کسی حدیث پر تنقید جو ترغیب منذری سے ماخوذ ہو، درحقیقت حافظ منذری رحمہ اللہ پر تنقید ہوگی۔

حافظ منذری کی حدیث میں مہارت تامہ کی تعریف حافظ ذہبیؒ نے کی ہے، منذری کے شاگرد حافظ عزالدین الحسینی (ت ٦٩٥ ھ) کی زبانی ان کے مقام و مرتبہ کو سنیے، فرماتے ہیں:

"کان عدیم النظیر فی معرفة علم الحدیث علی اختلاف فنونه، عالماً بصحیحه، وسقیمه ومعلومه، متبحراً فی معرفة احکامه ومعانیه ومشکله، قیما بمعرفة غریبه واعرابه، واختلاف الفاظه، ماهراً فی معرفة رواته وجرحهم وتعلیهم ووفیاتهم وموالیدهم واخبارهم، اماماً حجة، ثبتاً، ورعاً، متحریاً، فیما یقوله وینقله، مشتباً فیما یرویه ویتحمله اه" (مقدمة جواب الحافظ المنذری للاستاذ الشیخ ابو غدة، ص ٢٩ نقلاً عن کتاب "المنذری و کتابه التکلمة لوفیات النقلیه للدکتور بشار عواد)

یعنی تمام علوم حدیث کی معرفت میں اپنی نظیر آپ تھے، حدیثوں میں صحیح، ضعیف، معلل کے شناور تھے، حدیثوں کے معنی، ان کے مدلول فقہی، مشکل کلمات کے ضبط، متعارض و مختلف الفاظ حدیث میں تطبیق و ترجیح کے ماہر، راویان حدیث کی جرح و تعدیل، ان کے حالات، ولادت و وفات کی معرفت تامہ رکھتے تھے، بذات خود ثقہ، حجت اور متقی تھے، جو کچھ نقل کرتے، پوری چھان پھٹک کے بعد کرتے۔

ترغیب و ترہیب میں مصنف نے (30) امہات کتب حدیث سے انتخاب کیا ہے، جس میں صحیح، حسن، ضعیف، واہی، ہر طرح کی حدیثیں جمع کی ہیں، بلکہ بعض حدیثوں پر بعض حضرات نے وضع کا حکم بھی لگایا ہے، یہ کتاب آپ نے اپنے بعض زاہد صفت اور عملی ترقی کے خواہش مند طلبہ کے اصرار پر ان کے حسن نیت اور اخلاص کو دیکھتے ہوئے لکھی اور انہیں خیال تک نہ گذرا کہ کہیں روح جہاد ان سے ختم نہ ہو جائے، ان کا عقیدہ فاسد نہ ہو جائے اور یہ صرف مسجد کے لوٹے بن اپنا دین و دنیا برباد نہ کرلیں،

کتاب کے مشمولات کی استنادی حیثیت جاننے کے لیے مصنف کی درج ذیل عبارت بغور پڑھیے:

"فان كان الحديث صحيحاً او حسناً او فاربهما، صدرته بلفظه عن و كذالک ان كان مرسلاً او منقطعاً او معصلاً او فى اسناده راوٍمنهم او ضعيف و ثق، او ثقة ضعف، وبقية رواة الاسناد ثقات، او فيهم كلام لايضر، او روى مرفوعاً، والصحيح وقفه، او متصلاً، والصحيح ارساله، او كان اسناده ضعيفاً لكن صححه، او حسنه بعض من خرجه، ثم اشير الى ارساله، او انقطاعه او عضله او ذلک الراوى المختلف فيه، واذا كان فى الاسناد من قيل فيه، كذاب او وضاع، اومتهم، او مجمع على تركه او ضعفه، او ذاهب الحديث، او هالک او ساقط او ليس بشىء، او ضعيف جداً، او لم ارفيه توثيقاً بحيث لاينطرق اليه احتمال التحسين، صدرته بلفظة، روى ولا اذكر ذلک الراوى، ولا ماقيل فيه"

یعنی مصنف کے نزدیک جو صحیح، حسن یا ان دونوں کے قریب ہوتی ہے، اس کو تو "عن" کے ذریعہ شروع کرتے ہیں، جو اس بات کی علامت ہے کہ حدیث قابل عمل ہے، اسی طرح یہ علامت ان حدیثوں پر بھی لگاتے ہیں جن کی سند مرسل، منقطع یا معضل ہو، یا اس کا کوئی راوی نام کے بغیر مبہم طور پر مذکور ہو، یا جمہور کے نزدیک ضعیف ہو، بعض نے اس کو ثقہ قرار دیا ہو، یا جمہور کے نزدیک ثقہ ہو، بعض نے اس کو ضعیف ٹھہرایا ہو، جب کہ سند کے بقیہ رجال ثقہ ہوں یا ان پر ایسا کلام ہو جو مضر نہ ہو، ان تمام صورتوں میں حدیث کو "عن" سے شروع کرنے کے بعد ان کی علتیں ذکر کرتے ہیں۔

"اور اگر سند میں کوئی ایسا راوی ہو جس کو ائمہ جرح وتعدیل نے کذاب، وضاع، مہتم یا متفقہ طور سے ضعیف یا متروک کہا ہو، یا ذاھب الحدیث، ھالک ساقط، لیس بشی ء، ضعیف جداً" وغیرہ کے الفاظ کہے ہوں، یا مصنف کو دیکھنے میں حدیث کی تحسین کا کوئی امکان نہ ہو تو اس وقت اس حدیث کو ذکر کرتے وقت "روی عن" (صیغہ مجہول) سے تعبیر کرتے ہیں اور کوئی تبصرہ نہیں کرتے۔ گویا ضعف کی دو علامتیں ہیں، ایک "روی" (صیغہ مجہول) کی تعبیر، دوسری مصنف کی خاموشی۔

دیکھئے اول الذکر صورتوں میں کئی ایک موجب ضعف ہیں، لیکن حافظ منذری ترغیب وترہیب

میں ان کو نقصان دہ نہیں مانتے، اور مؤخر الذکر کو انتہائی ضعف کے باوجود ضعف کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ایک حد تک باب ترغیب وترہیب میں مؤثر مان کر ذکر کر دیتے ہیں، شیخ رحمہ اللہ بھی بالکل اسی کے نقش قدم پر چلتے ہوئے شدید ضعف والی حدیثوں کو ''روی عن'' سے تعبیر کرتے ہیں۔ جیسا کہ مثال آرہی ہے۔

شیخ محمد عبدالحی الکتانی اپنے رسالہ

''الرحمة المرسلة فی شان حديث البسمله''

میں حافظ سیوطی کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ:

''اذا علمتم بالحديث انه فی تصانيف المنذری صاحب الترغيب والترهيب، فاروره مطئنين'' (كما فی تعليق الشيخ ابو غدةؒ علی الاجوبة الفاضلة ص: ۱۲۱)

اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ حافظ منذری اگر کسی حدیث پر اعتماد کریں تو قابلِ اعتماد ہے۔

۲..... حافظ منذری نے اگر حاکم کا حوالہ دیا ہوتا ہے تو شیخ براہِ راست مستدرک اور اس پر حافظ ذہبی کا نوٹ بھی ملاحظہ فرما کر درج کرتے ہیں۔

۳..... حافظ منذری کسی حدیث کو احمد، طبرانی، ابویعلیٰ اور بزار کے حوالے سے اگر نقل کرتے ہیں تو شیخ اسی پر اکتفا کرنے کے بجائے حافظ ہیثمیؒ (ت ۸۰۷ھ) کی ''مجمع الزوائد'' کی طرف بھی مراجعت فرماتے ہیں، کیوں کہ اس کتاب میں احمد، بزار اور ابویعلیٰ کے مسانید اور طبرانی کے معاجم ثلاثہ کے زوائد کو جمع کرنے کے ساتھ ان کی اسنادی حیثیت پر بھی کلام کیا گیا ہے، چنانچہ شیخ وہاں سے اختلاف الفاظ اور ہیثمیؒ کا کلام نقل فرماتے ہیں۔

۴..... اسی طرح حافظ سیوطی کی جامع صغیر سے بکثرت نقل فرماتے ہیں، جو مختصر متون حدیث کا انتخاب صحیحین سمیت تقریباً ۳۰ امہات کتب سے کیا گیا ہے اور حدیثوں کے درجات صحیح، حسن، ضعیف کی نشاندہی رموز کے ذریعہ کی گئی ہے۔ چنانچہ شیخ اس سے نقل کرتے وقت ''ورقم لہ بالصحۃ'' وغیرہ کی تعبیر اختیار کرتے ہیں۔

۶/۵..... کتب صحاح وسنن کا مشہور ومتداول مجموعہ مشکوۃ المصابیح اور جمع الفوائد (جو چودہ کتب حدیث کا مجموعہ ہے) سے بھی گاہ بہ گاہ انتخاب کرتے ہیں۔

۷..... فضائل درود میں خاص طور سے زیادہ انحصار حافظ شمس الدین سخاوی (ت ۹۰۲ھ) کی

"القول البديع فی الصلاة علی الحبيب الشفيع"

پر ہے اور حافظ سخاوی اپنے ذوق تنقید، وسعت نظر اور اعتدال پسندی میں ممتاز ہیں۔ ان کی کتاب "المقاصد الحسنة" لوگوں میں رائج اور زبان زد حدیثوں کی تحقیق میں مرجع ہی نہیں، بلکہ عمدۃ المراجع کی حیثیت رکھتی ہے۔

مذکورہ بالا معروضات سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہوگئی کہ مجموعہ فضائل اعمال اپنے حدیثی مآخذ کے اعتبار سے معتبر کتاب ہے۔

ایک خلجان

البتہ ایک خلجان ہنوز باقی ہے کہ حضرت شیخ رحمہ اللہ آیات واحادیث کی تشریح کے ذیل میں بکثرت ایسی کتابوں کے حوالے سے احادیث وآثار نقل کرتے ہیں جن کی استنادی حیثیت کمزور ہے اور ان میں موضوعات کی کثرت ہے، نیز وہ حدیثیں دوسری مستند کتب میں نہیں ملتیں، مثلاً فقیہ ابواللیث سمرقندی کی "تنبیہ الغافلین" (جس کے متعلق حافظ ذہبی نے فرمایا: "فیہ موضوعات کثیرۃ" سیر اعلام النبلاء ۱۶/۳۲۳)

یا جیسے "قرۃ العیون" (جس کو شیخ نے تو جگہ جگہ ابواللیث ہی کی طرف منسوب کیا ہے، لیکن مجھے کافی تلاش کے باوجود ان کی اس نام کی کوئی کتاب نہیں ملی۔ بلکہ یہ کتاب درحقیقت شیخ ابوبکر الاحسائی کی ہے، جو حافظ ابن الجوزی کی کتاب "التبصرۃ" کی تلخیص واختصار ہے۔ پورا نام "قرۃ العيون المبصرة بتلخيص كتاب التبصرة" ہے)، بہرکیف اس میں بھی موضوعات کی تعداد خاصی ہے یا جیسے امام غزالی کی احیاء العلوم (جس میں موضوعات کی تعداد اتنی ہے کہ علامہ تاج الدین سبکیؒ نے طبقات الشافعیہ الکبریٰ (۴/۱۴۵) میں اس کی بے اصل روایات کو بیان کرنا شروع کیا تو یہ سلسلہ ۳۸ صفحات تک پہنچ گیا، یا جیسے ابن حجر عسقلانیؒ سے منسوب "المنبہات" (جس کا حافظ کی طرف انتساب محتمل ہے) اس کتاب میں بھی موضوعات کی کثرت ہے۔ اس خلجان کا ازالہ اگلے نکتے میں خود بخود ہوگا۔

مئویدات وشواہد کا اہتمام

واضح رہے کہ روایت میں اگر ضعف ہوتا ہے تو کئی ایک مصادر کو کھنگال کر اس کے شواہد ومئویدات

جمع کرنے کی کوشش کرتے ہیں، جن کی مجموعی حیثیت اس مضمون کو وزنی بنادیتی ہے۔ مثلاً:

روی انه علیه الصلاة والسلام قال: من ترک الصلوٰة حتیٰ مضی وقتها، ثم قضیٰ عذب فی النار حقباً، والحقب ثمانون سنة، والسنة مائة وستون یوماً، کل یوم کان مقداره الف سنة، کان فی مجالس الابرار ،قلت: لم اجده فیما عندی من کتب الحدیث، الا ان مجالس الابرار مدحه شیخ مشائخنا الشاه عبدالعزیز الدهلوی

واخرج ابن کثیر فی تفسیر قوله تعالیٰ: "فویل للمصلین الذین هم عن صلاتهم ساهون"عن ابن عباس ان فی جهنم لواد تستعیذ جهنم من ذلک الراوی فی کل یوم اربع مائة مرة، اعد ذلک الراوی للمرائتین من امة محمد ﷺ

وذکر ابو للیث سمرقندی فی قرة العیون عن ابن عباس، وهو مسکن من یؤخر الصلاة عن وقتها،

وعن سعید بن ابی وقاص مرفوعاً: "الذین هم عن صلاتهم ساهون" قال: هم الذین یؤخرون الصلاة عن وقتها، وصحح الحاکم، والبهیقی وقفه، واخرج الحاکم عن عبدالله فی قوله تعالیٰ: "فسوف یلقون غیاً" قال: وادٍ فی جهنم بعید المقعر، خبیث الطعم، وقال: صحیح الاسناد.

ہم نے اس مثال کو اس لیے اختیار کیا ہے کہ یہ خاص طور سے ناقدین کے نشانہ پر رہی ہے، حضرت شیخ کی زندگی میں اوران کے بعد بھی خوب اعتراضات ہوئے ،اس کو نقل کرنے کے بعد شیخ نے خود لکھا کہ مجالس الابرار میں ایسے ہی ہے، مجھے اپنے پاس موجودہ کتب میں نہیں ملی۔ ہاں مسند الہند شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمہ اللہ نے اس کتاب کی تعریف کی ہے اس کے باوجود شیخ جانتے ہیں کہ اتنی بات کافی نہیں اور چوں کہ مذکورہ حدیث کا مضمون نماز کو اپنے وقت سے مؤخر کر کے پڑھنے سے سخت وعید ہے، اس لیے:

ا..... تفسیر ابن کثیر سے "فویل للمصلین الذین هم عن صلاتهم ساهون الذین هم یرائون" کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا اثر جو حکماً مرفوع ہے، نقل کیا کہ جہنم کی ایک وادی ہے، جس سے جہنم ہرروز چارسو مرتبہ پناہ مانگتی ہے۔ جوامت کے ان ریاکاروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔

۲......پھر قرۃ العیون سے ابن عباسؓ کا اثر نقل کیا کہ یہ وادی ان لوگوں کا ٹھکانہ ہے جو نماز قضا کر کے پڑھتے ہیں۔

۳......اور یہی مضمون حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے بھی مرفوعاً نقل کیا ہے اور حاکم اور بیہقی نے اس کا موقوف ہونا ہی صحیح قرار دیا ہے۔

غور کیجئے مجموعی طور سے یہ معلوم ہوا کہ نماز میں غفلت کرنے اور قضا کر کے پڑھنے والے کی سزا جہنم میں سخت ترین رکھی گئی ہے۔ خواہ ایک حقب کی تعین ثابت نہ ہو، اس لیے جب بعض حضرات نے شیخ کو اس کے خارج کرنے کا مشورہ دیا تو شیخ نے جواب دیا کہ۔

''ابھی تک اس ناکارہ کی سمجھ میں اس حدیث کے نکالنے کی وجہ سمجھ میں نہ آئی۔''

(کتب فضائل پر اشکالات۔ ص:۱۳۱)

دوسرا نکتہ

اس میں شک نہیں کہ اصل کتاب ہدایت قرآن کریم ہے، حدیث نبوی اس کی تفسیر وتشریح ہے، جس کو نظر انداز کر کے صرف قرآن کے ذریعہ راہ یابی نہیں ہوسکتی، جیسا کہ قرآنی ارشاد اس پر صریح دلالت کر رہا ہے۔

''وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس ما نزل الیھم''الآیۃ۔

اور حدیث ایک اتھاہ سمندر ہے، سرکار دو عالم ﷺ کی ۲۳ سالہ زندگی میں آپؐ کے اقوال، افعال، تقریرات، خَلقی وخُلقی، احوال کا مجموعہ، جو دربار نبوی کے حاضر باش صحابہ کرامؓ کے ذریعہ نقل در نقل ہوتا ہوا امت کو پہنچا ہے۔ روایت ودرایت کے اعتبار سے اس کی صحت وصداقت کو جانچنے کے لیے محدثین اور فقہائے امت نے اس قدر ممکنہ تدابیر وقوانین اپنائے جو صرف اور صرف اسی امت محمدیہ کی خصوصیت ہیں، ثبوت واستناد کے اعتبار سے حدیثوں کے مختلف درجات قائم کیے، جن کا صحیح، حسن اور ضعیف وغیرہ سے جانا جاتا ہے۔ چنانچہ عمل اور استدلال کے اعتبار سے بھی ان میں فرق مراتب لابدی امر ہے۔

حدیث صحیح کی پانچ شرطیں ہیں، سند کا اتصال، راویوں کی عدالت، ضبط اور شذوذ وعلت قادحہ سے

محفوظ ہوتا۔ حدیث حسن بھی انہیں صفات کی حامل ہوتی ہے، البتہ اس کے کسی راوی میں ضبط کے اعتبار سے معمولی کمی ہوتی ہے جس کی وجہ سے اس کی حدیث نہ تو صحیح کہی جا سکتی ہے اور نہ ہی ضعیف میں شمار ہوتی ہے۔ حسن کی ایک قسم وہ ضعیف ہے جو تعداد طرق کی وجہ سے قوت پا کر حسن بن جاتی ہے اور جو حدیث اس سے بھی فروتر ہو وہ ضعیف کہلاتی ہے جس کے مراتب مختلف ہوتے ہیں، ''موضوع'' ہے۔

صحیح اور حسن کے تو قابل استدلال ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے، چنانچہ جمیع ابواب دین میں ان سے استدلال کیا جاتا ہے، البتہ ضعیف کے سلسلہ میں علماء کا اختلاف ہے، جمہور کا خیال ہے کہ احکام یعنی حلال وحرام کے باب میں تو ضعیف کو حجت نہیں بنایا جا سکتا ہے، البتہ فضائل اعمال، ترغیب وترہیب، قصص، مغازی وغیرہ میں اس کا دلیل بنایا جا سکتا ہے۔ بشرطیکہ موضوع نہ ہو۔ چنانچہ ابن مہدیؒ، امام احمدؒ وغیرہ سے منقول ہے:

''اذا روینا فی الحلال والحرام شددنا، واذا روینا فی الفضائل ونحوهما تساهلنا'' (فتح المغیث، وظفر الامانی ص: ۱۸۲ نقلاً عنهٗ)

بعض کے نزدیک باب احکام میں بھی حجت ہے، جب کہ دوسرے بعض کے نزدیک سرے سے حجت نہیں۔

قال العلامة الكبرى بعد ذكره الآراء الثلاثة فى المسئلة: ومنع ابن العربى العمل بالضعيف مطلقاً، ولكن قدحكى النووى فى عمدة من تصانيفه اجماع اهل الحديث وغيرهم على المل به فى فضائل الاعمال ونحوهماخاصة، فهذه ثلاثة مذاهب اهم

(الاجوبة الفاضلة)

اور جیسا کہ آگے معلوم ہوگا کہ جمہور عملاً باب احکام میں بھی ضعاف کو کسی نہ کسی درجہ میں قابل عمل مانتے ہیں۔

بدقسمتی سے آج بعض حلقوں کی جانب سے پوری شد ومد کے ساتھ یہ غلط فہمی پھیلائی جا رہی ہے کہ ضعیف حدیث قطعاً ناقابل اعتبار ہے، اس کا محل موضوع کی طرح ردی کی ٹوکری ہے۔ حجت صرف صحیح حدیث ہے، صحیح کے مصداق میں کچھ باشعور حضرات حسن کو شامل کر لیتے ہیں ورنہ عام سطح کے لوگ اس کے بھی روادار نہیں ہیں اور بعض غلو پسند طبیعتیں تو صحیحین کو چھوڑ کر بقیہ کتب حدیث کو ''صحیح الکتاب الفلانی'' و ''ضعیف الکتاب الفلانی'' جیسے عمل جراحی کا نشانہ بنائے ہوئے ہیں۔ اور اپنے اجتہاد کے

مطابق اہم کتب حدیث کی حدیثوں کو صحیح اور ضعیف دو خانوں میں تقسیم کر کے شائع کیا جانے لگا ہے۔

"فالی الله المشتکی"۔

آیئے! ضعیف حدیثوں کی استدلالی حیثیت کا مختصراً جائزہ لیں۔

ضعیف حدیث بابِ احکام میں

جہاں تک احکام شرعیہ میں ضعیف حدیث کے استعمال کا تعلق ہے تو جمہور محدثین وفقہاء کے طرز عمل سے صاف ظاہر ہے کہ ضعیف سے حکم شرعی پر استدلال کیا جا سکتا ہے بشرطیکہ ضعف شدید نہ ہو، یعنی سند میں کوئی مہتم یا کذاب راوی نہ ہو۔ ضعیف سے استدلال کی چند صورتیں ہیں۔

پہلی صورت

مسئلہ میں اس کے علاوہ کوئی مضبوط دلیل نہ ہو، مختلف مکاتب فکر کے تعلق سے اس کی تفصیل درج ذیل ہے:

الف: حنفیہ رحمہم اللہ:

ا...... امام ابو حنیفہؒ کا ارشاد ہے:

"الخبر الضعیف عن رسول الله ﷺ اولیٰ من قیاس، ولا یحل القیاس مع وجوده۔"
(المحلی لابن حزم ۳/۱۶۱)

یعنی باب میں اگر ضعیف حدیث بھی موجود ہو تو قیاس نہ کر کے اس سے استدلال کیا جائے گا۔ چنانچہ:

(۱)...... نماز میں قہقہہ سے نقضِ وضو والی حدیث باتفاق محدثین ضعیف ہے، آپ نے اس کو قیاس پر مقدم کیا۔

(۲)...... "اکثر الحیض عشرة ایام"

حدیث باتفاق محدثین ضعیف ہے، حنفیہ نے اس کو قیاس پر مقدم کیا۔

(۳)...... "لامهر اقل من عشرة دراهم"

اس کے ضعف پر محدثین متفق ہیں اور حنفیہ نے قیاس نہ کر کے اس کو معمول بہ بنایا۔
(اعلام الموقعین ۱/۳۱، ۳۲)

۲......محقق ابن الہمامؒ فرماتے ہیں:

"الاستحباب یثبت بالضعیف غیر الموضوع"

ضعیف جو موضوع کی حد تک نہ پہنچی ہوئی ہو، اس سے استحباب ثابت ہوتا ہے۔

(فتح القدیر باب النوافل ۲/۱۳۹)

مثلاً: (۱) حاشیہ الطحطاوی علی المراقی وغیرہ میں مغرب کے بعد چھ رکعات (جنہیں صلاۃ الاوابین کہتے ہیں) کو مستحب لکھا ہے۔ دلیل حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث

"من صلیٰ بعد المغرب ست ركعات لم يتكلم فيما بينهن بسوء عدلن له بعبادة ثنتي عشرة سنة"

امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو عمر بن ابی خثعم کے طریق سے روایت کر کے فرمایا:

"حديث ابی هريرة حديث غريب، لا نعرفه الا من حديث زيد بن الحباب عن عمر بن ابی خثعم"

امام بخاری نے عمر کو منکر الحدیث کہا اور بہت ضعیف قرار دیا، حافظ ذہبی نے میزان میں فرمایا:

"له حديث منكر ان من صلى بعد المغرب ست ركعات ووهاه ابوزرعه"

(۲)......مردہ کو دفن کرتے وقت تین لپ مٹی ڈالنا، پہلی بار منها خلقناكم، دوسری بار وفيها نعيدكم اور تیسری بار ومنها نخرجكم تارة اخرىٰ پڑھنے کو طحطاوی (ص:۶۱۰) میں مستحب لکھا ہے، دلیل حاکم اور احمد کی حدیث بروایت ابو امامہؓ کہ جب حضرت ام کلثومؓ بنت النبی ﷺ کو قبر میں رکھا گیا تو رسول اللہ ﷺ نے پڑھا

"منها خلقناكم......الخ۔ آخر میں بسم الله وفی سبيل الله وعلى ملة رسول الله کی زیادتی ہے۔ اس حدیث کی سند بہت ہی ضعیف ہے ذہبی نے تلخیص میں کہا:

"وهو خبر واه لان علی بن زيد متروك"

ب: مالکیہ رحمہم اللہ:

امام مالکؒ کے نزدیک مرسل بمعنی عام یعنی منقطع حجت ہے، جو جمہور محدثین کے نزدیک ضعیف

ہے، مالکیہ کی معتمدترین کتاب ''نشر البنو د'' میں ہے:

'' علم من احتجاج مالک بالمرسل ان کلا من المنقطع، والمعضل حجة عندهم لصدق المرسل بالمعنی الاصولی علی کل منها''(۲/۶۳ کما فی ''التعریف باوهام من قسم السنن الیٰ صحیح وضعیف'' للدکتور محمود سعید ممدوح)

ج: شافعیہ رحمہم اللہ:

۱...... مرسل حدیث امام شافعیؒ کے نزدیک ضعیف ہے، لیکن اگر باب میں صرف مرسل ہی ہوتو وہ اس سے احتجاج کرتے ہیں، حافظ سخاوی نے ماوردی کے حوالہ سے یہ بات فتح المغیث میں نقل کی ہے۔(۱/۱۷۰)

۲...... حافظ ابن قیم نے نقل کیا ہے کہ امام شافعیؒ کے نزدیک ضعیف حدیث قیاس پر مقدم ہے، چنانچہ انہوں نے صیدِّ وج کی حدیث کوضعف کے باوجود قیاس پر مقدم کیا۔ حرم مکی کے اندر اوقات مکروہہ میں نماز پڑھنے کے جواز والی حدیث کوضعف کے باوجود قیاس پر مقدم کیا۔

''من قاء اورعف فلیتوضا ولیس علیٰ صلاته''

کو اپنے ایک قول کے مطابق باوجود ضعف کے قیاس پر ترجیح دی۔

(اعلام الموقعین ۱/۳۲)

د: حنابلہ رحمہم اللہ:

ابن النجار حنبلی نے شرح الکوکب المنیر (۲/۵۷۳)

میں امام احمد کا یہ قول نقل کیا ہے:

''لست اخالف ما ضعف من الحدیث اذا لم یکن فی الباب ما یدوفعه''

یعنی باب میں ضعیف حدیث ہو اور اس کے معارض کوئی دلیل نہ ہوتو میں اس کو چھوڑتا نہیں ہوں۔

۲...... حافظ ہروی نے ذم الکلام میں امام عبداللہ بن احمد سے نقل کیا ہے کہ میں نے اپنے والد سے پوچھا کہ ایک شخص کومسئلہ درپیش ہے اور شہر میں ایک محدث ہے، جو ضعیف ہے (ایک روایت میں: جو صحیح اور سقیم میں تمیز نہیں کر پاتا) اور ایک فقیہ ہے جو اہل رائے وقیاس میں سے ہے وہ کس سے مسئلہ پوچھے؟ فرمایا:

''اہل رائے سے تو پوچھے نہیں' کیوں کہ ضعیف الحدیث قوی الرائی سے بہتر ہے۔(ذم الکلام ۲/۱۷۹، ۱۸۰)

۳۔فقہ حنبلی کی مستند ترین کتاب ''المغنی'' میں ابن قدامہ نے لکھا ہے کہ

''النوافل والفضائل لا یشترط صحة الحدیث فیھا''

نیز امام کے خطبہ کے دوران حاضرین کے احتباء (اس طرح بیٹھنا کہ سرین زمین پر ہو دونوں گھٹنے کھڑے ہوں اور دونوں بازوؤں یا کسی کپڑے وغیرہ سے انہیں باندھ لیا جائے) کی بابت لکھا کہ کوئی حرج نہیں' کیوں کہ چند صحابہؓ سے مروی ہے، لیکن بہتر نہ کرنا ہے' کیوں کہ حضور ﷺ سے مروی ہے کہ آپ نے امام کے خطبہ کے دوران حبوۃ سے منع فرمایا ہے۔ اس لیے اگرچہ حدیث ضعیف ہے' افضل حبوہ کا ترک ہی ہے۔ (المغنی ۲/۸۸۔۲۵۶)

ھ: فقہاء ومحدثین رحمہم اللہ:

ا۔ حافظ ذہبی نے امام اوزاعیؒ کے متعلق لکھا کہ وہ مقطوعات اور اہل شام کے مراسیل سے استدلال کرتے تھے۔ (سیر اعلام النبلاء ۷/۱۱۴)

۲۔امام ابوداؤد کے متعلق حافظ ابن مندہ نے کہا:

"ویخرج الاسناد الضعیف اذا لم یجد فی الباب غیرہ لانہ اقوی عندہ من رای الرجال"

کہ امام ابوداؤدؒ کا مذہب ہے کہ جب کسی باب میں انہیں ضعیف حدیث کے علاوہ نہیں ملتی' تو اسی کا اخراج کر لیتے ہیں، کیوں کہ ضعیف حدیث ان کے نزدیک قیاس سے قوی تر ہے۔ (تدریب الراوی)

و: ظاہریہ:

ابو محمد ابن حزم جن کا تشدد مشہور ہے، محلی (۳/۶۱) میں رکوع سے پہلے قنوت پڑھنے سے متعلق حدیث بروایت حسن بن علی رضی اللہ عنہما لائے اور اس کے متعلق لکھتے ہیں:

یہ حدیث اگرچہ اس لائق نہیں کہ اس سے استدلال کیا جائے' لیکن چوں کہ حضور ﷺ سے اس سلسلہ میں اور کوئی حدیث ہمیں نہیں ملی، اس لیے ہم اسے اختیار کرتے ہیں۔''

دوسری صورت:

اگر ضعیف حدیث پر عمل کرنے میں احتیاط ہو تو اس کو تمام حضرات اختیار کرتے ہیں، چنانچہ امام

نوویؒ نے اذکار میں عمل بالضعیف کی استثنائی صورتوں کو ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

"الا ان یکون فی احتیاط فی شیء من ذلک کما اذا ورد حدیث ضعیف یکراهة بعض البیوع، والانکحة فالمستجب ان یتنزه عنه"

اس کی شرح میں ابن علان نے مثال دی کہ جیسے فقہائے کرام نے دھوپ سے گرم کیے ہوئے پانی کے استعمال کو مکروہ لکھا ہے' حدیث عائشہؓ کی بنا پر جو ضعیف ہے۔

(شرح الاذکار ۱/۶۸، ۸۷ کما فی التعریف باوهام الخ)

تیسری صورت

اگر کسی آیت یا صحیح حدیث میں دو یا دو سے زائد معنوں کا احتمال ہو اور کوئی ضعیف حدیث ان معانی میں سے کسی ایک معنی کو راجح قرار دیتی ہو، یا دو یا چند حدیثیں متعارض ہوں اور کوئی حدیث ضعیف ان میں سے کسی ایک کو ترجیح دیتی ہو تو علمائے امت اس موقع پر ضعیف حدیث کی مدد سے ترجیح کا کام انجام دیتے ہیں۔

کچھ اور صورتیں:

اس کے علاوہ کسی ثابت شدہ حکم کی مصلحت و فائدہ معلوم کرنے کے سلسلہ میں بھی ضعیف کا سہارا لیا جاتا ہے، نیز حدیث ضعیف اگر متلقی بالقبول ہو جائے اور اس کے مطابق فقہاء یا عام امت کا عمل ہو جائے تب تو ضعیف ضعیف ہی نہیں رہتی اور اس کے ذریعہ وجوب اور سنیت تک کا ثبوت ہوتا ہے۔ تفصیل دیکھئے:

اثر الحدیث الشریف فی اختلاف الائمة الفقهاء للشیخ محمد عوامة"

اور الاجوبة الفاضلة" کے آخر میں شیخ حسین بن محسن کا مقالہ!

سید احمد بن الصدیق الغمازی المالکی رحمہ اللہ کی اس چشم کشا عبارت کے ترجمہ پر اس کڑی کو یہیں ختم کیا جارہا ہے، فرماتے ہیں۔

"احکام شرعیہ میں ضعیف سے استدلال کوئی مالکیہ ہی کے ساتھ خاص نہیں' بلکہ تمام ائمہ استدلال کرتے ہیں' اس لیے یہ جو مشہور ہے کہ احکام کے باب میں ضعیف پر عمل نہیں کیا جائے گا' اپنے عموم

واطلاق پر نہیں ہے، جیسا کہ اکثر لوگ سمجھتے ہیں، کیوں کہ ہر مسلک کی ان احادیثِ احکام کا آپ جائزہ لیں جن سے سب نے یا بعض نے استدلال کیا ہے تو آپ کو مجموعی طور سے ضعیف حدیثوں کی مقدار نصف یا اس سے بھی زائد ملے گی، ان میں ایک تعداد منکر، ساقط اور قریب بموضوع کی بھی ملے گی۔ البتہ بعض کے متعلق وہ کہتے ہیں: ''اس کو تلقی بالقبول حاصل ہے، بعض کے متعلق کہتے ہیں: ''اس مضمون پر اجماع منعقد ہے''، بعض کے متعلق کہتے ہیں: ''یہ قیاس کے موافق ہے۔'' مگر ان سب کے علاوہ ایسی بہت سی حدیثیں بچیں گی، جن سے ان کی تمام تر علتوں کے باوجود استدلال کیا گیا ہے اور یہ قاعدہ کہ ''احکام میں ضعیف حدیث پر عمل نہیں کیا جائے گا'' یکسر نظر انداز کر دیا گیا ہے، کیوں کہ شارع علیہ السلام سے جو کچھ منقول ہے اگر چہ اس کی سند ضعیف ہو، اسے چھوڑ کر دوسری دلیل اختیار نہیں کی جاسکتی اور ضعیف کے متعلق یہ قطعی نہیں کہا جا سکتا کہ ''یہ حضور ﷺ سے ثابت نہیں ہے جب کہ وہ موضوع نہ ہو، یا اس سے قوی اصل معارض نہ ہو۔ لہٰذا قوی دلیل کی عدم موجودگی میں ضعیف سے استدلال کو ہمیں برا سمجھنے کی بجائے اولیٰ بلکہ واجب کہنا چاہیے، ہاں یہ بات ضرور بری ہے کہ اس کے لیے دورخا طرز اپنائیں۔ پسندیدگی اور اپنے مذہب کے موافق ہونے کے وقت تو اس پر عمل کریں اور ناپسندیدگی یا اپنے مذہب کے خلاف ہونے پر ضعیف کہہ کر رد کر دیں۔ (التعریف)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ جب باب احکام میں ضعیف حدیث مقبول ہے، تو دیگر ابواب میں بدرجۂ اولیٰ مقبول ہوگی۔

احکام کے علاوہ میں ضعیف حدیث:

جیسا کہ عرض کیا گیا ہے کہ ضعیف غیر موضوع عقاید و احکام کے علاوہ جمہور کے نزدیک قابل عمل ہے، عقائد و احکام کے باب میں تشدد اور فضائل، ترغیب وترہیب اور مناقب وغیرہ میں تساہل کی بات حافظ سخاویؒ نے امام احمدؒ، ابن معینؒ، ابن المبارکؒ، سفیان ثوریؒ اور ابن عیینہؒ سے نقل کی ہے۔

حافظ نوویؒ نے تو اس پر اجماع کا دعویٰ کیا ہے، اپنی کتاب ''**جزء اباحة القيام لاهل الفضل**'' میں فرماتے ہیں:

اجمع اهل الحديث وغيرهم على العمل فى الفضائل ونحوهما. مما ليس فيه

حکم ولا شیء من العقائد وصفات الله تعالیٰ بالحدیث الضعیف." (نقلاً عن التعریف باوھام)

امام نوویؒ کی "الاربعین" اور اس کی شرح "فتح المبین" لابن الحجر المکی الھیثمی کے الفاظ ہیں:

قد اتفق العلماء علی جواز العمل بالحدیث الضعیف فی فضائل الاعمال' لانه ان کان صحیحاً فی نفس الامر، فقد اعطی حقه والا لم یترتب علی العمل به مفسدة تحلیل ولا تحریم ولا ضیاع حق الغیر. (الاجوبة الفاضله. ص: ۴۳)

یعنی فضائل اعمال میں ضعیف حدیث پر عمل کے بارے میں علماء کا اتفاق ہے، کیوں کہ اگر وہ واقعتاً صحیح تھی تو اس کا اس کا حق مل گیا اور نہ اس پر عمل کرنے والے نہ تو حرام کو حلال کرنا لازم آیا اور نہ اس کے برعکس اور نہ ہی کسی غیر کا حق پامال کرنا۔

معلوم ہوا کہ مسئلہ اجماعی ہے اور کوئی بھی حدیث ضعیف کو شجرۂ ممنوعہ قرار نہیں دیتا، لیکن چند بڑے محدثین اور اساطین علم کے نام ذکر کیے جاتے ہیں جن کے متعلق یہ نقل کیا جاتا ہے کہ وہ فضائل میں بھی ضعیف حدیث پر عمل کرنے کے قائل نہیں ہیں۔ (قواعد التحدیث للشیخ جمال الدین القاسمی ص ۱۱۶)

ان اساطین میں امام بخاریؒ، مسلم، یحییٰ بن معینؒ، ابوبکر بن العربیؒ ہیں، بعض حضرات نے ابوشامہ مقدسیؒ، شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اور علامہ شوکانیؒ کا نام بھی لیا ہے۔ تفصیل کا تو موقع نہیں آیئے! ان حضرات کی آرا کے متعلق کچھ تحقیق کر لیں!

امام بخاریؒ کا موقف

علامہ جلال الدین قاسمیؒ (صاحب قواعد الحدیث) کے بقول بظاہر امام بخاریؒ کا مذہب مطلقاً منع ہے اور یہ نتیجہ انہوں نے صحیح بخاری کی شرط اور اس میں کسی ضعیف حدیث کو داخل کتاب نہ کرنے سے نکالا ہے' علامہ شیخ زاہد الکوثریؒ نے بھی اپنے مقالات (ص: ۵۴) میں یہی بات کہی ہے، لیکن یہ بات درست نہیں بلکہ اس مسئلہ میں امام بخاری کا موقف بالکل جمہور کے موافق ہے۔

جہاں تک صحیح بخاری کا تعلق ہے' تو اولاً اس میں امام نے صرف صحیح حدیثوں کا التزام کیا ہے، لہٰذا

اس میں کسی ضعیف حدیث کا نہ ہونا' اس بات کو مستلزم نہیں کہ امام کے نزدیک ضعیف سرے سے نا قابل عمل ہے، جیسا کہ کسی حدیث کا اس میں نہ ہونا اس بات کو مستلزم نہیں کہ وہ غیر صحیح ہے۔ چنانچہ خود آپ نے احادیثِ آداب واخلاق کا ایک گراں قدر مجموعہ ''الادب المفرد'' مرتب فرمایا جس کی شرط یقیناً ان کی جامع صحیح سے بہت فروتر ہے حتیٰ کہ عصر حاضر کے بعض علم برادارانِ حفاظتِ سنت کو

''صحیح الادب المفرد'' اور'' ضعیف الادب المفرد''

کے جراحی عملی کی مشقت اٹھانی پڑی۔

اس کتاب میں امام بخاری نے ضعیف احادیث وآثار کی ایک بڑی مقدار تخریج کی ہے، بلکہ بعض ابواب تو آباد ہی ضعیف سے ہیں اور آپ نے ان سے استدلال کیا ہے، چنانچہ اس کے رجال میں ضعیف، مجہول، منکر الحدیث، متروک ہر طرح کے پائے جاتے ہیں' مثال کے طور پر علامہ شیخ عبدالفتاح ابوغدہ رحمہ اللہ نے ''الادب المفرد'' کی شرح ''فضل اللہ الصمد'' سے ۱۲۲ احادیث وآثار اور ان کے رجال کے احوال نقل کیے ان میں سے بطور نمونہ ملاحظہ فرمائیں:

(۱) اثر نمبر ۲۳ میں علی بن الحسین بن واقدالمروزی: ضعیف الحدیث۔

(۲) حدیث نمبر ۴۳ میں محمد بن فلان بن طلحہ، مجہول، او ضعیف متروک۔

(۳) اثر نمبر ۴۵ میں عبیداللہ بن موھب، قال احمد: لایعرف۔

(۴) اثر نمبر ۵۱ ابوسعد سعید بن المرزبان البقال الاعور، ضعیف۔

(۵) حدیث نمبر ۶۳ میں سلیمان ابو ادام یعنی سلیمان بن زید: ضعیف، لیس بثقہ کذاب، متروک الحدیث۔

(۶) حدیث نمبر ۱۱۱ میں لیث بن ابی سلیم القرشی ابوبکر: ضعیف۔

(۷) حدیث نمبر ۱۱۲ میں عبداللہ بن المساور: مجہول۔

(۸) حدیث نمبر ۱۳۷ میں یحیٰ بن ابی سلیمان: قال البخاری: منکر الحدیث۔

شیخ عبدالفتاح ابوغدہ رحمہ اللہ نے تقریب التہذیب سے الادب المفرد کے رجال کو کھنگالا تو

مستورین کی تعداد دو، ضعفاء کی تعداد ۲۲ اور مجہولین کی تعداد ۲۸ نکلی، مجموعہ ۵۲ رواۃ۔

اس جائزہ سے بخوبی واضح ہوگیا کہ فضائل کی حدیثوں کے بارے میں امام بخاری کا مسلک وہی ہے جو جمہور کا ہے۔

صحیح بخاری میں متکلم فیہ رجال کی حدیثیں:

ثانیاً خود الجامع الصحیح میں ایسی مثالیں موجود ہیں جن کی روایت میں کوئی متکلم فیہ راوی موجود ہے، جس کی حدیث محدثین کے اصول پر کسی طرح حسن سے اوپر نہیں اٹھ سکتی، بلکہ بعض حدیثوں میں ضعیف راوی منفرد ہے اور اس کو داخل صحیح کرنے کی اس کے علاوہ کوئی تاویل نہیں ہوسکتی کہ اس کا مضمون غیر احکام سے متعلق ہے اور شارحین نے یہی تاویل بھی کی ہے۔ ملاحظہ ہوں چند مثالیں!

(۱) حافظ ابن حجرؒ نے مقدمہ فتح الباری (ص: ۶۱۵) میں محمد بن عبدالرحمٰن الطفاوی کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

"قال ابوزرعه منكر الحديث، واورد له ابن عدى عدة احاديث، قلت: له فى البخارى ثلاثة احاديث، ليس فيها شيء مما استنكره ابن عدى" ثالثها فى الرقاق:" كن فى الدنيا كانك غريب" وهذا تفرد به الطفاوى، وهو من غرائب الصحيح، وكان البخارى لم يشدد فيه لكونه من احاديث الترغيب والترهيب"

یعنی" كن فى الدنيا كانك غريب" (بخاری کتاب الرقاق) حدیث کی روایت میں محمد بن عبدالرحمٰن الطفاوی منفرد ہے، حافظ فرماتے ہیں کہ شاید امام بخاری نے اس تساہل کا معاملہ صرف اس وجہ سے کیا ہے کہ یہ ترغیب وترہیب کی حدیثوں میں سے ہے۔

(۲) **عن ابى بن عباس بن سهل بن سعد" عن ابيه عن جده قال: كان النبى ﷺ فى حائطنا فرس يقال له اللحيف.** (کتاب الجہاد)

حافظ نے تہذیب التہذیب میں ابی بن عباس بن سہل کی بابت امام احمد، نسائی، ابن معین، امام بخاری سے تضعیف کے جملے نقل کیے، عقیلی نے کہا اس کی کئی حدیثیں ہیں اور کسی پر اس کی متابعت نہیں کی گئی ہے، پھر حافظ نے فرمایا کہ مذکورہ حدیث پر اس کے بھائی عبدالمہیمن بن عباس نے متابعت کی ہے

لیکن وہ بھی ضعیف ہے، ملاحظہ ہوں یہ الفاظ:

"وعبدالمهيمن ايضاً فيه ضعف، فاعتضد، وانضاف الى ذلك انه ليس من احاديث الاحكام، فلهذه الصورة المجموعة حكم البخارى بصحة" انتهى ۔ ابی بن عباس کے ضعف کی تلافی اس کے بھائی سے اس قدر نہیں ہوسکی کہ حدیث کو صحیح کا درجہ دیا جائے تو اس خلل کو اس پہلو سے پر کیا گیا کہ حدیث احکام سے متعلق نہیں ہے، اس لیے چل جائے گی۔

(۳)...... محمد بن طلحة عن طلحة عن مصعب بن سعد قال: رای سعد ان له فضلاً على من دونه، فقال النبی ﷺ: هل تنصرون وترزقون الا بضعفائكم."

(كتاب الجهاد، باب من استعان بالضعفاء والصالحين فى الحرب)

محمد بن طلحہ بن مصرف الکوفی ان کا سماع اپنے والد سے کم سنی میں ہوا تھا امام نسائی، ابن معین، ابن سعد وغیرہ نے ان کو ضعیف کہا ہے، تقریب میں ہے:

صدوق له اوهام وانكروا سماعه من ابيه لصغره.

حافظ ابن حجرؒ مقدمہ (ص: ۶۱۳) میں فرماتے ہیں:

صحیح بخاری میں ان کی تین حدیثیں ہیں، دو تو متابعت کی وجہ سے درجۂ صحت کو پہنچ جاتی ہیں، تیسری (مذکورہ بالا حدیث) ہے، اس کی روایت میں محمد بن طلحہ منفرد ہیں، مگر یہ فضائل اعمال سے متعلق ہے، یعنی فضائل اعمال کی حدیث ہونے کی وجہ سے چشم پوشی کی گئی۔

امام مسلمؒ کا موقف

علامہ جلال الدینؒ نے امام مسلم کے متعلق دلیل یہ دی کہ انہوں نے مقدمہ میں ضعیف و منکر احادیث کے روایت کرنے والوں پر سخت مذمت کی ہے اور اپنی صحیح میں ضعیف حدیث کا اخراج نہیں کیا ہے، لیکن امام مسلم کی اس تشنیع سے یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ ضعفاء سے روایت کرنا مطلقاً ناجائز ہے، انہوں نے تو صحیح حدیثوں کو جمع کرنے والے پر یہ بات ضروری قرار دی ہے کہ وہ مشہور ثقہ راویوں کی حدیثوں کو تلاش کرے، ضعیف حدیث کے علی الاطلاق مردود ہونے پر ان سے کوئی صراحت منقول نہیں ہے۔

تاہم امام مسلم نے بعض ضعفاء کی حدیثیں صحیح میں متابعات وشواہد کے طور پر اخراج کی ہیں، آپ

نے مقدمہ میں حدیثوں کی تین قسمیں قرار دی ہیں:

(۱)...... وہ حدیثیں جو حفاظ متقنین کی روایت سے ہیں۔

(۲)...... وہ حدیثیں جو ایسے لوگوں کی روایت سے ہیں، جو حفظ واتقان میں متوسط اور بظاہر جرح سے محفوظ ہیں۔

(۳)...... وہ حدیثیں جو ضعفاء ومتروکین کی روایت سے ہیں۔

امام مسلم کی اس صراحت اور صحیح میں ان کے طرز عمل کے درمیان تطبیق میں شراح نے مختلف باتیں کہی ہیں، قاضی عیاض نے جو توجیہ کی، علامہ ذہبی اور نووی نے اس کو پسند کیا، اس کا خلاصہ یہ ہے:

امام مسلم نے جن تین طبقات کا ذکر کیا ہے، ان میں سے آخری طبقہ ان رواۃ کا ہے، جن کے متہم ہونے پر تمام یا اکثر علماء کا اتفاق ہے۔ اس سے پہلے ایک طبقہ ہے جس کا ذکر امام نے اپنی عبارت میں نہیں کیا ہے اور یہ لوگ وہ ہیں جن کو بعض تو متہم سمجھتے ہیں اور بعض صحیح الحدیث قرار دیتے ہیں، یہ کل چار طبقے ہوئے۔ میں نے امام مسلم کو پایا کہ وہ پہلے دونوں طبقوں کی حدیثیں لاتے ہیں اس طرح کہ باب میں اولاً طبقۂ اولیٰ کی حدیث تخریج کرتے ہیں، پھر مزید تقویت کے لیے طبقۂ ثانیہ کی حدیثیں ذکر کرتے ہیں اور جب کسی باب میں طبقۂ اولیٰ سے کوئی حدیث ان کے پاس نہیں ہوتی تو ثانیہ ہی کی حدیث پر اکتفا کرتے ہیں، پھر کچھ ایسے لوگوں کی حدیثیں بھی تخریج کرتے ہیں، جن کی بعض نے تضعیف اور بعض نے توثیق کی ہوتی ہے، رہے چوتھے طبقہ کے لوگ تو ان کو آپ نے ترک کر دیا ہے۔ (مقدمہ شرح نوویؒ)

حافظ شمس الدین ذہبیؒ فرماتے ہیں:

''میں کہتا ہوں کہ طبقۂ اولیٰ وثانیہ کی حدیثیں مساویانہ طور پر لیتے ہیں، ثانیہ کی معدودے چند کو چھوڑ کر جس میں وہ کسی قسم کی نکارت سمجھتے ہیں پھر متابعات وشواہد کے طور پر طبقۂ ثالثہ کی حدیثیں لیتے ہیں، جن کی تعداد بہت زیادہ نہیں اصول میں تو ان کی حدیثیں شاید ہی لیتے ہیں یہ عطا بن السائب، لیث بن ابی سلیم، یزید بن ابی زیاد، ابان بن صمعہ، محمد بن اسحاق اور محمد بن عمرو بن علقمہ اور ان کی حیثیت لے لوگ ہیں۔'' (سیر اعلام النبلاء ۱۲/ ۵۷۵)

ایک غلط فہمی کا ازالہ

اوپر صحیحین کے تعلق سے جو کچھ عرض کیا گیا، اس سے ممکن ہے بعض اہل علم کو شبہ ہو کہ پھر تو صحیحین سے اعتماد اٹھ جائے گا، اور نتیجۃً پورا ذخیرۂ حدیث مشکوک ہو جائے گا، جب کہ صحیحین کا اصح الکتب بعد کتاب اللہ ہونا مسلم اور متفق علیہ ہے، کیوں کہ جب صحیحین تک ضعیف حدیثوں سے محفوظ نہیں رہیں تو دوسری کتب حدیث تو بدرجۂ اولی محفوظ نہیں رہیں گی اور اس طرح پورا ذخیرۂ حدیث مشکوک اور ناقابل اعتماد ہو جائے گا اور منکرین حدیث کو انکار حدیث کے لیے بہانہ ملے گا۔

اس سلسلہ میں عرض ہے کہ ہم نے یہ کہا ہی کب ہے کہ صحیحین میں ضعیف حدیثیں بھی ہیں؟ اصل بات یہ ہے کہ جمہور امت کے نزدیک حدیثوں میں صحت وحسن کا معیار مختلف ہوتا ہے، باب احکام (حلال وحرام) میں سخت ہوتا ہے تو فضائل وغیرہ میں نرم، چنانچہ ہم نے بخاری شریف سے جو مثالیں پیش کی ہیں وہ اپنی علتوں کے باوجود فضائل وآداب کے باب کے اعتبار سے یقیناً صحیح ہیں۔ اگرچہ باب احکام میں جس درجہ کی صحت ہوتی ہے وہ ان میں نہیں ہے، اسی لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے ان کو داخل ''صحیح'' کرلیا۔

اس حقیقت کو نظر انداز کرتے ہوئے بعض حضرات ہر باب میں صحت وحسن کے اسی معیار کو استعمال کرنے لگتے ہیں، جو باب احکام کے لیے مخصوص ہے اور وہ بھی صرف اسنادی پہلو سے، اس لیے مناسب خیال کیا گیا ہے کہ ضعیف اور متکلم فیہ رجال کی حدیثوں کی بابت صحیحین کے مصنفین کا اصل موقف واضح کردیا جائے تاکہ اس مغالطہ کی گنجائش باقی نہ رہے۔

ورنہ صحیحین کے متعلق جمہور امت کی جو رائے ہے، وہی ہمارا بھی مسلک ہے کہ یہ دونوں کتابیں صرف صحیح احادیث کا مجموعہ ہیں' علامہ شبیر احمد عثمانی علیہ الرحمہ نے مقدمہ ''فتح الملہم'' میں صحیحین کی حدیثوں کے مفید قطع ویقین ہونے کے نظریہ کی مدلل تردید کرنے کے بعد صحیحین کی عظمت ومقام کی بابت حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کی عبارت نقل کی ہے، اس جگہ ہم بھی انہیں کی عبارات کو نقل کرنا مناسب سمجھتے ہیں، علامہ عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''لیس غرضنا مما کتبنا فی هذالبحث تهوین امر الصحیحین او غیر هما کتب

الحديث، بل المقصود نفي التعمق والغلو، ووضع كل شيء في موضعه، وتنويه شانه بما يستحقه ونحن بحمدالله نعتقد في هذين الكتابين الحليلين و نقول بما قال شيخ شيوخنا، ومقدم جماعتنا الشاه ولي الله الدهلوي في "حجة الله البالغة" وهذا لفظه:

اما الصحيحان فقد اتفق المحدثون على ان جميع ما فيهما من المتصل المرفوع صحيح بالقطع (بالتفصيل الذي ذكرنا) وانهما متواتران الى مصنفيهما، وانه من كان يهون امرهما، فهو مبتدع ضال متبع غير سبيل المؤمنين."

اس بحث میں ہم نے جو کچھ لکھا ہے اس سے ہمارا مقصد معاذ اللہ صحیحین یا دوسری کتب حدیث کی کسر شان نہیں ہے، بلکہ ان کی بابت غلو کی تردید اور ہر چیز کو اس کے اصل مقام پر رکھنے اور اس کو اس کا واجبی حق دینے کی کوشش ہے، ورنہ ہم بحمد اللہ ان دونوں عظیم الشان کتابوں کے متعلق وہی نظریہ رکھتے ہیں، جو ہمارے شیخ الشیوخ اور مقتدا حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ نے "حجۃ اللہ البالغۃ" میں فرمایا ہے۔

رہی صحیحین تو محدثین اس پر متفق ہیں کہ ان میں جو کچھ مرفوع متصل کے قبیل سے ہے وہ بالکل صحیح ہے، اور ان کتابوں کا ثبوت ان کے مصنفین سے بطور تواتر ہے، بلاشبہ جو شخص ان کی شان گھٹائے گا وہ بدعتی، گمراہ اور مسلمانوں کے راستے کے علاوہ راستہ کی پیروی کرنے والا ہوگا۔" (مقدمہ فتح الملہم ص:۱۰۸)

یحییٰ بن معینؒ کا موقف

ابن سید الناس نے تو عیون الاثر میں یحییٰ کا مذہب مطلقاً وہی نقل کیا ہے اور واقعہ یہ ہے کہ ان کا مذہب جمہور کے موافق ہے، شواہد درج ذیل ہیں:

(۱) جیسا کہ اوپر مذکور ہوا حافظ سخاویؒ نے فتح المغیث میں جن چند لوگوں سے (عقائد و احکام میں تشدد، فضائل وغیرہ میں تساہل) نقل کیا ہے ان میں ابن معین بھی ہیں۔ (فتح المغیث ۱/ ۴۹۷)

(۲) شیخ احمد محمد نور سیف نے "مقدمہ تاریخ ابن معین" میں لکھا ہے کہ یحییٰ بن معین کی محمد بن اسحاق کے متعلق جو رائیں منقول ہیں، ان سے قطعاً یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ اس کی حدیثیں مطلقاً قابل ترک ہیں، چنانچہ فرمایا:

"ثقة ولکن لیس بحجة"

ابن اسحاق کے شاگرد زیاد بن عبداللہ البکائی کے متعلق فرمایا:

"لیس بشیء لا باس به فی المغازی واما فی غیرهما فلا"

معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک مغازی وغیرہ میں تو ابن اسحاق اور ان کے شاگرد مقبول ہیں، احکام وغیرہ میں نہیں۔

(۳) الکامل لابن عدی (۱/۲۶۶) میں ہے:

"عن ابن ابی مریم قال: سمعت ابن معین یقول: ادریس بن سنان یکتب من حدیثه الرقاق"

ابن معین کے نزدیک ادریس بن سنان کی حدیث رقاق (آداب وفضائل) کے باب میں قابل قبول ہے، جب کہ یہ ضعیف ہیں۔

ابوبکر بن العربیؒ کا موقف:

یہ "مالکی المسلک فقیہ" ہیں، ان سے ایسی کوئی صراحت تو نہیں ملی، جس سے ثابت ہو کہ ان کے نزدیک فضائل اعمال میں ضعیف قابل عمل نہیں' البتہ اس کے برعکس ثابت ہے۔

(۱) مرسل حدیث جو جمہور محدثین وشافعیہ کے نزدیک ضعیف ہے مالکیہ کے نزدیک اس سے استدلال درست ہے، وہ خود اس بات کو نقل کرتے ہیں۔

"المرسل عندنا حجة فی احکام الدین من التحلیل والتحریم وفی الفضائل وثواب العبادات، وقدبینا ذلک فی اصول الفقه"

.(عارضة الاحوذی ۲/۲۳۷)

(۲) ضعیف کے معمول بہ ہونے کی صراحت خود فرماتے ہیں:

"روی ابو عیسیٰ حدیثاً مجهولاً: "ان شئت شمته وان شئت فلا" وهو وان کان مجهولاً فانه یستحب العمل به لانه دعاء بخیر، وصلة للجلیس، وتوددله" (عارضه ۱۰/۲۰۵)

یعنی اگر چہ یہ حدیث مجہول کی روایت سے ہے، لیکن اس پر عمل کرنا مستحب ہے، کیوں کہ اس میں خیر کی دعا، ہم نشیں کی دل بستگی اور اس سے محبت کا اظہار ہے۔

ابوشامہ مقدسی کا موقف:

محدث ابوشامہ مقدسی کی بات شیخ طاہر الجزائری نے توجیہ النظر (۲/ ۲۵۷) میں نقل کیا ہے، انہوں نے اپنی کتاب "الباعث علی انکار البدع والحوادث" میں حافظ ابن عساکر دمشقی کی ایک مجلسِ املاء کی حوالہ سے ماہ رجب کی فضیلت کے متعلق تین حدیثیں ذکر کیں، اس کے بعد لکھا کہ:

"کنت اود ان الحافظ لم یذکر ذلک فان فیه تقریراً لما فیه من الاحادیث المنکرة فقدره کان اجل من ان یحدث عن رسول الله ﷺ بحدیث یری انه کذب، ولکنه جریٰ علی عادة جماعة من اهل الحدیث یتساهلون فی احادیث الفضائل الخ".

یعنی کاش کہ ابن عساکر ان حدیثوں کو نہ بیان کرتے، کیوں کہ اس سے منکر حدیثوں کو رواج دینا ہے، آپ جیسے محدث کی شایان شان نہیں کہ ایک حدیث جس کو غلط سمجھ رہے ہیں بیان کریں۔ لیکن محدثین کی ایک جماعت جو فضائل اعمال میں تساہل برتتی ہے اس کے طریقہ کو آپ نے اختیار کیا ہے۔

علامہ شبیر احمد عثمانی فتح الملہم میں اس پر تبصرہ یوں فرماتے ہیں:

محدث ابوشامہ نے فضائل وغیرہ میں ضعف پر عمل کے سلسلہ میں تو کوئی نقد نہیں کیا، بلکہ ابن عساکر جیسے ماہر فن کے طرز عمل پر نکتہ چینی کی کہ انہوں نے ایک منکر حدیث بغیر کسی وضاحتی بیان کے عوام میں نقل فرما دی، جس سے عوام یا جس کو اس فن سے مناسبت نہیں، ابن عساکر کی نقل سے دھوکہ کھانے اور اس کو ثابت سمجھنے کا اندیشہ ہے، جب کہ محدثین کے نزدیک یہ غیر ثابت ہے"۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کا موقف:

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ بھی فضائل وغیرہ میں ضعیف پر عمل کے مسئلہ میں جمہور سے الگ نہیں ہو سکے، اس دعویٰ کا بین ثبوت ان کی کتاب "الکلم الطیب" ہے، اس میں ضعیف حدیثوں کی تعداد کتنی ہے، اس کا جواب علامہ ناصر الدین البانیؒ دیں گے، جنہوں نے "صحیح الکلم الطیب" اور ضعیف الکلم الطیب" میں خط امتیاز قائم کرنے کا کارنامہ انجام دیا ہے۔ (التعریف باوھام ۱/ ۱۰۳)

علامہ شوکانی کا موقف:

اگر چہ علامہ شوکانیؒ کی ''الفوائد المجموعہ'' (ص:۲۸۳) کی عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے نزدیک ضعیف حدیث مطلقاً نا قابل عمل ہے۔لیکن ان کی اہم ترین تصنیف ''نیل الاوطار'' (۶۰/۳) کی یہ عبارت اس کی نفی کرتی ہے۔

"ولآيات والاحاديث المذكوره فى الباب تدل على مشروعيه الاستكثار من الصلاة بين المغرب والعشاء، ولاحاديث وان كان اكثرها ضعيفاً فهى منتهصه بمجموعها، لاسيما فى فضائل الاعمال."

اس کا مطلب یہ ہے کہ مغرب اور عشاء کے درمیان نوافل کی کثرت سے متعلق اکثر حدیثیں اگر چہ ضعیف ہیں، لیکن مجموعی حیثیت سے مضبوط ہیں، خاص کر فضائل اعمال میں۔

نیز آپ کی کتاب ''تحفة الذاكرين'' کا مطالعہ کرنے والا شخص تو ہمت ہی نہیں کر سکتا کہ ان کی طرف سے زیر بحث مسئلہ میں خلاف جمہور رائے کا انتساب کرے، کیوں کہ وہ تو ضعاف سے بھری پڑی ہے۔(ملاحظہ ہو التعریف)

ان معروضات سے یہ حقیقت آشکارا ہوگئی کہ ضعیف حدیث جب کہ موضوع نہ ہو، باب احکام وعقائد کے علاوہ میں اجماعی طور سے پوری امت کے نزدیک قابل عمل ہے، اور چوں کہ فضائل، مناقب، ترغیب وترہیب، سیر ومغازی کی احادیث کے ذریعہ غفلت سے بیداری اور دین پر عمل کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔اس لیے پورے شدومد سے ان کے خلاف ہوا کھڑا ہو گیا ہے، تا کہ مذہبی احکام کی اہمیت کم سے کم تر ہو جائے، پھر زیاں کے بعد زیاں کا احساس باقی نہ رہے "ياليت قومى يعلمون."

ضعیف حدیث پر عمل کی شرائط:

ہاں یہ ضرور ہے کہ ضعیف حدیث کا ثبوت متحمل ہوتا ہے، اس لیے اس سے استدلال کے وقت کچھ امور کا لحاظ رکھنا ضروری ہے، حافظ شمس الدین سخاوی نے القول البدیع (ص:۱۵۹) میں ابن حجرؒ سے نقل کیا ہے۔

حدیث ضعیف پر عمل کے لیے تین شرطیں ہیں:

۱۔ یہ کہ ضعف غیر شدید ہو، چنانچہ وہ حدیث جس کی روایت تنہا کسی ایسے شخص کے طریق سے ہو جو کذاب یا متہم بالکذب، یا فاحش الغلط ہو، خارج ہوگی۔

۲۔ اس کا مضمون قواعد شرعیہ میں سے کسی قاعدہ کے تحت آتا ہو، چنانچہ وہ مضمون خارج از عمل ہوگا، جو محض اختراعی ہو، اصول شرعیہ میں سے کسی اصل سے میل نہ کھاتا ہو، (ظاہر ہے اس کا فیصلہ دیدہ ور اور بالغ نظر فقہاء ہی کر سکتے ہیں، ہر کسی کے بس کی بات نہیں۔

۳۔ اس پر عمل کرتے وقت اس کے ثبوت کا عقیدہ نہ رکھا جائے، بلکہ صرف اس کے ثواب کے حصول کی امید کے ساتھ کیا جائے، مبادا آنحضرت ﷺ کی جانب ایک بات جو واقع میں آپؐ نے نہ فرمائی ہو، اس کا آپ کی طرف منسوب کرنا لازم آجائے۔

۴۔ مولانا عبدالحی لکھنویؒ نے ایک چوتھی شرط بھی ذکر کی ہے وہ یہ کہ مسئلہ کے متعلق اس سے قوی دلیل معارض موجود نہ ہو، پس اگر کوئی قوی دلیل کسی عمل کی حرمت یا کراہت پر موجود ہو اور یہ ضعیف اس کے جواز یا استحباب کی متقاضی ہو، تو قوی کے مقتضی پر عمل کیا جائے گا۔

''فضائل اعمال'' اور ''ترغیب وترہیب'' کا فرق

واضح رہے کہ اہل علم ضعیف حدیث کے قابل قبول ہونے کے مواقع بیان کرتے ہوئے اپنی عبارتوں میں ''فضائل اعمال'' اور ''ترغیب وترہیب'' دو لفظوں کا استعمال کرتے ہیں، فضائل اعمال کا اطلاق ایسے موقعوں پر کرتے ہیں جہاں کوئی مخصوص عمل پہلے سے کسی نص صحیح یا حسن سے ثابت ہونے کی بجائے کسی ضعیف حدیث کا اس عمل کا ذکر اور اس کی فضیلت آئی ہو اور علمائے امت اور فقہائے کرام اس ضعیف حدیث ہی کی بنیاد پر اس عمل کو مستحب قرار دیتے ہیں، مذکورہ بالا شرطوں کے ساتھ، مثلاً: مغرب کے بعد چھ رکعات کا پڑھنا، قبر میں مٹی ڈالتے وقت مخصوص دعا کا پڑھنا مستحب قرار دیا گیا ہے، (جیسا کہ گذرا) اور جیسے اذان میں ترتیل (ٹھہر ٹھہر کر اذان ادا کرنا) اور اقامت میں حدر (روانی سے ادا کرنا) مستحب ہے، ترمذی کی حدیث ضعیف کی وجہ سے جو عبدالمنعم بن نعیم کے طریق سے روایت کر کے کہتے ہیں: "**هذا اسناد مجهول**" اور **عبدالمنعم** کو ''دارقطنی'' وغیرہ نے ضعیف کہا ہے، ان مثالوں میں مذکورہ بالا شرطیں پائی جا رہی ہیں۔

اور" ترغیب وترہیب" کا اطلاق ایسے مواقع میں کرتے ہیں، جہاں کہ وہ مخصوص عمل کسی نص قرآنی، حدیث صحیح یا حسن سے ثابت ہو اور کسی حدیث ضعیف میں ان اعمال کے کرنے پر مخصوص ثواب کا وعدہ اور نہ کرنے یا کوتاہی کرنے پر مخصوص وعید وارد ہوئی ہو، چنانچہ اس مخصوص وعدہ اور وعید کو بیان کرنے کے لیے ضعیف سے ضعیف حدیث کو مذکورہ بالا شرطوں کے بغیر بھی بیان کرنا جائز قرار دیتے ہیں، اس لیے کہ اس میں اس حدیث سے کسی طرح کا کوئی حکم ثابت نہیں ہوتا اور فضائل میں جو استحباب ثابت ہوتا ہے وہ بر بنائے احتیاط ہے اور بعض شوافع کے نزدیک تو استحباب حقیقۃً حکم اصطلاحی ہی نہیں ہے، اس لیے کوئی اشکال نہیں امام بیہقی رحمہ اللہ دلائل النبوۃ (۱/ ۳۳-۳۴) میں فرماتے ہیں:

واما النوع الثانی من الاخبار فهی احادیث اتفق اهل العلم بالحدیث علی ضعف مخرجها وهذا النوع علی ضربین: ضرب رواه من کان معروفاً بوضع الحدیث والکذب فیه، فهذا الضرب لایکون مستعملاً فی شیء من امور الدین الا علی وجه التلین......

وضرب لایکون راویه متهماً بالوضع غیر انه عرف بسوء الحفظ و کثرة الغلط فی روایاته، او یکون مجهولاً لم یثبت من عدالته وشرائطه قبول خبره ما یوجب القبول، فهذا الضرب من الاحادیث لایکون مستعملاً فی الاحکام، وقد یستعمل فی الدعوات، والترغیب والترهیب، والتفسیر، والمغازی فیما لایتعلق به حکم" انتهی.

اور ترغیب وترہیب کے لیے مذکورہ نرمی محدثین کے طرز عمل سے ظاہر ہے، جیسا کہ اگلے عنوان میں واضح ہوگا۔

یہ فرق مولانا عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ کی اس عبارت سے بھی مترشح ہوتا ہے:

"فان عبارة النووی وابن الهمام وغیرهما منادیة باعلی النداء یکون المراد بقبول الحدیث الضعیف فی فضائل الاعمال هو ثبوت الاستحباب ونحوه به، لا مجرد ثبوت فضیلة لعمل ثابت بدلیل آخر، ویوافقه صنیع جمع من الفقهاء و المحدثین حیث یثبتون استحباب الاعمال التی لم یثبت. بالاحادیث الضعیفة وایضاً لو کان المراد ما ذکره، (یعنی الخفاجی من ان المراد بقبول الضعیف فی الفضائل

هو مجرد ثبوت فضيلة لعمل ثابت) لما كان لقولهم "يقتل الضعيف في فضائل الاعمال وفي المناقب" وفي الترغيب والترهيب فائدة يعتد بها."

ضعیف یا موضوع حدیثوں کی پذیرائی کس کس نے کی؟

جیسا کہ گذر چکا ہے کہ بطور متن لائی گئی حدیثوں میں شیخ الحدیث رحمہ اللہ نے کوئی ایسی حدیث اپنی دانست کے مطابق ذکر نہیں کی جو موضوع ہو، چنانچہ جس کسی حدیث کے متعلق کسی نے وضع کی بات کی ہوتی ہے اور شیخ اس کے طرق اور مؤیدات وشواہد کی بنا پر مطمئن ہوتے ہیں تو ان طرق وشواہد کے ساتھ حدیث ذکر کرتے ہیں۔

البتہ شرح میں تائید وتوضیح کے طور پر امام غزالی کی احیاء العلوم، فقیہ ابواللیث کی تنبیہ الغافلین اور قرۃ العیون جیسی کتابوں سے بکثرت لیتے ہیں۔ اس حقیقت کے اعتراف میں ہمیں ذرا بھی تأمل نہیں کہ ان کتابوں میں انتہائی ضعیف، موضوع و بے اصل روایات کی تعداد خاصی ہے۔ چنانچہ "مجموعہ فضائل اعمال" میں بھی اس طرح کی روایات کا در آنا بعید نہیں، اس کے باوجود ہمارا دعویٰ ہے کہ اس کتاب کی معتبریت اور حیثیت پر کوئی اثر نہیں پڑتا...... آخر کیوں؟

اس لیے کہ ہم نے بڑے بڑے ائمہ جرح وتعدیل اور نقادِ حدیث کو دیکھا کہ جب وہ رجال کی جرح وتعدیل اور حدیثوں میں ثابت وغیر ثابت، صحیح وغیر صحیح کی تحقیق کرنے کے موڈ میں ہوتے ہیں، تو ان کا انداز تحقیق اور لب ولہجہ اور ہوتا ہے اور جب اخلاق، آداب، فضائل یا ترغیب وترہیب کے موضوع پر قلم اٹھاتے ہیں۔ تو اتنا نرم، پہلو اختیار کرتے ہیں کہ موضوع تک کو بطور استدلال پیش کر ڈالتے ہیں اور معلوم نہیں ہوتا کہ یہ وہی ابن جوزی، منذری، نووی، ذہبی، ابن حجر، ابن تیمیہ اور ابن قیم رحمہم اللہ ہیں، جن پر فن نقد ودرایت کو بجا طور پر ناز ہے اور مجموعی طور پر ان اساطین علم حدیث کا طرز عمل صاف غمازی کرتا ہے کہ ترغیب وترہیب وغیرہ کے باب میں چشم پوشی زیادہ ہے۔ جس کا آج کے مدعیان علم وتحقیق نہ جانے کس مصلحت سے نظر انداز کر رہے ہیں؟

امام بخاریؒ سمیت جمہور محدثین وفقہاء کا ضعیف حدیث کے ساتھ نرم پہلو اختیار کرنے کا معاملہ معلوم ہو چکا، اس کے علاوہ کچھ نامور ناقدین حدیث اور مشہور مصنفین کا ان کی کتابوں میں طرز عمل

ملاحظہ فرمائیں۔

۱۔ حافظ ابن جوزیؒ

حافظ ابو الفرج عبدالرحمن بن الجوزیؒ نے ایک طرف موضوعات کی تحقیق میں بے مثال کتاب تصنیف فرمائی تاکہ واعظین اور عام المسلمین ان موضوع حدیثوں کی آفت سے محفوظ رہیں، نیز وہ حدیث پر وضع کا حکم لگانے میں متشدد مانے جاتے ہیں۔ دوسری طرف اپنی پندو موعظت اور اخلاق و آداب کے موضوع پر تصنیف کردہ کتابوں میں آپ نے بہت سی ایسی حدیثیں نقل کر ڈالی ہیں، جو ضعیف کے علاوہ موضوع بھی ہیں۔ مثلاً دیکھئے ان کی کتاب "ذم الھوی"، "تلبیس ابلیس"، "رئووس القواریر" اور "التبصرہ"، جس کی تلخیص شیخ ابوبکر احسائی نے "قرۃ العیون المبصرۃ بتلخیص کتاب التبصرہ" میں کی ہے۔

یہ بات حافظ ابن تیمیہؒ نے "الرد علی البکری" (ص:۱۹) میں ابونعیمؒ، خطیبؒ، ابن جوزیؒ، ابن عساکرؒ، اور ابن ناصرؒ کے متعلق مشترکہ طور پر کہی ہے، حافظ سخاویؒ نے شرح الالفیہ میں لکھا:

"وقد اکثر ابن الجوزی فی تصانیفه الوعظیه فما اشبهها من ایراد الموضوع وشبهه"

۲۔ حافظ منذریؒ

حافظ منذری کی الترغیب والترہیب کے نہج اور اس کے متعلق حافظ سیوطیؒ کی رائے گزر چکی اور ضمناً یہ بات بھی آئی کہ وہ ایسی حدیثیں بھی لاتے ہیں جس کی سند میں کوئی کذاب یا متہم راوی ہوتا ہے اور اس کو صیغۂ تمریض "روی" سے شروع کرتے ہیں (شیخ رحمہ اللہ بھی ترغیب وترہیب منذری کی ایسی کوئی روایت نقل کرتے ہیں تو صیغۂ تمریض ہی سے کرتے ہیں) حافظ منذری اپنے مقدمہ میں کتاب کی شرطوں اور مصادر و مآخذ سے فارغ ہو کر لکھتے ہیں:

"واستوعبت جمیع ما فی کتاب ابی القاسم الاصفهانی مما لم یکن فی الکتب المذکورۃ، وهو قلیل واضربت عن ذکر ما قلیل فیه من الاحادیث المتحققة الوضع"

یعنی مذکورہ اہم مصادر حدیث کے علاوہ میں نے ابوالقاسم اصفہانی کی ترغیب وترہیب (جس میں انہوں نے اپنی سند سے حدیثیں تخریج کی ہیں) کی وہ ساری حدیثیں لی ہیں، جو مذکورہ کتب میں نہیں

آسکیں اور ان کی تعداد بہت تھوڑی ہے اور حدیثوں کو نظر انداز کر دیا ہے جس کا موضوع ہونا قطعی ہے۔

معلوم ہوا کہ کسی حدیث کی سند میں کذاب یا متہم راوی کا ہونا اس کے واقعی موضوع ہونے کو مستلزم نہیں ہے، تبھی تو منذریؒ نے ایسی روایات کو منتخب کر لیا جو ان کے نزدیک قطعی طور پر موضوع نہیں ہیں اور ان کی سند میں ایسے رجال ہیں جو کذاب یا متہم کہے گئے ہیں۔

۳۔ علامہ نوویؒ

علامہ نوویؒ شارح صحیح مسلم کے متعلق بھی علامہ کتانی نے (الرحمۃ المرسلۃ ص: ۱۵) میں حافظ سیوطی کا یہ جملہ نقل کیا ہے: ''اذا علمتم بالحدیث انه فی تصانیف الشیخ محیی الدین النووی فاروده مطمئنین'' اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ موضوع حدیث اپنی کتابوں میں ذکر نہیں کرتے اور ضعیف حدیثیں تو اس میں شک نہیں کہ ان کی کتاب ''الاذکار'' میں ان کی خاصی تعداد ہے جس سے معذرت کے طور پر مقدمہ میں انہیں یہ حقیقت واشگاف کرنی پڑی کہ ضعیف حدیث اگر موضوع نہ ہو تو فضائل اور ترغیب و ترہیب میں معتبر ہوتی ہے جیسے کہ گزرا۔

بلکہ ''ریاض الصالحین'' جو باب فضائل میں صحیح حدیثوں کا مجموعہ ہے اور جس کے متعلق انہوں نے صراحت کی ہے کہ وہ صحیح حدیث ہی ذکر کریں گے، اس میں چند ایک ضعیف حدیثیں موجود ہیں، شیخ عبدالفتاح ابوغدہ نے بطور مثال تین حدیثیں پیش کی ہیں۔ مثلاً:

(۱) ''الکیس من دان نفسه الخ'' اس کی سند میں ابوبکر بن عبداللہ بن مریم ہے، جو بہت ہی ضعیف ہے۔ (فیض القدیر ۶۸/۵)

(۲) ''ما اکرم شباب شیخاً الا فیض الله له من یکرمه عند کبر سنه''

اس کے ضعیف ہونے میں تو کوئی شبہ نہیں، کیوں کہ اس کی سند میں یزید بن بیان عقیلی اور اس کا شیخ ابوالرحال خالد بن محمد الانصاری دونوں ضعیف ہیں۔ (فیض القدیر ۴۲۵/۵، تہذیب التہذیب وغیرہ)

(۳) ''لاتشربوا واحداً کشرب البعیر'' اس کی سند میں یزید بن سنان ابوفروہ الرہاوی ضعیف ہیں ترمذی کے نسخوں میں اس حدیث پر حکم مختلف ہے، بعض نسخوں میں ''حسن'' اور بعض میں ''غریب'' واضح رہے کہ امام ترمذی تنہا لفظ ''غریب'' اس جگہ لاتے ہیں جہاں سند میں کوئی ضعیف راوی منفرد ہوتا ہے،

حافظ نے فتح (۸۱/۱۰) میں فرمایا: سنده ضعيف۔

(۴) حافظ ذہبیؒ

حافظ ذہبی جن کی جرح وتعدیل میں شان امامت مسلم ہے، ہزاروں راویان حدیث میں سے ہر ایک کی ذمہ دارانہ شناخت کے سلسلہ میں اپنی نظیر نہیں رکھتے، چنانچہ تلخیص المستدرک، میزان الاعتدال وغیرہ میں حدیثوں پران کی جانب سے صادر شدہ احکام مستند قرار دیے گئے ہیں بلکہ بعض مواقع میں تو ان پر تشدد کا بھی الزام ہے، انہوں نے بھی اپنی "کتاب الکبائر" میں ضعیف، واہی، بلکہ موضوع تک کو بطور استشہاد پیش کیا ہے، شاید ان کا مذہب بھی اس سلسلہ میں ان کے پیش رو حافظ ابن الجوزیؒ جیسا ہے مثلاً:

(۱) کبیرہ گناہ "ترک صلاۃ" کے تحت کئی ضعیف حدیثیں ذکر کی ہیں، ان میں وہ طویل حدیث بھی ہے جو شیخ کی کتاب "فضائل اعمال" ص: ۲۸ تا ۳۱ میں درج ہے جس کے بموجب نماز کا اہتمام کرنے والے کا اللہ تعالیٰ پانچ طرح سے اکرام کرتے ہیں، اور اس میں سستی کرنے والے کو پندرہ طریقہ سے عذاب دیتے ہیں پانچ طرح دنیا میں، تین طرح موت کے وقت، تین طرح قبر میں اور تین طرح قبر سے نکلنے کے بعد شیخ نے تو یہ حدیث ابن حجر مکی ہیثمی کی "الزواجر" کے حوالہ سے نقل کی ہے، جس کی ابتدا: "قال بعضهم: وزد في الحديث" سے کی ہے، مزید اس کے چند حوالے اور مئویدات ذکر کرتے ہوئے حافظ سیوطی کی ذیل اللالی سے نقل کیا کہ ابن النجار نے ذیل تاریخ بغداد میں اپنی سند سے ابو ہریرہؓ کے طریق سے اس کو روایت نقل کیا ہے۔ میزان الاعتدال میں ہے:

"هذا حديث باطل، ركبه على بن عباس على ابى بكر بن زياد النيسابورى"

پھر امام غزالیؒ اور صاحب منبہات کے حوالہ سے بھی اس مضمون کو مئوید کیا، الغرض شیخ نے تو مذکورہ بالا تمام حضرات کے طرز عمل سے یہ نتیجہ نکالا کہ حدیث بے اصل نہیں ہے اور ترغیب وترہیب کے لیے پیش کی جاسکتی ہے۔

لیکن تعجب حافظ ذہبیؒ پر ہے کہ خود میزان میں اس کے باطل ہونے کی تصریح فرماتے ہیں اور "کتاب الکبائر" میں "قد ورد في الحديث" کے صیغۂ جزم سے اس طرح ذکر کرتے ہیں جیسے کتنی ہی مضبوط درجہ کی حدیث ہو۔

(۲) اسی کتاب کے ص:۴۴ پر کبیرہ گناہ "حقوق الوالدین" کے تحت یہ حدیث نقل کرتے ہیں:

"لو علم الله شيئا ادنى من الاف لنهى عنه فليعمل العاق ما شاء ان يعمل فلن يدخل الجنة، وليعمل البار ما شاء ان يعمل، فلن يدخل النار"

اس حدیث کو دیلمی نے اصرام بن حوشب کے طریق سے حضرت حسین بن علیؓ کی حدیث سے مرفوعاً روایت کیا ہے، اس اصرام کے متعلق خود حافظ ذہبی میزان (۲۶/۱) میں فرماتے ہیں:

"قال يحيىٰ فيه: كذاب خبيث، وقال ابن حبان: كما كان يضع الحديث على الثقات"

اس میں شبہ نہیں کہ حدیث میں معنوی نکارت کے علاوہ ایک کذاب اس کی روایت میں منفرد ہے، جو کسی طرح ترغیب وترہیب میں قابل ذکر نہیں ہے اور ذہبی نے اس سے استشہاد کیا۔

(۳) کبیرہ گناہ شربِ خمر کے تحت دو حدیثیں نقل کی ہیں، جن پر محدثین نے وضع کا حکم لگایا ہے، ایک صفحہ ۸۹ پر حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت ہے، جس کے بموجب شرابی کی توبہ قبول نہیں ہوتی، دوسری صفحہ ۹۱ پر حضرت ابن عمرؓ کی روایت ہے جس کے بموجب شرابی کو سلام کرنا، اس کے جنازہ میں شرکت وغیرہ کو رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے۔

حافظ ذہبیؒ کی ہی دوسری کتاب "العلو لعلی الغفار" ہے، اس میں بھی کافی حد تک تساہل پایا جاتا ہے، لیکن اس کا معاملہ ہلکا یوں ہے کہ اس میں ذہبیؒ نے حدیثیں اپنی سند سے ذکر کی ہیں، اب یہ لینے والے کی ذمہ داری ہے کہ تحقیق کر کے لے۔

(۵) حافظ ابن حجرؒ

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ جو حدیثوں کے طرق والفاظ پر وسیع نظر رکھنے کے سلسلہ میں اپنا ثانی نہیں رکھتے، اور احادیث و رواۃ کے مراتب کی شناخت وتعیین میں سند ہیں، یہ اپنی کتابوں میں موضوع اور بے اصل روایات ہرگز پیش نہیں کرتے، البتہ کسی حدیث پر موضوع کا حکم لگانے میں بہت احتیاط کرتے ہیں محدث مغرب علامہ احمد بن الصدیق الغمازی رحمہ اللہ اپنی کتاب "المغير على الاحاديث الموضوعة في الجامع الصغير" کے صفحہ ۷ میں حدیث:

آفة الذين ثلاثة: فقيه فاجر، وامام جائر، مجتهد جاهل"

(جو مسند فردوس کے حوالہ سے ابن عباسؓ کے مسند کے طور پر جامع صغیر میں ہے) کو نقل کر کے فرماتے ہیں:

"قال الحافظ فی زهر الفردوس: فيه ضعف و انقطاع : قلت (المغازی) بل فيه كذاب وضاع، وهو نهشل بن سعيد، فالحديث موضوع، والحافظ وشيخة العراقی، متساهلان فی الحكم للحديث، ولا يكادان يصرحان بوضع حديث الا اذا كان كالشمس فی رابعة النهار (كما فی التعليقات على الوجوبة الفاضلة)

یعنی محدث احمد بن الصدیق الغمازی کے بقول حافظ ابن حجر اوران کے شیخ حافظ عراقی دونوں حدیث پر وضع کا حکم اس وقت تک نہیں لگاتے جب تک کہ علامات وضع روز روشن کی طرح نہیں دیکھ لیتے، اگر یہی مسلک شیخ زکریا رحمہ اللہ نے مجموعہ فضائل اعمال میں اختیار کر لیا ہے تو اس قدر واویلا مچانے کی کیا ضرورت ہے؟

(۲) حافظ سیوطیؒ

حافظ ابو بکر سیوطیؒ تو اس میدان کے مرد اور ضعاف و موضوعات کی پذیرائی میں ضرب المثل ہیں، انہوں نے اپنی کتاب جامع الصغیر کے مقدمہ میں اپنی شرط کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے:

"وصنته عما تفرد وضاع او كذاب"

اس کی شرح میں حافظ عبدالرؤف المناوی لکھتے ہیں:

"ان كا ماذكره من صونه عن ذلك اغلبی، او ادعائی، والا فكثير اما وقع له انه لم يصرف الی النقد الاهتمام، فسقط فيما التزام الصون عنه فی هذا لمقام كما ستراه موضحاً فی مواضعه، لكن العصمة لغير الانبياء متعذرة، والغفلة على البشر شاملة منتشرة، والكتاب مع ذلك من اشرف الكتب مرتبة واسماها منقبة" (فيض القدير ۱ / ۲۱)

یعنی حافظ سیوطیؒ کا یہ کہنا کہ میں نے ایسی حدیث سے اس کتاب کو محفوظ رکھا ہے، جس کی روایت میں کوئی کذاب یا وضاع منفرد ہو، یہ دعویٰ یا تو اکثری یا دعویٰ محض ہے، کیوں کہ بہت سے ایسے مواقع ہیں جہاں آپ نے صحیح طور پر پرکھا نہیں، چنانچہ جس سے محفوظ رکھنے کا التزام کیا تھا، وہ نادانستہ طور سے کتاب میں در آیا، جیسا کہ موقع پر وضاحت سے آپ کو معلوم ہوگا، بہرحال معصوم نبی کے علاوہ کوئی

نہیں، بھول چوک انسانی خاصہ ہے، اس کے باوجود کتاب مرتبہ وحیثیت کے اعتبار سے عظیم ترین ہے اور بلند پایہ خصوصیت کی حامل ہے۔

محدث ابن الصدیق الغمازی اپنی کتاب

"المغير على الاحاديث الموضوعة فی الجامع الصغير" میں لکھتے ہیں:

"بلکہ اس میں جو حدیثیں سیوطیؒ نے ذکر کی ہیں، ان میں وہ حدیثیں بھی ہیں جن کے موضوع ہونے کا حکم خود انہوں نے لگایا ہے یا تو اپنی لآلی میں ابن جوزی کی موافقت کر کے یا خود ذیل اللآلی میں بطور استدراک ذکر کر کے"۔

شیخ عبدالفتاح ابوغدہ رحمہ اللہ نے الجامع الصغیر کی سات ایسی حدیثوں کی تعیین کی ہے جن کے وضع پر مؤلف نے ابن جوزی کی موافقت کی ہے اور پندرہ ایسی حدیثوں کی جن پر مؤلف نے اپنی طرف سے ذیل اللآلی میں وضع کا حکم لگایا ہے۔ حافظ سیوطی کے تساہل پر بصیرت افروز کلام کے لیے دیکھئے:

(تعليقات على الاجوبة الفاضلة للشيخ ابو غدة ص: ۱۲۶ تا ۱۳۰)

جیسا کہ معلوم ہو چکا ہے کہ جن حدیثوں کے متعلق موضوع ہونے کا شیخ کو شبہہ بھی ہوتا ہے، تو مؤیدات وشواہد جمع کرنے کا پورا اہتمام فرماتے ہیں، تو کیا اس بنا پر "مجموعۂ فضائل اعمال" حافظ سیوطیؒ کی کتاب سے اگر فائق نہیں تو اس کے برابر بھی نہیں قرار دیا جا سکتا ہے؟ ہمارے نزدیک اس پر بھی وہ تبصرہ منطبق ہوتا ہے جو مناوی نے جامع صغیر پر کیا۔

۷۔ حافظ ابن قیم الجوزیہؒ

حدیثوں پر وضع کا حکم لگانے میں جو محدثین متشدد مانے جاتے ہیں ان میں ایک نام حافظ ابن قیم کا ہے، اس دعویٰ کا ثبوت ان کی کتاب "المنار المنيف في الصحيح والضعيف" جس میں انہوں نے چند ایک ابواب پر یہ کلی حکم لگایا ہے کہ اس باب میں جو کچھ مروی ہے باطل ہے، تاہم اس میں شک نہیں کہ نقد حدیث میں ان کی حیثیت مرجع ومسند ہے۔

لیکن ان کا حال یہ ہے کہ اپنی بعض تصنیفات مثلاً مدارج السالکین، زاد المعاد وغیرہ میں کتنی ہی ضعیف اور منکر حدیثیں کوئی تبصرہ کے بغیر بطور استدلال پیش کر ڈالتے ہیں، خاص طور سے اگر حدیث ان کے نظریہ کی تائید میں ہوتی ہے تو اس کی تقویت میں بات مبالغہ کی حد تک پہنچ جاتی ہے، مثلاً زاد المعاد

(۳/۵۴۔۵۷) میں وفد بنی المنتفق پر کلام کے ذیل میں ایک بہت لمبی حدیث ذکر کی ہے، جس میں یہ الفاظ بھی ہیں:

"ثم...... تلبثون کا لبثم ثم تبعث الصائحة، فلعمرو الھک ما تدع علی ظهرها شئا الا مات، تلبثون ما لبثم، ثم یتوفی نبیکم، والملئکة الذین مع ربک، فاصبح ربک عزوجل یطوف فی الارض، وخلت علیه البلاد"

اس حدیث کو ثابت وصحیح قرار دینے میں ابن قیمؒ نے پورا زور صرف کیا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:

"ھذا حدیث جلیل کبیر تنادی جلالته وفحامته وعظمته علی انه قد خرج من مشکاة النبوة، لایعرف الا من حدیث عبدالرحمن بن المغیرة المدنی."

پھر عبدالرحمٰن بن مغیرہ کی توثیق اور ان کتابوں کے حوالوں کے ذریعہ جن میں یہ حدیث تخریج کی گئی ہے لمبا کلام کیا، حالاں کہ خود ان کے شاگرد حافظ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں لکھا ہے کہ: "ھذا حدیث غریب جداً، الفاظه فی بعضها نکارة" یعنی یہ حدیث انتہائی اوپری ہے، اس کے بعض الفاظ میں نکارت ہے، حافظ ابن حجر نے تہذیب التہذیب میں عاصم بن لقیط بن عامر بن المنتفق العقیلی کے ترجمہ میں لکھا ہے کہ: **"وھو حدیث غریب جداً"** جب کہ علامہ ابن قیم نے اس کی تائید میں کسی کہنے والے کے اس قول تک کو نقل کر ڈالا ہے:

"ولاینکر ھذالقول الاجاحد او جاھل او مخالف للکتاب والسنة."

یہ چند نمونے ہی جو مشتے نمونہ از خروارے پیش کئے گئے ان سے ضعیف حدیث کے متعلق امت کا مجموعی طرز عمل معلوم ہوگیا، اور یہ بات اظہر من الشمس ہوگئی کہ بطور عمل متوارث حدیث ضعیف کا احترام چلا آیا ہے، اس کے خلاف کوئی موقف "اتباع غیر سبیل المومنین" (جماعت مسلمین کے راستہ کو چھوڑنے کے مترادف) ہے، خاص کر فضائل وغیرہ کے باب میں ضعیف حدیث کو بیان کرنا یا کسی کتاب میں شامل کرنا جرم نہیں ہے، ایسا کرنے والوں کی یہ ایک لمبی قطار ہے، ہم تو ان حضرات پر مکمل اعتماد کرتے ہیں، جو کچھ دینی وعلمی ورثہ ہم تک پہنچا وہ اس قدسی صفت جماعت کا احسان ہے۔ البتہ جن لوگوں کو ان کے طرز عمل پر اعتراض ہے وہ جانیں کہ یہ لوگ مجرم ہیں یا نہیں؟ شیخؒ نے بجا طور پر کہا اور خوب کہا:

اگر ان سب اکابرین کی یہ ساری کتابیں غلط ہیں تو پھر فضائل حج کے غلط ہونے کا اس ناکارہ کو بھی

قلق نہیں۔'' (کتب فضائل پر اشکالات اوران کے جوابات ص:۱۸۲)

تیسرا نکتہ

بعض ناقدین نے مجموعہ فضائل اعمال میں کثرت سے قصص وحکایات کرنے پر تنقید کی ہے، اور بعض قصص کے وقوع کا انکار کرتے ہوئے انہیں خرافات کا پلندہ اور دین سوز حکایات قرار دیا ہے، ہم یہ دعویٰ نہیں کرتے کہ جتنے واقعات شیخ نے نقل کئے ہیں سب صحیح ہی ہیں اور نہ شیخ کو ان حکایات کی صداقت منوانی منظور ہے، بلکہ ان قصوں کے داخل کتاب کرنے کا مقصد عبرت پذیری اور سبق آموزی میں اضافہ کرنا ہے اور یہ کوئی عجیب نہیں، بلکہ مزاج شریعت کے عین موافق ہے، بشرطیکہ دین وعقیدہ کا اس سے کوئی نقصان نہ ہو۔

اس میں شک نہیں کہ سچے واقعات کا عبرت پذیری اور تہذیب نفس میں خاصا دخل ہوتا ہے، انسانی طبیعت کسی واقعہ کے تناظر میں پیدا شدہ نتائج سے جس قدر متاثر ہوتی ہے معروضی انداز کی پند وموعظت سے اتنی متاثر نہیں ہوتی، یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں عبرت پذیری کے لیے جا بجا قصص بیان کئے گئے ہیں۔

"لقد کان فی قصصهم عبرة لاولی الالباب" (یوسف ۱۱۱)

اور آنحضرتؐ کو اس مقصد کی خاطر قصہ بیان کرنے کی تعلیم بھی دی گئی ہے۔

"فاقصص القصص لعلهم یتفکرون"

چنانچہ حضور ﷺ نے بعض تعلیمات کو ذہن نشین کرانے اور عبرت پذیری کی خاطر پچھلوں کے واقعات وقصص بیان بھی فرمائے۔ جو دواوین حدیث اور کتب تاریخ میں محفوظ ہیں۔ بعض مصنفین کتب حدیث نے اپنی مصنفات وجوامع میں کتاب الامثال، کتاب القصص وغیرہ کے مستقل عنوان بھی رکھے۔ چوں کہ ان قصوں کے بیان سے تحریم وتحلیل کا مفسدہ لازم نہیں آتا، اس لیے آپ ﷺ نے شریعت مصطفویہ پر کسی طرح آنچ نہ آنے دینے کی شرط کے ساتھ بنی اسرائیل کے قصے بیان کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی ہے۔

"حدثو عن بنی اسرائیل ولاحرج ومن کذب علی متعمداً فلیتبوا مقعده من النار." (مسند احمد ۵۶/۳، صحیح ابن حبان ۱۴۷/۱۴)

ظاہر ہے جن قصوں کے بیان کرنے کی اجازت دی گئی ہے ضروری نہیں کہ وہ پایہ ثبوت کو پہنچے ہوں، اور اگر ثابت بھی ہوں تو ضروری نہیں کہ اسی تفصیل کے ساتھ ہوں جس تفصیل سے بیان کئے جا رہے ہیں۔ بلکہ جو قصے خود حضور ﷺ نے بیان فرمائے ہیں، ان میں بھی مرکز توجہ ان کے وہ حصے ہیں جو مبنی بر موعظت وعبرت ہیں۔

ایک مثال

مثال کے طور پر حدیث ام زرع جو صحیحین کے علاوہ حدیث کی امہات کتب میں صحیح سندوں سے منقول ہے، یہ قصہ کہاں رونما ہوا؟ جن گیارہ عورتوں کی بات نقل کی گئی ہے ان کے نام ونسب کیا ہیں؟ پھر کون سی بات کس عورت نے کہی؟ یہ سب غیر معلوم ہے، پھر قصہ کو خود رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا۔ حضرت عائشہ ام المومنین یا صحابہؓ میں سے کسی اور نے؟ اس سلسلہ میں شراح حدیث کا اختلاف ہے نیز پورے قصے کو پڑھیے تو معلوم ہوگا کہ ان عورتوں نے اپنے اپنے شوہروں پر جو کچھ تبصرے کیے ہیں ان میں بعض تو ایسے ہیں کہ بخاری شریف پڑھنے والا طالب علم بڑی مشکل سے اپنی ہنسی ضبط کر پاتا ہے، لیکن چوں کہ قصہ کا مقصد اصلاً درس عبرت ہے اس لیے کوئی بھی عاقل یہ کہنے کی جسارت نہیں کرے گا کہ امام بخاری نے حیاسوز قصے صحیح بخاری میں بھر دیے یا نعوذ باللہ حدیث میں حیاسوز قصے بیان کیے گئے۔ اگر کوئی کہتا ہے تو یہ اس کے خبث باطن کی عکاسی کرتا ہے۔

اور جیسا کہ معلوم ہو چکا ہے کہ مواعظ وقصص میں کافی حد تک تساہل ہے اور حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ نے جو قصے نقل کیے ہیں وہ پچھلی کتابوں سے ماخوذ ہیں، اس لیے اولاً تو ان کے متعلق یہ مطالبہ کہ وہ صحت کے اعتبار سے بالکل کھرے ہونے چاہئیں، بے جا مطالبہ ہے، ثانیاً حوالہ دینے کے بعد ناقل اپنی ذمہ داری سے بری ہو جاتا ہے۔

محیر العقول قصے

رہی بات بعض ان قصوں کی جن کا تعلق خرق عادت امور کے ظہور ووقوع سے ہے، مثلاً سید احمد رفاعی کبیر کے قصہ میں روضۂ اقدس سے دست مبارک برآمد ہونے کا معاملہ۔ تو اس طرح کے واقعات میں واقعی طالب حق کے لیے استبعاد کی کوئی چیز نہیں ہے، اللہ تعالیٰ خرق عادت امور کو وقتاً فوقتاً ظاہر فرماتے ہیں۔ پھر یہ بھی ضروری نہیں کہ نمودار ہونے والا دست مبارک حقیقی ہو، بلکہ وہ مثالی بھی ہو سکتا ہے جیسا کہ بیک وقت ہزاروں کی تعداد میں زمین کے مختلف خطوں میں مردے دفن ہوتے ہیں اور وہاں حضور ﷺ کی شبیہ مبارک دکھائی جاتی ہے، وہ حقیقی بھی ہو سکتی ہے اور مثالی بھی۔

کتاب سے متعلق اس طرح کے اشکالات متعدد حضرات کو پیش آئے، انہوں نے شیخ سے رجوع کیا تو شیخ نے خطوط کے ذریعہ ان کے محققانہ و تشفی بخش جواب دیے، ان خطوط میں بعض بہت مدلل، پر مغز اور متعلقہ مسئلہ میں نادر و ٹھوس معلومات کا ذخیرہ ہیں۔ یہ خطوط حضرت شیخ کے نواسے اور ان کے علمی نوادرات کے امین مولانا محمد شاہد صاحب سہارنپور نے مستقل طور سے (کتب فضائل پر اشکالات اور ان کے جوابات) کے نام سے طبع کرا دیے ہیں۔ مجموعۂ فضائل کے ہر ایسے قاری کو ہم مذکورہ کتاب کو مطالعہ میں رکھنے کا مخلصانہ مشورہ دیتے ہیں جس کو دوران مطالعہ کچھ الجھنیں پیش آتی ہیں۔ ان شاء اللہ کہیں نہ کہیں اسکے اشکال کا حل مل جائے گا۔

واللہ یھدی من یشاء الیٰ صراط مستقیم

اضافہ شدہ ایڈیشن

جماعتِ تبلیغ پر اعتراضات کے جوابات



ترتیب و تبویب

مولانا حافظ محمد اسلم زاہد

شیخ الحدیث حضرت مولانا **محمد زکریا** کاندھلویؒ

حضرت مولانا **محمد منظور** نعمانیؒ

مناظرِ اسلام حضرت مولانا **محمد امین** صفدر اوکاڑویؒ

شہید اسلام حضرت مولانا **محمد یوسف** لدھیانویؒ

جماعتِ تبلیغ پر اعتراضات کے جوابات

ترتیب و تبویب

مولانا حافظ محمد اسلم زاہد

الھادی
للنّشر والتّوزیع
۳۸۔ غزنی سٹریٹ اردو بازار، لاہور

نام کتاب ---------- جماعتِ تبلیغ پر اعتراضات کے جوابات

تاریخ اشاعت ---------- اگست 2009ء

صفحات ---------- 304

ناشر ---------- الهادی للنشر والتوزیع

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انتساب

ایک کم علم خادم دین اسلام کی یہ کاوش اگر انتساب کے لائق ہے تو............ وہ............ یہ سمجھتا ہے کہ اسکی یہ تالیف منسوب کی جائے ان مجاہدین اسلام کی طرف جنہوں نے اس امت میں دعوت وتبلیغ کو فروغ دینے میں جان و مال اور وقت کی قربانیاں دیں اور آج............ قرونِ اولیٰ کی نقل ان قافلوں میں نظر آتی ہے جنکی ایمانی محنت ہر ذی شعور کے دل پر دستک دے رہی ہے۔

''ہم سب کی کامیابی کا دارومدار اطاعتِ الٰہی و اتباعِ محمدیؐ میں ہے............اور بس''

طالب علم

محمد اسلم زاہد

بسم الله الرحمن الرحيم

كُنتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ
لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ
وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ

فہرست

عرض ناشر

اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان سے اور والدین و اساتذہ کی نیک تمناؤں سے ''مکتبہ الھادی'' کتابستان میں نمودار ہوتے ہی اسلامی لٹریچر سے اپنی خدمات کی ابتداء کر رہا ہے۔ ''جماعت تبلیغ'' اس کا طریقِ کار اور اس کے انمٹ اثرات کسی بھی ذی شعور سے مخفی نہیں ہے۔ یہ جماعت ملک اور بیرون ملک پھیلے ہوئے لاکھوں اہل اسلام کے دلوں میں اپنا احترام پیدا کر چکی ہے۔ اس لیے ہم نے اپنے اس سفر سعادت کا آغاز اس تحریک سے متعلق دو کتابوں کو چھاپنے کے ساتھ کیا ہے۔

(1) ''جماعتِ تبلیغ پر اعتراضات کے جوابات''

(2) ''آیات و احادیث اور واقعاتِ چھ نمبر''

مؤلف مدظلہٗ کی اجازت اور خصوصی دل چسپی کے ہم مشکور ہیں اور ان حضرات کے بھی ممنون ہیں جن کی راہنمائی ہمارے حوصلے بلند کیے ہوئے ہے۔

مؤلف کی اجازت سے یہ کتاب اس سے پہلے بھی طبع ہو چکی ہے تاہم اس جدید طباعت میں کئی اہم اضافے ہیں جن سے کتاب کی افادیت میں اضافہ ہوا ہے۔

خصوصاً کتاب کے آخر میں ''دارالعلوم دیوبند'' کے استاذ مولانا محمد عبداللہ معروفی مدظلہٗ کی تحریر شاملِ اشاعت ہے۔ جس میں چند اصولی باتیں ہیں، جن سے ''فضائلِ اعمال'' پر اعتراضات کی حقیقت واضح ہو جاتی ہے۔

دوسری اہم خصوصیت اس مضمون کی یہ ہے کہ اس میں ضعیف احادیث کی حجیت پر ''اہلِ سنت والجماعت'' کے موقف کی وضاحت ہے۔ جو فی زمانہ انتہائی ضروری قابل مطالعہ تحریر ہے۔ یہ تحریر مؤلف کے بیٹے ابوعبدالرحمٰن نعمان زاہد نے انٹرنیٹ سے لی ہے۔ اس مضمون کا ایک بڑا حصہ ایسا تھا جو اس کتاب میں پہلے ہی طبع ہو چکا ہے۔ تکرار سے بچنے کے لیے اسے چھوڑ کر بقیہ مفید حصہ شامل کر دیا گیا ہے۔

قارئین سے درخواست ہے کہ وہ مؤلف، ناشر، ان کے اساتذہ و والدین اور ان مضامین نگاروں کو دعاؤں میں یاد رکھیں جن کی تحریروں سے استفادہ کرتے ہوئے کتاب کو ترتیب دے کر امت مسلمہ کے سامنے پیش کیا ہے۔

حافظ شفیق الرحمٰن

25,07,2009

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اس کتاب کی موجودہ ترتیب کا پسِ منظر

دعوت وتبلیغ کے نام سے پوری دنیا میں ''ایک محنت'' پورے اخلاص کے ساتھ جاری ہے، جس کے ثمرات وفوائد روز روشن کی طرح واضح ہیں۔

ہر دور میں اہل علم نے اپنی دیگر دینی واصلاحی مصروفیات کے ساتھ اپنے بیانات، تحریروں اور اس جماعت کے ساتھ وقت لگا کر اس عظیم عالمی فکر رکھنے والی جماعت کی تائید کی۔

ادھر کچھ ''کرم فرماؤں'' نے کفر وشرک اور الحاد کو تو نظر انداز کر دیا اور اس داعی الی الدین جماعت کی بیخ کنی کی طرف رخ کر لیا اور عوام وخواص کو اس دینی فریضہ اور عالمی بیداری کی تحریک سے دور رکھنے کی مساعی لاحاصل شروع کر دیں۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ، قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ اور مولانا منظور احمد نعمانی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا محمد امین اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ و دیگر اہل علم صاحبان قلم نے رسائل اور کتب کے ذریعے ان ''مہربانوں'' کے سوالات کے جوابات دے کر اس عظیم فکری وعملی جماعت میں شمولیت کی دعوت دی۔

جماعت کی مخالفت کے لیے جو لوگ ادھار کھائے بیٹھے تھے ان پر تو اثر کیا ہونا تھا؟ لیکن ان جوابات سے اخلاص اور اصلاح کے حاملین حضرات کو تسلی ہوگئی اور وہ آہستہ آہستہ اس عظیم تحریک کے ممبر بن گئے۔

راقم نے دیکھا ہے اور اپنے مخلص احباب سے بھی سنا ہے کہ اعتراضات کرنے والوں میں اہل بدعت نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا کیوں کہ یہ سنت رسول ﷺ کو عام کرنے کی تحریک تھی ان کے علاوہ اہل علم میں معترفین کی ایک کثیر تعداد وہ ہے جو خود اپنے سرپرست حضرات کے جماعت میں لگنے کی وجہ سے دینی تعلیم کی طرف آئی۔ اور انہوں نے اپنی محسن جماعت کو تختہ مشق

بنالیا لیکن کیوں کہ جماعت کی تشکیل اخلاص پر تھی وہ دن بدن ترقی کرتی رہی۔ اور دنیا کے ہر کونے سے جماعتوں کے آنے اور جانے کا سلسلہ شروع رہا۔

اعتراضات کے جوابات کی غالباً پہلی تحریری کوشش حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''تبلیغی جماعت پر عمومی اعتراضات اور ان کے جوابات'' ہے۔ بلاشبہ بڑی مقبول ہوئی اس کتاب کے بہت سے ایڈیشن نکل گئے، لیکن پہلی کتاب کے عکس در عکس کی وجہ سے الفاظ کافی بے رونق نظر آنے لگے۔

دوسرے، عنوانات کم ہونے کی وجہ سے جدید کتب کا عادی نوجوان اسے مشکل سمجھنے لگا۔ بلکہ بعض اہل علم نے بھی اسے ایک مضمون قرار دیا حالانکہ یہ کتاب حضرت شیخؒ کے علوم کے اور عالمی تبلیغی ایمانی تحریک کی معلومات کے استحضار کا بین ثبوت ہے۔

تیسرے حضرت شیخ رحمہ اللہ کے زمانے میں جماعت پر جو اعتراضات ہوئے ان کے جوابات حضرت نے اس طرح دیے کہ آج تک کافی ہیں اور غور سے کتاب کو سمجھ لیا جائے تو بہت سے آئندہ ہونے والے سوالات کے جوابات بھی اسی میں مل جائیں گے۔

اس سے قبل وقت کی ضرورت کے پیش نظر حضرت نعمانی رحمہ اللہ کا مضمون بھی حضرت شیخ الحدیث کی کتاب میں شامل کر دیا گیا۔

اب حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمہ اللہ کے وہ جوابات جو انہوں نے ''آپ کے مسائل اور ان کا حل'' میں بڑی بصیرت افروزی سے دیئے ہیں ان کو بھی خاص ترتیب کے ساتھ شامل اشاعت کیا جا رہا ہے ان جوابات کی خاصیت یہ ہے کہ ان میں ان مسائل کا حل بھی موجود ہے جو جماعت میں چلنے والے احباب کو پیش آتے ہیں۔

احباب کی خواہش ہوئی اور راقم سے بعض دوستوں نے حکماً بھی کہا اور خود مرتب نے بھی محسوس کیا۔ حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کے ان قیمتی جواہر پاروں اور آپ کی اس شاہکار تصنیف کی ترتیب نو بھی کر دی جائے جس سے کتاب کے مضامین کو سمجھنے میں آسانی ہو اور جدید طرز کتابت سے مزین کر کے اچھے کاغذ پر چھاپا جائے۔ دوسری خاص ضرورت یہ محسوس کی گئی کہ ہمارے اہل حدیث حضرات (درحقیقت غیر مقلدین) نے بھی جماعت پر طبع آزمائی

شروع کردی ہے۔ کچھ ان حضرات کی خدمت میں بھی عرض کردیا جائے اور جماعت میں چلنے والے احباب کو بھی اعتراضات کی حقیقت کا علم ہو جائے۔ ہمارے ان بھائیوں نے قرآن وحدیث کا مقدس نام استعمال کر کے پہلے فقہ حنفی اور اب خاص طور پر جماعت سے دور کرنے کے لیے بڑا خوبصورت جال تیار کیا ہے، جس سے پوری ملت اسلامیہ کو خسارہ پہنچ رہا ہے۔

اس مقصد کے حصول کے لیے امینِ ملت حضرت مولانا محمد امین اوکاڑویؒ کے علوم سے استفادہ کیا گیا جو بحمد للہ اس فرقہ کی نبض شناسی اور تجویز علاج میں سند کا درجہ رکھتے ہیں۔ جنہیں دونوں جماعتوں (تبلیغی جماعت اور جماعت اہل حدیث) میں رہنے کا موقع ملا اور انہوں نے دونوں کو قریب سے دیکھا۔

قبل ازیں غیر مقلدین کے سوالات و وساوس پر جوابات کی ضرورت محسوس نہ تھی کہ یہ حضرات جماعت کے مداح تھے اور بعض جگہ پر اب بھی دستِ تعاون سے گریز نہیں ہے۔ بلکہ بعض جگہ جماعت کی قیادت بھی انہیں کے ہاتھوں میں ہے۔ ہمارے شہر چونیاں کے سابق امیر الحاج محمد انور صاحب اب بھی پوری سرپرستی کرتے ہیں اور راقم اور اس کے دادا جی رحمہ اللہ کا پہلا سہ روزہ بھی ان ہی کے ساتھ لگا۔

لیکن ایک مجلّہ اور ''تبلیغی جماعت کا اسلام'' نامی کتاب اور مملکت سعودیہ عربیہ میں ان کی جماعت سے متنفر کرنے کی وارداتیں ہمیں کچھ لکھنے پر مسلسل مجبور کرتی رہیں ان محرکات کے پیش نظر مولانا اوکاڑویؒ کی ''علمی مجالس'' کی ترتیب کے دوران راقم سے اس پر کچھ کام ہوا۔

قارئین کرام! شکوک وشبہات ڈال کر انسانیت کو صراطِ مستقیم سے دور رکھنے کا یہ عمل آج کا نہیں بلکہ اس کی تاریخ بھی اتنی پرانی ہے جتنی دعوت کے کام کی عمر ہے۔

قرآن کریم نے بھی حضور ﷺ پر کفار کے اعتراضات کا تذکرہ کر کے جوابات دیے ہیں، تو گویا سنت الٰہی ہے کہ داعی پر اٹھنے والے سوالات کا مسکت جواب دیا جائے۔ تاکہ حجت تام ہو۔ وحی الٰہی کا سلسلہ تو بند ہے البتہ وحی کی تعلیمات سے مستفید ہو کر ہر دور میں اہل علم نے ہر اسلامی تحریک کی تائید اور منصفانہ دفاع کیا ہے، اس سے بہت سے فوائد حاصل ہوتے ہیں۔

(1) معترضین کا سامنا ہر کارکن کے بس کی بات نہیں ہوتی، ان تحریروں کے مطالعہ سے شبہات سے پاک گفتگو اور ممکنہ صورتِ حال سے باخبر رہنے کی وجہ سے قبل از وقت اس کا حل کارکن کے ذہن میں رہتا ہے۔

(2) اس عظیم کام کی بنیاد، دعوت کے اسلامی اصولوں پر رکھی گئی ہے۔ اس لیے بعض شکوک درحقیقت اسلام کی لاریب تعلیمات سے جاٹکراتے ہیں اور انسان تحقیق کے شوق میں دائرہ اسلام سے خارج ہوجاتا ہے۔ اس لیے اہل قلم اپنا فرض ادا کرتے ہیں تاکہ انسانیت کا ایمان محفوظ رہے اور وہ صرف جماعت دشمنی میں ایسی حرکت نہ کرگزریں۔

(3) اعتراضات سن کر عام آدمی راہِ مستقیم سے ڈگمگا جاتا ہے پھر جوابات سن کر اس کے ایمان ویقین میں اضافہ ہوتا ہے۔

(4) آئندہ تحریروں سے معلوم ہوگا کہ کس طرح دنیا فریب دے کر اس جادۂ مستقیم سے بھٹکاتی ہے۔ اراکین جماعت آئندہ یا تو اعتراضات کے جوابات وہ خود دینے لگتے ہیں یا ''سانپ کا ڈسا رسی سے بھی ڈرتا ہے'' کا مصداق کم از کم چوکنا ہوجاتے ہیں۔

(5) جو حضرات قریب سے کام کو نہیں دیکھ پاتے لیکن ظاہر کو دیکھ کر خوش فہمی کی وجہ سے جماعت کو اچھا سمجھتے ہیں ان کے مطالعہ میں اہلِ اعتراض کی تحریریں بدگمانی میں مبتلا کردیتی ہیں، جوابات کا لٹریچر ان تک پہنچے تو وہ مطمئن ہوکر پھر سنجیدگی سے سوچنے کی طرف راغب ہوجاتے ہیں۔

آخری گزارش اپنے باتوفیق قارئین سے یہ کرنی ہے کہ معترض جواب سن کر بھڑک جاتا اپنی شکست محسوس کرتا ہے تو سچ ماننے سے انکاری ہوجاتا ہے۔ اس لیے الجھنے کی ضرورت نہیں افہام، تفہیم کی فضاء میں یہ کتاب پڑھنے کے لیے دیں یا اس کتاب کا خوب مطالعہ اور ضرورت پڑنے پر اس انداز سے بات کو سامنے رکھیں کہ مناظرانہ کیفیت پیدا نہ ہو جس کا سنبھالنا ہر آدمی کا کام نہیں۔ یہ کتابیں اوروں کی بجائے جماعت کے کارکنوں کے مطالعے میں رکھنے کی ہیں۔ یہی مطالعہ ان کو بوقت ضرورت کام آئے گا۔

جماعت کے اہل حل وعقد کا نظریہ یہی ہے کہ پیار ومحبت کی فضاء نہ توڑی جائے اور کسی

طرح وقت لگا کر کام کو خود دیکھ لینے کی انہیں دعوت دی جائے۔

بڑے حضرات کو سنا ہے کہ ایک معترض ہزار اعتراض بھی لایا ہے، ان کا جواب اسی جملے کے گرد گھومتا ہے کہ ''بھائی یہ راستہ دیکھ کر چلنے کا نہیں، چل کر دیکھنے کا ہے۔''

ہمارے اباجی ارشاد فاروق صاحب رحمۃ اللہ علیہ (مولانا یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے سے تاوفات ۱۹اپریل ۲۰۰۲ء مکمل کوائف کے ساتھ کام میں جڑے رہے تھے) وہ فرماتے تھے کہ کچھ احبابِ جماعت نے بزرگوں سے عرض کیا کہ جماعت پر لوگوں کے اعتراضات کے جوابات دیئے جاتے ہیں۔ ہمارے پاس اہل قلم موجود ہیں ہر ماہ رسالہ جاری ہوگا تو بہت سے سوالات کے جوابات ہوجایا کریں گے۔

حضرتؒ نے فرمایا تم جواب دو گے پھر اس پراعتراضات ہوں گے پھر جواب الجواب دو گے پھر یہ سلسلہ مزید طول اختیار کر جائے گا اور معترض ایسے دور ہی رہے گا۔ مختصراً یہ کہ ان حضرات نے اس ماہنامے کی اجازت نہ دی۔

الغرض جماعت کا مزاج اعتراضات وجوابات ہرگز نہیں ہے۔ البتہ یہ سلسلہ سب کے لیے مفید ہے۔ قارئین سے استدعا ہے کہ اپنی دعاؤں میں مرتب ومعاونین وناشرین اوران کے اساتذہ ووالدین کو یاد رکھیں۔

(مولانا) محمد اسلم زاہد
مدرس ''بیت العلوم'' کھاڑک' لاہور
22 رجب 1324ھ 2003ء

باب اوّل

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جماعت تبلیغ میں اٹھنے والے اعتراضات

اور

ان کے تسلی بخش جوابات

مدلل و حسین مرقع

نئی ترتیب اور جدید عنوانات کے ساتھ

شیخ الحدیث حضرت مولانا

محمد زکریا کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْم

امابعد! نظام الدین کی دعوتِ تبلیغ کے سلسلہ میں چچا جان حضرت مولانا محمد الیاس نور اللہ مرقدہٗ ہی کے دور سے اس ناکارہ پر استفسارات اور اشکالات کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ چونکہ اس وقت صحت اچھی تھی لکھنے پڑھنے کی معذوری بھی نہیں تھی، اس لیے ہر خط کا جواب مختصر یا مفصل حسب موقع لکھتا رہا۔ جہاں تک میرا اندازہ ہے شائد ایک ہزار سے زائد خطوط اس سلسلہ میں لکھے ہوں گے۔ بہت سے اشکالات تو مشترک ہوتے تھے بعض وقتی اور ضروری بھی ہوتے تھے۔ مگر اب چند سال سے لکھنے پڑھنے کی معذوری کی وجہ سے علیحدہ علیحدہ جواب لکھوانا مشکل ہو گیا، اس لیے باوجود اپنے امراض کی کثرت اور معذوریوں کے میرا خیال یہ ہوا کہ چند اشکالات جو عموماً کثرت سے اور عامۃ الورود مجھ تک پہنچے ہیں ان کے مختصر اپنے خیالات جمع کرادوں کہ اب خطوط کا علیحدہ علیحدہ جواب لکھوانا بھی بہت مشکل ہو گیا اور اپنے اکابر بالخصوص حضرت اقدس حکیم الامۃ حضرت تھانوی اور حضرت اقدس مدنی نور اللہ مرقدہما کی طرح سے اپنے متعلق بھی یہ خیال پیدا ہوا کہ لوگوں کو اس ناکارہ کی طرف سے غلط روایات نقل کرنے کا موقع نہ مل جائے اس لیے کہ کوئی ادارہ مدرسہ ہو یا خانقاہ اس زمانہ میں کوتاہیوں سے تو خالی نہیں اور جیسا کہ میرے اکابر کی طرف سے جو بعض موقعوں پر بعض جزوی تنبیہات ہوئی ہیں ان کی وجہ سے ان اکابر کو جماعتِ تبلیغ کا مخالف قرار دے کر ہوا دی جارہی ہے۔

اسی طرح اس ناکارہ کی طرف سے کسی تنبیہ سے کوئی غلط فائدہ نہ اٹھایا جائے اس لیے کہ میں بھی تبلیغی جماعت اور کارکنوں کی کوتاہیوں پر تنبیہات کرتا رہتا ہوں، بلکہ اپنی حماقت سے چچا جان نور اللہ مرقدہٗ کے دور میں ان پر بھی تنقید سے نہیں چوکتا تھا اور ان کے بعد عزیزانم مولانا محمد یوسف رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا انعام الحسن صاحب سلمہٗ کے دور میں نہ ان محترم عزیزوں پر بلکہ قدیم وجدید کارکنوں پر نکیر کرتا رہتا ہوں تحریراً بھی اور تقریراً بھی، اسی طرح حجاز، پاکستان اور افریقہ کے دوستوں کو بھی نکیر و تنبیہ سے نہیں چھوڑتا، یقیناً میرے بہت سے

خطوط میں تنبیہیں، نکیریں اور اعتراضات ملیں گے، ان لغویات کی طرف تو میں نے کبھی التفات نہیں کیا کہ تبلیغ والے ایسا کرتے ہیں، تبلیغ والے یوں کرتے ہیں، یہ تو ایک ہوائی گاڑی ہے اور میرے نزدیک بھی جیسا کہ بعض معترضین کا اعتراض حضرات دہلی پر ہے وہ معترضین کے اعتراضات کو گوزشتر سمجھتے ہیں، میں ان سے زیادہ سمجھتا ہوں البتہ کسی بڑے سے بڑے شخص کے متعلق بھی میرے پاس کوئی مشخص شکایت پہنچی تو میں نے اس پر نکیر اور تنبیہ میں بھی کبھی کسر نہیں چھوڑی۔ بخاری شریف میں ہے "حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سے ایک شخص نے یوں کہا کہ تم فلاں (حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ان فتنوں کے بارے میں جو ان کے زمانے میں پیش آرہے تھے) گفتگو کرتے انہوں نے فرمایا کہ "تمہاری یہ رائے ہے کہ میں جو ان سے گفتگو کروں وہ ساری تم سے بھی کہوں، میں ان سے تنہائی میں گفتگو کرتا ہوں میں نہیں چاہتا کہ جو فتنہ کا دروازہ بند ہے میں کھولوں......"

اس لیے مجھے بھی خیال ہوا کہ میرا کوئی تنبیہی اور نکیری خط کسی کے پاس ہو اور میرے بعد تبلیغ کے کسی مخالف نے اسے شائع کیا اور اس کو میری مخالفت تبلیغ پر حمل کیا تو یقیناً غلط ہوگا، میں اس مبارک کام کو اس زمانہ میں بہت اہم اور بہت ضروری سمجھ رہا ہوں اور خود اہل مدرسہ اور اہل خانقاہ ہونے کے باوجود بانگ دہل اس کا اعلان کرتا ہوں کہ یہ عمومی اور ضروری کام بعض وجہ سے مدارس اور خانقاہ سے زیادہ مفید اور افضل ہے۔ ان میں سب سے اہم اور عامۃ الورود اشکال جس کے متعلق سو ۱۰۰ سے کم تو نہیں، کچھ زیادہ ہی میرے خطوط میرے پاس آئے ہوں گے ان میں سب سے اہم یہ ہے۔

اشکال نمبر ۱: جہاد کی آیات واحادیث کو تبلیغ پر محمول کرنا

یہ ہے کہ تبلیغ والے جہاد کی احادیث کو اپنے تبلیغی اسفار کی تائید میں پیش کرتے ہیں اور تعجب اس پر ہے کہ یہ اشکال عوام کی بجائے اہل علم کی طرف سے زیادہ آیا، اہل علم کی طرف سے اس قسم کے اشکالات کا وارد ہونا زیادہ موجب تعجب ہے۔ اس لیے کہ جہاد کے اسفار میں قتال اگرچہ عرفاً زیادہ معروف ہے لیکن لغت اور نصوص جہاد کو قتال کے ساتھ مخصوص نہیں کرتے، اصل

جہاد اعلائے کلمۃ اللہ کی سعی ہے، جس کا درجۂ مجبوری اور آخری درجہ قتال بھی ہے، قتال اصل مقصود نہیں، بدرجۂ مجبوری ہے، تفسیر مظہری میں "کُتِبَ عَلَیْکُمُ الْقِتَالُ وَھُوَ کُرْہٌ لَّکُمْ" کی تفسیر میں لکھا ہے کہ جہاد کی فضیلت تمام نیکیوں میں اس وجہ سے ہے کہ وہ اشاعت اسلام اور ہدایت خلق کا سبب ہے پس جو شخص ان کی کوشش سے ہدایت پائے گا اس کی حسنات بھی ان مجاہدین کی حسنات میں داخل ہوں گی، اور اس سے زائد افضل علوم ظاہرہ اور علوم باطنہ کی تعلیم ہے۔ اس لیے کہ اس میں حقیقت اسلام کی اشاعت زیادہ ہے۔ فقط اس زمانہ میں تبلیغ سے جتنی ہدایت پھیلی اور پھیل رہی ہے اس سے تو کسی مخالف کو بھی انکار نہیں ہوسکتا، ہزاروں آدمی بلکہ لاکھوں بے نمازی پکے نمازی بن گئے، سینکڑوں غیر مسلم ان لوگوں کے ہاتھوں اور ان کی مساعی سے مسلمان بن گئے۔"

جہاد کا معنی

جہاد کی لغوی اور شرعی تحقیق یہ ناکارہ اپنی کتاب "اوجز المسالک" شرح مؤطا امام مالک اور لامع الدراری علی جامع البخاری کے حاشیہ پر تفصیل سے لکھ چکا ہے۔ جہاد کا لغوی معنی مشقت اٹھانے کے ہیں۔ اور شرعاً مشقت اٹھانا کفار کے قتال میں بھی اور اس کا اطلاق مجاہدۂ نفس پر بھی آتا ہے اور شیطان سے مجاہدہ پر بھی آتا ہے اور فاسقوں کے ساتھ مجاہدہ پر بھی، اور کفار سے جہاد ہاتھ سے بھی ہوتا ہے۔ زبان سے بھی ہوتا ہے اور مال سے بھی ہوتا ہے۔ قرآن پاک اور احادیث میں کثرت سے اس قسم کی آیات اور روایات وارد ہوئی ہیں۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے "اَلْمُجَاھِدُ مَنْ جَاھَدَ نَفْسَہٗ" اصل مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس سے جہاد کرے، مشکوٰۃ شریف میں یہ روایت شعب الایمان للبیہقی کے حوالہ سے نقل کی ہے۔ ابن عربی نے ترمذی شریف کی شرح میں لکھا ہے کہ صوفیاء کا مذہب یہ ہے کہ جہاد اکبر نفس کا جہاد ہے اور قرآن کی آیت "وَالَّذِیْنَ جَاھَدُوْ فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا" میں اسی کی طرف اشارہ ہے اور حدیث پاک میں ہے کہ وہ اصل مجاہد نہیں جو دور کے دشمن سے جہاد کرے اصل مجاہد وہ ہے جو اس دشمن سے جہاد کرے جو ہر وقت ساتھ ہے۔

نبی کریم ﷺ ایک غزوہ سے واپس تشریف لائے تو حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"رَجَعْنَا مِنَ الْجِهَادِ الْاَصْغَرِ اِلَى الْجِهَادِ الْاَكْبَرِ" یعنی ہم چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف لوٹ کر آئے ہیں۔ "اِلىٰ آخِرِ مَا بَسَطَ فِي الْاَوْجَزِ" اور ظاہر ہے کہ یہاں جہاد اکبر کا مصداق جہاد بالسیف اور جہاد مع الکفار نہیں، اس میں یہ بھی ہے کہ علامہ باجی نے لکھا ہے کہ "سبیل اللہ" کا لفظ تمام نیکیوں کو شامل ہے۔ حدیث "رَجَعْنَا مِنَ الْجِهَادِ الْاَصْغَرِ اِلَى الْجِهَادِ الْاَكْبَرِ" مختلف طرق سے نقل کی گئی ہے۔ اہل علم حوالہ دیکھنا چاہیں تو لامع الدرر کے حاشیہ پر ملاحظہ فرمائیں۔ حضرت تھانوی نوراللہ مرقدہٗ نے "التشرف بمعرفة احادیث التصوف" میں تفسیر روح المعانی سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے قرآن مجید کی آیت "جَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِه" میں حضرت جابرؓ کی روایت کہ حضور ﷺ کے پاس ایک جماعت غزوہ سے واپس آئی تو حضور ﷺ نے فرمایا "تم بہت اچھا آنا آئے کہ جہاد اصغر سے جہاد اکبر کی طرف آئے۔" ان روایات میں جو کچھ ضعف ہے وہ اول تو فضائل میں معتبر ہوتا ہے اور تعدد طرق سے مندفع ہو جاتا ہے۔

علماء نے تصریح کی ہے جیسا کہ لامع کے حاشیہ میں ہے کہ فرائض نماز، روزہ وغیرہ چونکہ مقاصد العینہ ہیں وہ جہاد سے افضل ہیں۔ اس لیے کہ جہاد کی اصل غرض ایمان اور اعمالِ حسنہ ہی پر عمل کرانا ہے لامع کے حاشیہ میں ابن عابدین سے نقل کیا ہے کہ اس میں ذرا بھی تردد نہیں کہ ادائے فرائض پر مواظبت اپنے اوقات میں جہاد سے افضل ہے۔ اس لیے کہ وہ فرض عین ہے اور جہاد فرض کفایہ ہے۔ اور جہاد صرف ایمان اور نماز ہی کے لیے قائم کرنے کیلیے مشروع ہوا ہے۔ اس لیے اس کا حسن لغیرہ ہے اور نماز کا حسن لعینہٖ۔ اس لیے یہ افضل ہے اور ظاہر ہے کہ جو کچھ کوشش نماز وغیرہ کے قائم کرنے کے لیے کی جائے وہ افضل الجہاد ہی کے حکم میں شمار کی جائے گی۔

سبیل اللہ کا لفظ عام ہے

امام بخاری رحمہ اللہ نے جمعہ کی نماز کے لیے پاؤں چلنے پر "باب المشی الی الجمعة" میں حضرت ابو عبسؓ کی حدیث ذکر فرمائی ہے۔

''مَنْ اَغْبَرَتْ قَدَمَاهُ فِی سَبِیْلِ اللّٰهِ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ النَّارَ o

''جو شخص کہ اس کے دونوں پاؤں اللہ کے راستہ میں غبار آلود ہوئے ہوں اللہ تعالیٰ جہنم کی آگ کو اس پر حرام کر دیتے ہیں۔''

اگر امام بخاری رحمہ اللہ اس حدیث پاک سے جمعہ کی نماز کے لیے پاؤں چلنے کی فضیلت پر استدلال کر سکتے ہیں تو پھر اگر مبلغین اللہ کے راستہ میں اعلاء کلمۃ اللہ کی خدمت کے لیے پاؤں چلنے پر اس حدیث سے استدلال کریں تو ان پر کیا الزام ہے۔

حضرت دہلوی نور اللہ مرقدہٗ اپنے ایک ملفوظ میں ارشاد فرماتے ہیں ''یہ سفر (یعنی سفر تبلیغ) غزوات ہی کے سفر کے خصائص اپنے اندر رکھتا ہے اور اس لیے امید بھی ویسے ہی اجر کی ہے یہ اگر چہ قتال نہیں ہے مگر جہاد ہی کا ایک فرد ضرور ہے، جو بعض حیثیات سے اگر چہ قتال سے کمتر ہے مگر بعض حیثیات سے اس سے بھی اعلیٰ مثلاً قتال میں شفاء غیظ اور اطفاء شعلۂ غضب کی صورت بھی ہے اور یہاں اللہ کے لیے صرف کظم غیظ ہے اور اس کے دین کے لیے لوگوں کے قدموں میں پڑ کے ان کی منتیں خوشامدیں کر کے بس ذلیل ہونا ہے۔ (ملفوظات)

حضرت دہلویؒ کا یہ ارشاد کہ جہاد میں اطفاء غضب بھی ہوتا ہے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کی روایت سے جو (بخاری میں آئی ہے) مستنبط ہوتا ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نے حضور ﷺ سے سوال کیا کہ ایک آدمی غنیمت کی نیت سے لڑتا ہے اور ایک آدمی اپنی قوت کے مظاہرہ کی وجہ سے لڑتا ہے، حضور ﷺ نے فرمایا کہ فی سبیل اللہ جہاد وہی ہے جو اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے ہو۔

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ کلمۃ اللہ سے مراد دعوت الی الاسلام ہے وہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے درمیان میں جو وجوہ وارد ہوئی ہیں ان میں ریا اور شہرت بھی آیا ہے اور ایک روایت میں حمیۃً بھی آیا ہے۔ اور ایک روایت میں یقاتل غضباً بھی آیا ہے یعنی اپنے حظِ نفس کے واسطے اور غصہ اتارنے کے واسطے انہوں نے لکھا ہے کہ اس روایت میں پانچ وجوہ ذکر کی گئی ہیں۔ فقط

لشکروں کو قتال کے لیے نہیں دعوت کے لیے بھیجا جاتا تھا

خود نبی کریم ﷺ سے جہاد کا اطلاق قتال کے علاوہ دوسرے امور پر بھی جو اس مقصد

میں معین و مددگار رہوں کثرت سے احادیث میں کیا گیا ہے جو اہل علم سے تو مخفی نہیں، نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ اسلامی سرحد پر ایک رات جاگنا دنیا اور دنیا کی سب چیزوں سے افضل ہے اور سرحد پر ٹھہرنا ظاہر ہے کہ اسلام ہی کی حفاظت کے لیے ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے جو شخص کسی غازی کی سامان سے مدد کرے وہ بھی غازی ہے۔ حضور اقدس ﷺ نے ایک لشکر بھیجا، اور فرمایا ہر دو آدمیوں میں سے ایک نکلے (یعنی دوسرا اس کے گھر والوں کی خبر گیری کرے) تو ثواب دونوں میں مشترک ہوگا۔ اور یہ ظاہر ہے کہ لشکروں کا بھیجنا قتال کے واسطے نہیں ہوتا تھا بلکہ اس میں اصل دعوت ایمانی ہوتی تھی، حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی مشہور حدیث اور بخاری شریف وغیرہ میں موجود ہے کہ جب نبیؐ نے فتح خیبر کے لیے جھنڈا دے کر بھیجا اور حضرت علیؓ نے درخواست کی کہ حضورؐ! جا کر ان سے قتال شروع کردوں یہاں تک وہ مسلمان ہو جائیں۔ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا بالکل نہیں۔ وہاں جا کر اطمینان سے اول ان کو اسلام کی دعوت دو، اگر ایک شخص بھی تیری کوشش سے مسلمان ہو جائے تو وہ (غنیمت کے) کے سرخ اونٹوں سے بہت اچھا ہے، اور اگر وہ اس سے انکار کریں تو پھر دوسرے درجہ میں ان کو جزیہ دینے پر آمادہ کر اور اگر وہ اس سے بھی انکار کریں تو پھر ان سے قتال کر۔ متعدد احادیث سے یہ مضمون مستنبط ہے کہ جہاد معروف میں بھی قتال مقصود نہیں بلکہ اصل مقصود ایمان اور اعلاء کلمۃ اللہ ہے۔

مولانا یوسف صاحب رحمہ اللہ نے نہٹور ضلع کے علماء کے خصوصی اجتماع میں تقریر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ حضور اقدس ﷺ نے جتنے وفود، لشکر، قبائل اور دوسرے علاقوں میں بھیجے ہیں وہ سب دعوت کے لیے تھے۔ حضور ﷺ کے تمام جہادوں کی تعداد ایک روایت کی بنا پر 19 ہے اور دوسری روایت کی بنا پر 27 ہے، ان میں سے نو کے متعلق یہ لکھا ہے کہ "بعث مقاتلا" آپؐ نے جنگ کے لیے بھیجا، بقیہ سب کے بارے میں یہی لکھا ہے کہ دعوت کے لیے بھیجا۔ (سوانح یوسفی عزیزی)

فی سبیل اللہ جہاد کے ساتھ خاص نہیں

اہل علم سے بڑا تعجب ہے کہ وہ فی سبیل اللہ کے لفظ کو جہاد بالقتال کے ساتھ مخصوص قرار دیتے ہیں جب کہ نصوص قرآنیہ اور احادیث کثیرہ اس کے عموم پر دلالت کرتی ہیں۔ قرآن پاک کی آیت "اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ" میں فی سبیل اللہ کی تفسیر میں علماء کے مختلف اقوال

ہیں جن کو اوجز جلد ثالث میں تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے۔ علامہ باجی کی رائے یہ ہے کہ اس سے مراد جہاد فی سبیل اللہ ہے، امام مالک وغیرہ سے یہ قول نقل کیا گیا ہے، امام احمدؒ کا ارشاد یہ ہے کہ اس سے مراد حج ہے، یہی رائے امام محمدؒ کی ہے اور صاحب بدائع فرماتے ہیں کہ فی سبیل اللہ سے مراد جملہ امور خیر ہیں اس میں ہر وہ سعی داخل ہے جو اللہ کی اطاعت کے بارے میں ہو مشکوٰۃ میں عبد اللہ بن عمرو سے نقل کیا گیا ہے کہ ایک صحابیؓ نے آ کر حضور اقدس ﷺ سے جہاد میں شرکت کی اجازت چاہی، حضورؐ نے دریافت کیا کہ کیا تیرے والدین زندہ ہیں؟ انہوں نے عرض کیا کہ زندہ ہیں، حضورؐ نے فرمایا کہ ان میں جہاد کر، یعنی ان کی خدمت کر یہاں نبی کریم ﷺ نے والدین کی خدمت کو بھی جہاد سے تعبیر کیا ہے۔ مشکوٰۃ شریف میں بروایت خریم بن فاتک حضور ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جو اللہ کے راستے میں کوئی خرچ کرے سات سو گناہ دو چند ہو جاتا ہے۔ جب کہ (اللہ کا راستہ) جہاد بالقتال کے ساتھ مخصوص نہیں ہے جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے۔ تو پھر اگر اہل تبلیغ اس حدیث سے تبلیغی اسفار میں خرچ کرنے کو داخل کریں تو کیا اشکال کی بات ہے؟ اسی طرح ایک دوسری حدیث میں حضرت علی، ابو درداء، ابو ہریرہ، ابو امامہ، عبد اللہ بن عمرو، جابر بن عبد اللہ، عمران بن حصین رضی اللہ عنہم اجمعین سے حضور اقدس ﷺ کا ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ جو کوئی گھر رہ کر اللہ کے راستہ میں کوئی خرچ بھیجے اس کو ایک درہم کے بدلے سات سو ۷۰۰ درہم ملتے ہیں اور جو خود جہاد میں نکلے اور خرچ کرے اس کو ہر درہم کے بدلے میں سات لاکھ ۷۰۰۰۰۰ درہم کا ثواب ہوتا ہے۔ اس میں تبلیغی اسفار یقیناً داخل ہیں اور مدارس کا چندہ بھی اسی میں داخل ہے۔ تفسیر مظہری میں "مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ" کی تفسیر میں "الجهاد او غير ذلك ميں ابواب الخير" ہے۔

اسی طرح "اَلَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ" کی تفسیر میں "فِيْ تَحْصِيْلِ الْعُلُوْمِ الظَّاهِرَةِ وَالْبَاطِنَةِ وَ الْجِهَادِ" ذکر فرمایا گیا ہے۔ مشکوٰۃ شریف میں بروایت ترمذی ودارمی حضرت انسؓ سے حضور ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ جو شخص طلب علم میں گھر سے نکلے وہ فی سبیل اللہ میں داخل ہے یہاں تک کہ گھر واپس آئے۔ مشکوٰۃ کے حاشیہ پر لکھا ہے یعنی جو شخص طلب علم کے لیے نکلتا ہے اس کو جہاد میں نکلنے کا ثواب ملتا ہے اس لیے کہ یہ طالب علم بھی مجاہد کی

طرح سے ہے دین کے زندہ کرنے میں اور شیطان کے ذلیل کرنے میں اور اپنے نفس کو مشقت میں ڈالنے میں اور یہ ظاہر ہے کہ یہ سب امور تبلیغی اسفار میں بطریقِ اولی پائے جاتے ہیں۔ اعتدال میں اس قسم کی روایات بہت کثرت سے ذکر کی گئی ہیں اس میں ذکر کیا گیا ہے کہ افضل جہاد ظالم بادشاہ کے سامنے کلمۂ حق کہنا ہے حالانکہ ظالم بادشاہ کا کافر ہونا ضروری نہیں بلکہ مسلمان بادشاہ اگر ظالم ہو تو وہ بھی اس میں بطریق اولی داخل ہے، البتہ شرط یہی ہے کہ ساری جد جہد کا مقصد اعلاء کلمۃ اللہ ہو جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے۔ ایک حدیث میں ہے جہاد وہی ہے جو صرف اس لیے کیا جائے کہ اللہ کے نام کا بول بالا ہو، یہ مضمون ''اعتدال'' میں بہت تفصیل سے ذکر کیا جا چکا ہے۔

حضرت تھانویؒ کی ایک تحریر

نیز حضرت حکیم الامۃ تھانویؒ، حضرت شیخ الہندؒ اور مرجع الاتقیاء حضرت اقدس شاہ عبدالرحیم صاحب نے ۱۳۲۸ھ میں جب کہ مظاہر علوم کے دار الطلبہ قدیم کی تعمیر کا سلسلہ چل رہا تھا تو مدرسہ کے چندہ کی ایک اپیل کی جو مظاہر علوم کی ۱۳۲۸ھ کی روداد میں شائع ہوئی اور حضرت حکیم الامۃؒ کی لکھی ہوئی ہے اور بقیہ ہر دو اکابر کی اس پر تصدیق ہے، اس جگہ کے مناسب وہ تحریر ہے، وہ حسب ذیل ہے:

میں اس اشتہار کے مضمون میں موافق ہوں دارلطلبہ اس وقت باقیاتِ صالحات کے افضل افراد سے ہے، حدیث صحیح میں باقیاتِ صالحات سے جن کا ثواب بعد مرنے کے بھی ملتا رہتا ہے یہ ارشاد فرمایا ہے: ''او بیتا لابن السبیل بناہ'' اور ظاہر ہے کہ طلبہ ابن السبیل یقیناً ہیں بلکہ سب ابناء السبیل سے افضل ہیں کیوں کہ یہ لوگ سبیل اللہ میں ہیں، جب مطلق سبیل والوں کی اعانت میں یہ فضیلت ہے تو سبیل اللہ والوں کی خدمت میں کیا کچھ فضیلت ہوگی، پھر غور کرنا چاہیے کہ سبیل اللہ کے سب افراد میں مطلقاً بھی اور خصوصاً اس وقت میں کہ علوم دینیہ کی سخت ضرورت ہے اور اس کی کمی سے سخت المضر تمین واقع ہیں خاص اس سبیل اللہ یعنی تحصیل و تکمیل علوم دینیہ میں سب سے زیادہ فضیلت ہے، پس بالضرور دارلطلبہ کا بنانا اس وقت اس خاص حیثیت سے سب باقیات صالحات سے افضل ہے امید ہے کہ اہل اسلام اپنی اپنی استطاعت کے موافق

اس موقع کو ہاتھ سے جانے نہ دیں گے اور بلحاظ قلیل وکثیر کے ضرور اس میں امداد فرمائیں گے۔

"والسلام علی من اتبع الھدیٰ"

العبد اشرف علی تھانوی

بے شک حضرت مولانا اشرف علی صاحب سلمہ' نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے نہایت مناسب اور ضروری ہے۔ العبد عبدالرحیم عفی عنہ

مولانا اشرف علی صاحب نے جو تحریر فرمایا ہے حق اور صواب ہے۔

العبد محمود عفی عنہ فقط

میرا مقصد اس تحریر کے نقل کرنے کا یہ ہے کہ جو لوگ خروج فی سبیل اللہ کو صرف جہاد معروف کے ساتھ مخصوص قرار دیتے ہیں ان کے لیے تنبیہ ہے کہ فی سبیل اللہ کا لفظ جہاد معروف کے ساتھ مخصوص نہیں، تفسیر مظہری میں "قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ وَّ صَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ" کی تفسیر میں لکھا ہے "عَنِ الْاِسْلَامِ وَالطَّاعَاتِ اھ" اسی طرح سے کثرت سے تفسیر مذکورہ میں سبیل اللہ کی تفسیر طاعات اللہ سے کی گئی ہے۔ اس لیے طاعات سے جو لوگ روکنے والے ہوں ان پر تشدد میں بھی مضائقہ نہیں۔ اگر قدرت ہو اور کوئی فتنہ نہ ہو تعجب اس پر ہے کہ ان اکابر ثلٰثہ کے متبعین میں سے کسی کی طرف سے یہ مضمون سنتا ہوں کہ تبلیغ والے خروج فی سبیل اللہ میں جو جہاد کے ساتھ مخصوص ہے، خروج للتبلیغ کو شامل کرتے ہیں تو مجھے بڑی حیرت ہوتی ہے۔ بہرحال اس سیہ کار کے نزدیک تو خروج فی سبیل اللہ کی آیات واحادیث میں یہ لوگ اپنے تبلیغی اسفار کو داخل کریں تو نہ کوئی اس میں اشکال ہے، نہ تردد ہے اور جہاں تک اس کوتاہ نظر کی معلومات کا حاصل ہے وہ مفسرین ومحدثین کے کلام میں فی سبیل اللہ کا لفظ قتال کے ساتھ مخصوص نہیں پایا۔ اس لیے اہلِ تبلیغ کا اعلان آیات اور روایات سے خروج للتبلیغ جو فی سبیل اللہ کا اعلیٰ فرد ہے پر استدلال کرنا بے محل نہیں ہے۔ یہ مضمون اپنی جوانی کے زمانے میں حذف واضافہ کے ساتھ بہت سے خطوط میں لکھوا بھی چکا ہوں۔

اشکال نمبر ۲: مسلمانوں کے پاس جماعتیں بھیجنا بدعت ہے

ایک اعتراض: جو کثرت سے بندہ کے پاس خطوط میں پہنچا وہ یہ کہ حضور اقدس ﷺ کے زمانہ میں یہ طریقہ نہیں تھا کہ مسلمانوں کے پاس جماعتیں بھیجی جائیں بلکہ سرایا اور جماعتیں کفار

کے لیے بھیجی جاتی تھیں، مسلمانوں کے یہاں جماعتیں بھیجنے کا معمول نہیں تھا۔ اس لیے یہ بدعت ہے۔ اس اشکال کے بھی بیسوں جوابات اس ناکارہ نے لکھے ہیں اور اس اشکال میں بھی مجھے اہلِ علم کی طرف سے اس قسم کی کوئی بات پہنچتی ہے تو زیادہ حیرت ہوتی ہے، جب کہ امر بالمعروف نہی عن المنکر مامور بہ ہے اور پہلے مضمون سے یہ بھی ظاہر ہو چکا ہے کہ دین کی اشاعت کے لیے جو کوشش بھی ہو وہ جہاد میں داخل ہے۔ پھر یہ کہنا کہ یہ طریقہ خاص حضور اقدس ﷺ کے زمانہ میں نہیں تھا اول تو فی حد ذاتہٖ غلط ہے جیسا کہ آئندہ معلوم ہوگا۔ لیکن بطریق تسلیم مامور بہ کے حاصل کرنے کا جو مباح طریقہ ہو اس کے مامور بہ ہونے میں کیا تامل ہے۔ کیا مدارس کا موجودہ طریقہ مدرسین کو اسباق کی تقسیم گھنٹوں کی پابندی، سہ ماہی، ششماہی، سالانہ امتحانات وغیرہ وغیرہ جو اس زمانہ میں نہایت ضروری ہیں اور ضروری سمجھے جا رہے ہیں، اور واقعۃً ضروری ہیں؟ کیا حضور ﷺ کے زمانے میں یہ سب تھے؟ اسی طرح خانقاہیں اور ان کے معمولات اور ان کے طرق باوجود نہایت اہم اور ضروری اور مامور بہ ہونے کے کیا حضور ﷺ کے زمانے میں یہی طریقے تھے؟ کیا کتابوں کی تصانیف، ان کی طباعت، شرح و حواشی کے سارے مروجہ طریقے حضور اقدس ﷺ کے زمانہ میں تھے؟ ایسے ہی ''ٹن کی نماز'' کہ جہاں گھنٹہ بجا خواہ امام ہو یا نہ ہو روزانہ کے مقتدی آ چکے ہوں یا نہیں فوراً نماز شروع ہو جاتی ہے، یہ حضور ﷺ کے زمانہ میں کہاں تھا؟ ایسے ہی کیا کوئی عقلمند کہہ سکتا ہے کہ حضور ﷺ کے زمانہ میں توپ اور بندوق سے لڑائی نہیں تھی لہٰذا وہ تو بدعت ہے تیروں سے جہاد ہونا چاہیے۔ ان امور میں سے کسی کو بھی کوئی بدعت نہیں کہتا اور اس سب کے بعد یہ بھی کہنا غلط ہے حضور ﷺ کے زمانے میں مسلمانوں کے پاس جماعتوں کے بھیجنے کا طریقہ نہیں تھا، اس سلسلہ میں حضرت مولانا الحاج محمد یوسف صاحب رحمہ اللہ کی کتاب ''حیاۃ الصحابہؓ'' (جو اصل کتاب تو عربی میں ہے اہل علم کو خاص طور پر اس کا ملاحظہ کرنا چاہیے)

اس میں بیسیوں واقعات نبی کریم ﷺ کے جماعتوں کے بھیجنے کے بہت کثرت سے ملیں گے اور اس کے اردو ترجمے بھی کثرت سے ہو گئے ہیں، اس میں ایک مستقل باب ''**باب ارسل الصحابه الى البلدان لتعليم**'' ہے نمونہ کے طور پر چند نقل کرتا ہوں۔

(1) مسلمانوں کی تعلیم کے لیے صحابہؓ کے وفود

حضرت عاصم بن عمرؓ کی روایت سے نقل کیا گیا ہے کہ قبیلہ عضل اور قبیلہ قارہ کے چند آدمی حضور ﷺ کی خدمت میں آئے اور کہا کہ ہمارے یہاں مسلمان ہیں چند آدمیوں کو ہمارے یہاں بھیج دیجیے! جو ہمیں دین سکھلائیں، حضور اقدس ﷺ نے چھ نفر کی جماعت روانہ کی، حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کا ارشاد ہے کہ حضور ﷺ نے معاذ اور ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنھما کو یمن بھیجا، تاکہ وہاں کے لوگوں کو دین سکھلائیں، حضرت عمار بن یاسرؓ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے مجھے قبیلہ قیس کی ایک جماعت کی طرف بھیجا کہ ان کو جا کر دین کی باتیں سکھلاؤں، وہ کہتے ہیں کہ جب میں وہاں گیا تو میں نے ان کو وحشی اونٹوں کی طرح پایا کہ جن کا مقصد زندگی اونٹ اور بکریاں تھیں میں ان کی یہ حالت دیکھ کر حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں واپس آیا اور حضور ﷺ کی خدمت میں ان کی غفلت کی حالت ذکر کی تو حضورؐ نے فرمایا ''اے عمارؓ! تجھے اس سے زیادہ تعجب کی بات سناؤں ایک قوم جو دین کو جانتی بھی ہوگی اور ان سے بھی زیادہ غفلت میں ہوگی'' اور اس قسم کے متعدد واقعات حیاۃ الصحابہؓ میں لکھے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ کفار کی طرف بھی جماعتوں اور سرایا کو بھیجنا ان کی ہدایت کے لیے تو تھا اور جب مسلمان دین سے بے خبری اور بے توجہی میں ان کے قریب پہنچ گئے ہوں یا ان سے بھی آگے کفر وارتداد کی طرف بڑھ گئے ہوں تو کیا ان کی ہدایت کے لیے ضرورت نہیں؟ حضرت دہلویؒ کے ملفوظات میں ایک ارشاد نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ مکہ معظمہ میں (قبل ہجرت) جو کام کرتے تھے یعنی چل پھر کر لوگوں کو دعوت حق دینا اور اس مقصد کے لیے خود ان کے پاس جانا بظاہر مدینہ طیبہ پہنچ کر یہ کام آپ کا نہیں رہا۔ بلکہ وہاں آپؐ اپنا ایک مستقر بنا کر بیٹھے لیکن یہ آپؐ نے اس وقت کیا جب کہ مکی دعوت کو سنبھالنے والوں اور اس کام کو حسن وخوبی کے ساتھ انجام دینے والوں کی ایک خاص جماعت آپؐ نے تیار کر دی اور پھر اس کام ہی کا تقاضا ہوا کہ آپؐ اپنے ایک مرکز میں بیٹھ کر اس کام کو نظم کے ساتھ چلائیں اور کارکنوں سے کام لیں علیٰ ہذا حضرت عمرؓ کو مدینہ طیبہ ہی کے مرکز میں مقیم رہنا اس وقت درست ہوا جب کہ ایران اور روم کے علاقوں میں اللہ کے کلمہ کو سربلند کرنے کے لیے جہاد کرنے والے اللہ کے ہزاروں

بندے پیدا ہو چکے تھے۔ اور ضرورت تھی کہ حضرت عمرؓ مرکز میں رہ کر اس دعوت حق اور جہاد فی سبیل اللہ کے نظام کو استحکام کے ساتھ چلائیں۔

بے طلبوں میں طلب پیدا کرنے کیلئے جماعتوں کی روانگی

حضرت مولانا ظفر احمد صاحب جو حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ کے بھانجے اور حضرت دہلوی مولانا الیاس صاحبؒ کے اخیر زمانہ میں عیادت کیلئے ایک دن کے لئے گئے تھے، مگر حضرت کے اس ارشاد پر کہ تمہیں اپنا وعدہ بھی یاد ہے (مولانا ظفر احمد صاحب نے عرصہ سے نظام الدین بسلسلہ تبلیغ ایک چلہ گذارنے کا وعدہ کر رکھا تھا) مستقل وہاں قیام کر لیا اور وصال تک وہیں رہے، اور حضرت کی شدت بیماری کی وجہ سے حضرت کو مسلسل کلام کرنا مشکل تھا وہ لکھتے ہیں ''ایک دفعہ فرمایا کہ سیدنا رسول اللہ ﷺ ابتداء اسلام کے زمانہ میں (جب دین ضعیف تھا اور دنیا قوی تھی) بے طلب لوگوں کے گھر جا جا کر ان کی مجالس میں بلا طلب پہنچ کر دعوت دیتے تھے طلب کے منتظر نہیں رہے بعض مقامات پر حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کو از خود بھیجا ہے کہ فلاں جگہ تبلیغ کرو، اس وقت وہی ضعف کی حالت ہے تو اب ہم کو بھی بے طلب لوگوں کے پاس خود جانا چاہیے۔ ملحدوں، فاسقوں کے مجمع میں پہنچنا چاہیے اور کلمہ حق بلند کرنا چاہیے (پھر خشکی غالب ہو گئی اور بات نہ کر سکے تو فرمایا) مولانا تم میرے پاس بہت دیر میں پہنچے اب میں تفصیل سے کچھ نہیں کہہ سکتا ... جو کہہ دیا اسی میں غور کرتے رہئے۔ فقط (ملفوظات دہلویؒ)

یہ کہنا کہ حضور ﷺ کے زمانہ میں یہ طرز نہیں تھا کتب سیر اور کتب حدیث پر قلتِ نظر کا اثر ہے۔ ورنہ جیسا اوپر بھی لکھوا چکا ہوں کہ ''حیاۃ الصحابہؓ ''میں بہت کثرت سے وفود بھیجنے کی تفاصیل موجود ہیں اور وفد عبد القیس کا قصہ تو ساری کتب حدیث میں مشہور ہے، انہوں نے عرض کیا تھا ''یارسول اللہ ﷺ قبیلہ مضر ہم میں اور آپ میں حائل ہے، ہم صرف اشہر حرم میں آسکتے ہیں۔ ہمیں ایمان کے امور بتا دیجئے تا کہ اگر ہم اس پر عمل کریں گے تو جنت میں داخل ہو جائیں گے، اور جا کر اپنی قوم کو بتائیں۔ اس پر حضور ﷺ نے چار چیزوں کا حکم فرمایا اور چار چیزوں سے منع فرمایا (جس کی تفصیل آئندہ اشکال نمبر 6 میں آرہی ہے) مسند طیالسی کی روایات میں اس قصہ

میں یہ ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ''اپنی قوم کو جا کر ان چیزوں کی دعوت دو'' (حیاۃ الصحابہؓ) اسی میں ایک بہت طویل حدیث بروایت حاکم نقل کی ہے کہ علقمہ بن الحارثؓ کہتے ہیں کہ میں اپنی قوم کے سات آدمیوں کے ساتھ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا حضور اقدس ﷺ نے فرمایا ''تم کون ہو؟ عرض کیا ''مومن ہیں'' تو حضور ﷺ نے فرمایا ''ہر قول کی ایک حقیقت ہوا کرتی ہے تمہارے ایمان کی کیا حقیقت ہے؟ انہوں نے عرض کیا ''پندرہ چیزیں ہیں جن میں سے پانچ کا تو آپؐ نے حکم فرمایا تھا اور پانچ چیزیں آپؐ کے قاصدوں نے بتائیں (لمبی حدیث ہے مجھے تو صرف اس جملہ کی طرف متوجہ کرنا تھا) کہ حضور اقدس ﷺ کے قاصد قوموں کے پاس جا کر حضور اقدس ﷺ کے ارشادات پہنچاتے تھے۔

داعی کا فریضہ

سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی سیرت پر وسعت نظر سے کون انکار کر سکتا ہے۔ تاریخ و سیرت میں ان کی وسعت نظر دنیا میں مشہور ہے، انہوں نے جو مقدمہ حضرت دہلویؒ کی سوانح مؤلفہ مولانا الحاج علی میاں پر لکھا ہے اس کے کچھ اقتباسات اپنی جگہ پر سید صاحب کے تذکرہ میں آئیں گے اس کے اندر وہ تحریر فرماتے ہیں کہ تبلیغ و دعوت کے ان اصولوں میں سے جو آنحضرتؐ کی سیرت میں نمایاں معلوم ہوتے ہیں ایک عرض ہے۔ یعنی حضور انور ﷺ اس کا انتظار نہیں فرماتے تھے کہ لوگ آپؐ کی خدمت میں خود حاضر ہوں بلکہ آپؐ اور آپؐ کے داعی لوگوں تک خود پہنچتے تھے اور کلمہ حق کی دعوت پیش فرماتے تھے (طویل مضمون ہے جو عنقریب آ رہا ہے) اس کے بعد لکھتے ہیں ''اس سے معلوم ہوا کہ داعی اور مبلغ کا خود فرض ہے کہ وہ لوگوں تک پہنچے اور حق کا پیغام پہنچائے۔ (مقدمہ سوانح حضرت دہلویؒ)

مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی مفتی دارالعلوم دیوبند سے بھی ایک صاحب نے یہ اشکال کیا کہ حضور ﷺ کے زمانہ میں لوگ کفار کے پاس جاتے تھے آج کل لوگ مسلمانوں کے پاس جاتے ہیں۔ کیا حدیث سے یہ ثابت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے مسلمانوں میں جا کر اس طرح سے تبلیغ کی ہو اگر ہے تو اس کا حوالہ چاہیے۔ مفتی صاحبؒ نے اس کے جواب میں لکھا ہے کہ کوفہ اور قرقیسیا میں صحابہ کرامؓ کا تبلیغ کے لئے جانا فتح القدیر جلد اول میں مذکور ہے، حضرت عمرؓ نے حضرت معقل بن یسار عبداللہ بن مغفل

وغیرہ حضرات کی جماعت کو شام بھیجا۔ یہ جماعتیں مسلمانوں کے پاس گئیں۔ (ازالۃ الخفاء ج جلد۲)

اشکال نمبر۳: اہل تبلیغ علم وذکر کے مخالف ہیں

یہ بھی بہت کثرت سے کانوں میں پہنچتا رہتا ہے کہ تعلیم اور خانقاہوں کو بیکار بتایا جاتا ہے۔ میرا خیال یہ ہے کہ یہ اشکال یا تو عناد سے ذکر کیا جاتا ہے یا حالات سے ناواقفیت پر۔

تبلیغ کے تو اصولِ موضوعہ کے درمیان میں جو اس کے چھ نمبر معروف ہیں اور بالکل بنیادی ہیں، اس میں علم وذکر مستقل نمبر ہے اس کے علاوہ بانی تحریک حضرت دہلویؒ اور ان کے خلف الرشید مولانا محمد یوسف صاحبؒ کے کلاموں میں، ان کی تقریروں میں، ان کے ملفوظات میں، علم وذکر پر جتنا زور ہے اتنا شاید کسی جزو پر نہ ہو، حضرت دہلویؒ کا تو مشہور مقولہ جس کو وہ ہمیشہ اپنی مجالس میں اپنے ارشادات میں بار بار دہراتے رہے کہ علم وذکر میری تحریک کے دو بازو ہیں اگر ایک بازو ٹوٹ جائے تو پرندہ کا اڑنا مشکل ہے۔ یہ اعتراض کرنے والے اگر حضرت دہلویؒ اور ان کے خلف الرشید حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ کی سوانح عمریاں اور ملفوظات دیکھ لیتے تو اس قسم کا لفظ زبان یا قلم سے نکالنے کی کبھی ہمت نہ ہوتی۔

علم وذکر کے متعلق مولانا محمد الیاسؒ کے ملفوظات

حضرت دہلویؒ کے ملفوظات میں ہے:

(**ملفوظ نمبر ۱**) ایک بار فرمایا جس کو مولانا ظفر احمد صاحب بھانجہ حضرت حکیم الامۃ تھانوی نور اللہ مرقدہٗ نے اپنے ملفوظات میں جو انہوں نے نظام الدین کے قیام میں جمع کیے اور وہ حضرت دہلویؒ کے ملفوظات میں طبع بھی ہوگئے لکھا ہے کہ مولانا نے ایک بار فرمایا کہ ہماری تبلیغ میں علم وذکر کی بڑی اہمیت ہے بدون علم کے نہ عمل ہو سکے نہ عمل کی معرفت اور بدون ذکر کے علم ظلمت ہی ظلمت ہے۔ اس میں نور نہیں ہوسکتا۔ مگر ہمارے کام کرنے والوں میں اس کی کمی ہے، میں نے (مولانا ظفر احمد صاحب نے) عرض کیا تبلیغ خود بہت اہم ہے۔ اس کی وجہ سے ذکر میں کمی ہونا ویسا ہی ہے جیسا حضرت سید صاحب بریلوی قدس سرہٗ نے جس وقت جہاد کی تیاری کے لیے اپنے خدام کو بجائے ذکر وشغل کے نشانہ بازی اور گھوڑے کی سواری میں مشغول کر دیا، تو بعض نے یہ شکایت کی کہ اس وقت پہلے جیسے انوار نہیں ہیں تو حضرت سید صاحب نے فرمایا کہ ہاں اس وقت ذکر کے انوار نہیں ہیں جہاد کے انوار ہیں اور اس کی اس وقت ضرورت ہے، فرمایا (یعنی حضرت دہلویؒ نے) مگر مجھے علم اور ذکر کی کمی کا قلق ہے اور یہ کمی اس واسطے ہے کہ اب تک اہل علم اور اہل ذکر اس میں نہیں لگے ہیں۔ اگر یہ حضرات آ کر اپنے ہاتھ میں کام لے لیں تو یہ کمی بھی پوری ہو جائے، مگر علماء اور اہل ذکر تو ابھی تک اس میں بہت کم آئے ہیں۔

تشریح:...... اب تک جو جماعتیں تبلیغ کے لئے روانہ کی جاتی ہیں ان میں اہل علم اور اہل نسبت کی کمی ہے۔ جس کا حضرت کو قلق تھا۔ کاش اہل علم اور اہل نسبت بھی ان جماعتوں میں شامل ہو کر کام کریں تو یہ کمی پوری ہو جائے الحمد للہ مرکز تبلیغ میں اہل علم اور اہل نسبت موجود ہیں، مگر وہ چند گنتی کے آدمی ہیں اگر وہ ہر جماعت کے ساتھ جایا کریں تو مرکز کا کام کون سر انجام دے۔ (ملفوظات)

(**ملفوظ نمبر ۲**) ایک دن بعد نماز فجر جب کہ اس تحریک میں عملی حصہ لینے والوں کا نظام الدین کی مسجد میں بڑا مجمع تھا، اور حضرت مولانا کی طبیعت اس قدر کمزور تھی کہ بستر پر لیٹے لیٹے بھی دو چار لفظ بآواز نہیں فرما سکتے تھے تو اہتمام سے ایک خاص خادم کو طلب فرمایا، اور اس کے

واسطے سے اس پوری جماعت کو کہلوایا کہ آپ لوگوں کی یہ ساری چلت پھرت اور ساری جدو جہد بیکار ہوگی اگر اس کے ساتھ علم دین اور ذکر اللہ کا پورا اہتمام آپ نے نہیں کیا بلکہ سخت خطرہ اور قوی اندیشہ ہے کہ اگر ان دو چیزوں کی طرف سے تغافل برتا گیا تو یہ جدو جہد مبادا فتنہ اور ضلالت کا ایک نیا دروازہ نہ بن جائے دین کا اگر علم ہی نہ ہو تو اسلام اور ایمان محض رسمی اور رسمی ہے، اور اللہ کے ذکر کے بغیر اگر علم ہو بھی تو وہ سراسر ظلمت ہے اور علیٰ ہذا اگر علم دین کے بغیر ذکر اللہ کی کثرت بھی ہو تو اس میں بھی بڑا خطرہ ہے۔ الغرض علم میں نور ذکر سے آتا ہے، اور بغیر علم دین کے ذکر کے حقیقی برکات وثمرات حاصل نہیں ہوتے۔ بلکہ بسا اوقات ایسے جاہل صوفیوں کو شیطان اپنا آلہ کار بنالیتا ہے۔ لہٰذا علم اور ذکر کی اہمیت کو اس سلسلہ میں کبھی فراموش نہ کیا جائے اور اس کا ہمیشہ خاص اہتمام رکھا جائے ورنہ آپ کی یہ تبلیغی تحریک بھی بس ایک آوارہ گردی ہو کر رہ جائے گی اور خدا نہ کرے آپ لوگ سخت خسارہ میں رہیں گے۔

(**ملفوظ نمبر ۳**) ایک بار فرمایا کہ میں ابتداء میں اس طرح ذکر کی تعلیم دیتا ہوں (یہاں اوراد کی تفصیل ہے اس کے بعد فرمایا) علم بدون ذکر کے ظلمت ہے اور ذکر بدون علم کے بہت سے فتنوں کا دروازہ ہے۔

(**ملفوظ نمبر ٤**) فرمایا کہ دو چیزوں کا مجھے بڑا فکر ہے ان کا اہتمام کیا جائے ایک ذکر کا کہ اپنی جماعت میں اس کی کمی پا رہا ہوں ان کو ذکر بتلایا جائے۔ دوسرے اہل اموال کو مصرف زکوٰۃ سمجھایا جائے ان کی زکوٰتیں اکثر برباد جا رہی ہیں مصرف میں خرچ نہیں ہوتیں۔ (مضمون طویل ہے)

(**ملفوظ نمبر ٥**) فرمایا علم سے عمل پیدا ہونا چاہئے اور عمل سے ذکر پیدا ہونا چاہیے جب ہی علم، علم ہے اور عمل، عمل ہے، اگر علم سے عمل پیدا نہ ہوا تو سراسر ظلمت ہے۔ اور عمل سے اللہ کی یاد دل میں پیدا نہ ہوئی تو پھس پھسا ہے، اور ذکر بلا علم بھی فتنہ ہے۔

(**ملفوظ نمبر ٦**) فرمایا کہ ذکر اللہ شر شیاطین سے بچنے کے لئے قلعہ اور حصن حصین ہے لہٰذا جس قدر غلط اور برے ماحول میں تبلیغ کے لئے جایا جائے شیاطین جن وانس کے برے اثرات سے اپنی حفاظت کے لئے اسی قدر زیادہ ذکر اللہ کا اہتمام کیا جائے۔

(**ملفوظ نمبر ۷**) فرمایا مجھے جب بھی میوات جانا ہوتا ہے تو میں ہمیشہ اہل خیر اور اہل ذکر

کے مجمع کے ساتھ جاتا ہوں پھر بھی عمومی اختلاط سے قلب کی حالت اس قدر متغیر ہو جاتی ہے کہ جب تک اعتکاف کے ذریعہ اس کو غسل نہ دوں یا چند روز کے لئے سہارنپور یا رائپور کے خاص مجمع اور خاص ماحول میں جا کر نہ رہوں قلب اپنی حالت پر نہیں آتا، دوسروں سے بھی کبھی کبھی فرمایا کرتے تھے دین کے کام کے لئے پھرنے والوں کو چاہیے کہ گشت اور چلت پھرت کے طبعی اثرات کو خلوتوں کے ذکر و فکر کے ذریعہ دھویا کریں۔

(**ملفوظ نمبر ۸**) ارشاد فرمایا کہ علم و ذکر کو مضبوطی سے تھامنے کی زیادہ سے زیادہ ضرورت ہے (اس کے بعد طویل ارشاد علم و ذکر کی حقیقت میں ہے جس میں یہ فرمایا کہ علم نام صرف جاننے کا نہیں) دیکھو یہود اپنی شریعت اور اپنے آسمانی علوم کے کیسے عالم تھے کہ حضور اقدس ﷺ کے نائبوں کے نائبوں تک کے حلیے نقشے حتیٰ کہ ان کے جسم کے تل کے متعلق بھی ان کو علم تھا لیکن کیا ان باتوں کے صرف جاننے نے ان کو کوئی فائدہ دیا؟

یہ چند ملفوظات مختصر لکھوائے ہیں، حضرت دہلوی اور حضرت مولانا محمد یوسف صاحب نور اللہ مرقدہما کی تقاریر ان کے ملفوظات اور ارشادات اور مکاتیب کثرت سے شائع ہو چکے ہیں۔ حضرت دہلویؒ کے ایک مکتوب کے چند فقرے نقل کراتا ہوں جو میوات کے کارکنوں کے نام لکھا گیا اور حضرت دہلویؒ کے مکاتیب میں طبع شدہ ہے "دوستو اور عزیزو! تمہارے ایک ایک سال دینے کی خبر سے جو ابھی سے مسرت ہو رہی ہے وہ تحریر سے باہر ہے اللہ تعالیٰ قبول فرمائے، اور توفیق مزید عطا فرمائے۔ میں چند باتوں کی طرف آپ صاحبان کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں۔

(الف) اپنے اپنے حلقے کے ان لوگوں کی فہرست جمع کر کے مجھے اور شیخ الحدیث صاحب کو کہ جو ذکر شروع کر چکے ہیں یا اب کر رہے ہیں یا چھوڑ چکے ہیں۔

(ب) دوسرے جو بیعت ہیں اور ان کو بیعت کے بعد جو بتلایا جاتا ہے اس کو نباہ رہے ہیں یا نہیں؟

(ج) ہر مرکز میں جو مکاتب ہیں ان کی نگرانی اور جدید مکاتب کی جہاں جہاں ضرورت ہے۔

(د) تم خود بھی ذکر اور تعلیم میں مشغول ہو یا نہیں اگر نہیں ہو تو بہت جلد اب تک کی غفلت پر

نادم شروع کر دو، الف سے مراد یہ کہ جن کو بارہ تسبیح بتائی ہیں وہ پابندی سے پورا کرتے ہیں یا نہیں اور انہوں نے ہم سے پوچھ کر کیا ہے یا خود اپنی تجویز سے ذکر کرنے والوں کو دیکھ کر شروع کیا ہے ہر ہر شخص سے دریافت کر کے نمبر وار تفصیل سے لکھو۔

(ہ) اپنے مرکزوں سے ہر ہر نمبر کے متعلق نمبر وار تفصیل کے ساتھ کارگزاری میرے اور شیخ الحدیث صاحب کے پاس روانہ کرنے کا اہتمام ہو۔

(و) جو ذکر بارہ تسبیح کر رہے ہیں ان کو آمادہ کرو کہ وہ ایک ایک چلہ رائپور جا کر گذاریں۔

(ز) میرے دوستو! تمہارے نکلنے کا خلاصہ تین چیزوں کا زندہ کرنا ہے، ذکر، تعلیم، تبلیغ یعنی تبلیغ کے لئے باہر نکالنا۔ اوران کو ذکر و تعلیم کا پابند کرنا۔ (مکاتیب)

مولانا محمد یوسفؒ اور علم و ذکر کی اہمیت

سوانح یوسفی میں لکھا ہے کہ مولانا محمد یوسف صاحبؒ یقین اور نماز کو اس کام کی بنیاد سمجھتے ہوئے علم و ذکر کو دعوت و تبلیغ کی تحریک کے دو بازو قرار دیتے تھے اور ہمیشہ اپنی تقریروں اور مکاتیب میں اس کی طرف پوری طرح متوجہ فرماتے تھے۔ اپنے ایک اہم مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں ''علم وذکر اس کام کے دو بازو ہیں، ان میں کسی ایک کی کمی اور سستی اصل کام کے لئے سخت مضر اور کمزور کرنے والی ہے، ہر ایک اپنی جگہ نہایت ضروری و لابدی ہے۔ علم و ذکر کے مراکز خانقاہیں اور مدارس ہیں، ہم اپنے دونوں بازوؤں کو قوی کرنے کے اندر ہر طرح ہر وقت اہل علم علماء صلحاء مشائخ کے محتاج ہیں وہ ہمارے بالخصوص ان دو اہم امور میں مقتدا ہیں چونکہ ان کے پاس علم نبوت اور جواہر نبوت موجود ہیں، ہمارے ذمہ لازم ہے کہ ہم اس علم وذکر کی وجہ سے ان کی خوب قدر کریں۔ ان کی خدمت کریں ان کی صحبت کو اپنے لئے باعث اصلاح ونجات سمجھیں، اسی بنا پر تبلیغ کے اہم نمبروں میں سے ہے علماء اور مشائخ کی زیارت اور ان سے دعاؤں کو لینا ان کے سامنے حالات تبلیغ سنانا اور مفید مشورہ حاصل کرنا۔ مفتی عزیز الرحمٰن صاحب سوانح حضرت جی میں لکھتے ہیں ''ایک دفعہ میں نے مولانا سے اپنی درسی مصروفیات کی شکایت کی اور عرض کیا کہ میں پڑھانے سے اس قدر تھک گیا ہوں کہ جی چاہتا ہے کہ تھوڑے دنوں کے لئے کوئی آدمی مل جائے تو درسی ذمہ داری اس کے سپرد کر کے کچھ دن تبلیغ میں لگا دوں تو

فرمایا ہرگز نہیں تبلیغ سے پہلے بھی یہی کام کرنا ہے اور تبلیغ کے بعد بھی یہی کام کرنا ہے، لوگ ہمیں کہتے ہیں کہ ہم مدرسوں کے مخالف ہیں حالانکہ یہ غلط ہے، ہم پڑھانے کو بنیادی کام سمجھتے ہیں اور حد یہ ہے کہ خود پڑھاتے ہیں، ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ پڑھانے کے کام کے ساتھ تبلیغ کو بھی لگائے رکھو۔ (سوانح یوسفی عزیزی)

اہل علم کی مجلس میں علم وذکر کے متعلق استفادہ کریں

حضرت دہلویؒ اپنے ایک طویل مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں اپنے وقتوں کو صبح وشام اور کچھ حصہ شب کا اپنی حیثیت کے مناسب ان دو چیزوں (تحصیل علم وذکر) میں مشغول رکھنا۔

سوانح حضرت دہلویؒ میں علی میاں لکھتے ہیں'' آپ نے میواتیوں کو دیوبند، سہارنپور، رائپور اور تھانہ بھون کی طرف بھیجنا شروع کیا اور ہدایت فرمائی کہ بزرگوں کی مجلسوں میں تبلیغ کا ذکر نہ کریں پچاس ساٹھ آدمی ماحول کے دیہاتوں میں گشت کریں اور آٹھویں روز قصبہ میں جمع ہو جائیں پھر وہاں سے دیہات کے لئے تقسیم ہو جائیں حضرات اکابر کی طرف سے اگر پوچھا جائے تو بتلا دیا جائے، از خود کچھ ذکر نہ کیا جائے'' شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب کو ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں'' میری ایک پرانی تمنا ہے کہ خاص اصولوں کے ساتھ مشائخ طریقت کے یہاں یہ جماعتیں آداب خانقاہ کی بجا آوری کرتے ہوئے خانقاہوں میں فیض اندوز ہوں اور جس میں باضابطہ خاص وقتوں میں حوالی کے گاؤں میں تبلیغ بھی جاری رہے اس بارے میں ان آنے والوں سے مشاورت کر کے کوئی طرز مقرر فرما رکھیں، یہ بندہ ناچیز بھی اس ہفتہ بہت زیادہ اغلب ہے کہ چند فقراء کے ساتھ حاضر ہو، دیوبند اور تھانہ بھون کا بھی خیال ہے۔ مولانا یوسف صاحبؒ اپنے منتسبین اور تبلیغی کام سے تعلق رکھنے والوں کو برابر، دیوبند حضرت مدنیؒ کی خدمت میں اور رائپور حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائپوریؒ کی خدمت میں حاضری اور وہاں کچھ وقت صرف کرنے اور زیادہ سے زیادہ استفادہ کرنے پر زور دیتے تھے۔ (حضرت حکیم الامۃ قدس سرہٗ کا وصال مولانا یوسف صاحب کے دور سے پہلے ہو چکا تھا) اپنے ایک پرانے تعلق رکھنے والے صاحب کو اس سلسلہ میں ایک مکتوب لکھتے ہوئے کتنے اہتمام سے ہدایت فرماتے ہیں۔

''آپ کے لئے باہمی مشورہ سے رائپور کا قیام طے ہوا، نہ صرف ایک چلہ کے لئے بلکہ تین چلوں تک آپ حضرت کے پاس بخوشی رہیں، حضرت عالی کی صحبت مبارکہ کو کیمیا اور اخلاق کے بلند ہونے کا بڑا علاج تصور فرماتے ہوئے وہاں کے آداب کی پوری پوری رعایت کرتے ہوئے ذکر الٰہی کا شوق اور محبت ربانیہ کی پیداوار کی کوشش میں رہیں''

ہم سے تو کچھ نہ ہوسکا آپ ہی اس عظیم ترین دولت کی تحصیل میں لگ جائیں اللہ پاک وہاں آپ کے قیام کو ہماری نجات و مغفرت کا ذریعہ قرار دے۔ حضرت سے بعد سلام مسنون اس عاجز و ناچیز کے لئے دعاء کی درخواست عرض کردیں اور تمام متوسلین و مقیمین بارگاہ کو بھی''

بندہ محمد یوسف غفرلہ (سوانح یوسفیؒ)

اشکال نمبر ۴: تبلیغ مدارس کے نقصان کا ذریعہ ہے

مخالفت کا پروپیگنڈہ غلط ہے تبلیغی جماعت سے مدارس کو نقصان پہنچ رہا ہے یہ لوگ مدارس کی مخالفت کرتے ہیں یہ اعتراض بھی نہایت ہی لغو اور بے اصل ہے اس پہلے نمبر میں...... مدارس...... علم وذکر کی جو اہمیت بیان ہوچکی ہے،.....اس کے بعد یہ کہنا کہ مدارس کو نقصان پہنچتا ہے یا یہ لوگ مدارس کی مخالفت کرتے ہیں جتنا بے اصل ہے ظاہر ہے۔ ایک مرتبہ اس ناکارہ سے حضرت اقدس شیخ الاسلام مولانا مدنی نوراللہ مرقدہٗ نے ارشاد فرمایا کہ یہ تبلیغی لوگ مدارس کے چندہ کو منع کرتے ہیں میں نے عرض کیا کہ یہ کسی سفیر کی روایت ہوگی، سفراء مدارس اس کے ضرور شاکی ہیں اور میں خود بھی چونکہ مدرسہ والا ہوں اس لئے میرے پاس بھی اس قسم کی شکایتیں سفراء کی طرف سے پہنچتی رہتی ہیں، میں نے عرض کیا کہ اس کی اصلیت یہ ہے کہ تبلیغی اکابر کی طرف لوگوں کی رجوعات کی کثرت اور تبلیغی اجتماعات بہت بڑی مقداروں میں ہونے لگے ہیں، کسی اجتماع کے موقع پر کسی مدرسہ کا سفیر گیا ہوا ہوتا ہے وہ یہ چاہتا ہے کہ یہ تبلیغی احباب اپنے اجتماعات میں ہمارے مدرسوں کے لئے تحریک کردیں یا کم از کم ان کو تقریر کا موقع دیں تاکہ وہ اس اجتماع کو وصول کرتے ہوئے اپنے مدرسہ کے لئے چندہ تحریک کریں، اور ان دونوں باتوں کو تبلیغی حضرات قبول نہیں کرتے اور کرنا بھی نہیں چاہئے اس لیے کہ چندہ مانگنا ان کے اصول کے خلاف ہے اور جب وہ عذر کرتے ہیں۔ تو یہ اس کو اس عنوان

سے تعبیر کرتے ہیں کہ یہ مدارس کے خلاف ہیں، میں نے حضرت سے عرض کیا مجھ سے متعدد سفراء نے یہ شکایتیں کیں اور جب میں نے ان سے پوچھا کہ کس نے اور کہاں مخالفت کی تو ان کی نشاندہی پر واقعہ کی تحقیق کی تو یہی معلوم ہوا جو میں نے اوپر عرض کیا، حضرتؒ نے فرمایا کہ روایت تو ایک مدرسہ کے سفیر ہی کی تھی فقط اس قسم کے اعتراضات زیادہ تر سفراء کی طرف سے آتے ہیں، یا ان لوگوں کی طرف سے جن سے سفراء یہ شکایت کرتے ہیں اس میں شک نہیں کہ چندہ مانگنا ان لوگوں کے اصول کے خلاف ہے، اللہ ان کو اپنے اس عزم پر باقی رکھے۔ یہاں مدرسہ کی مسجد میں چند سال ہوئے مغرب کی نماز کے بعد ایک شخص نے اعلان کیا کہ میں نظام الدین سے آیا ہوں تبلیغ میں جارہا ہوں میرے پاس کرایہ نہیں رہا۔ اہل خیر اپنی ہمت کے موافق کچھ مدد فرمائیں، میں نے اسی وقت اعلان کیا کہ یہ شخص جھوٹا ہے تبلیغ والوں کو چندہ مانگنے کی مرکز سے ہرگز اجازت نہیں اس کو کوئی چندہ نہ دے مدرسہ کی مسجد سے وہ فوراً چلا گیا، مگر معلوم ہوا شہر کی دوسری مساجد میں وہ اسی عنوان سے چندہ کرتا رہا۔ حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہٗ کے ملفوظات میں ہے "جہاں وعظ کہہ کر چندہ مانگا سب اثر گڑ بڑ ہو گیا، بڑے زور وشور کی تقریر گھنٹہ دو گھنٹہ کی محنت ایک لفظ چندہ کے کہتے ہی سب ختم، علماء صرف تبلیغ کریں جب ہی تبلیغ مؤثر ہو سکتی ہے۔ (افاضات)

کلکتہ کے اور ممبئی کے بعض تاجروں سے ایک مدرسہ کے بڑے ذمہ دار نے یہ شکایت کی کہ تبلیغ والوں سے مدارس کے چندہ کو نقصان پہنچتا ہے، ان لوگوں نے مختلف مواقع پر ایک ہی جواب دیا کہ ہم لوگ تو ان مدارس کو چندہ تبلیغ ہی کی برکت سے دے رہے ہیں، آپ دس برس پہلے کی رودادیں نکال کر دیکھ لیں اور اب کی رودادیں نکال کر دیکھ لیں اور موازنہ کریں کہ ہمارے شہروں سے ان دس برسوں میں چندہ میں کتنا اضافہ ہوا۔ حضرت دہلوی نور اللہ مرقدہ کی سوانح میں حضرت دہلویؒ کا ایک مکتوب درج ہے جو میوات کے چند دینداروں کے نام لکھا گیا ہے، جس میں اس حقیقت کی وضاحت فرمائی تھی۔ "دین کے ادارے اور جتنے بھی ضرورت کے امور ہیں ان سب کے لئے تبلیغ (صحیح) اصول کے ساتھ ملک ملک پھرتے ہوئے کوشش کرنا بمنزلہ زمین ہموار کرنے کے ہے اور بمنزلہ بارش کے ہے، اور دیگر جتنے بھی امور ہیں وہ اس زمین مذہب کے اوپر بمنزلہ باغات کی پرورش کرنے کے ہیں، باغات کی ہزاروں اقسام ہیں کوئی کھجوروں کا ہے کوئی اناروں کا ہے، کوئی

سیبوں کا، باغ ہزاروں چیزوں کے ہو سکتے ہیں، لیکن کوئی باغ دو چیزوں کے اندر پوری پوری کوشش کرنے کے بغیر نہیں ہو سکتا پہلی چیز زمین کا ہموار اور درست ہونا، زمین کے ہموار کرنے میں کوشش کئے بغیر یا زمین میں کوشش کر کے خود ان باغات کی مستقل پرورش کئے بغیر کسی طرح باغات پرورش نہیں پا سکتے۔ سو دین میں تبلیغی امور کی کوشش یہ تو زمین مذہب ہے، اور سب ادارے باغ ہیں، اب تک زمین مذہب ایسی ناہموار اور ہر طرح کی پیداوار اور باغات سے اس قدر نامناسب واقع ہو رہی ہے کہ کوئی باغ اس پر نہیں لگتا حضرت دہلوی کی رائے یہ تھی جس کو انہوں نے مختلف عناوین سے ملفوظات میں مکاتیب اور ارشادات میں ظاہر کیا ہے کہ ان کی تبلیغ مدارس اور خانقاہوں کی ترقی کا ذریعہ ہے۔ ایک جگہ حضرت دہلویؒ کا ایک مکتوب نقل کیا ہے علی میاں حضرت دہلویؒ کی سوانح میں لکھتے ہیں کہ مولانا مدارس دینیہ کے وجود کو مسلمانوں کے لئے نہایت ضروری سمجھتے تھے اور اس سایہ رحمت کے مسلمانوں کے سروں سے اٹھ جانے کو موجب وبال اور قہر سمجھتے تھے، لوگوں کی ناقدردانی اور غفلت سے دینی مدارس اور مکاتب کی ایک بڑی تعداد میوات میں معطل ہو گئی تھی۔ شیخ رشید احمد صاحب کو اسی خط میں اس کے متعلق تحریر فرماتے ہیں "لوگوں کو یہ بات ذہن نشین کرانے میں آپ ہمت فرما دیں کہ سینکڑوں مدرسوں کا سست پڑ جانا یا بند ہو جانا اہل زمانہ کے لیے نہایت وبال اور نہایت باز پرس کا خطرہ رکھتا ہے۔ کہ قرآن دنیا سے مٹتا چلا جائے اور ہمارے پیسوں میں اس کا کوئی حصہ اور ہمارے دلوں میں اس کا کوئی درد نہ ہو یہ سب باتیں خطرناک ہیں۔"

(سوانح مولانا محمد الیاس صاحبؒ)

اشکال نمبر ۵: جماعتوں میں علماء کی اہانت ہوتی ہے۔

یہ اعتراض بھی بہت کثرت سے آ رہا ہے کہ تبلیغ والے علماء کی اہانت کرتے ہیں۔ جہاں تک علماء کی اہانت کا تعلق ہے اس دور فساد میں کون سا طبقہ کون سی جماعت ایسی ہے جو علماء کی اہانت نہیں کر رہی ہے، اگر ان میں سے کچھ لوگ تبلیغی جماعت میں بھی شریک ہو جائیں تو اس چیز کو تبلیغی جماعت کی طرف منسوب کرنا صریح ظلم ہے علماء کی اہانت کے متعلق تو یہ ناکارہ اپنے رسالہ "اعتدال" میں تقریباً پچاس صفحے پر بہت تفصیل سے گفتگو کر چکا ہے، اس میں اس اعتراض کو بھی اور

اس کی وجوہ کو بھی بہت تفصیل سے لکھا ہے جہاں تک تبلیغی جماعت کا تعلق ہے میرے علم میں تو یہ ہے کہ علماء کے احترام کی مرکز اور اکابر تبلیغ کی طرف سے بہت تاکید ہوتی ہے، اگر اس کے خلاف کسی کا قول یا فعل ہو تو اس کا ذاتی فعل یا قول ہے۔ میں اس سے پہلی فصل میں جہاں مدارس کے نقصان کا بیان کر چکا ہوں وہاں بہت سے تاجروں اور رئیسوں کا مقولہ جو متعدد علماء بلکہ خود مجھ سے بھی کہا گیا ہے کہ حضرت جی ہم لوگ تو آپ سے بہت خفا اور دور رہتے تھے۔ اس تبلیغ کی بدولت آپ تک پہنچنا ہوا۔ یہ مقولہ بلا تصنع بلا مبالغہ سو آدمیوں سے زائد سے میں نے سنا ہوگا۔ اس سے کس کو انکار ہو سکتا ہے کہ ممبئی شہر میں علماء حقہ میں تبلیغ سے پہلے جانا کتنا دشوار تھا، اور وعظ کہنے کا تو واہمہ بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ حضرت حکیم الامۃ نور اللہ مرقدہ کو اپنی اہلیہ محترمہ کی حج سے واپسی پر ممبئی تشریف لے جانے پر کس قدر اذیت دی گئی کہ مخالفین نے بجلی کے تار کاٹ دیئے مکان کا محاصرہ کر لیا اور حضرت قدس سرہٗ پر حملہ کیا۔ میزبان کی خوش اسلوبی اور بہترین انتظام کی وجہ سے حضرت اقدس سرہٗ کو اس مکان سے دوسرے مکان میں اندھیرے کے اندر پہنچایا گیا۔

۳۸ھ میں جب حضرت سہارنپوری قدس سرہٗ تین سو خدام کے ساتھ حج میں تشریف لے جا رہے تھے یہ ناکارہ بھی اس میں ہم رکاب تھا تو اہل ممبئی کے شری اور فسادی مخالفین کے خوف سے حضرت کو مع قافلہ کے ممبئی سے دس میل دور ایک قبرستان میں ٹھہرایا گیا تھا اور وہاں خیمے لگائے گئے تھے۔ علماء دیوبند کا ممبئی میں علی الاعلان جانا کس قدر دشوار تھا۔ اس سے ظاہر ہے کہ ممبئی کی کسی مسجد میں کسی معروف دیوبندی کا نماز پڑھ لینا معلوم ہو جاتا تو اس مسجد کو پاک کرایا جاتا تھا، لیکن اب وہی ممبئی ہے کہ جہاں علماء حقہ کی طلب اور بلانے کے تقاضے اتنی کثرت سے ہوتے ہیں کہ ان کا پورا کرنا بھی مشکل ہے، جہاں تک تبلیغی اکابر کے ارشادات کا تعلق ہے ان سے انکار یا چشم پوشی انتہائی موجب تعجب ہے، اگر کسی تبلیغ والے میں سے کسی نالائق نے جو پہلے سے علماء کا مخالف ہو علماء کی شان میں خلاف کہہ دیا ہو تو یہ بھی دیکھنا ہے کہ تبلیغ سے پہلے علماء کے ساتھ کیسا تعلق رکھتا تھا، اگر وہ پہلے سے معتقد تھا اور تبلیغ میں آنے کے بعد یہ حرکت شروع کی تب تو تبلیغ پر یہ الزام سچا ہے اور اگر وہ پہلے سے مخالف تھا تو تم ہی سوچو کہ اس میں تبلیغ پر کیا الزام ہے مجھے اس وقت حضرت حکیم الامۃ نور اللہ مرقدہٗ کا ایک لطیفہ یاد آیا'' ایک مدرسہ کے طالب علم نے کسی کی چوری کر لی تھی اس نے حضرت قدس سرہٗ سے

شکایت کی کہ حضرت طالب علم بھی چوری کرنے لگے تو حضرت نے ارشاد فرمایا کہ بالکل نہیں بلکہ چور طالب علمی کرنے لگے۔

علماء کے متعلق حضرت دہلویؒ کے ارشادات

حضرت دہلویؒ کا ارشاد ہے کہ:

(۱) ہمارے کارکن جہاں بھی کہیں جاویں وہاں کے حقانی علماء اور صلحاء کی خدمت میں حاضری کی کوشش کریں لیکن یہ حاضری صرف استفادہ کی نیت سے ہو اور ان حضرات کو براہِ راست اس کام کی دعوت نہ دیں۔ وہ حضرات جن دینی مشاغل میں لگے ہوئے ہیں ان کو تو وہ خوب جانتے ہیں اور ان کے منافع کا تجربہ رکھتے ہیں، اور تم اپنی یہ بات ان کو اچھی طرح سے سمجھا نہ سکو گے یعنی تم ان کو اپنی باتوں سے اس کا یقین نہ دلوا سکو گے کہ یہ کام ان کے دوسرے دینی مشاغل سے زیادہ دین کے لیے مفید اور زیادہ منفعت بخش ہے، نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ تمہاری بات کو مانیں گے نہیں اس لیے ان کی خدمت میں بس استفادہ ہی کے لئے جایا جائے، لیکن ان کے ماحول میں نہایت محنت سے کام کیا جائے اور اصولوں کی زیادہ سے زیادہ رعایت کی کوشش کی جائے اس طرح امید ہے کہ تمہارے کام اور اس کے نتائج کی اطلاعیں خود بخود ان کو پہنچیں گی، اور وہ ان کے لئے داعی اور ان کی توجہ کی طالب ہو جائے گی پھر اگر اس کے بعد وہ خود تمہاری طرف اور تمہارے کام کی طرف متوجہ ہوں تو ان سے سرپرستی اور خبر گیری کی درخواست کی جائے، اور ان کے دینی ادب و احترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنی بات ان سے کہی جائے۔ (ملفوظات)

(۲) ارشاد فرمایا کہ اگر کہیں دیکھا جائے کہ وہاں کے علماء اور صلحاء اس کام کی طرف ہمدردانہ طور سے متوجہ نہیں ہوتے تو ان کی طرف سے بدگمانیوں کو دل میں جگہ نہ دی جائے، بلکہ یہ سمجھ لیا جائے کہ ان حضرات پر اس کام کی پوری حقیقت ابھی کھلی نہیں۔ علاوہ اس کے یہ بھی سمجھنے کی بات ہے کہ دنیا جو حقیر و ذلیل چیز ہے جب اس کے گرفتار اپنے دنیوی مشاغل پر اس کام کو ترجیح نہیں دے سکتے اور اپنے مشاغل و انہماک کو چھوڑ کر اس کام میں نہیں لگ سکتے تو اہل دین اپنے اعلیٰ مشاغل کو اس کام کے لئے کیسے آسانی سے چھوڑ سکتے ہیں۔ (ملفوظات)

(۳) فرمایا کہ مسلمانوں کو علماء کی خدمت میں چار نیتوں سے جانا چاہئے۔ اول اسلام کی جہت سے، دوم یہ کہ ان کے قلوب واجسام حامل علوم نبوت ہیں۔ اس جہت سے بھی وہ قابل تعظیم اور لائق خدمت ہیں، سوم یہ کہ وہ ہمارے دینی کاموں کی نگرانی کرنے والے ہیں، چہارم یہ کہ ان کی ضروریات کے تفقد کے لیے کیونکہ اگر دوسرے مسلمان ان کی دنیوی ضرورتوں کا تفقد کر کے ان ضرورتوں کو پورا کر دیں جن کو اہل اموال پورا کر سکتے ہیں تو علماء اپنی ان ضرورتوں میں وقت صرف کرنے سے بچ جائیں گے اور وہ وقت بھی خدمت علم و دین میں خرچ کریں گے تو اہل اموال کو ان کے ان اعمال کا ثواب ملے گا۔ (ملفوظات)

(۴) ایک بار فرمایا کہ جو وفود سہارنپور، دیوبند وغیرہ تبلیغ کے لئے جا رہے ہیں ان کے ہمراہ تجار دہلی کے خطوط کر دیئے جائیں جن میں نیاز مندانہ لہجہ میں حضرات علماء سے عرض کیا جائے کہ یہ وفود عوام میں تبلیغ کے لئے حاضر ہو رہے ہیں، آپ حضرات کے اوقات بہت قیمتی ہیں، اگر ان میں سے کچھ وقت اس قافلہ کی سرپرستی میں دے سکیں جس میں آپ کا اور طلبہ کا حرج نہ ہو تو اس کی سرپرستی فرمائیں اور طلبہ کو اس کام میں اپنی نگرانی میں ساتھ لیں۔ طلبہ کو از خود بدون اساتذہ کی نگرانی کے اس کام میں حصہ نہ لینا چاہئے، اور قافلہ والوں کو یعنی وفود تبلیغ کو نصیحت کی جائے کہ اگر حضرات علماء توجہ میں کمی کریں تو ان کے دلوں میں علماء پر اعتراض نہ آنے پائے، بلکہ یہ سمجھ لیں کہ علماء ہم سے بھی زیادہ اہم کام میں مشغول ہیں، وہ راتوں کو بھی خدمت علم میں مشغول رہتے ہیں جب کہ دوسرے آرام کی نیند سوتے ہیں، اور ان کی عدم توجہ کو اپنی کوتاہی پر محمول کریں کہ ہم نے ان کے پاس آمد و رفت کم کی ہے اس لئے وہ ہم سے زیادہ ان لوگوں پر متوجہ ہیں جو سالہا سال کے لئے ان کے پاس آپڑے ہیں۔ پھر فرمایا کہ ایک عامی مسلمان کی طرف سے بھی بلا وجہ بدگمانی ہلاکت میں ڈالنے والی ہے اور علماء پر اعتراض تو بہت سخت چیز ہے، پھر فرمایا کہ ہمارا طریقہ تبلیغ میں عزت مسلم اور احترام علماء بنیادی چیز ہیں۔ ہر مسلمان کی بوجہ اسلام کے عزت کرنی چاہئے اور علماء کا بوجہ علم دین کے بہت احترام کرنا چاہئے۔ پھر فرمایا کہ علم اور ذکر کا کام ابھی تک ہمارے مبلغین کے قبضہ میں نہیں آیا۔ اس کی مجھے بڑی فکر ہے اور اس کا طریقہ یہی ہے کہ ان لوگوں کو اہل علم اور اہل ذکر کے پاس بھیجا جائے کہ ان کی سرپرستی میں تبلیغ بھی کریں۔ اور ان کے علم و صحبت سے بھی مستفید ہوں۔ (ملفوظات)

(۵) ایک مرتبہ مولانا ظفر احمد صاحب زادمجد ہم کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ حضرت مولانا تھانویؒ کے لوگوں کی مجھے بہت قدر ہے، کیونکہ وہ قریب العہد ہیں، اسی وجہ سے تم میری باتیں جلدی سمجھ جاتے ہو کہ مولانا کی باتیں سن چکے ہو اور تازہ سنی ہوئی ہیں، تمہاری وجہ سے میرے کام میں بہت برکت ہوتی ہے میرا بہت جی خوش ہوا، پھر بہت دعائیں دیں اور فرمایا تم خود بھی رو رو کر اس نعمت کا شکر کرو۔ (ملفوظات)

(۶) فرمایا کہ ہمارے کام کرنے والوں کو تین طبقوں میں تین ہی مقاصد کے لیے خصوصیت کے ساتھ جانا چاہئے علماء اور صلحاء کی خدمت میں دین سیکھنے اور دین کے اچھے اثرات لینے کے لئے۔ الی آخرہ (ملفوظات)

(۷) فرمایا کہ ہمارے اس کام کا اصول یہ ہے کہ مسلمانوں کے جس طبقہ کا حق اللہ تعالیٰ نے رکھا ہے اس کو ادا کرتے ہوئے اس دعوت کو اس کے سامنے پیش کیا جائے.... علماء دین کا حق تعظیم ادا کر کے ان کو یہ دعوت دی جائے۔ (ملفوظات)

(۸) ارشاد فرمایا "علماء سے کہنا ہے کہ ان تبلیغی جماعت کی چلت پھرت اور محنت و کوشش سے عوام میں دین کی طرف صرف طلب اور قدر ہی پیدا کی جاسکتی ہے اور ان کو دین سیکھنے پر آمادہ ہی کیا جاسکتا ہے۔ آگے دین کی تعلیم و تربیت کا کام علماء اور صلحاء کی توجہ فرمائی ہی سے ہوسکتا ہے اس لئے آپ حضرات کی توجہات کی بڑی ضرورت ہے۔ (ملفوظات)

(۹) کسی سلسلے سے عہد حاضر کے ایک مشہور صاحب علم اور صاحب قلم خادم دین کا ذکر آ گیا جن کی بعض علمی کمزوریوں کی بنا پر خاص دین دار حلقوں کو ان پر اعتراض تھا تو فرمایا کہ میں تو ان کا قدردان ہوں، اگر ان میں کوئی کمزوری ہو تو میں اس کا علم بھی حاصل کرنا نہیں چاہتا یہ معاملہ اللہ کا ہے شاید ان کے پاس اس کا کوئی عذر ہو، ہم کو تو عام حکم یہ ہے کہ دعائیں کرو۔

"وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِّلَّذِينَ آمَنُوا الآية" (ملفوظات)

(۱۰) فرمایا کہ ہماری اس تحریک کا اصل مقصد ہے مسلمانوں کو "جمیع ماجاء به النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم" سکھانا یعنی اسلام کے پورے علمی و عملی نظام سے امت کو وابستہ کر دینا، یہ تو ہے ہمارا اصل مقصد۔ رہی قافلوں کی یہ چلت پھرت اور تبلیغی گشت سو یہ اس مقصد کے لیے

ابتدائی ذریعہ ہے اور کلمہ اور نماز کی تلقین و تعلیم گویا ہمارے پورے نصاب کی ا، ب، ت، ہے۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ ہمارے قافلے پورے کام نہیں کر سکتے ان سے تو بس اتنا ہی ہوسکتا ہے کہ ہر جگہ پہنچ کر اپنی جدو جہد سے ایک حرکت اور بیداری پیدا کر دیں اور غافلوں کو متوجہ کر کے وہاں کے مقامی اہل دین سے وابستہ کرنے کی اور اس جگہ کے دین کی فکر رکھنے والوں علماء و صلحاء و بیچارے عوام کی اصلاح پر لگا دینے کی کوشش کریں، ہر جگہ پر اصلی کام تو وہیں کے کارکن کر سکیں گے، اور عوام کو زیادہ فائدہ اپنی ہی جگہ کے اہل دین سے استفادہ کرنے میں ہوگا۔ البتہ اس کا طریقہ ہمارے ان آدمیوں سے سیکھا جائے جو ایک عرصہ سے افادہ و استفادہ اور تعلیم کے اس طریقہ پر عامل ہیں اور اس پر بڑی حد تک قابو پا چکے ہیں۔ (ملفوظات)

(۱۱) **دین علم سے ترقی پاتا ھے**: ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں کہ علم کے فروغ اور ترقی کے بقدر اور علم ہی کے فروغ اور ترقی کے ماتحت دین پاک فروغ اور ترقی پا سکتا ہے، میری تحریک سے علم کو ذرا بھی ٹھیس پہنچے یہ میرے لئے خسران عظیم ہے۔ میرا مطلب تبلیغ سے علم کی طرف ترقی کرنے والوں کو ذرا بھی روکنا یا نقصان پہنچانا نہیں ہے۔ بلکہ اس سے بہت زیادہ ترقیات کی ضرورت ہے اور موجودہ جہاں تک ترقی کر رہے ہیں یہ بہت ناکافی ہے۔ (سوانح حضرت دہلویؒ)

علی میاںؒ سوانح مذکور میں لکھتے ہیں "مولانا ایک طرف علماء کو عوام سے اس دعوت کے ذریعہ قریب ہونے کی اور ان کا درد اپنے دل میں پیدا کرنے کی تاکید فرماتے تھے دوسری طرف عوام کو علماء کی مرتبہ شناسی، قدردانی اور ان سے استفادہ کی طرف توجہ دلاتے رہتے تھے۔ ان کو بتاکید اصول کے مطابق علماء کی خدمت میں حاضر ہونے کی فہمائش کرتے تھے ان کی ملاقات اور زیارت کا ثواب بیان فرماتے تھے۔ ان کی خدمت میں حاضر ہونے کے آداب و اصول سمجھاتے تھے۔ ان کو دعوت دینے ان سے فائدہ اٹھانے اور ان کو مشغول کرنے کا طریقہ بتاتے تھے۔ ان کی جو باتیں سمجھ میں نہ آئیں ان کی تاویل اور ان کے ساتھ حسن ظن رکھنے کی عادت ڈالتے، ان کو ان کی خدمت میں بھیجتے تھے اور پھر ان سے پوچھتے تھے کہ کس طرح گئے اور کیا باتیں ہوئیں؟ پھر ان کی تنقیدوں اور تاثرات کی اصلاح اور تصحیح فرماتے تھے۔ اسطرح عوام، تجار اور کاروباری لوگوں کو علماء سے اتنا قریب کر دیا کہ پچھلے برسوں میں کبھی اتنے قریب نہیں ہوئے۔ بدقسمتی سے شہروں میں سیاسی تحریکات اور مقامی

اختلافات کی وجہ سے عوام میں علماء کی طرف سے ایک عام بیزاری پیدا ہونے لگی تھی ، اور بغیر کسی استثناء اور تخصیص کے عام حاملین دین اور علماء کے خلاف ایک عام جذبہ عناد پیدا ہونے لگا تھا۔ مولانا کی ان کوششوں اور حکمتِ عملی سے کم سے کم اس دعوت کے حلقۂ اثر میں یہ بات پیدا ہوگئی کہ سیاسی اختلافات کو عوام دین کے لیے گوارا کرنے لگے، اور سیاسی مسلک کے اختلاف کے باوجود علماء حق کی تعظیم اور قدر و اعتراف کی گنجائش نکل آئی، بڑے بڑے تاجر جو علماء سے برسوں سے متوحش تھے، علماء کی خدمت میں مؤدبانہ حاضر ہونے لگے۔ اور اپنے تبلیغی جلسوں اور تقریروں میں ادب واحترام کے ساتھ لے جانے لگے۔ (سوانح حضرت دہلویؒ)

(۱۲) **علماء کی خدمت کرو:**۔ ایک طویل ملفوظ جو اپنی بیماری کی حالت میں ان لوگوں کو خطاب کرتے ہوئے جو وضو کرا رہے تھے فرمایا کہ تم مجھے وضو کراتے وقت بیمار کی خدمت کی نیت کے علاوہ یہ نیت بھی کیا کرو" اے اللہ! ہم یہ سمجھتے ہیں کہ تیرے اس بندہ کی نماز ہم سے اچھی ہوتی ہے تو ہم اس لیے اس کو وضو کراتے ہیں کہ اس کی نماز کے ثواب میں ہمارا حصہ ہو جائے۔" پھر فرمایا" یہ میں ان لوگوں کو کہتا ہوں لیکن میں خود اگر یہ سمجھنے لگوں کہ میری نماز ان لوگوں سے اچھی ہوتی ہے تو مردود ہو جاؤں۔" اس کے بعد دوسری گفتگو کے بعد فرمایا" تم لوگ ان علماء کی خدمت کرو جو ابھی تک تمہاری قوم کو دین سکھانے کی طرف متوجہ نہیں ہوئے ہیں میرا کیا ہے؟ میں تمہارے ملک میں جاتا ہی ہوں تم نہ بلاؤ جب بھی جاؤں گا جو علماء ابھی تمہاری طرف متوجہ نہیں ہیں ان کی خدمتیں کرو گے تو وہ بھی تمہاری قوم کی دینی خدمت کرنے لگیں گے۔ (ملفوظات)

(۱۳) **مولانا محمد یوسفؒ اور علماء:** مولانا الحاج محمد یوسفؒ کی سوانح میں لکھا ہے کہ مولانا کی نگاہ میں علماء دین کی سب سے زیادہ قدر تھی۔ آج جس طرح علماء کی ناقدری ان پر بیجا تنقید کا رواج پیدا ہو گیا ہے مولانا اس کو دین کے لیے بڑا مہلک سمجھتے تھے اور ناقدری کرنے والوں کی محرومی کا باعث جانتے تھے، اپنے ایک رفیق کو تحریر کرتے ہیں:

"دیکھئے! خوب سمجھ لیجئے ہم اکابر علماء کے ہر وقت محتاج ہیں ان کے بغیر چارہ کار نہیں ان کے دامن کے ساتھ وابستگی ہماری سعادت ہے، یہ حضرات بہت سی خوبیوں اور علوم نبویہ کے انوارات کے حامل ہیں ان کی قدردانی علومِ نبوت کی قدردانی ہے، جس قدر ہم ان کی قدر و خدمت

کریں گے اور ان کی خدمت میں حاضری کو بڑی عبادت سمجھ کر ان کے ارشادات ونصائح سے مستفید ہوتے ہوئے ان سے مفید مشورے حاصل کرتے رہیں گے اسی قدر علوم نبویہ کے انوارات سے منور ہوتے رہیں گے۔" (سوانح یوسفیؒ)

(۱۴) ایک مرتبہ علماء کو تعلیمی حلقہ کے ختم پر فرمایا "ہم یہ نہیں چاہتے کہ بخاری پڑھانے والوں کو التحیات پڑھانے پر لگا دیں مگر یہ ضرور چاہتے ہیں کہ التحیات یاد کرانے کی بخاری پڑھانے والوں کے نزدیک بھی انتہائی اہمیت ہو۔ اس لئے کہ یہ بھی حضور ﷺ کے علوم میں سے ایک علم ہے اسے غیر اہم سمجھنے والا کہیں کا نہیں رہے گا، اور یہ بھی چاہتے ہیں کہ تعلیم کا یہ درجہ بھی ماہرین بخاری کی نگرانی میں ہو" (سوانح یوسفیؒ)

(۱۵) علماء ہی امانت کے اہل ہیں: ایک عالم دین کو خط لکھتے ہوئے حسب ذیل الفاظ تحریر فرمائے "حضرات عالی کو اللہ رب العزت نے ہر طرح کی خوبی سے مالا مال فرمایا ہے، ان کو نورانی روحانی علوم کا سرچشمہ بھی بنایا اور اس زبردست عظمت والی امانت نبوت کا داعی بھی بنایا، اگر حضرات عالی کی توجہات اور دعاؤں سے یہ مبارک قابل رشک اور بہترین گروہ علم کی بلندیوں سے اس مبارک عمل کے دوڑ دھوپ کے میدان میں کود پڑے اور اپنی اس علمی اشتغال والی قربانیوں کیساتھ تھوڑے دنوں اس گھاٹی کو عبور کرے تو یہ امانت مبارکہ اہلوں کے ہاتھ میں آکر سرسبز ہو جائے اور نااہلیت کی بنا پر جو خطرات لاحق ہوتے ہیں ان سے اس امانت عظیمہ کی حفاظت بھی ہو جائے۔ (سوانح یوسفیؒ)

(۱۶) بزرگوں سے اچھا گمان رکھیں: مولانا محمد یوسف صاحبؒ ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں" بزرگان دین سے بدظن نہ ہوں بلکہ ان کی خدمت میں محض استفادہ کے طور پر جاتے رہا کریں، ان کے پاس جب جائیں تو دھیان میں یہ نہ ہو کہ میں ان کو کچھ دینے جارہا ہوں بلکہ ہمیشہ یہی خیال رہے کہ مجھے کچھ حاصل کرنا ہے اور ان حضرات کو دعوت نہ دیا کریں۔" (سوانح یوسفیؒ)

(۱۷) علماء عوام سے دور نہ ہوں: مولانا محمد یوسف صاحب الوداعی ہدایات میں فرمایا کرتے تھے، خصوصی گشت میں جب دینی اکابر کی خدمت میں حاضری ہو تو ان سے صرف دعا کی درخواست کی جائے۔ اور ان کی توجہ دیکھی جائے تو کام کا کچھ ذکر کر دیا جائے۔ (سوانح یوسفی)

مفتی عزیز الرحمٰن صاحب بجنوری اپنی ابتدائی آمد کی تفاصیل میں مولانا یوسف صاحبؒ کی طرف سے اکرام، اعزاز، خاطر کی تفاصیل لکھنے کے بعد جو قابل دید ہیں مگر بہت طویل ہیں لکھتے ہیں کہ یہ صرف میری ہی خصوصیت نہ تھی بلکہ ان کو کسی طرح سے یہ معلوم ہو جانا چاہیے تھا کہ فلاں عالم ہے بس پھر کیا تھا ان کے ساتھ بھی یہی برتاؤ ہوتا، میرے ساتھ ایک رفیق تھے، جن میں کوئی ظاہری علامت ایسی نہ تھی جس سے ان کو عالم سمجھا جائے میں نے ان کو مولانا کہہ کر خطاب کیا۔ جس پر حضرت جی متوجہ ہوئے اور اپنی جگہ سے بلوا کر اپنے قریب بٹھایا۔ حضرت جی فرمایا کرتے تھے کہ میں جو دیو بند، سہارنپور جماعتیں بھیجتا ہوں اس لئے نہیں کہ تبلیغ کی جائے ان کو دعوت دی جائے میں تو اس غرض سے بھیجتا ہوں کہ آج عوام علماء سے دور ہوتے جا رہے ہیں۔ یہ ان سے قریب ہو جاویں اسی میں ان کا فائدہ ہے۔ (سوانح یوسفیؒ عزیزی)

(۱۸) **علماء کا احترام:** مولانا یوسف صاحبؒ کے سلہٹ کی تشریف آوری کی کارگزاری کا ذکر کرنے کے بعد مفتی عزیز الرحمٰن صاحب لکھتے ہیں کہ جہاں حضرت شیخ الاسلام نور اللہ مرقدہٗ کا برسوں قیام رہا اور حضرت مولانا یوسف صاحب اس قسم کی نسبتوں کا بہت زیادہ خیال رکھا کرتے تھے جس مقام کو بزرگوں سے نسبت ہوتی وہاں کے اجتماع باوجود کام نہ ہونے کے خصوصی توجہ کے ساتھ مقرر فرماتے۔

چنانچہ امبہٹہ کا اجتماع حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کی وجہ سے طے فرمایا۔ سلہٹ کے اجتماع میں حضرت مدنیؒ کے کافی خلفاء شریک ہوئے۔ آپ نے ان کا بہت زیادہ اکرام فرمایا اور مشوروں میں شریک رکھا۔ اور احترام ملحوظ رکھتے ہوئے کام کی طرف توجہ دلائی۔ (سوانح عزیزی)

(۱۹) **سب سے اہم علم و ذکر:** مولانا محمد ثانی صاحب سوانح یوسفی میں ایک مکتوب مولانا یوسف صاحبؒ کا جناب الحاج فضل عظیم صاحب مراد آبادی ثم المکی کے نام طویل مکتوب میں لکھتے ہیں کہ ''سب سے اہم جز و علم و ذکر کا اشتغال ہے: اور اس کے لیے سب سے اہم دو جانبوں کے حقوق کو ادا کرنے پر مداومت پالینا ہے ایک علم و ذکر کی طرف نسبت رکھنے والے بزرگوں کی عظمت کو دل میں محسوس کرنا جو کام کیا جائے اس کی اطلاع کے ذریعے اور مشاورت کے ذریعہ ان کی بڑائی کو پہچاننا اور ان کے حقوق کو ادا کرنا، اور اسی طرح دنیوی امور میں مادی بڑوں کے حقوق کو ادا کرنا اور اپنے مادی کاموں میں ان کی مشاورت کو بھی شامل کرنا۔

(۲۰) علماء کی خدمت میں حاضری عبادت سمجھی جائے: ایک دوسرے مکتوب میں لکھتے ہیں (جو بہت طویل ہے) علم کے فضائل ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ علماء کی خدمت میں حاضری دی جائے اس کو بھی عبادت یقین کیا جائے، بہت طویل مکتوب تقریبا ۲۳ صفحے کا ہے، جو نصائح سے لبریز ہے۔ (سوانح یوسفی)

ایک اور جگہ ایک واقعہ لکھا ہے، مولانا یوسف صاحبؒ کے خادم اپنا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن ہم اپنے ساتھیوں کے ساتھ ابوداؤد شریف کا سبق پڑھنے کے لیے حضرت جی (مولانا محمد یوسف صاحبؒ) کے کتب خانہ میں جا رہے تھے کہ خبر ملی کہ مولانا مسیح اللہ خاں صاحب جلال آبادی خلیفہ حضرت تھانویؒ تشریف لا رہے ہیں، ہم لوگوں کا پڑھنا ملتوی ہوگیا، اور حضرت مولانا مسیح اللہ خاں صاحب تشریف لے آئے حضرت مولانا نے حجرے سے باہر آکر استقبال فرمایا اور حجرہ میں بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر گفتگو کے بعد حضرت مولانا اپنے کتب خانہ سے اپنی تصانیف امانی الحبار اور حیاۃ الصحابہؓ لائے۔ اور خدمت میں پیش فرمائیں۔ موصوف دیکھتے جاتے تھے اور حضرت کی قربانی اور بلند عزمی کا اظہار کرتے جاتے تھے۔ (سوانح یوسفی)

(اشکال نمبر ۶) تبلیغ اور وعظ میں فرق نہ سمجھنے کی وجہ سے ہے

جو بہت ہی شروع سے ہو رہا ہے کہ تبلیغ علماء کا کام ہے جاہلوں کا کام تبلیغ کرنا نہیں، یہ اعتراض بہت ہی مختلف عنوانات میں مختلف عبارات میں مجھ تک پہنچتا رہا۔ اور میں مختصر و مفصل سوال کے مطابق جواب بھی لکھواتا رہا۔ یہ اعتراض دراصل تبلیغ و وعظ میں فرق نہ کرنیکی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔ وعظ درحقیقت صرف عالموں کا کام ہے جاہلوں کو وعظ کہنا جائز نہیں اس کے لیے عالم ہونا بہت ضروری ہے تا کہ جو کچھ کہہ رہا ہے وہ شریعت کے موافق ہو۔

کوئی چیز اس میں قرآن وحدیث کے خلاف نہ کہی جاسکے، اور تبلیغ جس کے معنی صرف پیام پہنچا دینے کے ہیں کوئی پیام کسی کے ہاتھ بھیج دینے کے واسطے اس کا عالم ہونا بالکل ضروری نہیں جن اکابر کے کلام میں تبلیغ علماء کے ساتھ مخصوص ذکر کی گئی ہے وہ حقیقت میں تبلیغ کے لفظ کو عام سمجھ کر اس کا اطلاق کر دیا گیا ہے ورنہ نظام الدین کی تبلیغی جماعت پر یہ اشکال بالکل نہیں وارد

ہوتا۔ اس لیے کہ ان کی تبلیغ میں صرف چھ نمبر متعینہ بتائے جاتے ہیں ان ہی کی مشق کرائی جاتی ہے اور ان ہی کو پیام کے طور پر لے جا کر شہر در شہر ملک در ملک بھیجا جاتا ہے ان کے اصول میں یہ بھی ہے کہ چھ نمبروں کے ساتھ ساتواں نمبر یہ کہ ان چھ امور کے علاوہ کسی دوسری چیز میں مشغول نہ ہو، حضرت حکیم الامتؒ کا ارشاد ہے کہ جو مسائل منصوص صاف صاف شریعت کے ہیں ان کی تبلیغ صرف علماء کے ساتھ خاص نہیں ہر شخص بآواز بلند کہہ سکتا ہے امور اجتہادیہ سے خطاب کرنا البتہ علماء کے ساتھ خاص ہے کہ عوام اس میں غلطی کریں گے۔ (انفاس عیسیٰ)

تعجب ہے کہ ایک جانب تو ان پر یہ اعتراض ہے کہ جاہلوں کو تبلیغ کے واسطے بھیجا جاتا ہے اور اس کے بالمقابل دوسرا اعتراض یہ ہے کہ یہ لوگ دین کے دوسرے امور کو نہیں لیتے۔ شریعت اور دین ان چھ نمبروں میں موقوف نہیں، بہت سے اوامر، نواہی، منکرات ایسے ہیں جن کی اصلاح بہت ضروری ہے، مگر یہ تبلیغ والے ان کو نہیں چھیڑتے اس کی دراصل وجہ یہی ہے کہ یہ عامی لوگ ہوتے ہیں ان کو وعظ کہنے کی بالکل اجازت نہیں الا یہ کہ ان میں علماء ہوں تو وہ اس سے مستثنیٰ ہیں کہ عالم کا وعظ کہنا حق ہے مگر تبلیغی اسفار میں اور تبلیغی اجتماعات میں وہ بھی اس کے پابند ہیں کہ تبلیغ کے چھ نمبروں کے علاوہ اس اجتماع میں دوسری چیزیں نہ چھیڑیں کہ مسائل میں اختلافات ہوتے ہیں اور اختلافی مسائل میں مناظرہ وغیرہ شروع ہو جاتے ہیں ان کے چھ امور اجتماعی اور متفق علیہ ہیں جن میں کوئی اختلافی چیز نہیں، اور یہ بات کہ تبلیغ کے لئے عالم ہونا ضروری نہیں احادیث کثیرہ اور آثار صحابہؓ سے بہت ہی کثرت سے ثابت ہے۔

تبلیغ کے لئے عالم ہونا شرط نہیں

نبی کریم ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر متعدد اعلانات فرمائے جو کتب حدیث میں کثرت سے موجود ہیں اور ان پر یہ بھی ارشاد فرمایا کہ جو حاضر ہیں وہ غائبین کو میرا پیام پہنچا دیں، حالانکہ حجۃ الوداع میں سوا لاکھ کا مجمع تھا، کیا سارے ہی عالم تھے۔ ان میں ایسے لوگ بھی تھے۔ جنہوں نے اس سے پہلے حضور اقدس ﷺ کی زیارت بھی نہیں کی تھی۔ مگر چونکہ صرف ایک خاص پیام پہنچانا تھا اس کے لیے عالم ہونے کی ضرورت نہیں، اس لیے نبی اکرم ﷺ نے متعدد مواقع میں یہ اعلان

فرمایا کہ حاضرین غائبین کو یہ پیام پہنچا دیں، امام بخاریؒ نے "باب رب مبلغ اوعیٰ من سامع" باب باندھا ہے یہ بہت سے ایسے لوگ جو کم پڑھے ہوں ایسوں کو پیام پہنچاتے ہیں جو زیادہ پڑھے ہوئے ہوتے ہیں۔ امام بخاریؒ نے حضور اقدس کا یہ پیام نقل کیا ہے کہ تمہارے خون اور تمہارے اموال اور تمہاری آبروئیں تم پر ہمیشہ کے لیے ایسے ہی حرام ہیں جیسا کہ اس شہر میں اس دن میں اور اس مہینے میں، پھر یہ اعلان فرمایا کہ جو موجود ہیں وہ غائبین کو میرا پیغام پہنچا دیں۔ بہت ممکن ہے کہ جو موجود ہیں وہ ایسے لوگوں تک میرا پیغام پہنچائیں جو سننے والوں سے زیادہ محفوظ رکھنے والے ہوں۔ اس حدیث پاک سے معترضین کا یہ اعتراض بھی اڑ گیا کہ جاہلوں کو تبلیغ کے لئے علماء کے پاس بھیجا جاتا ہے حضرت دہلویؒ کا ایک ارشاد ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے کو تبلیغ کا اہل نہیں سمجھتا تو اس کو بیٹھا رہنا نہیں چاہئے بلکہ اس کو تو کام میں لگنے اور دوسروں کو اٹھانے کی اور زیادہ کوشش کرنا چاہیے۔ بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ کوئی بڑا خیر کا کام چند نااہلوں کے سلسلہ سے کسی اہل تک پہنچ جاتا ہے اور پھر وہ پھولتا پھلتا ہے اور پھر اس کا اجر بقاعدہ "من دعا الی حسنة" (الحدیث) کی بنا پر نااہلوں کو بھی پورا پہنچ جاتا ہے جو اس کام کے اس اہل تک پہنچنے کا ذریعہ بنے۔ پس جو نااہل ہو اسکو تو اس کام میں اور زیادہ زور سے لگنا ضروری ہے میں بھی اپنے کو چونکہ نااہل سمجھتا ہوں اس لیے اس میں منہمک ہوں کہ شاید اللہ تعالیٰ میری اس کوشش سے کام کو اس کے کسی اہل تک پہنچا دے اور پھر اس کام کا جو اعلیٰ اجر اللہ پاک کے یہاں ہو وہ مجھے بھی عطا فرما دیا جاوے۔ (ملفوظات حضرت دہلویؒ)

تبلیغ خاص انفرادی طور پر ہر شخص کے ذمہ ہے (حضرت تھانویؒ)

اسی طرح امام بخاریؒ نے مستقل ایک باب اور باندھا ہے۔ "باب تحریض النبی صلی الله علیه وسلم وفد عبد القیس علی ان یحفظوا الایمان و العلم و یخبروا من و رائهم" حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وفد کو چند باتیں بتائیں اور یہ فرمایا کہ ان باتوں کو محفوظ رکھو اور اپنی قوم میں جا کر ان کو پہنچا دو۔ امام بخاری نے باب القراءۃ علی المحدث میں ایک صحابیؓ کا واقعہ لکھا ہے جو ایک گاؤں کے رہنے والے تھے۔ انہوں نے عرض کیا کہ ہمارے پاس آپ کا قاصد پہنچا اور انہوں نے آپ کی طرف سے نقل کیا کہ اللہ نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا

ہے۔ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا ''میرے قاصد نے سچ کہا ہے'' انہوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! آپ کے قاصد نے یہ بھی بتایا کہ ہمارے اوپر پانچ نمازیں فرض ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ سچ کہا، انہوں نے یہ بھی کہا کہ آپ ﷺ کے قاصد نے کہا کہ ہمارے اوپر ایک ماہ کے روزے ہیں۔ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ سچ کہا، انہوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ اس ذات کی قسم جس نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے میں ان چیزوں میں سے کسی میں کمی یا زیادتی نہیں کروں گا۔ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ اگر اس نے سچ کہا تو جنت میں داخل ہوگا'' اس حدیث پاک میں کمی زیادتی نہ کرنے میں مختلف اقوال ہیں، جن میں سے ایک قول یہ ہے کہ اپنی قوم کے پاس پہنچانے میں کمی زیادتی نہیں کروں گا۔ انفاس عیسیٰ میں حضرت حکیم الامۃ تھانویؒ کا ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ تبلیغ کی دو قسمیں ہیں خاص و عام، تبلیغ خاص انفرادی طور سے ہر شخص کے ذمہ ہے اور تبلیغ عام علماء کے ساتھ خاص ہے۔ اسی طرح خطاب بغیر المنصوص علماء کا کام ہے اور خطاب بالمنصوص کے ساتھ ہر مسلمان تبلیغ کا کام کرسکتا ہے۔ فقط

یہی وہ فرق ہے جس کو میں نے شروع میں کہا کہ وعظ صرف علماء کا کام ہے اور مخصوص چیزوں کا پہنچا دینا علماء کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ ہر شخص کو کرنا چاہیے۔ حضرت تھانویؒ نے اپنے وعظ آداب التبلیغ میں بہت تفصیل سے اس کو بیان فرمایا ہے اس میں بھی تبلیغ عام اور خاص کی تفریق فرمائی ہے۔ اور بیان فرمایا ہے کہ تبلیغ خاص کے لئے تو مسئلہ کی حقیقت کا معلوم ہونا اور اس کے بیان پر قدرت ہونا شرط ہے۔ اور تبلیغ عام یعنی وعظ کہنا یہ علماء کا کام ہے۔ خواہ درسیات پڑھ کر عالم ہوا ہو یا کسی عالم سے مسائل سن سن کر عالم ہوگیا ہو اس کو بھی تبلیغ عام کی اجازت ہے بشرطیکہ کسی بڑے نے اس کو اس کام کے لئے متعین کیا ہو، چنانچہ صحابہؓ نے کہاں پڑھا تھا وہ بھی تو سن سن کر تبلیغ کرتے تھے، مگر ہر شخص خود نہ سمجھے کہ میں اس قابل ہوں جب تک کوئی کامل نہ کہہ دے کہ تم کامل ہو، بہجۃ النفوس کا ترجمہ جو مولانا ظفر احمد صاحب نے حضرت تھانویؒ کے ارشاد سے کیا اور وہ بخاری شریف کی احادیث کا انتخاب ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ نیز تبلیغ کا خاص طور سے اہتمام کرنا چاہیے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے یہی مراد ہے۔

وارثین انبیاء علیہم السلام کو تدریس کے ساتھ تبلیغ بھی کرنی چاہیے

کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ خواص نے درس وتدریس پر قناعت کر لی ہے عامۂ مسلمین کو امر ونہی کرنے سے پہلو تہی کی جاتی ہے، حالانکہ حضرات انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کا جن کے یہ حضرات وارث ہیں اصل وظیفہ امر ونہی اور تبلیغ ہی تھا، اصطلاحی درس وتدریس ان کا وظیفہ نہ تھا۔ درس وتدریس دراصل اسی مقصد کا وسیلہ اور ذریعہ ہے تاکہ مبلغ علم صحیح کے ساتھ تبلیغ کر سکے۔ پھر یہ کس قدر حیرت کا مقام ہے وسیلہ اور ذریعہ کا تو اتنا اہتمام اور اصل مقصد سے اتنی بے پروائی....اور عامۂ مسلمین کو جان لینا چاہیے کہ تبلیغ احکام صرف علماء ہی کے ذمہ نہیں بلکہ ہر مسلمان کے ذمہ ہے۔ جس شخص کو جتنا علم احکام کا حاصل ہے اس کو دوسروں تک پہنچانا اس کے ذمہ فرض ہے۔ مثلاً سب کو معلوم ہے کہ نماز فرض ہے تو جو نماز نہیں پڑھتا اس کو یہ حکم پہنچانا ہر شخص کے ذمہ ضروری ہے۔ اسی طرح جن کاموں کا گناہ ہونا معلوم ہے ان کا گناہ ہونا اس شخص کو بتلایا جائے جو ان میں مبتلا ہے۔ البتہ عام لوگوں کو وعظ کی صورت سے تبلیغ نہ کرنا چاہیے کہ منصب اہل علم کا ہے، جاہل جب وعظ کہنا شروع کرتا ہے تو غلط یا صحیح جو زبان پر آتا ہے کہہ جاتا ہے۔ جس سے گمراہی کا اندیشہ ہے۔ اس لیے عوام کو وعظ نہ کہنا چاہئے بلکہ گفت وشنید اور نصیحت کے طور پر ایک دوسرے کو احکام سے مطلع کرنا چاہئے کیونکہ تبلیغ احکام فرض ہے اور اس کو اصلاح حال میں بھی بڑا دخل ہے۔ فقط

(اشکال نمبر ۷) تبلیغ مدارس اور خانقاہوں کی ہے

مدارس اور خانقاہوں کے ساتھ تبلیغ کو حریف قرار دیا جاتا ہے یہ بھی غلط ہے جیسا مدارس کا فائدہ علیحدہ ہے ایسا ہی خانقاہوں کا فائدہ علیحدہ اسی طرح تبلیغ کا فائدہ بھی مستقل ہے بلکہ اس حیثیت سے کہ تبلیغ کا فائدہ عمومی ہے اور مدارس اور خانقاہوں کا فائدہ خصوصی ہے کہ مدارس اور خانقاہوں سے وہی لوگ تمتع حاصل کر سکتے ہیں۔ جو مدارس اور خانقاہوں میں جائیں اور تبلیغ کا فائدہ عمومی ہے اس حیثیت سے اس کا فائدہ ان دونوں سے زیادہ اہم اور اتم ہے کہ اس میں ناقدروں، جاہلوں دین سے ناواقف لوگوں کو دین کی طرف کھینچ کر لانا ہے۔ حضرت تھانویؒ کا ارشاد وافاضات میں لکھا ہے کہ ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ درس وتدریس متعارف مقصود کا

مقدمہ ہے اور اصل مقصود تبلیغ ہے۔ آج کل بڑی کوتاہی ہو رہی ہے کہ درس و تدریس کو اصل سمجھ لیا ہے اور اس کوتاہی اور غلطی کی بدولت اکثر علماء کو جو تبلیغ نہیں کرتے ایک بہت بڑی فضیلت سے محرومی ہو گئی ہے۔ حضرات انبیاء کا درس یہی تبلیغ تھا۔ ابتداء میں درس و تدریس اور بعد فراغ علوم تحصیل اور تبلیغ دونوں کے حقوق ادا کرنے چاہئیں ایک طرف متوجہ ہو کر دوسری طرف سے غفلت کرنا یہ عظیم کوتاہی ہے علماء کو اسطرف ضرور توجہ کرنی چاہئے کہ وہ اپنا وقت تبلیغ میں بھی صرف کیا کریں..... آج کل مدارس میں اس کی بڑی کمی ہے، پڑھنے پڑھانے میں جس قدر مشغولی ہے تبلیغ کی طرف مطلق توجہ نہیں۔ جس قدر وقت اس میں صرف کرتے ہیں تبلیغ میں اس کا نصف حصہ بھی خرچ نہیں کرتے۔ اسی طرح ایک دوسری جگہ تحریر ہے "ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ دین میں تبلیغ اصل ہے اور درس و تدریس اس کے مقدمات، مگر یہ شرط ہے کہ بلاضرورت کسی مفسدہ میں ابتلاء ہو جائے ورنہ سکوت ہی بہتر ہے۔ چنانچہ..... میں ایک مرتبہ ریل میں سفر کر رہا تھا موقع پر خیال رہتا تھا کہ لوگوں کو تبلیغ کرنا چاہئے۔ ایک شخص ریل میں تھا۔ اسکا پاجامہ ٹخنوں سے نیچے تھا۔ میں نے اس سے کہا کہ بھائی یہ شریعت کے خلاف ہے اس کو درست کر لینا۔ اس نے چھٹتے ہی شریعت کو ماں کی گالی دی، اسی روز سے میں نے بلاضرورت لوگوں کو کہنا چھوڑ دیا۔ کہ ابھی تک تو گناہ ہی تھا اور اس صورت میں کفر تک نوبت آ گئی۔" (افاضات یومیہ حصہ اول)

ایک مرتبہ فرمایا کہ اصل کام دعوت الی اللہ ہے۔ اور اس کے محفوظ اور قائم رکھنے کے لیے مدارس کی ضرورت ہے۔ اب یہ چاہئے کہ جب مدارس سے علم ضروری حاصل کر لیں تو دعوت الی اللہ بھی کیا کریں۔ جس کا آسان ذریعہ وعظ ہے اور پڑھنا پڑھانا اس کا مقدمہ ہے۔ اس لیے یہ شغل بھی ضرور رکھیں جیسے نماز کیلئے وضو اور وضو کے لئے پانی اور لوٹوں کا جمع کرنا ضروری ہے ایسے ہی تبلیغ کے لیے بھی پڑھنا پڑھانا ضروری ہے لیکن اگر کوئی شخص..... وضو اور لوٹوں ہی کے اہتمام میں رہے اور پانی ہی بھرا کرے اور نماز کا وقت گذر جائے تو کیا یہ شخص قابل مدح ہے؟ پس اسی طرح پڑھنا پڑھانا دعوت الی الحق کے صرف مقدمات ہیں۔ مگر اب ان مقدمات میں ایسی مشغولی ہوئی کہ اصل کام کو بھی بھول گئے افسوس جو لوگ اس کے اہل تھے وہ بھی اس کو بھولے ہوئے ہیں کہ وہ مقدمات ہی میں مشغول ہیں مقصود میں وقت صرف نہیں کرتے۔ (التبلیغ نمبر ۲۰ وعظ دعوت الی اللہ)

گذشتہ مضامین میں کثرت سے یہ مضمون لکھا جا چکا کہ حضرت دہلوی اور مولانا یوسف صاحب رحمہما اللہ کے مکاتیب، تقاریر، ملفوظات میں مدارس اور خانقاہوں کی اہمیت جتنی کثرت سے بیان کی گئی ہے وہ ظاہر ہے اور وہ دونوں حضرات اپنی تبلیغ کو مدارس اور خانقاہوں کے لئے بمنزلہ زمین ہموار کرنے کے فرماتے اور لکھتے رہے ہیں، اور ظاہر ہے کہ مدارس اور خانقاہوں میں وہی شخص جائے گا جس میں طلب ہوگی اور لوگوں میں طلب پیدا کرنے کا واحد ذریعہ یہ عمومی تبلیغ ہی ہے جس کی وجہ سے لوگوں میں دین کی طلب پیدا ہو اور جب تک دین کی طلب اور تڑپ پیدا نہ ہوگی نہ مدارس کو کوئی پوچھے گا نہ خانقاہوں کو، اگر تبلیغی کارگذاریوں کو معلوم کیا جائے اور ان کی احوال سے تفصیلی علم حاصل ہو تو صرف ایک میوات ہی اس کے لئے شاہد عدل ہے کہ جہاں اسلام سے بھی لوگ واقف نہیں تھے وہاں ان چالیس سال میں کتنے علماء پیدا ہوئے جن کی تعداد ہزار سے بھی متجاوز ہوگئی۔ کتنے سالکین حضرت اقدس تھانویؒ حضرت شیخ الاسلام مدنیؒ حضرت اقدس رائے پوریؒ کے خلفاء بن چکے ہیں۔ علی میاںؒ حضرت دہلوی کی سوانح میں لکھتے ہیں کہ:

آپ نے یہ اچھی طرح محسوس کر لیا کہ ایسی حالت میں مسلمانوں میں ایمان یقین روبہ تنزل ہیں دین کی قدر و عظمت دلوں سے اٹھتی جارہی ہے، عام مسلمان دین کی ابتدائی اور بنیادی چیزوں سے محروم ہوتے جارہے ہیں، لہٰذا ان تکمیلی شعبوں کا قیام جو دین کی جڑ پکڑ جانے کے بعد کی چیزیں ہیں ذرا قبل از وقت باتیں ہیں، طبائع اور رجحانات کے سیلاب کے رخ کو خداداد فراست و بصیرت سے پہچان کر آپ نے اچھی طرح محسوس کر لیا کہ نئے دینی اداروں کا قیام تو الگ رہا پرانے اداروں اور دینی مرکزوں کی زندگی بھی ایسی حالت میں خطرے سے باہر نہیں۔ اس لیے کہ وہ رگیں اور شرائیں جن سے ان میں خون زندگی آتا تھا مسلمانوں کے جسم میں برابر خشک ہوتی جارہی ہیں، انکی طلب اور ان کی ضرورت کا احساس اور ان کے قائم ہو جانے کے بعد ان کی قدر اور ان کے خدمت گذاروں کی خدمات کا اعتراف ختم ہو رہا ہے، اس سلسلے میں حضرت کا ایک بہت طویل مکتوب جناب الحاج شیخ رشید احمد صاحبؒ تاجر اسلحہ الٰہی بخش اینڈ کو دہلی کے نام مدارس کی اہمیت اور ان کے بقاء و تحفظ کیلئے تبلیغ کی ضرورت پر تحریر فرمایا جو بہت اہم ہے، اس کے بعد اس خط کی شرح میں علی میاں لکھتے ہیں کہ ''مولانا سمجھتے تھے کہ مدارس کا وجود مسلمانوں کیلئے نہایت ضروری ہے اور اس سایۂ رحمت

کے مسلمانوں کے سروں سے اٹھ جانے کو موجب وبال اور قہر سمجھتے تھے۔ لیکن مولانا سمجھتے تھے کہ ان مدارس کا وجود و قیام اس زمین پر ہے جو ہمارے اسلاف تیار کر گئے تھے۔ اصل دین کی تبلیغ اور جدو جہد کی بدولت مسلمانوں میں دین کی جو طلب اور قدر پیدا ہو گئی تھی اس کا نتیجہ یہ تھا کہ اس دین کو اپنی نئی نسل میں پیدا کرنے کے لیے اور اس کو دنیا میں قائم و باقی رکھنے کے لیے دیندار مسلمانوں نے جا بجا مکاتب و مدارس قائم کئے اور ان کی خدمت کو اپنی سعادت سمجھا اس بچی کھچی طلب اور قدر کا نتیجہ ہے کہ ابھی تک یہ مدارس چل رہے ہیں اور ان کو طالب علم مل رہے ہیں، لیکن اس سرمایہ طلب میں برابر کمی آرہی ہے اور اضافہ نہیں ہو رہا ہے یہ صورت حال دین کے مستقبل اور دینی اداروں کے وجود و بقاء کیلئے سخت تشویشناک ہے۔ (دینی دعوت)

(اشکال نمبر ۸) اہل علم کے ہوتے ہوئے جاہلوں کو امیر بنانا

یہ بھی بعض مرتبہ خطوط میں آیا اور سننے میں بھی آیا کہ عالموں کے ہوتے ہوئے جاہلوں کو امیر بنایا جاتا ہے۔ بظاہر تو یہ اعتراض یقیناً اہم ہے، مگر در حقیقت امارت کے مناسبات الگ ہوتے ہیں جس کے درمیان میں صرف علم کافی نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ انتظامی صلاحیتیں غور و فکر وغیرہ امور بھی ضروری ہیں۔ افضل کے ہوتے ہوئے مفضول کو امیر بنانا عہد نبوت سے چلتا آرہا ہے۔ نبی کریمؐ نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو متعدد سرایا میں امیر بنا کر بھیجا ہے۔ طعن کرنے والوں سے تو کوئی زمانہ خالی ہوتا نہیں بعض لوگوں نے انکی امارت پر اعتراض کیا حضور اقدس ﷺ نے خطبہ فرمایا۔ اور حمد و صلوۃ کے بعد ارشاد فرمایا کہ اگر تم لوگ اسامہ کی امارت پر اعتراض کرتے ہو تو اس سے پہلے ان کے والد زید کی امارت میں اعتراض کر چکے ہو اور خدا کی قسم کہ وہ امارت کا زیادہ مستحق تھا اور مجھے محبوب۔ (بخاری) اعتراضات کی وجوہ میں یہ بھی تھا کہ اس نو عمر لڑکے کو مہاجرین اولین پر امیر بنا دیا (حیاۃ الصحابہؓ) حضور اقدس ﷺ نے حضرت اسامہ کو اپنے مرضِ وصال میں امیر بنایا۔ جس کی تنفیذ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے حضور اقدس ﷺ کے وصال مبارک کے بعد کی کتب حدیث و سیر میں مفصل اس کی احادیث موجود ہیں۔ کہ اول تو اس لشکر کو اس حالت میں بھیجنے ہی پر لوگوں کو اشکال تھا۔ جب حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اصرار کیا کہ جس لشکر کو حضور اقدس ﷺ نے نافذ فرمایا ہے

میں اس کو روک نہیں سکتا تو پھر انصار نے حضرت عمرؓ کو حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس قاصد بنا کر بھیجا کہ اگر اس کا بھیجنا ضروری ہے تو پھر ہمارے اوپر کسی ایسے شخص کو امیر بنا دیں جو سن رسیدہ ہو، جب حضرت عمرؓ یہ پیام لیکر حضرت صدیق اکبرؓ کے پاس پہنچے تو حضرت صدیق اکبرؓ نے حضرت عمرؓ کی داڑھی مبارک کو پکڑ کر کہا تو مر جاوے حضور اقدس ﷺ نے اس کو امیر بنایا اور تو مجھے یہ کہتا ہے کہ میں اس کو اس کی امارت سے ہٹا دوں۔ حضرت عمرؓ نے جا کر کہا کہ تمہیں تمہاری مائیں روئیں مجھے تمہاری وجہ سے آج خلیفۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ پیش آیا۔'' بہت طویل قصہ ہے۔ حیاۃ الصحابہؓ نیز حضور ﷺ نے حضرت ابوعبیدہؓ کو امیر بنایا جبکہ ان کے ماتحت حضرات ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما بھی موجود تھے۔ مفصل حدیث حیاۃ الصحابہؓ میں ہے، حضور اقدس ﷺ نے جہینہ پر جو وفد بھیجا اس میں عبداللہ بن جحش کو امیر بنایا اور یہ ارشاد فرمایا کہ یہ تم میں زیادہ افضل نہیں ہے، لیکن بھوک اور پیاس پر زیادہ صبر کرنے والے ہیں۔ (حیاۃ الصحابہؓ ج ۲)

امارت کیلئے خاص صفات کو دیکھا جاتا ہے

اس سے معلوم ہوا کہ امارت کے سلسلہ کے درمیان میں صرف افضلیت کو نہیں دیکھا جاتا بلکہ اور بھی بہت سی چیزیں اس میں قابل لحاظ ہوتی ہیں۔ حضرت قیس بن سعد کو ایک لشکر کے اوپر امیر بنایا۔ جن میں حضرت عمرؓ اور حضرت ابوعبیدہؓ بھی موجود تھے۔ (حیاۃ الصحابہؓ جلد ۲)

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں یزید بن ابی سفیان کو امیر بنایا اور ماتحتی میں امین ہذہ الامۃ حضرت ابوعبیدہؓ اور امام العلماء حضرت معاذ بن جبلؓ تھے اور یہ دونوں لقب ان دونوں حضرات کیلئے حضور اقدس ﷺ کے ارشاد فرمودہ ہیں مفصل قصہ حیاۃ الصحابہؓ میں ہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت عمرو بن العاصؓ کو مہاجرین اور انصار کی بڑی جماعت پر امیر بنا کر بھیجا۔ اور ان سے فرمایا'' تم نے دیکھ لیا کہ میں نے تمہیں ایسے لوگوں پر امیر بنایا ہے جو اسلام میں تم سے مقدم ہیں اور وہ اسلام کے بارے میں تم سے زیادہ غنی ہیں۔ آخرت کے حاکموں میں سے بننے کی کوشش کیجیو، اور ہر بات کے درمیان میں اللہ کی رضا کا اہتمام رکھیو۔'' (حیاۃ الصحابہؓ)

حضرت حکیم الامۃؒ کا ارشاد افاضات یومیہ میں منقول ہے کہ محمد بن قاسم حجاج بن

یوسف کے داماد تھے، جس وقت ہندوستان پر چڑھائی کی اس وقت سترہ سال کی عمر تھی لشکر میں بڑے بڑے پرانے تجربہ کار ہمراہ تھے مگر سب ان کی اطاعت کرتے تھے۔ یہ سب برکت ایمان اور فہم صحیح کی تھی، سترہ سال کی عمر اور دوسرے ممالک پر چڑھائی، زمانہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب تھا اس وقت فہم عام تھا۔ اب جس قدر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے بعد ہوتا جا رہا ہے اس قدر اس میں کمی ہوتی جا رہی ہے فقط درحقیقت امارت کے واسطے صرف مشیخت یا افضلیت یا عملیت کافی نہیں اس میں ان چیزوں سے زیادہ ضرورت بالخصوص اسفار کے موقعہ پر ایسے شخص کی ہوتی ہے جو ہمت، قوت، مشقتوں کے برداشت میں زیادہ تحمل کرنے والا ہو، تبلیغ والے امارت کیلئے خاص طور پر اس کی رعایت ضرور رکھتے ہیں کہ پہلے سے کسی دورہ وغیرہ میں نکل چکا ہو کہ وہ فی الجملہ تجربہ کار ہوتا ہے واقف ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے بعض جماعتوں میں کسی پرانے کارکن کو ایسے اکابر پر بھی امیر بنا دیا جاتا ہے اور بنانا ضروری ہے جو پہلے کسی گشت میں نہ گئے ہوں، کہ وہ اصول طریق کار سے اپنی علوشان کے باوجود ناواقف ہوتے ہیں۔ مقولہ مشہور ہے۔ " سل المجرب و لاتسئل الحکیم"

"تجربہ کاروں سے دریافت کرو اہل حکمت سے نہ پوچھو"

کہ بات تجربہ کار سے پوچھنی چاہئے۔ بہت سے طبیب و ڈاکٹر جن کی ڈگریاں اونچی ہوتی ہیں لیکن علاج ان سے کم ڈگریوں والوں کا بوجہ ان کے تجربات کے زیادہ موثر ہوتا ہے۔ پہلے سفر حج یعنی ۱۳۳۸ھ میں شریف کے اخیر زمانہ میں مدینہ کا راستہ نہایت مخدوش تھا۔ جس کی وجہ سے مدینہ پاک قافلے بہت کم گئے۔ ہم لوگوں کا پہلا سفر حج تھا۔ اس لیے حضرت اقدسؒ نے ارشاد فرمایا کہ میں تو مدینہ کئی دفعہ حاضر ہو چکا ہوں۔ قیام کی نیت سے جا رہا تھا مگر قیام کی تو حضرت مولانا محب الدین صاحب اجازت نہیں دیتے۔ تم لوگوں کا پہلا حج ہے معلوم نہیں پھر حاضری ہو نہ ہو۔ اس لیے تم ہو آؤ، مدینہ پاک کے اس سفر میں اس سیہ کار کو حضرت نے امیر بنا دیا حالانکہ اس قافلہ میں مجھ سے زیادہ علم والے فضل والے بڑے بڑے بوڑھے بھی موجود تھے۔ اس کی تفصیل میرے رسالہ آپ بیتی میں گذر چکی ہے۔ اس سلسلہ میں یہ الزام بھی دہرایا گیا کہ تبلیغ والوں کا یہ عذر کہ کوئی اہل نہیں تھا اس واسطے نا اہل ہی کو امیر بنا دیا۔ اور اس پر بہت فقرے کسے گئے کہ جب کوئی اہل نہیں تھا تو کیا

ضرورت تھی کہ جماعت نکالی جاتی یہ بھی ناواقفیت پر مبنی ہے۔ جب تبلیغ کی اہمیت اس کی ضرورت اور احتیاج کثرت سے معلوم ہو چکی تو پھر یہ اشکال کہ نااہل کو کیوں امیر بنا دیا مسئلوں سے ناواقفیت ہے، علماء کے نزدیک بالاتفاق امیوں کی نماز امی امام کے پیچھے جائز ہے اس وجہ سے کہ جماعت میں کوئی قاری یا عالم نہیں جماعت کا چھوڑنا جائز نہیں، امارت تو معمولی چیزیں ہیں اور عارضی، حضرت حکیم الامۃ نور اللہ مرقدہٗ نے تو اپنے ملفوظات میں کثرت سے تحریر فرمادیا کہ مشائخ بعض اوقات نااہل کو بھی اجازت دے دیتے ہیں، میرے رسالہ آپ بیتی نمبر ۵ میں یہ مضمون بہت تفصیل سے گذر چکا ہے۔ حضرت تھانویؒ ایک طویل گفتگو میں ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر امامت کیلئے کوئی وجہ کافی نہ ہو تو یہی وجہ کافی ہے کہ امام کو باوجود نااہل ہونے کے جب لوگ اہل سمجھ کر امام بناتے ہیں تو ممکن ہے کہ حق تعالیٰ اس کو لوگوں کے گمان کے موافق اہل ہی کردیں۔ اکثر واقع ہوا ہے کہ مشائخ نے کسی ایسے شخص کو اجازت دی جس میں اہلیت نہ تھی مگر حق تعالیٰ نے ان کے فعل کی برکت سے اس کو اہل کر دیا۔ (مجالس الحکمۃ)

انجن کی طاقت

حضرت دہلویؒ کا نکاح ۱۳۳۰ھ میں ہوا جب کہ عمر ۲۷ سال کی تھی، اور نکاح میں اعلیٰ حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رائپوری حضرت اقدس مولانا الحاج خلیل احمد صاحب حضرت حکیم الامت تھانویؒ وغیرہ اکابر موجود تھے۔ حضرت دہلویؒ کو امامت کیلئے بڑھا دیا تو مولانا بدرالحسنؒ نے جو خاندان کے بڑے تھے مزاحاً کہا کہ انجن تو اتنا چھوٹا اور اتنے بھاری بھاری ڈبے تو حضرت حکیم الامۃ نے فرمایا تھا کہ یہ تو انجن کی طاقت پر منحصر ہے فقط نوعمر امیر بھی بسا اوقات قافلہ کو زیادہ قابو میں رکھ سکتا ہے۔

(اشکال نمبر ۹) حضرات اکابر حضرت مدنیؒ و تھانویؒ تبلیغ کے حق میں نہ تھے

ایک اعتراض کثرت سے کانوں میں پڑا کہ حضرت حکیم الامۃ اور حضرت شیخ الاسلام مدنی نور اللہ مرقدہما اس موجودہ تبلیغ کے خلاف تھے، حضرت شیخ الاسلام نور اللہ مرقدہٗ کے متعلق تو آئندہ مستقل نمبر آرہا ہے کہ حضرت نور اللہ مرقدہٗ نے تو کثرت سے ان تبلیغی مجامع میں شرکت فرمائی۔ حضرت حکیم الامۃ قدس سرہٗ کی خدمت اقدس میں ۴۰ھ میں تو اس ناکارہ کی طباعت بذل کے

سلسلے میں بہت کثرت سے حاضری ہوئی، اس وقت تک تو یہ تبلیغ شروع نہ ہوئی تھی اس کے بعد ۴۶ھ سے حجاز سے واپسی کے بعد حضرت حکیم الامۃ نور اللہ مرقدہٗ کے وصال ۱۲ رجب ۶۲ ۱۳ ھ تک بہت ہی کثرت سے حضرت قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضری کی نوبت آئی۔ مہینہ تو شاید ہی کوئی گیا ہو مگر دو مہینے مسلسل کبھی ایسے نہیں گزرے ہوں گے کہ تھانہ بھون کی حاضری نہ ہوئی ہو۔ میں نے اس دوران میں حضرت کی مجلس میں کوئی مخالفت نہیں سنی۔

مولوی الیاس نے یاس کو آس میں بدل دیا (حضرت تھانویؒ)

البتہ لوگوں سے میرے کان میں پڑا، مگر حضرت قدس سرہٗ کے اجل خلفاء کی تحریرات مستقل نمبر میں آگے آرہی ہیں جن سے ان حضرات کا اس تبلیغ کے ساتھ شغف و انہماک معلوم ہوگا، اس کے بالمقابل یہ مقولہ حضرت حکیم الامۃ کا متعدد لوگوں سے میرے کان میں پڑا کہ ''مولوی الیاس صاحب نے تو یاس کو آس سے بدل دیا حضرت دہلوی نور اللہ مرقدہٗ کی سوانح میں علی میاں نے نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت مولانا الیاس صاحب نے جب حضرت حکیم الامۃ سے اس سلسلہ میں کچھ گفتگو کرنی چاہی تو مولانا نے فرمایا کہ دلائل کی ضرورت نہیں دلائل تو کسی چیز کے ثبوت اور صداقت کیلئے پیش کیے جاتے ہیں میرا تو اطمینان عمل سے ہو چکا ہے۔ اب کسی دلیل کی ضرورت نہیں آپ نے تو ماشاء اللہ یاس کو آس سے بدل دیا مولانا کو ایک بے اطمینانی یہ تھی کہ علم کے بغیر یہ لوگ فریضہ تبلیغ کیسے انجام دے سکیں گے۔ لیکن جب مولانا ظفر احمد صاحب نے بتلایا کہ یہ مبلغین ان چیزوں کے سوا جن کا ان کو حکم ہے کسی اور چیز کا ذکر نہیں کرتے۔ اور کچھ اور نہیں چھیڑتے تو مولانا کو مزید اطمینان ہوا۔'' اور یہ مضمون گذشتہ مضامین حضرت تھانویؒ کے مختلف ملفوظات میں گذر چکا ہے کہ وعظ عالموں کا کام ہے تبلیغ ہر شخص کرسکتا ہے تبلیغ اور تذکیر کے فرق کے بیان میں حضرت تھانوی کے مختلف مضامین اس سلسلے میں گذر چکے ہیں، اگر کسی موقع پر حضرت حکیم الامت نے کوئی نکیر فرمائی ہوگی تو یقیناً اس روایت پر کہ جاہلوں کا وعظ نقل کیا گیا ہو، یا کسی مبلغ یا کسی خاص جماعت کی بے عنوانی نقل کی گئی ہوگی اس پر حضرت کا نکیر فرمانا برمحل ہے۔ تقریباً آٹھ سال ہوئے ایک صاحب کا خط میرے پاس آیا تھا جس میں یہی استفسار کیا گیا تھا کہ حضرت حکیم الامۃ قدس سرہٗ کیا اس تحریک کے مخالف تھے۔ اور یہ کہ میرے شیخ مجھے اس میں شرکت کی اجازت نہیں

دیتے اور میں اس کو بہت ضروری سمجھتا ہوں ایسی حالت میں مجھے کیا کرنا چاہئے۔ میرا وہ خط اسی زمانہ میں چند سال ہوئے ایک رسالہ ''چشمہ آفتاب'' میں طبع ہو گیا تھا، جس کو اس رسالہ سے یہاں نقل کراتا ہوں۔

ایک اہم مکتوب

عنایت فرمایم سلمہ بعد سلام مسنون۔ عنایت نامہ پہنچا حضرت تھانوی نوراللہ مرقدہٗ کے متعلق مخالفت میرے علم میں نہیں۔ بلکہ میرے علم میں یہ ہے کہ حضرت قدس سرہٗ متعدد مرتبہ نظام الدین تشریف لے گئے بلکہ میوات بھی تشریف لے گئے اور چچا جان یعنی مولانا محمد الیاسؒ صاحب بھی کثرت سے تھانہ بھون حاضر ہوتے تھے، تھانہ بھون کی حاضری میں یہ ناکارہ بھی اکثر ساتھ ہوتا تھا اور چچا جان ہر حاضری پر اپنی مساعی کا تذکرہ کرتے تھے اس پر حضرتؒ اظہار مسرت بھی فرماتے تھے اور دعائیں بھی دیتے تھے یہ تو اس ناکارہ کا مشاہدہ ہے۔"

البتہ یہ تو میں بھی سن رہا ہوں کہ حضرت قدس سرہٗ کے بعض خلفاء اور خواص اس کو پسند نہیں فرماتے اس کے متعلق میرا خیال ہے کہ ان حضرات کو قریب سے دیکھنے کی نوبت نہیں آئی روایات پر رائے قائم فرماتے ہیں۔ نیز چونکہ اس کی کوئی منتظم جماعت نہیں، بلکہ خود آپ نے بھی دیکھا ہوگا کہ ان حضرات کی کوشش رہتی ہے کہ ہر جگہ سے آدمی نکلیں نئے آدمی اصول سے واقف نہیں ہوتے ان سے بے اصولیاں بھی ہوتی ہیں، اس ناکارہ کو شروع ہی سے بہت قریب سے دیکھنے کی نوبت آئی ہے۔ اب ان جماعتوں کے کارنامے بہت کثرت سے دیکھنے اور سننے کے مواقع پیش آتے ہیں میرے نزدیک یہ تحریک موجودہ حالت کے لحاظ سے نہایت ہی مفید اور بے انتہا ثمرات کا موجب ہے، ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں بے نمازی بے دین دیندار بن گئے جو لوگ علماء اور مدارس کے بہت خلاف تھے وہ سینکڑوں کی تعداد میں اہل علم سے متعلق اور مدارس کے معین بن گئے۔"

''نہ صرف ہندوستان و پاکستان بلکہ عرب ممالک اور دوسرے یورپ کے بہت سے شہروں میں ہزاروں آدمی دین کی طرف متوجہ ہو رہے ہیں جن ممالک میں مساجد ویران پڑی تھیں ان میں باقاعدہ نماز بلکہ تراویح کا اہتمام ہو گیا۔ کوتاہیوں سے انکار نہیں لیکن کوتاہیوں سے کون سا مجمع یا ادارہ خالی ہے نفع نقصان کی مجموعی حالت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے ہمارے مدرسہ کے ناظم الحاج مولانا اسعد اللہ صاحب مدظلہ مولانا تھانوی قدس سرہٗ کے خلیفہ ہیں وہ تو بیعت کے وقت بھی ہر مرید کو اس کی تاکید فرماتے ہیں۔ اسی

طرح دوسرے بہت سے مشائخ بھی اپنے مریدین کو اس کی تاکید فرماتے ہیں، مولانا مفتی محمد شفیع صاحب پاکستانی بھی حضرت تھانوی قدس سرہٗ کے خلفاء میں سے ہیں۔ اس مرتبہ سفر حج سے واپسی پر خود اس ناکارہ کی موجودگی میں انہوں نے مولانا محمد یوسف صاحبؒ کو اپنے مدرسہ میں بلا کر اس کی تاکید اور تحریک پر تقریر کروائی۔

ابھی مولانا عبید اللہ صاحب بھی مدینہ منورہ سے پاکستان کے راستے سے واپس آئے انہوں نے بھی بتایا کہ مفتی صاحب نے بہت اصرار سے اپنے مدرسہ کے لوگوں کو اس بات کی طرف متوجہ فرمایا اور خود انہوں نے بھی ان کی تقریر کے بعد زوردار تائید فرمائی اس سب کے باوجود آپ کے متعلق میرا مشورہ یہ ہے کہ اگر آپ کو شیخ اس کی اجازت نہ دیں تو آپ کو ان کی منشاء کے خلاف شرکت نہیں کرنی چاہئے۔ البتہ اگر آپ کو شیخ خوشی سے اجازت دیں تو ضرور شرکت فرمائیں، ہاں یہ ضرور ہے کہ اگر آپ اپنے شیخ کی رضا کے تحت شرکت نہ فرماویں تو مخالفت بھی نہ فرماویں، اس لیے کہ میری رائے یہ ہے کہ عنایت الٰہی اس تحریک کی طرف متوجہ ہے کہ مبشرات نبی کریم ﷺ کی طرف سے اس جماعت کے متعلق تواتر سے نقل کئے جا رہے ہیں اور نبی کریمؐ کی طرف سے لوگوں کو اس میں شرکت کے واسطے ترغیبات و تاکیدات خوابوں میں کثرت سے کی جا رہی ہیں جس کی نظیر لیلۃ القدر کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد ہے۔ "اری رویا کم قد طواطئت فی السبع الاواخر الحدیث" جس کو شیخین نے تخریج کیا ہے، کی روشنی میں کثرت سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب میں حمایت کرنا۔ جو اتنی کثرت سے سننے میں آ رہا ہے کہ اس کا احصاء دشوار ہے۔ اس کے علاوہ بہت سے امور ایسے ہیں کہ جن کی بناء پر یہ ناکارہ مخالفت کو خطرناک سمجھ رہا ہے، عدم شرکت دوسری چیز ہے کوئی شخص اپنے اعذار کی وجہ سے یا اپنے شرح صدر نہ ہونے کی وجہ سے شرکت نہ کرے، اس میں بندہ کے نزدیک کوئی خطرہ نہیں، لیکن مخالفت دوسری چیز ہے یہ اس ناکارہ کا ناقص خیال ہے واللہ اعلم بالصواب۔ البتہ کوئی منکر صریح دیکھی جائے تو اس پر نکیر دوسری چیز ہے۔ یہ ناکارہ اپنے ہجوم مشاغل اور کثرت امراض کی وجہ سے طویل تحریرات سے معذور ہے اس لیے آپ کو اس خصوصی تعلق پر، جو مدرسہ کی وجہ سے اس ناکارہ سے بھی ہے مختصراً اپنی رائے لکھ دی ہے۔ "ان کان صوابا فمن اللہ و ان کان خطاً فمنی و من الشیطان" فقط والسلام

(شیخ الحدیث حضرت مولانا) محمد زکریا صاحب مظاہر علوم سہارنپور

بقلم محمد اسماعیل سورتی ۳ ج ۲ ۱۳۸۴ھ

افراد کے معاملات کو جماعت پر محمول نہ کیا جائے

اگر حضرت اقدس تھانوی نور اللہ مرقدہٗ نے کبھی کسی مبلغ یا جماعت کے متعلق کوئی تنقید فرمائی ہو تو مجھے اس سے انکار نہیں، حضرت قدس سرہٗ کی تنبیہات اور اصلاحات سے کون ناواقف ہے اور اس سے طلبہ علماء بالخصوص حضرت کے خدام اور مجازین میں کون سا مستثنیٰ ہے، خود حضرت قدس سرہٗ کا ارشاد مبارک ہے فرمایا کہ مشکل سے کوئی شخص ہوگا جو میری لڑائی سے (مراد روک ٹوک ہے) بچا ہوگا، ورنہ قریب قریب سب ہی سے لڑائی ہو چکی ہے۔ (افاضات) خوان خلیل کے ضمیمہ پر جام نمبر ۸ کے حاشیہ میں حضرت تھانوی قدس سرہٗ کا ارشاد ہے کہ باوجود درجہ مجازیت کے بھی انسان سے لغزش ہو سکتی ہے۔

حضرت مولانا تھانویؒ کی تربیت کے چند دلچسپ واقعات

اس وقت ایک موقع نظر کے سامنے بھی ہے، الامداد بابت محرم ۱۳۳۶ھ میں ایک صاحب پر جن کے مجاز ہونے کی عبارت میں بھی تصریح ہے کس قدر لتاڑ پڑی ہے...... ایک صاحب نے جو مولوی اور مجاز تھے ایک عریضہ لکھ کر خدمت والا میں پیش کیا جس میں یہ مضمون تھا کہ "میں اپنے وطن جاتا ہوں اور وہاں فتنے بہت ہیں آپ کچھ فرما دیجئے تا کہ مجھے اطمینان ہو جائے" فرمایا کہ میں کیا کہہ دوں۔ ان صاحب نے اس کا جواب دینے میں گنجلک (ٹال مٹول) کی آپ نے فرمایا کہ صاف جواب دو اس تحریر کا کیا مقصود ہے۔ اس کے بعد انہوں نے عرض کیا کہ کوئی ایسا لفظ کہہ دیجئے کہ حق تعالی مددگار ہیں۔ فرمایا کہ یہ تو ایسا امر ہے کہ میں اس کے ریافت کرنے میں آپ کا حاجت مند ہوا اور آپ میرے کہنے سے پہلے ان کو جانتے ہیں پھر مجھ سے یہ لفظ کیوں کہلایا جاتا ہے۔ پھر فرمایا کہ میرے سامنے سے دور ہو جاؤ، تم کو بات کرنے کا سلیقہ بھی نہیں آیا۔ اگر دعا کرانی تھی تو صاف لفظوں میں کہا ہوتا کہ دعا کر دیجئے۔ اس کے بعد ایک صاحب نے ان صاحب کی سفارش کرنی شروع کی تو ان پر بھی لتاڑ پڑی "الامداد" میں اس کی تفصیل موجود ہے۔ فقط اس سے بھی بڑھ کر جناب الحاج حکیم محمد مصطفیٰ صاحب نور اللہ مرقدہٗ حضرت قدس سرہٗ کے کتنے اخص الخواص مقرب اور معالج جن کے متعلق حضرت حکیم الامۃ نے لکھا ہے "دیکھئے حکیم مصطفیٰ صاحب کتنے محبوب" معتمد کتنے مقرب کتنے مخصوص اس کے باوجود حکیم مصطفیٰ صاحب نے جب کہ حضرت حکیم الامۃ لکھنؤ شفاء الملک صاحب کے زیر علاج تھے تو

حکیم صاحب نے اپنے کسی دوست کے ذریعہ سے شفاء الملک سے حضرت حکیم الامۃ کے مرض کی تشخیص کے متعلق استفسار کیا تھا کہ کیا مرض ہے اس پر حضرت حکیم الامۃ نے اس دخل در معقولات پر جتنا سخت خط حکیم مصطفیٰ صاحب کو لتاڑ کا لکھا ہے وہ میری تو نقل کی ہمت نہیں پڑتی افاضات یومیہ جلد نہم حصہ دوم ملفوظ نمبر ۱۳۳ میں نقل کیا ہے کہ اس سے یہ سمجھائے گا کہ حضرت قدس سرہٗ حکیم محمد مصطفیٰ صاحب سے ناراض ہو گئے تھے یا وہ معتوب بن گئے تھے۔ حضرت تھانویؒ اپنے بڑے بھانجے مولانا سعید احمدؒ کے متعلق فرماتے تھے کہ مجھے ان کے ساتھ سب سے زیادہ محبت تھی جس کو عشق کہہ سکتے ہیں۔ لیکن میں نے ان ہی کے ساتھ سب سے زیادہ سختی کا برتاؤ کیا..... سہارنپور کے ایک جلسہ میں مولانا کا نہایت اعلیٰ درجہ کا وعظ ہوا جس سے سامعین بیحد متاثر ہوئے حضرت نے بعد وعظ مولانا کو کسی معمولی سی بات پر برسر مجمع نہایت سختی کے ساتھ زجر و توبیخ فرمائی تا کہ ان میں عجب و پندار پیدا نہ ہو، بعد میں حضرت والا نے خود بھی یہی مصلحت بتائی۔ (اشرف السوانح)

کیا ان تین واقعوں سے یا اس قسم کے دوسرے واقعات سے کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ حضرت قدس سرہٗ اپنے سارے مجازین اور سارے اعزہ سے خفا تھے یا سب کو نکال دیا تھا اسی طرح اگر کسی مبلغ یا کسی جماعت کے متعلق کسی لغزش پر جو حضرت قدس سرہٗ تک صحیح یا غلط طریقہ پر پہنچی اور حضرت نے لتاڑا ہو تو برمحل ہے۔ لیکن اس کی وجہ سے یہ کہہ دینا کہ حضرت اس جماعت سے خفا تھے۔ کوئی بھی عقل سلیم مان سکتی ہے، بالخصوص جب کہ لوگوں کی عادت اکابر کی خدمت میں غلط واقعات پہنچانے کی مشہور و معروف ہے خوان خلیل کے قصہ کے سلسلہ میں حضرت اقدس سہارنپوری نور اللہ مرقدہ کا یہ مقولہ بھی درج ہے کہ معلوم نہیں لوگوں کو کیا مزا آتا ہے کہ غلط روایتیں پہنچا کر اہل خیر کے قلوب کو دکھاتے ہیں۔ فقط

حضرت حکیم الامۃ کی افاضات یومیہ میں بیسیوں قسم کے اس نوع کے واقعات ہیں اس لیے اکابر کی طرف سے اگر کسی آدمی پر کسی جماعت پر کوئی ڈانٹ پڑے تو وہ وقتی چیز ہوتی ہے۔ اس کو اس شخص یا جماعت کی طرف سے کلیہ پر حمل کرنا یا جہالت سے ہو سکتا ہے یا عناد سے۔

میری ڈانٹ اس لئے ہے کہ یہ حضرات مجھ سے بہتر ہو جائیں (حضرت تھانویؒ)

خود حضرت تھانویؒ نے ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ جن لوگوں پر ڈانٹ ڈپٹ روک

ٹوک زیادہ کرتا ہوں یہ واقعہ ہے کہ ان کے متعلق یہ جی چاہتا ہے کہ یہ مجھ سے اچھے ہو جائیں۔ گو عام لوگ اس کو عدم مناسبت اور بے تعلقی کی دلیل سمجھتے ہیں۔ (افاضات یومیہ)

ابو داؤد شریف میں ایک حدیث نقل کی گئی ہے، حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ مدائن (شہر کا نام) میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کچھ احادیث نقل کیا کرتے تھے جو نبی کریم ﷺ بعض لوگوں کے متعلق غصہ میں فرمایا جو لوگ یہ حدیثیں سنتے تھے اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے پاس جا کر نقل کرتے تو حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کہتے تھے کہ حذیفہ رضی اللہ عنہ کو اپنی احادیث کا زیادہ علم ہے،لوگ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے پاس جا کر کہتے کہ ہم نے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے تمہاری حدیثیں نقل کیں، انہوں نے نہ تو تصدیق کی نہ تکذیب کی تو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور ان سے دریافت کیا آپ میری ان احادیث کی تصدیق کیوں نہیں کرتے جو خود آپ نے بھی حضرت اقدس ﷺ سے سنی ہیں حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ ناراضی کے درمیان میں بعض لوگوں کے متعلق کچھ فرما دیتے تھے اور بعض اوقات بعض لوگوں کی کسی مسرت کی بات پر مسرت کا اظہار فرما دیتے تھے تم اس قسم کی روایات نقل کرنے سے یا تو رک جاؤ جن کی وجہ سے بعض لوگوں کی محبت اور بعض لوگوں کے دل میں ناراضی پیدا ہو اور آپس میں اختلاف پیدا ہو۔ تم کو معلوم ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ایک مرتبہ خطبہ میں فرمایا کہ میں ایک آدمی ہوں دوسرے آدمیوں کی طرح سے مجھے بھی غصہ آجاتا ہے پس جس آدمی کو میں نے غصہ میں کچھ کہا ہو، یا اللہ! تو اس کہنے کو لوگوں کیلئے رحمت اور قیامت کے دن برکات کا سبب بنا! تو تم ایسی حدیثیں نقل کرنے سے رک جاؤ، ورنہ میں امیر المؤمنین کے پاس تمہاری شکایت لکھوں گا۔ (بذل ج ۵)

مشائخ کی مجلسوں میں ایک تکلیف دہ گروہ

خود حضرت اقدس نور اللہ مرقدہٗ سے افاضات یومیہ میں نقل کیا گیا ہے کہ مشائخ کے یہاں جو مقربین بصیغۂ اسم مفعول ہوتے ہیں ان میں ایک دو مکربین بصیغۂ اسم فاعل بھی ہوتے ہیں، ہر وقت شیخ کو اور دوسرے متعلقین کو کرب میں رکھتے ہیں، جھوٹ، سچ لگاتے رہتے ہیں، جس سے چاہا شیخ کو ناراض کر دیا جس سے چاہا راضی کر دیا، بحمد للہ ہمارے بزرگ اس سے صاف ہیں حضرت مولانا محمد

قاسم صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ تو کسی کی شکایات سنتے ہی نہ تھے جہاں کسی نے کسی کی شکایات شروع کی فوراً فرمادیا کرتے تھے کہ خاموش رہو میں سننا نہیں چاہتا، اسکے بعد کسی کی ہمت ہی شکایت کی نہ ہوتی تھی، اور حضرت حاجی صاحبؒ سب سن کر فرمادیتے تھے کہ تم نے جو کچھ بیان کیا اور فلاں شخص کی شکایت کی سب غلط ہیں۔ میں جانتا ہوں اس شخص کو وہ ایسا نہیں، ایک صاحب نے عرض کیا، حضرت گنگوہیؒ کا اس بارے میں کیا معمول تھا۔ فرمایا کہ ایک صاحب نے حضرت سے سوال کیا تھا کہ آپ سے لوگ دوسروں کی شکایت بیان کرتے ہیں آپ پر کوئی اثر ہوتا ہے فرمایا کہ ہوتا ہے۔ اور وہ یہ کہ میں سمجھ لیتا ہوں کہ دونوں میں رنجش ہے۔ مگر سن لیتے تھے سب۔'' افاضات یومیہ میں لکھا ہے کہ میں تو واقعات میں علماء تک کی روایات کا بھی اعتبار نہیں کرتا۔ میرا اعتقاد یہ ہے کہ یہ فتویٰ تو صحیح دیں گے مگر واقعات میں اکثر ان کا بھی معمول احتیاط کا نہیں، اس پر چاہے کوئی برامانے یا بھلا جو بات تھی صاف عرض کردی۔''

ایک مرتبہ حضرت حکیم الامۃ نوراللہ مرقدہٗ نے ارشادفرمایا کہ آج کل بزرگوں کے پاس مقربین یہ سوغاتیں لے کر جاتے ہیں کہیں اس کی شکایت کہیں اس کی شکایت کسی نے دو حضرات سے جاکر یہ کہہ دیا کہ دیکھئے آپ کے سفر حجاز کے بعد ہی اس نے (یعنی حضرت تھانویؒ) حدیث کا دورہ شروع کرادیا۔ احقر نے عرض کیا کہ شاید مثنوی شریف کے درس کو کسی نے حدیث کا دورہ سمجھ لیا ہو فرمایا یہ بھی عجیب بات ہے کہ خرگوش کو اونٹ سمجھ لے پھر فرمایا کہ اگر شروع ہی کردیتا تو کیا گناہ تھا۔ مگر لوگوں میں یہ سخت عیب کی بات ہے کہ بزرگوں کے بھی کان بھرتے ہیں۔ بزرگوں کے پاس یہ سوغاتیں لے کر جاتے ہیں۔

(احسن العزیز)

میرا مقصد ان چیزوں کے ذکر کرنے سے یہ ہے کہ مشائخ کے یہاں روایات غلط اور صحیح پہنچتی ہی رہتی ہیں۔ اور اس بناء پر اگر کسی شخص کی کوئی تعریف یا کسی کی کوئی مذمت کی ہو تو ان کو کلیہ بنا لینا ہرگز مناسب نہیں، حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہٗ نے تو جلیل القدر صحابی حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہٗ صاحبِ سر النبی ﷺ کو بھی اس پر ڈانٹ دیا کہ ایسی روایات نقل نہ کیا کریں یہ میں لکھ چکا ہوں کہ حضرت تھانوی قدس سرہٗ کے اجل خلفاء جن کی تفصیل آگے آرہی ہے اس کام میں بہت شرکت فرمارہے ہیں۔

اور حضرت مولانا وصی اللہ صاحب نوراللہ مرقدہٗ نے مختصر لفظوں میں بہت اچھی بات

لکھی کہ ''آپ لوگوں سے اس قسم کے استفسارات تعجب خیز ہیں یہ تبلیغ آج سے نہیں، ایک زمانہ دراز اس پر گذر چکا ہے اور اب یہ عروج پر ہے جب علماء اس میں شریک ہیں، انہوں نے اس کی ضرورت کو اور اس کی شرعی حیثیت کو مدنظر رکھ کر اس کام کو عمل میں لایا ہوگا۔ اور یہ بات روز روشن کی طرح واضح ولائح ہے اس کے بعد اب سوال کی کیا حاجت باقی رہ جاتی ہے۔

(اشکال نمبر ۱۰) حضرت مدنیؒ کو تبلیغ کے کام سے اتفاق نہ تھا

حضرت شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کے متعلق میرے کان میں کبھی کبھی پڑا کہ حضرت بھی اس کے مخالف تھے۔ اس روایت پر تو میری حیرت کی انتہا نہ رہی اسے لیے کہ حضرت قدس سرہ کی اس تبلیغ کے ساتھ دلچسپی شغف، ترغیبات تحریر و تقریر اتنی شائع ہو چکی ہیں کہ اس کے بعد اس قسم کی روایات حضرت کی طرف منسوب کرنا عناد کے سوا کچھ نہیں، اس جماعت کے جلسوں میں کثرت سے حضرتؒ کی شرکتیں بھی ہیں تقریریں بھی ہیں اور شرکت کیلئے تاکیدیں بھی ہیں ان سب کا احاطہ اس مختصر رسالہ میں تو بہت دشوار ہے۔

حضرت کی تقریریں مستقل بھی رسائل میں شائع ہو چکی ہیں ان سب کا اس مختصر رسالہ میں نقل کرنا تو بہت دشوار ہے، حضرت شیخ الاسلام کی تبلیغی تقریروں کے نام سے بھی ایک مستقل رسالہ شائع ہو چکا اور مختلف اخبارات و رسائل میں بھی کثرت سے ان کے اقتباسات شائع کیے گئے نمونہ کے طور پر صرف ایک دو خطوط نقل کراتا ہوں، ان میں سب سے اہم بندہ کے نزدیک وہ خط ہے جو حضرت الحاج حکیم محمد اسحاق صاحب کٹھوری ممبر شوریٰ دار العلوم کے نام لکھا اور حضرت شیخ الاسلام کی تقریروں کے رسالہ میں چھپا ہوا ہے، وہ یہ ہے۔

نمبر ۱: مکتوب مدنی رحمۃ اللہ علیہ

محترم المقام زید مجدکم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ مزاج مبارک یہ بات معلوم کر کے تعجب ہوا کہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کی تبلیغی جماعتیں شہر میرٹھ اور اس کے گردونواح میں تبلیغی سرگرمیوں کیلئے آتی ہیں مگر آپ حضرات اور آپ کے احباب واعزہ ان کی ہمدردی، رہنمائی، ہمت افزائی میں کوئی حصہ نہیں لیتے برخلاف اس کے وہ اشخاص جن کو اپنے بزرگوں سے کوئی تعلق نہیں ہے، اور نہ ان کو قومی اور وطنی تحریکات سے کوئی دلچسپی ہے وہ ان جماعتوں سے ہمدردی کرتے ہیں میں نہیں سمجھ سکا کہ اس کا کیا راز ہے۔

میرے محترم بزرگ! یہ جماعت تبلیغیہ نہ صرف ایک ضروری اور اہم فریضہ کی حسب استطاعت انجام دہی کرتی ہے بلکہ اس کی بھی سخت محتاج ہے کہ ان کی ہمت افزائی کی جائے۔ اور ان کو خود بھی مسلمانوں سے رابطہ قوی پیدا ہو اور مسلمانوں میں اتحاد و یگانگت کا قوی جذبہ پیدا ہو اور ان کو مذہبی احساسات کی سرگرمی کی طرف سے چلایا جائے جس سے مستقبل میں نہایت اعلیٰ درجہ کے نتائج اور ثمرات کی قوی امیدیں پیدا ہوتی ہیں، بنابریں میں امیدوار ہوں کہ آئندہ اس میں پوری جدو جہد کو کام میں لایا جائے اور ان کی ہمت افزائی کی صورتیں عمل میں لائی جاویں۔ والسلام ننگِ اسلاف حسین احمد غفرلہ ۱۶ صفر ۱۳۶۱ھ

نمبر ۲ مکتوب مدنی رحمۃ اللہ علیہ

دوسرا مکتوب پروفیسر سید احمد شاہ صاحب مراد آبادی کے نام۔

محترم المقام زید مجدکم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ تبلیغی خدمات کے انجام دینے اور اس کے لئے مولانا الیاس صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر ہدایات حاصل کرنے کا مقصد مبارک مقصد ہے، اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور پھر توفیق عطا فرمائے کہ آپ اس مبارک مقصد کو بلکہ اپنی خاندانی وراثت کو بخیر وخوبی انجام دیں۔ مولانا محمد الیاس صاحب کو علیحدہ خط لکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ بلا سفارش اس کام کو مکمل طریقہ پر انجام دیں گے اور بالفرض آپ ضرورت ہی سمجھیں تو اس عریضہ کو ان کی خدمت میں پیش کر دیں اور میرا سلام اور استدعاء دعوات صالحہ انجام دیں۔ فقط: والسلام ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ۔

تیسرا مکتوب علماء افغانستان کے نام

جس کے متعلق سوانح یوسفی میں لکھا ہے یہ تو معلوم ہو چکا کہ حضرت مدنیؒ تبلیغی جماعت کی حمایت میں ہمیشہ سینہ سپر رہے ہیں، اور جہاں جہاں بھی ان کی مدد و اعانت کی ضرورت پڑی مدد اور سرپرستی، افغانستان میں حضرت مدنی کے تلامذہ اور تعلق رکھنے والے مشائخ بکثرت تھے۔ جب یہ تبلیغی جماعت افغانستان جانے لگی تو حضرت مدنیؒ نے بعض ذی اثر علماء کو خطوط تحریر فرمائے تاکہ جماعت کو کوئی رکاوٹ پیش نہ آئے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں۔ "طال شوقی الی لقائکم ایھا الغائبون عن نظری" بخدمت عالی جناب ذولجاہ والاکرام مولانا فضل ربی وحضرت علماء کابل لا ذالت شموس فیوضکم و بلور معالیکم لامعۃ ازیں بعد ادائے مراسم اسلامیہ وسنن نبویہ علی صاحبہا الصلاۃ والتحیۃ عرض آنکہ حاملین

عریضہ ہمارے چند احباب خدمات عالیہ میں حاضر ہورہے ہیں، ان کا مقصد کوئی سیاسی اور ملکی نہیں ہے فقط خدمات دینیہ اور فرائض تبلیغیہ ادا کرنا ہے اور مسلمانانِ افغانستان کو وہ مقصد یاد دلانا جس کو عام مسلمانوں نے بھلا دیا ہے مقصود ہے۔ امید آنکہ آپ حضرات ان کی امداد واعانت میں کوتاہی روانہ رکھیں گے اور ان پر اعتماد کرتے ہوئے ممکن تسہیلات سے درگذر نہ فرمائیں گے۔ والسلام خیر اندیش ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ

صدر مدرس دارالعلوم دیوبند صدر جمعیۃ علماء ہند

۱۴ محرم الحرام ۱۳۷۷ھ

افغانستان کی یہ پہلی جماعت تھی جو اگست 57ء میں گئی تھی۔ اور اس کے امیر مولانا عبیداللہ صاحب بلیاوی تھے گیارہ افراد پر مشتمل تھی جن کے اسماء سوانح یوسفی میں درج ہیں، اور اسی میں اس جماعت کے کارناموں کی تفصیل ہے۔ (سوانح یوسفی از مولانا محمد ثانی حسنی)

اہل تبلیغ بھی تو انسان ہیں

بنگلور میں ایک زمانہ میں تبلیغ کے خلاف بہت زور باندھے گئے اور کہا گیا کہ یہ مدرسوں کو فضول بتاتے ہیں اور بعض اہل مدارس کی طرف سے تبلیغ کے خلاف اشتہارات لکھے گئے جو حضرت مدنی قدس سرہٗ کی خدمت میں فیصلہ کے لیے بھیجے گئے۔ جس پر حضرت قدس سرہٗ نے یہ مضمون تحریر فرما کر بھیجا تھا جو اخبار ''روشنی'' بنگلور مورخہ ۱۷ مارچ ۱۹۵۷ء میں شائع ہوا۔

''اہل مدارس کی مختلف تحریریں اور پوسٹر دربارۂ جماعت تبلیغ ومخالفت ان دنوں نظر سے گذریں۔ جن میں حد اعتدال اور توسط سے تجاوز کرتے ہوئے افراط غلو سے کام لیا گیا ہے تبلیغ دین اور تعلیم دینی ہر دو امور ضروریات اور فرائض اسلامیہ سے ہیں ان کے کارکنوں کو ہمیشہ حدود شرعیہ کے اندر کام انجام دینا چاہئے، کوئی کام خواہ کتنا ہی اہم اور ضروری کیوں نہ ہو اگر حدود شرعیہ سے بالاتر ہو کر عمل میں لایا جائے گا تو ضرور بالضرور اس میں خرابیاں اور مفاسد پیدا ہوں گے اسے لیے میں ہر دو فریق سے نہایت ادب اور محبت سے التماس کرتا ہوں کہ وہ اعتدال اور توسط کو اختیار فرمائیں اور بے جا الزامات تراشی اور بے اعتدالیوں سے درگذر فرما کر اپنے اپنے فرائض وواجبات میں منہمک ہو جائیں زمانہ سعادت صحابہ کرامؓ سے لیکر آج تک ہمیشہ کارکن اشخاص اور جماعتوں سے غلطیاں بھی ہوتی ہیں مگر ان کی غلطیوں کی وجہ سے وہ ضروری چیزیں

ممنوع نہیں قرار دی گئیں بلکہ اصلاح کی گئی اور ان غلطیوں کو چھانٹ دیا گیا۔ اہل تبلیغ بھی ہماری طرح انسان ہیں ان میں نا تجربہ کار اور نو آموز افراط و تفریط کرنے والے اشخاص بھی ہیں۔ ان کی کسی کوتاہی پر نفس تبلیغ پر نکیر کرنا غلطی سے خالی نہ ہوگا اور یہی حال تعلیم کا بھی ہے اس لیے میں تمام بھائیوں سے امیدوار ہوں کہ ہر ایک دوسرے کی عزت افزائی کی کوشش کرے، اور گندگی اچھال کر مسلمانوں میں مزید تفریق پیدا نہ ہونے دے۔ وَاللّٰهُ يَهْدِي السَّبِيْلَ وَهُوَ الْمُسْتَعَانُ. ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ

مفتی عزیز الرحمٰن صاحب بجنوری سوانح یوسفی میں لکھتے ہیں ''اور حضرات کے بارے میں تو مجھے معلوم نہیں ہاں حضرت مدنیؒ کے بارے میں مجھے معلوم ہے کہ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب جب بھی سہارنپور تشریف لے جاتے تو دیوبند ضرور جاتے اور بہت دیر تک نہایت ادب اور احترام سے بیٹھے رہتے تھے، حضرت مدنیؒ کو بھی ان سے اسی قدر تعلق تھا جب اجتماعات میں شرکت فرماتے تھے تو پھر مصافحہ کرنے والے سے پوچھا کرتے تھے کہئے! آپ نے چلہ دیا یا نہیں؟ اگر وہ انکار کرتا تو آپ اس سے چلہ لکھواتے۔

حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی تقریر کا اہم حصہ

حضرت شیخ الاسلام قدس سرہٗ کی تبلیغی اجتماعات میں تقریریں نہایت کثرت سے ہوئیں ان میں سے چند مطبوعہ بھی ہو گئیں جو بڑی طویل ہیں ان کو اس رسالہ کا جز بنانے میں تو یہ مختصر رسالہ بہت ہی طویل ہو جائیگا، اگر کوئی صاحب خیر ان کو ایک جگہ طبع کرا دے تو علاوہ اس کے کہ نہایت افادہ اور لوگوں کی ہدایت کا سبب بنے اس کا بھی اندازہ ہو جائے گا کہ حضرت شیخ الاسلام کو تبلیغی جماعت سے کتنا تعلق تھا۔

حضرت مدنی رحمۃ اللہ کی ایک تقریر کا خلاصہ

ایک مختصر رسالہ حضرت شیخ الاسلام کی اہم تقریروں کے نام سے چھپا ہے۔ اس میں دو تقریریں مفصل طبع کی گئی ہیں۔ دوسری تقریر کا آخری حصہ نقل کراتا ہوں، یہ تقریر ۲۶ جولائی ۱۹۵۷ء بعد نماز جمعہ بمقام ارکونم ضلع شمالی کا آرٹ مدارس میں ایک تبلیغی اجتماع میں فرمائی، تاثر کا یہ عالم تھا کہ سارا مجمع رو رہا تھا۔ اور یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ یہ حضرت کا سب سے آخری سفر تھا اور آخری ہی تقریر تھی اس کے آخری حصہ کے الفاظ یہ ہیں:

بھائیو! آپ کی یہ مجلس تبلیغ کی ہے یہ تبلیغ اصل میں وظیفہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ وہ کام جو تم کرتے ہو معمولی نہیں میں تم کو بشارت دیتا ہوں کہ خدا نے تم کو کیسی خدمت سپرد کی ہے۔

حقیقت میں کام لینے والا اللہ ہے، اگر وہ نہ چاہے تو تم کیا کرتے؟ وَمَا تَشَآؤُنَ اِلَّا اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعَالَمِيْن

ارشاد ہے: "يَمُنُّوْنَ عَلَيْكُمْ اَنْ اَسْلَمُوْا قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَيَّ اِسْلَامَكُمْ بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدَاكُمْ لِلْاِيْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْن" خدا کا فضل ہے کہ اس نے تمہارے دلوں میں اس چیز کو ڈالا ہے۔ اسی ہندوستان میں ہمارے باپ دادا اور بہت سے لوگ گذر گئے جو آپس میں لڑتے رہے اور دنیا کے پیچھے پڑے رہے لیکن ان کو تبلیغ کا کبھی خیال نہیں آیا۔ خدا تعالیٰ نے ہمارے زمانے کے علماء اور اہل خیر کو اس کی توفیق دی۔ تم بہت سے بندگانِ خدا کو دوزخ سے نکال کر جنت میں داخل کر رہے ہو، جو کلمہ اور نماز نہیں جانتے تھے کیا وہ مستحق دوزخ نہیں تھے؟ تم ان کو سمجھا کر اللہ کے راستے پر چلاتے ہو تو کیا دوزخ سے نکال کر جنت میں داخل نہیں کر رہے ہو؟ اللہ جس کو چاہتا ہے اٹھاتا ہے اور جس کو چاہتا ہے گراتا ہے۔

منت منہ کہ خدمت سلطان ہمہ کنی

منت شناس ازو کہ بخدمت بداشتت

خدا کا شکر ادا کرو کہ اس نے تمہیں اس کی توفیق دی یہ بات ضرور ہے کہ بہت سے لوگ تمہاری بات نہیں مانیں گے تم کیا ہو؟ لوگوں نے آنحضرت ﷺ کی بات نہ مانی اور آپ کے ساتھ کیا کیا نہیں کیا؟ تم گھبراؤ نہیں پریشان نہ ہو اگر بیوقوف اور جاہل برا بھلا کہیں، طعنہ دیں تو سن لو یہ تو سنت ہے آنحضرت ﷺ کی اور سنت ہے انبیاء سابقین کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "لقد اوذيت في الله و ما اوذى احد مثلي و لقد اُخِفت في الله و مااخيف احد مثلي" (الحدیث) اگر تمہیں کامیابی نہیں ہوئی اور کوئی بھی سیدھا نہیں ہوا تو اس کے باوجود تمہارا درجہ بڑا ہے اور تمہیں پورا اجر ملے گا۔ تم اطمینان رکھو تمہارا کام اللہ کے دربار میں مقبول ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خیبر فتح کرنے کیلئے بھیجتے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا چاہتے ہیں قتال شروع کر دوں؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہاں جا کر ٹھہرو، اور لوگوں کو "لا الہ الا اللہ" کی طرف بلاؤ اگر مانیں تو دوسرا معاملہ کرنا اس لیے کہ "لان يهدى الله بك رجلا خير لك من الدنيا و ما فيها" ایک آدمی کو بھی تمہارے ذریعہ اللہ تعالیٰ ہدایت دے دے تو وہ تمہارے لیے دنیا و مافیہا سے بہتر ہے دوسری روایت میں ہے کہ تم کو جوان اونٹوں کے ملنے سے بھی یہ بہتر ہے۔

بھائیو! تم نے جو قدم اٹھایا ہے وہ مبارک ہے اللہ پاک تمہاری جدوجہد سے لوگوں کو

فائدہ پہنچائے۔ اور تم سے اسلام کی خدمت لے۔ تم ہرگز تنگدل مت ہو، تکلیفیں اٹھانی پڑیں گی جیسے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء علیہم السلام کو اٹھانی پڑیں، کیا تم کو خبر ہے کہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عرب سے کیوں نکلے؟ وہ عراق میں پہنچے، شام، ایران، افغانستان، سندھ، یوپی، بہار اور جنوب میں دکن تک پہنچے؟ یہاں تک کیوں پہنچے ان کا مقصد کیا تھا؟ ملک فتح کرنا تھا؟ یا دولت لوٹنی تھی؟ ہرگز نہیں ان کا اصلی مقصد صرف ''لا الہ الا اللہ'' کی دعوت دینا تھا، دنیا کو سچے دین پر لانا تھا اللہ کے بچھڑے ہوئے بندوں کو اللہ سے ملانا تھا اور دوزخ سے نکال کر جنت میں داخل کرنا تھا، بعد والوں نے بے وقوفی کی کہ دنیا کے پیچھے پڑ گئے تاریخ گواہ ہے کہ ہند میں باہر سے آنے والے مسلمانوں کی تعداد صرف چار یا پانچ لاکھ تھی، مگر تقسیم ہند کے وقت دس کروڑ پچیس لاکھ مسلمان تھے۔ ہمارے بزرگ اسلاف نے اور اولیاء کرام نے تبلیغ دین کیلئے بہت ہی کوششیں کیں، ایک انگریز اسمتھ لکھتا ہے کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے دست مبارک پر نوے لاکھ مسلمان ہوئے۔ ان کے پاس کیا تھا؟ کوئی فوج تھی؟ فقط اللہ کی معرفت کا خزانہ تھا۔ ہر جگہ اللہ کے سچے بندے گذرے ہیں جنہوں نے دین کی تبلیغ کی، میں نے تاریخ ترکی میں دیکھا کہ ترک قوم کے تین لاکھ خاندان ایک دن میں مسلمان ہوئے اللہ کا کرم کہ تبلیغ کی کوشش وہ پھل لائی کہ ایک زمانہ میں بعض حکام کو یہ تدبیر کرنی پڑی کہ وہ اپنی رعایا کو مسلمان ہونے سے روکیں 100 ھ میں خلافت عمر بن عبد العزیزؒ کے زمانہ میں خراساں کے حاکم کو یہ خطرہ ہوا کہ جزیہ بند ہونے سے خزانہ خالی ہو جائے گا اس لیے اعلان کرنا پڑا کہ کسی کا اسلام اس وقت تک قبول نہ کیا جائے گا جب تک وہ ختنہ نہ کرالے، بوڑھوں کے لیے تکلیف دہ بات تھی اس لئے اس حکم کے جاری ہونے سے اسلام کی ترقی رک گئی، اب خلیفہ کو اطلاع ملی کہ والی خراساں نے اسلام پر پابندی لگادی ہے تو آپ نے اس کو معزول کر کے دوسرے کو مقرر کر دیا اور فرمایا کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس لیے آئے تھے کہ ان پر اسلام کو موقوف رکھا جائے؟

میرے بھائیو! ہمارے اسلاف کی کوششوں سے اہل اللہ علماء کرام اور عام مسلمانوں کی کوششوں سے دس کروڑ پچیس لاکھ مسلمان ہو گئے، اگر غلط کاری نہ ہوئی ہوتی تو یقیناً ہندوستان کا اکثر حصہ مسلمان ہو جاتا، میرے بزرگو! اللہ نے آپ کے دلوں میں تبلیغ کی محبت ڈالی یہ مبارک کام ہے اور آپ مبارک باد کے مستحق ہیں۔ اللہ آپ کو اس سے زیادہ خدمت کی توفیق عطا کرے اپنی بھی اصلاح کرو اور اپنے بھائیوں

کی بھی، اللہ آپ کو مزید ہمت عطا فرمائے۔ بھائیو! تنگدل نہ ہو، اللہ کی رحمت کے امیدوار رہو، سب کو اللہ کی رضا و خوشنودی اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی طرف بلاؤ خود بھی عمل کرو، رسول اللہ ﷺ کی صورت بناؤ سیرت اختیار کرو۔ واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ مولانا حفظ الرحمٰنؒ اور مفتی کفایت اللہؒ کی سرپرستی

حضرت شیخ الاسلام نور اللہ مرقدہٗ کی تبلیغی اجتماعات میں بہت کثرت سے شرکت ہوئی ہے، جن کو تتبع اور تلاش کیا جائے تو بہت ہی وقت لگے گا، میرے روزنامچوں میں بھی بہت سے اجتماعات ایسے ملیں گے جن میں حضرت شیخ الاسلام کی شرکت ملے گی، سوانح یوسفی میں ڈاسنہ کے اجتماع میں جو ۳ جمادی الاخریٰ ۱۳۷۵ھ مطابق ۱۷ جنوری ۵۶ء منگل کی دوپہر کو حضرت شیخ الاسلام نے شرکت فرمائی۔ اس کے متعلق سوانح کے حاشیہ میں یہ لکھ دیا گیا غالباً حضرت مدنیؒ کی یہ شرکت تبلیغی اجتماعات میں اپنی زندگی کی آخری شرکت تھی یہ اندازہ سے لکھا گیا۔ اس لیے کہ ایک ہی سال بعد حضرت شیخ الاسلام کا وصال ہو گیا لیکن آرکاٹ کے جس اجتماع کی شرکت کا ذکر اوپر گذرا وہ اس کے بعد کی ہے حضرت مدنی قدس سرہٗ نے ۱۹۴۷ء کے ہنگاموں کے بعد جب کہ نظام الدین کے حضرات کو جلسے کرنے مشکل ہو رہے تھے بہت کثرت سے اجتماعات میں شرکت فرمائی، سوانح یوسفی میں لکھا ہے کہ ۱۹۴۷ء کے ہنگامے میں ایسے پر خطر دور میں ادھر ادھر جانا دشوار تھا، ذرا قدم نکالا موت نے آ دبوچا۔ بڑے سے بڑے ہمدرد تعلق والے آنکھیں پھیر لیتے حتیٰ کہ بعض ایسے اہم ترین اور مخلص ترین اور پرانے تعلق رکھنے والے اصحاب جو اس وقت صاحب اختیار تھے، جن کا حکومت میں اثر و رسوخ تھا انہوں نے بھی ایسے پر خطر دنوں میں خاموش رہنے کا مشورہ دیا......... لیکن اس اندھیری رات میں روشنی کی ایک ایسی شمع بھی چلی جس نے روشنی دی۔ حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ کا تو کہنا ہی کیا کہ وہ برابر مرکز اور مرکز والوں کی سرپرستی فرماتے رہے اور ان کی ہمت کو شکستہ ہونے سے بچائے رکھا لیکن مولانا حفظ الرحمٰن صاحبؒ نے بھی اپنی مجاہدانہ زندگی اور دیرینہ تعلق و احساس فرض کی صفت کا پوری طرح مظاہرہ کیا۔ (مولانا کے متعلق مضمون ان کے بیان میں آ رہا ہے) حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ اور مولانا احمد سعید صاحبؒ بھی ان خطرناک ایام میں جماعت کی بہت زیادہ معاونت فرماتے رہے۔

دیگر اکابر کی نظام الدین کی تبلیغ کے متعلق آراء وارشادات

(الف) حضرت اقدس قدوۃ الاتقیاء رأس الاصفیاء شاہ عبدالقادر صاحب رائپوری نوراللہ مرقدہ کے متعلق تو شاید ہی کسی کو اس سے انکار کی جرأت ہو کہ حضرت قدس سرہٗ کا نظام الدین کثرت سے تشریف لے جانا، اور تبلیغی اسفار اور اہم امور میں مشوروں میں شرکت بہت کثرت سے ہوتی تھی خود اس ناکارہ کے ذریعہ سے حضرت اقدس رائپوری قدس سرہٗ نے حضرت دہلوی نوراللہ مرقدہٗ کے دور میں اور اس کے بعد مولانا الحاج محمد یوسفؒ کے دور میں کئی باران اکابر کو رائپور میں اجتماعات کرانے کے لیے بلایا، اور حضرت رحمۃ اللہ کے دور میں بار بار، رائپور میں تبلیغی اجتماعات حضرت کے ارشادات پر ہوئے۔

حضرت رائپوریؒ کی دہلی میں تشریف بری بھی بہت کثرت سے ہوتی تھی۔ جس کے دوران میں تبلیغی مشورے حضرت دہلویؒ کے دور میں بھی اور مولانا محمد یوسفؒ کے دور میں بھی حضرت رائپوریؒ سے ہوا کرتے تھے، باوجود اس کے کہ حضرت دہلویؒ کی یہ تمنا رہتی تھی کہ حضرت رائپوریؒ کی تشریف بری اس سے بھی زائد ہو۔ جس کے متعلق آپ بیتی نمبر ۴ میں ایک طویل قصہ بھی لکھوا چکا ہوں کہ حضرت دہلویؒ کی اس تمنا اور خواہش پر کہ حضرت کی تشریف آوری میں اضافہ ہو جائے حضرت کا یہ ارشاد کہ "میری آمد تو ان (اس ناکارہ کی طرف اشارہ فرما کر) پر موقوف ہے" اس پر چچا جان نوراللہ مرقدہ کو بہت غصہ آیا اور فرمایا کہ جب حضرت کی تشریف آوری اتنی آسان ہے پھر اتنی تاخیر کیوں ہوتی ہے۔ سوانح حضرت دہلویؒ میں لکھا ہے کہ مولانا کے نزدیک ملک کی جہالت وغفلت دینی بے حمیتی اور جذبات کی خرابی تمام فتنوں کی جڑ اور ساری خرابیوں کا سر چشمہ تھی اور اس کا علاج صرف یہ تھا کہ میوات کے لوگ اپنی اصلاح وتعلیم اور دین کو دنیا پر مقدم رکھنے اور اس کے لیے جدوجہد کرنے کی طاقت اور جذبات پیدا کرنے کے لیے باہر اور خصوصاً یوپی کے شہروں میں جائیں۔ اور اس کے لیے سب سے پہلا سفر اپنے وطن کاندھلہ کا رمضان میں تجویز ہوا جس کی تفصیل سوانح حضرت دہلوی میں موجود ہے۔ اس کے بعد دوسرا سفر رائپور کا تجویز ہوا، اور شوال میں ۱۰۔۱۱، آدمیوں کو اپنے ساتھ لیکر رائپور تشریف لے گئے۔ رائپور بھی اطمینان کی جگہ تھی اور دینی وروحانی مرکز تھا۔ نیز مولانا عبدالقادر صاحب جانشین حضرت مولانا الحاج شاہ عبدالرحیم صاحب نوراللہ مرقدہٗ نے رائپوری

سے یکجہتی اور یگانگت کی بنا پر وہاں سے بھی کوئی تکلف اور اجنبیت نہیں تھی۔ (سوانح حضرت دہلویؒ)

یہ میوات کی جماعتوں کے یوپی میں آنے کی ابتدائیں ہیں۔ اس کے بعد متعدد مرتبہ رائپور میں اجتماعات ہوتے رہے اور حضرت اقدس رائپوری قدس سرہٗ باغ کے اپنے تمام لوگوں کو اجتماع میں شرکت کیلئے اہتمام سے بھیجتے تھے۔ یہ ناکارہ بھی رائپور کے متعدد اجتماعات میں شریک ہوا۔ سوانح یوسفی میں لکھا ہے کہ مولانا محمد یوسف صاحبؒ نے تقسیم ہند کی لائی ہوئی مصیبت اور وحشت پیدا کرنے والے دور میں اجتماعات کی ابتداء ایسے مقام سے کی جہاں پر ذکر کی فضا قائم تھی اور برسوں سے اللہ اللہ کرنے والے وہاں پر موجود تھے۔ اور ایک ایسے مرد خدا اور بزرگ شخصیت کا سایہ تھا جس نے برسوں ایمان ویقین اور یادالٰہی کا سبق دیا۔ تقسیم ہند کے بعد سب سے پہلا اجتماع رائپور میں ہوا۔ ۳ ربیع الثانی ۱۳۶۷ھ مطابق ۱۴ فروری ۱۹۴۸ء کی شب میں مولانا محمد یوسف صاحب نظام الدین سے سہارنپور تشریف لے گئے اور لکھنؤ سے مولانا ابوالحسن علی ندوی اور مولانا محمد منظور صاحب نعمانی پنجاب میل سے سہارنپور پہنچے۔ دوسرے دن صبح ان سارے حضرات کی رائپور روانگی ہوئی۔ رائپور میں ایک طویل اجتماع تھا جس کے سلسلہ میں یکشنبہ کی شب میں جامع مسجد میں ایک جلسہ ہوا۔ یہ جلسہ اپنی نوعیت کا ایک کامیاب بنیادی جلسہ تھا۔ اس سے آئندہ اجتماعات اور جلسوں کی راہ ہموار ہوئی مشرقی پنجاب کے بہت سے پناہ گزیں جنہوں نے رائپور میں آکر قیام کرلیا تھا وہ بھی اس میں شریک ہوئے یہی وہ سفر ہے جس میں حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائپوری نے مولانا محمد یوسفؒ سے پاکستان کے سفر اور دورہ پر اصرار فرمایا۔

دوسرا اجتماع رائپور کا پہلے سے طے شدہ نہ تھا پہلے سے کسی کو خبر تھی، اور نہ کوئی اس کے لیے انتظام ہی کیا گیا تھا، مولانا محمد یوسفؒ حضرت رائپوری صاحبؒ سے ملنے کی خاطر رائپور تشریف لے گئے۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ اہل فیض آباد ضلع سہارنپور بہت دنوں سے حضرت شیخ الحدیث سے فیض آباد آنے کی درخواست اور اصرار کررہے تھے مگر حضرت رائپوری نے حضرت شیخ الحدیث کو سفر کی مشقت کی خاطر فیض آباد جانے کی رائے نہ دی اور جو حضرات فیض آباد لیجانے پر مصر تھے ان سے یہ فرمایا کہ تم لوگ رائپور میں رہو اور حضرت شیخ سے یہیں نیاز حاصل کرو ۱۶ محرم ۱۳۷۳ھ بروز شنبہ مولانا محمد یوسف صاحب سہارنپور تشریف لے گئے مع دوسرے رفقاء کے انہوں نے جب

حضرت شیخ کو سہارنپور میں نہ پایا تو اسی وقت رائپور تشریف لے گئے اس طرح اس وقت رائپور میں اہل تعلق کا ایک اجتماع ہو گیا، حضرت اقدس رائپوری نوراللہ مرقدہ نے اہل رائپور کو حکم دیا کہ وہ قرب وجوار میں آدمیوں کو بھیج کر لوگوں کو جمع کریں، اور بدھ کی صبح کو جامع مسجد رائپور میں ایک تبلیغی اجتماع کرلیں۔ مولانا محمد یوسف صاحب نے عرض کیا کہ میں اس وقت حضرت کی صرف زیارت کے لیے آیا ہوں، مگر حضرت رائپوری نے حکم فرمایا، اصرار فرمایا، مولانا محمد یوسف صاحب اس پر آمادہ ہو گئے اور بدھ کی صبح کو تقریباً چھ گھنٹے جامع مسجد رائپور میں اجتماع ہوا قرب وجوار کا یہ کامیاب اجتماع تھا حضرت شیخ اور مولانا کی تشریف بری کو سن کر بڑی تعداد میں لوگ جمع ہو گئے مولانا نے اس اجتماع میں چار گھنٹہ تقریر فرمائی۔ اور تقریر کے بعد دو گھنٹے تشکیل ہوئی۔ (سوانح یوسفی)

حضرت رائپوری نوراللہ مرقدۂ اور حضرت دہلوی اور حضرت مولانا محمد یوسف صاحب نوراللہ مرقدہما کی سوانح عمریوں میں بہت کثرت سے ان دونوں حضرات کی رائپور میں حاضری اور اجتماعات کے تذکرے ہیں، اور حضرت اقدس رائپوری نوراللہ مرقدۂ کی بھی ؛ بی حضرت دہلوی کے زمانے میں اور حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کے زمانے میں نظام الدین کی تشریف بری اور کئی کئی دن قیام اور اہم امور میں مشوروں کا ذکر ہے۔ چونکہ گلالتہ کا اجتماع حضرت دہلوی نوراللہ مرقدۂ کی وصال کے بعد اہم اجتماع تھا جس میں شرکت کے لیے حضرت اقدس رائپوری نوراللہ مرقدۂ رائپور سے اہتمام کے لیے تشریف لے گئے۔ سوانح یوسفی میں اس اجتماع کی تفصیل بہت ہی طویل لکھی ہے، لکھا ہے کہ مرادآباد کے ستر ۷۰ نفر پیدا، چل کر اس جلسہ میں شرکت کے لیے تشریف لے گئے۔ لیکن ذوق وشوق اور کیف وسرور اتنا تھا کہ تکان کا پتہ بھی نہ چلا، سہارنپور سے شیخ الحدیث صاحب اور رائپور سے حضرت رائپوری ۲۹/ شوال کو نظام الدین پہنچے اور ہر دو حضرات یک شنبہ کی صبح کو نظام الدین سے گلالتہ تشریف لے گئے۔ اسی دن اجتماع تھا اور جوالا پور ضلع سہارنپور کا اجتماع تو حضرت اقدس رائپوری ہی کی سفارش پر تجویز ہوا تھا جس کی تفصیل سوانح یوسفی میں ہے۔

حضرت تھانوی کے خلیفۂ اجل حضرت مولانا وصی اللہ کا مکتوب گرامی:

(ب) حضرت مولانا وصی اللہ خلیفہ اجل حضرت حکیم الامۃ نوراللہ مرقدۂ کے مکتوب کا مختصر حصہ حضرت حکیم الامۃ کے بیان میں گذر چکا۔ پورا مکتوب یہ ہے:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ایسے استفسارات پہلے یہاں آئے ہیں ان کا جواب دیا گیا ہے، اب آپ نے بھی کیا ہے۔ آپ جیسے حضرات سے یہ امر تعجب خیز ہے۔ یہ تبلیغ آج سے نہیں ایک زمانہ دراز اس پر گذر چکا ہے اور اب یہ عروج پر ہے۔ جب علماء اس میں شریک ہیں انہوں نے اس کی ضرورت کو اور اس کی شرعی حیثیت کو مدنظر رکھ کر اس کام کو عمل میں لایا ہوگا۔ اور یہ بات روز روشن کی طرح واضح ولائح ہے۔ اس کے بعد اب سوال کی اور پھر ہم جیسے لوگوں سے کیا حاجت باقی رہ جاتی ہے۔ کام مقصود ہے اور اس کو شرعی طریقہ سے کرنا ہے اور علماء دونوں کو جانتے ہیں پھر ان کی تقلید کو جو ضروری سمجھ رہا ہے اس پر ان کی تقلید ضروری ہے، جو کام کرتا ہے اس کی اہمیت کو وہ عمل سے پہلے اور شرعی نقطۂ نظر سے اس کو سمجھ لیتا ہے۔ بس یہ دونوں پہلو پیش نظر ہیں پھر اب سوال کی حاجت نہیں۔ سوال عمل سے پہلے ہوتا ہے اور اب سوال سے کیا فائدہ؟ اب تبلیغ اپنے عروج پر ہے وہ روز بروز بڑھتی ہی رہے گی۔ جو اس کے موافق ہو خلوص سے اس کو عمل میں لائے۔ سوال سے تردد کا پتہ چلتا ہے کہ اب عمل کے جواز ہی میں تردد ہے یا سب کو اس میں شریک کرنا چاہتا ہے۔ بہت سے کام ہیں اور ضروری ہیں سب کو کرنا ہے۔ ایک جماعت اس کے لیے ہونا بھی ضروری ہے اور بس اور حدود شرع کا پاس ولحاظ ہر جماعت کے لیے ضروری ہے۔ والسلام

وصی اللہ عفی عنہ (چشمۂ آفتاب)

حضرت مولانا وصی اللہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ کے خلیفۂ خاص مولانا ڈاکٹر صلاح احمد صاحب صدیقی جو رسالہ ''معرفت حق'' جو حضرت مولانا وصی اللہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی خانقاہ سے نکلتا ہے اس کے مدیر بھی ہیں ان کے داماد جناب شمس الرحمٰن صاحب کا خط میرے پاس آیا۔ جنہوں نے اپنی تبلیغی مساعی جمیلہ ہر ہفتہ دو گشتوں میں شرکت، مرکز میں شب گذاری اور روزانہ بعد فجر کی تعلیم کے اپنے متعلق ہونا، اور ہفتہ واری تقریر اپنے ذمہ ہونا وغیرہ وغیرہ امور کی تفصیل لکھنے کے بعد لکھا ہے کہ ڈاکٹر صاحب میری جماعت کی آمد ورفت پر کبھی کچھ نہیں فرماتے۔ بلکہ کبھی کبھی بہت ہی فراخدلی سے کہتے ہیں کہ یہ بھی بہت بڑا اور ضروری کام ہے اور ہمارا ہی کام ہے فقط۔ اللہ تعالیٰ ڈاکٹر صاحب کو ان کی سرپرستی کا دونوں جہان میں بہترین بدلہ عطا فرمائے اور ان کے داماد صاحب کی مساعی جمیلہ کا اجر ڈاکٹر

صاحب کو بھی عطا فرمائے، اور ان سب اجور کا مجموعہ حضرت شاہ وصی اللہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ کو عطا فرمائے کہ یہ سب حضرت شاہ صاحب ہی کی توجہ کا نتیجہ ہے۔

مولانا اسعد اللہ صاحب خلیفہ حضرت تھانویؒ کا مکتوب

(ج) مکتوب مولانا اسعد اللہ صاحب خلیفہ حضرت حکیم الامۃ تھانوی نور اللہ مرقدہٗ ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

محترمی و مکرمی مولانا صاحب! وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ کئی روز ہوئے آپ کے جوابی گرامی نامے نے عزت بخشی۔ حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تبلیغی تحریک اور حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے اختلافات کے متعلق میں نے آپ کے استفسار پر کافی غور کیا اور اس سلسلے میں اپنی معلومات کو ذہن میں یکجا کرتا رہا۔ پھر میں نے آپ کے گرامی نامہ کا جواب لکھنے کے لیے محمد اللہ سے کہا۔

(۱) جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے حضرت نے کسی کو میرے سامنے تبلیغ سے نہیں روکا اور نہ منع کیا۔

(۲) چند ہی دنوں کی بات ہے حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نے اپنے یہاں مولانا عبید اللہ صاحب سرگرم کارکن تبلیغ سے تبلیغی تقریر کرائی اور حضرت مفتی صاحب موصوف اپنے یہاں کام کرتے رہتے ہیں علاوہ ازیں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ کے بہت سے متوسلین اور معتقدین تبلیغ میں عملی حصہ لیتے رہتے ہیں۔ جہاں تک میری ذات کا تعلق ہے میں تبلیغ میں شرکت کو اپنی سعادت سمجھتا ہوں، میرے عوارض مجھے اجازت نہیں دیتے کہ میں عملی شرکت کروں، پھر گاہے بہ گاہے تبلیغی اجتماعات میں شرکت کرتا رہتا ہوں۔ اور اب سے چار پانچ سال قبل سہارنپور کی جامع مسجد میں جمعرات کے ہفتہ واری اجتماع میں پابندی سے شریک ہوتا تھا۔ نیز میں اپنے تمام احباب ظاہر و باطن کو ادھر متوجہ کرتا رہتا ہوں۔ اور وہ لوگ جو مجھ سے بیعت ہوتے ہیں انہیں تو میں بتاکید تبلیغ میں شرکت کے لیے کہتا رہتا ہوں۔ ادھر یہ ایک حقیقت ہے کہ ہمارے حضرت کے یہاں برابر تبلیغ کا کام ہوتا رہا ہے۔ ممکن ہے کہ کبھی حضرت نے کسی مبلغ کے متعلق کچھ فرمایا ہو نفس تبلیغ پر حضرت نے میرے علم کے مطابق کبھی نکیر نہیں فرمائی اور جب آپ خود تحریر فرما رہے ہیں، دوسری طرف جو احقر نے اس دعوت و تبلیغ کو دیکھا تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس دور میں سنت

رسول اللہ ﷺ کے مطابق زندگی گذارنے کا واحد ذریعہ یہی تبلیغ ہے۔ اب اس کے بعد مزید استفسار کی کیا گنجائش رہی؟ واقعہ یہ ہے کہ موجودہ آزمائشی حالات نے تبلیغ کی ضرورت کو ہمیشہ سے زائد ثابت کر دیا۔ نیز اس کا نفع ظاہر و باہر ہے۔ اللہ کے حکم سے رسولوں نے تبلیغ کی ان کے بعد برابر ان کے صحابہؓ، تابعین، تبع تابعین، علماء اور اولیاء و صوفیاء رحمہم اللہ ہمیشہ تبلیغ کرتے رہے۔ مجھے امید ہے بلکہ یقین ہے کہ اب آپ کو اطمینان ہو جائے گا، اور کوئی خلش باقی نہیں رہے گی۔ تبلیغ نے تمام دنیا کے مسلمانوں میں بیداری پیدا کر دی ایسی صورت میں اس کا تعاون ضروری ہے۔ مجھے حضرت شیخ مدظلہٗ سے معلوم ہوا کہ حضرت پھول پوری قدس سرہٗ تبلیغ کے بڑے زبردست حامی تھے۔ حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہٗ تو انتہائی شد و مد کے ساتھ تحریک تبلیغ کے حامی تو تھے ہی نیز دورہ کے اساتذہ حضرت مولانا امیر احمد صاحب، مفتی مظفر حسین، صاحب اور دوسرے مدرسین عملاً شرکت کرتے رہتے ہیں۔ علاوہ ازیں یہ ایک حقیقت ہے کہ دراصل تبلیغ کا سرچشمہ اور منبع مظاہر علوم بذات خود ہے اس تحریک کے موسس مؤید اور سرپرست سب ہی مظاہر علوم کے سرپرست رہے۔ حضرت شیخ ہر ماہ کافی روپیہ مبلغین کے دعوت طعام وغیرہ میں خرچ فرماتے ہیں۔

والسلام فقط

(حضرت مولانا) محمد اسعد اللہ (رحمہ اللہ) بقلم محمد اللہ

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تائید

(د) حضرت مولانا الحاج قاری محمد طیب صاحب خلیفہ حضرت حکیم الامۃ تھانوی صدر مہتمم دارالعلوم دیوبند کی شرکت ان تبلیغی اجتماعات میں اتنی کثرت سے ہوتی رہتی ہے کہ ان کی تفاصیل کا احصاء مشکل ہے۔ حضرت قاری صاحب کی کئی تقاریر مستقل طور پر ایک رسالہ میں جس کا نام ''کیا تبلیغی کام ضروری ہے'' میں شائع ہو چکی ہیں۔ اگر حضرت قاری صاحب کے تبلیغی اسفار کی تفصیل کو کوئی جمع کرنا چاہے تو رسالہ دارالعلوم سے معلوم ہو جائے گا کہ کہاں کہاں کے اجتماعات میں حضرت قاری صاحب کی شرکت ہوئی ہے۔ میوات کے متعدد اجتماعات میں یہ ناکارہ بھی حضرت قاری صاحب کے ساتھ شریک ہوا، اور سہارنپور کے سالانہ اجتماع میں ہمیشہ قاری صاحب کی تشریف آوری اور کئی کئی گھنٹے اس تبلیغی جماعت کی حمایت اور اس میں شرکت کی تاکید تقریروں میں تو یہ ناکارہ خود بھی شریک ہوا قاری صاحب کی بھوپال

کے اجتماع کی ایک تقریر جس کو مولوی محمد احسن ندوی نے ضبط کیا تھا اور اس کو ''نشان منزل'' نے طبع کیا تھا۔ جس کی نقل ''حقیقت تبلیغ'' مرتبہ جناب الحاج ابراہیم یوسف باوا صاحب رنگونی میں ہے کہ ہندوستان میں اس وقت دعوت وتبلیغ کے کام کو چند سال قبل حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے شروع کیا خدا تعالیٰ نے ان کے قلب مبارک پر اس کا القاء کیا انہوں نے تبلیغ کے لیے جماعتوں کا طریقہ اختیار کیا مولانا محمد یوسف صاحب نے جماعتی طریقہ اختیار فرمایا میں نے شاید کہیں لکھا ہے کہ تبلیغ کو اللہ تعالیٰ نے مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے دل پر بطور فن کے القاء کیا۔

اس میں تعلیم وتربیت سیر وسیاحت روح کی دل چسپی بدن کی ورزش ہر ایک چیز موجود ہے۔ آج کے دور میں یہ کام بڑا ہی مفید اور لازمی ہے۔ اسی وجہ سے یہ کام تیزی سے پھیل رہا ہے اور اس خاموش تبلیغ سے ایک عظیم انقلاب آرہا ہے، ہندوستان کے ہر خطہ میں اور ہندوستان سے باہر جہاں بھی گیا وہاں میں نے تبلیغی جماعتیں اور تبلیغی مراکز دیکھے، رسمی انداز میں اس عالمگیر طریقہ پر کام نہیں ہوسکتا اور اس کے ساتھ ساتھ نہ فتنہ وفساد ہے اور نہ واویلا وشور، آپ نے کہیں نہیں سنا ہوگا کہ ان جماعتی لوگوں نے کبھی عذر کیا، کہیں فساد برپا کیا یہ خاموش تبلیغ ہے جو عالم گیر طریقہ سے ساری دنیا میں پھیلتی جارہی ہے اور اس کی مقبولیت روز بروز بڑھتی چلی آرہی ہے۔ تبلیغ کے کام میں آدمی کو اس کے گھر سے نکالا جاتا ہے وہ گھر کے ماحول سے نکل کر خدا کے گھر میں پہنچتا ہے۔ وہاں اسے دوسرا ماحول ملتا ہے۔ گھر کے ماحول اور اس کے ماحول میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ یہاں سے داعی اور عامل دونوں بننا پڑتا ہے...... وہ داعی بن کر آتا ہے اور عامل بن کر جاتا ہے۔ آج کے دور میں بہت سی تحریکیں چل رہی ہیں لیکن یہ تحریک اپنی مثال آپ ہے۔ اس میں نہ عہدے ہیں نہ منصب ہیں، نہ کرسیاں ہیں اور نہ سیٹیں ہیں۔ بلکہ اپنے ہی مال کا خرچ ہے اپنی جیب پر بار ہے۔ یہ تحریک موجودہ دور میں دین کے تحفظ کے لیے ایک بڑی پناہ گاہ ہے...... آج جس دور سے ہم گذر رہے ہیں، اس دور میں مسلمانوں کے لیے صرف دو پناہ گاہیں ہیں ایک دینی مدرسے دوسرے یہ تبلیغی کام۔

قاری صاحب کا ایک بہت طویل وعظ ۴۴ صفحہ کا ''کیا تبلیغی کام ضروری ہے؟'' کے نام سے بلفظہ شائع کیا گیا ہے جس میں قاری صاحب نے ان سب اعتراضات کا جواب دیا ہے جو اس وقت ان کے کان میں پڑے تھے اور ان کو یاد رہے تھے اس کے بعد فرمایا خلاصہ وعظ کا یہ ہے کہ اصلاح نفس کے چار طریقے ہیں۔ جو میں نے اوپر بیان کئے اور اس کام میں اصلاح نفس کے تقریباً چاروں طریقے موجود

ہیں۔ جو جتنی محنت کرے گا اتنی ہی ترقی حاصل کرے گا۔ اس لیے کہ جب آپ عمل کریں گے تو اس پر اس کام کے ثمرات بھی ضرور مرتب ہوں گے۔ اب تک معترضین کے متعلق جو کچھ ہم نے کہا وہ ان کے اعتراض کو مان کر کے اور اگر غور کیا جائے تو سرے سے ان کے اعتراضات ہی قابل تسلیم نہیں اس لیے کہ اس میں بڑے اور پرانے لوگ بھی تو موجود ہوتے ہیں جن سے کام کے اصول معلوم ہو سکتے ہیں اور اصول سے کام کرنے میں ترقی ہوگی۔ بعض ارباب درس وتدریس ہوتے ہیں اور بعض اہل فتویٰ ان سے آپ کو روکتے بھی نہیں ہیں۔

اگر کسی کو علم حاصل کرنا ہو تو ان سے کر سکتا ہے، مسائل معلوم کرنا ہوں تو ان سے معلوم کئے جا سکتے ہیں۔ کام کرنے والوں کے لیے یہ سب باتیں ہیں اور محنتیں ہیں اور نہ کام کرنے والوں کے لیے یہ سارے اعتراضات ہیں۔ بہر حال نسخہ ہے مکمل، ہاں دل ہی اگر نہ چاہے تو اور بات ہے کسی نے صحیح کہا کہ: اگر تو نہ چاہے تو بہانے ہزار ہیں

تو بات بتلانے والوں نے بتلادی، اعلان کرنے والوں نے آواز بھی لگادی، منزل بھی بتلادی ثمرہ بھی بتلا دیا کہ یہ سامنے آئے گا، اب ان حضرات کی ذمہ داری نہیں ہے کہ وہ آپ کی طرف چلیں بھی، آپ چلیں گے اور کام کریں گے تو اس کا پھل پائیں گے ظاہر ہے کہ نفع عام ہے اس لیے اس میں ضرورت ہے کہ سب چلیں، اگر آپ تعلیم میں شرکت کر سکتے ہوں تو تعلیم میں شریک ہوں، گشت میں شرکت کر سکتے ہوں تو گشت میں شریک ہوں، اور اگر کچھ اوقات لگا سکتے ہوں تو اوقات بھی لگائیں اور بھائی اس سے کنارے رہنا بڑی ہی محرومی کی بات ہے۔ فکری طور پر ہو، عملی طور پر جس درجہ میں بھی ہو اس میں شریک رہنا چاہیے۔

سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ مجاز حضرت تھانویؒ کی تائید

(ہ) حضرت مولانا الحاج سید سلیمان ندوی خلیفہ حضرت تھانویؒ کی شرکت لکھنو کے قیام میں پھر بھوپال کے قیام میں پھر پاکستان کے قیام میں ان تبلیغی اجتماعات میں بہت کثرت سے ہوئی ہے حجاز کے تبلیغی اجتماعات میں بھی حضرت سید صاحب کی شرکت ہوتی ہے اور تقریریں بھی فرمائی ہیں۔ مولانا الحاج ابوالحسن علی میاں صاحب نے جو حضرت دہلوی کی سوانح عمر لکھی ہے اس پر حضرت سید صاحب کا مبسوط مقدمہ ہے جس کے متعلق سید صاحب کی سوانح ''تذکرہ سلیمان'' میں لکھا ہے کہ یہ بلند پایہ مقدمہ بھی اپنی

جامعیت علمیت اور افادیت کے اعتبار سے اپنی نظیر آپ ہے۔ بیس صفحات میں اتنے ہی اہم مضامین کی وسعتوں کو سمیٹ لینا یہ حضرت ہی کا حصہ تھا، صرف عنوانات کے شمار ہی سے اس کی گونا گونی کا اندازہ لگایئے جو یہ ہیں: (۱) امت مسلمہ کا فریضہ (۲) دولت و سلطنت مقصود اصلی نہیں (۳) امت مسلمہ جانشین ہے (۴) تعلیم و تزکیہ میں تفریق (۵) تعلیم و تزکیہ کی یکجائی (۶) فلاح دونوں کی یکجائی میں ہے (۷) مزاج نبوت قوام ملت ہے (۸) صاحب سوانح اس معیار سے (۹) سلسلہ، ولی اللٰہی، صاحب (۱۰) سوانح کا سلسلہ نسب (۱۱) اس عہد میں تبلیغی ناکامی کے وجوہ (۱۲) انبیاء کے اصول دعوت (تذکرہ سلیمان) یہ تو اجمالی عنوانات ہیں۔ ان میں سے عنوان نمبر ۸ "صاحب سوانح اس معیار سے" کے ذیل میں مقدمہ لکھا ہے کہ "آئندہ اوراق میں جس داعی حق اور دعوت حق کی تصویر کھینچی گئی ہے میری آنکھوں نے اس کے چہرے کے خدوخال کا مشاہدہ کیا تھا، اس کے ظاہر و غائب کے حالات دیکھتا اور سنتا رہا اور جن کو یہ سعادت حاصل نہیں ہوئی ان کو ان اوراق کے پڑھنے سے اس کی پوری کیفیت معلوم ہو جائے گی۔ اور اسی ضمن میں اس کے اصول و طریق دعوت اور خود حقیقت دعوت کے سارے حالات واضح ہو جائیں گے۔

اسی مقدمہ کے عنوان نمبر ۵، انبیاء کے اصول دعوت کے ذیل میں تحریر فرمایا: "تبلیغ و دعوت کے ان اصولوں میں سے جو حضور ﷺ کی سیرت میں نمایاں معلوم ہوتے ہیں ایک عرض ہے یعنی حضور انور ﷺ اس کا انتظار نہیں فرماتے تھے کہ لوگ آپؐ کی خدمت میں خود حاضر ہوں بلکہ آپؐ اور آپؐ کے داعی لوگوں تک خود پہنچتے تھے اور حق کی دعوت دیتے تھے یہاں تک کہ کبھی کبھی لوگوں کے گھروں تک خود پہنچ جاتے تھے۔ اور کلمۂ حق کی دعوت پیش فرماتے تھے۔ مکہ معظمہ سے سفر کر کے طائف تشریف لے گئے اور وہاں عبد یالیل وغیرہ رئیسوں کے گھروں پر جا کر تبلیغ کا فرض ادا فرمایا حج کے موسم میں ایک ایک قبیلہ کے پاس تشریف لے جاتے اور ان کو حق کا پیغام پہنچاتے۔ اور ان کی ترشی و تند جوابوں کی پرواہ نہ فرماتے تھے۔

آخر اسی تلاش میں یثرب کے وہ سعادت مند ملے جن کے ہاتھوں سے ایمان و اسلام کی دولت مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ کو منتقل ہوئی، صلح حدیبیہ کے بعد جب ملک میں امن و امان و اطمینان ہوا تو اسلام کے سفیر مصر و ایران و حبش کے بادشاہوں اور عمان و بحرین اور یمن اور حدود شام کے رئیسوں کے پاس اسلام کا پیغام لے کر پہنچے۔ اور مختلف صحابہؓ نے عرب کے مختلف صوبوں اور قبیلوں میں جا کر اسلام کی

تبلیغ کی، حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ گئے، حضرت علی اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما نے یمن کا رخ کیا، یہی حال ہر دور کے علماء حق اور ائمہ دین کا رہا۔

اس سے معلوم ہوا کہ داعی اور مبلغ کا خود فرض ہے کہ وہ لوگوں تک پہنچے اور حق کا پیغام پہنچائے۔ بعض صاحبوں کو خانقاہ نشینوں کے موجودہ طرز سے یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ ان خاصان حق کا ہمیشہ سے یہی طریقہ رہا ہے حالاں کہ یہ سراسر غلط ہے، ان بزرگوں کی سیرتوں اور تذکروں کو کھول کر پڑھیں تو معلوم ہوگا کہ یہ کہاں کے رہنے والے تھے، فیض کہاں سے پایا اور جو پایا اس کو کہاں کہاں بانٹا اور کہاں جا کر زیر زمین آرام کیا اور یہ اس وقت کیا جب دنیا ریلوں، لاریوں، موٹروں اور سفروں کے دوسرے سامان راحت سے محروم تھی۔ معین الدین چشتی علیہ الرحمۃ سیستان میں پیدا ہوئے، چشت واقع افغانستان میں دولت پائی اور راجپوتانہ کے کفرستان میں آکر حق کی روشنی پھیلائی، فرید شکر گنج علیہ الرحمۃ سندھ کے کناروں سے دہلی تک اور دہلی سے پنجاب تک آگئے۔ اور ان کے مریدوں میں حضرت نظام الدین سلطان الاولیاء علیہ الرحمۃ اور پھر ان کے خلفاء کے احوال اور ان کے سفر کے مقامات اور ان کے مزارات کی جائے وقوع کو دیکھئے کہ وہ کہاں کہاں ہیں کوئی دکن میں ہے کوئی مالوہ میں ہے کوئی بنگال میں ہے کوئی صوبجات متحدہ میں ہے (مقدمہ سوانح) سید صاحب اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں۔

سید سلیمان ندویؒ کا اہم مکتوب

''از بھوپال یکم ذی الحجہ ۱۳۶۸ھ'' عزیزم مکرم حیاکم اللہ تعالیٰ السلام علیکم ورحمۃ اللہ مکی زندگی سے مدنی زندگی بمشکل کامیاب ہوسکتی ہے، اور پچھلے فرسودہ نظام زندگی کی بنیاد پر تجدید کی دیواریں کھڑی نہیں ہوسکتی، خود مسلمان بننا دوسرے کو مسلمان بننے کی دعوت دینا وقت کی اہم پکار ہے۔ اور اس نفرت کے بجائے محبت کے جذبہ سے انجام دینا سب سے اہم ہے۔ (تذکرہ سلیمان)

اسی سوانح میں دوسری جگہ لکھا ہے کہ ''حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تبلیغی جماعت کا ایک بڑا مرکز بھوپال بھی تھا اور تبلیغی حضرات کئی وجوہ سے حضرت والا سے خاص تعلق رکھتے تھے اس لیے جب تک حضرت بھوپال میں مقیم رہے تبلیغی کاموں کی گویا سرپرستی فرماتے رہے اور غالباً حضرت ہی کے ایماء سے مولانا اشفاق الرحمٰن کاندھلوی بڑی گرم جوشی سے تبلیغی وفود میں حصہ لیتے رہے اور اپنے مواعظ حسنہ

کے ذریعہ ریاست کے چپہ چپہ تک اسلام خالص کی دعوت پہنچائی۔
صاحب سوانح ایک جگہ لکھتے ہیں کہ وصال سے صرف چار یوم قبل مغرب کے بعد جب حضرت والا حسب معمول نماز سے فارغ ہو کر چار پائی پر لیٹے تھے کہ سفیر شام مع چند رفقاء کے تشریف لائے۔اس کے بعد سفیر نے جماعت تبلیغ کے متعلق حضرت والا کی شخصی رائے دریافت فرمائی،ارشاد ہوا کہ تبلیغی جماعت دین خالص کی داعی ہے۔ (تذکرہ سلیمان)
مولانا الحاج علی میاں صاحب حضرت دہلوی کے لکھنو کے سفر کی تفاصیل لکھتے ہوئے تحریر کرتے ہیں کہ سید سلیمان صاحب ایک روز پہلے لکھنو تشریف لا چکے تھے اور مولانا کے ساتھ ہی مقیم تھے،سید صاحب کو اس سے چند گھنٹے پہلے کے لیے تھانہ بھون کے اسٹیشن اور تھانہ بھون سے کاندھلہ تک ریل میں مولانا سے گفتگو کا اتفاق ہوا تھا اور آپ نے اگلے روز پھاٹک جبش خان کے جلسہ میں مولانا کی دعوت کی ترجمانی اور اپنے خیالات کا اظہار فرمایا تھا،اس موقع پر آٹھ نو دن شب و روز ساتھ رہا۔آخری روز جمعہ کے دن جو خاص مصروفیت کا تھا امیر الدولہ اسلامیہ کالج تشریف لے گئے جہاں ایک بہت بڑا اجتماع آپ کے انتظار میں تھا وہاں پہلے مولانا سید سلیمان صاحب نے ایک پر اثر تقریر کی آپ کے بعد مولانا نے ارشاد فرمایا(سوانح حضرت دہلویؒ) یہ ناکارہ بھی حضرت دہلوی کی معیت میں ندوۃ العلماء میں مقیم رہا۔سید صاحب بہت اہتمام سے حضرت دہلوی کی نجی تقاریر اور اجتماعات میں نہایت ہی سکون و وقار کے ساتھ شریک رہتے اور بہت غور سے تقاریر خاص طور سے نجی مجالس کی سنتے۔ایک دفعہ میرے سامنے حضرت دہلوی سے فرمایا تھا کہ آپ کے ارشادات میں مجھے حکیم الامتؒ کے ارشادات کی یاد تازہ ہوتی ہے۔
سوانح یوسفی میں لکھا ہے کہ ۴۹ء میں مولانا سید سلیمان ندوی حج کو تشریف لے گئے، مولانا سید سلیمان ندوی سے عرب کے علماء بہت پہلے سے واقف تھے ان کے حجاز پہنچنے سے تبلیغی جماعت کے افراد نے بڑا فائدہ اٹھایا اور کئی ایسے اجتماع کئے جن میں عرب کے علماء بکثرت شریک ہوئے اور حجاز و یمن اور شام و عراق کے علاوہ سوڈان،مصر،مراکش،ٹیونس کے علماء بھی شریک ہوئے۔اس سلسلے کا پہلا اجتماع حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مکان میں ہوا تھا،اور سید صاحب نے ایک ایسے اجتماع کو خطاب کیا جس میں مصر،سوڈان،مراکش،ٹیونس کے فاضل علماء اور خواص جمع تھے۔مولانا سید سلیمان ندویؒ نے نہایت اچھے پیرائے اور علمی اسلوب میں بڑے سلجھے ہوئے انداز سے دعوت و تبلیغ پر روشنی ڈالی۔اجتماع

کے اختتام پر سب ہی علماء اور خواص نے اپنے اپنے پتے دیے، علماء نے کام کو خوب سراہا اور اس کام سے اپنے تعلق کا اظہار کیا۔ (سوانح)

اطاعت امیر کا ایمان افروز تذکرہ

(نوٹ:۔ ان سطور کی پروف ریڈنگ کے دوران ۱۵۔ اپریل ۲۰۰۴ کو حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ کی وفات کی حسرت آیات کی خبر مولانا شفیق الحسن ناصر کے ذریعہ ملی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون)

مفتی زین العابدین صاحب لائل پوری نے اس سفر حج کا قصہ اپنے گرامی نامہ میں تفصیل سے لکھا ہے، وہ لکھتے ہیں کہ سید سلیمان ندویؒ جب ۱۹۴۹ء میں ہند سے حجاز تشریف لے گئے ہم مکہ معظمہ تین دن مسلسل حاضر ہوتے رہے، تیسرے دن حضرت نے پوچھا آپ کہاں کے ہیں تو بندہ نے عرض کیا کہ پنجاب کا ہوں، حضرت عثمانی رحمۃ اللہ علیہ سے ڈابھیل میں دورہ پڑھا پھر امرتسر میں پڑھاتا رہا، اس کے بعد سات چلے تبلیغ میں لگائے، پھر ایک سال نظام الدین گذارا، پھر ان حضرات نے یہاں ۱۹۴۷ء میں بھیج دیا۔ اب یہاں اس طرح حجاج میں اور بقیہ وقت یہاں کے عربوں میں کام کرتے رہتے ہیں۔ اس پر فرمایا کہ تیرا نام بمبئی میں معلوم ہوا تھا۔ اور یہ بھی کہ یہاں کے امیر جماعت تم ہو۔ میں نے عرض کیا مجھے امیر بنا رکھا ہے تو فرمایا کہ میرا یہاں کو پورا وقت آپ کے حوالہ ہے میں خود کوئی پروگرام نہیں بناؤں گا۔ چنانچہ اس پر اس شدت سے عمل فرمایا کہ ایک دن میں مدرسہ صولتیہ میں لیٹا ہوا تھا، ایک ساتھی نے آکر اٹھایا کہ شیخ عمر بن حسن رئیس امر بالمعروف نجد شیخ عبداللہ بن حسن شیخ الاسلام کے بھائی تشریف لائے ہیں، میں حیران ہو کر اٹھا ان سے باہر آکر ملا پھر اندر لے گیا تو انہوں نے ارشاد فرمایا، میں شیخ سید سلیمان ندوی کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان کو اپنے یہاں کھانے کی دعوت دی تو انہوں نے ارشاد فرمایا کہ میں یہاں کا وقت تبلیغ میں دے چکا ہوں، میرے امیر سے پوچھیں اگر وہ قبول کرلیں تو مجھے قبول ہے۔ چنانچہ میں اسی وقت شیخ عمر بن حسن کی کار میں ان کے ساتھ بیٹھ کر سید صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا اور حضرت سے استفسار کرکے ان کی دعوت قبول کی۔ اور ان کے چلے جانے کے بعد میں نے عرض کیا کہ حضرت ان بڑے لوگوں سے تو براہِ کرم آپ خود طے فرمالیا کریں تو فرمایا بالکل نہیں جو طے کرنا ہے تجھے کرنا ہوگا۔ فقط

جناب الحاج عبدالوہاب صاحب روحِ رواں تبلیغ پاکستان اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں:

''سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ تو ہمارے ساتھ ہر اتوار کو تشریف لے جاتے تھے، اور بندہ کی باتوں کو سنتے تھے، اور بندہ کا نام ''بلبل ہزار داستان'' رکھا ہوا تھا، فرماتے تھے کہ جب تم لوگ آجاتے ہو تو میں سمجھتا ہوں کہ دنیا میں خیر ہی خیر ہے اور جب تم چلے جاتے ہو تو سمجھتا ہوں کہ دنیا میں شر ہی شر ہے فقط۔

خلیفہ حضرت اقدس تھانوی مولانا عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ کی توثیق

(و) حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب سابق صدر مدرس مدرسہ مظاہر علوم خلیفہ حضرت اقدس حکیم الامۃ تھانوی نور اللہ مرقدہما جب تک سہارنپور مقیم رہے میوات کے جلسوں میں کثرت سے تشریف لے جاتے رہے۔ حضرت مولانا کی ایک دفعہ طبیعت ناساز تھی حکیم کو دکھانے دہلی تشریف لے گئے چونکہ نظام الدین ہی قیام کرتا رہتا تھا اس وقت حضرت دہلوی میوات کے ایک سخت ترین سفر پر جا رہے تھے جو پہاڑ پر تھا، حضرت دہلوی نے مولانا کو بھی ساتھ چلنے کی دعوت دی، باوجود یہ کہ مولانا بیمار بھی تھے اور حکیم کے پاس علاج کے لیے تشریف لے گئے تھے مگر ساتھ ہولیے۔ جمعہ کا دن نہایت گرمی کا وقت پہاڑ تک سواری مل گئی، مگر پہاڑ پر پاؤں چڑھنا پڑا اچھا جان تو مشاق تھے ہمیشہ کے عادی تھے مولانا مرحوم کو اس قسم کے سفر کا کبھی سابقہ نہیں پڑا تھا دونوں اکابر نہایت مشقت کے ساتھ جمعہ کی عجلت کی وجہ سے تیزی سے پہاڑ پر چڑھ رہے تھے پسینہ پسینہ ہو رہے تھے۔ ایک ناواقف میواتی نے دوسرے کو آواز دے کر کہا کہ ارے فلانے دیکھ تو مولبی گنجی کھانے کے شوق میں کیسا بھاگ رہے ہیں۔ (گنجی میوات کا ایک خاص کھانا ہے جو ان کے یہاں بہت پسندیدہ ہے اور یوپی والوں کو اس کا کھانا مشکل ہے۔) ''تجلیات رحمانی''

یعنی حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب نور اللہ مرقدہ کی سوانح عمری میں لکھا ہے کہ تبلیغی جماعت کے کام سے آپ کو بڑی دل چسپی تھی، تبلیغ کو آپ اس دور میں جہاد اکبر سمجھتے تھے۔ امیر جماعت تبلیغ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حضرت مولانا کے ساتھ بڑے گہرے تعلقات تھے۔ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کے خلوص اور للّٰہیت کے صمیم قلب سے قائل تھی، فرماتے تھے کہ یہ جو کچھ حرکت ہو رہی ہے حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کے خلوص اور للّٰہیت کی برکت ہے۔ مولانا محمد یوسف صاحب حضرت مولانا کے خاص تلامذہ میں سے تھے انہوں نے دورہ کی اکثر کتابیں مولانا مرحوم سے پڑھی تھیں۔ تبلیغی جماعت کے بعض دوسرے سرکردہ حضرات مولانا کے تربیت یافتہ اور تلامذہ تھے۔ مولانا انعام

الحسن صاحب مولانا عبید اللہ صاحب حضرت مولانا سے پڑھے ہوئے ہیں۔ مولانا سعید احمد خاں صاحب امیر جماعت سعودی عرب حضرت کے تلمیذ خاص اور بڑے تعلق والے تھے، مولانا اپنے تلامذہ و متعلقین کو تبلیغی سلسلہ میں شرکت کا حکم اور مشورہ دیتے۔

مولانا منظور احمد صاحب چنیوٹی نے تحریر کیا کہ میں مدرسہ سے رخصت لے کر تین چلوں پر مشرقی پاکستان چلا گیا تھا اور اب جماعت تبلیغی کے ہمراہ مکہ مکرمہ جا رہا ہوں، اس کے جواب میں حضرت مولانا نے تحریر فرمایا جو کام آپ کر رہے ہیں اس میں شک نہیں کہ موجودہ زمانے میں جہادِ اکبر ہے۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ ایک صاحب نے کراچی سے مولانا کو لکھا کہ میں تبلیغی جماعت کے ساتھ جو دعوت الی اللہ کے لیے جاتی ہے شرکت برابر کرتا رہتا ہوں مگر پچھلی اتوار کی شام کو تبلیغی جماعت کے ایک صاحب جو عالم معلوم نہیں ہوتے تھے انہوں نے اپنے بیان میں فرمایا کہ گشت میں جانے والوں کو سات لاکھ نمازوں کا ثواب ملتا ہے، حالاں کہ مسجد الحرام خانہ کعبہ میں نماز پڑھنے والوں کو صرف ایک لاکھ کا ثواب، یہ بات کچھ سمجھ میں نہیں آئی۔ حالاں کہ حضرت تھانویؒ کے وعظ آداب التبلیغ میں پڑھا تھا کہ یہ تبلیغ فرض کفایہ ہے تو جب فرض عین نہیں تو انہوں نے یہ کیسے بیان کر دیا؟ جس پر حضرت مولانا نے مختصراً تحریر فرمایا کہ ایسے جزوی امور کو ترک کر دیجئے جو بات شریعت کے موافق نظر آئے اس پر عمل کرتے رہیں۔ (تجلیات رحمانی)

ایک شخص نے تبلیغ میں مسلسل چلوں کا ذکر کیا تو فرمایا کہ موجودہ زمانہ میں یہ بہت بڑا فریضہ ہے۔ مگر اس کے ساتھ پسماندگان کے حقوق کا بھی خیال فرمانا ضروری ہے۔ (تجلیات رحمانی)

حضرت مفتی اعظم پاکستان رحمۃ اللہ علیہ کی سرپرستی

(د) حضرت مولانا الحاج مفتی محمد شفیع صاحب سابق مفتی دارالعلوم دیوبند حال ناظم جامعہ اسلامیہ کراچی خلیفہ حضرت تھانوی قدس سرہٗ کے متعلق حضرت ناظم صاحب مظاہر علوم اور اس ناکارہ کے خطوط میں گذر چکا ہے کہ حضرات دہلی کی آمد پر حضرت مفتی صاحب ان لوگوں کو اپنے مدرسے میں بلاتے ہیں اور مدرسین وطلبہ کو جمع فرما کر ان حضرات سے تبلیغی تقریریں اہتمام سے کراتے ہیں اور بعد میں خود بھی اس کی تائید میں تقریر فرماتے ہیں، واقعات بالا تو خود میرے مشاہد ہیں وہاں کے طلبہ کے خطوط سے بھی اکثر حضرت مفتی صاحب کی مستقل تقریر اس جماعت کی تائید و نصرت و شرکت میں ہونی

معلوم ہوتی رہتی ہے۔

یہ چند نمونے میں نے حضرت حکیم الامۃ نور اللہ مرقدہٗ کے اجل خلفاء کے نقل کرائے ہیں۔ میری سمجھ میں تو نہیں آتا کہ اگر حضرت حکیم الامۃ اس جماعت سے خفا تھے تو حضرت کے اجل خلفاء میں سے کسی کو بھی ناراضی کی خبر نہ ہوئی اور یہ سب حضرات نہایت جوش وخروش کے ساتھ اس میں شرکت بھی فرماتے رہے شرکت کے تقاضے بھی پورے کرتے رہے۔ حضرت مولانا ظفر احمد صاحب حضرت حکیم الامۃ نور اللہ مرقدہٗ کے بھانجے نے ایک مستقل چلہ اس میں دینے کا وعدہ فرما رکھا تھا جو مشاغل کے ہجوم کی وجہ سے پورا نہ ہوسکا اور وہ جب چچا جان کی بیماری میں ایک دن تشریف لے گئے اور چچا جان نور اللہ مرقدہٗ نے ان کو ان کا وعدہ یاد دلایا تو اپنی سخت مجبوری اور ضرورت کے باوجود مستقل قیام فرمالیا اور وصال تک وہیں موجود رہے، اور اس زمانہ میں تبلیغی اجتماعات میں کثرت سے شرکت فرماتے رہے اور ملفوظات بھی جمع کرتے رہے۔ اور اس کا اطمینان بھی دلاتے رہے کہ آپ کے بعد یہ کام ان شاء اللہ اسی طرح چلتا رہے گا۔ جیسا کہ ملفوظات حضرت دہلوی میں تفاصیل سے موجود ہے، میں نے حضرت حکیم الامۃ قدس سرہٗ کے خلفاء آراء اور ارشادات اسی وجہ سے لکھوائے ہیں کہ لوگ حضرت قدس سرہٗ کی طرف سے اس چیز کو پھیلاتے ہیں کہ حضرت حکیم الامۃ ناراض تھے۔ تعجب ہے کہ اس مجہول روایت کی اطلاع حضرت کے اجل خلفاء کو نہ ہوئی۔

بالخصوص مولانا ظفر احمد صاحب کو جو ہر وقت کے تھانہ بھون کے حاضر باش خانقاہ کے مفتی اعظم اور حضرت قدس سرہٗ کے مسودات اور ارشادات کو لکھنے والے اور حضرت کی خدمت میں رہ کر اعلاء السنن وغیرہ کی تصانیف کرتے رہے۔ ان کو حضرت تھانوی کی ناراضی کا شائبہ بھی ہو جاتا تو حضرت دہلوی کے اخیر زمانہ میں اس طرح موجودہ تبلیغ کے اندر سرگرمی سے منہمک نہ ہوتے۔ ان کے علاوہ آراء دیگر مشائخ اور علماء کی نمونۃً لکھواتا ہوں۔

مولانا شاہ محمد یعقوب صاحب اور تبلیغی جماعت

(الف) حضرت مولانا الحاج شاہ محمد یعقوب صاحب مجددی نقشبندی، بھوپالی، مولانا الحاج عمران خاں صاحب کی وجہ سے وہ بھوپال کی مرکزی جماعت کے روح رواں ہیں اور حضرت شاہ صاحب کے

اخص الخواص مریدین میں ہیں۔ تبلیغ کی سرپرستی فرماتے رہے، خاص طور سے بھوپال کے اجتماع میں کثرت سے دعائیں اور مشورے بھی فرماتے رہے، حضرت مولانا الحاج ابوالحسن علی میاں نے حضرت شاہ صاحب کی خدمت میں چند روز قیام کے دوران میں حضرت شاہ صاحب کے ملفوظات حضرت پیران پیر کے مواعظ کی طرح سے تاریخ وار مجالس کے ساتھ جمع کئے۔ جن کا نام "صحبتے با اہل دل" ہے۔ اس میں تحریر فرماتے ہیں، اٹھارویں مجلس ۳/ذی قعدہ ۱۳۸۸ھ آج حضرت کی طبیعت کچھ مضمحل تھی، کمر میں کئی دن سے درد تھا آج اس میں غالباً زیادتی ہوگئی اشراق پڑھ کر خلاف معمول لیٹ گئے اور آنکھ لگ گئی۔ مولانا انعام الحسن صاحب چند رفقاء وخدام کے ساتھ ملنے آئے، یہ معلوم کر کے کہ حضرت آرام فرمارہے ہیں راقم سطور کے پاس اندر مہمان خانہ میں آگئے، کچھ دیر کے بعد جلسہ (اجتماع بھوپال) میں شرکت کرنے والے مہمانوں اور خانقاہ میں آنے والوں کا ہجوم ہوگیا، اندر کا دلان بالکل بھر گیا۔ حضرت بیدار ہوگئے مولانا کے میرے پاس تشریف رکھنے کا علم ہوا تو بجائے باہر خانقاہ میں جانے کے اندر تشریف لے آئے اور دالان کے کنارے جہاں جوتے اتارے جاتے ہیں اس کے پاس ہی بیٹھ گئے۔ حاضرین نے صدر مجلس میں تشریف رکھنے کے لیے عرض کیا تو فرمایا مجھے یہیں راحت ہے، بے تکلفی بڑی راحت کی چیز ہے۔

مولانا انعام الحسن صاحب اور ان کے بعض رفقاء نے یورپ میں تبلیغی اثرات جماعتوں کی نقل وحرکت اور مساجد کی تعمیر کا سلسلہ شروع ہونے کا ذکر کیا یہ بھی تذکرہ فرمایا کہ جماعت کے لوگوں نے پیرس میں ایک چھوٹی سی مسجد تعمیر کی اس مرتبہ رمضان المبارک میں وہاں تراویح ہوئی، ۶۰/۷۰ آدمی تراویح میں شریک ہوتے تھے، اخیر عشرہ میں ایک صاحب نے اعتکاف بھی کیا، خط میں تھا کہ پیرس کی تاریخ میں شاید یہ پہلا اعتکاف ہے، حضرت نے ان واقعات پر بڑی مسرت کا اظہار کیا اور فرمایا کہ خدا کی شان ہے کہ کفر وظلمت کے مرکز میں یہ تبدیلیاں ہورہی ہیں اور اسلام اور ایمان کے مرکزوں میں اور بزرگوں کے خاندانوں میں جہاں پشتوں سے دینداری اور بزرگی چلی آرہی تھی مغرب کی نقالی دین سے بے رغبتی بلکہ دین کی تحقیر اور شعائر اسلام سے وحشت اور ان کے ساتھ تمسخر کے مناظر دیکھنے میں آتے ہیں۔ "ع چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی" فرمایا کہ ہم تو اسی وقت سے معتقد ہیں کہ جب نظام الدین کی یہ مسجد بہت مختصر اور کچی پکی تھی۔ اور کچھ معذور واپاہج میواتی وہاں پڑے رہتے تھے،

ہمیں تو یہ باغ اسی وقت لہلہاتا نظر آتا تھا۔ میں ایک مرتبہ نظام الدین کی زیارت کے لیے گیا، زیارت سے فارغ ہو کر جانے لگا تو کسی نے کہا کہ ایک چھوٹی سی مسجد اور ہے وہاں ایک چھوٹا سا مدرسہ اور ایک بزرگ رہتے ہیں وہاں بھی چلئے۔ میں حاضر ہوا اور ان بزرگ (مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ) کا دریافت کیا، کہا گیا کہ وہ اس وقت مسجد سے باہر گئے ہوئے ہیں ظہر کی نماز کے وقت ملیں گے۔ میں ٹھہر گیا اور ظہر کی نماز کا وقت آیا وہ تشریف لائے، میں نے ان کے پیچھے نماز پڑھی یا تو اپنے والد صاحب کے پیچھے (ایسے اطمینان کی) نماز پڑھی تھی یا ان کے پیچھے۔ پھر میں نے مولانا یوسف صاحب کا دور بھی دیکھا، ایک دن میں نے اسے کہا کہ میں نے آپ کو اس وقت دیکھا تھا جب صفوۃ المصادر پڑھتے تھے۔ بڑی سادگی سے بولے اب بھی وہی پڑھ رہا ہوں۔ (صحبتے با اہل دل)

بھوپال کا رسالہ ''نشان منزل'' میں وقتاً فوقتاً حضرت شاہ صاحب کے ارشادات اس جماعت وتبلیغ کی حمایت میں شائع ہوتے رہے ہیں جو میری نگاہ سے بھی وقتاً فوقتاً گذرتے رہے ہیں۔ اس وقت یہ خیال بھی نہیں تھا کہ ان چیزوں کو کسی وقت نمایاں کرنا پڑے گا۔ لیکن اگر کوئی دیکھنا چاہے تو نشان منزل کا رسالہ میں بہت کثرت سے ملے گا۔ بھوپال کا سالانہ اجتماع بہت مشہور ہے۔

(ب) جناب الحاج مفتی کفایت اللہ صاحب مفتی اعظم دہلی کی شرکت میوات کے جلسوں میں کثرت سے ہوئی، اور بعض اجتماعات میں یہ ناکارہ بھی شریک تھا۔ مفتی محمود صاحب گنگوہی فرماتے ہیں کہ مفتی صاحب کے ساتھ میوات کے بعض اجتماعات میں میں بھی شریک ہوا ہوں۔ مفتی صاحب اور مولانا الحاج احمد سعید صاحب سابق ناظم جمعیۃ علماء کی تقریریں میوات کے بعض جلسوں میں بندہ نے خود سنی ہیں۔ بہت ہی شدومد سے لوگوں کو اس کام میں شرکت کے لیے تقاضا اور دعوت دیا کرتے تھے۔ سوانح یوسفی میں ایک جلسہ کا مختصر ذکر ہے اس میں لکھا ہے کہ قصبہ نوح ضلع گوڑگانواں میں ایک تبلیغی اجتماع ۲۷/ذی الحجہ ۱۳۲۸ھ بروز یک شنبہ ہوا۔ اس جلسہ میں مرکز کے اکابر کے علاوہ مفتی کفایت اللہ صاحب، مولانا احمد سعید صاحب دہلویؒ، مولانا حفظ الرحمٰن صاحب سیوہاروی، مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی شریک ہوئے۔ اس تبلیغی اجتماع میں مولانا احمد سعید صاحب دہلوی نے تبلیغ کی ضرورت اور افادیت پر کئی گھنٹے تقریر فرمائی۔ اس اجتماع میں میوات کے اہل تعلق اور کثیر تعداد میں میواتی شریک ہوئے۔ دوسری جگہ لکھتے ہیں کہ مولانا عبدالرشید صاحب مسکین بھوپال کے مشہور عالم اور ملی کارکن نے

مولانا محمد الیاس صاحب کی زندگی میں مفتی کفایت اللہ صاحب کی وساطت سے بھوپال میں تبلیغی کام کی دعوت دی تھی (سوانح یوسفی)

حضرت دہلویؒ اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں آج یہ بندہ اس دعوت کو لے کر مدرسہ امینیہ گیا تھا جس میں اللہ کے فضل اور لطف اور رحمت نے بہت امید افزا صورت پیدا فرمادی، حضرت مفتی صاحب نے تمام مدرسین اور طلباء کو جمع فرمایا اور میری تحریض کے بعد مولوی فخر الحسن صاحب نے تحسین فرمائی ان کے بعد حضرت مفتی صاحب نے باوجود وقت کے تنگ ہونے کے اس کی صورت ثابت فرمائی۔ عنوان بہت ہی اچھا اختیار فرمایا، حضرت دہلویؒ اپنے ایک اہم مکتوب میں علی میاں کو تحریر کرتے ہیں کہ اس وقت ایک اہم ضرورت جو درپیش ہے وہ یہ کہ مبلغین کی معتد بہ جماعت کراچی پہنچ رہی ہے۔ وہاں سے ایک تار جناب کی دعوت کا آیا ہوا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ حیدرآباد سندھ میں ایک جلسہ ہونے والا ہے اس میں اکابر مثلاً مفتی کفایت اللہ صاحب، مولانا طیب صاحب وغیرہما اکابر علماء امت شرکت فرما رہے ہیں اس میں آپ کی شرکت کی شدید ضرورت ہے، آپ اللہ سے مانگتے ہوئے اور اسی پر بھروسہ فرماتے ہوئے اور استقلال اور دل جمعی کے ساتھ دعوت دینے کے عزم سے حیدرآباد سندھ تشریف لے جاویں۔ (مکاتیب)

۱۳۶۰ھ میں قصبہ نوح میں ایک بڑا تبلیغی اجتماع ہوا۔ میوات کی سرزمین میں اس سے پہلے اتنا بڑا اجتماع نہیں ہوا تھا۔ شرکاء جلسہ کا اندازہ پچیس ہزار کا کیا جاتا ہے۔ حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب جو اس اجتماع میں شریک تھے فرماتے تھے کہ میں ۳۵ سال سے ہر قسم کے مذہبی اور سیاسی جلسوں میں شریک ہو رہا ہوں لیکن میں نے اس شان کا ایسا بابرکت اجتماع آج تک نہیں دیکھا۔ (سوانح یوسفی)

مراد آباد کے اجتماع میں حضرت دہلوی نور اللہ مرقدہٗ تشریف نہ لا سکے ان کی جگہ نیابت میں جناب الحاج مفتی کفایت اللہ صاحب نے شرکت فرمائی۔ (سوانح یوسفی)

مولانا محمود حسن صاحب مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند کی تصدیق

(د) جناب الحاج مفتی محمود حسن صاحب مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند کی شرکت موجودہ تبلیغ کے اجتماعات میں اور مخالفین کے اعتراضات کے جوابات میں بہت کثرت سے رسائل اور اخبارات میں شائع ہو چکی ہیں اور بہت سے مضامین ''کیا تبلیغی کام ضروری ہے'' میں شائع ہو چکے ہیں۔ ایک تحریر ان

کی کسی شاکی کی شکایات کے جواب میں رسالہ "حقیقت تبلیغ" مؤلفہ الحاج ابراہیم یوسف باوا رنگونی میں ہے، وہ کسی معترض کے خط کے جواب میں ہے جس کا نام مجھے معلوم نہیں، خط بہت طویل ہے جو حقیقت تبلیغ میں چھپا ہوا ہے اور اس سے رسالہ "کیا تبلیغی کام ضروری ہے" میں بھی نقل کیا گیا ہے۔ اس نے لکھا تھا کہ تبلیغی جماعت کی سرگرمیاں ماشاء اللہ ترقی پذیر ہیں جماعتیں یوں بھی تمام سال قریہ قریہ گشت کرتی رہتی ہیں۔ خصوصاً یہاں بھوپال میں کثرت سے سالانہ اجتماع اور ہفتہ وار اجتماع کو دیکھنے کا موقع ملتا رہا۔ لیکن اس ضمن میں چند امور ہمیشہ کھٹکتے رہے اور دل کلیۃ جماعت کے طریق کار سے متفق نہ ہوا، لیکن گذشتہ ماہ نومبر ۱۹۶۳ء میں لکھنؤ کے سالانہ اجتماع میں آپ کو دیکھ کر یہ خیال ہوا کہ یہ عاجز کسی غلطی یا وسوسۂ شیطانی میں مبتلا ہے، اس بنا پر اسی وقت سے یہ خلش تھی کہ حضرت محترم سے اپنے رفع شکوک ودفع وساوس کے لیے اس باب میں استفسار کر کے اصلاح حاصل کروں گا، آگے اشکالات کی فہرست ہے جو مفتی صاحبؒ کے جواب سے خود سمجھ میں آتی ہے۔

اہم مکتوب

مکرم ومحترم زیدت مکارمکم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! گرامی نامہ صادر ہوا مگر رمضان المبارک میں اتنی طویل تحریر کا پڑھنا مشکل، پھر جواب اس سے زیادہ مشکل، تاہم پڑھا، معلوم ہوا کہ وقتی اور کوئی فوری چیز جواب طلب نہیں۔ مکرما! تبلیغ کا جو نقشہ آپ نے کھینچا ہے، میں نے اس سے قبل کبھی نہیں سنا اور دیکھنے کی تو آج تک نوبت نہیں آئی، میں نے خود طویل طویل سفر کئے ہیں، یہاں بھی ہمیشہ ہفتہ وار اجتماع میں شرکت کرتا ہوں ۳۵ برس سے شرکت کا موقع ملتا رہتا ہے، سہارنپور، دیوبند، رائپور، لکھنؤ وغیرہ کے اکابر ارباب مدارس وارباب خانقاہ کا جو کچھ اس کام سے تعلق ہے وہ بھی براہِ راست معلوم ہے، مشائخ کرامؒ اپنے زیرتربیت سالکین کو کس طرح اس کام کی ترغیب دے کر کام میں لگاتے ہیں، وہ بھی معلوم ہے اس کی بھی کوئی وجہ نہیں کہ آپ کے بیان کو غلط کہا جائے ہوسکتا ہے کہ بعض کم فہم کم علم ناتجربہ کار لوگوں کے ذاتی اعمال وکردار سے کوئی صورت رونما ہو جائے یا کچھ اصحابِ اغراض لوگ ان ناتجربہ کار لوگوں کا اپنے مقاصد پورے کرنے کے لیے غلط طور پر استعمال کر لیں جس سے اس قسم کے فتنے پیدا ہوں، آپ کی تحریر کردہ صورت حال یقیناً بہت دکھ اور اذیت کی چیز ہے یہ بھی یقینی امر

ہے کہ اس قسم کی چیزوں (تعزیہ داری وغیرہ اور مدارس وخانقاہوں کی مخالفت یا توہین) کی ذمہ دار حضرات کی طرف سے ہرگز اجازت نہیں، ایسی چیزیں تبلیغ کے کام اور دین کو سخت نقصان پہنچانے والی ہیں، تبلیغی نمبروں میں ایک نمبر اکرام مسلم بھی ہے اصولی حیثیت سے وہ بہت قابل اہتمام ہے۔ حضرت مولانا محمد الیاسؒ کی طرف سے سخت ہدایت ہے کہ جس بستی میں جماعت جائے وہاں کے علماء اور مشائخ کی خدمت میں ضرور حاضر ہو ... ان کے اصولوں کی پابندی کرے، ان کو ہرگز دعوت نہ دے ان سے صرف دعا کی درخواست کرے، علماء اور طلباء کو ہدایت ہے کہ اس کام کی وجہ سے درس ومطالعہ تکرار کا حرج ہرگز نہ کریں۔ سالکین کو ہدایت ہے کہ اپنے اوراد ووظائف اور تسبیحات کو ہرگز ترک نہ کریں بلکہ زمانہ خروج میں شدت کے ساتھ پابندی کرے، راتوں میں تہجد اور ذکر وگریہ کی عام فضا اذکار ومراقبات کا اہتمام، مواخات ومؤاسات، ایثار وہمدردی، تواضع وانکسار، احتساب وانضباطِ اوقات، حقوق اللہ وحقوق العباد کی نگہداشت وغیرہ یہ وہ ... نی امور ہیں جو خانقاہوں کا طرۂ امتیاز ہیں اور حق تعالیٰ نے مشائخ پر ان کا انعام فرمایا ہے۔

تبلیغی جماعت کے ذمہ دار حضرات کی پوری کوشش ہے کہ اللہ پاک ان امور کی طرف سے تمام مسلمانوں کو متوجہ فرمائے اور سب کے نفوس میں ان کو راسخ فرمادے تو پھر یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ یہ جماعت خانقاہوں کے کام کو قدر کی نظر سے نہیں دیکھتی، علم وذکر کا نمبر اخلاص نیت کا نمبر آخر کس لیے ہے؟ جگہ جگہ جماعت نے مدارس دینیہ قائم کئے اور کر رہی ہے، خود مرکز نظام الدین دہلی میں عربی مدرسہ ہے جہاں چھوٹی بڑی سب کتابیں پڑھائی جاتی ہیں۔ میں نے خود تبلیغ کے لیے جن اکابر علماء ومشائخ کو نکلتے اور ترغیب دیتے ہوئے دیکھا ہے چند کے نام یہ ہیں، حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ صدر جمعیۃ علماء ہند وصدر مدرسہ امینیہ دہلی میں جو میوات کے علاقہ میں ان کے ساتھ تھا۔ اور ان کو بہت نزدیک سے دیکھا ہے کہ ان کو تبلیغی کام سے کس قدر گہرا تعلق تھا، مفتی اشفاق الرحمٰن صاحب مفتی مدرسہ فتح پوری دہلی، مفتی جمیل احمد صاحب مفتی تھانہ بھون، مولانا اسعد اللہ صاحب مجاز حضرت تھانویؒ، حضرت مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث مظاہر علوم سہارنپور مجاز حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ، مولانا حسین احمد صاحب صدر مدرس دار العلوم دیوبند مجاز، حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ، حضرت مولانا ابوالحسن ندویؒ، حضرت مولانا منظور احمد نعمانیؒ وغیرہم۔ جب ایک کام اس

قدر عالم گیر ہو اور مسلمانوں کے گروہ دین سیکھنے کے لیے نکلیں تو ان سے بے اصولی اور غلطی ہونا بھی مستبعد نہیں، خاص کر ایسی حالت میں کہ ہر جماعت کو امیر عالم بھی میسر نہ آئے نہ ان کی غلطی کو سراہا جائے گا نہ ان کی غلطی کی وجہ سے تبلیغ سے بددل ہو کر کام کو چھوڑا جائے گا نہ تبلیغ کے فوائد وضرورت سے صرف نظر کیا جائے گا۔ بلکہ خود غلطی سے بچتے ہوئے دوسروں کو غلطی سے بچانے کی کوشش کی جائے گی اور اس کی بڑی ذمہ داری ان علماء حضرات پر ہے جو غلطیوں کو دیکھ کر دلوں میں اعتراضات کا پہاڑ قائم کر لیں۔ اور اس کام سے دور ہی دور رہیں۔ ان کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ اس کام کو اپنا کام تصور کرتے ہوئے پوری قوت کے ساتھ شرکت کریں اور کم علم وفہم بھائیوں سے جو غلطی ہو اس کو شفقت ومحبت کے ساتھ ان پر ترس کھاتے ہوئے ''الدین النصیحۃ'' کے پیش نظر بلطائف الحیل اصلاح فرمائیں وقت ملاقات اگر آپ زبانی تذکرہ فرماتے تو کچھ مزید عرض کرتا۔ والسلام

کوئی بات ناگوار خاطر گذرے تو معاف فرمائیں اس تحریر میں جو غلطی دیکھیں اصلاح فرمائیں اور مطلع فرمائیں شکر گذار رہوں گا۔ والسلام

احقر محمود عفی عنہ مدرسہ جامع العلوم کانپور

مفتی صاحب کے ۹ خطوط بہت مفصل مکاتیب محمودیہ کے نام سے مستقل رسالہ کی شکل میں بھی طبع ہو چکے ہیں جو رسالہ ''کیا تبلیغی کام ضروری ہے'' میں بھی طبع ہوئے ہیں، مکتوب ہذا ان نو مکاتیب میں سے آٹھواں ہے۔ اس کی تمہید میں ناشر نے لکھا ہے کہ مفتی صاحب کی شخصیت ان چند برگزیدہ ہستیوں میں سے ایک ہے جو ایام طالب علمی اور تبلیغ کے ابتدائی دور سے ہی کام میں دل چسپی اور حصہ لیتے رہے اور جہاں بھی رہے اپنے تعلیم وتدریس اور افتاء جیسے مشاغل کے ساتھ مرکز سے وابستہ رہے اور اسی کے زیر سایہ کام کرتے رہے اور اب بھی دارالعلوم دیوبند میں وقتاً فوقتاً طلبہ میں خطاب فرمایا کرتے ہیں، اور اس حیثیت سے بھی اور اس حیثیت سے کہ وہ ملک کے سب سے بڑے دینی ادارے کے صدر مفتی ہیں اور ان کے پاس تبلیغی جماعت سے متعلق بھی سوالات آتے رہتے ہیں جن کے جوابات ان کو دینے پڑتے ہیں ان خطوط کی صورت میں اس گرانقدر عطیہ پر بہت ہی مشکور وممنون ہیں۔ ''فجزاہ اللہ خیر الجزاء'' اس مجموعہ کے علاوہ مفتی صاحب کے دوسرے خطوط بھی متعدد رسائل میں شائع ہو چکے ہیں۔

مولانا حفظ الرحمٰن ناظم جمعیۃ علماء اسلام کی توثیق

(ہ) مولانا حفظ الرحمٰن صاحب ناظم عمومی علماء تبلیغی اسفار میں بہت کثرت سے شرکت کرتے تھے، مجھے بھی مولانا مرحوم کے ساتھ میوات کے بعض جلسوں میں شرکت کی نوبت آئی، لیکن ۴۷ء کے ہنگامے میں جتنی کثرت سے مولانا نے اجتماعات میں شرکت کی اس کا بیان سوانح یوسفی میں اس طرح لکھا ہے کہ "۴۷ء میں مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے اپنی مجاہدانہ زندگی اور دیرینہ تعلق احساس فرض کی صفت کا پوری طرح مظاہرہ کیا...... مولانا محمد یوسف صاحب اور ان کے ہمراہیوں کی خبر گیری شب و روز رکھی۔ مولانا محمد یوسف صاحب ہمیشہ ان کے اس احسان کا ذکر کرتے رہے کہ جب کہ سب کی ہمتیں چھوٹ چکی تھیں اور اپنے بھی پرائے ہو رہے تھے مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے اپنا ہاتھ بڑھایا اور اپنی جماعت بنا بنا کر جہاں یہ جماعت جانا چاہتی بھیجتے اور اس کی حفاظت کا سامان کرتے۔ جماعت جب بھی کسی جگہ کے لیے پروانۂ راہداری مانگتی تو باوجود یہ کہ مولانا انتہائی مشغول ہوتے لیکن پروانۂ راہداری فوراً لکھ دیتے کہ یہ جماعت ہماری جماعت ہے اس پرچہ کو لے کر جماعت جہاں بھی جانا چاہتی چلی جاتی۔ کہیں بھی پولیس مزاحم نہ ہوتی اس کے علاوہ خود مولانا اپنا وقت نکال کر گشت کرتے ہوئے نظام الدین کثرت سے جاتے......

بعض اوقات جماعت کی طرف سے امور پیش آتے جو مولانا کو الجھن میں ڈال دیتے لیکن کسی وقت بھی ہمدردی اور شفقت کا ہاتھ نہ اٹھاتے اپنے رویہ میں ادنیٰ سا فرق نہ آنے دیئے۔ مولانا محمد یوسف صاحب کا ایک خاص مزاج تھا۔ وہ کسی ایسے اجتماع یا جلسے میں شریک نہ ہوتے جو صرف سیاسی ہو یا جس میں شرکت کرنے سے تبلیغی کام پر اثر پڑے۔ اس نازک موقعہ پر ایسے کئی حالات پیش آئے۔ ایک مرتبہ میوات میں گھاسیڑہ کے مقام پر ہندو مسلمانوں کا حکومتی پیمانہ پر ایک جلسہ کیا گیا، جس میں گاندھی جی سردار پٹیل اور پنڈت نہرو بھی شریک تھے۔

چونکہ یہ میوات کا علاقہ تھا اور مولانا محمد یوسف صاحب سے تعلق رکھنے والے اس کے باشندے تھے اور وہی لوگ فساد سے زیادہ متاثر تھے۔ لیکن یہ جلسہ خالص سیاسی طرز کا تھا...... اس لیے اس جلسہ میں شرکت نہ کرنے کا ارادہ کر لیا، مولانا حفظ الرحمٰن صاحب اور مولانا احمد سعید صاحب

بستی نظام الدین تشریف لے گئے اور مولانا سے فرمایا کہ آپ بھی اس جلسہ میں شریک ہوں، لیکن مولانا نے ان حضرات کے احترام کو ملحوظ نظر رکھتے ہوئے اپنی عدم شرکت کا اظہار فرمادیا۔ مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے مولانا کے صریح انکار اور اپنی پوزیشن کی نزاکت کے باوجود کسی قسم کی ناراضگی یا بیزاری کا اظہار نہیں کیا اور آئندہ بھی کبھی اس ناگواری کو زبان پر نہ لائے۔ اور دبی زبان سے بھی کبھی ذکر نہ کیا بلکہ ہر آڑے وقت برابر جماعتوں کی ہر طرح مدد کی اور جو بھی رکاوٹیں پیش آئیں ان کو دور کیا، یہی وہ مولانا کا طرز عمل تھا جس نے مولانا محمد یوسف صاحب کے دل کو تشکر اور ممنونیت سے بھر دیا تھا۔ مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کا بھی وہ احسان ہے جس کو ہمیشہ یاد کیا گیا اور مرکز کے ہر بڑے چھوٹے نے اس کا کھلے دل سے اعتراف کیا۔ (سوانح یوسفی)

مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کی طرف سے ابتداء میں تو اپنی جماعت کے اندر بھی لیکن اب اپنی جماعت میں تو علی الاعلان یہ الزام نہیں رہا، لیکن مخالفین کا مکالمۃ الصدرین کی ایک عبارت کو بہت جلی قلموں سے شائع کرتے ہیں کہ اہل تبلیغ کو حکومت (انگریزوں) کی طرف سے روپے ملتے ہیں، اب تو وہ حکومت بھی نہیں رہی وہ دور بھی ختم ہوگیا۔ لیکن چونکہ اس عبارت سے اب بھی غلط فہمی پھیلاتے ہیں اس لیے مجھے مستقل نمبر پر جو ۱۳ نمبر میں آرہا ہے لکھنا پڑا۔ لوگ مولانا کی طرف نسبت کئے ہوئے جھوٹے الفاظ کو بہت کثرت سے شائع کرتے ہیں اور مولانا مرحوم کی مؤکد تردید کو جو مولانا نے "وَكَفىٰ بِاللّٰهِ شَهِيْدًا" کے ساتھ کی ہے نظر انداز کر دیتے ہیں۔ مولانا مرحوم نے تو ہمیشہ اس جماعت کو اپنی جماعت بیان کیا اور ۴۷ء کے ہنگامہ میں جہاں کہیں پروانۂ راہداری کی ضرورت پیش آئی یہی الفاظ کہ "یہ ہماری جماعت ہے" لکھ کر دیے۔

مفتی عزیز الرحمٰن بجنوریؒ

(و) مفتی عزیز الرحمٰن صاحب بجنوری نے تو مولانا یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ایک مستقل سوانح لکھی ہے جس میں اس کام کی اہمیت اس کے دینی منافع اور مولانا یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا علماء کے ساتھ احترام کا معاملہ اور ان کے واقعات بہت کثرت سے لکھے ہیں، وہ ایک جگہ لکھتے ہیں کہ:

"حضرت جی فرمایا کرتے ہیں کہ موجودہ مغربیت کا توڑ تبلیغی جماعتوں کی بے حد وحساب نقل وحرکت

اوران چھ نمبروں کی اشاعت پر ہے۔اس پر عاجز نے بہت سوچا بالآخر شرح صدر ہو گیا اوراب میں یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ دنیا و آخرت کی کامیابیاں ادھر ہیں۔ مجھے جملہ اکابر کی آراء نہ مقصود ہیں اور نہ تتبع وتلاش کی فرصت ہے، جن حضرات کی تبلیغ کے ساتھ اہمیت حافظہ میں محفوظ تھی وہ لکھوادیا ورنہ اگر تتبع کیا جائے تو علماء کرام اور اہل الرائے سینکڑوں نہیں ہزاروں ملیں گے جنہوں نے اس مبارک کام کو سمجھا، دیکھا اور اس کی اہمیت کو محسوس کیا۔اس کے خلاف اگر چند اکابر یا علماء اس کی مخالفت نہ کریں تو کوئی اشکال کی بات نہیں، دین کا کون سا کام ایسا ہے جس میں اختلاف نہیں ہے۔البتہ میرے ذہن میں پختہ ہے کہ جن حضرات نے مخالفت فرمائی ہے وہ صرف غیر محقق روایات پر مبنی ہے۔خود نظام الدین جا کر یا اجتماعات میں شرکت کر کے ملاحظہ کرنے کی نوبت نہیں آئی۔اسی لیے جب مجھ سے کوئی شخص کوئی اعتراض کیا کرتا ہے تو میرا پہلا سوال یہ ہوتا ہے کہ آپ نے نظام الدین میں کتنا قیام کیا اور اس مبارک کام میں کتنے چلے دیے تاکہ میں اندازہ کرسکوں کہ یہ آپ کی اپنی رائے ہے یا محض روایات پر مبنی ہے۔

ڈاکٹر ذاکر حسین مرحوم اور لندن کا پہلا گشت

(د) ڈاکٹر ذاکر حسین مرحوم صدر جمہوریہ ہونے سے پہلے بلکہ ۴۷ء کے ہنگامہ سے پہلے بہت کثرت سے نظام الدین تشریف لاتے تھے اور لندن میں جو سب سے پہلا تبلیغی گشت ہوا اس کی سرکردگی بھی ڈاکٹر صاحب ہی نے کی تھی کہ ڈاکٹر صاحب اپنی کسی ضرورت سے لندن گئے ہوئے تھے وہاں تبلیغی جماعت سب سے پہلے پہنچی چونکہ بہت پہلے سے اس جماعت سے واقف تھے، جامعہ ملیہ میں یہ جماعت کثرت سے جاتی رہتی تھی اس لیے ڈاکٹر صاحب نے لندن میں سب سے پہلا گشت اس جماعت کو کرایا۔ایک کتاب ہے ''بیس بڑے مسلمان'' اس میں ڈاکٹر صاحب کا ایک خط نقل کیا ہے، جس کا مضمون یہ ہے ''اس اہم کام (تبلیغ دین) کی انجام دہی کا جو نظم مولانا محمد الیاس صاحبؒ نے قائم فرمایا ہے اس کو دیکھنے اور سمجھنے کا موقعہ مجھے پچھلے دنوں نصیب ہوا اس کام کی سچی روح مجھے اس نظم میں کارفرما دکھائی دیتی ہے۔ایمان اور یقین بحث اور دلیل سے پیدا نہیں ہوتے کسی کو یہ دولت نصیب ہو تو دوسروں تک بھی اسے منتقل کر دیتا ہے اپنے دل کی آگ سے دوسروں کے سینے بھی گرماتا ہے اور

اپنے عمل کی بھی بے چینی سے بے عملوں کی عروق مردہ میں بھی خون زندگی دوڑا دیتا ہے۔ فقط

ڈاکٹر ذاکر حسین کے متعلق میں نے اپنے حافظہ سے لکھا تھا کہ لندن کا سب سے پہلا اجتماع ان کی سرکردگی میں ہوا، ایک دوست نے بتایا کہ سوانح یوسفی میں اس واقعہ کو بہت تفصیل سے لکھا ہے، اس میں لکھا ہے کہ حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے تعلق رکھنے والوں میں کئی ایسے اہل علم اور مغربی علوم سے واقف اور یورپ کے تمدن سے گہری واقفیت رکھنے والے حضرات تھے۔ ان میں سرفہرست ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب شیخ جامعہ ملیہ اور حال صدر جمہوریہ ہند ہیں۔ مدتوں سے یہ حضرات مولانا الیاس صاحب کی خدمت میں آتے جاتے تھے اور حضرت مرحوم سے گہرا تعلق ہو گیا تھا۔ اور اس تحریک کے مؤیدین میں سے تھے۔

۲۰ جنوری ۱۹۴۶ء میں ان ہی دو (ڈاکٹر ذاکر صاحب اور جناب راحت رضوی صاحب) کے ذریعہ لندن میں تبلیغ کا ابتدائی گشت شروع ہوا جو لوگ لندن کی ہماہمی سے واقف ہیں وہ بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اس ملک میں خالص دینی اور تبلیغی کام جب کہ اس میں گشت جیسے عمل کو ایک ضروری جزو قرار دیا گیا ہے کتنا مشکل اور نامانوس ہوگا، اس زمانہ میں ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب ایک تعلیمی کانفرنس میں لندن گئے ہوئے تھے۔ انہوں نے لندن میں اس گشت کا افتتاح کیا۔ چونکہ ڈاکٹر صاحب علمی دنیا میں ایک ممتاز درجہ رکھتے ہیں اور عالم گیر شہرت کے مالک ہیں اس لیے لندن کے رہنے والوں نے ادھر توجہ کی اس گشت کے امیر و قائد راحت رضوی صاحب لکھنوی ہوئے۔ یہ گشت بڑا مبارک ثابت ہوا اور اس سے مقامی کام کی ابتداء ہوئی۔

(اشکال نمبر ۱۱) تبلیغ میں جبر سے کام لیا جاتا ہے

ایک اعتراض یہ بھی کثرت سے کانوں میں پڑتا رہا کہ اہل تبلیغ لوگوں پر جبر کرتے ہیں اور زبردستی کرتے ہیں۔ میرا خیال یہ ہے کہ جبر و زبردستی میں اور اصرار و الحاح میں بہت فرق ہے عوام کے سمجھنے کی چیز تو نہیں مگر علماء کے سمجھنے کی چیز ضرور ہے کہ اکراہ کی کیا تعریف ہے۔ مجھے سینکڑوں نہیں ہزاروں جلسوں میں شرکت کی نوبت آئی۔ اصرار اور ترغیبیں تو بہت کثرت سے سننے میں آئیں۔ لیکن زبردستی کرتے تو میں نے دیکھا نہیں اور اصرار کو زبردستی کہنا مشکل ہے۔ حضرت دہلوی کا

ارشاد ہے کہ جن لوگوں کے حقوق خدمت تم پر ہیں اور جن کی اطاعت کرنا تمہارے لیے ضروری ہے ان کی خدمت وراحت کا انتظام کر کے اور ان کو مطمئن کر کے اس کام میں نکلو اور اپنا رویہ ایسا رکھو کہ تمہارے علم واصلاح کے ذوق میں ترقی دیکھ کر تمہارے سرپرست اس مشغلہ میں تمہارے لگنے سے نہ صرف یہ کہ مطمئن ہوں بلکہ خواہاں اور راغب ہو جائیں۔ (ملفوظات حضرت دہلویؒ)

حضرت دہلوی اپنے ایک ملفوظ میں ارشاد فرماتے ہیں: "اہل علم ایک سلسلہ یہ شروع فرما دیں کہ پہلے سے طے کر لیں کہ آئندہ جمعہ فلاں مسجد یا فلاں گاؤں میں پڑھنا ہے اور اپنے متعلقین کو بھی اس کی اطلاع دیدیں۔ وہاں پہنچ کر نماز سے پہلے تبلیغی گشت اور لوگوں کو آمادہ کر کے مسجد میں لائیں پھر تھوڑی دیر کے لیے انہیں روک کر دین کی اہمیت اور اس کے سیکھنے کی ضرورت ان کو سمجھا کر دین سیکھنے کے واسطے تبلیغی جماعتوں میں نکلنے کی دعوت دیں اور ان کو سمجھائیں کہ اس طریقہ پر وہ چند روز میں دین کا ضروری علم وعمل سیکھ سکتے ہیں۔ اگر اس دعوت پر تھوڑے تھوڑے آدمی بھی تیار ہو جائیں تو کسی مناسب جماعت کے ساتھ ان کے بھیجنے کا بندوبست کریں۔

حضرت دہلویؒ اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں" آپ لوگ خوب یقین فرمالیجئے کہ ہماری تحریک اور اسلامی تبلیغ نہ کسی کی دل آزاری کو پسند کرتی ہے اور نہ کسی فتنہ فساد کے الفاظ سننا چاہتی ہے۔ آپ لوگوں نے بدعتی کے لفظ سے بعض جگہ کے لوگوں کو یاد کیا ہے آئندہ سے ایسے الفاظ سے احتراز چاہیے۔ (طویل مکتوب)

مولانا محمد یوسف صاحب نے کارکنوں کے لیے ہدایات کا جو بہت طویل مکتوب لکھا ہے اس کے الفاظ یہ ہیں" مطالبہ اور تشکیل کے وقت محنت ساری دعوت کا مغز بنتی ہے۔ اگر مطالبوں پر جم کر محنت نہ ہوئی تو پھر کام کی باتیں رہ جائیں گی۔ اعذر کا دل جوئی اور غیب کے ساتھ حل بتائیں، صحابہ کی قربانیوں کے قصوں کی طرف اشارے کریں اور پھر آمادہ کریں۔ (سوانح یوسفی)

مولانا محمد یوسف صاحب اپنے ایک طویل مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں، کارکنوں کو تشکیل کی صورت میں لکھنے کے بعد...... اپنی دعوت میں تو چار ماہ کا مطالبہ رکھیں لیکن اس پر زور اتنا دیں جتنی لوگوں میں استعداد ہو اگر وہ اس دعوت کے بعد صرف ایک گھنٹہ روز کا بھی لگانے پر آمادہ ہو جائیں تو اس کی قدر کریں، اور اس وقت کو اتنا قیمتی بنائیں کہ اس کے سامنے اس

محنت کی قیمت اچھی طرح کھل جائے۔ (سوانح یوسفی عزیزی)

جبر بھی کسی حد تک جائز ہے

یہ تو نظام الدین کے حضرات کا عمل ہے لیکن میرے نزدیک اگر جبر بھی دین کے کاموں میں ہو تو اپنی استطاعت اور قدرت کے موافق کوئی مضائقہ نہیں۔ "لَا اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ" کافروں کے حق میں ہے کہ ان کو زبردستی تلوار کے زور سے مسلمان نہیں بنایا جا سکتا، لیکن مسلمان کے بارے میں حضور ﷺ کا پاک ارشاد ہے کہ "من رأى منكم منكراً فليغيره بيده" (الحدیث) مشہور ہے کہ اگر کوئی ناجائز بات ہوتے دیکھے اور قدرت ہو تو ہاتھ سے روکے اور ہاتھ سے قدرت نہ ہو تو زبان (ڈانٹ) سے روکے اور یہ بھی طاقت نہ ہو تو دل سے اس کا برا سمجھنا تو ایمان کا سب سے کم ترین درجہ ہے۔ حضور اقدس ﷺ کا پاک ارشاد ہے "مثلی کمثل رجل استوقد ناراً" (الحدیث) مشکوۃ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ میں ہے حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ میری مثال اس شخص کی ہے جس نے ایک آگ جلائی جب وہ خوب روشن ہوگئی تو اس کے اوپر پروانے وغیرہ گرنے لگے آگ میں جلنے لگے۔ اور آدمی ان پروانوں کو ہٹاتا ہے اور وہ پروانے اس شخص پر زبردستی گرتے ہیں اور آگ میں گھستے ہیں۔ پس اسی طرح میں بھی تمہاری کمریں پکڑ کر آگ سے ہٹاتا ہوں اور تم آگ میں گھسے جاتے ہو۔ یہ بخاری کی روایت ہے اور مسلم شریف کی روایت میں ہے کہ میں تم سے کہتا ہوں کہ آگ سے ہٹ جاؤ اور تم اس میں گھسے چلے جاتے ہو یہ تبلیغ والے حضور ﷺ کی اتباع میں لوگوں کو جہنم سے ہٹارہے ہیں۔ کھینچ رہے ہیں کیا بے نمازی اور بے دین جہنم میں نہیں گر رہے؟ کیا اسی کو زبردستی کہا جاتا ہے۔ حضرت حکیم الامۃ نور اللہ مرقدہٗ کا ارشاد ہے کہ ترک تبلیغ کے لیے محض ناگواری مخاطب عذر نہیں، حق تعالیٰ فرماتے ہیں: "اَفَنَضْرِبُ عَنْکُمُ الذِّکْرَ صَفْحاً اَنْ کُنْتُمْ قَوماً مُسْرِفِیْنَ" کیا ہم تم کو نصیحت کرنے سے پہلوتہی کریں گے کہ تم لوگ حد سے نکلنے والے ہو، حالاں کہ اللہ تعالیٰ کے ذمہ تو امر بالمروف واجب نہیں۔ وہ اس سے پاک ہیں کہ ان پر کوئی بات واجب ہو، بس یاد رکھئے کہ امر بالمعروف کے لیے عذر صرف یہ ہے کہ لحوق ضرر کا اندیشہ ہو اور ضرر بھی جسمانی محض فوت منفعت عذر نہیں۔ جو شخص خدا سے بیگانہ ہے اگر اس کو احکام

الٰہی کی تبلیغ ناگوار ہے تو ہماری جوتی سے، ہم تبلیغ سے کیوں رکیں بس ہم کو خدا پر نظر رکھنا چاہیے اور صرف اس کی رضا کا طالب ہونا چاہیے، چاہے تمام عالم ناراض ہو جائے۔ (انفاس عیسیٰ)

دوسری جگہ ارشاد ہے کہ اگر کوئی کہے کہ ہم کسی کو نصیحت کرتے ہیں تو وہ برا مانتا ہے ناک منہ چڑھاتا ہے اور ہمارے درپئے ایذا ہو جاتا ہے تو کیا پھر بھی ہم امر بالمعروف کریں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ آپ امر بالمعروف شروع کر دیں جب کام شروع کر کے گاڑی اٹکے گی اس وقت استفسار کر لینا ابھی سے اعذار کا حکم دریافت کرنے کا آپ کو حق نہیں، بلکہ اس وقت اعذار کا حکم دریافت کرنا گویا جان بچانے کی تدبیریں ڈھونڈنا ہے۔ (انفاس عیسیٰ)

ایک سالک پر حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا اصرار

حسن العزیز میں ایک دیہاتی کا طویل قصہ نقل کیا ہے کہ وہ حضرت کی خدمت میں بیعت کی نیت سے حاضر ہوا۔ حضرت نور اللہ مرقدہٗ نے اس کے حال کے اعتبار سے اس کو پندرہ دن قیام ضروری بتایا اس نے کہا کہ کھیتی باڑی کی وجہ سے نہیں رہ سکتا۔ حضرت نے پوچھا کہ کوئی اور بھائی وغیرہ بھی ہے، اس نے عرض کیا کہ ہیں اور اگر کچھ دن یہاں رہوں گا تو ناراض ہو جائیں گے۔ فرمایا کہ اب یہاں تو ناراض نہیں ہو رہے جب جاؤ گے تو اکٹھے ناراض ہو لیں گے، کم از کم پندرہ دن تو ٹھہرو تا کہ اتنے دن کا گھسا ہوا شیطان دل کے اندر سے نکلے اور اتنے دن بھی بہت کم ہیں ورنہ قاعدہ سے تو یہ چاہیے تھا کہ جتنے دن تک وہ شیطان دل میں گھسا ہوا رہا کم از کم اتنے دن تو اس کے نکلنے کے لیے چاہئیں۔ پھر اس نے مغرب کے بعد بیعت کی درخواست کی اور اصرار کیا، حضرت نے فرمایا کہ میں کہہ چکا ہوں کہ ابھی بیعت کی ضرورت نہیں اس پر اس نے بیچ میں کہہ دیا کہ میری حالت تو ایسی ہو گئی ہے نماز چھوڑنے کو جی چاہتا ہے، اس پر حضرت بہت برہم ہوئے اور دیر تک نہایت سختی کے ساتھ ڈانٹتے رہے کہ اچھا جنون ہے اگر ایسا ہی جنون ہے تو کبھی گوہ کھانے کو جی نہ چاہا ابھی سر پر لگ جائے تو دماغ روشن ہو جائے اپنے پاس سے دھکا دے کر نالائق پاجی کہہ کر اٹھا دیا۔

اگر تبلیغ والے یوں کہیں کہ جس گھر میں دو آدمی ہوں نمبروار ایک آدمی تبلیغ میں جاتا رہے دوسرا گھر کا کام کرتا رہے تو اس پر کیا الزام ہے رسالہ کے خاتمہ پر تکملہ میں حضرت حکیم الامۃ کے

ایک خلیفہ مولانا عبدالسلام کا تفصیلی قصہ آرہا ہے کہ حضرت حکیم الامۃ نے باوجود والد صاحب کی ناراضی کے جانے کی اجازت نہ دی، اگرچہ تبلیغ والے والد صاحب کی ناراضگی پر ان کو راضی کرنے کی تاکید کرتے ہیں اور یہ ناکارہ تو والد صاحب کی اجازت کے بغیر جانے کی اجازت ہی نہیں دیتا۔ اگرچہ میں تبلیغ کو اتنا ہی ضروری سمجھتا ہوں جتنا اصلاح نفس لیکن تبلیغ پر اعتراض کرنے والوں کو پہلے حکیم الامۃ پر اعتراض کرنا ہوگا کہ انہوں نے باپ کی ناراضی کی بھی پرواہ نہ کی۔

ایک شخص نے حضرت حکیم الامۃ قدس سرہٗ کی خدمت میں دو ماہ رہنے کی خواہش ظاہر کی کہ ایک بیوی دو بچے ایک میں چار آدمی ہیں، حضرت نور اللہ مرقدہٗ نے ان کو لکھا کہ کیا یہ ہوسکتا ہے کہ بیوی کو دو ماہ کے اس کے باپ کے گھر ان سب کی خوشی سے چھوڑ دیا جائے، اس طرح آسانی سے موقع مل سکتا ہے۔ (تربیت السالک)

اگر تبلیغ والے یہ کہیں کہ اپنی غیبت کے زمانے میں بیوی کو اس کے گھر چھوڑ دو تو وہ گردن زنی ہے، حقوق العباد کی پرواہ نہیں کرتے۔

صحت جسمانی سے صحت روحانی مقدم ہے

تربیت السالک میں ایک شخص نے اپنا طویل حال لکھا ہے کہ میں ڈیڑھ ہزار کا مقروض ہوں، میری آمدنی چمڑے کی تجارت ہے...... اب گذارش یہ ہے کہ آپ ضرور اجازت دیدیں کہ میں آٹھ دن کے لیے حاضر خدمت ہو جاؤں شاید اس آٹھ دن کی قلیل مدت میں میری حالت میں تغیر ہو جائے اور اگر قرض کا عذر مانع ہو تو میں یہ عرض کروں گا کہ اگر خدانخواستہ مجھ کو دفعتہً کوئی جسمانی مرض لاحق ہو جائے کہ جس کی وجہ سے علاج کرنا ضروری ہو جائے اور دہلی حکیم اجمل صاحب کی خدمت میں جانا پڑے تو پھر بجبوری سب خرچ برداشت کرنا پڑیں گے اور یہی کہا جائے گا کہ اگرچہ میں قرض دار ہوں قرض ادا کرنا تمام کاموں سے مقدم ہے لیکن جب صحت جسمانی ہی ٹھیک نہ ہوگی تو قرض ادا ہونا بھی غیر ممکن ہے اس لحاظ سے میرے خیال میں صحت جسمانی کی حفاظت زیادہ ضروری ہوگی۔

پس بالکل اسی ضرورت کو سمجھ کر میں اجازت حاضری آٹھ یوم کی چاہتا ہوں میرے خیال سے صحت جسمانی سے صحت روحانی زیادہ اہم اور ضروری ہے اور پھر جب کہ میری دنیا کا دارومدار بھی

اسی روحانی صحت پر موقوف ہے۔ مختصر گزارش یہ ہے کہ اگر مناسب ہو تو اجازت حاضری مرحمت فرمائی جائے۔ حضرت قدس سرہٗ کا مختصر جواب یہ ہے کہ آپ کی مجموعی حالت موجودہ میں آنے کی ممانعت نہیں۔

قرض برائے تبلیغ

اگر تبلیغ والے بھی کسی مقروض کو اس نہایت ہی اہم ضروری روحانی کام کے لیے نکلنے کی ترغیب دیں تو وہ مجرم کیوں؟ لوگ دنیوی لغویات کے لیے محض شادیوں میں نام ونمود کے لیے سودی روپے تک قرض لیتے ہیں اور باوجود بار بار کے سمجھانے، علماء کے روکنے کے کبھی بھی ان کو قرض یا سود کا خیال نہیں آتا، لیکن دینی کام کے لیے سوالات، استفتاء اور اعتراضات سب ہی کچھ ہوتے ہیں جو لوگ اپنے مقروض ہونے کا عذر کرتے ہیں۔

اگرچہ ناکارہ خود کبھی ایسے لوگوں کو جو مقروض ہوں یا قرض لے کر جائیں جانے کی اجازت نہیں دیتا تاوقتیکہ ادائیگی قرض کا کوئی اعتماد یا ذریعہ معلوم نہ ہو جائے، لیکن تبلیغی لوگوں پر اعتراض کرنے والوں سے یہ ضرور پوچھا کرتا ہوں کہ آپ نے کبھی کسی مقروض سے یہ بھی پوچھا کہ یہ قرضہ جو آپ کے ذمہ ہوا تبلیغ ہی میں جانے کی وجہ سے ہوا یا ناجائز رسومات ادا کرنے کے واسطے لیا تھا، میرے سینکڑوں خطوط میں ایسے لوگوں کو جانے کی ممانعت ملے گی۔ مگر میں جب لوگوں سے پوچھتا ہوں کہ آپ کے ذمہ جو قرض ہوا تھا وہ تبلیغی سفر کی وجہ سے ہوا تھا یا بیٹی کی شادی کی وجہ سے آپ نے محض لوگوں کے طعن و تشنیع کی وجہ سے شادی میں تو سود پر قرض لے لیا اس وقت کسی سے مسئلہ نہ پوچھا لیکن ایک دینی اہم کام کے سفر کے لیے آپ کو استفتاء کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ اس کا کوئی معقول جواب، مجھے اب تک نہ ملا۔

اپنے معاملات اللہ کے سپرد کر دو

حضرت حکیم الامۃ نور اللہ مرقدہٗ کی خدمت میں ایک صاحب نے بہت لمبا چوڑا خط لکھا، جس میں دین و دنیا دونوں کے متعلق پریشانیاں لکھی تھیں اور یہ بھی لکھا تھا کہ میں حاضری کا قصد بہت دنوں سے کرتا ہوں مگر ایسے واقعات پیش آجاتے ہیں کہ حاضر ہو ہی نہیں سکتا۔ اب حاضری کا مصمم ارادہ تھا مگر ایک مقدمہ میرے ایک عزیز نے دائر کر دیا مجبوراً آنہیں سکتا۔ حضرت

نے لکھا کہ میں دعا کرتا ہوں کہ پریشانیاں رفع ہوں اور یہاں آنا بہتر تھا، اگر صورت آنے کی نہ بھی ہوتو تدبیر لکھتا ہوں کہ اپنے معاملات اللہ کے سپرد کر دینا چاہیے وہ جو کریں اس میں راضی رہے۔ یہ بہترین تدبیر ہے کوئی کر کے تو دیکھے، پھر ارشاد فرمایا کہ آج کل لوگ ایسے جوابات کو خشک مضامین سے تعبیر کرتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ ہمیں مضامین (خشک) میں مزا نہیں آتا۔ میں کہتا ہوں کہ گوہ کے کیڑے کے نزدیک حلوائی کی ساری دکان بے فائدہ ہے، کیڑا کہنے لگے کہ یہ جولڈو اور پیڑے ہیں جو دکان میں رکھے ہیں بے فائدہ ہیں کیوں کہ میرے کام تو آتے نہیں۔ اور یوں کہے کہ گوبر وغیرہ اچھی چیز ہے تو اس کا یہ کہنا کیسا ہی ظاہر ہے کہ محض فضول ہے۔ (حسن العزیز)

حضرت حکیم الامۃ نور اللہ مرقدہٗ نے بھی تو یہی ارشاد فرمایا جو تبلیغ والے کہتے ہیں کہ اپنے سارے کام اللہ کے سپرد کر کے نکلو جن پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ جبر کرتے ہیں اعزار کو سنتے نہیں بجائے اس کے اس کی تحقیق کریں کہ تمہیں کوئی عذر تو نہیں اگر کوئی عذر کرے تو کہہ دیتے ہیں کہ اللہ کے سپرد کرو...... اگر میں یوں کہوں کہ یہ بھی حضرت دہلویؒ کے ارشاد پر عمل ہے کہ تعلیم حضرت تھانویؒ کی ہو اور طریق کار میرا تو اس کا کون انکار کرے گا۔ اس سب کے بعد ایک تجربہ میرا اور بھی ہے اور بہت تکلیف دہ ہے کہ بہت سے لوگ اپنی پریشانیوں سے گھبرا کر نظام الدین پہنچ جاتے ہیں اور وہاں از خود نام لکھواتے ہیں، اور جب گھر کے لوگ اور قرض خواہ اصرار کرتے ہیں تو تبلیغ کو آڑ بناتے ہیں کہ میں مجبور کر کے بھیج دیا گیا تاکہ گھر والوں سے نجات مل جائے، یہ سنی سنائی باتیں نہیں بلکہ میرے پاس اس قسم کے بلا مبالغہ پچاسوں خطوط آئے ہیں تو ہر خط کے جواب میں یہی لکھواتا ہوں کہ تمہارے جو حالات ہیں ان کے ہوتے ہوئے تبلیغ میں جانا ہرگز مناسب نہیں، اس رسالہ کے لکھوانے کے بعد طباعت سے پہلے کیرانہ کے ایک صاحب کا خط پہنچا ہے جو حسب ذیل ہے۔

ایک خط اور شیخ الحدیث رحمۃ اللہ کا جواب

قبلہ وکعبہ شیخ الحدیث مدظلہ العالی!

السلام علیکم! گذارش یہ ہے کہ حضرت والا دوکان میں نقصانات اور قرض ہونے کی وجہ سے اتنا پریشان ہوا ہوں کہ دوکان بھی چھوڑ دی اور قرض والوں کی وجہ سے جب انہوں نے

پریشان کیا تو گھر کو بھی چھوڑنا پڑا، اور میں پریشان ہو کر مرکز نظام الدین آ گیا اور بال بچے گھر پر چھوڑ آیا۔ لیکن ان کے پاس صرف پانچ روپے کے اور کچھ گھر پر نہ تھا اور میرے پاس بھی صرف سات روپے تھے۔ جو دہلی کرایہ لگ کر ختم ہو گیا۔ اور یہاں پر رہ کر اب آ گے تبلیغ میں نکلنے کے لیے کچھ پیسہ نہیں ہے۔ حضرت والا! آپ تجویز فرمائیں کہ میں کہیں تبلیغ میں جاؤں یا گھر پر جیسا آپ فرمائیں گے انشاء اللہ آپ کے حکم پر چلوں گا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ خدا قرض سے نجات دلائے۔ فقط والسلام

جواب از زکریاؒ

بعد سلام مسنون! آپ نے جو حالات لکھے ہیں ان کے لحاظ سے میرے نزدیک چلہ میں جانا ہرگز مناسب نہیں بلکہ گھر والوں کی معاشی خبر گیری اور قرض والوں کا قرض ادا کرنا بہت ضروری ہے۔ اگر آپ اپنے حالات کی وجہ سے کیرانہ میں قیام نہ کر سکتے ہوں تو قرب و جوار میں کہیں مزدوری یا ملازمت کی فکر کیجئے اور خود فاقہ کر کے اولاً گھر والوں کے معاش کا فکر کیجئے اور اس کے بعد قرض کی ادائیگی کا۔

فقط والسلام

۱۱/ربیع الثانی ۹۲ھ

اس قسم کے جیسا کہ پہلے لکھوا چکا ہوں پچاسوں خطوط آئے ہوں گے مگر مجھے ان کی کوئی اہمیت نہیں تھی اس لیے، جواب لکھوا کر چاک کر دیے۔ یہ خط عین وقت پر پہنچا۔ اس لیے لکھوا دیا، اگر تحقیق کی جائے کہ جن لوگوں پر تبلیغ والوں کا اصرار ہو گا ان کو میری طرف سے ممانعت ضرور ملے گی۔ دو سال قبل کیرانہ کے متعدد خطوط اس قسم کے آئے تھے، مگر معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے صرف تبلیغ والوں کے اصرار کا ذکر کیا میری ممانعت کا ذکر نہیں کیا۔ اگر ان لوگوں سے اب بھی تحقیق کی جائے تو میرے خطوط ان کے پاس ضرور ملیں گے مجھے دو چیزوں میں خاص تصلب ہے، ایک یہ کہ جن کے ذمہ حقوق العباد ہوں وہ مقدم ہیں، دوسرے یہ کہ جو کسی شیخ سے منسلک ہوں اور شیخ کی طرف سے ممانعت ہو وہ ہرگز بغیر اجازت کے شریک نہ ہوں، یہ مضمون اس رسالہ میں پہلے آ چکا ہے۔

(اشکال نمبر ۱۲) چلہ کہاں سے نکالا گیا ہے

ایک اعتراض قریب میں تو سننے میں نہیں آیا مگر پہلے کثرت سے آیا اور زیادہ تعجب

یہ ہے کہ بعض اہل علم کی طرف سے بھی یہ اشکال کان میں پڑا۔ جس سے زیادہ حیرت ہے کہ یہ چلہ تبلیغ والوں نے کہاں سے نکالا اور اس کی اصل کیا ہے؟ حالاں کہ چلہ کی اصل قرآن پاک میں بھی ہے حدیث میں بھی ہے۔ قرآن پاک کا ارشاد ہے: "وَوٰعَدْنَا مُوسٰی ثَلٰثِیْنَ لَیْلَةً وَّاَتْمَمْنٰھَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِیْقَاتُ رَبِّہٖٓ اَرْبَعِیْنَ لَیْلَةً" حضرت حکیم الامۃ نور اللہ مرقدہٗ نے تفسیر بیان القرآن میں اس آیت شریفہ کو مشائخ کے چلوں کی اصل فرمایا ہے۔

چنانچہ تحریر فرماتے ہیں۔ "وفیہ اصل الاربعین المعتاد عندالمشائخ الذی یشاھدون البرکات فیھا اھ" یعنی آیت شریفہ صوفیہ کے چلوں کی اصل ہے جس میں وہ حضرات بہت سی برکات کا مشاہدہ کرتے ہیں، حضرت شیخ الہند نور اللہ مرقدہٗ کے ترجمہ کے فوائد میں لکھا ہے کہ جب بنی اسرائیل کو طرح طرح کی پریشانیوں سے اطمینان نصیب ہوا تو انہوں نے موسیٰؑ سے درخواست کی کہ اب ہمارے لیے کوئی آسمانی شریعت لایئے جس پر ہم دل جمعی کے ساتھ عمل کر کے دکھلائیں۔ موسیٰؑ نے ان کا معروضہ بارگاہ الٰہی میں پیش کر دیا خدا تعالیٰ نے ان سے کم از کم تیس دن اور زیادہ سے زیادہ چالیس دن کا وعدہ فرمایا کہ جب اتنی مدت تم پے در پے روزے رکھو گے اور کوہ طور پر معتکف رہو گے تم کو تورات شریف عنایت کی جائیگی۔ چالیس دن کی معیاد پوری ہو جانے پر حق تعالیٰ نے موسیٰؑ کو کسی مخصوص و ممتاز رنگ میں شرف کا مکالمہ بخشا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہٗ کی مشہور حدیث ہے جس کو صاحب مشکوٰۃ نے بخاری اور مسلم دونوں سے نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے رسول اللہ ﷺ نے جو الصادق المصدوق ہیں ارشاد فرمایا کہ آدمی کی ابتدائی خلقت ماں کے رحم میں چالیس دن تو نطفہ رہتی ہے اور پھر چالیس دن تک خون کا لوتھڑا رہتا ہے پھر چالیس دن تک وہ بوٹی بنا رہتا ہے، اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ تغیر حالت میں چالیس دن کو خاص دخل ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص چالیس دن اخلاص کے ساتھ ایسی طرح نماز پڑھے کہ تکبیر اولیٰ فوت نہ ہو تو اس کو دو پروانے ملتے ہیں، ایک پروانہ جہنم سے چھٹکارے کا دوسرا نفاق سے بری ہونے کا۔

دوسری حدیث میں ہے جو شخص چالیس دن کسی مسجد میں نماز پڑھے کہ رکعت اولیٰ فوت نہ ہو اس کو جہنم سے آزادی مل جاتی ہے۔ (فضائل نماز)

جمالِ انور

تذکرہ و سوانح

علامہ انور شاہ کشمیریؒ

تالیف

مولانا عبدالقیوم حقانی

القاسم اکیڈمی جامعہ ابوہریرہ

برانچ پوسٹ آفس خالق آباد ضلع نوشہرہ

تذکرہ وسوانح برائے تبصرہ وتعارف

علامہ انور شاہ کشمیریؒ

مولانا عبدالقیوم حقانی

سلسلۂ نسب، ولادت، تحصیل وتکمیل علم، تذکرۃ الاساتذہ، تدریسی عظمت و خصوصیات، بے مثال علمی تبحر، حیرت انگیز محیر العقول یادداشتیں، طالبانِ علوم نبوت پر شفقت وتربیت، بے تکلفی وظرافت، محدثانہ مباحث کے نادر نمونے، ذوقِ شعر و ادب، افادات کے شہ پارے، حسنِ سیرت کا مرقع، اتباعِ سنت، خودداری اور استغناء، سلوک وتصوف، عبدیت وانابت، عشقِ رسول ﷺ اور قادیانیت کا تعاقب اور دو تاریخی دستاویزات کا تذکرہ ....

القاسم اکیڈمی جامعہ ابوہریرہ

برانچ پوسٹ آفس خالق آباد نوشہرہ سرحد پاکستان

فون نمبر 0923-630237 .... فیکس : 0923-630094

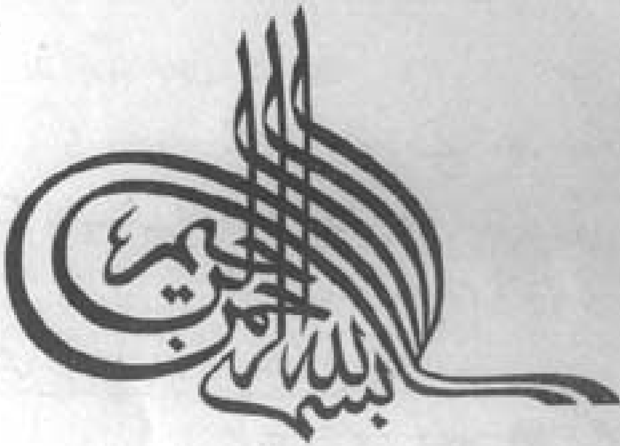
نام کتاب	تذکرہ وسوانح علامہ انور شاہ کشمیریؒ
تالیف	مولانا عبدالقیوم حقانی
کمپوزنگ	جان محمد جانؔ رُکن القاسم اکیڈمی
ضخامت	298 صفحات
تعداد	1000
تاریخ طباعت	رمضان المبارک ۱۴۲۷ھ / اکتوبر 2006ء
ناشر	القاسم اکیڈمی' جامعہ ابوہریرہ

برانچ پوسٹ آفس 'خالق آباد 'نوشہرہ، سرحد، پاکستان

ملنے کے پتے

- ☆ صدیقی ٹرسٹ 'صدیقی ہاؤس المنظر اپارٹمنٹس 458 گارڈن ایسٹ، نزد لسبیلہ چوک کراچی
- ☆ مولانا سید محمد حقانی ' مدرس جامعہ ابو ہریرہ ،خالق آباد، ضلع نوشہرہ
- ☆ کتب خانہ رشیدیہ ' مدینہ کلاتھ مارکیٹ ' راجہ بازار ' راولپنڈی
- ☆ مکتبہ سید احمد شہید ' ۱۰ الکریم مارکیٹ ' اردو بازار ' لاہور
- ☆ مکتبہ بخاری صابری مسجد گلستان کالونی مرزا آدم خان روڈ لیاری کراچی
- ☆ مولانا خلیل الرحمن راشدی صاحب 'جامعہ ابوہریرہ چتوں موم ضلع سیالکوٹ

اس کے علاوہ اکوڑہ خٹک اور پشاور کے ہر کتب خانہ میں یہ کتاب دستیاب ہے



شورش کاشمیریؒ

کا

منظوم خراجِ عقیدت

غاشیہ بردار دربار رسول اللہ ﷺ کا
ماضیٔ مرحوم کے اعجاز دکھلاتا رہا
آدمی کے رُوپ میں قدرت کا روشن معجزہ
علم کی ہیبت سے رزم و بزم پر چھاتا رہا
سادگی میں عہدِ اولیٰ کے صحابہؓ کی مثال
سیرتِ پیغمبرِ کونین ﷺ سمجھاتا رہا
یہ جہاں فانی ہے کوئی چیز لافانی نہیں!
پھر بھی اس دنیا میں انور شاہؒ کا ثانی نہیں

فہرستِ ابواب

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

فہرستِ مضامین

سوانح حضرت علامہ مولانا انور شاہ کشمیریؒ

مقدمہ

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ

*

حضرت الاستاذ الاکبر علامہ سید محمد انور شاہ صاحب کشمیری قدس سرہٗ شیخ الحدیث دار العلوم دیوبند کی مبارک ہستی نہ کسی تعارف کی محتاج ہے نہ کسی تاریخ کی دستِ نگر، ان کی حقیقی تاریخ ایک پیروں چلتی تاریخ ہے جو ان کے تلامذہ اور مآثر علمی کی صورت میں ہمہ وقت دائر و سائر نمایاں اور چشم دید رہتی ہے۔ اس اُمتِ مرحومہ میں لاکھوں علماء و فضلاء پیدا ہوئے اور اپنے نورانی آثار دنیا کے لئے چھوڑ گئے، لیکن ایسی ہستیاں معدودے چند ہیں، جن کا فیض عالمگیر اور محبوبیت عام قلوب کی امانت ہو اور جن کے علم کے ساتھ ساتھ عمل سے بھی اُمت نے استفادہ کیا ہو۔ حضرت امام العصر علامہ انور شاہ صاحبؒ کی ہستی انہیں مبارک اور معدودے چند ہستیوں میں سے ایک ممتاز ہستی ہے جو صدیوں میں پیدا ہوتی ہیں اور صدیوں کو علم و فضل سے رنگین کر جاتی ہیں۔ حضرتؒ کا علم اگر متقدمین کی یاد تازہ کرتا تھا تو ان کا عمل سلفِ صالحین کو زندہ کئے ہوئے تھا اور اسوۂ سلف کے لئے نمونہ ساز تھا۔

علم حافظہ، تقویٰ و طہارت اور زہد و قناعت مثالی تھی۔ علمی حیثیت سے ہم تلامذہ انہیں چلتا پھرتا کتب خانہ کہا کرتے تھے اور عملی حیثیت جو ہمہ جہت اتباع سنت کے نور میں ڈھلا ہوا تھا، اکثر و بیشتر ان کے عمل ہی سے مسائل معلوم کر لیتے تھے اور مسئلہ وہی نکلتا جو ان

کا عمل ہوتا تھا۔ ان کے روشن چہرہ پر ایمان کی چمک اس طرح نمایاں تھی کہ غیر مسلم بھی دیکھ کر یہ کہنے پر مجبور ہو جاتے تھے کہ اگر اسلام مجسم صورت میں آتا تو وہ علامہ انور شاہ کی صورت میں ہوتا۔ ہمارے شیخ و مربی حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ فرماتے تھے کہ :

"ہمارے زمانے میں مولانا انور شاہ صاحبؒ کا وجود اسلام کی حقانیت کی دلیل ہے"۔

آج سے ستر اسی سال قبل جبکہ حضرت الاستاذ قبلہ شاہ صاحبؒ جوان عمر تھے، مظفر نگر کے ایک جلسۂ مناظرہ میں جو مسلمانوں اور آریوں کے درمیان ہوا تھا، حضرت علامہ مرحوم بھی دار العلوم دیوبند کی طرف سے اپنے استاذ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب قدس سرہ کے ساتھ شرکتِ جلسہ کے لئے تشریف لے گئے اور اسٹیج پر تشریف فرما تھے تو آریہ مبلغ نے کھلے لفظوں میں کہا تھا کہ اگر کسی کی صورت دیکھ کر اسلام قبول کیا جاتا تو آج بھی مولانا انور شاہ کشمیریؒ کی صورت دیکھ کر مسلمان ہو جانا چاہئے تھا، جن کے چہرے پر ہی اسلام برستا ہوا دکھائی دیتا ہے، درسِ حدیث کے لئے جب حضرت شاہ صاحبؒ اپنے قیام کے کمرے سے درسگاہ کی طرف چلتے ہوئے نظر آتے تو ہم لوگوں میں ایک دوسرے کو آمد کی اطلاع دینے کے لئے بے ساختہ جو کلمہ زبان زد تھا وہ یہ تھا کہ "جاء الشيخ الثقة الامين" جو درحقیقت ان کے ظاہری و باطنی کمالات کی وجہ سے خود بخود قلوب میں وضع ہو گیا تھا۔ درس میں اس وقار سے بیٹھتے جیسے کوئی پُر رعب و ہیبت بادشاہ اپنی رعایا کے سامنے تخت نشین ہو۔ کلام نہایت باعظمت، متین اور علمی مواد سے لبریز ہوتا اور نقل و رواۃ کی قسم سے جو بھی دعویٰ فرماتے، اسی وقت کتب متعلقہ کھول کر اس کی عبارت سامنے کر دیتے۔ کتب حدیث کا ڈھیر خصوصیت سے سامنے رکھا ہوا ہوتا تھا۔ درس میں تبحر اور تفقہ دونوں یکساں چلتے تھے۔ درسِ حدیث فقط فنِ حدیث تک محدود نہ تھا بلکہ جمیع علوم و فنون کے حقائق

پر مشتمل تھا۔ میں خود حضرتؒ کی تقریر قلمبند کرتا تھا۔ اپنی کاپی کی طوالت عنوانات سے بچانے کے لئے تقریباً سات کالموں میں تقسیم کر رکھا تھا اور ہر کالم پر عنوانات کے عنوان دیئے ہوئے تھے، جیسے فنِ صرف و نحو، فنِ معانی و بلاغت، فنِ تفسیر و حدیث، فنِ فقہ و اصول فقہ، فنِ منطق و فلسفہ اور فنِ ہیئت اور فنِ تاریخ وغیرہ کیونکہ اہم مسائل میں ان فنون کے مسائل تقریباً ہر روز آتے تھے جو مسئلہ جس فن کا ہوتا کہ میں اسی کالم میں اس کا اندراج کر لیتا اور درس سے اٹھ کر یہ معلوم ہوتا کہ ہم لوگ صرف حدیث ہی پڑھ کر نہیں آئے ہیں، بلکہ جمیع فنون متداولہ کا درس لے کر آ رہے ہیں ....

لیس علی اللہ بمستنکر ان یجمع العالم فی واحد

روئیداد دار العلوم میں حضرت شاہ صاحبؒ کے بارے میں لکھا ہے کہ :

"حضرت شاہ صاحب کشمیر کے ایک ممتاز علمی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کے والد بزرگوار مولانا سید معظم شاہ صاحب ایک جید عالم دین اور عارف کامل تھے۔ حضرت شاہ صاحب بچپن ہی سے غیر معمولی ذہانت و ذکاوت اور بے مثل قوتِ حافظہ کے مالک تھے۔ آپ ۱۳۱۰ھ/ ۱۸۸۳ء میں دیوبند تشریف لائے۔ حضرت شیخ الہندؒ مسند صدارت پر متمکن تھے۔ استاد نے شاگرد کو اور شاگرد نے استاد کو پہلی ہی ملاقات میں پہچان لیا۔ تفسیر و حدیث کی کتابیں شروع کیں اور چند ہی سال میں دار العلوم میں شہرت و مقبولیت کے ساتھ ایک امتیازی شان حاصل کر لی۔ ۱۳۱۴ھ میں دار العلوم دیوبند سے فارغ التحصیل ہو کر آپ حضرت گنگوہی قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سند حدیث کے علاوہ باطنی فیض سے بھی مستفیض ہوئے اور خلافت حاصل کی۔ دار العلوم سے فراغت کے بعد آپ نے مدرسہ امینیہ دہلی میں فرائضِ تدریسی انجام دیئے، پھر حج بیت اللہ کے لئے تشریف لے گئے اور ۱۳۲۷ھ سے دار العلوم دیوبند میں درس و تدریس کی خدمت انجام دینے لگے اور حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحبؒ کے خصوصی مہمان کی حیثیت سے رہے۔

۱۳۳۳ھ/ ۱۹۱۵ء کے اواخر میں جب حضرت شیخ الہندؒ نے سفر حجاز کا قصد کیا تو اپنی جانشینی کا فخر حضرت شاہ صاحبؒ کو بخشا۔ دارالعلوم کی مسند صدارت حدیث پر تقریباً ۱۲ سال تک آپ جلوہ افروز رہے۔ ۱۳۴۶ھ/ ۱۹۲۷ء کے اوائل میں اہتمام دارالعلوم سے بعض اختلافات کے باعث آپ فرائض صدارت سے دست کش ہو کر جنوبی ہند کے مدرسہ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں تشریف لے گئے اور ۱۳۵۱ھ/ ۱۹۳۲ء تک وہاں درس حدیث کا مشغلہ جاری رہا۔ قدرت کی جانب سے آپ کو حافظہ ایسا عدیم النظیر بخشا گیا تھا۔ ایک مرتبہ دیکھی ہوئی کتاب کے مضامین و مطالب تو درکنار عبارتیں تک مع صفحات و سطور کے یاد رہتیں اور دوران تقریر میں بے تکلف حوالے دیتے چلے جاتے تھے۔ اس کے ساتھ مطالعے کا اس قدر شوق تھا کہ جو علوم کے خزانے ان کے دامن جستجو کی وسعتوں کو مطمئن اور تشنگی علم کو سیراب نہ کر سکتے تھے، کثرتِ مطالعہ اور قوتِ حافظہ کے باعث گویا ایک متحرک و متکلم کتب خانہ تھے۔

صحاح ستہ کے علاوہ حدیث کی اکثر کتابیں تقریباً بر نوک زبان تھیں۔ تحقیق طلب مسائل میں جن کی جستجو اور تحقیق میں عمریں گزر جاتی ہیں، مسائل کے استفسار پر چند لمحوں میں اس قدر جامعیت کے ساتھ جواب دیتے تھے کہ اس موضوع پر سائل کو نہ تو شبہ باقی رہتا تھا اور نہ کتاب دیکھنے کی ضرورت، پھر مزید لطف یہ کہ کتابوں کے ناموں کے ساتھ صفحات و سطور تک کا حوالہ بھی بتلا دیا جاتا تھا۔ وہ ہر ایک علم و فن پر اسی طرح برجستگی کے ساتھ تقریر فرماتے تھے کہ گویا ان کو یہ تمام علوم مستحضر ہیں اور ابھی ابھی ان کا مطالعہ کیا ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ کے علمی ذوق کا طبیعت پر اس قدر غلبہ تھا کہ عرصے تک نکاح اور متاہلانہ زندگی سے گھبراتے رہے، مگر بالآخر بزرگوں کے شدید اصرار سے ۴۳ سال کی عمر میں متاہلانہ زندگی اختیار فرمائی تھی اور اس کے بعد تنخواہ لینے لگے تھے۔ ڈابھیل چند سال

قیام فرمانے کے بعد آخر میں امراض کی شدت سے مجبور ہو کر دیوبند جس کو آپ نے اپنا وطن اقامت بنا لیا تھا، چلے آئے اور یہیں ۳ صفر المظفر ۱۳۵۲ھ/ ۱۹۳۳ء کو تقریباً ۶۰ سال کی عمر میں رحلت فرمائی۔ مزار مبارک عیدگاہ دیوبند کے قریب ہے۔ حضرت شاہ صاحب نے اپنے دور صدارت تدریس میں ہزار سے زائد طلبا کو درس حدیث پڑھایا جن میں ممتاز تلامذہ کے اسماء گرامی یہ ہیں:

حضرت مولانا مفتی شفیع دیوبندیؒ، حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ، مولانا سید بدر عالم میرٹھیؒ، مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ، مولانا حفظ الرحمان سیوہارویؒ، مولانا مفتی عتیق الرحمان عثمانیؒ، مولانا مفتی محمد حسن امرتسریؒ، مولانا شبیر علی تھانویؒ، مولانا عبدالرحمان کاملپوریؒ، مولانا محمد یوسف بنوریؒ، مولانا محمد انوریؒ، حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ، مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ، مولانا سیدؒ، مولانا سعید احمد اکبر آبادیؒ، مولانا محمد منظور نعمانیؒ، مولانا محمد میاں دیوبندیؒ اور مولانا مفتی محمد نعیم لدھیانویؒ وغیرہ۔

مختصر یہ کہ حضرت شاہ صاحبؒ دارالعلوم دیوبند کے صدر المدرسین حضرت شیخ الہندؒ کے مخصوص تلامذہ میں سے تھے۔ تمام علوم معقولات و منقولات میں کامل دستگاہ رکھتے تھے اور قوت حافظہ میں یگانہ روزگار تھے۔ کئی مشہور محققانہ کتابوں کے مصنف تھے۔ ان کا درس حدیث اپنے دور کا مشہور درس تھا جو ایک خاص امتیازی طرز لئے ہوئے تھا۔ آپ کے تبحر علمی نے درس حدیث کو جامع علوم و فنون بنا دیا تھا اور آپ کے درس نے نقل و روایت کی راہ سے آنے والے فتنوں کے لئے آنے کی گنجائش نہیں چھوڑی تھی۔ آج بھی نمایاں اور ممتاز علماء اور صاحب طرز فضلاء زیادہ تر آپ ہی کے تلامذہ ہیں جو ہند و پاک میں علمی مسندوں کو آراستہ کئے ہوئے ہیں۔ آپ کے یہاں رد قادیانیت کا خاص اہتمام تھا اور اس فتنہ کو اعظم الفتن شمار کرتے تھے۔ اس سلسلہ میں کئی معرکۃ الآراء کتابیں خود بھی تصنیف

فرمائیں اور بڑے اہتمام کے ساتھ اپنے تلامذہ سے بھی لکھوائیں۔ اس بارے میں بڑے شغف کے ساتھ لکھنے والوں کو علمی مدد دیتے تھے۔

حضرت مولانا مفتی شفیع صاحبؒ، حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ اور حضرت مولانا سید بدرِ عالم صاحب میرٹھی مہاجر مدنیؒ نے خصوصیت سے حضرت شاہ صاحبؒ کی ردِ قادیانیت تحریک میں عملی حصہ لیا اور تحریر و تقریر کے ذریعے اس فتنہ کی سرکوبی کے لئے سرگرمی سے کام کرتے رہے۔

الغرض حضرت شاہ صاحبؒ کی آخری زندگی تردیدِ قادیانیت میں صرف ہوئی اور انہیں کامل شغف اس فتنہ کبریٰ کے استیصال سے رہا، جس سے حضرت شاہ صاحب مرحوم کا بغض فی اللہ نمایاں ہو جاتا ہے، جو محبت حضرت خاتم الانبیاء والمرسلین ﷺ کا ایک واضح نشان اور ورثہ انبیاء کی کھلی دلیل ہے۔

حضرتؒ کے اس سلسلہ کے مضامین و مقالات جن کا تعلق تردیدِ قادیانیت سے ہے، خصوصاً مقدمہ بہاولپور میں انہوں نے کئی روز مسلسل ردّ قادیانیت اور قادیانیوں کے کفر کے اثبات میں جو نہایت پُر مغز اور علمی بیانات کے اہم اقتباسات حضرت شاہ صاحبؒ کے صاحبزادے مولانا سید انظر شاہ صاحب نے اپنی تالیف ''نقشِ دوام'' میں جمع کر دیئے ہیں (جنہیں پیش نظر کتاب میں بھی نقل کر دیا گیا ہے) جن سے قادیانیت کے متعلق اکابرِ دارالعلوم دیوبند کا نقطۂ نظر مدلل طور پر سامنے آ گیا ہے اور ساتھ ہی متعلقہ علوم اور اُصول و مقاصد دین بھی واشگاف ہو گئے ہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

حرفِ آغاز

الحمد لحضرة الجلالة و الصلوٰة و السلام علیٰ خاتم الرسالة .

القاسم اکیڈمی اور خود مجھ ناکارہ کی خوش بختی ہے کہ ربِّ ذوالجلال نے اکابرؒ کی سوانحات کی اشاعت کی توفیق بخشی۔ سوانح شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ، سوانح قائد ملت حضرت مولانا مفتی محمودؒ، سوانح مجاہد ملت حضرت مولانا غلام غوث ہزارویؒ، سوانح مولانا محمد احمدؒ اور سوانح مولانا محمد یوسف بنوریؒ (جمالِ یوسف) سوانح شیخ العرب والعجم مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے بعد فخر المحدثین حضرت الامام مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ کی تابناک زندگی کا یادگار مرقّع اور ہماری تاریخ کا سنہری ورق اس وقت قارئین کے ہاتھوں میں ہے۔ فنِ سوانح نگاری دوسرے فنون کی طرح آج کل بہت ترقی اور عروج پر ہے اور اہل قلم جو اس فن میں مرتبۂ اختصاص رکھتے ہیں، اس کے نوک پلک خاصے درست کر چکے ہیں۔ یہ فن جس قدر مقبول اور قابلِ قدر ہے اس قدر نازک بھی ہے۔ مسلمان سوانح نگاروں نے ہمیشہ صاحبِ سوانح کے سبق آموز اور کردار ساز مواد کو جمع کر کے قوم کے سامنے پیش کیا ہے، جبکہ یورپ کے سوانح نگاروں نے حقیقت نگاری کے نام سے ہمیشہ صاحبِ سوانح کی کردار کشی اور بدنما نمونے پیش کرنے کی روایت ڈالی ہے۔

قارئین کی اکثریت ان شخصیتوں سے جن کے حالات، واقعات مطالعہ میں لانا چاہتی ہے، بذاتِ خود متعارف نہیں ہوتی بلکہ اس کے مرتبہ یقین کا زیادہ تر اعتماد سوانح نگار

کی سوانح نگاری پر ہوتا ہے۔ وہ ان ہی رنگوں سے متاثر ہوتی ہے جو وقائع نگار کے قلم سے ان کی زندگی کے نقشوں میں بھر دیے جاتے ہیں۔

اس لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ صاحب سوانح کی زندگی کے روشن پہلو سامنے لائے جائیں تاکہ لوگ ان کی سیرت وکردار، اخلاص وللٰہیت، عشق رسول واتباع سنت، ذوق عبادت وانابت اور بنی نوع انسان سے محبت کی روشنی سے استفادہ کرکے اپنی زندگیوں میں بھی ان اوصاف حمیدہ کے چراغ روشن کرسکیں۔

حضرت الامام مولانا محمد انور شاہ رحمۃ اللہ علیہ بھی ہماری تاریخ کے ایسے ہی روشن چراغ تھے جو اپنے علم وعمل، اخلاق وکردار، خداپرستی اور خدمت خلق کے حوالے سے انسانیت کا اعلیٰ نمونہ تھے۔ حضرت امام کشمیریؒ وہ شخصیت تھے کہ جن کے علم کے ساتھ ساتھ عمل سے بھی اُمت نے استفادہ کیا۔ حضرت امام کشمیریؒ کی عظمتوں کے بے شمار گوشے ہیں، لیکن مجھ گناہگار نے ان کی سوانح نگاری اس معنیٰ میں نہیں کی کہ ان کی پوری زندگی کے سارے گوشے بیان کرنا مقصود ہو بلکہ ہمارا ہدف تو ہمیشہ سے یہی رہا ہے کہ اکابر واسلاف کے کردار کی تابنا کی کو درخشاں اور نمایاں کرنا چاہئے اور آج بھی ہمارا مقصد یہی ہے۔

پیش نظر سوانح میں بھی آپ کو حضرت امام کشمیریؒ کی زندگی کے اُجلے اور روشن نقوش نظر آئیں گے۔ بارگاہ رب ذوالجلال میں دعا ہے کہ اے بار الٰہ ! ہمیں حضرت امام کشمیریؒ کی فکر، اعمال، کردار اور ان کے مشن کو اُجاگر کرنے کی توفیق عطا فرما، ہمارے دلوں میں صاحب سوانح کی پیروی اور نقش قدم پر چلنے کا عزم، اشتیاق اور ہمت پیدا فرما، ہمیں اپنی کمزوریوں کا احساس اور عمل نافع کا شوق عطا فرمایا۔

عبدالقیوم حقانی

صدر القاسم اکیڈمی جامعہ ابو ہریرہ برانچ پوسٹ آفس خالق آباد نوشہرہ

شعبان ۱۴۲۶ھ/ ستمبر 2006ء

باب : ۱

سلسلۂ نسب، والدین، ولادت، تحصیل علم، تعلیم وتربیت، تذکرۃ الاساتذہ، دارالعلوم دیوبند میں کسب فیض اور تدریسی آغاز کار

سلسلۂ نسب :

فخر المحدثین محدث کبیر حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ خاندانی سید تھے۔ آپ کے آباء و اجداد تقریباً ڈھائی سو سال قبل بغداد سے ہجرت کر کے ملتان سے ہوتے ہوئے کشمیر آ کر آباد ہوئے۔ آپ کا پورا سلسلہ اولیاء اللہ اور کاملین سے سرفراز ہے۔ خصوصاً شاہ فتح اللہ اور شاہ مسعود نروری کے مزارات آج بھی کشمیر میں مرجع خاص و عام ہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ کا سلسلۂ نسب چند واسطوں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جا ملتا ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے خود اپنی بعض تصانیف میں اپنا سلسلۂ نسب یوں تحریر فرمایا ہے :

محمد انور شاہ بن محمد معظم شاہ بن عبد الکبیر بن عبد الخالق بن پیر اکبر بن پیر حیدر بن عارف باللہ بن بابا علی بن شیخ عبد اللہ بن شیخ مسعود کشمیری۔

والدین :

حضرت شاہ صاحبؒ کے والد حضرت مولانا محمد معظم شاہ بڑے متبحر عالمِ دین تھے۔ سہروردیہ سلسلہ میں مجاز طریقت تھے۔ ہزاروں کشمیریوں نے ان کے دست حق پرست پر بیعت کی، ایک سو پندرہ سال کی طویل عمر پائی۔

حضرت شاہ صاحبؒ کی والدہ محترمہ بھی سیدہ تھیں۔ گویا آپ طرفین سے سید النسل تھے۔ بعض علماءِ کرام نے لکھا ہے کہ اگر ننھیال سادات سے ہو تو اس کی جانب

انتساب کرتے ہوئے خود کو سید کہنا ولکھنا جائز ہے۔ آپ کی والدہ محترمہ کا نام "بی بی مال دیدی" تھا۔ کشمیری زبان میں "مال" کے معنی پہاڑ کی اونچی چوٹی ہے اور دیدی کا لفظ کشمیری زبان میں عزت واحترام کا مفہوم ادا کرنے کے لئے بولا جاتا ہے۔ گویا "مال دیدی" کا مفہوم ہے پہاڑ کی اونچی چوٹی کی طرح بلند رتبہ خاتون۔ آپ کی والدہ محترمہ پیر سیف اللہ شاہ کی دختر تھیں، چند پشتیں اوپر جا کر آپ کی والدہ کا سلسلہ نسب بھی حضرت شیخ مسعود شاہ کشمیریؒ سے جا ملتا ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ کی والدہ محترمہ بچپن ہی سے صوم وصلوٰۃ کی پابند اور قرآن مجید کی تلاوت کی رسیا تھیں۔

وطن اور ولادت :

حضرت شاہ صاحبؒ کی ولادت ۲۷ رشوال المکرم ۱۲۹۲ھ بوقت صبح بروز شنبہ موضع دودھوان لولاب علاقہ کشمیر میں ہوئی۔ دودھوان دراصل دُودوَن ہے اور کشمیری زبان میں اس کا مطلب ہے دودھ سے بھرپور جنگل۔ اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس گاؤں کے شمال مشرق کی طرف نہایت سرسبز چراگاہ تھی، جس میں گائیں، بھینسیں اور بکریاں وغیرہ چر کر خوب دودھ دیتی تھیں۔ اس لئے مقامی لوگوں نے اس چراگاہ کو دودون کا نام دیا اور بعد ازاں پورا گاؤں دودھوان کے نام سے مشہور ہوا۔

اے وادئ لولاب :

مشہور شاعر حفیظ جالندھریؒ نے ایک علاقہ کی منظر کشی اپنے شاعرانہ انداز میں یوں بیان کی ہے جو حرف بہ حرف دودھوان کے منظر کی عکاسی کرتی ہے ۔۔۔۔۔

دور انسان کی نگاہ سے دور   دور دنیا کی شاہراہ سے دور
ایک وادی ہے کوہساروں میں   حسن کی فطرتی بہاروں میں

نغمہ زن آبشار چاروں طرف   ندیاں بے شمار چاروں طرف
پھوٹتے ہیں ہزارہا چشمے   سرد و شفاف و خوش نما چشمے
لپٹ گئی ہے زمین پھولوں سے   بن گئی ہے نازنین پھولوں سے

علامہ محمد اقبالؒ فرمایا کرتے ۔۔۔۔۔

اے وادئ لولاب!   پانی ترے چشموں کا تڑپتا ہوا سیماب

سراپا :

مولانا حامد الانصاری غازی آپ کا سراپا تحریر فرماتے ہیں :

علامہ انور شاہ کشمیری ! جسم نور کی چادر میں لپٹا ہوا، چہرہ مہتابی، چودھویں رات کا چاند، رنگ خوب کھلا ہوا گورا، چاند کی چاندنی میں دھلا ہوا، بزرگوں سے سنا جوانی میں سیب کی طرح سرخ تھے ادھیڑ عمر میں رنگ ہلکا سنہرا زعفرانی تھا، بڑھاپے میں سپیدی پر زردی سی چھائی رہتی تھی، وصال سے پہلے زردی ہی زردی تھی۔

پیشانی شاہی مسجد دہلی کی محراب کی طرح وسیع اور بلند تھی۔ آنکھیں معصوم اور کسی قدر مغموم، نہ بڑی نہ چھوٹی، اکثر اوقات رکوع میں رہتیں، جب قیام کے لئے اٹھتیں تو نور یقین کی چمک سے چاندنی سی پھیل جاتی، جب درس میں روایت حدیث کے ساتھ درایت کارفرما ہوتی اور محسوس ہوتا کہ آپ مقام اجتہاد سے بہت قریب ہیں تو آواز میں بلندی اور نگاہوں میں تیزی پیدا ہو جاتی اور شاگرد اس کی تپش اپنے سینوں میں محسوس کرتے۔ خاص طور پر اس وقت جب مذاہب اربعہ کے بیان کے بعد امام ابن تیمیہ سے مخاطب ہوتے اور مسلک جمہور کو ترجیح دیتے، سننے والے چند منٹ میں کئی مقامات طے کر لیتے۔ اہل علم خود اندازہ فرما سکتے ہیں کہ سننے والوں کا کیا عالم ہوگا۔

حضرت شاہ صاحب کبھی آسمان کی طرف دیکھتے اور کبھی شاگردوں کی طرف خاص شان سے فرماتے کہ :

"میں امام بخاریؒ کے قدموں میں بیٹھ کر بات کرتا ہوں اور امام ابن تیمیہؒ سے سر اُٹھا کر بات کرتا ہوں"۔

اس جملہ کو کئی پہلو سے ادا کرتے اور ہم لوگ ہونٹوں کے آثار چڑھاؤ سے انداز کرتے کہ آج بات میں کہاں سے کہاں پہنچ گئے ہے۔

حضرتؒ کے ہونٹ گداز تھے، خاموشی میں محبوبیت کی شان تھی۔ بولنے میں محبوبیت کی یہ شان اور دوبالا ہو جاتی۔ جب بات میں ابلاغ کی شان ہوتی تو شاگردوں کو پیار سے "جاہلین" کہہ کر خطاب کرتے، مگر کسی فرد کو کبھی جاہل نہ کہتے۔ قابل اور ذی استعداد طلبہ کو "صاحب سواد" کہتے، قابل اور صاحب سواد طلبہ یہ تھے۔ ادریس کاندھلوی، بدر عالم میرٹھی، محمد صدیق نجیب آبادی، مناظر احسن گیلانی، محمد یوسف شاہ، میر واعظ کشمیری، محمد شفیع دیوبند، ابوالوفا شاہجہاں پوری، محمد طیب قاسمی، عتیق الرحمٰن عثمانی، سید میرک شاہ کشمیری، لطف اللہ پشاوری، احمد اشرف راندیری، فصیح الدین بہاری، انوار الحسن شیرکوٹی، سید محمد یوسف بنوری اور سعید احمد اکبر آبادی، زین العابدین میرٹھی اور حبیب الرحمٰن مکی۔

ہر دورۂ حدیث کے صاحب سواد طلبہ الگ ہوتے، میرا حال سب سے الگ تھا: صاحب سواد تھا نہ جاہلین میں سے! ہمیشہ نظر خاص سے فیضیاب رہا۔ دل ہی دل میں اکثر حضرت الاستاذ سے مخاطب ہوتا اور کہتا ......

یہ مانا تیرا حسن ہے لاجواب مری عاشقی بھی کوئی چیز ہے

آپ بھولے نہ ہوں گے میں سراپا لکھ رہا ہوں، بات چہرہ سے ہونٹوں تک اور حسن سے حسن کلام تک پہنچی۔ اب آواز پر آیئے۔

آواز میں ترنم تھا اور ترنم میں گنگناہٹ تھی جس سے آہنگ میں دلکشی کے ساتھ شان امتیاز پیدا ہو جاتی اور آواز اپنی عالمانہ خصوصیات کے ساتھ الگ پہچانی جاتی۔ شعر پڑھتے تو آواز کئی بلندیوں اور وادیوں سے گذرتی کئی موڑ لیتی اور آخر میں نون غنہ لہراتا اور سننے والوں کو اس لب و لہجہ پر بے اختیار پیار آتا۔

اب قد و قامت کا تصور فرمایئے۔ قد سرو تھا نہ صنوبر نہ بڑا نہ چھوٹا بلکہ کھنچتا ہوا درمیانہ، تن بدن نہ اکہرا نہ دوہرا بلکہ موزون اور متناسب، سراپا میں عظمت و وقار، روحانیت کا حسن اور شخصیت کا جلال، چلتے تو راستہ بن جاتا نظر اُٹھتی تو ہجوم کے دو ٹکڑے ہو جاتے اور صراط مستقیم تیار ہو جاتی اور حضرت استاد اپنے خاص شاگردوں کے ساتھ گذر جاتے۔

چال بہت ہی ہلکی قدم بہت نرم نرم اور بے حد نازک اتنے نرم کہ چیونٹی قدموں کے نیچے آ جائے تو درود پڑھتی ہوئی اپنی راہ چلی جائے۔ جب چلتے تو نظریں نیچی رہتیں، کبھی کبھی نظر اُٹھا کر سامنے دیکھتے۔ راستے میں بات کرنے اور اِدھر اُدھر دیکھنے کی عادت نہ تھی۔ چلتے ہوئے نظر کے ساتھ کمر ہلکی جھکی رہتی، اس طرح قدم اُٹھاتے جیسے پستی سے بلندی کی طرف جا رہے ہوں۔ درسگاہ سے قیام گاہ یا مسجد جاتے دونوں طرف شاگردوں کا صحیح معنی میں عاشقوں کا ہجوم، دل چاہتا حضرت الاستاذ ہمارے سامنے سے گذرتے رہیں اور ہم عمر بھر دیکھتے رہیں۔

لباس! تن زیب ایسا کہ اب تک دیکھا نہ سنا سر سے پاؤں تک سبز حلہ، سر پر سبز رومال، بدن پر سبز رنگ کا چوغا، قدموں کو چومتا ہوا ایسا معلوم ہوتا کہ جنت کے سبزہ زار سے کوئی فرشتہ زمین پر اتر آیا۔ لباس کا سبز رنگ گہرا نہ تھا بلکہ کھلتا ہوا، تصوف کے سات رنگ مشہور ہیں، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ ساتوں رنگ ایک ذات اور ایک رنگ میں سمٹ آئے ہیں جیسے کشمیر کی ساری بہار ایک سراپا میں تحلیل ہوگئی ہے۔ سچ یہ ہے کہ کشمیر کی طرح آپ بھی

جنت نظیر تھے۔

خوش قسمت ہیں وہ لوگ جنھوں نے علامہ انور شاہ کو دیکھا۔ ان سے فیض پایا، ان سے درس حدیث حاصل کیا، ان کے فیضان علم سے علم و تحقیق کو جلا دی۔ ان کی صحبت سے مستفید ہوئے اور ان کی مشعل علم سے روشنی حاصل کر کے دنیا کی سرحدوں تک، ذاکر سے لے کر قازان روس اور سائبریا تک علوم و فنون کا نور لے کر پہنچے، حق یہ ہے کہ جن اہل علم اور اصحاب کمال کو اس مجموعہ عالم شخصیت سے تعلق رہا، انہیں ہفت عجائبات عالم کو دیکھنے کی نہ فرصت ملی نہ کبھی تمنا ہوئی۔ (ماہنامہ دارالعلوم ستمبر ۱۹۸۰ء از مولانا حامد الانصاری غازی)

ابتدائی تعلیم :

حضرت شاہ صاحبؒ نے تقریباً پانچ سال کی عمر میں اپنے والد محترم حضرت مولانا محمد معظم شاہ سے قرآن پاک پڑھنا شروع کیا اور چھ سال کی عمر تک ناظرہ قرآن مجید ختم کرنے کے علاوہ فارسی کی ابتدائی کتب نام حق کریما، پند نامہ، شیخ عطار، دستور الصبیان وغیرہ اور عربی زبان کی منیۃ المصلی اور قدوری وغیرہ پڑھ لیں۔ اللہ نے آپ کو ذکاوت، ذہانت کا خصوصی ملکہ عطا فرمایا تھا۔ آپ بچپن ہی سے بہت زیادہ ذہین، فطین، لائق اور ذی استعداد طالب علم تھے۔

والد کا اعتراف و شہادت :

آپ کے والد محترم حضرت مولانا معظم شاہ صاحب راوی ہیں کہ :

"جب میرے بیٹے محمد انور شاہ نے مجھ سے مختصر القدوری پڑھنا شروع کی تو مجھ سے بعض ایسے مسائل دریافت کرتے کہ میرے لئے مبسوط کتابوں کا مطالعہ کئے بغیر ان کا تسلی بخش جواب دینا ناممکن ہوتا، جو کچھ ایک بار پڑھ لیتے، وہ حافظہ میں پتھر کی لکیر بن

جاتا۔ میں انہیں علمی باریکیوں اور کتابی موشگافیوں سے بچنے کی تاکید کرتا لیکن کتاب کی صرف عبارت کے مفہوم تک خود کو محدود رکھ کر چلنا ان کے بس کی بات نہ تھی۔ حضرت شاہ صاحب کی اس ذہانت و فطانت سے پریشان ہو کر میں نے انہیں ایک دوسرے عالم کے سپرد کیا، مگر دوسرے استاد کو بھی ان سے یہی شکایت پیش آئی۔

اپنے وقت کا رازی و غزالی بنے گا :

حضرت شاہ صاحبؒ بچپن میں ایک دفعہ منطق اور نحو کے چند رسائل کا مطالعہ کر رہے تھے۔ اتفاقاً ایک بڑے عالم اس وقت آپ کے پاس آ گئے اور آپ کی کتابوں کو اٹھا کر دیکھا، کتابوں پر خود شاہ صاحبؒ کے حواشی لکھے ہوئے تھے، بچپن کے زمانہ کی اس ذکاوت و ذہانت کو دیکھ کر اس عالم نے بے اختیار کہا کہ یہ بچہ اپنے وقت کا رازی اور اپنے زمانے کا غزالی ہو گا۔

عظیم الشان عالم بنے گا :

آپ کے والد حضرت مولانا معظم شاہ صاحبؒ نے حضرت شاہ صاحبؒ اور آپ کے بڑے بھائی یاسین شاہ مرحوم کو کشمیر کے پہاڑوں میں اعتکاف کرنے والے ایک عارف کامل کے پاس حصول برکت کے لئے لے گئے۔ اس عارف نے جب حضرت شاہ صاحبؒ کو دیکھا تو آپ کے والد سے پوچھا کیا یہ تمہارا بچہ ہے؟ پھر خود ہی کہنے لگے کہ یہ بڑا عظیم الشان عالم بنے گا اور مستقبل میں اس کی علمی عظمت مسلم ہو گی۔

لوگ مہدی موعود ہونے کا شبہ کرتے :

حضرت شاہ صاحبؒ نے ایک موقع پر فرمایا: میرے غیر معمولی احوال دیکھ کر کشمیر

کے عوام شبہ کرتے تھے کہ میں ہی مہدی موعود ہوں۔ میرے والد محترم اور خاندان کے دوسرے بزرگوں کو عوام کی اس غلط فہمی کی تردید کرنی پڑتی تھی۔ فرمایا کرتے، میں بارہ سال کی عمر میں فتوے دینے لگا تھا اور نو سال کی عمر میں فقہ و نحو کی مطولات کا مطالعہ کر چکا تھا۔

(حیات انور ص ۴۹)

ہزارہ میں آمد:

جب حضرت شاہ صاحبؒ کی عمر چودہ (۱۴) سال کی ہوئی تو آپ ہزارہ (سرحد) کے متعدد علماء کی بارگاہِ علم میں حاضر ہوئے اور علوم عربیہ کی تکمیل فرماتے رہے۔ تین سال ہزارہ میں رہے۔ جب دار العلوم دیوبند کی علمی عظمتوں کا تذکرہ سنا تو مزید علوم کے حصول کا شوق اس قدر بڑھا کہ ہزارہ سے دیوبند آ گئے۔ اس وقت آپ کی عمر سترہ سال تھی۔

دار العلوم دیوبند میں داخلہ:

۱۳۰۸ھ میں دار العلوم دیوبند میں داخل ہوئے۔ یہاں چار سال رہ کر تعلیم کی تکمیل کی اور ۲۰ سال کی عمر میں دورۂ حدیث مکمل کیا۔ دیوبند سے سندِ حدیث حاصل کرنے کے بعد آپ گنگوہ تشریف لے گئے اور حضرت مولانا مفتی رشید احمد گنگوہیؒ سے سندِ حدیث حاصل فرمائی اور ظاہری و باطنی علوم کی تکمیل کے بعد سلوک و طریقت کے مدارج طے فرمائے اور حضرت گنگوہیؒ سے بیعت ہو کر شرفِ خلافت سے مشرف ہوئے۔

تذکرۃ الاساتذہ:

دار العلوم دیوبند میں جن اکابر اساتذہ سے آپ کو شرفِ تلمذ حاصل رہا ہے، ان کا تذکرہ اور حضرت شاہ صاحبؒ کی طالب علمی کی داستان نذرِ قارئین ہے۔

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسنؒ:

حضرت شیخ الہندؒ دار العلوم دیوبند کے سب سے پہلے شاگرد ہیں۔ جب آپ دار العلوم دیوبند میں داخل ہوئے، اس وقت آپ قدوری اور شرح تہذیب پڑھ رہے تھے۔ علم حدیث کی تحصیل حضرت نانوتویؒ سے فرمائی اور حضرت نانوتویؒ کے دستِ مبارک سے دستارِ فضیلت حاصل کی۔ حضرت نانوتویؒ حضرت شیخ الہندؒ پر خصوصی شفقت فرماتے تھے، چنانچہ ان کی اعلیٰ علمی اور ذہنی صلاحیتوں کے پیشِ نظر دار العلوم دیوبند کی مدرسی کے لئے اکابر کی نظرِ انتخاب آپ پر پڑی۔ ۱۲۹۱ھ میں مدرس چہارم کی حیثیت سے آپ کا تقرر عمل میں آیا۔ ۱۳۰۸ھ میں صدر مدرس کے منصب جلیلہ پر فائز ہوئے۔ ۱۲۹۱ھ میں اترپردیش کے گورنر سر جان نے اپنے ایک معتمد جان پامر کو اس غرض سے دار العلوم دیوبند بھیجا کہ وہ خفیہ تحقیق کر کے رپورٹ پیش کرے کہ دار العلوم کا مقصد کیا ہے؟ جان پامر نے اپنے مشاہدات و تاثرات کا بڑے دلچسپ انداز میں اظہار کیا ہے۔

جان پامر بارگاہِ شیخ الہندؒ میں:

جان پامر لکھتا ہے۔ میں دار العلوم دیوبند پہنچا۔ جہاں ایک نوجوان (حضرت شیخ الہندؒ) بیٹھا ہوا تھا۔ ایک موٹی کتاب اس کے سامنے رکھی ہوئی تھی اور دس بارہ طالب علم پڑھ رہے تھے۔ ایک طرف دو بندوقیں پڑی ہوئی تھیں۔ میں نے سلام کیا، اس نے کمال اخلاق سے جواب دیا۔ میں نے پوچھا گذشتہ سال آپ نے دستارِ فضیلت باندھی ہے۔ کہنے لگے اساتذہ کی عنایت ہے۔ میں نے پوچھا یہ بندوقیں کیسی ہیں؟ کہنے لگے مجھے شکار کا شوق ہے۔ سات سے دس بجے تک پڑھاتا ہوں اور پڑھتا ہوں گیارہ سے ایک بجے تک شکار اور دو سے چار بجے تک ترجمہ کرتا ہوں۔ میں نے دریافت کیا آپ نوکری کیوں نہیں

مدرس ہو گئے۔ آپ کو تمام علوم متداولہ میں مہارت تامہ حاصل تھی، لیکن حدیث سے بہت زیادہ شغف تھا۔ اسی شغف کے سبب آپ نے ابوداؤد کی شرح بذل المجہود کے نام سے لکھی جو پانچ جلدوں میں شائع ہوئی۔ اس کے علاوہ بھی آپ کی کئی تصانیف موجود ہیں۔ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے خلیفۂ اجل تھے۔ ایک دفعہ حضرت گنگوہیؒ نے مولانا خلیل احمدؒ کو حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کی خدمت میں بھیجا اور حضرت حاجی صاحبؒ کو لکھا کہ مولوی خلیل احمد حاضر خدمت ہو رہے ہیں، آپ ان کی باطنی حالت پر مطلع ہو کر مسرور ہوں گے۔ حضرت حاجی صاحبؒ نے جب آپ کی باطنی حالت دیکھی تو بہت خوش ہوئے اور اپنے سر سے دستار اُتار کر آپ کے سر پر رکھ دی اور اپنی جانب سے تحریری خلافت عطا فرمائی۔ بعد میں اس اجازت نامہ پر حضرت گنگوہیؒ نے دستخط فرمائے۔ (تاریخ دارالعلوم نمبر ۱۸۷)

حضرت مولانا غلام رسول صاحب ہزارویؒ:

حضرت مولانا غلام رسول صاحب ضلع ہزارہ کے رہنے والے تھے۔ ابتدائی تعلیم وطن میں حاصل کی۔ ۱۳۰۳ھ میں دارالعلوم دیوبند سے سند فراغت حاصل کی۔ ۱۳۰۸ھ میں آپ کو دارالعلوم میں مدرس مقرر کیا گیا۔ علوم عقلیہ ونقلیہ کے حافظ اور جامع تھے۔ طبقہ علماء میں ان کی بڑی قدر و منزلت تھی۔ طلبا بڑے شوق سے ان کے درس میں شامل ہوتے تھے۔ حضرت مولانا انظر شاہ صاحب نقش دوام ص ۳۲ پر رقمطراز ہیں:

"سردی کے زمانے میں مرزئی، اس پر فرغل، اس پر چادر اور پھر لحاف کا بوجھ کھینچ کر درسگاہ میں داخل ہوتے آتے ہی لیٹ جاتے اور فرماتے ارے! کوئی ہے جو مجھے دابے۔ طلبہ جسم دبانے کی سعادت حاصل

کرتے اور سبق شروع ہوتا"۔

انور شاہ کو آتا ہی کیا ہے؟

آپ کے زمانۂ تدریس ہی میں آپ کے نامور شاگرد حضرت مولانا محمد انور شاہ دارالعلوم کے صدر مدرس ہو چکے تھے اور ان کے علوم کا بحر مواج تلاطم پذیر تھا۔ مولانا مفتی محمود صاحب نانوتویؒ سابق رکن شوریٰ دارالعلوم دیوبند صاحبزادہ ہونے کی بنا پر کہنے سننے میں جری تھے۔ کبھی کبھار عرض کرتے کہ:

"جب آپ سے پڑھایا نہیں جاتا تو مفت میں دارالعلوم سے مشاہرہ کیوں لے رہے ہیں؟ وہ دیکھئے آپ کے شاگرد حضرت شاہ صاحب کس شان کا درس دے رہے ہیں"۔

اس طنزیہ جملہ پر یہ سادہ دل پٹھان زائد کپڑے اُتار کر پھینک دیتا، سنبھلتے ہوئے ارشاد ہوتا: "تو پھر میں کہوں گا کہ انور شاہ کو آتا ہی کیا ہے"؟

کریلا اور نیم چڑھا:

طلبہ کہتے آپ عربی میں تقریر نہیں کر سکتے۔ شاہ صاحب تو عربی میں تقریر کر لیتے ہیں تو فوراً مرحوم کی عربی میں تقریر شروع ہو جاتی، پھر سوال ہوتا اچھا آپ فارسی میں تقریر نہیں کر سکتے جبکہ آپ کے شاگرد فارسی میں تقریر کرنے پر قادر ہیں۔ اس پر فارسی میں تقریر ہوتی۔ فرماتے ہیں کئی زبانوں کا ماہر ہوں، ان زبانوں کی فہرست میں اردو بھی داخل ہے۔ مولانا مفتی محمودؒ مذکور نے عرض کیا اگر آپ اردو جانتے ہیں تو کریلا اور نیم چڑھا کا مطلب بتائیے؟ کچھ وقت کیلئے غوطہ زن ہوئے، پھر ارشاد فرمایا، حرف عطف نے کام خراب کر دیا ورنہ بات صاف تھی کریلا نیم پر چڑھ گیا۔ اس سادگی اور معصومیت سے طلبہ بھی خوب لطف لیتے اور ذمہ داران مدرسہ بھی۔

کرتے؟ کہنے لگے خدا تعالیٰ گھر بیٹھے بٹھائے ڈھائی سو روپے مہینہ دیتا ہے، پھر کس لئے نوکری کروں۔

حضرت شیخ الہندؒ کے فیض تعلیم نے حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیریؒ، مولانا عبیداللہ سندھیؒ، مولانا حسین احمد مدنیؒ، مولانا مفتی کفایت اللہ دہلویؒ، مولانا شبیر احمد عثمانیؒ، مولانا سید اصغر حسین دیوبندیؒ، مولانا اعزاز علیؒ اور مولانا مناظر احسن گیلانیؒ جیسے مشاہیر علماء کی جماعت تیار کی۔ (تاریخ دارالعلوم دیوبند نمبر ۱۸۷)

انظر شاہ مسعودی کا شہ پارہ :

حضرت مولانا سید انظر شاہ مسعودی نقش دوام ص ۲۸ پر فخر المحدثین حضرت مولانا سید انور شاہ کشمیریؒ کی حضرت شیخ الہندؒ کی بارگاہِ علم میں پہنچنے کی داستان یوں نقل کرتے ہیں :

میرے والد گرامی حضرت شاہ صاحب ۱۳۰۷ھ میں دیوبند تشریف فرما ہوئے تو مدرسہ کے جائے وقوع اور ذمہ داران مدرسہ سے ناواقفیت کی بنا پر دارالعلوم سے قریب شہر کی مشہور مسجد قاضی میں فروکش ہوئے۔ غربت و ناداری کی بنا پر کئی وقت مسلسل فاقہ رہا، لیکن اس فقر و فاقہ کا کسی سے تذکرہ بھی نہیں کیا۔ اُس زمانہ میں مسجد کے متولی قاضی احمد حسین تھے۔ قاضی صاحب موصوف نے اس ہونہار طالب علم کے چہرے پر آثار نجابت و شرافت کے ساتھ شدید گرسنگی کا نمایاں اثر دیکھا تو دریافت کیا میاں تم کس ارادے سے دیوبند آئے ہو؟

عرض کیا کہ حضرت مولانا محمود حسنؒ سے حدیث پڑھنے کے لئے کشمیر سے آیا ہوں متولی صاحب نے پہلے کھانا کھلایا، پھر اس نو وارد کو لے کر شیخ الہندؒ کی خدمت میں پہنچے۔ اس وقت دارالعلوم میں نہ مطبخ تھا اور نہ دارالاقامہ میں طلبہ کی بڑھتی ہوئی تعداد کے مطابق

گنجائش۔ چنانچہ آپ پٹھان پورہ کی جامع مسجد میں مقیم ہو گئے اور مدتوں اس مسجد کی امامت کے ساتھ ساتھ حمام میں پانی بھرنے، مسجد کی صفائی، صفیں بچھانے اور اُٹھانے کا کام انجام دیتے رہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے دارالعلوم دیوبند میں حضرت شیخ الہندؒ سے صحیح امام بخاری، سنن ابی داؤد، جامع ترمذی اور ہدایہ اخیرین پڑھیں۔

دارالعلوم سے فراغت کے بعد آپ گنگوہ تشریف لے گئے جہاں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے حدیث کے علاوہ باطنی تعلیم بھی حاصل کی۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ :

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اُسی صدف کے اعلیٰ درِّ یتیم تھے جس سے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ جیسے اعلیٰ شخصیات نکلے تھے۔ حضرت گنگوہیؒ نے اپنے وجود باسعود کی بدولت مدرسہ دیوبند کو اعلیٰ ترقی پر پہنچایا تھا۔ حضرت گنگوہیؒ اُن قدیم طرز کے علماء میں سے تھے جن کا حلقۂ درس ملازمت و وظائف سے بے نیاز تھا۔ حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ کی خانقاہ میں قیام رہتا تھا۔ تزکیہ قلب اور تزکیہ نفس کے حلقے کے ساتھ ساتھ طلبہ کا مجمع بھی موجود رہتا تھا۔ علم حدیث سے خاص طور پر غیر معمولی شغف تھا۔ تقریر نہایت جامع اور مختصر ہوتی تھی۔ دارالعلوم دیوبند سے فارغ التحصیل علماء میں جن حضرات نے حضرت گنگوہیؒ کے درس میں شریک ہو کر استفادہ کیا، ان میں حضرت علامہ کشمیریؒ جیسے یگانہ روزگار علماء شامل ہیں۔ (تاریخ دارالعلوم دیوبند ص ۸۷)

حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ :

حضرت مولانا خلیل احمد حضرت مولانا مملوک علی کے نواسے اور حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ کے بھانجے تھے۔ دارالعلوم سے فراغت کے بعد مظاہر العلوم سہارنپور میں

بستر باندھ کر اجمیر روانہ ہونے لگے :

مولانا معین الدین اجمیری صدر جمعیت علمائے ہند دیوبند تشریف لائے تو مولانا حبیب الرحمن عثمانی نے تمام اساتذہ کو مطلع کیا کہ اسباق جاری رکھیں۔ مولانا اجمیری گشت کریں گے۔ خدا جانے مرحوم کو یہ اطلاع پہنچی یا نہیں اپنی درسگاہ کو مقفل کر کے چلے گئے۔ ادھر مولانا معین الدین اجمیر روانہ ہو گئے، چائے کی مجلس میں مولانا عثمانیؒ نے مزاحاً فرمایا کہ مولانا اجمیری فرماتے تھے کہ آپ کے شیخ المنطق کو میرے سامنے پڑھانے کی ہمت نہیں ہوئی، اس پر مولانا غلام رسول صاحب بستر باندھ کر اجمیر روانہ ہونے لگے کہ وہیں مولانا اجمیری کو سبق سنا کر آؤں گا۔ غرض یہ کہ مولانا مرحوم لطائف کی پوٹلی تھے۔

موت کی نشانی :

حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ نے ایک بار فرمایا کہ عید الاضحیٰ کی تعطیلات تھیں اور میں اپنے کمرے میں حاشیہ نویسی میں مصروف تھا۔ اچانک مولانا غلام رسول صاحبؒ تشریف لائے اور کھڑے کھڑے فرمایا : اعزاز علی ! اگر میں مرگیا تو کتنا مجھ کو ایصالِ ثواب کرو گے۔ کچھ عرض معروض کے بعد جیب سے ایک تحریر نکالی، جس پر اپنے تمام تلامذہ سے ایصالِ ثواب کا وعدہ دستخطوں کے ساتھ لے رکھا تھا۔ میں نے بھی ایصالِ ثواب کی مقدار متعین کر کے دستخط کر دیے، پھر پوچھا کہ حضرت! یہ آج آپ نے کیسی مہم شروع کی ہے؟ فرمایا کہ میری شہریوں سے آویزش رہتی، مولوی حبیب ہمیشہ میرا ساتھ دیتا لیکن اس بار کی لڑائی میں حبیب نے میری حمایت ترک کی۔ یہ میری موت کی علامت ہے۔

اس واقعہ کے چند روز بعد یہ کہنہ سال، سادہ لوح عالم، ہزارہ کا انسان اور استاذ

الاساتذہ ہمیشہ کے لئے گورستانِ قاسمی میں پیوندِ خاک ہو گیا۔ ۱۳۳۷ھ ۱۸ محرم الحرام کو آپ خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ حضرت شیخ الہند نے مرحوم کی رحلت پر جو مرثیہ لکھا اس کے ایک شعر میں ان کی علمی اور روحانی زندگی کا خلاصہ آ گیا۔ شعر یہ ہے ....

گزاری یونہی مرحبا عمر ساری
کہ دن مدرسہ میں تو مسجد میں شب بھر

دار العلوم دیوبند کا قیام، آغازِ کار اور شرکاءِ درس :

فخر المحدثین، محدث کبیر حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ جس وقت دار العلوم دیوبند میں تعلیم حاصل کر رہے تھے، اُس وقت آپ کے ساتھ تقریباً ڈیڑھ ہزار طلبہ بھی اکتسابِ علم کر رہے تھے۔ جن میں ابو حنیفۂ ہند مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ، امام انقلاب حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ، حضرت مولانا امین الدین صاحبؒ بانی مدرسہ جامعہ امینیہ دہلی اور حضرت مولانا مشیت اللہ صاحب بجنوریؒ کا نام نامی نمایاں نظر آتا ہے۔

قیام دار العلوم کا زمانہ بڑی بے سروسامانی کا تھا، نہ پڑھانے کیلئے مناسب جگہ تھی اور نہ طلبہ کے رہنے کا کوئی انتظام تھا۔ ابھی دار العلوم کے قیام کا دوسرا سال تھا کہ اچانک دیوبند میں وبائی مرض پھوٹ پڑا، اکثر طلبہ اور اساتذہ اس مرض میں مبتلا ہو گئے اور اپنے اپنے علاقوں کو چلے گئے۔ اس سبب سے دو مہینے تک تعلیم بند رہی، مگر اللہ نے حفاظت فرمائی۔ دار العلوم دیوبند آغازِ کار میں دار العلوم ہونے کے ساتھ ساتھ دار الامتحان بھی تھا۔ دار الاقامہ میں طلبا کے رہنے کے لئے بہت محدود جگہ تھی۔

شہر دیوبند کی مسجد میں قیام :

جن طلبا کے ٹھہرانے کا انتظام دار الاقامہ میں ناممکن ہوتا انہیں دیوبند کے ساتھ

قرب وجوار میں موجود مساجد کے حجروں میں ٹھہرایا جاتا۔ چنانچہ حضرت شاہ صاحبؒ کو بھی ایک عرصۂ دراز تک دارالعلوم کے دارالاقامہ میں جگہ نہ مل سکی۔ آپ کو اپنے ایک دوسرے ہم سبق ساتھی جن کا نام مولانا مشیت اللہ تھا، کے ساتھ دیوبند کی ایک مسجد میں قیام کرنا پڑا۔ فقر وغربت اور تنگی کے اس دور کے رفیق کی دلچسپ باتیں مولانا انظر شاہ کے قلم سے نذر قارئین ہیں:

رفیق درس بھی اور شاگرد بھی:

مولانا مشیت اللہ بجنور کے ایک رئیس خاندان کے چشم و چراغ، دل کے غنی، پوشاک کے غریب، عمل کے مسلمان، عقیدہ کے مؤمن، معصومیت بھولا پن اور سادگی کے پیکر تھے۔ سینکڑوں بیگھہ زمین کے مالک، بعض گاؤں بھی ان کی ملکیت میں، لیکن معمولی کرتا شرعی پاجامہ، دھوڑی کا جوتہ، سر پر دوپلی ٹوپی، اپنے طرز میں صلابت کا یہ عالم کہ مولوی سلطان الحق ناظم کتب خانہ دارالعلوم دیوبند ایک مرتبہ گرگابی پہن کران کے یہاں جا پہنچے تو بولے کہ "اللہ جانے! مولوی صاحب تم میں بھی فرنگیت آ گئی"۔ "اللہ جانے" مرحوم کا تکیہ کلام تھا۔ شاہ صاحبؒ کے رفیق درس اور ایسے رفیق کہ اپنی امارت کے باوجود حضرت شاہ صاحب کی غربت کے شریک کار۔ شاہ صاحبؒ پٹھان پورہ کی مسجد میں امامت کرتے تو بجنور کا یہ رئیس زادہ حق رفاقت ادا کرتے ہوئے سقایہ بھرتا، مغرب کے بعد دونوں دارالعلوم آتے تو راہ چلتے حضرت شاہ صاحبؒ مولانا مشیت اللہ کو آسمان پر موجود ستاروں کی تشخیص وتعیین ان کے بروج وگردش اور فلکیات کا سبق پڑھاتے۔

طفل نوخیز بڑوں کے کان کتر رہا ہے:

مولانا مشیت اللہ صاحب کو حضرت شاہ صاحبؒ سے عجیب وغریب تعلق تھا۔ زمانہ طالب علمی میں گھر پہنچے تو اپنے ماموں مولانا حکیم رحیم اللہ صاحب سے شاہ صاحب کا

وقیع تذکرہ کیا اور یہ خوش خبری بھی سنائی کہ وہ میری دعوت پر بجنور آ رہے ہیں۔ حکیم صاحب طبی مشغولیت کے باوجود بڑے علم دوست وعلماء پرور تھے۔ اپنے بھانجے سے آنے والے مہمان کا وسیع تذکرہ سنا تو سراپا اشتیاق بن گئے۔ اسٹیشن پر اپنے خادم کو استقبال کے لئے بھیجا۔ شاہ صاحب اترے تو بے ریش وبروت جوان رعنا، حسن وکشش کا پیکر، خادم نے حکیم صاحب سے جا کر کہا کہ کیسا عالم، کہاں کا عالم وہ تو ایک طفل نوخیز ہے۔ مولوی مشیت اللہ نے اس کے تعارف میں مبالغہ آرائی سے کام لیا ہے۔

جوہر شناس حکیم نے جوہر کو پہچان لیا:

شام کو حضرت شاہ صاحب اور مولوی مشیت اللہ اکٹھے کھانا کھاتے تھے۔ ایک دن حکیم صاحب تشریف لائے، شاہ صاحبؒ ان کو دیکھ کر سروقد ہو گئے۔ چارپائی پر نشست اس طرح تھی کہ سرہانے حکیم صاحب اور پائنتی پر سبزہ آغاز مہمان، علمی گفتگو شروع ہوئی، جس کا سلسلہ اس وقت کے مشہور عنوان "امتناع نظیر" پر جا پہنچا۔ حکیم صاحب اس زمانے میں امتناع نظیر پر کتاب تصنیف کر رہے تھے۔

چند لمحات کی گفتگو کے بعد جوہر شناس حکیم نے شاہ صاحب کو پہچان لیا، بے اختیار کھڑے ہو گئے، ہاتھ پکڑ کر سرہانے بٹھا دیا اور خود سامنے کی چارپائی پر آ گئے۔ صبح ہوئی تو جس خادم نے حضرت شاہ صاحبؒ کو طفل نوخیز کا عنوان دیا تھا، اُس سے فرمایا میاں! جسے تم کمسن کہہ رہے تھے، وہ ہم بڑوں کے کان کتر رہا ہے، پھر اپنی تصنیف پر شاہ صاحبؒ سے تقریظ بھی لکھوائی جو حکیم صاحب کی مطبوعہ تصنیف میں موجود ہے۔ (نقش دوام ص ۳۱)

مولانا امین الدین نے مدرسہ قائم کر دیا:

حضرت مولانا مشیت اللہ صاحب کے علاوہ حضرت شاہ صاحب کے دوسرے

مخلص اور ہم سبق دوست حضرت مولانا امین الدین صاحب نے تحصیل علم سے فراغت کے بعد یہ قصد کیا کہ دہلی میں علوم دینیہ کی تعلیم وتدریس کے لئے ایک مثالی مرکز بنانا چاہئے کیونکہ تدریس ہی اشاعت اسلام کی بنیاد اور اساس ہے۔

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک تعلیم وتدریس کی جو اہمیت تھی، اس کا اندازہ اس واقعے سے ہوسکتا ہے کہ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی میں تشریف لائے تو آپ نے وہاں صحابہ کرامؓ کے دو حلقے دیکھے۔ ایک حلقے میں لوگ تلاوت ودعا میں مشغول تھے اور دوسرے حلقے میں قرآن مجید کے درس وتدریس کا سلسلہ جاری تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ یہ فرما کر محمد عربی ﷺ قرآن مجید کے حلقہ درس میں تشریف فرما ہوگئے۔ ابتداء اسلام سے لے کر چوتھی صدی ہجری تک دینی تعلیم وتدریس کا کام مساجد سے لیا جاتا رہا۔ اس دور میں مساجد کے پہلو بہ پہلو مدارس ومکاتب کے قیام کا ذوق عام تھا۔ اس زمانے میں ہر علاقے کے صاحب استطاعت لوگ طالبان علوم نبوت پر متوجہ رہتے تھے اور طلبہ کی امداد واعانت کو باعث سعادت سمجھتے تھے۔

حضرت مولانا امین الدین صاحب نے حضرت شاہ صاحب کو اپنے ساتھ شامل ہونے اور تعاون کی درخواست کی۔ مولانا امین الدین نے خود مدرسے کے اہتمام وانصرام کا کام سنبھال لیا اور تدریس کی ذمہ داری حضرت شاہ صاحبؒ کے حوالے کردی۔

مدرسہ کا سب سے پہلا مالی سرمایہ :

حضرت شاہ صاحبؒ کے ایک مشہور و معروف شاگرد اور خادم خاص مولانا ادریس صاحب سکھروڈوی کی روایت ہے کہ خود شاہ صاحبؒ کو اس بات کا اطمینان نہ تھا کہ مولانا امین الدین کی یہ کوشش جس قدر مناسب ثابت ہوں، واقعی اتنی کامیاب ہو جائے

گی۔ حضرت شاہ صاحب فرمایا کرتے تھے:

جب مولانا امین الدین صاحب مجھے لینے کیلئے بجنور پہنچ گئے تو چونکہ زمانہ قیام دارالعلوم میں مولانا امین الدین صاحب بہت اخلاص ومحبت سے پیش آتے رہتے تھے، تو یہ خیال کرکے کہ مدرسہ چلے یا نہ چلے۔ مولوی صاحب کی دل شکنی نہ ہو، میں مولوی صاحب کے ساتھ ہولیا اور دہلی پہنچ کر سولہ یا سترہ روپے جو میرے پاس تھے وہ بھی میں نے مولانا کے حوالے کردیے۔ یہی روپے مدرسہ کا سب سے پہلا مالی سرمایہ تھا۔

بلا تنخواہ مدرس :

چنانچہ مولانا امین الدین نے اس رقم سے کاغذ لاکر مدرسہ کے لئے رجسٹر بنائے اور طلبہ کو داخل کرنا شروع کردیا۔ مولانا کا توکل خدا کے فضل سے کامیاب رہا اور کسی انتظار کے بغیر طلبہ کا اچھا خاصا اجتماع ہوگیا۔ مسلمانوں نے بھی توجہ کی اور مدرسہ کی مالی حالت قابل اطمینان ہوگئی۔ حضرت شاہ صاحب تین (3) سال تک مدرسہ میں بحیثیت صدر مدرس بلا تنخواہ کام کرتے رہے، جب مدرسہ کی مالی حالت کسی حد تک سدھر گئی تو مدرسین کو حق الخدمت دینا ضروری سمجھا گیا اور حضرت شاہ صاحبؒ نے بھی اقل قلیل بوجہ کفاف قبول کرنا مان لیا جس پر مبلغ 20 روپے آپ کا ماہوار مشاہرہ مقرر ہوا۔

ڈیڑھ پیسے کی روٹی :

حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ کا بیان ہے کہ میں جن ایام میں حضرت شاہ صاحبؒ کی خدمت میں مدرسہ امینیہ میں پڑھتا تھا حضرت شاہ صاحب ڈیڑھ پیسے کی روٹی منگا کر کھایا کرتے تھے۔ اس برائے نام خوراک پر سارا دن درس وتدریس اور علوم و فنون کے مطالعہ میں گذرتا تھا۔ مفتی کفایت اللہ صاحب یوں رقمطراز ہیں:

"علامہ فہامہ جناب مولانا محمد انور شاہ صاحبؒ ساکن کشمیر بے نظیر شخص ہیں، ذہن وذکاء، ورع وتقویٰ میں مردِ کامل، مدرسہ امینیہ میں ابتداءً مدرس تھے۔ اس علم کے شجر کے لگانے والے آپ ہیں۔ کیونکہ مولانا محمد امین صاحب جب دہلی تشریف لائے اور مدرسہ قائم کرنے کا ارادہ کیا تو اس وقت ان کے پاس نہ سامان تھا نہ روپیہ آپ نے محض متوکلاً علی اللہ سنہری مسجد میں پڑھانا شروع کیا۔ اور مولانا محمد انور شاہ صاحب آپ کے شریک تھے۔ دونوں صاحبوں نے طرح طرح کی تکلیفیں اٹھائیں، فاقے کئے، مگر استقلال کو ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ آہستہ آہستہ اہل دہلی کو خبر ہوئی اور لوگ متوجہ ہونے لگے۔ یہاں تک کہ مدرسہ امینیہ اس حد تک پہنچا جو آپ کی نظر کے سامنے ہے۔

غرض کہ ابتدائی زمانہ کی کسمپرسی کی حالت میں مولانا محمد انور شاہ صاحبؒ اس مدرسہ کے اعلیٰ واوّل محسن ہیں۔ ان کا شکریہ ادا کرنا اور ہمیشہ ان کو یاد رکھنا اہل مدرسہ کا فرض ہے۔ مولانا نے ایک عرصہ تک مدرسہ ہذا میں درس دیا اور طلبا کو مستفید فرمایا، پھر والدین سلمہما اللہ تعالیٰ کے تقاضے اور اصرار سے وطن تشریف لے گئے۔ ۱۳۲۵ھ میں حج کو تشریف لے گئے۔ واپسی پر دہلی میں دو ماہ قیام فرمایا اور اب بھی وطن میں تشریف رکھتے ہیں۔ خدا تعالیٰ مولانا کو تادیر سلامت رکھے اور ان کے بے نظیر علمی کمال سے لوگوں کو فائدہ پہنچائے"۔ (آمین)

(نقش انور ص۱۰۹تا۱۱۲)

تنخواہ لے کر مدرسہ کے چندہ میں جمع کر لیتے:

خود فرماتے تھے کہ جب میں نے شروع شروع میں مدرسہ امینیہ میں پڑھانا شروع کیا ۱۳۱۵ھ تھا، شروع شروع میں مدرسہ میں کوئی آمدنی نہ تھی، محض توکل پر گذارہ تھا، پھر دو سال کے بعد اہل دہلی کو توجہ ہوئی اور مدرسہ میں روپیہ آنے لگا تو مہتمم صاحب نے میری تنخواہ پانچ روپے کر دی۔ میں وہی پانچ روپے مدرسے میں ماہوار چندہ دے دیتا تھا، پھر آئندہ سال میری تنخواہ دس روپے ہوگئی۔ پانچ روپے تو میں چندہ ماہوار مدرسے کو دے دیتا اور پانچ روپے مہتمم صاحب کی ملک کر دیتا کہ آپ مجھے اللہ کے واسطے کھانا دے دیا کریں۔ (انوار انوری ص۱۴)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

باب : ۲

علمی تبحر، بے مثال حافظہ، ذوقِ مطالعہ اور حیرت انگیز مطالعاتی یادداشتیں

ہمارے اکابرؒ کو ربِّ ذوالجلال نے بے شمار گوناگوں اوصاف کے ساتھ متصف فرمایا تھا، مگر ان کی زندگی کا ممتاز ترین وصف ان کا علمی انہماک اور ذوقِ مطالعہ تھا۔ یہی ان کا مقصد تھا، یہی منزل تھی، ان کا عشق، ان کی محبت، ان کی اطاعت، ان کے جذبات، ان کا شعور، ان کا فکر اور زندگی کا ہر زاویہ شوقِ علم اور مطالعاتی انہماک سے وابستہ تھا۔ آج کے دور میں شاید کسی کو یہ باتیں ناممکن معلوم ہوں، ممکن ہے کوئی ان باتوں کو مبالغہ پر محمل کرے، مگر ہمارے اسلاف کی تاریخ یہی ہے۔ ہمارے اسلاف واکابر کے مطالعاتی ذوق کو ان کے تذکرہ نگاروں نے مستقل بابوں میں لکھا ہے۔

حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ کی علمی زندگی کی مرغوب غذا کتب بینی اور خدمتِ علم تھی۔ خود فرمایا کرتے: میں ہر وقت فکرِ علم میں مستغرق رہتا ہوں، بجز اُن اوقات کے جب نیند کا شدید غلبہ ہو ....

کر رہا ہے تجھ سے باتیں بے خودیٔ شوق میں
تیرے دیوانے کی تنہائی بھی لطف انگیز ہے

ذوقِ مطالعہ :

حضرت مولانا سید محمد ادریس صاحب سکھروڈوی لکھتے ہیں :

حضرت شاہ صاحبؒ لیل ونہار، صبح وشام کتب بینی میں مصروف رہتے، جس وقت بھی کوئی دیکھنا چاہتا تو کتاب کے مطالعہ ہی میں دیکھتا۔ کتاب سے الگ ہو کر بھی فکر، خیال

کتاب ہی میں رہتا تھا، چلتے پھرتے، اُٹھتے بیٹھتے، کھاتے پیتے، غرضیکہ کوئی ساعت ایسی نہ تھی جس میں خالی الذہن ہو کر وقت گذارتے ہوں۔ شب میں چند گھنٹوں کے سوا جن میں آپ سوجاتے، بیشتر حصہ کتب کے مطالعہ میں ہی صرف ہوتا تھا۔ ابتدائے شب میں بارہ (۱۲) بجے تک کتاب دیکھتے رہتے، نیند کے غلبہ سے جب عاجز ہوجاتے سوجاتے اور دو ایک گھنٹہ کے بعد اُٹھ کر وضو فرماتے اور کتاب لے کر بیٹھ جاتے۔ صبح صادق ہونے تک مطالعہ میں گذار دیتے اور صبح کی نماز کے بعد بھی پھر کتاب کے مطالعہ میں مشغول ہوجاتے۔ ایک مرتبہ خود ہی مجھ سے فرمایا کہ میں کسی وقت بھی دماغ کو فارغ نہیں چھوڑتا ہوں۔ اُن چند گھنٹوں کے سوا جس میں مجھے نوم غرق ہوتی ہے میرا فکر کتاب یا کسی مسئلہ کی تحقیق میں رہتا ہے۔

فکرِ کتاب اور علمی تحقیق :

بارہا ایسا دیکھا گیا کہ نماز کے لئے مسجد جارہے ہیں اور کوئی بات کسی حدیث یا کسی مسئلہ کے متعلق گفتگو ہوئی تو مسکراتے ہوئے تشریف لے جارہے ہیں اور نماز کے بعد فوراً کتاب اُٹھائی اور دیکھنا شروع کیا اور مسکراتے ہوئے ہی کچھ لکھنا شروع کردیا۔ کبھی بغیر کتاب کے بیٹھے ہوئے کسی فکر میں متفکر دیکھا تو جلدی جلدی کتاب اُٹھائی اور مسکراتے ہوئے یادداشت کے طور پر لکھنے لگے۔ غرضیکہ دن رات کی تمام ساعتوں میں آپ کی فکر کتاب اور علمی تحقیق کے باہر نہ ہوتی تھی۔

بڑی بڑی ضخیم کتاب کو ایک مرتبہ ابتداء سے دیکھنا شروع کیا اور ایک دو دن ہی میں از اول تا آخر دیکھ کر ختم کردیا۔ ہزارہا صفحات کی کتاب جب تک ختم نہ فرمالیتے، علیحدہ نہ فرماتے اور بہت جلدی ختم کردیتے۔

مشغلۂ لیل ونہار :

مولانا سکھروڈوی لکھتے ہیں :

میں ۲۸ھ کے ختم پر دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوا تھا۔ حضرت شاہ صاحبؒ بھی غالباً اسی ۲۸ھ کے ابتداء میں دارالعلوم میں بسلسلہ درس تشریف فرما ہوئے تھے۔ حسن اتفاق سے مجھے خدمت کا شرف مدرسہ میں داخل ہونے کے چند ماہ بعد ہی حاصل ہوگیا تھا۔ میں نے لیل ونہار، صبح وشام، مرض وصحت، غرضیکہ ہر حال میں کتاب ہی کے ساتھ مشغلہ دیکھا، آپ کے پاس آنے والے آتے، کوئی بات دریافت کرتے جواب دے کر فوراً ہی کتاب پر نظر فرمالیتے۔

زیر مطالعہ کتب اور شوقِ کتب بینی :

مولانا سکھروڈوی نے لکھا ہے :

جہاں تک یاد کام کرتی ہے، زیر مطالعہ کتب دینیہ ہی ہوتی تھیں۔ درسیات میں حدیث وفقہ وتفسیر کی کتاب گاہ بگاہ ہی دیکھتے ہوئے پایا۔ بیشتر متقدمین کی کتب شروح احادیث زیر مطالعہ ہوتی تھیں اور خصوصیت سے حافظ ابن قیم، حافظ ابن دقیق العید اور اسی قسم کے لوگوں کی کتابیں جو جدید طبع ہو کر آتی تھیں، اُن کو بڑے شغف کے ساتھ مطالعہ فرماتے تھے اور جس کتاب جدید کے طبع ہونے کا علم ہوتا فوراً اُس کے حصول کی کوشش فرماتے اور حاصل کرلیتے۔

مستدرک جس وقت حیدر آباد میں طبع ہونی شروع ہوئی، یہ زمانہ مولانا حبیب الرحمٰن خاں شیروانی مرحوم ومغفور کے حیدرآباد میں اُمور مذہبیہ کے عہدہ پر تقرر کا زمانہ تھا۔ کتاب موصوف کے طبع ہونے کا جب علم ہوا تو حیدرآباد کے اس ادارہ کو بہت دعائیں

دیں۔ مولانا حبیب الرحمٰن خان مرحوم نے جب ایک جلد طبع ہوگئی فوراً بھیج دی اور ساتھ ہی لکھا کہ اگرچہ کتاب پوری طبع ہونے پر شائع ہونے کا قاعدہ ہے، مگر آپ کے ساتھ خصوصی رعایت کی وجہ سے ایک حصہ بھیج رہا ہوں اور باقی دوسری مرتبہ ارسالِ خدمت کردی جائے گی۔ مجلد کرا کر بذریعہ رجسٹری یہ حصہ ارسال کیا۔ کتاب کے وصول ہونے پر جو خوشی چہرہ سے نمایاں ہورہی تھی دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے اور جو دعائیں زبان مبارک سے جاری تھیں سننے سے وابستہ ہیں۔

اسی طرح جب طنطاوی کی تفسیر مصر میں طبع ہونی شروع ہوئی ایک ایک پارہ کرکے اُس کو منگایا۔ جتنا حصہ طبع ہوتا رہا وہ آتا رہا، اور جس وقت جو حصہ آتا سب مطالعہ چھوڑ کر اُس طرف متوجہ ہو جاتے۔

تفسیر مظہری کی طباعت کی تمنا :

مولانا محمد ادریس سکھروڈوی تحریر فرماتے ہیں :

قلمی کتب جو طبع نہ ہوئی تھیں، اُن کی طبع اور اشاعت کا اشتیاق اکثر ظاہر فرمایا کرتے تھے۔ تفسیر مظہری کے طبع کے انتظام کی طرف اکثر لوگوں کو توجہ دلاتے تھے اور بہت تعریف فرمایا کرتے اور تمنا تھی کہ یہ تفسیر کسی طرح طبع ہو کر معرضِ وجود میں آجائے۔

جملہ علوم وفنون میں اقتدارِ کامل :

مولانا سکھروڈوی کا بیان ہے کہ :

جو کتاب زیرِ درس ہوتی اُس کا مطالعہ محض درس کی غرض سے کبھی بھی نہیں دیکھتے تھے۔ اپنے ہی ذوق اور علمی تحقیق کے پیشِ نظر کتاب کا مطالعہ فرماتے تھے۔

دعوتِ مناظرہ کا فوراً عملی جواب :

مولانا سکھروڈوی کا بیان ہے کہ :

ایک مرتبہ حضرت شاہ صاحبؒ نے بیان فرمایا کہ میرٹھ میں ایک مولوی صاحب غیر مقلد تھے۔ غالباً اُن کا نام مولوی احمد اللہ فرمایا تھا۔ یہ مولوی صاحب غیر مقلد بکثرت حنفیوں کے ساتھ اُلجھتے اور دعوتِ مناظرہ دیتے رہتے تھے۔ میرٹھ میں حضرت شاہ صاحبؒ کے نام کی شہرت ایک مناظرہ کی وجہ سے ہو چکی تھی جو تھوڑے ہی زمانہ پہلے مقام گلاؤٹھی میں ہو چکا تھا اور غیر مقلدوں کو سخت ہزیمت ہوئی تھی اور ایک ہی نشست کے بعد چپکے سے بھاگ نکلے تھے۔ اس مناظرہ گلاؤٹھی میں دیوبند کے علماء میں سے بڑے بڑے علماء جمع ہوئے تھے اور مولانا گنگوہیؒ کی خاص توجہ اس مناظرہ کی طرف تھی۔ مولانا گنگوہیؒ نے دیوبند سے بہ حیثیت سرپرست دارالعلوم ہونے کے سب ہی کو گلاؤٹھی پہنچنے کا امر فرمایا تھا۔ اس کے بعد بھی مولانا احمد اللہ غیر مقلد کا حنفیوں کو دعوتِ مناظرہ دینا باعث تعجب تھا۔

میرٹھ کے دو صاحب مولوی احمد اللہ صاحب سے دعوتِ مناظرہ کا کاغذ لے کر حضرت شاہ صاحبؒ کے پاس دہلی سنہری جامع مسجد میں قبل از عشاء پہنچے اور شاہ صاحبؒ کو کاغذ دعوتِ مناظرہ دکھلایا۔ شاہ صاحب اُسی شب میں دہلی سے میرٹھ کے لئے روانہ ہوگئے اور اخیر شب میرٹھ پہنچ کر مولوی احمد اللہ غیر مقلد کے محلّہ کی مسجد میں قیام فرمایا اور صبح قریب ہونے کو تھی لیٹ گئے، جو دو صاحب میرٹھ کے ساتھ تھے، اُن میں سے ایک نے دوسرے سے کہا کہ شاہ صاحبؒ کے ساتھ کوئی کتاب تو ہے نہیں' دوسرے نے جواب دیا کوئی ضرورت نہ ہوگی۔ جب صبح ہوگئی تو نماز صبح اُسی مسجد میں پڑھی' مولوی احمد اللہ بھی نماز میں موجود تھے، بعد اختتام نماز مولوی احمد اللہ سے ملاقات کی اور فرمایا کہ یہ تحریر آپ کی ہے

؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہاں میری ہے۔ شاہ صاحبؒ نے فرمایا، بسم اللہ! میں موجود ہوں بیٹھ جائیے اور مسئلہ معین فرمالیجئے اور جونسا بھی مسئلہ آپ چاہیں اختیار کرلیں اور شروع کر دیں۔ مولوی احمد اللہ نے کہا آپ ہی شروع فرمایئے۔ شاہ صاحبؒ نے فرمایا فاتحہ خلف الامام کا مسئلہ آپ کے خیال میں زیادہ زوردار ہے، اُس کو شروع کروں یا کوئی اور مسئلہ جو آپ کہیں؟ جواب دیا کہ اسی مسئلہ کے متعلق فرمایئے جو لوگ نماز میں موجود تھے بیٹھ گئے اور کچھ لوگ جن کو اطلاع ہوئی وہ بھی آگئے۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ میں شروع کرتا ہوں، میری طرف سے صرف ایک شرط ہے کہ جب تک میں ختم نہ کرلوں آپ درمیان میں نہ بولیں، جو کچھ اعتراض و سوال ہو بعد میں کہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے متواتر دو گھنٹے فاتحہ خلف الامام کے مسئلہ پر پوری بسط و تفصیل کے ساتھ تقریر فرمائی اور کوئی حدیث موافق و مخالف، ضعیف و قوی، مع حوالۂ کتب نقل کئے بغیر نہ چھوڑی۔ تقریر ختم کرنے کے بعد فرمایا کہ اب آپ کو جو کچھ کہنا ہو فرمایئے۔ (کاتب الحروف نے یہ سن کر عرض کیا کہ اس کو کیا یاد رہا ہوگا فرمایا یوں ہی ہوا) جواب میں کہنے لگا کہ مجھے تو کچھ یاد نہیں رہا۔ شاہ صاحبؒ نے فرمایا، اسی پر حدیث دانی کا دعویٰ کرتے ہو، کہنے لگا، میں نے تو دعویٰ نہیں کیا۔ شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ لکھ دیجئے مجھے حدیث دانی کا دعویٰ نہیں۔ غرض لکھ کر نہ دیا۔ شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ بیشک جو ائمہ کی توقیر نہیں کرتا حق تعالیٰ اُس کے حفظ کو سلب کرلیتے ہیں۔ یہ دن جمعہ کا تھا۔ آپ نے جمعہ میرٹھ میں ادا کیا۔ تمام شہر میں رفتہ رفتہ اس مناظرہ کا چرچا ہوگیا۔ لوگوں نے جمعہ کے بعد جامع مسجد میں شاہ صاحبؒ کو گھیر لیا اور کہنے لگے کہ باقاعدہ مناظرہ ہو کر اُس سے تحریر لیجائے۔ لوگوں کا مجمع کثیر شاہ صاحبؒ کو لے کر مولوی احمد اللہ کے محلہ کی مسجد میں جا پہنچا۔ مولوی احمد اللہ نے لیت و لعل کر کے پولیس بلوائی اور فتنہ کے خوف سے پولیس انسپکٹر نے مجمع کو

منتشر کردیا۔ یہ واقعہ خود شاہ صاحبؒ کی زبانی سنا ہوا نقل ہے جس سے آپ کی یادداشت و حفظ اور احادیث پر کس قدر وسیع نظری کا پتہ چلتا ہے۔ (حیات انور ص ۳۲۲ تا ۳۲۴)

خسر الدنیا والآخرۃ:

حضرت شاہ صاحبؒ اپنے درس میں صرف علمی تحقیقات بیان فرمانے پر اکتفا نہیں کرتے تھے بلکہ ساتھ ساتھ طلبا کو اعمال واخلاق کی اصلاح کی طرف بھی متوجہ فرماتے تھے۔ ایک روز طلبا سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ ہمارے اس علم میں دنیا تو کبھی تھی ہی نہیں اس کے ذریعے دین ملا کرتا تھا۔ افسوس کہ وہ بھی تم نے نہ لیا، خسر الدنیا والآخرۃ۔

کتاب بھی تو ایک روگ ہے:

ایک مرتبہ حضرت شاہ صاحبؒ بیمار تھے اور علالت طول پکڑ گئی تھی۔ ایک صبح فجر کی نماز کے وقت یہ افواہ مشہور ہوگئی کہ حضرت کا وصال ہوگیا۔ خدام پر بجلی سی گر گئی اور نماز فجر کے بعد سب حضرتؒ کے مکان کی طرف لپکے۔ گھر پہنچ کر معلوم ہوا کہ بحمد للہ خبر غلط تھی۔ البتہ تکلیف کی شدت برقرار تھی۔ سب لوگ حضرت کی عیادت کیلئے کمرے میں پہنچے تو دیکھا حضرت شاہ صاحبؒ نماز کی چوکی پر بیٹھے ہیں، سامنے تکیہ پر کتاب رکھی ہے اور اندھیرے کی وجہ سے حضرت شاہ صاحبؒ جھک کر کتاب کا مطالعہ کر رہے ہیں۔ حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے ہمت کرکے عرض کیا:

حضرت! یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ اول تو کون سی بحث رہ گئی ہے جو آپ کے مطالعہ میں نہ آچکی ہو اور اگر بالفرض کوئی بحث ایسی ہو تو اس کی فوری ضرورت کیا پیش آگئی ہے کیا اسے چند روز تک مؤخر نہیں کیا جاسکتا۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا بھائی تم ٹھیک کہتے ہو لیکن یہ کتاب بھی تو ایک روگ ہے اس روگ کا کیا کروں؟

(اکابر دیوبند، ص ۶۳)

علمی پناہ گاہ :

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب لکھتے ہیں کہ :

حضرت شاہ صاحبؒ کو اللہ نے غیر معمولی حافظہ اور علوم کا حیرت انگیز استحضار عطا فرمایا تھا، وہ محتاج بیان نہیں۔ حضرت والد (مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ) فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ دارالعلوم دیوبند میں منطق کی مشہور کتاب "ملاحسن" کا درس میرے سپرد تھا، مجھے مطالعے کے دوران اس کے ایک مقام پر اشکال پیدا ہوا۔ جب بھی کوئی علمی اشکال پیدا ہوتا تو حضرت شاہ صاحبؒ کی ذات ہماری پناہ گاہ تھی۔ چنانچہ میں اُن کے پاس پہنچ گیا۔ حضرت شاہ صاحبؒ اس وقت کتب خانہ کی بالائی گیلری میں بیٹھے مطالعہ میں مشغول تھے اوپر ہی سے مجھے آتے دیکھا تو سلام کے بعد پوچھا کیسے آنا ہوا؟

میں نے عرض کیا کہ ملاحسن کے ایک مقام پر اشکال پیش آ گیا ہے۔ وہ حل کرنا تھا۔ میرا خیال تھا کہ جواب میں حضرت شاہ صاحبؒ مجھے اوپر بلالیں گے لیکن حضرتؒ نے بلانے کے بجائے وہیں بیٹھے بیٹھے فرمایا کون سا مقام ہے؟ عبارت پڑھیے، میں نے عبارت پڑھی اور ابھی اپنے اشکال کی وضاحت بھی نہیں کی تھی کہ حضرت شاہ صاحبؒ نے وہیں سے فرمایا، اچھا تمہیں یہاں یہ اشکال ہوا ہوگا۔ پھر اشکال کی تقریر بھی خود فرمائی اور جواب بھی وہیں بیٹھے بیٹھے اس طرح دے دیا کہ مجھے مسئلے میں مکمل اطمینان ہو گیا۔

حضرت والد صاحبؒ فرمایا کرتے، اگر کوئی تفسیر حدیث یا فقہ کی کتاب ہوتی تو مجھے اتنا تعجب نہ ہوتا لیکن حیرت اس بات کی تھی کہ منطق کی اس کتاب کے بارے میں پوچھنے گیا تھا جسے پڑھاتے ہوئے حضرت شاہ صاحب کو یقیناً سالہا سال گذر چکے تھے بلکہ اس سوال وجواب سے اندازہ ہوا کہ یہ کتاب بھی حافظے میں پوری طرح محفوظ ہے۔

(اکابر دیوبند کیا تھے ص ۴۴)

فتح الباری کا مطالعہ :

ایک دفعہ حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ فتح الباری (جو کہ تیرہ جلدوں میں بخاری شریف کی مبسوط شرح ہے) کا تیرہویں مرتبہ مطالعہ کر رہا ہوں اور یہ بھی فرمایا کہ میں درس کے لئے مطالعہ نہیں کرتا۔ مطالعہ کا مستقل سلسلہ ہے اور درس کا مستقل۔ ایک مرتبہ فرمایا جس کتاب کا سرسری طور پر بھی مطالعہ کر لیتا ہوں پندرہ سال بقید صفحات اس کے مضامین محفوظ رہ جاتے ہیں۔ مطالعہ بڑی تیزی کے ساتھ فرماتے۔

چنانچہ فتح القدیر جو آٹھ جلدوں میں ہزارہا صفحات پر مشتمل ہے اس کا مطالعہ بیس روز میں فرمایا اور چھبیس (۲۶) سال کے بعد فرمایا، ایک بار مطالعہ کے بعد پھر مطالعہ کی ضرورت پیش نہیں آئی ....

دیکھا جو اپنے دل میں وہ دیکھا نہ پھر کہیں
یوں تو میری نگاہ سے دنیا گذر گئی

حضرت شاہ صاحبؒ کے قوتِ حافظہ، ذہانت، سرعت مطالعہ، حفظ واستحضار اور وسعتِ علم کے اتنے واقعات اور مشاہدات سوانح نگاروں نے لکھے ہیں کہ اس کے لئے ایک مستقل کتاب چاہئے۔

کتابوں کی فوراً نشاندہی کر دی :

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ اس حوالے سے اپنا واقعہ یوں نقل کرتے ہیں :

میں حضرت شاہ صاحبؒ کے دولت خانے پر حاضر ہوا۔ حسب معمول بزرگانہ شفقت سے پیش آئے۔ چائے وغیرہ سے تواضع کے بعد متوجہ ہوئے، فرمایا مولوی

صاحب! کیسے تشریف لائے؟

میں نے عرض کیا حضرت! "ابوالحسن کذاب" کا ترجمہ نہیں ملتا۔ اس کے بارے میں نشان معلوم کرنے حاضر ہوا ہوں۔ فرمایا ادب و تاریخ کی فلاں فلاں کتابوں میں فلاں فلاں مواقع کا مطالعہ کرلیجئے۔ تقریباً آٹھ دس کتابوں کے نام لے دیے اور اُن کے مظان و مواقع کی نشان دہی فرمادی۔ میں نے عرض کیا: حضرت! مجھے اس شخص کی پوری تاریخ معلوم کرنی نہیں، صرف اس کی صفت کذب و دروغ گوئی کے حالات معلوم کرنے ہیں، مگر اُن کا کوئی عنوان کسی کتاب میں نہیں ملتا کہ اُس کے نیچے ان خاص واقعات کا مطالعہ کروں۔

فرمایا: مولوی صاحب! آپ نے بھی کمال کردیا۔ صفت کذب کونسی صفت مدح ہے کہ لوگ اس پر عنوانات قائم کرکے اس کے واقعات دکھلائیں، ایسی مذموم صفات و افعال کا تذکرہ تو ضمناً اور اضطراراً آجاتا ہے، عنوانات ہمیشہ کمالات پر قائم کیے جاتے ہیں نہ کہ نقائص و عیوب پر۔ ان کتب میں فلاں فلاں مقام دیکھ لیجئے۔ ضمناً اس کی صفت کذب کا تذکرہ کہیں نہ کہیں مل جائے گا۔

تیس سال قبل کا مطالعہ آج مستحضر ہوگیا:

میں نے عرض کیا حضرت! مجھے تو کتابوں کے اتنے اسماء بھی یاد نہیں ہوں گے، چہ جائیکہ اُن کے یہ مظان اور مواقع محفوظ رہیں۔ بس آپ ہی اس شخص کے کذبات اور دروغ گوئی سے متعلقہ واقعات کی دو چار مثالیں بیان فرمادیں۔ میں اُن ہی کو آپ کے حوالے سے جزو کتاب بنادوں گا۔ اس پر مسکرا کر ابوالحسن کذاب کی تاریخ اس کے سن ولادت سے سن وفات تک بیان فرمانا شروع کردی، جس میں اس کے جھوٹ کے عجیب و غریب

واقعات بیان فرماتے رہے۔ آخر میں سن وفات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا یہ شخص مرتے مرتے بھی جھوٹ بول گیا، پھر اُس جھوٹ کی تفصیل بیان فرمائی۔ حیرانی یہ تھی کہ یہ بیان ایسے طرز سے ہو رہا تھا کہ گویا حضرت شاہ صاحبؒ نے آج کی شب میں مستقلاً اسی کی تاریخ کا مطالعہ کیا تھا جو اس بسط سے سن وار واقعات بیان فرما رہے ہیں۔

میں نے تعجب آمیز لہجہ میں عرض کیا کہ حضرت! شاید کسی قریبی زمانہ میں اس کی تاریخ دیکھنے کی نوبت آئی ہوگی۔ سادگی سے فرمایا جی نہیں آج سے تقریباً تیس سال کا عرصہ ہوتا ہے جب میں مصر گیا تھا، خدیوی کتب خانہ میں مطالعہ کیلئے پہنچا تو اتفاقاً اسی ابوالحسن کذاب کا ترجمہ سامنے آگیا اور اس کا مطالعہ دیر تک جاری رہا بس اُس وقت جو باتیں کتاب میں دیکھیں حافظہ میں محفوظ ہوگئیں اور آج آپ کے سوال پر مستحضر ہوگئیں۔

عبارت میں جَعَل اور تصرف کیا گیا:

تحریکِ خلافت کے دور میں جب امارتِ شرعیہ کا مسئلہ چھڑا تو مولوی سبحان اللہ خان نے اس مسئلہ میں اپنے بعض نقاطِ نظر کی تائید میں بعض سلف کی عبارت پیش کی جو اُن کے نقطۂ نظر کی تو موید تھی مگر مسلکِ جمہور کے خلاف تھی۔ یہ عبارت وہ خود لے کر دیوبند تشریف لائے اور مجمع علماء میں اُسے پیش کیا تمام اکابر علماء دیوبند حضرت شاہ صاحبؒ کے کمرہ میں جمع تھے۔ حیرانی یہ تھی کہ نہ اس عبارت کو رد کر سکتے تھے کیونکہ وہ سلف میں سے ایک بڑی شخصیت کی عبارت تھی اور نہ اُسے قبول کر سکتے تھے کہ مسلکِ جمہور کے صراحۃً خلاف تھی یہ عبارت اتنی واضح اور صاف تھی کہ اُسے کسی تاویل و توجیہ سے بھی مسلکِ جمہور کے مطابق نہیں کیا جا سکتا تھا۔

حضرت شاہ صاحبؒ استنجا کے لئے تشریف لے گئے تھے، وضو کر کے واپس

ہوئے۔ اکابر نے عبارت اور مسلک کے تعارض کا تذکرہ کیا اور یہ کہ ان دونوں باتوں میں تطبیق وتوفیق بھی نہیں بن پڑتی۔

حضرت شاہ صاحب حسب عادت حسبنا اللہ کہتے ہوئے بیٹھ گئے اور عبارت کو ذرا غور سے دیکھ کر فرمایا، اس عبارت میں خلل اور تصرف کیا گیا ہے اور دو سطروں کو ملا کر ایک کر دیا گیا ہے۔ درمیان کی ایک سطر چھوڑ دی گئی ہے۔ اسی وقت کتب خانہ سے کتاب منگائی گئی، دیکھا گیا تو واقعی اصل عبارت میں پوری ایک سطر درمیان سے حذف ہوئی تھی جوں ہی اس ساقط کردہ سطر کو عبارت میں شامل کیا گیا، عبارت کا مطلب مسلک جمہور کے موافق ہو گیا اور سب کا تحیر رفع ہو گیا۔ (حیات انور ص)

تدلیس وتحریف کو بے نقاب کر دیا:

محدث العصر مولانا محمد یوسف بنوریؒ کا بیان ہے کہ:

ایک مرتبہ کشمیر کے سفر میں دو فریق جو کسی مسئلہ میں الجھ رہے تھے اور دونوں نے اختلافی مسئلہ میں فتویٰ ترتیب دے کر بعض کتابوں سے تائیدی عبارتیں بھی نقل کی تھیں۔ ان میں سے ایک جماعت نے فتاویٰ عمادیہ نامی قلمی کتاب کا حوالہ دے کر اپنے بیان کو مدلل کیا۔ جب یہ فتویٰ آپ کے سامنے پیش کیا گیا تو آپ نے دیکھتے ہی فرمایا: میں نے دارالعلوم دیوبند کے کتب خانہ میں فتاویٰ عمادیہ کے غیر مطبوعہ نسخہ کا مکمل مطالعہ کیا ہے۔ اس میں یہ عبارت قطعاً نہیں۔ یہ تدلیس اور کھلی تحریف ہے۔ اس بیان پر اہل علم کی جماعت متحیر ہو کر رہ گئی۔ (نقش دوام ص ۱۳۰)

حیرت انگیز مطالعاتی یادداشت:

بہاولپور کے مشہور مقدمہ میں حضرت شاہ صاحبؒ نے قادیانیت کے خلاف کئی

روز تک مسلسل بیان دیا۔ ایک روز اس مفصل تقریر پر جو آپ نے ختم نبوت کو ثابت کرنے کے لئے ''تواتر'' سے متعلق فرمائی جس سے آپ یہ ثابت کرنا چاہتے تھے کہ ہمارا دین متواتر ہے اور تواتر کا انکار کرنے والا مرتد اور کافر ہے۔ اس ذیل میں اپنی اجتہادی تحقیق تواتر کی چہارگانہ تقسیم، ان کی تعریف اور مثالوں سے تشریح وتفصیل کی تو جلال الدین شمس قادیانی نے آپ کو مخاطب فرما کر کہا کہ آپ تواتر کے منکر کو کافر کہتے ہیں حالانکہ ''بحر العلوم'' نے فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت'' میں امام فخر رازی کے متعلق لکھا ہے کہ وہ تواتر معنوی کے منکر ہیں۔ اس پر شاہ صاحبؒ نے تنج سے فرمایا ''آپ ان سے یہ کتاب اور حوالہ طلب کیجئے میرے پاس اس وقت یہ کتاب موجود نہیں''۔

جلال الدین شمس قادیانی کتاب ہاتھ میں لے کر ورق گردانی کرنے لگا تو آپ پرجوش انداز میں کھڑے ہو گئے اور کتاب اس کے ہاتھ سے چھین لی اور تنج سے فرمایا کہ:

''یہ صاحب ہمیں دھوکہ دینا چاہتے ہیں لیکن میں طالب علم ہوں دو چار کتابیں دیکھی ہیں ان سے میں مُفحم (خاموش) نہیں ہوں گا۔ بتیس (۳۲) سال ہوئے میں نے اس کتاب کا مطالعہ کیا تھا، بحر العلوم نے یہ نہیں لکھا کہ ''رازی'' ''تواتر معنوی کا انکار کرتے ہیں بلکہ انہوں نے لکھا ہے کہ امام رازی حدیث '' لا تجتمع امتی علی الضلالہ '' کے متواتر معنوی ہونے کا انکار کرتے ہیں''۔

تواتر کی چار قسمیں:

پھر فرمایا: دین محمدی کا جناب رسول اللہ ﷺ سے ثبوت یا تواتر سے ہے یا خبر واحد سے۔ تواتر کا مطلب یہ ہے کہ پیغمبر اعظم ﷺ سے کوئی بات متصلاً پہنچی ہو اور اس میں غلطی کا کوئی امکان نہ ہو۔ تواتر کی چند صورتیں ہیں جن کی تفصیل یہ ہے۔ تواتر ہمارے

دین میں چار قسم پر ہے۔ حدیث "من كذب علیّ متعمداً فليتبوأ مقعده من النار" حدیث متواتر ہے اور تیس (۳۰) صحابہ کرامؓ سے بسندِ صحیح مذکور ہے، اس کو تواتر اسنادی کہا جاتا ہے۔ نزول مسیح کے سلسلہ میں ہمارے پاس چالیس احادیث متواتر موجود ہیں ان کا انکار کفر ہے"۔

تواتر کی دوسری قسم "تواتر طبقہ" ہے۔ جس میں معلوم نہیں ہوتا کہ ایک چیز کو کس نے کس سے لیا، مگر اتنی بات معلوم ہوتی ہے کہ پچھلوں نے اگلوں سے لی تھی۔ قرآن مجید کا تواتر اسی تواتر کے ذیل میں آتا ہے۔ اس کا منکر بھی کافر ہے۔ یہ بیان فرماتے ہوئے آپ نے ایک اہم بات یہ بھی ارشاد فرمائی کہ :

"مسواک کا ثبوت بھی اوپر ذکر کردہ دونوں تواتر کے ذیل میں آتا ہے اس لئے مسواک کے ترکِ استعمال میں تو کوئی حرج نہیں لیکن پیغمبر ﷺ سے اس کے استعمال کے ثبوت کا انکار کفر ہے۔ اسی طرح اگر کوئی یہ کہہ دے کہ "جو" (غلہ) حرام ہے تو وہ کافر ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ نے "جو" کھائی ہے اور اُمت اب تک "جو" کھاتی چلی آئی ہے۔ اس تواترِ قطعی کا انکار بھی کفر ہوگا حالانکہ "جو" کا کھانا نہ کھانا کوئی بڑی بات نہ تھی"۔

تواتر کی تیسری قسم "قدرِ مشترک" ہے۔ جس کی حقیقت یہ ہے کہ بہت سی حدیثیں خبرِ واحد کی شکل میں آتی ہوں لیکن ان سب کا مضمون اور مفاد تواتر کی حد تک پہنچ گیا جس کی مثال آنحضور ﷺ کے معجزات ہیں کہ ان میں سے بعض متواتر ہیں اور بعض خبر آحاد۔ ان اخبارِ آحاد میں ایک مضمون مشترک ملتا ہے جو قطعی ہے اس کا بھی منکر کافر ہے۔

تواتر کی چوتھی قسم تواترِ توارث ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ ایک نسل نے دوسری نسل سے لیا ہو، مثلاً تمام اُمت اس علم میں مساوی طور پر شریک ہے کہ :

"خاتم الانبیاء محمد ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا"۔

اس تواتر کا انکار بھی کفر ہے، متواترات میں تاویل اور ان کے مطالب کو مسخ کرنا بھی کفر ہے۔ (ساعتے با اولیاء ص ۱۲۸)

بے نظیر وسعتِ مطالعہ :

حضرت مولانا انظر شاہ کشمیریؒ رقمطراز ہیں :

"ہمارے اطراف میں کچے چنوں کو بھون کر کھانے کا رواج ہے۔ رات کے اوقات میں چنے بھوننے کا بچے اہتمام کرتے رہتے ہیں اور بعد میں بڑے بھی اس میں شریک ہو جاتے ہیں۔ عوام میں مشہور ہے کہ منہ لگا غلام اور منہ لگا چنا چھوٹتا نہیں۔ غلط نہیں واقعہ یہ ہے کہ ایک بار ہم سب بچے مکان کے صحن میں بھنے ہوئے چنے کی مجلس سے لطف اندوز ہو رہے تھے کہ والد مرحوم (حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ) جنہیں اس زمانہ میں بواسیر کا شدید دورہ لاحق تھا، اپنے کمرہ سے عشاء کا وضو کرنے کیلئے باہر تشریف لائے، سیدھے آکر ہمارے قریب بیٹھ گئے اور چنوں کی فرمائش کی، بچوں نے چینی کی طشتری میں چنے نکال کر دیے، آپ انہیں تناول فرما رہے تھے کہ ماموں حکیم محفوظ علی صاحب مزاج پرسی کیلئے تشریف لائے۔ عرض کیا حضرت ! بواسیر کی شدت میں آپ چنے استعمال فرما رہے ہیں یہ تو بے حد مضر ہیں۔ فرمانے لگے، مولوی صاحب فلاں کتاب کے حاشیہ پر لکھا ہے کہ فلاں صورت میں اگر بواسیر کا عارضہ ہو تو چنا مضر نہیں۔ حکیم صاحب نے نشان زدہ کتاب سے مراجعت کی تو آپ کی اس بے نظیر وسعتِ مطالعہ کے معترف ہو گئے۔ (نقش دوام ص ۱۱۷)

☆☆☆☆☆☆☆☆

باب : ۳

طالبانِ علومِ نبوت پر شفقت، تشجیع وتربیت، تسامح وعنایت اور بے تکلفی وظرافت

اسلام میں حصول علم کی روایت غیر معمولی اہمیت کی حامل ہے۔ محمد عربی ﷺ کے دورِ مقدس میں مدرسے کی ابتدائی شکل مسجد نبوی میں صفہ پر وجود میں آئی۔ جہاں نبی کریم ﷺ کے جانثار، عاشق زار اور محب کالے، گورے، آزاد و غلام اور عربی عجمی امتیاز کے بغیر حصول علم میں مصروف رہتے تھے۔ اسلامی معاشرے میں مدرسہ اس قدر اہمیت کا حامل ہے جتنا انسانی زندگی کے لئے ہوا، غذا اور ضروریات زندگی۔

دینی مدارس نے ہمیشہ ایسے افراد تیار کئے جنھوں نے اپنے دائرے میں اسلام سے رہنمائی حاصل کرتے ہوئے اللہ کی بندگی، اللہ کے بندوں کا تزکیہ اور اللہ کے دین کی اقامت کیلئے دن رات محنت کی اس حوالے سے دارالعلوم دیوبند کی روشن مثال ہمارے سامنے ہے۔

طلبا کی تربیت پر توجہ :

دارالعلوم دیوبند کے مایہ ناز سپوت حضرت امام کشمیریؒ کو ربّ ذوالجلال نے اپنی بارگاہ وفیاض سے بہت سے محاسن و اوصاف عنایت فرمائے تھے۔ انہوں نے ہمیشہ اپنے تلامذہ کے دلوں میں علم دین کی عظمت و اہمیت پیدا کی اور انہیں تزکیۂ نفس، اصلاح باطن، اصلاح اعمال اور فکری و ذہنی تربیت کے ساتھ ساتھ اس طرح تیار کیا کہ اُن کی طالب علمانہ زندگی عملی زندگی میں بارآور ثابت ہو۔

ملأ اعلیٰ کی دنیا :

حضرت امام کشمیریؒ کا یہ مقولہ حضرتؒ کے شاگردوں میں بہت مشہور تھا، جو شخص

قرآن و حدیث اور دوسرے دینی علوم کو محض شکم پروری کیلئے پڑھتا ہے وہ بازار سے قیمتی شال اس لئے خرید کر لاتا ہے کہ اس سے اپنے جوتے صاف کرے۔ حضرت امام کشمیریؒ اپنے تلامذہ کو صرف نفس کتاب پڑھا دینے کو کافی نہیں سمجھتے تھے بلکہ ان کی سیرت و کردار، اخلاق و عادات اور عبادات و معاملات کو سنوارنے کی طرف بھی توجہ دیتے تھے۔ حضرت امام کشمیریؒ کے نزدیک علم، تعلیم، معلم اور متعلم کی دنیا ملاءِ اعلیٰ کی دنیا ہے جس کو پاک صاف رکھنے کے لئے شکم پروری اور تن پرستی کی دنیا سے دور اور بلند و بالا رکھنا پڑھنے اور پڑھانے والوں کا پہلا فرض ہونا چاہئے۔

حضرت امام کشمیریؒ کے حلقۂ درس میں جن خوش قسمت طالبانِ علومِ نبوت کو شامل ہونے اور آپ سے نسبت تلمذ کے شرف کا موقع ملا وہ اپنے وقت کے بہترین رجال کار گردانے گئے اور انہوں نے دین و دنیا کے ہر شعبے میں قائدانہ، مجاہدانہ اور مدبرانہ کردار ادا کیا۔

حضرت امام کشمیریؒ کی محنت، تربیت، شفقت، محبت اور حسنِ سلوک کی کہانی خود حضرتؒ کے تلامذہ کے قلم سے نذرِ قارئین ہے۔

احوالِ باطن کا اخفاء :

حضرت مولانا مناظر احسن گیلانیؒ اپنے استاد مکرم حضرت امام کشمیریؒ کی باطنی کیفیت اور ظرافت کی ایک جھلک نمایاں کرتے ہوئے رقم طراز ہیں :

اپنے باطنی حال کے اخفاء میں ان کی کوشش حد سے گذری ہوئی تھی، کھلنے کا موقع اتفاقاً کبھی پیش آتا تو اس وقت لطافت و مزاح کا لہجہ اختیار فرما لیتے۔ بظاہر عام مجلسوں میں صحبتوں میں ان پر سکینت و وقار کی خاموشی طاری رہتی لیکن حلقۂ درس میں ظرافت،

مزاح کا جبلی رجحان نمایاں ہوتا۔ اس وقت ان کی زبان پر معصومانہ انداز میں بڑے پُر کیف فقرے جاری رہتے۔

ظرافت و لطائف میں حقائق کی تعلیم :

دورہ اختتام کی حد پر جب پہنچتا تو اس وقت اپنے مخصوص انداز میں فرماتے کہ اب زیادہ دیر نہیں ہے کہ میں مرغیوں کی ڈربہ کو کھول دوں گا۔ مرغے جو ہمارے ارد گرد جمع ہیں ڈربے سے نکلیں گے۔ دیکھتا ہوں بلندیوں پر چڑھ چڑھ کر بازوؤں کو پھڑ پھڑاتے ہوئے کون بانگ دیتا ہے، کس کی آواز کتنی اونچی ہوتی ہے۔ اس قسم کے لطیفوں میں وہ سب کچھ کہہ دیا کرتے تھے جو کہنا چاہتے تھے۔

درسگاہ میں ایک طالب علم سے خصوصی شغف رہتا تھا :

ہمارے ایک رفیقِ درس جن کا نام مولوی محمد عیسیٰ تھا، شاید بھکر نامی قصبہ کے رہنے والے تھے۔ بیچارے بڑے متین اور سنجیدہ اور نیک آدمی معلوم ہوتے تھے۔ شدت نیکی کی وجہ سے تعلق ان کا علم کے ساتھ بھی کچھ نیک ہی نیک سا تھا۔ شاہ صاحبؒ کے متصل دستِ چپ کی طرف شروع ہی سے انہوں نے اپنی جگہ بنالی تھی۔ وقت پر ٹھیک اپنی مقررہ جگہ پر آکر بیٹھ جاتے، شاید کسی دوسرے طالب علم کی ہمت بھی نہ ہوتی تھی کہ ان کی جگہ پر قبضہ کرے، ہوتا یہ تھا کہ کسی بلند و بالا مسئلہ پر شاہ صاحبؒ کے معلومات کا بحرِ ذخار موجیں مارتا ہوا چلا جاتا ہے۔ حافظ الدنیا، شیخ ابن ہمام، شمس الائمہ سرخسی، ابن نجیم کا ذکر ہو رہا ہے کہ اچانک شاہ صاحبؒ مولوی محمد عیسیٰ کی جانب متبسمانہ لہجہ میں مخاطب ہو جاتے، اور ان کی طرف خطاب کر کے کچھ فرماتے۔ صحیح الفاظ تو اس وقت یاد نہ رہے اور الفاظ کی نوعیت ایک رہتی کب تھی، تاہم حاصل یہی ہوتا تھا کہ جو کچھ بیان کیا گیا گویا مولوی عیسیٰ صاحب سے

اس کی تصدیق چاہی جاتی تھی۔ بیچارے مولوی محمد عیسیٰ خاموش مسکرانے لگتے، سارا حلقہ اس وقت صرف مسکراہٹ ہی مسکراہٹ، اور تبسم ہی تبسم بن جاتا تھا" ہاں مولوی محمد عیسیٰ صاحب تو آپ کی رائے اس مسئلہ میں کیا ہے"۔ یہ یا قریب قریب اسی کے عموماً ان سے سوال کیا جاتا۔ بظاہر مولوی محمد عیسیٰ صاحب کے وجود سے استرواح اور ازالہ ملال وکلال کا کام لیا جاتا تھا۔ شاید ہی کوئی دن ایام درس کے طویل عہد میں ایسا گزرا ہو جس میں دلوں سے انبساط وانشراح کا یہ موقعہ اول یا آخر یا وسط میں نہ نکل آتا ہو، معلوم نہیں ہمارے یہ رفیق درس آج کل کہاں ہیں؟ کس مشغلہ میں ہیں؟ اسی دنیا میں ہیں یا اپنے محبوب استاذ اور سلف صالحین کے ساتھ لاحق ہو گئے، اگر اسی دنیا میں موجود ہیں تو ان سے معافی کا خواستگار ہوں۔ (احاطہ دارالعلوم میں بیتے ہوئے دن ص ۱۰۹)

کمالِ تواضع وعبدیت :

حضرت مولانا پروفیسر سعید احمد صاحب فرماتے ہیں :

ایک واقعہ لکھتا ہوں جس سے اندازہ ہوگا کہ حضرت الاستاذ کو چھوٹوں کی دلجوئی اور ان کی دلداری کا کس قدر خیال رہتا تھا۔ حضرت الاستاذ میری شادی میں شریک ہوئے اور حضرت نے ہی میرا نکاح پڑھایا تھا۔ یہ مہینہ مئی کا تھا جو آگرہ کے لئے بہت ہی شدید اور انتہائی سخت موسم ہے۔ بارات کو اعتماد پورہ جو آگرہ سے تین چار اسٹیشنوں کے فاصلہ پر ہے وہاں جانا تھا، ریل کے اوقات کی مجبوری کی وجہ سے دوپہر کو [illegible] یا دو ڈھائی بجے کے قریب ہم لوگ آگرہ سے روانہ ہوئے اور ایک ڈیڑھ گھنٹہ کے بعد اعتماد پور کے اسٹیشن پر پہنچ گئے، مگر منزل ابھی دو میل دور تھی۔ اسٹیشن سے قیام گاہ تک جانے کے لئے اس نواح کی مخصوص اور سخت تکلیف دہ سواری یعنی یکہ میں بیٹھنا تھا، پھر اس پر لطف یہ کہ راستہ نہایت ناہموار تھا۔

جا بجا گڑھے اور نشیب وفراز وہ کہ الاماں! گرمی اپنے شباب پر۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یہ قافلہ یکوں پر سوار ہو کر اسٹیشن سے شہر کی جانب روانہ ہوا تو راستہ کی ناہمواری اور گڑھوں کی فراوانی کے باعث بُرا حال ہو گیا۔ حضرت شاہ صاحب ٹھہرے ایک نہایت ہی لطیف اور نازک مزاج بزرگ تھوڑی دیر چلنے کے بعد ہی یکہ رکوایا اور پا پیادہ ہو گئے، چلچلاتی دھوپ پڑ رہی اور لو چل رہی ہے۔ چاروں طرف سے مٹی کے تودے ہیں کہ فضا میں گشت لگاتے پھر رہے ہیں اور اسی عالم میں حضرت شاہ صاحبؒ منہ اور کانوں کو رومال سے لپیٹے ہوئے **حسبنا اللہ و نعم الوکیل** پڑھتے ہوئے قدم بڑھائے اعتماد پور کی آبادی کی طرف چلے جا رہے ہیں۔ آخر خدا خدا کر کے مقام آیا۔ ایک بڑے مکان میں انتظام تھا، وہاں ہم لوگوں کو پہنچا دیا گیا۔ یہاں لوگ پہلے سے موجود تھے، کوئی پنکھا لے کر دوڑا، اور کوئی پانی سے بھرا لوٹا لے کر آیا کہ سخت گرمی میں چل کر آئے ہیں۔ ذرا منہ ہاتھ دھو کر ٹھنڈے ہو لیجئے۔ حضرت شاہ صاحبؒ کو صدر مجلس میں قالین پر بٹھا دیا گیا اور دو تین آدمی بڑے بڑے پنکھے لے کر جھلنے کھڑے ہو گئے۔ جب ذرا پسینہ خشک ہو گیا اور دم میں دم آ گیا تو دودھ کے شربت کا ایک بھرا ہوا گلاس میں خود لے کر حضرت الاستاذ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں آنے کو آ تو گیا، ورنہ حق یہ ہے کہ شرم کے مارے نگاہ نہیں اٹھتی تھی کہ میری وجہ سے مولانا شبیر احمد صاحبؒ اور دوسرے حضرات کو عموماً اور حضرت الاستاذ کو خصوصاً کس قدر شدید تکلیف پہنچی ہے۔

اسی قسم کے خیالات اور احساس ندامت وشرمندگی تھا جن سے اُس وقت دوچار ہو رہا تھا۔ اسی عالم میں دودھ کے شربت کا گلاس حضرت الاستاذ کی طرف بڑھایا۔ حضرت میرے چہرے بشرے سے سمجھ گئے، گلاس میرے ہاتھ سے لے لیا اور خوش مزاجی کے ساتھ فرمایا ......

ع   الا یا ایها الساقی ادر کاسا و ناولها

پھر ایک دو گھونٹ لینے کے بعد میری طرف دیکھ کر ذرا تبسم فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

اور مولوی صاحب" کہ عشق آساں نمود اوّل ولے افتاد مشکلہا"۔

(حیات انور ص ۱۷۲، ۱۷۶)

بے پناہ شفقت:

حضرت مولانا محمد میاں صاحب ناظم جمعیت علماء ہند دہلی حضرت امام کشمیریؒ کا طالبانِ علوم نبوت سے برتاؤ اور طرزِ عمل کی منظر کشی یوں کرتے ہیں:

ایشائی اور مشرقی تہذیب استاذ کو باپ اور شاگردوں کو اولاد کا درجہ دیتی ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ اس کا عملی نمونہ تھے۔ آپ کی بے پناہ شفقت ہر وقت طلبۂ علوم کے استقبال کے لئے وقف تھی۔ آپ کا دروازہ طلبہ کے لئے ہر وقت کھلا ہوا تھا۔ بدشوق طلبہ کو بھی آپ محبت وشفقت ہی سے گرویدہ کرنے کے عادی تھے۔

احقر وہ بدنصیب ہے جو حضرت کی نجی مجلس میں کبھی حاضر نہیں ہوا۔ حضرت کے حجرہ میں بھی شاید ایک مرتبہ ہی حاضری ہوئی۔ حلقۂ درس میں بھی کوئی ممتاز حیثیت نہیں رکھتا تھا۔ اس اجنبیت اور بُعد کے باوجود جب بھی حضرت شاہ صاحب سے واسطہ پڑا۔ احقر نے محسوس کیا کہ حضرت کی بے پناہ شفقت اس ناکارہ کے شامل حال ہے۔

ذاتی رائے پر طالب علم کی دلجوئی کو ترجیح دی:

سب سے پہلے ایک درخواست کے سلسلہ میں حاضر خدمت ہوا۔ اُس وقت احقر درجہ وسطی کی کتابیں پڑھتا تھا۔ حضرت کے حلقۂ درس میں شرکت کے لئے ابھی ایک دو سال باقی تھے۔ ذاتی تعارف کچھ نہ تھا، دارالعلوم کے سینکڑوں طلبہ میں سے ایک میں بھی تھا

۔یہ وہ وقت تھا کہ حضرت مہتمم صاحب دارالعلوم دیوبند "محاکم شرعیہ ریاست حیدرآباد" کے قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) کی حیثیت سے حیدرآباد میں مقیم تھے اور نظام حیدرآباد کی نظر میں دارالعلوم کی خاص عظمت تھی۔ متعدد طلبہ ریاست کے وظائف سے فیض یاب ہو رہے تھے۔ احقر کو بھی چند دوستوں نے مشورہ دیا۔ چنانچہ ایک درخواست نہایت خوشخط ایک کاتب سے احقر نے بھی لکھوائی اور حضرت شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا کہ اس پر سفارش تحریر فرمادیں۔

حضرت شاہ صاحب کی رائے یہ تھی کہ اس قسم کی درخواستیں بے سود ہیں، وہاں کسی خاص تعلق کے بغیر صرف سفارشی الفاظ سے کام نہیں چلتا۔ (چنانچہ نتیجہً درخواست سے اس کی تصدیق ہوگئی کہ آج تک اس کی رسید بھی نہیں آئی) مگر آپ کے لطفِ کرم بیکراں نے اس کی اجازت نہیں دی کہ اپنے رائے کو بالا رکھتے ہوئے سفارش لکھنے سے معذرت فرمادیں۔ جیسے ہی احقر نے درخواست پیش کی، آپ نے بلاتامل مؤثر انداز میں پرزور سفارش تحریر فرمادی۔ سفارش کے تمام الفاظ یاد نہیں رہے، البتہ ایک مصرع یاد ہے جو آخر میں تحریر فرمایا تھا .... ع خسرواں چہ عجب گر بنوازند گدارا

اسی زمانہ میں یا اس سے کچھ عرصہ پہلے کی بات ہے کہ احقر کی پھوپھی کا انتقال ہوگیا۔ احقر کا مکان اسٹیشن کی جانب دیوبند کے آخری کنارہ پر دارالعلوم دیوبند سے تقریباً ایک میل کے فاصلہ پر ہے۔ حضرت شاہ صاحب کو معلوم ہوا تو آپ پاپیادہ تشریف لائے اور جہاں تک یاد پڑتا ہے، نماز جنازہ آپ نے ہی پڑھائی۔

فاش غلطیوں کے باوجود تسامح فرمایا:

دورۂ حدیث میں احقر کے ساتھ ختم سال پر ستاسی (۸۷) طلبہ تھے۔ عبارت عام

طور پر مولانا احمد اشرف صاحب راندیری، مولانا اشفاق صاحب سنبھلی، مولانا محمود الرحمن صاحب جالونی (مرحوم) مولانا عبدالمتین صاحب ہزاروی، مولانا سیف اللہ برادرِ خورد حضرت شاہ صاحبؒ (احقر کے مشفق دوست) مولانا مسعود احمد صاحب مرادآبادی وغیرہ پڑھا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ بخاری شریف کے سبق میں اس مسابقت میں شرکت کا شوق احقر کو بھی ہوا۔ سب سے پہلی صف میں جا کر بیٹھا اور سب سے پہلے بسم اللہ پڑھ کر اپنا حق قائم کر لیا، مگر عبارت پڑھی تو چند فاش غلطیاں ہو گئیں۔ حضرت شاہ صاحب کو نحوی یا صرفی غلطیوں سے بہت کوفت ہوتی تھی اور سختی سے تنبیہ فرمایا کرتے تھے، مگر حضرت نے محسوس فرمایا کہ یہ غلطیاں گھبراہٹ میں ہوئی ہیں، تو نہایت شفقت اور نرمی سے اصلاح فرمائی۔ چند سطریں پڑھی تھیں کہ ایک بحث شروع ہو گئی اور اسی بحث میں گھنٹہ ختم ہو گیا۔ جان بچی لاکھوں پائے پھر بھی اس اقدام کی جرأت نہیں کی۔

نظرِ شفقت صلاحیت پر تھی :

ششماہی امتحان تھا۔ اُس زمانہ میں سہ ماہی یا ششماہی امتحان تقریری ہوا کرتے تھے۔ چند روز پہلے احقر کی شادی ہوئی تھی۔ امتحان دینے کے لئے حضرت شاہ صاحب کی خدمت میں پیش ہوا، عبارت پڑھی، شاید عبارت میں کوئی غلطی بھی کی، پھر مضمون حدیث پر کوئی بحث نہیں کر سکا، خاموش بیٹھ گیا۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے ایک سوال کیا۔ احقر یہی سمجھتا ہے کہ اُس کا جواب الٹا سیدھا دیا، مگر تعجب ہوا کہ احقر کو نمبر پورے عطا فرمائے۔ احقر کا خیال ہے کہ حضرت نے نمبر دیتے وقت وقتی صورتحال کا خیال نہیں فرمایا بلکہ نظرِ شفقت صلاحیت پر تھی اور اسی لحاظ سے نمبر عطا فرمائے۔ اسی قسم کا ایک دلچسپ واقعہ حضرت مولانا اعزاز علی صاحب کے یہاں بھی

چند سال پہلے پیش آ چکا تھا۔

امتحانات میں نظر ''جواب'' پر نہیں ''محنت'' پر ہوتی تھی :

حضرت مولانا کے یہاں مقاماتِ حریری کا درس ہوتا تھا۔ احقر کو اور مولانا اشفاق حسین صاحب سنبھلی کو مقامات سے اتنا شغف تھا کہ حافظِ مقامات مشہور ہو گئے تھے۔ سہ ماہی امتحان کی نوبت آئی۔ امتحان تقریری تھا اور اتفاق سے احقر اور مولانا اشفاق صاحب دونوں کا امتحان ساتھ ہوا اور کچھ ایسی صورت ہوئی کہ اُس وقت درس گاہ میں ہم دو کے علاوہ اور کوئی طالب علم نہیں تھا۔ حضرت مولانا نے ساتویں مقامہ کی عبارت پڑھوائی اور نحوی سوال کیا جس کے جواب میں ہم دونوں قابل ترین طالب علم بغلیں جھانکنے لگے۔ حضرت مولانا نے اپنے مخصوص انداز میں فرمایا: ''مولانا! ہم تو سمجھتے تھے کہ آپ مقامات خوب یاد کرتے ہیں، بڑی محنت کرتے ہیں''۔

حضرت مولانا کے اگلی ملامتی ارشادات کے جواب میں ہم دونوں 'دم بخود' تھے۔ یقین تھا کہ ہم دونوں فیل کر دیئے جائیں گے لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ دونوں کو پورے نمبر عطا فرمائے۔ یہ بزرگانہ شفقت اس لئے تھی کہ ہماری محنت کا یقین تھا۔

اختلافِ رائے کے باوجود مشفقانہ طرز یکساں رہا :

کتب درسیہ سے فارغ ہوا تو ملازمت کے سلسلہ میں بھی حضرت شاہ صاحبؒ کی خاص شفقت نے دستگیری فرمائی۔

آرہ، ضلع شاہ آباد صوبہ بہار میں ایک بہت پرانا مدرسہ ہے 'مدرسہ حنفیہ'۔ اس نے گورنمنٹ سے ایڈ حاصل کرنی شروع کی اور مولوی فاضل وغیرہ کے درجات کھولے تو اُن کو ایسے مدرس کی ضرورت ہوئی جو ادب، تاریخ اور ہیئت وغیرہ کی کتابیں پڑھا سکے۔

حضرت شاہ صاحبؒ کسی تقریب سے بہار تشریف لے گئے تو اراکین مدرسہ حنفیہ کے ایک وفد نے حضرت سے ملاقات کی اور مدرسہ حنفیہ کے لئے ''ادیب'' کی فرمائش کی۔ یہاں جس طرح استاذ محترم حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ کی عنایت خصوصی نے سبقت فرما کر احقر کا نام پیش کیا ایسے ہی حضرت شاہ صاحبؒ کی خاص شفقت تھی کہ باوجودیکہ نہ حضرت شاہ صاحب کے یہاں کا حاضر باش تھا اور نہ اور کوئی خاص تعلق تھا۔ محض ازراہ شفقت احقر کے نام کو منظور فرمایا۔

یہ ۱۳۴۴ھ / ۱۹۲۶ء کا واقعہ ہے۔ اُس وقت احقر کی عمر تقریباً بیس سال تھی، داڑھی نہیں تھی۔ صرف سبزہ آغاز تھا۔ مدرسہ حنفیہ کے عمر رسیدہ مدرسین اور اراکین کے لئے عجیب سی بات تھی کہ ایک لڑکے کو اس خدمت کے لئے بھیج دیا گیا، مگر ان بزرگوں کی دعاؤں نے امداد فرمائی اور چند اجتماع جو اسی ہفتہ میں ہوئے، اُن میں اُردو، اور عربی کی تقریروں نے اس خلجان کو رفع کر دیا اور وہ بجائے تحقیر کے احقر کی عزت کرنے لگے، پھر تقریباً تین سال قیام میں ایسی مقبولیت حاصل ہوگئی کہ اگر وہاں کچھ اور عرصہ قیام رہتا، تو شاید اس حلقہ کی معراج احقر کو حاصل ہو جاتی یعنی مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ کا پرنسپل بنا دیا جاتا مگر ....

عشق نے غالب نکما کر دیا
ورنہ ہم بھی آدمی تھے کام کے

انگریزی سرکار کی وظیفہ خواری کے ساتھ علم دین کی خدمت گوارا نہ ہوئی، گلو خلاصی کی کوشش کرنے لگا۔ ۱۹۲۹ء میں وہاں سے علیحدہ ہو کر جب مدرسہ شاہی مراد آباد میں تقرر ہوا تو اس موقع پر بھی ان دونوں بزرگوں کی شفقت کارفرما تھی۔ حضرت مولانا اعزاز علی صاحب نے کوشش فرمائی اور حضرت شاہ صاحبؒ نے نہایت شاندار الفاظ میں احقر کی سفارش فرمائی۔

اہتمام دارالعلوم سے وہ اختلاف جس کا اشارہ پہلے گذر چکا ہے، احقر کے دیوبند سے چلے جانے کے بعد رونما ہوا۔ عملی طور پر میں نے کسی پارٹی کی حمایت میں کچھ نہیں کہا، البتہ میرے رجحانات اہتمام کی حمایت میں تھے اور حضرت شاہ صاحبؒ کو اس کا علم تھا، مگر آرہ یا مراد آباد سے دیوبند حاضر ہو کر جب بھی خدمت اقدس میں حاضری ہوئی تو احقر نے حضرت کے مشفقانہ طرز میں کوئی فرق نہیں محسوس کیا۔

طریقہ اصلاح:

یہ سارا سلسلہ بیان حضرت میاں صاحب کا ہے، مزید تحریر فرماتے ہیں:

ایک بات اور یاد آگئی۔ دیوبند کے طلبہ اُس زمانہ میں سافہ باندھا کرتے تھے۔ یہ سافے ''گاڑھے'' گبرون یا ململ کے ہوتے تھے۔ بھاگل پوری سبز سافے خاص مقبولیت رکھتے تھے۔ احقر کے پاس ایک بناری سافہ تھا، جس کے پلّوں پر تقریباً چھ چھ انگل سنہری کام تھا۔ ایک مرتبہ یہ سافہ باندھے ہوئے حضرت شاہ صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ شاہ صاحبؒ کی نظر زرکار پلّوں پر پڑ گئی، اثنائے گفتگو میں آپ نے مسئلہ بھی بیان فرما دیا کہ:

''مرد کے لئے چار انگل سے زیادہ سنہری کام جائز نہیں ہے''۔

بیان کا پیرایہ اتنا لطیف تھا کہ اس وقت احقر کو یہ احساس بھی نہیں ہوا کہ تنبیہ اور اصلاح مقصود ہے۔ حضرتؒ سے رخصت ہونے کے بعد غور کرتا رہا کہ اس مسئلہ کو گفتگو کے سیاق وسباق سے کیا تعلق ہے۔ بہت دیر بعد خود اپنے سافہ کا خیال آیا اور پھر پلے کے کام کو ناپا تو چار انگل سے زائد تھا۔ اس کے بعد اس سافہ کے زنانہ کپڑے بنوا دیئے گئے۔ طلبہ کے ساتھ لطف وکرم کی یہ چند مثالیں ہیں، جن کا تجربہ خود احقر کو ہوا۔ قیاس کن زگلستان من بہار مرا۔ (سیرت انور ص ۲۸۹ تا ۲۹۳)

طالب علم سے معافی مانگو:

مولانا سید احمد مالک کتب خانہ اعزازیہ دیوبند کا بیان کیا ہوا یہ واقعہ سننے کے قابل ہے۔ کہتے ہیں کہ جس سال ہماری بخاری و ترمذی حضرت شاہ صاحب کے یہاں زیر درس تھیں، دار العلوم دیوبند میں ایک عجیب مجہول شخصیت طالب علم کی حیثیت سے داخل ہوئی۔ یہ شخصیت پنجاب کی تھی۔ میلے کچیلے کپڑے پھٹا پرانا لباس، یہ طالب علم صرف درس میں نظر آتا۔ باقی تمام اوقات مطالعہ میں گذارتا۔ عصر سے مغرب تک اکثر طلبا تفریح کے لئے نکل جاتے، مگر یہ کبھی تفریح میں نظر نہ آیا۔ محنتی اور شوقین طلباء بھی کبھی اپنی ضروریات کے لئے بازار جاتے لیکن اسے دیوبند کے بازار میں نہیں دیکھا گیا۔ حد تو یہ ہے کہ دار العلوم میں اجتماعات یا وقتی و ہنگامی جلسوں میں اس کی صورت نظر نہ پڑتی۔ میلے کچیلے کپڑے جن پر جوئیں گشت کرتی رہتی، طلبا اس کے قریب بیٹھنے یا اسے اپنے قریب بٹھانے سے گریز کرتے۔ اس کا معمول تھا کہ کھانے کے اوقات میں مٹی کا پیالہ لیے ہوئے مطبخ آتا، کھانا لینے کے بعد وہیں بیٹھ کر کھالیتا۔ اسی پیالہ کو لیے ہوئے مولسری کے کنویں پر پہنچتا، پیالہ کھنگال کر اسی میں پانی پی لیتا اور پھر بدستور داخل حجرہ۔ ایک آدھ مرتبہ اس کے کمرے میں جھانک کر دیکھا تو ایک بوریا اور ایک اینٹ جس سے یہ تکیہ کا کام لیتا، اس کے سوا کمرہ میں کوئی چیز نہیں تھی۔

میرے رفیق درس مولانا مفتی عتیق الرحمان نے ایک روز خلاف معمول اس طالب علم کو دیکھا کہ اپنی مخصوص نشست چھوڑ کر ہمارے ساتھ والی نشست پر آ بیٹھا۔ پھٹا پرانا لباس اس پر چلتی ہوئی جوئیں اپنی کوفت سے زیادہ یہ احساس تکلیف کا باعث بن رہا تھا کہ حضرت استاذ کو بھی اذیت ہوگی۔ حضرت شاہ صاحبؒ تشریف لا چکے تھے۔ آپ کی

تقریر روانی کے ساتھ جاری تھی۔ حافظ ابن تیمیہ، ابن حجر عسقلانی، ابن ہمام، بدر الدین عینی وغیرہ کے حوالے بلند پایہ تحقیقات اور اس پر رد و قدح کے دوران حضرت استاد کی مسکراہٹ۔ میں نے یہ سمجھ کر کہ آپ کی تمام تر توجہ اس وقت متعلقہ مسئلہ کی جانب ہے، نہایت ہی مخفی لہجہ میں اس طالب علم سے کہا کہ تمہیں شرم نہیں آتی، اتنے غلیظ ہوکر یہاں آ بیٹھے ہو، میں مطمئن تھا کہ میری آواز حضرتؒ کے کان تک نہیں پہنچی ہوگی، گردن اٹھا کر دیکھا تو شاہ صاحبؒ کی کشادہ پیشانی پر ناگواری کی شکنیں پڑی ہوئی تھیں اور تقریر کا انبساط بھی رخصت ہو چکا تھا۔ سبق قبل از وقت ختم کیا اور درس گاہ سے رخصت ہوئے، مجھے اشارے سے بلایا، جب میں قیامگاہ پر پہنچا تو محسوس ہوا کہ آپ شدید ناگواری میں ہیں فرمایا مولوی صاحب! آپ بہت نظیف ہیں کہ ایک غریب طالب علم کی آپ نے دل شکنی فرمائی۔ یہ تواضع کے خلاف اور کبر کی علامت ہے۔ آپ کو کیا معلوم جس طالب علم کو آپ نے نخت وست کہا وہ واحد طالب علم ہے جو میری تقریر کو مکمل سمجھ رہا ہے۔ جایئے اس سے معافی مانگئے۔ حضرت استاد کے اس حکم کی تعمیل کی گئی، لیکن یہ شبہ باقی رہا کہ حضرت نے اس طالب علم کے متعلق ایسے وقیع کلمات کس لئے استعمال کئے۔

ایک روز امتحان کی غرض سے اس طالب علم کے کمرہ میں پہنچ کر ایک اہم روایت کے متعلق سوال کیا اور میری حیرت کی انتہا نہ رہی، جب اس کی زبان سے حضرت شاہ صاحبؒ کی تقریر اس طرح سنی کہ الفاظ کی بھی تبدیلی نہ تھی۔ (نقش دوام ص ۹۵)

بھائی شمس الدین رخصت ہو رہے ہیں:

جناب مسعود احمد قاسمی صاحب لکھتے ہیں:

حضرت شاہ صاحبؒ نے بڑی لطیف طبیعت پائی تھی اور ساتھ ہی مزاح کا عنصر

بھی موجود تھا۔ ایک دن عصر اور مغرب کے درمیانی وقت میں بخاری شریف کا درس دے رہے تھے کہ یکا یک کتاب بند کر دی اور کہا جب بھائی شمس الدین ہی چلے گئے تو اب سبق میں کیا لطف رہ گیا۔ چلو تم بھی اپنے گھر کا راستہ لو۔ سب لوگ حیران و پریشان رہ گئے کہ بھائی شمس الدین کون تھے اور وہ کب چلے گئے؟ جب حضرت شاہ صاحبؒ نے لوگوں کی حیرانی کو دیکھا تو غروب ہوتے ہوئے سورج کی طرف اشارہ کر کے فرمانے لگے :

جاہلو ! دیکھتے نہیں وہ بھائی شمس الدین رخصت ہو رہے ہیں، اندھیرے میں سبق پڑھ کر کیا کرو گے۔ اس میں تو لطف نہیں آئے گا۔

دار العلوم دیوبند کے صدر مدرس کی تنخواہ :

ایک مرتبہ ایک صاحب جو دیندار لوگوں میں سے تھے اور کلفیوں کا کاروبار کیا کرتے تھے، کلفیاں لے کر آئے، محفل میں شاہ صاحبؒ کے علاوہ اور بھی بزرگ ہستیاں موجود تھیں، جب سب لوگ کلفیاں کھا چکے تو شاہ صاحبؒ نے اُن سے فرمایا : ''بھئی آپ ان کلفیوں کی تجارت میں ایک مہینے میں کتنا پیدا کرتے ہیں''؟ انہوں نے جواب دیا ''یہی کوئی ساٹھ روپے ماہانہ'' اس پر شاہ صاحبؒ نے فرمایا ''تو پھر تمہیں دار العلوم کی صدر مدرسی کی ضرورت نہیں''۔ یہ بات شاہ صاحبؒ نے اس لئے فرمائی تھی کہ اُن دنوں میں دار العلوم کے صدر مدرس تھے اور اُن کی تنخواہ کل ساٹھ روپے ماہوار تھی۔

پیر نابالغ :

ایک دفعہ دوران درس میں نابالغ کی امامت کا مسئلہ چھڑ گیا کہ آیا نابالغ کے پیچھے نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟ شاہ صاحبؒ نے فرمایا، مسئلہ تو یہی ہے کہ نابالغ کے پیچھے نماز نہیں ہوتی لیکن بعض اوقات ہو جاتی ہے، پھر فرمانے لگے، کبھی تم نے ایسا بھی آدمی دیکھا ہے جو

بوڑھا بھی ہو اور پھر بھی نابالغ ہو؟ پھر خود ہی فرمانے لگے :

''پیر نابالغ میں ہوں کہ چالیس (۴۰) برس کی عمر ہونے کو آئی لیکن ابھی تک غیر شادی شدہ ہوں''۔ (سیرت انور ص ۴۷)

دسترخوان پر آیئے :

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رقمطراز ہیں :

کھونہ ضلع راولپنڈی کے سفر میں احقر مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ حال شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور اور دوسرے بعض اور مستفیدین بھی ساتھ تھے۔ حضرت مولانا مرتضیٰ حسن صاحبؒ بھی ہمراہ تھے۔ راولپنڈی پہنچے، بڑے بڑے اجتماعات ہوئے اور بڑی بڑی عالمانہ تقریریں ہوئیں۔ مجلسی خوش مذاقی اور ظرافت کے سلسلہ میں ایک واقعہ یہ بھی پیش آیا کہ حضرت مولانا مرتضیٰ حسن مرحوم وظیفہ پڑھ رہے تھے جو ناشتہ آ گیا۔ حضرت ممدوح نے زور سے فرمایا کہ : ''شیخ وظیفہ کا مقصد آ چکا ہے دسترخوان پر آ جایئے''۔

اندر باہر فقیر :

کھونہ کے اسی سفر میں حضرت ممدوح نے مجھے ''فقیر صاحب'' کا خطاب عطا فرمایا۔ صورت واقعہ یہ ہوئی کہ بارش بہت زیادہ ہو گئی، جلسہ گاہ شہر سے میل بھر کے فاصلہ پر تھی، راستہ میں بھی بارش آ گئی۔ اور میں سر سے پیر تک پانی میں مع کپڑوں کے نچڑ گیا، جلسہ گاہ کے قریب ایک مسجد میں پہنچ کر بھیگے ہوئے کپڑے اُتارے، ایک صاحب نے اپنی چادر لنگی کے طور پر دی اور ایک صاحب نے اوڑھنے کے لئے دوسری چادر دیدی۔ میں لنگی باندھ کر اور چادر اوڑھ کر ننگے سر ننگے پاؤں حضرت شاہ صاحب کے ساتھ جلسہ گاہ میں پہنچا، حکم فرمایا کہ : ''اس وقت جلسہ میں تقریر تجھی کو کرنا ہوگی''۔

چنانچہ مجھے اسٹیج پر کھڑا کر کے خود ہی میرے تعارف کی تقریر کی اور فرمایا کہ "یہ فقیر صاحب جو آپ کے سامنے حلہ میں ننگے سر ننگے پاؤں کھڑے ہیں فلاں ہیں، فلاں کے بیٹے اور فلاں کے پوتے ہیں بلکہ علمی سواد خاصا رکھتے ہیں' مجمع میں بولنے کا ڈھنگ انہیں آ گیا ہے' یہ جیسے باہر سے فقیر نظر آتے ہیں ویسے ہی اندر سے بھی فقیر صاحب ہی ہیں' آپ ان کی تقریر سے فائدہ اٹھائیں گے"۔ (سیرت انور ص۱۱۶)

حکیمانہ تہدید یا مزاحی تنشیط :

حضرت مولانا قاری محمد طیبؒ صاحب فرماتے ہیں :

ایک بار پچھلی صف میں سے کسی طالب نے سوال کیا، مگر مہمل انداز سے۔ فرمایا کہ "جاہل! تجھے معلوم نہیں کہ میں اسناد متصل کرنا بھی جانتا ہوں، جانتا ہے کس طرح اسناد متصل ہوگی؟ میں اس اپنے پاس والے کو تھپڑ ماروں گا' وہ اپنے والے کو مارے گا، وہ اپنے پاس والے تھپڑ رسید کرے گا، یہاں تک کہ تھپڑ کا یہ فعلی سلسلہ سند تجھ تک پہنچ جائے گا"۔

یہ تہدید بھی تھی اور حکیمانہ رنگ سے فنی اصطلاحات میں ایک مزاح بھی تھا، جس سے طلبہ کی تنشیط (نشاط میں لانا) مقصود تھی۔ (سیرت انور ص۹۳)

چہ دہ گز بہ بالا چہ دہ گز بہ زیر :

ایک دفعہ فرمایا کہ ایک مغفل کھجور کے درخت پر چڑھ کر کھجوریں توڑنے لگا، جب اُترنے لگا تو طریقہ بھول گیا۔ ایک اور مغفل بھی آ گیا۔ اس نے رسہ طویل نیچے سے اس کی طرف پھینکا کہ اس کو اپنے بدن کے ساتھ باندھ لے میں تجھے نیچے کھینچ لوں گا، نیچے کھینچا تو بیچارہ گر کر مر گیا۔ لوگوں نے اسی کو پکڑا، یہ تو نے کیا کیا، بے چارے کی جان بھی گئی، جواب دیا کہ میں نے ایک دفعہ ایک شخص کو کنوئیں سے اسی طریق سے اوپر کھینچ لیا تھا۔ اسی پر قیاس

کر کے میں نے سمجھا .... "چہ دہ گز بہ بالا چہ دہ گز بزیر" .... (انوار انوری ص ۲)

معروف تلامذہ :

ذیل میں ہم حضرت امام کشمیریؒ کے تلامذہ کی ایک مختصر اور نا تمام فہرست پیش کرتے ہیں۔ یہ فہرست نا تمام ہے اور بہت سے چیدہ چیدہ علماء اور صلحاء کے نام ہم نے بخوف طوالت نظر انداز کر دیے ہیں۔

(۱) شیخ الاسلام حضرت مولانا فخر الدین احمد شیخ الحدیث مرکز علوم اسلامیہ دار العلوم دیو بند (دورۂ حدیث شریف آپ نے اگرچہ شیخ الہند علیہ الرحمۃ سے پڑھا ہے، لیکن حضرت شاہ صاحب قدس سرہٗ سے بھی اتنا زیادہ علمی استفادہ کیا ہے کہ آپ کے تلامذہ کی صف میں سب سے اوّل نمبر پر آپ کا شمار کیا جاتا ہے۔

(۲) حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دار العلوم دیو بند۔

(۳) حضرت شیخ الادب مولانا اعزاز علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔

(۴) مجاہد ملت حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ سابق ناظم عمومی جمعیۃ العلمائے ہند دہلی۔

(۵) حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی ناظم اعلیٰ ندوۃ المصنفین دہلی۔

(۶) شیخ الحدیث حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب مئو ناتھ بھنجن ضلع اعظم گڑھ۔

(۷) حضرت مولانا محمد بن موسیٰ میاں سملکی قدس سرہ العزیز افریقہ۔

(۸) حضرت مولانا بدر عالم صاحبؒ مہاجر مدنی مؤلف فیض الباری۔

(۹) حضرت مولانا مناظر احسن گیلانیؒ سابق صدر دینیات حیدر آباد عثمانیہ یونیورسٹی و مؤلف سوانح قاسمی۔

(۱۰) حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ صدر جامعہ اشرفیہ لاہور پاکستان۔

(۱۱) حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ دیوبندی مفتی اعظم پاکستان۔

(۱۲) حضرت مولانا محمد صدیق صاحب مرحوم نجیب آبادی، مؤلف انوار المحمود۔

(۱۳) حضرت مولانا قاضی سجاد حسین صاحبؒ صدر المدرسین مدرسہ عالیہ فتح پوری دہلی

(۱۴) حضرت مولانا سعید احمد صاحبؒ اکبرآبادی پروفیسر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ۔

(۱۵) حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوریؒ، دارالعلوم الاسلامیہ کراچی۔

(۱۶) حضرت مولانا محمد ادریس صاحبؒ سکروڈوی، سابق مدرس جامعہ اسلامیہ ڈابھیل ضلع سورت۔

(۱۷) حضرت مولانا محمد میاں صاحبؒ دیوبندی ناظم جمعیۃ علماء ہند دہلی۔

(۱۸) حضرت مولانا محمد چراغ صاحبؒ گوجرانوالہ۔

(۱۹) حضرت مولانا احسان اللہ خان صاحبؒ تاجور لاہور۔

(۲۰) حضرت مولانا مصطفیٰ حسن علویؒ پروفیسر یونیورسٹی مولوی گنج لکھنؤ۔

(۲۱) حضرت مولانا میرک شاہ صاحب کاشمیریؒ سابق پروفیسر اورینٹل کالج لاہور۔

(۲۲) حضرت مولانا محمد نعیم صاحبؒ لدھیانوی۔

(۲۳) حضرت مولانا حبیب الرحمٰنؒ صاحب لدھیانوی۔

(۲۴) حضرت مولانا حمید الدین صاحبؒ شیخ الحدیث مدرسہ عالیہ کلکتہ۔

(۲۵) حضرت مولانا مفتی محمود احمد صاحبؒ نانوتوی رکن مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند۔

(۲۶) حضرت مولانا حامد الانصاریؒ غازی رکن مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند۔

(۲۷) حضرت مولانا منظور احمد صاحبؒ نعمانی مدیر الفرقان لکھنؤ۔

(۲۸) حضرت مولانا سلطان محمود صاحبؒ سرحدی سابق صدر مدرس مدرسہ فتح پوری دہلی

(۲۹) حضرت مولانا محمد اسماعیل سنبھلیؒ، سنبھل (مرادآباد)

(۳۰) حضرت مولانا محمد تقی صاحبؒ دیوبندی۔

(۳۱) حضرت مولانا محمد ادریس صاحبؒ میرٹھی۔

(۳۲) حضرت مولانا قاضی زین العابدین صاحبؒ سجاد میرٹھی۔

(۳۳) حضرت مولانا محمد صاحب انوریؒ مدرسہ تعلیم الاسلام سنت پورہ لائل پور پاکستان

(۳۴) حضرت مولانا غلام غوث ہزارویؒ صاحب۔

(۳۵) حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب کامل پوریؒ محدث حضرو ضلع کیمبلپور۔

(۳۶) حضرت مولانا شائق احمد صاحبؒ ایڈیٹر عصر جدید کراچی۔

(۳۷) حضرت مولانا قاری اصغر علی صاحبؒ مدرس دارالعلوم دیوبند۔

(۳۸) حضرت مولانا عبدالحق صاحبؒ نافع سابق استاد دارالعلوم دیوبند۔

(۳۹) حضرت مولانا عبدالوہابؒ صاحب مہتمم مدرسہ معین الاسلام ہاٹ ہزاری چاٹگام۔

(۴۰) حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ صدر مدرس مدرسہ معین الاسلام ہاٹ ہزاری چاٹگام۔

(۴۱) حضرت مولانا محمد طاہر القاسمیؒ سابق ناظم دارالصنائع دارالعلوم دیوبندؒ۔

(۴۲) حضرت مولانا محمد یوسفؒ صاحب میر واعظ کشمیر، اصغر مال روڈ راولپنڈی پاکستان

(۴۳) حضرت مولانا سید اختر حسینؒ صاحب مدرس دارالعلوم دیوبند۔

(۴۴) حضرت مولانا یعقوب الرحمٰن صاحبؒ عثمانی سابق ناظم جمعیۃ الطلبہ دارالعلوم دیوبند۔

(۴۵) حضرت مولانا فیوض الرحمٰن صاحب مرحوم پروفیسر اورینٹل کالج لاہور۔

(۴۶) حضرت مولانا عبدالحنان صاحبؒ ہزاروی جامع مسجد صدر راولپنڈی۔

(۴۷) حضرت مولانا مفتی فیض اللہ صاحبؒ ہاٹ ہزاری چاٹگام۔

(۴۸) حضرت مولانا اسماعیل یوسف کاروڈیؒ جوہانسبرگ (ٹرانسوال) جنوبی افریقہ۔

(۴۹) مصلح الامۃ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ فتح پوریؒ۔

(۵۰) حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ سرگودھا۔

(۵۱) مولانا جمیل الدین صاحب میرٹھیؒ جامعہ اسلامیہ بھاولپور۔

(۵۲) حضرت مولانا محمد ایوب صاحبؒ اعظمی شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ ڈابھیل ضلع سورت۔

(۵۳) حضرت مولانا احمد اشرف صاحبؒ جامعہ اشرفیہ راندیر ضلع سورت۔

(۵۴) مولانا انوار الحق صاحب اعظمی مرحوم۔

(۵۵) مولانا عبدالعزیز صاحبؒ بہاری سابق صدر جمعیۃ علماء بمبئی۔

(۵۶) حضرت مولانا سید نثار احمد صاحبؒ نوری الہریاسرائے ضلع دربھنگہ۔

(۵۷) مولانا اسلام الحق صاحب اعظمی استاذ دارالعلوم دیوبند۔

(۵۸) حضرت مولانا ظہور احمد صاحب دیوبندیؒ سابق استاذ دارالعلوم دیوبند۔

(۵۹) مولانا محمد جلیل صاحب کیرانویؒ، استاذ دارالعلوم دیوبند۔

(۶۰) حضرت مولانا حکیم سید محفوظ علی صاحب مرحوم دیوبند۔

(۶۱) مولانا حکیم محبوب الرحمٰن صاحبؒ بجنور۔

(۶۲) مولانا سید احمد رضا صاحب مؤلف انوار الباری بجنور۔

(۶۳) مولانا محمد امین صاحبؒ استاذ حدیث دارالعلوم مئو، اعظم گڑھ۔

(۶۴) مولانا ریاست علی صاحبؒ جبل پور۔

(۶۵) مولانا غلام مصطفیٰ صاحب کشمیریؒ سابق ایم این اے کشمیر۔

(۶۶) مولانا عبدالکبیر صاحب جامعہ مدینۃ العلوم حضرت بل سری نگر۔

(۶۷) مولانا آلِ حسن صاحبؒ دیوبندی مقیم میرٹھ۔

(۶۸) مولانا بشیر احمد صاحبؒ مدرسہ مظہر العلوم کرتپور ضلع بجنور۔

(۶۹) مولانا ابو احمد عبداللہ صاحبؒ لدھیانوی، دارالعلوم نعمانیہ گوجرانوالہ۔

(۷۰) شیخ التفسیر مولانا غلام اللہ خان صاحبؒ راولپنڈی۔

(۷۱) مولانا سید عنایت اللہ شاہ بخاریؒ گجرات پاکستان

(۷۲) حضرت مولانا سیف اللہ شاہ صاحبؒ لولاب کشمیر۔

(۷۳) مولانا عبدالوحید صاحبؒ پرتاپ گڈھ (یو۔پی)

(۷۴) مولانا ڈاکٹر عبدالعلی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ۔

(۷۵) حضرت مولانا حکیم سعد اللہ صاحبؒ ناظم دارالعلوم مئوناتھ بھنجن ضلع اعظم گڑھ۔

(۷۶) حضرت مولانا محمد صادق صاحبؒ صدر مدرس بڑودہ گجرات۔

(۷۷) مولانا نعمت اللہ صاحب انوریؒ، بیر بھوم ضلع اسکول سوری ضلع بیر بھوم۔

(۷۸) مولانا مفتی اسماعیل بسم اللہ مرحوم ڈابھیل ضلع سورت۔

(۷۹) مولانا محمود احمد صاحبؒ ضلع دربھنگہ (بہار)

(۸۰) مولانا حکیم عبدالاول صاحبؒ اجراڑہ ضلع میرٹھ۔

(۸۱) مولانا افتخار علی صاحب خیر نگر بازار میرٹھ۔

(۸۲) مولانا عبداللہ خان صاحبؒ کرتپوری ہمدرد دواخانہ دہلی۔

(۸۳) مولانا اسماعیل کاچھوی صاحب مرحوم جوہانسبرگ جنوبی افریقہ۔

(۸۴) مولانا ایم آئی نانا صاحبؒ جوہانسبرگ جنوبی افریقہ۔

(۸۵) مولانا صالح ابن محمد منگیرا جوہانسبرگ جنوبی افریقہ۔

حضرت امام کشمیریؒ زندگی بھر علوم دینیہ خصوصاً حدیث رسول ﷺ کی تدریس و ترویج میں مشغول رہے۔ اُن کا علمی فیضان دور دور تک پہنچا۔ ہزاروں طالبان علوم نبوت ان کے درس سے فیض یاب ہو کر دنیا کے کونے کونے میں پہنچے..........

چمن میں حسن گل ولالہ دیکھنے والو !
گلوں میں عکس رخ باغبان بھی ہوتا ہے

☆☆☆☆☆☆☆☆

باب : ۴

محدثانہ جلالتِ قدر، تدریسی خصوصیات، تجدیدی کارنامے، محققانہ مباحث، مجتہدانہ افاضات اور درسی معارف وافادات

دارالعلوم دیوبند کی داغ بیل اُن علمائے ربانیین نے ڈالی تھی جو سراپا خلوص و للّٰہیت تھے۔ ان کا دل و دماغ ملتِ اسلامیہ کے شاندار مستقبل کے لئے بے چین تھا۔ انہوں نے اپنے کو اشاعتِ دین اور ترویجِ علوم دینیہ کے لئے وقف کر دیا تھا اور بانیانِ دارالعلوم کچھ زیادہ سن رسیدہ اور معمر نہ تھے بلکہ ان کا تعلق عمر کے اس دور سے تھا جسے دورِ شباب کہا جاتا ہے نوجوانوں کے لئے یہ بات بڑی سبق آموز ہے، اس سے ''بزرگی بعقل است نہ بسال'' کی جہاں تصدیق ہوتی ہے وہاں یہ سبق بھی ملتا ہے کہ مردانِ کار کسی بڑے کام کے لئے اپنے کُہن سال اور معمر ہونے کا انتظار نہیں کرتے، بلند ہمتی ماہ وسال کی پابند نہیں ہوا کرتی۔

دارالعلوم سے ہزاروں علماء، صوفیا، اتقیاء، صلحاء، محدثین، مصنفین اور مبلغین پیدا ہوئے جنہوں نے دنیا کے کونے کونے میں اسلام کی ترویج و اشاعت کے لئے بے مثال قربانیاں پیش کیں۔

دارالعلوم دیوبند میں آغازِ تدریس :

محدث کبیر حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ بھی دارالعلوم کے ابتدائی دور کے تلامذہ میں سے ہیں۔ جب آپ دارالعلوم سے فارغ ہوئے تو کچھ عرصہ مدرسہ امینیہ میں پڑھاتے رہے، پھر کشمیر چلے گئے۔ وہاں ''مدرسہ فیضِ عام'' کے نام سے ایک دینی مدرسہ

قائم کیا، کچھ وقت کے بعد حج کی سعادت سے بہرہ مند ہونے کے لئے سفر حجاز کا ارادہ کیا، وہاں سے واپسی پر دیوبند تشریف لائے اپنے اساتذہ کرام خصوصاً حضرت شیخ الہندؒ کی زیارت وملاقات کا شرف حاصل کیا۔ حضرت شیخ الہندؒ نے فرمایا، اب آپ کو دارالعلوم میں تدریس کرنی ہے۔ کافی عرصہ تک بلاتنخواہ تدریس کرتے رہے، جب شادی ہوئی تو طوعاً و کرہاً تنخواہ قبول کی۔

صدارتِ تدریس :

جب مصر کے مشہور زمانہ عالم سید رشید رضا دیوبند تشریف لائے اور حضرت شاہ صاحبؒ سے ان کی ملاقات ہوئی تو بے ساختہ بار بار یہ کہتے تھے کہ میں نے اس جلیل القدر استاد جیسا کوئی عالم نہیں دیکھا۔ حضرت شیخ الہندؒ کے بعد دارالعلوم دیوبند کی صدارت تدریس کا عہدہ جلیلہ آپ ہی کے سپرد ہوا۔ آپ کی شخصیت پر علم حدیث کا ذوق غالب تھا۔ صحاح ستہ کے علاوہ حدیث کی اکثر کتابیں برنوک زبان تھیں۔

درسِ انور کا ایک منظر :

حضرت مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ آپ کے تلامذہ میں سے ہیں، وہ اپنی کتاب "دارالعلوم میں بیتے ہوئے دن" میں اپنی یادداشتیں اور حضرت شاہ صاحبؒ کے انداز تدریس کی عکاسی کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

بہر حال یوں ہی اب صحیح طور پر یاد نہیں رہا کہ ہفتہ یا ہفتہ سے زیادہ دن گزرے کہ درس کا اعلان ہوا۔ معلوم ہوا کہ کل سے دورہ کے اسباق شروع ہوں گے۔ کتابیں جن کے اسباق شروع ہونے والے تھے، کتب خانہ سے برآمد کرلی گئیں تھیں، صبح کی نماز کے بعد ہی معلوم ہوا کہ سب سے پہلے حضرت سیدنا الامام الکشمیری کے یہاں صحیح مسلم کا سبق

شروع ہوگا۔ طلبا کا ہجوم تھا، انہی کے جھمیلے میں خاکسار بھی نودرہ کی چھت کے شمالی سمت پر جو ایک کمرہ تھا، اس میں حاضر ہوگیا، اتنی بڑی تعداد والی جماعت میں شریک ہوکر بیٹھنے کا یہ پہلا اتفاق تھا۔ خیال آتا ہے کہ صحیح مسلم کا اتفاقاً وہی نسخہ مجھے کتب خانہ سے ملا تھا جو طول و عرض میں حدیث کی دوسری کتابوں کے مقابلہ میں غیر معمولی طور پر ممتاز تھا لیکن کرتا کیا، اسی طویل وعریض کتاب کو لے کر کوٹھے پر چڑھ گیا، درس کے کمرے میں لکڑی کی چھوٹی چھوٹی تپائیاں رکھی ہوئی تھیں، طالب علموں نے انہیں تپائیوں پر قبضہ کرلیا، ایک تپائی میرے حصہ میں بھی آئی۔

علم کا بحرِ بیکراں :

خیال تھا کہ جیسے عام طور پر ہمارے مدارس کا دستور ہے، طلبا کتاب کی عبارت پڑھیں گے اور حضرت شاہ صاحب پھر اس عبارت کا مطلب بتائیں گے۔ لیکن پہلی مرتبہ درس کے ایک نئے طریقے کے تجربہ کا موقع میرے لئے یہ تھا کہ بسم اللہ بھی کتاب کی شروع نہیں ہوئی تھی کہ علم کا ایک بحرِ بیکراں بلا مبالغہ عرض کررہا ہوں ایسا معلوم ہورہا تھا کہ میرے دل ودماغ کے ساحلوں سے ٹکرانے لگا۔ ایسے اساتذہ (غفر اللہ لهم) سے پڑھنے کا موقع ملا تھا، جو کتاب کو شروع کراتے ہوئے غیر ضروری طور پر اس قسم کی عام باتوں کا تذکرہ عموماً کیا کرتے ہیں کہ مصنف نے خدا کی حمد سے کتاب کیوں شروع کی اور اسی عام سوال کو اُٹھا کر، اس کا جو مقررہ جواب کتابوں میں لکھا ہے، لفظوں کے اُلٹ پھیر سے دہرانے کے عادی تھے، صلوٰۃ کی شرح، مختلف اُمور کی طرف اس لفظ کا انتساب اس کے معانی میں کن تبدیلیوں کو پیدا کرتا ہے۔

الغرض مسلمان مصنفوں کی کتابوں کے دیباچہ کے عمومی اجزاء کے متعلق سوال و

جواب، رد و قدح کا موروثی سرمایہ، حواشی و شروح میں جو منتقل ہوتا چلا آ رہا ہے، اسی کو غریب طالبعلموں پر پیش کر کے اپنی علمی وسعت کو ظاہر کرتے تھے، لیکن الامام الکشمیریؒ نے قبل اس کے کہ کتاب کا کوئی لفظ بھی شروع ہوا ہو، ایک خاص قسم کی دلکش ترنم آمیز آواز میں تقریر شروع کی، کس کس موضوع سے اس تقریر کا تعلق تھا، تقریباً چالیس سال کے بعد اس کا دہرانا آسان نہیں ہے لیکن بعض انقلابی تاثرات کا نشان حافظہ پر جہاں تک خیال کرتا ہوں اب بھی باقی ہے پہلے ہی سبق میں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ برسوں میں حاصل ہونے والے معلومات یکایک میرے سامنے آ گئے۔

اندازِ تدریس :

حضرت شاہ صاحبؒ فطرتاً ادیب تھے، اس لئے اردو زبان جو ان کی مادری زبان نہ تھی چاہتے تو اس زبان کے بہترین ادیب و خطیب کی شکل میں اپنے آپ کو نمایاں کر سکتے تھے، لیکن مسلسل عربی کتابوں کے مطالعہ سے اور ادب عربی کی دوامی مزاولت کا اثر تھا کہ زبان مبارک پر عربی زبان کے الفاظ زیادہ چڑھ گئے تھے بلکہ طریقہ بیان بھی آپ کا عربی طرز بیان سے زیادہ متاثر تھا۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ گو تعلیمی و تدریسی زبان آپ کی اردو تھی لیکن عربی زبان کے ایسے الفاظ جو اردو میں عموماً مستعمل نہیں ہیں، اضطراراً آپ کی زبان مبارک سے مسلسل نکلتے رہتے تھے۔

تواتر کے اقسام چہارگانہ کو بیان کرتے ہوئے شاہ صاحب قدس اللہ سرہ العزیز کی زبان مبارک سے پہلی دفعہ میں نے طبقة بعد طبقة کے عام الفاظ کے ساتھ جيلاً بعد جيلٍ کے الفاظ سنے تھے۔ اس کی غرابت کا احساس اب بھی میرے حافظہ میں زندہ ہے۔ شاید اسی موقع پر "الكافة عن الكافة" یا "الكواف عن الكواف" ابن حزم کی مخصوص اصطلاح بھی سننے میں آئی۔

اسی قسم کے غیر مشہور یا اُردو زبان میں جو الفاظ عربی کے مروج نہ تھے، اُن کے استعمال کرنے کی غرض ممکن ہے کہ یہ بھی ہو کہ عام مسلمانوں کو نہ سہی لیکن عربی مدارس کے طلباء کا ان الفاظ سے مانوس ہونا، ان کی شان کے مناسب تھا اور شاہ صاحبؒ شاید اس طریقے سے طلباء کو ان عالمانہ اصطلاحات و تعبیرات سے مانوس بنانا بھی چاہتے تھے۔

بعض غریب اصطلاحات کا تعارف و استعمال :

مجھے یاد پڑتا ہے کہ ایک دفعہ شاہ صاحب نے ان غریب اصطلاحات کے استعمال کی توجیہ کرتے ہوئے یہ بھی ارشاد فرمایا تھا کہ بعض چیزیں دنیا میں ایسی ہیں جن کا ذکر کنائے اور اشارے ہی میں کرنا، عام انسانی تہذیب کا اقتضاء ہے، پھر یہ نکتہ بھی ان ہی سے سننے میں آیا اور بالکل صحیح بات تھی کہ تراشنے والے ان چیزوں کی تعبیر کے لئے اچھے اچھے الفاظ تراش لیتے ہیں" پائین خانہ" مکان کے پچھلے حصے کو کہتے ہیں، پھر اس سے بیت الخلاء مراد لینے لگے، لیکن رفتہ رفتہ یہ لفظ پاخانہ کی شکل اختیار کر کے خود گندہ ہو گیا، فرماتے تھے کہ معانی کی گندگی رفتہ رفتہ الفاظ تک منتقل ہو کر پہنچ جاتی ہے، اس لئے ضرورت ہے کہ تھوڑے تھوڑے دن بعد اس قسم کے الفاظ پر نظر ثانی کی جائے۔

اپنے اسی خیال کے مطابق عورتوں کے ایام کی تعبیر وہ ہمیشہ "ایام طمث" استعمال کرنے کے عادی تھے، کیونکہ "حیض" کا لفظ حالانکہ خود کنائی تعبیر ہے لیکن کثرتِ استعمال نے اس کو بھی اس قابل نہیں رکھا کہ مہذب مجلسوں میں اس کے استعمال کو جاری رکھا جائے۔

گھر کی باتیں :

خیر قصہ تو حضرت شاہ صاحب کے درسی خصوصیات کا تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ باتوں

باتوں میں صرف حدیث ہی نہیں بلکہ دوسرے علوم کے ایسے اہم اہم کلیات، ہاتھوں ہاتھ ان کے درس میں آجاتے تھے کہ اپنے ذاتی مطالعہ سے شاید ساری عمر ان تک رسائی ہم جیسے نارساؤں کی آسان نہ تھی۔

حدیث کے متعلق تواتر کے اقسام چہارگانہ کے سوا اصول حدیث کے "الاعتبار" کے اصطلاح کی شرح کرتے ہوئے شاہ صاحبؒ نے جو تقریر فرمائی تھی حالانکہ تقریباً نصف صدی کے قریب زمانہ گزر چکا ہے لیکن وساوس وشبہات، شکوک واوہام کی جو تاریکیاں اچانک میرے سامنے سے چھٹ گئی تھیں اور سکینت وطمانیت کی جو لذت اس وقت میسر آئی تھی، دل میں اس کی خنکی اور حلاوت اس وقت تک موجود ہے۔ ایک ہی حدیث کے متعلق اعتبار کے قاعدے سے اعتماد اور بھروسہ کی جو منطقی قوت فراہم ہوتی ہے' صحیح طور پر اس قوت سے واقف ہو جانے کے بعد اپنی جبلت سے آدمی اس اعتماد کی کیفیت کے نکالنے سے عاجز ہو جاتا ہے، جو قدرۃً اس عمل کے بعد دلوں میں حدیث کے متعلق پیدا ہو جاتا ہے ۔حدیث کے متعلق شاہ صاحبؒ کے درس میں گر کی باتیں معلوم ہوتی رہتی تھیں۔ ایسی باتیں جن سے تاثرات میں غیر معمولی انقلاب پیدا ہو جاتا تھا۔

آکسفورڈ اور کیمبرج یونیورسٹی کا لکچر ہال :

یاد آتا ہے ایک دفعہ مرحوم صاحبزادہ آفتاب احمد خان جو کسی زمانہ میں علی گڑھ یونیورسٹی کالج کے روح رواں جزوکل یا کم از کم غیر معمولی مؤثر عنصر تھے۔ صاحبزادے صاحب مرحوم کبھی کبھی دیوبند تشریف لایا کرتے تھے۔ ایک دفعہ صحیح مسلم کے درس میں آکر وہ بھی شریک ہوئے، واپس ہو کر میں نے خود ان سے سنا ہے کہتے تھے کہ آج تو آکسفورڈ اور کیمبرج کے لکچر ہال کا منظر میرے سامنے آ گیا تھا۔ یورپ کی ان یونیورسٹیوں میں

پروفیسر کو جیسے پڑھاتے ہوئے میں نے دیکھا ہے، آج ہندوستان میں میری آنکھوں نے اسی تماشے کو دیکھا۔

معلومات کا تلاطم پذیر طوفان :

یادداشت اور حافظہ کی غیر معمولی قوت کا نتیجہ یہ تھا کہ معلومات کا طوفان شاہ صاحب کے اندر تلاطم پذیر رہتا تھا۔ خیال آتا ہے کہ کسی مسئلہ پر تقریر فرماتے ہوئے اسی کی مناسبت سے، ان کا ذہن کسی دوسرے مسئلہ کی طرف منتقل ہو جاتا، تو عموماً فرماتے "مجھے دفاع ہو گیا اس مسئلہ کی طرف" ان دفاعی مسائل میں صرف، نحو، معانی، بیان، بدیع وغیرہ فنون تک کے مسائل شریک تھے۔

سیبویہ کی الکتاب :

عربیت سے تعلق رکھنے والے ان علوم سے شاہ صاحب کو غیر معمولی دلچسپی تھی۔ ان علوم کی اعلیٰ بنیادی کتابوں کا غیر معمولی فکر ونظر کے ساتھ انہوں نے مطالعہ کیا تھا، میرا خیال ہے کہ کافیہ اور شرح جامی کے ساتھ مدارس کے عام مولویوں کا جو تعلق ہوتا ہے، یہی تعلق شاہ صاحب کو سیبویہ کی الکتاب سے تھا۔ ابن عصفور جس کے کچھ نوٹ اور کچھ حواشی سیبویہ کی کتاب پر ہیں، اس نام کو بھی پہلی دفعہ خاکسار نے شاہ صاحب ہی سے سنا تھا اور کہہ سکتا ہوں کہ ان کے بعد پھر کسی مولوی کی زبان سے یہ الفاظ سننے میں نہ آئے۔ دوسروں کی کیا کہوں، سیبویہ کی الکتاب کے مطبوعہ نسخے پر میری نظر تو ضرور پڑی ہے، شاید ادھر ادھر سے کچھ اس کو دیکھا اور پڑھا بھی ہوگا، لیکن ابن عصفور کے حاشیہ کے دیکھنے کا بھی شرف حاصل نہ ہوا۔ معانی وبیان وبدیع کے مسائل میں الجرجانی کی دلائل الاعجاز، اسرار البلاغت یا زمخشری کی تفصیل کے سوا تفتازانی وغیرہ مصنفوں کی کتابوں کا حوالہ دیتے ہوئے شاہ

صاحب کو فقیر نے کبھی نہیں دیکھا۔

فقہی معیار :

اُصول فقہ میں وہ ابن ہمام کی تحریر کے گویا حافظ تھے۔ فقہ میں ابوبکر کاسانی صاحب بدائع شمس الائمہ سرخسی اور ابن نجیم صاحب بحر الرائق سے ان کو بہت متاثر پاتا تھا، شامی کے تفقہ پر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ چنداں بھروسہ نہیں رکھتے۔ صاحب ہدایہ کے بڑے مداح تھے۔ عموماً فرماتے کہ ابن ہمام کی فتح القدیر جیسی کتاب لکھنے کا ارادہ کروں تو کر سکتا ہوں لیکن ہدایہ جیسی کتاب کے لکھنے سے اپنے کو قطعاً عاجز پاتا ہوں۔

(احاطۂ دار العلوم میں بیتے ہوئے دن ص ۶۷ تا ۹۰)

تدریسِ حدیث میں تجدیدی کارنامہ :

حضرت مولانا عبد الحلیم چشتی فاضل دیو بند حضرت شاہ صاحب کے درسِ حدیث کی تصویر یوں دکھاتے ہیں :

حضرت علامہ انور شاہ صاحبؒ درسِ حدیث میں صرف کتاب نہیں پڑھاتے بلکہ صحیح معنوں میں علوم حدیث کا درس دیتے ہیں، جس سے طلبہ کے ذہن میں جلاء نظر میں وسعت اور معلومات میں بیش بہا اضافہ ہوتا تھا اور انہیں اپنی پڑھی ہوئی چیزوں سے کام لینے کا ڈھنگ آتا تھا۔ درسِ حدیث میں علامہ موصوف کا تجدیدی کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے حدیث کی شرح میں ہر فن کا اجراء کیا اور تمام متداول علوم و فنون کو حدیث کی شرح میں برتا اور ان کے اجراء کا طریقہ اور سلیقہ سکھایا ہے۔

درسِ حدیث میں تنوع :

علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ نے درسِ حدیث میں مشکلات علوم کو حل کیا ہے اور فن کی

دقیق باتوں کو سمجھایا ہے۔ ان وجوہ کی بنیاد پر ان کے درس کی تقریروں (امالی) میں جو تنوع پایا جاتا ہے، وہ امالی کی علمی دنیا میں اور کہیں نہیں ملتا۔

امام کشمیریؒ کی امالی کو قید تحریر میں لانے کے لئے موزوں ترین شخصیت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی تھی، وہ بڑے ذہین اور علوم معقول و منقول میں حاذق تھے۔ عربی تحریر و تقریر میں پوری قدرت حاصل تھی۔ انہوں نے فتح الملہم شرح صحیح مسلم میں جگہ جگہ ائمہ فن اور کبار علماء کے اقوال کے ساتھ ساتھ علامہ محمد انور شاہؒ کے اقوال کو بھی زیب قرطاس کیا ہے۔

علامہ محمد انور شاہؒ کی امالی اگرچہ پوری صحاح ستہ پر ہیں لیکن العرف الشذی علی جامع الترمذی، فیض الباری علی صحیح البخاری اور معارف السنن زیادہ اہم ہیں۔ (ماہنامہ اعظم گڑھ اکتوبر ۱۹۹۶ء)

درسِ حدیث کی امتیازی خصوصیات :

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ لکھتے ہیں :

حضرت شاہ صاحبؒ کے درسِ حدیث میں کچھ ایسی امتیازی خصوصیات نمایاں ہوئیں جو عام طور سے دروس میں نہ تھیں اور حضرت شاہ صاحبؒ کا انداز درس درحقیقت دنیائے درس و تدریس میں ایک انقلاب کا باعث ثابت ہوا۔

اولاً آپ کے درسِ حدیث میں رنگِ تحدیث غالب تھا۔ فقہ حنفی کی خدمت و تائید و ترجیح بلاشبہ اُن کی زندگی تھی، لیکن رنگ محدثانہ تھا۔ فقہی مسائل میں کافی سیر حاصل بحث فرماتے، لیکن انداز بیان سے یہ کبھی مفہوم نہیں ہوتا تھا کہ آپ حدیث کو فقہی مسائل کے تابع کر رہے ہیں اور کھینچ تان کر حدیث کو فقہ حنفی کی تائید میں لانا چاہتے ہیں، بھلا اس کا قصد و ارادہ تو کیا ہوتا؟ بلکہ واضح یہ ہوتا تھا کہ آپ فقہ کو بحکم حدیث قبول کر رہے ہیں۔ حدیث فقہ کی طرف نہیں لے جائی جا رہی ہے بلکہ فقہ حدیث کی طرف لایا جا رہا ہے، وہ آ رہا ہے اور

کلیۃً حدیث کے موافق پڑتا جا رہا ہے۔ بالفاظ دیگر گویا حدیث کا سارا ذخیرہ فقہ حنفی کو اپنے اندر سے نکال کر پیش کر رہا ہے اور اُسے پیدا کرنے کے لئے نمودار ہوا ہے۔

درس میں محدثانہ رنگ غالب رہتا :

درسِ حدیث میں آپ کے یہاں محدثانہ رنگ غالب تھا اور حدیث کو فقہ حنفی کے مؤید کی حیثیت سے نہیں بلکہ اُس کے منشا کی حیثیت سے پیش کیا جاتا تھا اور ہاتھ در ہاتھ اُس کے دلائل و شواہد سے اس دعویٰ کو مضبوط بنایا جاتا تھا۔

متونِ حدیث کی معتمد کتابوں کا ڈھیر آپ کے سامنے ہوتا تھا اور تفسیر الحدیث بالحدیث کے اُصول پر کسی حدیث کے مفہوم کے بارہ میں جو دعویٰ کرتے اُسے دوسری احادیث سے مؤید اور مضبوط کرنے کے لئے درس ہی میں کتب پر کتب کھول کر دکھائے جاتے تھے۔ اور جب ایک حدیث کا دوسری احادیث کی واضح تفسیر سے مفہوم متعین ہو جاتا تو نتیجتاً وہی فقہ حنفی کا مسئلہ نکلتا تھا۔ اور یوں محسوس ہوتا تھا کہ حدیث فقہ حنفی کو پیدا کر رہی ہے۔ یہ ہرگز مفہوم نہیں ہوتا تھا کہ فقہ حنفی کی تائید میں خواہ مخواہ توڑ مروڑ کر حدیثوں کو پیش کیا جا رہا ہے یعنی گویا اصل تو مذہب حنفی ہے۔ محض مؤیدات کے طور پر روایات حدیث سے اُسے مضبوط بنانے کے لئے یہ ساری جدوجہد کی جا رہی ہے۔ نہیں، بلکہ یہ کہ حدیث اصل ہے لیکن جب بھی اُس کے مفہوم کو اُس کے قوی اور سیاق و سباق نیز دوسری احادیث باب کی تائید و مدد سے اُسے مشخص کر دیا جائے تو اس میں سے فقہ حنفی نکلتا ہوا محسوس ہونے لگتا ہے۔

تلامذہ کے تأثرات :

اس لئے طلبائے حدیث حضرت ممدوح کے درس سے یہ ذوق لے کر اُٹھتے تھے

کہ ہم فقہ حنفی پر عمل کرتے ہوئے حقیقتاً حدیث پر عمل کر رہے ہیں اور حدیث کا جو مفہوم ابوحنیفہؒ نے سمجھا ہے وہی درحقیقت شارع علیہ السلام کا منشا ہے۔ جس کو روایتِ حدیث ادا کر رہی ہے بلکہ یہ سمجھ میں آتا تھا کہ اس روایتِ حدیث سے امام ابوحنیفہؒ اپنا کوئی مفہوم پیش نہیں کرتے بلکہ صرف پیغمبر علیہ السلام کا مفہوم پیش کر رہے ہیں اور خود اس حدیث میں محض ایک جویا اور ناقل کی حیثیت رکھتے ہیں۔

ہمہ جہتی محققانہ مباحث :

دوسری خصوصیت یہ تھی کہ حضرت ممدوح کے علمی تبحر اور علم کے بحرِ ذخار ہونے کی وجہ سے درسِ حدیث صرف علوم حدیث ہی تک محدود نہ رہتا تھا، اُس میں استطراداً لطیف نسبتوں کے ساتھ ہر علم و فن کی بحث آتی تھی، اگر معانی و بلاغت کی بحث آجاتی تو یوں معلوم ہوتا تھا کہ گویا علم و معانی کا یہ مسئلہ اسی حدیث کے لئے واضع نے وضع کیا تھا، معقولات کی بحثیں آجاتیں اور معقولیوں کے کسی مسئلہ کا رد فرماتے تو اندازہ ہوتا کہ یہ حدیث گویا معقولات کے مسئلہ ہی کی تردید کے لئے قلب نبوی پر وارد ہوئی تھی۔

غرض اس نقلی اور روایتی فن (حدیث) میں نقل و عقل دونوں کی بحثیں آتیں اور ہر فن کے متعلقہ مقصد پر ایسی سیر حاصل اور محققانہ بحث ہوتی کہ علاوہ بحثِ حدیث کے وہ فنی مسئلہ ہی فی نفسہٖ اپنی پوری تحقیق کے ساتھ منقح ہو کر سامنے آجاتا تھا۔

سال بھر تک یکسانی کے ساتھ مسائل پر یہ محققانہ بحثیں جاری رہتیں۔ یہ ضرور تھا کہ ششماہی امتحان کے بعد عصر سے مغرب تک کا وقت طلبہ کا مزید لے لیتے تھے، جس سے رجب کے اواخر تک یعنی امتحان سالانہ شروع ہونے سے پہلے پہلے ترمذی و بخاری یکساں شان تحقیق کے ساتھ ختم ہو جاتی تھیں۔

بہرحال حضرت شاہ صاحبؒ کا درس حدیث محض حدیث تک محدود نہ تھا بلکہ فقہ، تاریخ، ادب، کلام، فلسفہ، منطق، ہیئت، ریاضی اور سائنس وغیرہ تمام علوم جدیدہ وقدیمہ پر مشتمل ہوتا تھا اور اس لئے اس جامع درس کا طالب علم اس درس سے ہر علم وفن کا مذاق لے کر اٹھتا تھا اور اس میں یہ استعداد پیدا ہو جاتی تھی کہ وہ بضمن کلامِ خدا ورسول ہر فن میں محققانہ انداز سے کلام کر جائے۔

درسی لائن کا انقلاب :

یہ درحقیقت درس کی لائن کا ایک انقلاب تھا جو زمانہ کی رفتار کو دیکھ کر الاستاذ الامام الکشمیریؒ نے اختیار فرمایا۔ چنانچہ کبھی کبھی تحدیث بالنعمۃ کے طور پر فرمایا کرتے تھے کہ ''بھائی اس زمانہ کے علمی فتنوں کے مقابلہ میں جس قدر ہو سکا ہم نے سامان جمع کر دیا ہے''۔ بالخصوص فقہ حنفی کے مآخذ ومناشی کے سلسلہ میں حدیثی ذخیرہ کافی ہی نہیں، کافی سے زائد جمع فرما دیا۔

عمر بھر کا نچوڑ :

پھر بھی قیامِ ڈابھیل کے زمانہ میں آخری سال جس کے بعد پھر درس دینے کی نوبت نہیں آئی اور وصال ہو گیا۔ درسِ حدیث میں فقہی وحدیثی تحقیقات کا بہت زیادہ اہتمام فرمایا اور ترجیح مذہب حنفی اور تطبیق روایات میں عمر بھر کے علم کا نچوڑ پیش فرمایا، جس کو املا کرنے والوں نے املا کیا۔

''تائید مذہب حنفی'' کے اس غیر معمولی اہتمام کی توجیہ کرتے ہوئے گاہ گاہ فرماتے کہ عمر بھر ابوحنیفہؒ کی نمک حرامی کی ہے۔ اب مرتے وقت جی نہیں چاہتا کہ اس پر قائم رہوں۔ چنانچہ کھل کر پھر ترجیح مذہب کے سلسلہ میں اچھوتے اور نادر روزگار علوم ومعارف

اور نکات ولطائف ارشاد فرماتے، جس سے یوں محسوس ہوتا تھا کہ منجانب اللہ آپ پر مذہب حنفی کی بنیادیں منکشف ہو گئی تھیں اور اُن میں شرح صدر کی کیفیات پیدا ہو چکی تھیں، جس کے اظہار پر گویا آپ مأمور یا مجبور تھے۔ ان علوم ومعارف کے ذخیرہ کو حضرت ممدوح کے دو (۲) رشید شاگردوں، مولانا محمد یوسف بنوریؒ اور مولانا بدر عالم میرٹھی مہاجر مدنی نے الواح اوراق میں جمع کر کے اہل علم پر ایک ناقابل مکافاۃ احسان فرمایا ہے۔ حق تعالیٰ ان دونوں محقق فاضلوں کو جزاء خیر عطاء فرمائے اور حضرت شاہ صاحب کی روحانیت سے اُن کی نسبت کو اور زیادہ قوی فرمائے۔ (آمین)

عمر بھر امام ابوحنیفہؒ کی نمک حرامی کی :

حضرت ممدوح کا یہ جملہ کہ عمر بھر ابوحنیفہؒ کی نمک حرامی کی۔ شاید اس طرف مشیر ہے کہ حضرت ممدوح جہاں روایاتِ حدیث میں تطبیق وتوفیقِ روایات کا اُصول اختیار فرمائے ہوئے تھے وہیں روایاتِ فقہیہ میں بھی آپ کا اُصول تقریباً تطبیق وتوفیق ہی کا تھا، یعنی مذاہب فقہا کے اختلافات کی صورت میں حنفیہ کا وہ قول اختیار فرماتے جس سے خروج عن الخلاف ہو جائے اور دونوں فقہ باہم جڑ جائیں، اگرچہ یہ قول مفتیٰ بہ بھی نہ ہو اور مسلک معروف کے مطابق بھی نہ ہو، نظر صرف اس پر تھی کہ دو (۲) فقہی مذہبوں میں اختلاف جتنا کم سے کم رہ جائے وہی بہتر ہے۔ ظاہر ہے کہ اس میں بعض مواقع پر خود امام کا قول بھی چھوٹ جاتا اور صاحبین کا قول زیر اختیار آ جاتا تھا۔ یعنی فقہ حنفی کے دائرے سے تو کبھی باہر نہیں جاتے تھے۔ مگر ابوحنیفہؒ کے بلاواسطہ قول سے کبھی کبھی باہر نکل جاتے تھے۔ خواہ وہ بواسطۂ صاحبین ابوحنیفہؒ ہی کا قول ہو۔ شاید اس کو حضرت ممدوح نے ابوحنیفہؒ کی نمک حرامی کرنے سے تعبیر فرمایا ہے۔

اقوالِ ابوحنیفہؒ کا اختیار و ترجیح :

جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آخر عمر میں اس توسع سے رجوع کر کے کھلے طور پر مذہب کے معروف و مفتیٰ بہ جسے بلکہ اقوالِ ابی حنیفہؒ کے اختیار و ترجیح کی طرف طبیعت آ چکی تھی اور یہ بلاشبہ اس کی دلیل ہے کہ ابوحنیفہؒ کی خصوصیات کے بارہ میں حق تعالیٰ نے انہیں شرح صدر عطا فرما دیا تھا اور وہ بالآخر اسی شیخ کبیری پر جم کر چلنے لگے تھے، جس پر اُن کے شیوخ سرگرم رفتار رہ چکے تھے۔

مناظرانہ مباحث :

اسی کے ساتھ درسِ حدیث کے سلسلہ میں مذاہب اربعہ کے اختلافات بیان کرتے ہوئے کبھی کبھی مناظرانہ صورتِ حال بھی پیدا ہو جاتی تھی۔ ان مناظرانہ مباحث اور فرعیاتی اختلافات سے کتاب و سنت کے ہزار ہا مکنون علوم و انکشاف ہوتے تھے جو اس اختلاف کے بغیر حاصل ہونے ممکن نہ تھے اور پھر ان فرعیات کا تزاحم اور تزاحم کے بعد قولِ فیصل حضرت ممدوح کے قلب و لسان سے ظاہر ہوتا تو ظرف کی خصوصیات لگ جانے سے عجیب و غریب اور نئے نئے علوم پیدا ہوئے، پھر ان تزاحمات میں محاکمہ اور ترجیح کے سلسلہ سے جو تنقیحات بیان ہوئیں وہ خود مستقل علوم و معارف کا ذخیرہ ہوتی تھیں۔

اعراب کی تصحیح کا اہتمام :

حضرت مولانا منظور نعمانی صاحب بیان کرتے ہیں :

جو طلبہ صرف و نحو کی خامی اور عربی استعداد کی کمزوری کی وجہ سے حدیث صحیح نہیں پڑھ سکتے تھے اور اعراب میں غلطیاں کرتے تھے، حضرت شاہ صاحب اُن کے لئے حدیث

پڑھنا جائز نہیں سمجھتے تھے، اس طرح اگر طالب علم سے سبق قرأت میں کسی ایسے راوی کے نام میں غلطی ہوتی جو سلسلۂ سند میں بار بار اور کثرت سے آتا تو اس سے بھی آپ کو بڑی سخت اذیت ہوتی تھی اور گویا یہ تکلیف آپ کے لئے ناقابلِ برداشت تھی۔

ایک دن ترمذی کا سبق ہو رہا تھا۔ ایک طالب علم نے عبارت پڑھنی شروع کی۔ شاید پہلی یا دوسری حدیث تھی۔ سلسلۂ سند میں آیا "عَنِ الشَّعْبِی" اُس بیچارہ نے بجائے شَعْبِی کے شُعْبِیْ پڑھا۔ حضرت استاذ نے تصحیح فرماتے ہوئے فرمایا "عَنِ الشَّعْبِی" لیکن اُس بندۂ خدا کی زبان سے پھر وہی نکلا عَنِ الشُّعْبِیْ۔ حضرت نے اُسی وقت سبق سے اُٹھا دیا اور فرمایا جو لوگ اتنے ناقص الاستعداد اور کم فہم ہوں کہ روزانہ سند میں آنے والے راویوں کے صحیح ناموں سے بھی واقف نہ ہوں اور بار بار بتلانے سے بھی نہ سمجھ سکیں اُن کو دورۂ حدیث میں شریک نہیں ہونا چاہئے۔

لایعنی سوال و جواب سے احتراز :

صحیح قسم کے طالب علمانہ سوالات سے حضرت بہت خوش ہوتے تھے اور بڑی بشاشت کے ساتھ جواب مرحمت فرماتے تھے۔ لیکن مُہمل قسم کے اور لایعنی یا غیر متعلق سوالات کی بالکل گنجائش اور اجازت نہ تھی۔ جس سال یہ عاجز دورۂ حدیث میں تھا اُس سال دورہ میں تقریباً سو طالب علم تھے۔ ان میں سے ۴۔۵ کو حضرت نے خود متعین فرمایا تھا کہ صرف یہی سوال کیا کریں اور ان کے علاوہ جس کو سبق کے سلسلہ میں کچھ پوچھنا ہو وہ پہلے ان کو بتلا دے، اگر یہ اس کو پیش کرنے کے قابل سمجھیں تو پیش کریں۔ حضرت کے اس طرزِ عمل کی وجہ سے کسی فضول اور لایعنی بات میں بالکل وقت ضائع نہیں ہوتا تھا۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ حضرت کا یہ ہمیشہ کا رویہ تھا یا اُسی سال یہ طرزِ عمل اختیار فرما لیا۔ (حیات انور ص۲۱۰ تا ۲۱۴)

درسِ حدیث کے دس خصوصیات :

حضرت مولانا محمد ادریس اپنے فاضل استاد حضرت مولانا محمد انور شاہؒ کے درسِ حدیث کی خصوصیات کو ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں :

۱) درسِ حدیث میں سب سے اوّل اور زیادہ توجہ اس طرف فرماتے تھے کہ حدیث نبوی کی مراد باعتبار قواعد عربیت وبلاغت واضح ہو جائے۔ حدیث کی مراد کو علمی اصطلاحات کے تابع بنانے کو پسند نہ فرماتے تھے کیونکہ اصطلاحات بعد میں پیدا ہوئیں اور حدیث نبوی زماناً ورتبۃً مقدم ہے۔ حدیث کو اصطلاح کے تابع کرنا خلافِ ادب ہے۔

۲) خاص خاص مواضع میں حدیث نبوی کے ماخذ قرآن کریم سے بیان فرماتے اور اسی مناسبت سے بہت سی مشکلات قرآنیہ کو حل فرما دیتے تھے۔

۳) حسبِ ضرورت اسماء الرجال پر کلام فرماتے۔ خصوصاً جن رواۃ کے بارے میں محدثین کا اختلاف ہوتا تو اس جرح وتعدیل کے اختلاف کو نقل کر کے اپنی طرف سے ایک قولِ فیصل بتلا دیتے کہ یہ راوی کس درجہ میں قابلِ قبول ہے۔ اس کی روایت حسن کے درجہ میں ہے یا صحیح کے، قابلِ رد ہے یا قابلِ اغماض یا لائق مسامحت۔ اغماض ومسامحت میں جو فرق ہے وہ اہلِ علم سے مخفی نہیں۔ زیادہ تر فیصلہ کا طریقہ یہ بھی رکھتے کہ جب کسی روای کی جرح وتعدیل میں اختلاف ہوتا تو یہ بتلا دیتے کہ یہ راوی ترمذی کی فلاں سند میں واقع ہے اور امام ترمذی نے اس روایت کی تحسین یا تصحیح فرمائی ہے۔

۴) فقہ الحدیث پر جب کلام فرماتے تو اولاً ائمہ اربعہ کے مذاہب نقل فرماتے اور پھر

اُن کے وہ دلائل بیان فرماتے جو ان مذاہب کے فقہاء کے نزدیک سب سے زیادہ قوی ہوتے، پھر اُن کا شافی جواب اور امام اعظمؒ کے مسلک کی ترجیح بیان فرماتے۔

۵) نقلِ مذاہب میں قدماء کی نقول پیش فرماتے اور اُن کو متاخرین کی نقول پر پیش فرماتے اور اُن کو متاخرین کی نقول پر مقدم رکھتے ائمہ اجتہاد کے اصل اقوال پہلے نقل فرماتے پھر مشائخ کے اقوال ذکر فرماتے۔

۶) مسائل خلافیہ میں تفصیل کے بعد یہ بھی بتلا دیتے کہ اس مسئلہ میں میری رائے یہ ہے کہ گویا وہ ایک قسم کا فیصلہ ہوتا جو طلبہ کے لئے موجبِ طمانیت ہوتا۔

۷) درسِ بخاری میں تراجم کے حل کی طرف توجہ فرماتے۔ اولاً بخاری کی غرض مراد واضح فرماتے۔ بہت سے مواقع میں حل تراجم میں شارحین کے خلاف مراد متعین فرماتے تھے۔ ثانیاً یہ بھی بتلاتے کہ اس ترجمۃ الباب میں امام بخاری نے ائمہ اربعہ میں سے کس امام کا مذہب اختیار فرمایا ہے۔ پوری بخاری آپ سے پڑھنے کے بعد یہ واضح ہوتا کہ سوا مسائل مشہورہ کے اکثر جگہ امام بخاری نے امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کی موافقت کی ہے۔

۸) حافظ ابن حجر عسقلانی چونکہ امام شافعیؒ کے مقلد ہیں، اس لئے امام شافعیؒ کی تائید میں جا بجا امام طحاوی کے اقوال اور استدلال نقل کر کے اس امر کی پوری سعی کرتے ہیں کہ امام طحاوی کا جواب ضرور ہو جائے۔ بغیر امام طحاویؒ کا جواب دیے گذرنے کو حافظ ابن حجر یہ سمجھتے ہیں کہ میں نے حق شافعیت ادا نہیں کیا۔ درس میں حضرت شاہ صاحبؒ کی یہ کوشش رہتی تھی کہ مسائل فقہیہ میں حافظ ابن

حجرؒ کا جواب دیے بغیر نہ گذریں۔

۹) اسرار شریعت میں شیخ محی الدین بن عربی اور شیخ عبدالوہاب شعرانیؒ کا کلام زیادہ نقل فرماتے تھے۔

۱۰) درس حدیث کی تقریر مختصر مگر نہایت جامع ہوتی تھی، جس سے ذی علم مستفید ہو سکتے تھے، ہر کس و ناکس کی سمجھ میں نہیں آ سکتی تھی۔

درسی معارف وافادات :

ذیل میں حضرت محدثِ کبیر مولانا محمد انور شاہ صاحبؒ کے درسِ حدیث سے متعلق چند افادات نذر قارئین ہیں۔ جن سے حضرت شاہ صاحب کی محدثانہ جلالتِ قدر کا پہلو سامنے آتا ہے۔

حیاء کی ایک ہی قسم ہے :

الحیاء شعبة من الایمان ...... حیا ایمان کی شاخ ہے۔ حضرت شاہ صاحب اس حدیث کے ذیل میں فرماتے ہیں : میں حیا کو دو قسموں میں اس انداز پر تقسیم نہیں کرتا جو عام علماء کی رائے ہے، یعنی شرعی و عرفی۔ میرے خیال میں حیاء کی ایک ہی قسم ہے۔ البتہ متعلق کے اعتبار سے بدل جاتی ہے۔ جس پر ذکر الٰہی کا غلبہ ہوتا ہے۔ وہ خدا تعالیٰ کی حرام کردہ چیزوں کے ارتکاب میں خدا سے حیا کرتا ہے اور جس پر دنیا کا غلبہ ہوتا ہے، وہ صرف ان چیزوں سے بچتا ہے جو اہل دنیا کی نظر میں معیوب ہوتی ہیں۔ اس لئے حیا ایک ہی ہے، صرف اس کے متعلق بدل رہے ہیں، پھر بھی یہ پیش نظر رہے کہ بعض اخلاق حسنہ ایمان کے مبادی ہیں جو ایمان سے بھی پہلے آتے ہیں اور ان پر ایمان کا رنگ چڑھتا ہے۔

خصائل کفر اور ایمانی اداؤں کا حکم :

حدیث میں ہے : **لا ایمان لمن لا امانة له** ۔ اس سے معلوم ہوا کہ امانت ایمان سے مقدم ہے بلکہ حیا کو بھی ایمان سے مقدم سمجھنا چاہئے اور یہ بھی محفوظ رہے کہ مؤمن میں بعض اوقات خصائل کفر ہوتی ہیں اور بعض کفار میں ایمانی عادات و اخلاق۔ لیکن مؤمن کافرانہ اداؤں کی بنا پر ایمان سے خارج نہیں ہوتا البتہ ان خصائل کی بنا پر زمرۂ مؤمنین میں محبوب نہ ہوگا۔

حسنِ ادب اور سلامتی فکر کا شہکار :

انما انا قاسمٌ و اللّٰہ یعطی ...... جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں صرف تقسیم کرنے والا ہوں اور دینے والے حقیقت میں خدا ہی ہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے اس حدیث کے ذیل میں یہ افادات ذکر کئے ہیں۔

دینا ہو یا تقسیم کرنا ان سب امور کا تعلق تو خدائے تعالیٰ سے ہے، اگرچہ بظاہر آپ معطی بھی ہیں، جیسا کہ آپ قاسم ہیں، اس لئے حدیث میں اشکال ہے کہ آپ نے خود اپنے اور خدا تعالیٰ کے درمیان دینے اور تقسیم کرنے کا فرق قائم کر لیا۔

میں نے غور و فکر کیا تو محسوس ہوتا ہے کہ جناب رسول اکرم ﷺ نے دونوں جملوں میں صرف ظاہر کا لحاظ فرماتے ہوئے یہ تقسیم فرمائی اور آپ ﷺ کا یہ ارشاد عوام کے رجحان و فکر کے مطابق ہے۔ عوام بھی فاعل حقیقی کی طرف منسوب نہیں کرتے بلکہ جس سے ملتا ہے اسی کی طرف منسوب کر دیتے ہیں۔ مثلاً وہ کہتے ہیں کہ زید نے مجھ کو فلاں چیز دی دینے کا فاعل زید کو بتایا گیا اور جو حقیقت میں دینے والا ہے۔ اس کی جانب نسبت نہیں کی گئی۔

میری اس تفصیل کے پیش نظر آنحضور ﷺ کے لئے راہ کھلی ہوتی تھی کہ آپ نے جس طرح اپنے آپ کو قاسم ٹھہرایا ایسے ہی آپ اپنے کو معطی بھی کہہ سکتے تھے لیکن آپ نے ایک اور حقیقت پر نظر رکھی، وہ یہ کہ دینے والا بلند رتبہ اور مستقل ہوتا ہے اور تقسیم کرنے والا صرف ذریعہ بنتا ہے اور لینے والے کی حیثیت کم تر ہوتی ہے تو آپ ﷺ نے بلندی و رفعت استقلال و استحکام خدائے تعالیٰ کے لئے ثابت کیا جو ان کے شایان شان ہے اور اپنی جانب وہ چیز منسوب کی جو آپ کی بشریت کے حسب حال ہے۔ گویا کہ آپ کا یہ ارشاد آپ کے حسن ادب اور سلامتی طبع و فکر کا مظہر ہے۔ اس میں توحید افعال کی بحث کھڑی کر دینا مناسب نہیں۔ حافظ ابن تیمیہؒ نے لکھا ہے اور اس حدیث کے تحت کہ انبیاء علیہم السلام اپنی حیات و ممات میں کسی چیز پر قادر نہیں ہوتے اس لئے آنحضور ﷺ نے خود کو قاسم ٹھہرایا ہے اور اپنے بارے میں مالک نہیں فرمایا، اگر حافظ کی یہ تقریر صحیح رہے تو پھر حدیث میں کسی تاویل کی ضرورت باقی نہیں رہیگی۔

احوال برزخ کا ترتب اعمال دنیا پر ہوتا ہے :

وہ احادیث جن میں ہے کہ قبر میں میت سے سوال و جواب ہوگا، اگر اس کے جوابات صحیح ہوں گے تو فرشتے اس سے کہیں گے کہ دلہنوں کی طرح سو جاؤ۔ اس بارے میں شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ برزخ میں عمل و شغل ختم ہو جائے گا، جبکہ بعض احادیث سے جو مسند دارمی میں موجود ہیں معلوم ہوتا ہے کہ مردے قبر میں بعض مشاغل جاری رکھتے ہیں۔ اذان بھی دیتے ہیں، اقامت بھی کہتے ہیں، نماز بھی پڑھتے ہیں۔ ترمذی کی ایک روایت میں ہے کہ تلاوت بھی کرتے ہیں اور بخاری کی روایت میں تو ان کے حج کا تذکرہ ہے۔ قرآن مجید میں بھی برزخی زندگی کے بارے میں مختلف ارشادات

ہیں۔ مثلاً ایک موقع پر ہے کہ مردے حشر میں بعد النشر کہیں گے من بعثنا من مرقدنا، ہمیں ہمارے قبور سے کس نے اٹھا دیا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اموات قبر میں سوتی ہیں اور انہیں کوئی بھی احساس نہیں، پھر قرآن نے دوسرے موقع پر فرمایا کہ :

اَلنَّارُ یُعْرَضُوْنَ عَلَیْهَا غُدُوًّا وَّ عَشِیًّا ۔ (المؤمن ٤٦)

ترجمہ : آگ جس کے سامنے یہ ہر صبح و شام لائے جاتے ہیں۔

آگ صبح اور شام فرعون اور اس کے ہم خیال لوگوں پر پیش کی جاتی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ برزخ میں احساس ہے، ورنہ تو آگ کو سامنے لانے سے کیا فائدہ؟

میری رائے ان متضاد بیانات کی بنا پر یہ ہے کہ برزخی زندگی میں یکساں احوال نہیں بلکہ دنیاوی زندگی کے مطابق حسن عمل اور بدعملی کی بنا پر قبر کی زندگی کے احوال بدلتے ہیں۔ اس لئے بعض قبر میں پڑے سوتے ہیں اور بعض برزخی حیات میں طرح طرح کی راحتوں و نعمتوں سے لطف اندوز ہوتے ہیں اور یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ برزخی زندگی کو حدیث میں نوم کے ساتھ اس وجہ سے تعبیر کیا کہ لغت عرب میں کوئی ایسا لفظ موجود نہیں جو برزخ کی زندگی کی کیفیات کو ادا کر سکے۔ اس لئے وہی لفظ انتخاب کیا گیا جو برزخی زندگی کی کیفیات کو فی الجملہ ادا کر سکے اور وہ نوم ہی ہے نوم موت سے مشابہ ہے، اس وجہ سے حدیث میں النوم اخ الموت کے لفظ آئے ہیں، برزخ اس دنیوی زندگی کے انقطاع اور ایک دوسری زندگی کا آغاز ہے۔ ایسے ہی نوم میں فی الجملہ انقطاع ہے۔ (تلخیص از نقش دوام)

علم حدیث سے عشق و فریفتگی :

حضرت شاہ صاحبؒ کو علم حدیث سے عشق و فریفتگی کا تعلق تھا اور اس کی نشر و

اشاعت کو انہوں نے اپنی زندگی کا مقصدِ اولین قرار دے رکھا تھا۔ حدیث کی اشاعت و خدمت کے سلسلہ میں محدث کبیر حضرت شاہ صاحبؒ کی مساعی اس دور میں تجدیدی اور اجتہادی شان اور احیاء کا رنگ رکھتی ہیں، ان ہی کی مساعی سے پاک و ہند میں حدیث کا سکہ رائج الوقت کی طرح چلن ہو گیا۔ درسِ حدیث کے مستقل حلقے قائم ہوئے۔ شروح احادیث کے دور کی نشاۃِ ثانیہ ہوئی اور دیکھتے دیکھتے آپ کے شاگردوں کی ایک عظیم جماعت تیار ہو گئی۔ حضرت شاہ صاحب کی پوری زندگی حدیث کی تشریح و تفہیم، تدریس و تعلیم اور اشاعت و تبلیغ میں گزری ....

جو تجھ بن نہ جینے کو کہتے تھے ہم
سو اس عہد کو ہم وفا کر چلے

☆☆☆☆☆☆☆

باب : ۵

تصنیف و تالیف اور تحقیق کے نادر نمونے و شہ پارے

قدرت کا عجیب نظام ہے کہ علماءِ اُمت اور اربابِ ولایت کے مزاج اتنے مختلف ہیں کہ عقل نارسا حیران رہتی ہے۔ کوئی دینی خدمت، تعلیم وارشاد اور افادہ وافاضہ کے پیش نظر تصنیف وتالیف میں مشغول نظر آتا ہے۔ کوئی اصلاح وتربیت کے حرص کی خاطر حلقۂ صحبت واستفادہ کو وسیع کرنے کی فکر میں مصروف ہے۔ کوئی اللہ کا بندہ خمول پسندی، وجاہت وشہرت سے نفرت کی بنا پر گم نامی کو اپنا شیوۂ امتیاز بنائے ہوئے ہے۔ نہ نظامِ قدرت کے عجائب کی انتہا ہے نہ کائنات کی نیرنگیوں کا شمار۔

محیر العقول جامعیت :

حضرت امام کشمیریؒ کو بھی اللہ نے ایک طرف علمی تبحر، محیّر الافکار وجامعیت، حیرت افزا دقتِ نظر، فوق العادۃ حافظہ، کتب بینی ومطالعہ کا عجیب شوق وذوق عطا فرمایا۔ دوسری طرف خمول پسندی وجاہت وشہرت سے نفرت اور تواضع وفروتنی کے کمالات سے سرفراز فرمایا۔ حضرت کشمیریؒ کی پوری زندگی مطالعہ کتب میں گذری اور زندگی بھر کچھ نہ کچھ جواہر ریزے ان کے قلم گوہر بار سے نکلتے رہے۔ مشکلات وحقائق پر اپنی یادداشتیں لکھتے رہے اور علمی افکار ونظریات بھی قلم بند کرتے رہے لیکن کبھی مستقل تالیف وتصنیف کا شوق دامن گیر نہ ہوا۔

اگر سننِ ترمذی کی شرح لکھ دیتے تو !

حضرت امام کشمیریؒ کے شاگرد رشید محدث کبیر حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ

فرماتے ہیں: کاش! اگر ہمارے حضرت امام کشمیریؒ کو اپنے علوم و معارف کے پیش نظر تصنیف و تالیف کا سواں حصہ بھی شوق ہوتا تو آج علمی دنیا کا دامن اُن کے علوم و تحقیقات سے پُر ہوتا اور ان کے علمی جواہرات سے اہل علم مالا مال ہوتے اور آئندہ نسلیں صحیح معنوں میں ان کی معرفت و قدر دانی میں کوتاہی نہ کرتیں۔

حضرت مولانا بدر عالم صاحبؒ نے ایک دفعہ عرض کیا کہ اگر جامع ترمذی پر کوئی شرح تالیف فرمادیتے تو پس ماندگان کے لئے سرمایہ ہوتا۔ غصہ میں آکر فرمانے لگے کہ زندگی بھر نبی کریم ﷺ کی احادیث پڑھا کر پیٹ پالا۔ کیا آپ یہ چاہتے کہ مرنے کے بعد میری حدیث کی خدمت بکتی رہے۔

مشیت الٰہی کو یوں منظور تھا کہ حضرت نے صرف چند رسائل ہی یادگار چھوڑے ہیں۔ جن میں فاتحہ خلف الامام، رفع یدین، مسئلہ وتر اور فتنہ قادیانیت کی تردید میں چند کتابیں شامل ہیں۔

تصنیفی اور تالیفی خصوصیات:

حضرت مولانا یوسف بنوریؒ نے نفحۃ العنبر ص ۱۰۵ پر حضرت امام کشمیریؒ کی تصنیفی و تالیفی خصوصیات کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ مولانا بنوریؒ فرماتے ہیں:

جامعیت و دقتِ نظر و سرعتِ انتقال ذہنی و کثرتِ آمد کی بناء پر طبیعت اختصار کی عادی بن گئی تھی۔ معلومات کی فراوانی کی وجہ سے ضمنی مضامین کثرت سے ذکر فرمایا کرتے تھے۔ حدیث کے لطائف میں جب علم عربیت و بلاغت کے نکات کا بیان شروع ہوجاتا تھا تو ایسا محسوس ہوتا تھا کہ علوم عربیت کی تحقیقات ہی شائد کتاب کے اصلی موضوع ہیں۔ بعید ترین و عمدہ ترین مآخذ سے وہ نقول پیش فرمایا کرتے جن سے محققانہ شروح حدیث کا دامن

بھی خالی ہوتا تھا۔ افسوس کہ اختصار کی وجہ سے میں اس کی مثالیں پیش نہیں کرسکتا۔ اس لئے عام نگاہیں ان کی گہرائیوں تک نہیں پہنچ سکتی تھیں اور یہ مشکل عام طبیعتیں لذت اندوز ہوتی تھیں۔ حضرت کے مختصر سے مختصر رسالے کے لئے بھی سارے علوم سے نہ صرف مناسبت بلکہ مہارت ان میں ضروری ہے۔ ان تصانیف کی صحیح قدر دانی وہی عالم کرسکتا ہے کہ کسی موضوع میں ان کو مشکلات پیش آئی ہوں اور پورے متعلقات کی چھان بین کرچکا ہو اور تشفی نہ ہوئی ہو، پھر حضرت امام العصر کی تالیف کا غور سے مطالعہ کی توفیق ہو، اس وقت قدر شناسی وقدر دانی کی نوبت آئے گی اور حقائق مطلوبہ کے چہرے سے پردے ہٹتے چلے جائیں گے خالی ذہن غیر مبتلا شخص جس کو کبھی کسی مشکل کی خلش ہی پیش نہ آئی، سطحی مضامین و شگفتہ عبارت سے مانوس ہو وہ کبھی قدر نہیں کرسکتا۔

تصنیفات کا اجمالی تعارف (پہلی قسم):

حضرت امام کشمیریؒ کی تصنیفات کا تعارف مولانا بنوریؒ کے سحر آفرین قلم سے نذر قارئین ہے:

(۱) عقیدۃ الاسلام فی حیاۃ عیسیٰ علیہ السلام:

یہ کتاب ۲۲۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ عقیدۂ حیات مسیح علیہ السلام کے بارے میں قرآن کریم کی کیا ہدایات ہیں۔ اس کی تفصیل ہے۔ اس میں احادیث کا استقصاء و استیفاء نہیں کیا گیا ہے۔ بقدر ضرورت ضمناً احادیث کا ذکر ہے۔ اس لئے اس کا دوسرا نام ہے "حیاۃ المسیح بمتن القرآن و الحدیث الصحیح" ضمنی مسائل کی تحقیقات بھی آگئی ہیں۔

عقیدہ وحدۃ الوجود، عالم، عقیدۂ ختم نبوت، کنایہ حقیقت ہے یا مجاز؟

ذوالقرنین اور یاجوج وماجوج کی تحقیق، سدذی القرنین کی تعیین وغیرہ وغیرہ۔

حضرت شیخ عثمانی مرحوم فرمایا کرتے تھے کہ یہ کتاب حضرت شاہ صاحبؒ کی سب کتابوں میں واضح ومفصل وشگفتہ ہے۔

(۲) تحیة الاسلام فی حیاة عیسٰی علیہ السلام :

یہ کتاب ۱۵۰ صفحات کی ہے۔ ''عقیدۃ الاسلام'' کی تعلیقات اور اس پر اضافات ہیں، ادب وبلاغت کی عجیب وغریب ضمنی تحقیقات آگئی ہیں۔

(۳) التصریح بما تواتر فی نزول المسیح :

نزول مسیح علیہ السلام کے متعلق احادیث وآثار صحابہ کو اس میں بہت تفتیش ودیدہ ریزی سے جمع کیا گیا ہے، جن کی تعداد تقریباً سو تک پہنچ جاتی ہے۔ مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کا اس پر ایک نفیس مقدمہ بھی ہے۔

(۴) اِکفار الملحدین فی ضروریات الدین :

۱۲۸ صفحہ کا ایک عجیب وغریب رسالہ ہے، جس میں کفر وایمان کی اصل حقیقت پر روشنی ڈالی گئی اور اُصولی طور پر بحث کی گئی ہے کہ مدار ایمان کیا کیا اُمور ہیں اور کن عقائد و اعمال کے انکار سے کفر لازم آتا ہے اور کس قسم کے عقائد میں تاویل کرنا بھی موجب کفر ہے۔

اس موضوع پر اُمت میں سب سے پہلے امام غزالیؒ نے قلم اُٹھایا تھا۔

''فیصل التفرقہ بین الاسلام والزندقہ'' ان کا رسالہ مصر وہندوستان میں عرصہ ہوا کہ شائع ہو چکا ہے۔ اس رسالے کی عمدہ تحقیقات حضرت شیخ نے چند سطروں میں نقل فرمائی ہیں۔ عصر حاضر میں یہ ایک اہم ترین دینی خدمت تھی۔ وہ حضرت نے پوری

فرمادی۔ اس پر سارے علماء دیوبند کی رائیں اس لئے لکھوادی ہیں تاکہ اہل حق جماعت میں اس اہم ترین مسئلہ میں کوئی اختلاف نہ ہے۔

(۵) خاتم النبیین :

یہ عقیدۂ ''ختم نبوت'' میں عجیب رسالہ ہے جو ۹۶ صفحات پر پھیل گیا ہے۔ فارسی زبان میں ہے لیکن دقیق۔ حضرت کا خاص اسلوب، علمی کمالات اور وہبی علوم کے نمونے پورے طور پر جلوہ آرا ہیں۔

حضرت مولانا سید سلیمان صاحبؒ نے بھی ایک دفعہ ایک مکتوب میں تحریر فرمایا تھا کہ بہت دقیق ہے، عام لوگ نہیں سمجھ سکتے۔

(۲) فصل الخطاب فی مسئلة اُم الکتاب :

مسئلہ'' فاتحہ خلف الامام ''جو عہد صحابہ سے لے کر آج تک معرکۃ الآراء موضوع رہا ہے۔ اس پر ۱۰۶ صفحات کا محققانہ رسالہ ہے۔ حدیث عبادہ بروایت محمد بن اسحاق کی عجیب وغریب تحقیق کی گئی۔ بڑی تدقیق کے ساتھ اس اہم موضوع کا حق ادا کردیا گیا ہے۔ لفظ ''فصاعداً'' کی تحقیق میں ۱۲'۱۳ صفحات پر مشتمل دقیق ترین مضمون آ گیا ہے۔ یہ مضمون چونکہ عام دسترس سے بالکل باہر تھا، راقم الحروف نے اپنی کتاب معارف السنن شرح ترمذی (مخطوط) میں اس کی جدید اسلوب عصری سے تحلیل وتشریح کی ہے اور شگفتہ عربی میں اس کی تسہیل کی کوشش کی ہے۔

حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی مرحوم کو ڈابھیل میں جب یہ مضمون سنایا، نہایت محظوظ ہوئے اور بے ساختہ فرمایا کہ حق تعالیٰ جزاء خیر عطا فرمائے کہ اس مشکل ترین دقیق وغامض مضمون کی ایسی افصاح کی کہ شاید مقدور میں اس سے زیادہ ممکن نہیں ہے۔

(۷) خاتمة الخطاب في فاتحة الكتاب :

مسئلہ " فاتحہ خلف الامام " پر فارسی زبان میں لطیف رسالہ ہے۔ با مراجعت کتاب دو روز میں محرم ۱۳۲۰ھ میں تالیف فرمایا ہے۔ مسئلہ پر جدید انداز میں استدلال ہے۔ حضرت مولانا شیخ الہندؒ کی اس پر تقریظ بھی ہے۔ حضرت شیخ نے وقت نظر کی خوب داد دی ہے۔

(۸) نيل الفرقدين في مسئلة رفع اليدين :

۱۴۵ صفحات پر مشتمل ہے۔ مسئلہ خلافیہ نماز میں رکوع سے پہلے اور بعد میں ہاتھوں کو اُٹھانے کے موضوع پر نہایت عجیب انداز میں تحقیق فرمائی ہے اور نہایت انصاف سے محققانہ انداز میں یہ ثابت فرمایا ہے کہ مسئلہ میں اختلاف عہد صحابہؓ سے ہے اور اس میں اولویت کا اختلاف ہے۔ جائز ناجائز کا اختلاف نہیں۔ ضمنی طور پر نفیس مباحث آ گئے ہیں۔

(۹) بسط اليدين لنيل الفرقدين :

سابق الذکر موضوع پر چونسٹھ (۶۴) صفحات کا رسالہ ہے۔ یہ رسالہ سابق "نیل الفرقدین" کا تکملہ ہے اس موضوع پر قدماء محدثین سے لے کر متاخرین اور عصر حاضر تک بہت کچھ خامہ فرسائی ہو چکی ہے۔ اس پائے مال موضوع پر ایسے محققانہ اسلوب میں جدید استدلالات دقیق استنباطات پیش کرنا یہ حضرت شاہ صاحب ہی کا حصہ ہے۔ الشیخ الامام محمد زاہد الکوثری اپنی کتاب "تانيب الخطيب فيما ساقه في ترجمة ابي حنيفة من الاكاذيب" ص ۱۴۳ میں رقمطراز ہیں:

هذا البحث اى رفع اليدين من الذيل الفت فيه كتب مستقلة من الجانبين و من احسن ما الف في هذا الباب نيل الفرقدين و بسط اليدين كلاهما لمولانا العلامة الحبر البحر محمد انور شاه الكشميرى و هو جمع في كتابيه لب اللباب فشفى و كفى اهـ۔

رفع الیدین کے موضوع پر جانبین سے مخصوص کتابیں لکھی گئی ہیں، لیکن اس موضوع پر بہترین کتابیں علامہ حبر و بحر مولانا محمد انور شاہ صاحب کشمیریؒ کی دو کتابیں ہیں' نیل الفرقدین اور بسط الیدین جن میں سارا لب لباب آ گیا ہے اور یہ شافی و کافی ہیں۔

درحقیقت صحیح قدر دانی ایسے محققین ہی کر سکتے ہیں۔

(۱۰) كشف الستر عن صلاة الوتر :

مسئلہ "وتر" کے بارے میں اُمت میں جو اختلافات چلے آئے ہیں' کل خلافیات سولہ سترہ تک پہنچ جاتے ہیں۔ ان میں جو مشکل ترین وجوہ ہیں، ان کی ایسی تحقیق و فیصلہ کن تدقیق فرمائی ہے کہ کسی منصف مزاج کو مجال انکار باقی نہیں رہتا۔ رسالہ ۹۸ صفحوں میں تمام ہوا۔ دوسرے ایڈیشن میں بمقدار ایک ثلث تعلیقات کا اضافہ فرمایا ہے۔ مسئلہ آمین بالجہر' وضع الیدین علی الصدور وغیرہ مسائل کی تشفی کن تحقیق فرمائی گئی ہے۔ شروع میں خطبہ کے بعد ایک فصیح و بلیغ عربی کا قصیدہ جو نہایت ہی مؤثر اور رقت انگیز ہے۔ ہر حیثیت سے قابل دید ہے۔

(۱۱) ضرب الخاتم علي حدوث العالم :

"حدوث عالم" علم کلام و فلسفہ کا معرکۃ الآراء موضوع ہے۔ متکلمین و فلاسفۂ اسلام نے سیر حاصل بحثیں کی ہیں۔ مستقل رسائل کا موضوع بحث رہا ہے۔ شیخ جلال الدین دوانی نے بھی اس پر ایک رسالہ "الزوراء" کے نام سے تصنیف کیا ہے۔ حضرت شیخ رحمہ اللہ نے اس سنگلاخ وادی میں قدم رکھا ہے اور الٰہیات و طبعیات اور قدیم و جدید فلسفہ کی رو

سے اتنی کثرت سے دلائل و براہین قائم کیے ہیں کہ عقل حیران رہ جاتی ہے۔ اور'' حدوث عالم'' کا مسئلہ نہ صرف یقینی بلکہ بدیہی بن جاتا ہے، لیکن افسوس کہ حضرت نے ان براہین و دلائل وشواہد کو چار سو (۴۰۰) شعر میں منظوم پیش کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ شعر کا دامن تفصیلات سے خالی رہتا ہے، لیکن اس کے ایضاح وحل کے لئے ہزاروں حوالے کتب متعلقہ کے دیدیئے گئے، جن میں صدر شیرازی کی'' اسفار اربعہ'' فرید وجدی' وبستانی کے دائرۃ المعارف خصوصیت رکھتی ہیں۔ راقم الحروف نے حضرت کے حکم سے متعلقہ حوالہ جات تقریباً ایک سو صفحات میں بڑی عرق ریزی سے جمع کیے تھے جس سے حضرت بے حد مسرور تھے اور میری اس ناچیز خدمت کو ایک دفعہ مولانا حبیب الرحمٰن خان شیروانی کے سامنے بہت سراہا تھا۔ فرماتے تھے کہ اصل موضوع تو'' اثبات باری'' تھا، لیکن عنوان میں ایک قسم کی شناعت تھی۔ اس لئے'' حدوث عالم'' کا عنوان تجویز کیا اور آخر میں دونوں کا مفاد ایک نکلتا ہے۔

(۱۲) مرقاۃ الطارم لحدوثِ العالم :

سابق الذکر موضوع پر ۶۲ صفحات میں رسالہ ہے۔ رسالہ کیا ہے' دریا کو کوزے میں بند کر دیا ہے۔ اس رسالے میں ادلہ و براہین کے استقصاء کا ارادہ نہیں فرمایا، بلکہ یہ ''ضرب الخاتم'' کے لئے مقدمات وتشریح وتفسیر کا کام دیتا ہے۔ نظائر وشواہد موضوع پر اتنے پیش کیے ہیں کہ عقلی برہان سے پہلے ذوق ووجدان فیصلہ کر لیتا ہے۔ ترکی کے سابق شیخ الاسلام مصطفیٰ صبری جو قاہرہ میں جلاوطنی کے بعد مقیم تھے اور ردّ مادیئین ودہریئن میں نہایت ہی متخصص جلیل القدر عالم تھے۔ ترکی وعربی میں اس موضوع پر متعدد کتابیں تالیف فرما چکے تھے۔

۱۳۵۷ھ مطابق ۱۹۳۸ء میں یہ رسالہ ان کو راقم الحروف نے دیا تھا۔ مطالعہ فرمانے کے بعد اتنے متاثر ہوئے اور فرمایا کہ میں نہیں جانتا تھا کہ فلسفہ وکلام کے دقائق کا اس انداز سے سمجھنے والا اب بھی کوئی دنیا میں زندہ ہے' اور پھر فرمایا :

انی أفضّل هذه الوريقات على جميع المادة الذاخرة فى هذا الموضوع و انى افضلها على هذه الاسفار الاربعة للصدر الشيرازى۔ یعنی جتنا کچھ آج تک اس موضوع پر لکھا جا چکا ہے، اس رسالہ کو اس سب پر ترجیح دیتا ہوں اور یہ اسفار اربعہ (ان کے سامنے رکھی ہوئی تھی) اتنی بڑی کتاب پر اس رسالہ کو ترجیح دیتا ہوں، پھر اس وقت'' القول الفیصل'' کے نام سے ردّ دہریئن میں ایک مبسوط کتاب تالیف فرما رہے تھے۔ اس میں اس رسالہ سے بہت نقول لئے اور اس کتاب میں اس رسالہ کی بڑی تعریف کی۔

ایک حصہ اس کا طبع ہو چکا ہے نہ معلوم یہ عبارت اس حصہ میں آ گئی یا نہیں۔ ضمناً اس رسالہ میں کلام وتصوف الٰہیات وطبیعیات کے بہت سے حقائق کا فیصلہ فرمایا گیا ہے۔

(۱۳) إزالة الرين فى الذبّ عن قرة العينين :

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کی مشہور کتاب '' قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین '' کا حیدرآباد دکن میں کسی شیعی مزاج عالم نے رد لکھا تھا۔ حضرت امام العصر نے شاہ دہلوی کی تائید میں اس کی تردید لکھی۔ نہایت عمدہ کتاب ہے۔ ۱۹۶ صفحات میں پھیلی گئی ہے۔ اس میں قال المولى المؤلف کہہ کر شاہ دہلوی کی عبارت نقل فرماتے ہیں۔ قال المعترض سے تردید کرنے والے کی عبارت اور اقوال سے اس کی تردید فرماتے ہیں۔ اس کتاب کا ایک نسخہ مجھے کشمیر میں ملا تھا۔ ابتداء سے ۱ صفحے غائب ہیں۔ اس لئے مجھے

نہ معلوم ہو سکا ہے اور سوء اتفاق سے حضرت شیخؒ سے پوچھنے کی نوبت نہ آئی" ازالۃ الرین" میرا تجویز شدہ نام برائے نام ہے۔

(۱۴) سہم الغیب فی کبد اھل الریب :

(تاریخی نام" قسیّ سہم الغیب")

ہندوستان کی سرزمین جہاں بدقسمتی سے بہت سے بدعات اور عقائد شرکیہ بعض سادہ لوح مسلمانوں میں رائج ہو گئے ہیں۔ ایک ان میں سے "علم غیب" کا عقیدہ ہے اور سید احمد رضا خاں صاحب بریلوی اور ان کے اتباع نے اس کو علمی رنگ میں پیش کیا اور ایک عرصہ تک ہندوستان میں یہ موضوع بحث رہا۔ ایک شخص بریلوی نے اس میں ایک رسالہ لکھا اور اہل حق کے مسلک کے خلاف اپنے نامۂ عمل اور نامۂ قرطاس کو سیاہ کیا اور اپنا نام عبد الحمید دہلوی ظاہر کیا۔ حضرت شیخؒ کا قیام اس زمانہ میں دہلی میں تھا۔ آپ نے جواب ترکی بہ ترکی عبد المجید بریلوی کے نام منسوب کر کے اس کا جواب شائع فرمایا۔ رسالہ کے آخر میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور حضرت مولانا شیخ الہند محمود حسن دیوبندیؒ کے مناقب میں عربی میں ایک قصیدہ ہے، رسالہ کی زبان حضرت شیخؒ کے عام تصنیفی مذاق کے خلاف اردو ہے۔

یہ چودہ تصانیف تو امام العصر شاہ صاحبؒ کی وہ ہیں کہ اپنے قلم سے تالیف فرمائے ہیں۔

تصنیفات کی دوسری قسم :

دوسری قسم کی وہ تصنیفات ہیں کہ آپ کی یادداشتوں سے مرتب کی گئی ہیں۔ اس کا ذکر کرنا بھی میرے خیال میں ضروری ہے۔

(۱) مشکلات القرآن :

قرآن کریم کی جن آیات کریمہ کو مشکل خیال فرمایا تھا، خواہ وہ اشکال تاریخی اعتبار سے ہو یا کلامی حیثیت سے۔ سائنس کی رو سے ہو یا کسی عقلی پہلو سے یا علوم عربیت و بلاغت کی جہت سے عنوان پر یادداشت مرتب فرمائی تھی، اگر کہیں اس پر عمدہ بحث کی گئی ہے اس کو نقل فرمایا یا حوالہ دیا اور انہیں تو خود غور و فکر کے بعد جو حل سانح ہوا تحریر میں لایا گیا۔ یہ یادداشت بہ شکل مسودات مختلف اوراق میں موجود تھی۔ مجلس علمی ڈابھیل نے مرتب کر کے اسے شائع کیا اور راقم الحروف نے مجلس علمی کی خواہش پر "یتیمۃ البیان" کے نام سے ۸۲ صفحہ کا اس کا مبسوط مقدمہ لکھا ہے۔ اصل کتاب ۲۸۷ صفحات پر ختم ہوئی۔ قرآنی علوم اور قرآنی معارف کا نہایت بیش قیمت گنجینہ ہے۔ اگر جدید اسلوب سے اس کو پھیلایا گیا تو ایک ہزار صفحات میں کہیں جا کر کتاب ختم ہوگی۔ بعد میں معلوم ہوا کہ قرآن کریم کے متعلق کچھ اور مسودات بھی نکل آئے تھے۔ جن کی زیور طبع سے آراستہ ہونے کی نوبت ابھی نہیں آئی۔

(۲) خزینۃ الاسرار :

یہ ایک رسالہ ہے جس میں کچھ اوراد و ادعیہ کچھ مجربات و اذکار وغیرہ جمع کئے گئے ہیں۔ یہ سب علامہ دمیری کی کتاب "حیاۃ الحیوان" کے اقتباسات ہیں، کہیں کہیں حضرت شاہ صاحب کی طرف سے اضافات بھی ہیں۔ یہ رسالہ حضرت کے قدیمی مسودات جو کشمیر میں تھے ان میں دستیاب ہوا تھا۔ مجلس علمی ڈابھیل نے اس نام سے شائع کیا۔

(۳) فیض الباری بشرح صحیح البخاری :

یہ حضرت شاہ صاحب کے درس صحیح بخاری کی املائی شرح ہے، جس کو حضرت مولانا بدر عالم صاحب میرٹھی مہاجر مدینہ نے کئی سال کی محنت و عرق ریزی کے بعد فصیح و

بلیغ عربی زبان میں مرتب کیا ہے۔ یہ حضرت امام العصر کے علوم و کمالات کی سچی تصویر پیش کرتی ہے۔ جہاں حافظ شیخ الاسلام بدر الدین عینی اور قاضی القضاۃ حافظ ابن حجر عسقلانی جیسے بلند پایہ محقق شارحین عاجز آ گئے ہیں، وہاں شیخ کے خصائص و کمالات جلوہ آرا نظر آئیں گے۔ زیادہ تر اعتنا انہی معارف حدیث کا کیا گیا۔ جہاں شارحین ساکت نظر آتے ہیں۔ حضرت شیخ کے آخری عمر کے مجرب علوم واذواق خصوصی احساسات و علمی خصوصیات دقت نظر و تحقیقی معیار کے نمونے اہل علم و یاران نکتہ داں کے لئے صلائے عام دے رہے ہیں۔ یہ چار ضخیم جلد کا بحر بیکراں مصر میں آب و تاب سے شائع ہوا ہے۔ قرآن و حدیث فلسفہ کلام و معانی و بلاغت وغیرہ کے نہایت بیش بہا ابحاث سے مالا مال ہے (اس پر راقم الحروف اور حضرت جامع و مرتب کے قلم سے دو مبسوط مقدمے ہیں۔ ۸۰ صفحات پر مشتمل ہیں) عام عبارت نہایت شگفتہ و سلیس ہے۔ بعض بعض مقامات میں خاصی ادبی لطافت ہے۔

(۴) العرف الشذی بشرح جامع الترمذی :

یہ حضرت شاہ صاحب کی درس جامع ترمذی کی املائی شرح ہے۔ جس کو جناب مولانا محمد چراغ صاحب ساکن ضلع گجرات نے بوقتِ درس قلم بند کیا ہے اور زیورِ طباعت سے آراستہ ہو چکی ہے اور اس کا دوسرا ایڈیشن بھی شائع ہوا ہے۔ جامع ترمذی کے مشکلات احادیث احکام پر محققانہ کلام ہر موضوع پر عمدہ ترین کبارِ اُمت کے نقول اور حضرت کی خصوصی تحقیقات کا ذخیرہ ہے۔ طلبۂ حدیث اور اساتذۂ حدیث پر عموماً اور جامع ترمذی کے پڑھانے والوں پر خصوصاً اس کتاب کا بڑا احسان ہے۔

(۵) انوار المحمود فی شرح سنن ابی داؤد :

یہ سنن ابی داؤد کے درس کی املائی تقریر و شرح ہے جس کو مولانا محمد صدیق

صاحب نجیب آبادی مرحوم نے جمع کر کے شائع کیا ہے۔ کل دو جلدوں میں ہے۔ مرتب و جامع نے بہت سی کتابوں کی اصلی نقول کو مراجعت کر کے لفظ بلفظ درج کر دیا ہے۔ کتاب کے تسمیہ میں حضرت شاہ صاحب اور ان کے شیخ حضرت شیخ الہند کے نام کی تلمیح کی گئی ہے۔

(۶) صحیح مسلم کی املائی شرح :

سنا ہے کہ ہمارے محترم دوست فاضل گرامی جناب مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی نے صحیح مسلم کے درس کی تقریر قلم بند فرمائی تھی۔ یہ اب تک طبع نہ ہوئی، نہ راقم الحروف کو دیکھنے کا شرف حاصل ہوا ہے۔

(۷) حاشیہ سنن ابن ماجہ :

جناب محترم مولانا سید محمد ادریس صاحب سکروڈوی سے سنا تھا کہ آپ نے سنن ابن ماجہ پر کتاب کے حواشی و ہوامش پر تعلیقات اپنے قلم سے لکھی تھیں۔ راقم الحروف کو اس کے دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا۔

یوں تو حضرت نے جن کتابوں پر تعلیقات لکھی ہیں، اگر استقصاء کیا جائے تو متعدد کتابیں نکل آئیں گے۔ ”الاشباہ والنظائر“ جو ابن نجیم کی فقہ میں مشہور کتاب ہے۔ اس پر تعلیقات حضرت کے قلم سے خود میں نے کشمیر میں دیکھے ہیں۔

یہ کل اکیس (۲۱) کتابیں ہوئیں جن سے حضرت امام العصر کے کمالات کے کچھ پہلو نمایاں ہو سکتے ہیں۔ کتاب کی پوری حقیقت اس وقت منکشف ہوتی ہے کہ کتاب کے مضامین یا خصوصیات کا واضح تعارف کراتا اور جن مشکل ابحاث میں حضرت کے کمالات نظر آ رہے ہیں، ان کی تفصیلات سامنے آتیں، لیکن ظاہر ہے کہ یہ کسی مقالے کے لئے موزوں نہیں۔ تفصیلی تبصرہ اور علوم و معارف کے نمونے پیش کرنے کے لئے ایک مستقل

تالیف کی ضرورت ہے۔ (مجلہ امام ص ۱۰۵ تا ۱۱۷)

وسعتِ علم ونظر اور شانِ تحقیق :

تصنیف وتالیف کا ذوق اور ملکہ ایک وہبی چیز ہے۔ رب ذوالجلال جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔ خالق کائنات نے حضرت امام کشمیریؒ کو تصنیف وتالیف کے ساتھ ساتھ اعلیٰ درجہ کا تحقیقی ذوق بھی عطا فرمایا تھا ....

مثل خورشید سحر ' فکر کی تابانی میں
بات میں سادہ و آزاد ' معانی میں دقیق

حضرت امام کشمیریؒ کی علمی رفعت' مرتبہ ومقام' تصنیفی' تالیفی اور تحقیقی ذوق اور ہمہ جہت خدمات کا تذکرہ مجھ گناہ گار کے احاطہ ادراک سے کہیں بلند ہے۔ ذیل میں حضرت کے تلمیذ رشید حضرت مولانا منظور نعمانیؒ کے قلم سے حضرت امام کشمیریؒ کی بعض مسائل میں تحقیق ملاحظہ فرمادیں۔ فرماتے ہیں :

اختلافِ مطالع کا اعتبار :

وسعتِ علم ونظر اور خاص فقیہانہ فکر کا ایک نتیجہ یہ بھی تھا کہ بعض مسائل میں آپ کی تحقیق ہمارے زمانہ کے عام علماءِ احناف سے الگ تھی۔ بلکہ شاید واقعہ کی زیادہ صحیح تعبیر یہ ہوگی کہ عام علماء واہلِ فتویٰ کے لئے فقہ حنفی میں وہ ایک نئی علمی دریافت ہوتی تھی۔ اس کی کئی ایک مثالیں اس عاجز کو یاد ہیں لیکن ان میں سے ایک ایسی ہے جس کا ذکر اردو کے اس مقالہ میں بھی نامناسب نہ ہوگا۔

فقہ حنفی کا یہ مسئلہ مشہور ہے کہ اگر دنیا کے کسی بھی گوشہ میں چاند دیکھا جائے تو دوسرے تمام مقامات پر اس کا اعتبار کیا جائے گا۔ مثلاً اقصائے مغرب میں رمضان کا چاند

ایک دن دیکھا گیا تو اگر شرعاً قابلِ اعتبار ذریعہ سے اس کی اطلاع اقصائے مشرق میں رہنے والوں کو پہنچ جائے تو ان کو بھی اسی حساب سے روزہ رکھنا ہوگا۔ خاص علمی اور فقہی تعبیر اس مسئلہ کی یہ کی جاتی ہے کہ :

"حنفیہ کے یہاں اختلاف مطالع کا اعتبار نہیں اور دوسرے ائمہ کے یہاں اس کا اعتبار ہے۔ جیسا کہ میں نے عرض کیا عام طور سے علمی اور فقہی حلقوں میں حنفیہ کا یہی مذہب معلوم ومشہور ہے اور عموماً اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے اور حنفی فقہ وفتاویٰ کی کتابوں میں کچھ ایسا ہی لکھا ہوا بھی ہے۔ حالانکہ ہیئت کے حساب سے یہ بالکل ناقابلِ فہم ہے"۔

حضرت استاذ قدس سرہٗ کی تحقیق اس مسئلہ میں یہ تھی کہ عام مصنفین سے اس کی تعبیر میں لغزش ہوگئی ہے اور اصل مسئلہ حنفیہ کا یہ ہے کہ ایک اقلیم میں اختلاف مطالع کا اعتبار نہیں۔ فرماتے تھے کہ مشرق ومغرب کے درمیان اختلاف مطالع کا اعتبار نہ کرنا بداہۃً غلط ہے اور حضرت استاذ اپنی اس تحقیق کے سلسلہ میں جہاں تک اب یاد پڑتا ہے ابن رشد کی بدایۃ المجتہد اور فقہ حنفی کی کتابوں میں سے بدائع کا حوالہ بھی دیتے تھے۔

واضح رہے کہ پہلے تو یہ صرف ایک قابلِ غور علمی مسئلہ تھا جو محض معقولیت پسندوں کے لئے اشکال اور خلجان کا باعث ہوتا تھا، لیکن اب یہ واقعاتی مسئلہ ہوگیا ہے۔ کیونکہ اکثر ممالکِ عربیہ میں عموماً ہندوستان سے ایک دن پہلے چاند نظر آجاتا ہے اور ہیئت کے اصول پر ایسا ہی ہونا بھی چاہئے اور ہوائی جہاز جدہ سے پرواز کرکے ۸۔۹ گھنٹے میں بمبئی آجاتا ہے اور ۱۲ گھنٹے سے کم میں دہلی آسکتا ہے۔ پس یہ ہوسکتا ہے کہ مثلاً ۲۹ رمضان کی شام کو کچھ لوگوں نے جدہ میں عید کا چاند دیکھا اور اسی شب کو وہ ہوائی جہاز سے روانہ ہوکر صبح کو بمبئی پہنچے تو اگر اختلاف مطالع کا اعتبار نہ کیا جائے تو ان لوگوں کی شہادت پر ہندوستان والوں

کے لئے اُس دن روزہ ختم کر کے عید منانے کا حکم دیا جائے گا۔ حالانکہ یہاں اُس روز انتیسواں (۲۹) بلکہ کبھی تو اٹھائیسواں (۲۸) ہی روزہ ہوگا۔ اپنے زمانہ کے بعض اکابر علماء و اہل فتویٰ کے متعلق سُنا ہے کہ جب اُن کے سامنے یہ واقعاتی اشکال اس مسئلہ کے متعلق پیش کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ اگر ایسی صورت پیش آجائے پھر اس کے سوا چارہ نہیں کہ دوسرے ائمہ کے قول پر فتویٰ دیا جائے گا، جیسا کہ اس قسم کی ناگزیر صورتوں میں کیا جاتا ہے۔ یہ عاجز عرض کرتا ہے اگر اُن بزرگ کو اس مسئلہ کے متعلق حضرت اُستاذ کی مندرجہ صدر تحقیق پہنچی ہوتی تو اس مسئلہ میں فقہ حنفی کو چھوڑ کر دوسرے ائمہ کے قول پر فتویٰ دینے کو وہ ناگزیر نہ سمجھتے۔ (حیات انور ص ۱۴۴، ۱۴۵)

ایام قیام قبا کی تحقیق:

محمد عطاء اللہ صاحب لکھتے ہیں:

فرمایا یہ یاد رکھنا چاہیے کہ آنحضرت ﷺ قبا میں چودہ روز قیام پذیر رہے۔ چنانچہ بخاری صفحہ ۵۰۶، جلد ا میں تصریح ہے اور جو سیر محمد بن اسحٰق میں ہے کہ قبا کا قیام چار دن رہا۔ پس وہ سہو ہے۔ اس کا منشا یہ ہے کہ حضور ﷺ قبا میں داخل ہوئے۔ منگل کے روز اور شہر مدینہ میں تشریف لائے جمعہ کے روز۔ پس جمعہ اسی ہفتہ کا شمار کر لیا گیا اگر اعتراض کیا جائے کہ جمعہ ثانیہ کا اعتبار کرنے سے بھی حساب پورا نہیں ہوتا، کیونکہ منگل منگل آٹھ روز، بدھ، جمعرات، جمعہ تین دن مل کر گیارہ دن ہو گئے تو بخاری شریف میں مذکور چودہ دن تو پورے نہ ہوئے، جواب یہ ہے کہ جمعہ کے دن کا تشریف لے جانا قیام کی خاطر نہ تھا بلکہ جمعہ کی نماز ادا کر کے واپس آجانا مقصود تھا، پھر ہفتہ، اتوار، پیر قبا میں رہ کر منگل کو مدینہ میں تشریف لائے۔ یہ پندرہ یا چودہ روز ہو گئے۔

فضیلت حضرت ابوبکرؓ قطعی ہے:

ایک دفعہ فرمایا کہ حضرت صدیق اکبرؓ کی فضیلت امام اشعریؒ کے نزدیک قطعی ہے اور امام باقلانی کے نزدیک ظنی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اشعری کا فرمانا اصوب ہے۔ کیونکہ اس کثرت سے احادیث اس باب میں مروی ہیں جن سے تواتر ثابت ہو جاتا ہے بلکہ تواتر سے بھی فوق ایسا ہی افضلیت شیخین بھی ثابت ہے، پھر ترتیب بھی قرابت کے برعکس ہے، پس جو اقرب ہے نسباً وہ آخر ہے افضلیت میں۔ اس طرح کہ علیؓ، عثمانؓ، عمرؓ، ابوبکرؓ، نیز افضلیت میں صدیق اکبرؓ اقدم ہیں، پھر عمرؓ، پھر عثمانؓ، پھر علی کرم اللہ وجہہ۔

لفظ دون کی ادبی تحقیق:

فرمایا "وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّ خِيفَةً وَ دُونَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ"۔ (الاعراف:۲۰۵) (اور اے شخص! اپنے رب کی یاد کیا کر اپنے دل میں عاجزی کے ساتھ اور خوف کے ساتھ اور زور کی آواز کی نسبت کم آواز کے ساتھ صبح اور شام) اس میں دون الجهر معطوف واقع ہوا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ ذکر جہر کا بھی جواز ہے اور دون بمعنی ذرا کم یعنی جہر مفرط سے ذرا کم۔ فقہا کا جہر مراد نہیں بلکہ "لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْءِ مِنَ الْقَوْلِ" کے قبیل سے ہے۔ مثلاً "وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ" یعنی نبی کریم ﷺ کی مجلس میں چیخ کر نہ بولو۔ جیسے اعراب بولتے تھے، جیسے "وَ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ" یعنی جو گناہ شرک سے کم درجہ کا ہوگا اسے بخش دے گا۔

"وَ لَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰى دُوْنَ الْعَذَابِ الْاَكْبَرِ"۔ یعنی تھوڑا عذاب جو ورے ہے اس بڑے کے۔

"ثم صلى ركعتين و هما دون اللتين قبلهما" یعنی پھر دو رکعتیں ادا

فرمائیں جو کہ پہلی دو رکعتوں سے کم طویل تھیں۔ غرض ثابت فقہا نے جہر کو کیا جو چیخ کر بولنے سے ذرا کم ہوتا ہے۔

سنن ابی داؤد ص ۲۶۳ میں ہے" فان افتانا بفتيا دون الرجم قبلناها " پس اگر انہوں نے فتوی دیا رجم سے کم سزا کا تو ہم اس کو قبول کرلیں گے (اسد الغابہ صفحہ ۱۶۸) وغیرہ غرض یہ کہ جہر مفرط کی نفی ہے۔ مطلقاً جہر کی نفی نہیں۔

(ف) حضرت عبد اللہ ذو البجادین تو حضور نبی کریم ﷺ کے سامنے ذکر جہر کرتے تھے۔ حضرت عمر فاروق اعظمؓ نے شکایت بھی کی کہ یہ شخص ریاکار ہے۔ فرمایا: " انہ من الاواهين " اور خود حضرت عمرو بن عبسہؓ کے ایمان کے واقعہ میں رات کے وقت نبی کریم ﷺ کا لا الہ الا اللہ کا کعبہ میں بلند آواز سے ذکر فرمانا آیا ہے۔ کعبہ شریف تو مساجد میں افضل ہے۔ کتب سیرت میں مصرح ہے۔ فرمایا بزازیہ میں کلام مضطرب کیا ہے اور شامی میں تفصیل کی ہے۔ مختصر المعانی میں ہے ص ۱۸۵:

"معنى دون فى الاصل ادنى من الشئى يقال دون ذاک اذا کان احط منه قليلا "۔ ترجمہ: "دون اصل میں کسی شئی کا کم درجہ کا ہونا"۔ "هذا دون ذاک" وہاں بولتے ہیں جب وہ شئی دوسری کی نسبت سے تھوڑی سی کم ہو"۔

لاہور میں ایک شخص کو تلقین ذکر کرتے وقت زور سے ضرب لا الہ الا اللہ کی لگا کر دکھائی۔ دیوبند میں احقر جن حضرات کو بیعت کی غرض سے لے جاتا تھا، جہر سے ذکر کرنا تلقین فرماتے تھے۔ (انوار انوری ص ۹۲ تا ۹۳)

قلم و قرطاس دنیا کی پیدائش سے پہلے ہی علم کی حفاظت و اشاعت کا ذریعہ بن چکے تھے۔ قلم ہی ہے جس کے ذریعے سے جہالت کو ختم اور ہدایت کو عام کیا جاسکتا ہے۔ دعوت و تبلیغ، دین کی نشر و اشاعت اور اہل باطل سے مقابلہ کے لئے زبان و قلم کا سہارا لینا

ناگزیر ہے۔ زبان و قلم ہی وہ ہتھیار ہے جس کے ذریعے سے باطل کو سرنگوں اور حق کو بلندی کے مقام تک پہنچا سکتے ہیں، لیکن یہ ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں۔ اس کے مستحق دراصل علماء ہی ہیں اور یہ علماء کا فرض منصبی رہا ہے۔ ہمارے اکابر نے اس موضوع پر کافی کام کیا ہے۔ حضرت امام کشمیریؒ بھی اصلاح انقلاب امت کے داعی اور محرک تھے۔ وہ صحیح معنوں میں اسلامی علوم کے وارث تھے، ان کے پاس خلوص تھا، قناعت تھی، زہد تھا، تقوی و خشیت الہی تھی، قیام لیل تھا، جس سے ان کی ہر بات، ہر لفظ، ہر ادا اور ہر نگاہ صاعقہ فن تھی۔ اس کے برعکس آج ہم میں نے نہ وہ روح اعمال ہے نہ جذب و کشش، نہ تصنیف تالیف کا ذوق ہے نہ تحریر و تقریر کا ملکہ نہ تحقیق ہے اور نہ ذوق مطالعہ۔ علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں ......

اے لا الہ کے وارث باقی نہیں ہے تجھ میں
گفتار دلبرانہ کردار قاہرانہ
تیری نگاہ سے دل سینوں میں کانپتے تھے
کھویا گیا ہے تیرا جذب قلندرانہ

☆☆☆☆☆☆ ☆

باب : ٦

ذوقِ شعر وادب، افادات وملفوظات

شعر کی تعریف اس کے اجزائے ترکیبی اور محاسن و معائب کے متعلق بہت کچھ لکھا جا چکا ہے اور آئندہ لکھا جاتا رہے گا۔ شعر کا تعلق دل سے ہے اور دل بھی دل گداختہ۔ شعر تخیل کی معراج ہے اور یہ معراج ہر کس و ناکس کے حصے میں نہیں آتی، یہ وہبی ملکہ ہے اکتسابی نہیں۔

فرمودات اور تعامل نبوی ﷺ کی روشنی میں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مطلق شعر کوئی نہ قابل مذمت ہے نہ قابل مدح۔ جس شاعری کے ذریعے رب ذوالجلال اور محمد عربی ﷺ کی عظمت کا سکہ دلوں پر بٹھایا جائے اور دین کے تقاضوں سے روشناس کرایا جائے اور دشمنان دین کے ناپاک عزائم کا جواب دیا جائے، یہ شاعری نہ صرف محمود ہے بلکہ اہم ترین فریضۂ حق کی ادائیگی ہے۔ ہمارے بزرگ اسی قسم کے صاف ستھرے شعری ذوق کے مالک تھے۔

ذوقِ شعر و ادب :

حضرت امام کشمیریؒ کو بھی اپنے اکابر و اسلاف کی طرح ادبی ذوق اور سخن فہمی میں اعلیٰ درجے کا کمال حاصل تھا۔ ان کی شاعری عام شاعری نہ تھی۔ وہ عام شعراء سے ہٹ کر اپنے طرز کے اپنے انداز کے اپنی قسم کے اور اپنی شان کے نرالے شاعر تھے۔

اشعار کا خزانہ :

حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی رقمطراز ہیں :

ان کی عادت یہ تھی کہ عربی زبان کے کسی مشکل لفظ کی تشریح کرتے ہوئے یا کسی اور ضرورت سے، عربی شعر پیش کرنا چاہتے تو گو شہادت کے لئے ایک مصرعہ یا ایک شعر ہی کافی ہوتا، لیکن یادداشت کی بے پناہ قوت کا نتیجہ تھا، ایک مصرعہ کے لئے بیس بیس پچیس پچیس بلکہ اس سے بھی زیادہ اشعار کی نظموں کو مسلسل سناتے چلے جاتے تھے۔ ظاہر ہے کہ اس وقت ہم طالبعلموں کی حیثیت ٹھیک ان بھینسوں کی ہوتی تھی، جن کے سامنے بجانے والے بین باجہ بجار ہے ہوں اور غریب بھینس ٹک ٹک اس کو دیکھ رہی ہو، دوسروں کے متعلق تو مجھے کہنے کا حق نہیں، لیکن فقیر کی حیثیت تو اس وقت اخفش کے "بز" ہی کی ہوتی تھی۔ اپنی یافت اور سمجھ کے مطابق، جیسا کہ عرض کر چکا ہوں، شاہ صاحبؒ کی تقریروں کو میں مسلسل نوٹ کرتا چلا جاتا تھا، لیکن انشاد و شعر کا یہ جذبہ شاہ صاحبؒ پر طاری ہوتا تو میرے قلم اور انگلیوں کو آرام کرنے کا قدرتی موقع مل جاتا۔ اسی لئے میری مرتبہ تقریر شاہ صاحبؒ کے ان سنائے ہوئے اشعار سے خالی تھی، شاید چند ضروری مصرعے یا شعر مشکل ہی سے اس سلسلہ میں قلم بند ہوئے ہوں۔ میرا اندازہ تھا کہ مجموعی طور پر نصف لاکھ یعنی چالیس پچاس ہزار سے کم تعداد ان عربی اشعار کی نہ ہوگی، جو شاہ صاحب کو زبانی یاد تھے، جنہیں جس وقت جی چاہتا وہ سنا سکتے تھے۔ (احاطہ دار العلوم میں بیتے ہوئے چند دن ص ۱۰۳)

اردو شاعری کا ایک نمونہ :

حضرت امام کشمیریؒ عارف و صوفی تھے۔ ادیب تھے، شاعر تھے۔ عام طور پر عربی میں اشعار کہتے تھے، کبھی کبھی فارسی میں بھی مشق سخن فرمایا کرتے تھے۔ بڑے بڑے علماء اور معاصر شاعران کا ادب واحترام کرتے تھے۔ خصوصاً علامہ اقبال تو اُن کے مداح تھے۔ اردو زبان میں حضرتؒ کی شاعری زیادہ مشہور نہیں۔ حضرت کے مخلص دوست منشی محمد دین

نے جو حضرت سے والہانہ عقیدت رکھتے تھے، اپنی کتاب تاریخ اقوام کشمیر جلد دوم میں حضرت امام کشمیریؒ کی ایک اردو نظم جو دنیا کی بے ثباتی کے بارے میں ہے، نقل کی ہے۔ یہ نظم حضرتؒ کی شاعری کا ایک بہترین نمونہ ہے۔ جی چاہتا ہے کہ اس نظم کے اشعار سے قارئین بھی حظ وافر حاصل کریں۔

سفر کی منزل ہے دارِ دُنیا ' ذرا تو اس کا خیال سا کر
سدا نہیں ہے یہ دیس تیرا' ضرور جانا ہے دن نبھا کر
کبھی تامل سے داہنے بائیں' آگے پیچھے کو دیکھ لینا
کدھر کو جاتے ہیں دوست پیارے' کہاں وہ رہتے ہیں یاں سے جاکر
وہ چل بسے سارے باری باری' یہ باقی خلقت بھی چل بسے گی
تو چشم عبرت سے دیکھ غافل' کبھی تو اپنی نظر اُٹھا کر
چلے ہی جاتے ہیں قافلے سب یہاں کا ٹھہرا ہوا ہے یہ ڈھب
کسی کا آنا کسی کا جانا ' کبھی نہا کر کبھی رُلا کر
کبھی نکل کر تو جنگلوں میں' خدا کی قدرت کا دیکھ جلوہ
کہیں ہے اونچا کہیں ہے نیچا' کہیں اندھیرا ہے جگمگا کر
کسی کا اقبال زور پر ہے' کسی پہ ادبار چھا رہا ہے
کوئی ہے آتا کما کما کر' کوئی ہے جاتا لٹا لٹا کر
کوئی ہے دُکھیا کوئی ہے سُکھیا' کوئی ہے خنداں کوئی ہے گریاں
یہ غمزدہ غم گھٹا گھٹا کر' وہ خوش ہے خوشیاں منا منا کر
غرض یہاں ہیں سب آتے جاتے' دن اپنے اپنے نبھاتے جاتے
نہیں ہے رہنا یہاں کسی کو' کہ کوچ اک دن ہے بس جلا کر

اگر ہوں اعمال اپنے اچھے بُری نہیں ہے یہ زندگانی
فرشتے اعمال نیک والے نکال لیں گے بچا بچا کر
نماز پڑھنا، قیام کرنا، رکوع کرنا، سجود کرنا
کبھی کھڑے ہو کے گاہ جھک کر، زمین پہ ماتھا ٹکا ٹکا کر

فارسی نعتیہ قصیدہ :

حضرت امام کشمیریؒ نے اپنی تصنیف عقیدۃ الاسلام فی حیوۃ عیسیٰ علیہ السلام کے آخر میں مدح رسول کریم ﷺ کے حوالہ سے ایک نعتیہ قصیدہ بھی شامل کیا ہے۔ قصیدہ کے الفاظ پڑھتے جایئے اور سر دھنتے جایئے۔ پورا لطف تو اس کو میسر ہو سکتا ہے جو خود عشق رسول ﷺ کی شاہراہ کا مسافر ہو۔ بطور نمونہ اور بطور تبرک ہدیہ قارئین ہے

دوش چوں از بے نوائی ہم نوائے دل شدم
عہدِ ماضی یاد کردہ سوئے مستقبل شدم
از سفر وا ماندہ آخر طالبِ منزل شدم
کز تگاپو سو بسو شامِ غریباں در رسید

دشت و گلگشت و بہارستان و خارستان ہم
فکر وہم ہمدم نفس اندر قفس زاد رہم
پیش وپس بانگ جرس از کارواں در ہر قدم
دیدۂ عبرت کشودم مخلصے نامد پدید

تا سروشِ غیب از الطاف قدم یاد کرد
رحمتِ حق ہم چو من درماندہ را امداد کرد
ما منِ خیر الوریٰ بہرِ نجات ارشاد کرد
مقصدِ ہر طالبِ حق آں مرادِ ہر مُرید

قبلۂ ارض و سما مرآتِ نورِ کبریا
سید و صدرِ علی شمسِ ضحیٰ بدرِ دُجیٰ
شافعِ روزِ جزا وانگہ خطیبِ انبیاء
صاحبِ حوض و لوا ظلِ خدا روزِ عید

صاحبِ خلقِ عظیم و مظہرِ جودِ عمیم
آیتِ رحمت کہ شانِ او رؤف است و رحیم
رحمۃٌ للعالمین خواندش خداوندِ کریم
خَلق و خُلق و قول و فعل و ہدیٰ و ست او حمید

دستِ او بیضا ضیا اجود تر از بادِ صبا
حبذا وقتِ عطا ابرِ سخا آبِ بقا
وقفِ امرِ عالمے برضحکِ آں رحمت لقا
عامِ اشہب از جمالِ طلعتش صید سعید

داغ مہر او چراغ سینۂ اہل کمال
شور عشقش در سر عمار و سلمان وبلال
ثبت بر ایمائے وے نعمان و مالک بے خیال
ولہ آثار وے معروف و شبلی بایزید

از حدیث وے سمر درحیطۂ اہل اثر
مسلم و مثل بخاری وقف بر وصل سیر
سنت بیضائے وے نور دل ہر بابصر
اتقیاء را اسوۂ اقدام وے تقلید جید

سید عالم رسول و عبد رب العالمین
آں زماں بودہ نبی کآدم بد اندر ماء و طین
صادق و مصدوق وحی غیب و مامون و امین
در ہر آں چیزے کہ آوردست از وعد و وعید

منبر او سدرۂ و معراج او سبع قباب
در مقام قرب حق بر مقدم او فتح باب
کاندرانجا نور حق بود و نبد دیگر حجاب
دید و بشنید آنچہ جزوے کس نشنید و ندید

مدح حاش رفع ذکر و شرح و صفش شرح صدر
او امام انبیاء صاحب شفاعت روز حشر
ہمگناں زیر لوائش یوم عرض و نیست فخر
سید مخلوق و عبد خاص خلاق مجید

اکثیر و خیر والوری خیر الرسل خیر العباد
قدوۂ اہل ہدایت اسوۂ اہل رشاد
تحفۂ از ہمت او خلق را زاد معاد
عالم از رشحات انفاس کریمش مستفید

انتخاب دفتر تکوین عالم ذات او
برتر از آیات جملہ انبیاء آیات او
مشرق صبح وجود ما سوا مشکوٰۃ او
مستنیر از طلعت او ہر قریب و ہر بعید

دین او دین خدا تلقین او اصل ہدیٰ
نطق او وحی سما حقا نجوم اہتدا
صاحب اسرار او ناموس کبریا برملا!
علم او از اولین و آخرین اندر مزید

مولدش ام القریٰ ملکش بشام آمد قریب
خاک رہ طیبہ از آثار وے بہتر زطیب
شرق و غرب از نشر دین مستطابش مستطیب
امتش خیر الامم برا متحاں بودہ شہید

....

خاص کردش حق باعجاز کتاب مستطاب
حجت و فرقان و مجز محکم و فصل خطاب
نجم مجشش در براعت ہست برتر ز آفتاب
حرف حرف او شفا ہست و ہدیٰ بہر رشید

....

الغرض از جملہ عالم مصطفیٰ و مجتبیٰ
خاتم دور نبوت تاقیامت بے برا
افضل و اکمل ز جملہ انبیاء نزدِ خدا
نعتِ اوصاف کمال او فزوں تر از عدید

....

تاصبا گلگشت گیہاں کردہ می باشد مدام
بوئے گل بردوش وے گردد بعالم صبح و شام
یاد بروے از خدائے وے درود و ہم سلام
نیز بر اصحاب آل و جملہ اخیار عمید

....

وز جناب وے رضا بر اقتران مستہام
خامہ آں انور کہ افقر ہست از جملہ انام
مستغیث است الغیاث اے سرور عالی مقام
درصلہ از بارگاہت در نشید ایں قصید

ردّ قادنیت میں عربی اشعار :

طوالت سے بچنے کے لئے امام کشمیریؒ کے ردّ قادیانیت سے متعلق عربی اشعار سے انتخاب باب ''عشق رسول ﷺ اور ردّ قادیانیت کا تعاقب'' میں نقل کر دیا گیا ہے۔ قارئین وہاں ملاحظہ کریں۔

عالم برزخ و تشکل اعمال :

دربہ سیر و فرجے کشف نہ شد حقیقتے
گر بودم فرشتے از پس مرگ ساعتے
رہگذر تنگ ندید دیدہ دریں گذر
تانہ گشت صورتے جلوہ نزد حقیقتے
دانہ خلاف تخم نے ہرچہ بود زجبر و قدر
ظاہر و باطن اندراں ہچو نواۃ و نخل دان
رشتۂ ایں جہاں تن جامعۂ آنجہاں تن
ہست عمل جزا ہماں آنچہ وادۂ ستاں
ہست جزا ہمو عمل سم کہ خورد شود مرض
قبر کہ بودہ وادرے سوئے جہان دیگرے
منکشف آنجہاں شود گرچہ درایں جہاں بود

گرچہ برنگ و بو بخانہ کوبکو
شرح دہم چناں بتو قصہ بقصہ ہو بہو
ورنہ خاک خفتہ جو دشت بدشت سو بسو
قید و شکستن ہمو رنگ برنگ بو بو
آنچہ کشتہٗ درو خطہ بخطہ جو بجو
نے بعد او یک زد و جب بجب دو بدو
رشتہ برشتہ نخ نخ تار بتار پو بپو
باز رسد بطور نور و تو بکار دہم درو
نخ و شجر ہموں ہموں تخم و ثمر چنو چنو
غیب شود شہود ازو دیدہ بدیدہ رو برو
زندگی دگر چنو ذرہ بذرہ مو بمو

مردن ایں طرف بود زیستن دگر طرف
روزن باز دید تو طبقہ بطبقہ تو بتو

اختر اگر زخود گذر کردہ بدے دریں سفر
زیستن ابد بداد تازہ بتازہ نو بنو

(منقول از "مہاجر" ۱۹۳۶ء)

افادات وارشادات :

جس شخص نے بھی ایک مرتبہ حضرت امام کشمیریؒ کا کلام سُن لیا یا پڑھ لیا وہ اُن کے کلام کا عاشق اور گرویدہ ہوگیا۔ اشعار کی طرح نثر میں بھی حضرت امام کشمیریؒ قادرالکلام تھے۔ آج حضرتؒ ہم میں موجود نہیں لیکن ان کے اشعار' اقوال' ارشادات اور افادات ہمارے لئے ان کی صحبت کا بدل ہیں ....

اے عارفؔ اپنے دل پُر شوق کی باتیں
اچھا ہے کہ تو اپنی زباں ہی سے سُنائے
کیا جانے کوئی کاشف اسرار محبت
پھر محفل احباب میں آئے کہ نہ آئے

گستاخِ رسول ﷺ کے کفر پر اجماع :

کل اُمت کا اس پر اجماع ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ناروا الفاظ کہنے والا کافر ہے اور جو شخص اُس کے کفر میں شک کرے وہ بھی کافر ہے"۔

(اکفار الملحدین فی ضروریات الدین ص ۴۳)

فلسفۂ قدیم وجدید :

فلسفۂ قدیم اَبْعَدُ عن الاسلام ہے اور فلسفۂ جدید اَقْرَبُ اِلَی الاسلام ہے۔
حق تعالیٰ کی مشیت ایسی معلوم ہوتی ہے کہ جن عقلاءِ زمانہ نے اسلامی چیزوں معجزات؛

روحانیت وغیرہ کا انکار کیا تھا، ان ہی کے فلسفہ' ریسرچ اور تحقیقات سے وہ سب چیزیں دنیا والوں کے لئے ثابت ومشاہد ہو جائیں۔

(چنانچہ ر: ح اور روحانیت کا اقرار وہ کر چکے' خوارق وعادات بھی تسلیم ہو چکے جن سے معجزات اسلام کا استبعاد عقل ختم ہوا۔

قرآن مجید میں ہے کہ اہل جنت واہل جہنم آپس میں ایک دوسرے کو دیکھیں گے' پہچانیں گے اور باتیں کریں گے، حالانکہ ان کے درمیان بہت غیر معمولی فاصلہ ہوگا' تو اب ٹیلیفون' ٹیلیگراف' ریڈیو اور ٹیلی ویژن کی ایجادات نے اس کو بھی قریب عقل ومشاہدہ کیا ہے۔

اصوات واعمال کا ریکارڈ مستبعد سمجھا جاتا تھا، مگر گراموفون کی ایجاد نے اس سے بھی مانوس کر دیا کہ حق تعالیٰ نے زمین اور اس کے متعلقات میں بھی اخذ وریکارڈ کا مادہ ودیعت فرما دیا تھا جس کو ہم یورپ کی ان ایجادات سے پہلے عقل ومشاہدہ کی رو سے نہ سمجھ سکتے تھے) (ملفوظ انور حصہ اول ص ۱۹۱ از مولانا سید احمد رضا صاحب بجنوری)

آخرت میں اعمال کا ثمرہ :

آخرت میں اعمال کا ثمرہ جو ملے گا، وہی عمل ہوں گے۔ ان کی ایک صورت ہے عالمِ دنیا کی اور دوسری عالمِ آخرت کی' عمل ایک ہی ہے لیکن مکان کے اعتبار سے فرق ہے کہ وہی عمل وہاں جزاء کی صورت میں ہوگا اور اس کی دلیل آیتِ قرآنی وَ وَجَدُوْا مَا عَمِلُوا حَاضِرًا ہے، جس کے ایک معنی یہ بھی کئے گئے ہیں کہ لوگوں کو ان کے اعمال کا بدلہ ملے گا، لیکن میں کہتا ہوں کہ بعینہٖ اپنے کئے ہوئے اعمال ہی کو آخرت میں موجود پائیں گے اور یہ مفہوم دوسری آیت واحادیث سے بھی مؤید ہوتا ہے۔ (ملفوظ حصہ اول ص ۹۰)

شیخ ابن عربی کا کشف :

حضرت شیخ محی الدین ابن عربیؒ کا کشف ہے کہ "محشر میں پیشی کے وقت داہنی طرف اللہ اکبر، بائیں طرف سبحان اللہ، پچھلی طرف الحمد للہ اور سامنے سے لا الٰہ الا اللہ یہ چاروں کلمات رفیق ہوں گے"۔

یہ ترتیب اسی لئے ہے کہ اللہ اکبر اعلان کی چیز ہے۔ چنانچہ نعرۂ تکبیر جہاد وغیرہ میں ہے اور یہ کہ علم جہاد بھی داہنے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ لہٰذا داہنی جانب مناسب ہے۔

سبحان اللہ تسبیح ہے، نقائص وعیوب سے اور صفتِ سلبی ہے۔ لہٰذا ادھا حال کی جگہ (بائیں طرف) مناسب ہے۔ الحمد للہ یہ آخر میں اور ہر کام کے پیچھے ہوا کرتا ہے، جیسے کھانے کے بعد اور ترازو میں بھی آخر میں ہوگا، لہٰذا پیچھے ہونا مناسب ہے اور لا الٰہ الا اللہ چونکہ ہادی اور راہنما ہے، اس کا سامنے ہونا مناسب ہے۔ (نقش انور حصہ اول ص ۹۲)

حضرت آدم علیہ السلام کی وجہ خلافت :

حضرت آدم علیہ السلام کی خلافت کی وجہ علم زیادہ ہونا ملائکہ سے بتلایا جاتا ہے لیکن میرے نزدیک چونکہ حضرت آدم کی خلقت ہی میں عبدیت زیادہ تھی بہ نسبت ملائکہ کے اس لئے وہ خلافت سے سرفراز ہوئے ہیں، کیونکہ خلافت عطا فرمانے کی بات اور اس پر ملائکہ کی طرف سے عرض ومعروض پہلے ہی ہو چکی تھی، پھر جب یہ مکالمہ (یا مناظرہ) ختم ہو چکا تو حق تعالیٰ نے ایک کرشمہ بھی دکھایا کہ حضرت آدم کو علم عطا فرما کر ظاہر میں حجت بھی قائم فرما دی یعنی ارشاد خداوندی عطاء منصب خلافت پر ملائکہ نے بنی آدم کے ظاہری احوال سے "سفک دما" و "فساد فی الارض" کا اندازہ لگا کر جو بے محل سوال کر دیا تھا، حق تعالیٰ نے صرف اِنِّیْ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ فرما دیا اور فرشتے بھی اپنے بے محل سوال پر نادم

ہو گئے، پھر بعد کے واقعات نے ظاہر کر دیا کہ حضرت آدم نے ہر موقع پر جناب باری میں نہایت عاجزی، غایت تذلل اور تضرع وابتہال ہی کا اظہار کیا اور کوئی بات بھی بجز عبودیت کے ظاہر نہ فرمائی۔ حالانکہ وہ بھی حجت ودلیل اور سوال وجواب کی راہ اختیار کر سکتے تھے۔ چنانچہ جب حضرت موسیٰ سے مناظرہ ہوا تو حضرت آدم نے ایسی قوی حجت پیش فرمائی کہ حسب ارشاد نبی کریم ﷺ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر غالب آ گئے۔ ظاہر ہے کہ یہی دلیل وہ حق تعالیٰ کی جناب میں بھی پیش کر سکتے تھے، مگر وہاں ایک حرف بھی بطور عذر گناہ نہیں کہا، بلکہ اس کے برخلاف اپنے قصور ہی کا اعتراف فرما کر مدت دراز تک توبہ واستغفار، عجز ونیاز اور گریہ وزاری میں مصروف رہے۔ میرے نزدیک یہی عبودیت اور سراپا طاعت ونیازمندی کا وہ مقام تھا جس کی وجہ سے حضرت آدم خصوصی فضیلت اور خلعتِ خلافت سے سرفراز ہوئے ہیں، پھر اس کے بعد جو حق تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کے وصفِ علم کو اس موقع پر نمایاں کیا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ان کا وصف ظاہر تھا، جس کو سب معلوم کر سکتے تھے اس لئے نہیں کہ وہ مدار فضیلت تھا، بخلاف وصفِ عبودیت کے کہ وہ مستور و پوشیدہ وصف تھا، جس کو معلوم کرنا دشوار تھا۔ الخ۔ (نقش حصہ اول ص ۱۲۶، ۱۲۷)

امام محمدؒ :

امام شافعیؒ چونکہ فقیہ النفس تھے، اس لئے انہوں نے امام محمدؒ کی کما حقہ تعریف کی ہے، کبھی فرماتے ہیں کہ امام محمدؒ دل اور نگاہ دونوں کو بھر دیتے ہیں (کیونکہ خوب صورت تھے اور علم بھی اچھا تھا) کبھی فرماتے ہیں کہ جب امام محمدؒ گفتگو کرتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ وحی نازل ہو رہی ہے، ایک بار فرمایا کہ میں نے ان سے دو اونٹوں کے بوجھ کے برابر علم حاصل کیا۔

جہاں تک محدثین کی بات ہے تو ان میں جو لوگ فقیہ نہیں ہیں، ان کو امام محمدؒ کی قدر

ومنزلت معلوم نہیں، اس لئے ان لوگوں سے امام محمدؒ کے بارے میں تعریفی کلمات منقول نہیں ہیں۔ محدثین کی ناپسندیدگی کی وجہ یہ ہے کہ امام محمدؒ پہلے شخص ہیں جس نے فقہ کو حدیث سے الگ کیا۔ اس لئے ان لوگوں نے اس بارے میں ان کو مطعون کیا، حالانکہ آخر کار تمام مذاہب والوں کو ان کی اتباع کرنی پڑی اور سب نے انہیں کا طریقہ کار اختیار کیا۔

(فیض الباری ج ۱ ص ۱۵۲-۱۵۳)

حدوثِ عالم کا منکر کافر ہے :

حافظ ابن تیمیہؒ نے فرمایا کہ فلاسفہ میں سے کوئی بھی عالم کے قدیم ہونے کا قائل نہیں ہے۔ افلاطون بھی عالم کو حادث کہتا تھا، یہاں تک کہ رسوائے زمانہ ارسطو آیا اس نے عالم کے قدیم ہونے کا اعتقاد قائم کیا لیکن یہ اعتقاد بالکل غلط ہے۔ اس کا قائل کافر ہے۔

تمام آسمانی مذاہب بھی عالم کے حادث ہونے پر متفق ہیں۔ ہاں بعض صوفیاء کی طرف منسوب ہے کہ انہوں نے بعض چیزوں کو قدیم مانا ہے۔ مثلاً شیخ اکبرؒ، علامہ شعرانی شافعی نے فرمایا ہے کہ یہ عبارتیں بعد کی ملائی ہوئی ہیں۔ میرا خیال یہ ہے کہ شیخ اکبر بعض مسائل میں منفرد ہیں۔ چنانچہ انہوں نے فرعون کے ایمان کا اعتبار کر لیا ہے، اگر اس نے توبہ نہ کی ہوگی تو اس کو اس کے اعمال کی سزا ملے گی، مگر شیخ اکبر کے نزدیک وہ ہمیشہ جہنم میں نہیں رکھا جائے گا۔ بحر العلوم نے شیخ اکبر کی طرف بعض اشیاء کے قدیم ہونے کو منسوب کیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ یہ نسبت صحیح ہے لیکن دوانی نے ابن تیمیہؒ کی طرف عرش کے قدیم ہونے کی جو نسبت کی ہے یہ درست نہیں ہے۔ (فیض الباری ج ۱ ص ۱۲۶)

ابنِ سینا کی اصطلاح حدوث ذاتی :

جان لو کہ فلاسفہ میں کوئی حدوثِ ذاتی کا قائل نہیں تھا۔ ابن سینا نے آکر یہ اصطلاح ایجاد کی اس کا مقصد یہ تھا کہ اسلام اور فلسفہ کے درمیان بیچ کا راستہ نکال لے۔

فلاسفۂ یونان افلاک اور عناصر کو شخصی طور پر قدیم مان رہے تھے اور موالید ثلٰثہ (جمادات، حیوانات، نباتات) کو نوعی اعتبار سے قدیم مانتے تھے۔ میں نے اپنے رسالہ میں اس عقیدہ کے بطلان کو واضح کیا ہے۔ ابن رُشد نے تہافت التہافت نامی ایک کتاب لکھی ہے، جس کے اندر امام غزالیؒ پر اعتراضات کئے ہیں۔ میں نے غزالیؒ پر کئے گئے اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے ایک رسالہ لکھا ہے، مگر اب تک اس کے طبع ہونے کی نوبت نہیں آئی۔ میرے خیال میں ابن رُشد ابن سینا سے زیادہ ماہر ہے اور ارسطو کا کلام ابن سینا سے زیادہ سمجھتا ہے۔

(فیض الباری ج ۱ ص ۱۲۶)

اگر آدمی صحیح بصیرت کے ساتھ احادیث میں غور و فکر کرے تو اس کو معلوم ہوگا کہ اکثر و بیشتر احادیث قرآن کے اجمال کا بیان اور اس کے اشارات کی توضیحات ہیں بلکہ کثرت سے ایسی ہیں جن میں تعبیراتِ قرآنی کے لطیف اشارے ملتے ہیں۔

(مقدمہ مشکلات القرآن ص ۱۹)

قرآن کا اسلوب خطیبانہ ہے :

حضرت امام کشمیریؒ کی رائے تھی کہ قرآن کا اسلوب تالیف و ترتیب کا نہیں بلکہ خطیبانہ اسلوب ہے۔ جو سامعین کا لحاظ رکھتا ہے اور حسب موقع گفتگو کا رُخ بدلتا رہتا ہے، کیونکہ عرب کا مزاج ایسا ہی تھا، آپ کا کہنا تھا کہ قرآن واقعات کی کھتونی اور حیات و ممات کا رجسٹر نہیں بننا چاہتا، بلکہ اس کا مقصد تذکیر و نصیحت اور عبرت و موعظت ہے، اس لئے واقعات کا بھی اسی حد تک ذکر کرتا ہے اور اجمال و تفصیل سے کام لیتا ہے۔ آپ کا خیال تھا کہ قرآنی بیانات کی تکرار قندِ مکرر کا لطف دیتی ہے۔ اسی لئے قرآن خود اپنی تفسیر و تشریح بھی کرتا ہے۔ جس سے موضوع کی اہمیت بھی کھل جاتی ہے۔ جیسے نماز کا ذکر ۹۰۰ مرتبہ سے زیادہ آیا ہے۔ مولانا حمید الدین فراہیؒ (صاحب نظام القرآن) کی طرح شاہ صاحب بھی ربطِ آیات اور قرآن مکمل، منظم اور مربوط ہونے کے قائل تھے۔ فرماتے تھے کہ

ہم اپنی کم فہمی سے وہ ربط نہیں سمجھ پاتے، مگر فقہاء کے مرتب کلام کی طرح ہر بات کسی اصل اور قاعدے کے تحت ہوتی ہے۔ نسخ قرآن کے وہ قائل نہ تھے۔ سیوطی بیس آیتوں اور شاہ ولی اللہ صاحبؒ پانچ آیتوں میں (نسخ کے) قائل ہیں، مگر ان کا کہنا تھا کہ بظاہر منسوخ آیتوں کا حکم بھی کسی نہ کسی طرح موجود ہے۔ وہ قرآن میں کسی زائد حرف کے بھی قائل نہ تھے، بلکہ ایسے حروف کو کسی مزید فائدہ پر مشتمل سمجھتے تھے۔ (مشکلات القرآن ص ۷۹، ۸۰)

رب ذوالجلال نے ابتدائے آفرینش سے ہی بنی نوع انسان کی فکری و روحانی تربیت اور رہنمائی کے لئے اپنے رجال کا سلسلہ شروع فرمایا جو حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوا، تو محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم پر اختتام پذیر ہوا۔ اب بھی ہر دور میں رب ذوالجلال رجال کار پیدا فرماتے ہیں اور فرماتے رہیں گے۔ فتنوں اور عریانی و فحاشی کے اس دور میں بھی ذاتی اغراض و مفادات سے بالاتر ہو کر دین متین کی سربلندی اور انسانیت کی رہنمائی کا فریضہ انجام دینے والے موجود ہیں۔ ماضی قریب میں ایسے ہی ایک شخصیت حضرت امام کشمیریؒ کی تھی جو ہمارے اکابر و اسلاف کی تاریخ میں ایک مفکر و مصلح کے طور پر ایک منفرد اور ممتاز مقام کے حامل ہیں۔

حضرت امام کشمیریؒ کی تصنیفات، تالیفات، تحقیقات، خطابت، ارشادات، ملفوظات اور مسودات میں درد و محبت، عشق و مستی، فکر آخرت، احترام انسانیت، ذوق و شوق مطالعہ اور اتباع سنت کا درس ملتا ہے، لیکن حضرت کی باتیں سمجھنے کے لئے وہی دل، حوصلہ، ذہن اور جذبہ چاہئے جو آج نایاب نہیں تو کمیاب ضرور ہے ....

عارفی از بس ہیں نازک یہ رموز حسن و عشق
کون سمجھے گا یہ باتیں اور سمجھائے گا کون

☆☆☆☆☆☆☆

باب : ۷

رُخِ انور کی تابانیاں، حسنِ صورت و سیرت کا مرقّع، دلبرانہ ادائیں و معصومیت، اتباعِ سنت کا اہتمام، خودداری و استغنا اور مخلوقِ خدا پر شفقت

شمائل ترمذی میں حضرت جابر بن سمرہؓ سے روایت ہے :

ایک رات میں مسجد میں گیا۔ چاندنی رات تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سُرخ دھاری دار چادر اوڑھے ہوئے آرام فرماتے۔ میں نے محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا رُخ روشن دیکھا، پھر چاند کی طرف دیکھا میرے دل نے یہ فیصلہ کیا کہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ انور آسمان کے بدر کامل سے زیادہ روشن ہے ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

چاند سے تشبیہ دینا یہ بھی کیا انصاف ہے
اُس کے منہ پہ چھائیاں مدنی کا چہرہ صاف ہے

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے، میں زیارت کے لئے حاضر ہوا، جب میں نے آپ کا چہرۂ انور دیکھا تو میرے دل نے گواہی دی کہ یہ کسی جھوٹے شخص کا چہرہ نہیں ہے۔

ایک حدیث میں ہے : ''ما بعث اللّٰہ نبیاً الا حسن الوجہ و حسن الصوت''۔ اللہ نے ہر نبی کو صورت وظاہر کی نورانیت وزیبائی عطا فرمائی سیرت وباطن کے کمال کے ساتھ اگر اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندہ کو حُسن و جمال کی دولت سے مالا مال کردے تو مخلوق کو اس بندۂ خدا سے افادہ واستفادہ کا زیادہ شوق پیدا ہوتا ہے۔ فخر المحدثین حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحبؒ کو بھی اللہ نے حسن ظاہر کی دولت سے نوازا تھا۔

چہرۂ انور دیکھ کر ایک ہندو ایمان لے آیا :

ملتان چھاؤنی کے اسٹیشن پر فجر کی نماز سے قبل گاڑی کے انتظار میں حضرت مولا-

محمد انور شاہ صاحب تشریف فرما تھے۔ خدام کا اردگرد مجمع تھا، ریلوے کے ایک ہندو بابو لیپ ہاتھ میں لئے ہوئے آرہے تھے۔ حضرت شاہ صاحبؒ کا منور چہرہ دیکھ کر سامنے کھڑے ہوگئے اور زار و قطار رونے لگے اور ایمان لے آئے۔ کہنے لگے اس بزرگ کا روشن چہرہ دیکھ کر مجھے یقین ہوگیا کہ اسلام سچا دین ہے ....

مرد حقانی کی پیشانی کا نور
کب چھپا رہتا ہے پیش ذی شعور

انور شاہ کا چہرہ دیکھتا رہوں :

حضرت شاہ صاحب ایک دفعہ کشمیر تشریف لے جارہے تھے۔ بس کے انتظار میں سیالکوٹ کے اڈے پر تشریف فرما تھے۔ ایک پادری آیا اور کہنے لگا کہ آپ کے چہرے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ مسلمانوں کے بڑے عالم دین ہیں۔ فرمایا نہیں، میں تو ایک طالب علم ہوں۔ مولانا ظفر علی خان حضرت کے چہرے کے عاشق تھے کہا کرتے تھے، جی چاہتا ہے کہ حضرت مولانا انور شاہ صاحبؒ کے چہرے کو دیکھتا رہوں۔

مجسمہ معصومیت :

حضرت مولانا مناظر احسن گیلانیؒ حضرت شاہ صاحبؒ کے ابتدائی شاگردوں میں سے تھے۔ حضرت شاہؒ صاحب کو پہلی بار دیکھا تو فریفتہ ہوگئے۔ لکھتے ہیں: میری آنکھوں کے سامنے پہلی دفعہ ایسا معلوم ہوا کہ معنوی معصومیت کو دیدہ اور مرئی قالب میں ڈھال کر کسی نے رکھ دیا ہے۔ آنکھوں میں معصومیت' چہرے پر معصومیت' لبوں میں معصومیت' از سرتاپا ہمہ تن معصومیت' حسن کردار کا مجسمہ' عفاف و استغنا' صفا قلب' تقویٰ کی ڈھلی ہوئی کوئی گڑیا' جو کچھ باہر میں ہے وہی سب کچھ اندر بھی ہے، نتھرا ہوا دھلتا ہوا چہرہ، حسن

پر رونق و نضارت شادابی و تروتازگی کھیل رہی تھی۔ نثار ہو رہی تھی۔ داڑھی کے بال حد سے زیادہ سیاہ زردی مائل سرخی کی جھلک کے ساتھ روئے انور کے رنگ کا ایک جان بخش دل آویز نظارہ میری آنکھوں کے سامنے آیا۔ حضرت الاستاذ الامام کا شباب کا زمانہ تو شاید نہ تھا غالباً چالیس سے اس وقت عمر مبارک متجاوز ہوچکی ہوگی لیکن آب ورنگ کی تازگی وشادابی ایسی تھی کہ ہزار ہا ہزار شبابی مظاہر اس پر نثار تھے۔ (حیات انور ص ۳۲)

جمال انور :

حضرت مولانا سعید احمد اکبر آبادی ایم اے لکھتے ہیں :

قدرت نے حضرت الاستاذ کو جس طرح اقلیم علیم کی تاجداری عطا فرمائی تھی۔ اس طرح جسمانی ہیئت، ڈیل ڈول، قد وقامت اور شکل وصورت میں ایک خاص امتیاز عطا فرمایا تھا۔ مجھ کو ہندوستان' مصر و حجاز اور دوسرے ممالک عربیہ کے بڑے بڑے علماء اور مشائخ کو دیکھنے کا موقع ملا ہے لیکن جو وجاہت' جو وقار و متانت جو دل کشی اور جاذبیت میں نے حضرت الاستاذ میں پائی، وہ کہیں کسی اور جگہ نظر نہیں آئی۔ ہزار علماء میں بھی بیٹھتے تو سب سے ہی الگ اور سب سے ہی نمایاں رہتے۔ دیکھنے والوں کی نگاہ ادھر ادھر گھومنے کے بعد وہیں پر جا کر ٹھہرتی اور پھر جمتی تو اس طرح کہ وہاں سے ہٹنے کا نام نہ لیتی۔ کشمیری النسل تھے، اس لئے خوب کھلا ہوا سفید رنگ، کشیدہ و دراز قامت، چوڑا چکلا سینہ، دوہرا اور گداز جسم، بڑی بڑی مگر رسیلی اور شرمیلی آنکھیں، کشادہ وفراخ پیشانی، طویل مگر ستواں بینی، بڑے بڑے کان، پر گوشت اور فربہ چہرہ، ابریشم اور حریر کی مانند نرم وسبک جلد، چلتے تھے تو معلوم ہوتا کہ علم کا ایک کوہ گراں سبک گامی کر رہا ہے، بیٹھتے تھے تو محسوس ہوتا تھا کہ علم وفضل کا ایک آفتاب نظام شمسی سے وابستہ ستاروں کو اپنے اردگرد لے کر بیٹھ گیا ہے، وہ بھی سفید

اور کبھی سبز سر پر عمامہ اور قامت بالا پر سبز قبا، دیکھنے والے ڈر ڈر کے دیکھتے تھے کہ کہیں نظر نہ لگ جائے کہ فرمان نبوی ہے، العین حق۔ (حیات انور ص ۱۹۸)

یہ جہاں فانی ہے کو چیز لافانی نہیں
پھر بھی اس دنیا میں انور شاہؒ کا ثانی نہیں

پہلی جھلک نے وارفتہ کردیا :

حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی رقمطراز ہیں :

آج سے تقریباً تیس (۳۰) سال پہلے کی بات ہے۔ میری طالب علمی کا زمانہ تھا اور اگلے سال دارالعلوم دیوبند جانے کا ارادہ تھا۔ مراد آباد میں جمعیۃ العلماء ہند کا اجلاس ہوا۔ یہ عاجز بھی گیا۔ حضرت شاہ صاحبؒ کا ذکر اپنے اساتذہ سے سنا کرتا تھا لیکن ابھی تک آنکھوں سے دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔ غالباً صبح کا وقت تھا۔ دیکھا کہ چند حضرات ایک طرف سے تشریف لا رہے ہیں، اُن میں ایک بزرگ جو گہرے سبز رنگ کا عبا پہنے ہوئے تھے اور غالباً ہلکے زرد رنگ کا عمامہ زیب سر تھا، بڑے حسین وجمیل اور بڑے نورانی نظر پڑے۔ آپ سے آپ دل میں آیا کہ شاید یہی دیوبند کے "حضرت شاہ صاحب" ہیں۔ کسی سے پوچھا جواب ملا کہ ہاں شاہ صاحبؒ یہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے صرف اس دید ہی سے دل میں ایک خاص محبت وعقیدت ڈال دی۔

اجلاس کے سلسلہ میں تین دن میں مراد آباد رہا۔ اب تک یاد ہے کہ اس تاک میں رہا کرتا تھا اور گھوم پھر کر بھی اس کی کوشش کیا کرتا تھا کہ حضرت کو کہیں دیکھوں۔ غالباً دیکھنا تو بار بار نصیب ہوا لیکن تقریر یا بات سننا کیا معنی، اُن دنوں میں آواز سننا بھی یاد نہیں۔

جی بھرتا نہیں تھا :

چند مہینے کے بعد دیوبند پہنچ گیا۔ اس سال چونکہ میں نے دورۂ حدیث نہیں لیا

تھا۔ اس لئے حضرت کے یہاں میرا کوئی سبق تو نہیں تھا، لیکن پھر بھی روزانہ کئی کئی بار آنکھوں کو دید کا موقع ملتا تھا۔ مگر خوب یاد ہے کہ جی بھرتا نہیں تھا اور ہر دفعہ دیکھنے میں لذت ملتی تھی۔ اگلے سال میں نے دورہ لیا اور حسب معمول بخاری شریف اور ترمذی شریف پوری پوری حضرت کے یہاں ہوئیں اور ان دونوں سبقوں کے سلسلہ میں روزانہ قریباً تین چار گھنٹے خدمت میں حضوری کی سعادت ہوتی تھی، لیکن اپنی اس گذشتنی کے ذکر اور اس کی یاد میں آج بھی لذت محسوس کرتا ہوں کہ حسب توفیق علمی استفادہ کے علاوہ یہ عاجز آنکھوں کے ذریعہ بھی لذت وسرور حاصل کرتا تھا اور میرا خیال ہے کہ میں اس حال میں منفرد نہ تھا بلکہ بہت سے شرکاء درس غالباً میرے شریک حال تھے۔

کہیں نظر نہ لگ جائے :

دارالعلوم کے صدر مدرس مولانا محمد ابراہیم بلیاویؒ کہتے تھے کہ ایک بار جمعہ کے روز سردی کے موسم میں حضرت شاہ صاحب سبز پوشاک میں ملبوس دارالعلوم سے جامع مسجد کے لئے روانہ ہوئے۔ میری نظریں آپ پر پڑیں تو مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں حضرت شاہ صاحبؒ کو میری نظر نہ لگ جائے۔

حسنِ صورت کا منظوم منظر :

ضیاء الرحمان ضیا نے حضرت محدث کبیر مولانا محمد انور شاہ صاحب کے حسن صورت کی کیا خوب منظر کشی کی ہے

گلستان وادی لولاب کا تازہ گلاب
چہرۂ انور تھا شرح آئینہ نور و کتاب
تھا جبین پاک پہ سیمائے من اثر السجود
دیکھ کر حلقہ بگوش دیں ہوئے اہل جحود

دین کی حقانیت کا حجت و برہاں رہا
تھا فرشتہ اور گماں حضرت انساں رہا

حسن ورعنائی کی دلآویزی :

حضرت مولانا انظر شاہ صاحب رقمطراز ہیں :

حضرت شاہ صاحبؒ کو بواسیر کا مرض لاحق تھا۔ آخری عمر میں مرض کے غلبہ کے باوجود خوبی ورعنائی میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ حیرت انگیز امر یہ ہے کہ مرض الوفات میں خون کا بڑا حصہ خارج ہو چکا تھا لیکن جب غسل دیکر کفن پہنایا گیا تو دونوں رخسار گلاب کے پھول نظر آئے۔ ہزاروں انسانوں نے یہ منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا اور مغفور و مرحوم ہونے کی اسے ایک علامت قرار دی۔ حسن و جمال، تناسب اعضاء، متوازن قد و قامت، پرنور علم اور نور ایمان مستزاد تھا۔ معصومیت، دلنوازی اور دلربائی ایک قدرتی اضافہ یہ حسن اور کشش اس بلا کی موثر تھی کہ بعض غیر مسلم دیکھ کر بے اختیار ایمان لے آئے۔

(نقش دوام ص ۵۷)

حُسنِ صورت وسیرت کا جامع :

سیرت انور کے مرتب جناب مسعود احمد قاسمی صاحب لکھتے ہیں :

شاہ صاحبؒ کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے حسن سیرت کے ساتھ ساتھ حسن صورت سے بھی حصۂ وافر عطا فرمایا تھا، اگر ایک طرف آپ علم کی ایک چلتی پھرتی لائبریری اور بحر ذخار تھے، تو دوسری طرف حسن و جمال میں بھی یکتا تھے، سفید کھلا ہوا رنگ، چوڑا چکلا سینہ، لمبا لیکن کشیدہ قد، بھرا ہوا جسم، فراخ کشادہ پیشانی، ستواں ناک، بڑی بڑی آنکھیں، نرم و نازک جلد۔

الغرض آپ حسن و جمال کا مرقع تھے۔ بڑے بڑے مجمع میں بھی لوگ آپ کو پہچان جاتے تھے کہ یہی سب سے بڑا عالم ہے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو ایک خاص جاذبیت عطا فرمائی تھی اور علمی و روحانی فیض کی شعاعیں آپ کے چہرۂ مبارک سے اس طرح ہویدا تھیں کہ جو کوئی ایک بار نظر بھر کر دیکھ لیتا پھر چہرۂ مبارک سے اپنی نظر نہ اٹھاتا۔ آپ بڑے حلیم اور کم گو تھے، بلاضرورت بات کرنے کے عادی نہ تھے اور یہی ایک عالم کی نشانی ہے کہ اس کی ہر بات سے وقار ٹپکتا ہے اور وہ بلاضرورت باتیں کرنا پسند نہیں کرتا۔ ایسا بہت کم دیکھنے میں آیا ہے کہ ایک شخص حسن سیرت اور حسن صورت دونوں میں یکتا ہو لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت شاہ صاحبؒ کو حسن سیرت اور صورت دونوں سے نوازا تھا۔ شاہ صاحبؒ کے علمی اور صوری محاسن کی بدولت ہر شخص آپ کی طرف کھنچتا تھا۔ (سیرت انور ص ۲۲)

چہرے سے اسلام کی دعوت :

مولانا محمد علی مونگیری کی دعوت پر جب آپ مونگیر قادیانیت کی تردید کے لئے تشریف لے گئے اور چند روز تک اجتماع میں آپ کے مسلسل بیان ہوئے تو علاقہ کا ایک بڑا ہندو سادھو جوان اجتماعات میں پابندی سے شریک ہوتا رہا۔ آخری دن کہنے لگا کہ یہ شخص (حضرت شاہ صاحبؒ) اپنے چہرے سے اسلام کی دعوت دیتا ہے۔

سنتوں کا چلتا پھرتا نمونہ :

حُسنِ صورت عارضی چیز ہے اور حُسنِ سیرت مستقل اور دائمی کمال ہے۔ حُسنِ صورت اللہ کا انعام ضرور ہے لیکن مطلوب و مقصود نہیں۔ حُسنِ سیرت وہ عنصر ہے جس کو یہ دولت میسر آ گئی وہ دنیا اور آخرت میں کامیاب ٹھہرتا ہے۔ آج ہمیں امام ابوحنیفہؒ، امام

مالکؒ، امام احمد بن حنبلؒ، امام شافعیؒ، حضرت عبدالقادر جیلانیؒ، حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ اور حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ جیسے اکابر سے محبت ہے تو محبت کی بنیادیں حُسن صورت پر نہیں بلکہ حُسنِ سیرت پر استوار ہیں۔ حسن صورت اور حسن سیرت کا اجتماع سونے پہ سہاگے کا کام دیتا ہے۔ رب ذوالجلال نے محدث کبیر حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحبؒ کو حسن صورت کے ساتھ ساتھ اخلاق وکمالات اور اتباع سنت کی برکات سے مالا مال کر دیا تھا۔

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب نے لکھا ہے:

ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت سی سنتوں کی اصل کیفیت حضرت شاہ صاحب کو دیکھ کر سیکھتے تھے۔ رفتار مسنون انداز کی تھی۔ زمین پر نہایت ہی سبک قدم رکھتے' جس وقت چلتے تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چال کا منظر دکھائی دیتا' جس کی کیفیت شمائل کی عام کتابوں میں صحابہؓ نے ''کانما ینحط الی صبب'' ۔ گویا کہ اوپر سے نیچے کو اتر رہے ہیں' کے ساتھ بیان کی ہے۔

چلنے میں بھی اتباع سنت کا اہتمام:

حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ فرماتے تھے:

میں میرٹھ میں پڑھتا تھا۔ حضرت شاہ صاحبؒ کا نام سُنا تھا، لیکن آپ کی زیارت کا اب تک موقع نصیب نہیں ہوا تھا۔ ایک روز میرٹھ میں اعلان ہوا کہ حضرت شاہ صاحبؒ کسی غیر مقلد عالم سے مناظرہ کے لئے تشریف لا رہے ہیں۔ مناظرہ محلّہ کی ایک مسجد میں جمعہ کے بعد ہونے والا تھا۔ میں بھی اپنے چند ساتھی طلبا کے ساتھ مسجد میں پہنچ گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد مجمع پیچھے پیچھے اور حضرت شاہ صاحب آگے آگے تھے۔ دور اور قریب سے دیکھا تو رفتار کانما ینحط الی صبب کی مظہر تھی۔

کھانے کے بعد ہاتھ کو تلووں پر ملنے کی سنت کا اہتمام:

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب کا بیان ہے کہ جب کھانا سامنے آتا تو تواضع کی ایک خاص کیفیت آپ پر طاری ہوتی اور ہر لقمہ کے بعد الحمدللہ پڑھتے رہتے' کھانے سے فراغت کے بعد دونوں ہاتھوں کو تلووں پر ملنے کا مسنون اہتمام علماء میں آپ ہی کے یہاں دیکھا۔ (سیرت انور ص ۸۲)

لباس:

جناب مسعود احمد قاسمی صاحب لکھتے ہیں:

حضرت شاہ صاحبؒ پاجامہ استعمال کرتے تھے اور پاجامہ نیم ساق (پنڈلی) سے کبھی نیچا نہ ہوتا تھا۔ عمامہ کا استعمال زیادہ ہوتا تھا۔ سردیوں میں اکثر وبیشتر سبز یا سیاہ رنگ کا عمامہ استعمال فرماتے تھے۔

ہر ادا میں اتباع سنت کا اہتمام:

ہم بہت سی سنتیں حضرت شاہ صاحبؒ کے عمل کو دیکھ کر معلوم کر لیا کرتے تھے۔ کھانا کھانے کے بعد تولیہ یا رومال سے ہاتھ پونچھنے کے بجائے ہمیشہ پاؤں کے تلووں سے ہاتھ پونچھ لیتے تھے۔ اکڑوں بیٹھ کر کھانا کھاتے تھے۔ کھانے میں ہمیشہ تین انگلیاں استعمال فرماتے تھے اور دونوں ہاتھ مشغول رکھتے تھے۔ بائیں ہاتھ میں روٹی اور داہنے ہاتھ سے اُسے توڑ توڑ کر استعمال کرتے تھے۔ لقمے ہمیشہ چھوٹے چھوٹے استعمال کرتے تھے۔ جمعہ کی نماز پڑھنے کے لئے جاتے تو فاسعوا الی ذکر اللّٰہ کا منظر سب کو نظر آتا۔ سعی اور دوڑ کی شان، تیز رفتاری اور لمبے لمبے قدم؛ ان کی چال سے نمایاں ہوتی تھی حسبنا اللّٰہ تکیہ کلام تھا۔ اٹھتے بیٹھتے اکثر وبیشتر حسبنا اللّٰہ فرماتے رہتے۔ ایسے ہی موقع بموقع اللّٰہ

احل' فرماتے رہتے۔ (حیات انورص ۱۷)

بیوہ اور سیدہ سے نکاح کروں گا :

حضرت شاہ صاحبؒ کافی عرصہ تک نکاح اور شادی کرنے میں تاخیر کرتے ہوئے تجرد کی زندگی کو فوقیت دیتے رہے۔ جب حضرت شاہ صاحبؒ کی عمر تقریباً چوالیس سال کی ہوئی تو اکابر دارالعلوم دیوبند حضرت حبیب الرحمٰن عثمانیؒ اور مولانا حافظ محمد احمد صاحبؒ نے مشورہ کرکے آپ کو نکاح کی ترغیب دی۔ جب رشتہ کی بات چلی تو حضرت شاہ صاحبؒ نے یہ شرط لگائی کہ میں اُس عورت سے نکاح کروں گا جو سیدہ ہو اور بیوہ ہو۔ یہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر ازدواجی زندگی میں عمل کرنے کا اہتمام تھا، کیونکہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلانِ نبوت سے پہلے شادی کی تو آپ کے عقد میں حضرت خدیجہؓ آئیں جو سیدہ بھی تھیں اور بیوہ بھی تھیں، ایک جگہ شادی کی بات چلی، وہ عورت نجیب الطرفین سادات میں سے تھی، جب حضرت شاہ صاحب کو اُن کے تمول اور رئیس ہونے کا علم ہوا تو انکار کردیا۔ بعد میں حضرت حکیم سید محفوظ علی کی ہمشیرہ سے نکاح ہوا۔ اس نکاح کی تفصیل شاہ صاحبؒ کے فرزند حضرت مولانا انظر شاہ صاحب کے قلم سے نذر قارئین ہے۔

رفیقۂ حیات کا بچپن کا خواب :

والدہ مرحومہ نے بچپن میں ایک خواب دیکھا تھا کہ دو ترنجیں ہیں۔ ان پر ایک طوطا بیٹھا ہوا ہے۔ یہ طوطا دونوں ترنجوں کو بوسہ دے رہا ہے بلکہ بچپن میں یہ خواب بھی دیکھا کہ میری شادی ایک کہنہ سال آدمی سے ہوئی ہے، جس کا حلیہ ان کو ہمیشہ محفوظ رہا۔ فرماتیں تھیں حضرت شاہ صاحبؒ کو پہلے لمحہ میں دیکھتے ہی اپنے بچپن کے خواب کی بھرپور تعبیر سامنے آگئی۔ جب حضرت شاہ صاحب کا نکاح ہوا اور بارات بھوپال گئی تو والد ماجد

حضرت شاہ صاحب کا سن وسال ۴۵ سے متجاوز تھا اور ریش مبارک کا ایک تہائی حصہ سفید ہو چکا تھا۔ بارات پہنچی تو والدہ کے محلہ میں کہرام بپا ہوگیا کہ ۱۳ سال کی معصوم بچی ایک کبیر السن سے بیاہ دی گئی۔ جاہل عورتوں نے یہ داستان بڑی رنگ آمیزی کے ساتھ والدہ تک بھی پہنچائی جو اس وقت دلہن بنی بیٹھی تھیں۔ والدہ مرحومہ بتاتی تھیں کہ اس بے جوڑ شادی کی تفصیلات سُن کر میں کانپ اُٹھی۔ نکاح کے بعد رُخصتی ہوئی، جب والدہ مرحومہ کو اُتارا گیا اور شاہ صاحب کے ساتھ زندگی کے شب و روز گذرے تو والدہ مرحومہ نے اپنے جذبات وخواہشات کو مرحوم کی خواہشات پر قربان کردیا تھا۔

آغازِ ازدواج :

حضرت شاہ صاحب کی زندگی میں زہد وقناعت رسماً نہیں بلکہ واقعیت کے ساتھ موجود تھی۔ شروع سے لے کر آخر تک ان ہی دو وصف پر زندگی قائم رہی۔ والدہ فرماتی تھیں کہ جس وقت شادی ہوئی تو سب سے پہلی ہمارے درمیان جو گفتگو ہوئی وہ یہ تھی کہ :

میں ایک مفلوک الحال اور غریب الوطن ہوں۔ تاہلی زندگی کا کوئی ارادہ نہ تھا۔ حضرت استاد شیخ الہندؒ اور دیگر دو مہتمم صاحبان کے حکم پر یہ صورت اختیار کی ہے۔ گھریلو زندگی اور عائلی نظم وانتظام کے لئے میرے پاس کچھ نہیں ہے۔ حضرت شاہ صاحب نے پہلی بار جو چیزیں اثاثۃ البیت کے طور پر بہم پہنچائیں، وہ مٹی کا ایک بدھنا مٹی کے دو پیالے اور ایک چٹائی تھی۔ ایک مدت تک والدہ کے کھانے کا انتظام مولانا طیب صاحب کے مکان سے ہوتا رہا۔ البتہ صبح کا ناشتہ میں کبھی کبھی چائے اور مدرسہ کا کھانا حضرت والد صاحب بھیجتے۔

(نقش دوام)

خودداری :

زہد وقناعت کا ثمرہ خودداری ہی کی صورت میں بارآور ہوتا ہے۔ جب انسان کی

نظر میں مال و دولت کی اہمیت نہ ہو تو وہ بڑے سے بڑے مالدار حکمران اور کج کلاہ کو خاطر میں نہیں لاتا۔ حضرت شاہ صاحب میں بھی خودداری کا عنصر کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ ایک مرتبہ دہلی میں نظام حیدرآباد سر آصف خسروئے دکن آئے ہوئے تھے۔ انہوں نے شاہ صاحب سے ملنے کی خواہش ظاہر کی۔ چنانچہ شاہ صاحب دیوبند سے دہلی تشریف لائے۔ نظام نے آپ کو فوراً اندر بلایا۔ شاہ صاحبؒ نے سیدھے سادے طور پر السلام علیکم فرمایا۔ نظام نے بڑی قدر و منزلت سے آپ کو خوش آمدید کہا۔ کافی دیر تک باتیں ہوتی رہیں، جو زیادہ تر علمی تھیں۔ اُن دنوں دیوبند سے ایک اخبار ''مہاجر'' نکلا کرتا تھا۔ یہ اخبار ہفتہ وار تھا' اخبار کے ایڈیٹر نے ملاقات کی خبر چھاپنی چاہی۔ شاہ صاحبؒ کو عنوان کی اطلاع دی گئی' جو مندرجہ ذیل تھا: ''بارگاہ خسروی میں علامہ کشمیری کی باریابی''۔

شاہ صاحبؒ کو یہ عنوان بالکل پسند نہ آیا، انہوں نے فرمایا، ہر چند کہ میں ایک فقیر بے نوا ہوں، مگر اتنا گیا گذرا بھی نہیں کہ اس طرح کے عنوانات برداشت کروں، کیسی بارگاہ خسروی اور کہاں کی باریابی۔ صرف اتنا لکھئے: ''نظام حیدرآباد سے انور شاہ کی ملاقات''۔ (سیرت انور ص ۸۶)

حکمرانوں سے استغناء:

نواب فیض الدین ایڈوکیٹ کی صاحبزادی کی شادی تھی۔ شاہ صاحب صرف شادی میں شرکت کی غرض سے حیدرآباد آئے ہوئے تھے۔ کچھ لوگوں نے چاہا کہ شاہ صاحبؒ اور نظام کی ملاقات کرادی جائے۔ نظام بھی چاہتے تھے کہ شاہ صاحبؒ کی ملاقات سے فیضیاب ہوں لیکن شاہ صاحبؒ نے ایک نہ سنی اور نظام سے ملنے کی درخواست کو یہ کہہ کر ٹال دیا کہ میں حیدرآباد صرف نواب فیض الدین صاحب کی لڑکی کی شادی میں شرکت

کے لئے آیا ہوں اور اس کے علاوہ اور کوئی مقصد اس سفر سے وابستہ کرنا نہیں چاہتا۔

چنانچہ آپ نے نظام سے ملاقات نہ کی۔ اسی طرح ایک مرتبہ سر اکبر حیدری نے شاہ صاحبؒ سے ملنے کی خواہش ظاہر کی۔ یہ انہیں دنوں کا واقعہ ہے، جب شاہ صاحبؒ نواب فیض الدین ایڈوکیٹ کی صاحبزادی کے سلسلے میں حیدرآباد میں اُن کے مکان پر ہی ٹھہرے ہوئے تھے۔ شاہ صاحب نے جواب دیا، اُن سے کہہ دو کہ میں یہیں ہوں اگر انہیں ملنا ہو تو یہیں آکر مل لیں۔ سر اکبر حیدری نے گذارش کی کہ میں آنے کو تیار ہوں لیکن اگر تنہائی میں ملاقات ہو جائے تو بہت اچھا ہو۔ شاہ صاحبؒ نے سر اکبر حیدری کو کہلا بھیجا کہ یہ ناممکن ہے کہ میں اُن کی وجہ سے حاضرین مجلس کو اُٹھ جانے کو کہوں یا خود مجلس سے اُٹھ کر چلا جاؤں۔ (سیرت انور ص ۸۷)

دولت سے علم کی خرید:

حضرت مولانا انظر شاہ صاحب راوی ہیں کہ والدہ مرحومہ سے بارہا سنا کہ مولانا محمد میاں سملکی (بڑے مالدار باپ کے بیٹے تھے) جب دیوبند میں پڑھتے تو میری ہمشیرہ راشدہ خاتون جن کی عمر اس وقت سات آٹھ سال کی تھی اور بچیوں کے عام دستور کے مطابق اپنی گڑیا کی تقریب شادی کے انتظامات میں مصروف تھیں۔ مولانا سملکی نے بازار سے کچھ بیش قیمت کپڑوں کے ٹکڑے گڑیا کے لئے خرید کر دیے۔ عصر کا وقت تھا، حضرت والد صاحب اس وقت معمولاً اپنے مخصوص کمرہ سے باہر وضو کے لئے تشریف لائے۔ آپ وضو کر رہے تھے۔ ہمشیرہ کپڑوں کا یہ تحفہ لئے ہوئے سامنے سے گذریں، شاہ صاحبؒ نے اشارہ سے بلا کر تحقیق حال کی اور معصوم بچی سے پوری کیفیت سننے کے بعد شدید غصہ کا اظہار فرمایا۔ الفاظ بھی یوں تھے کہ یہ صاحب کیا اپنی دولت سے ہمارا علم خریدنا چاہتے ہیں۔

بات کچھ بڑی نہ تھی، مجھے یقین ہے کہ عقیدت مند شاگرد کی نیت میں کوئی فتور نہ تھا، مگر شاہ صاحبؒ جس غیر معمولی خودداری کی دولت سے سرفراز تھے یہ اسی کی ایک جھلک ہے۔

ارتباط اور تعلقات :

خودداری کے ان واقعات سے یہ نتیجہ نکالنا غلط ہوگا کہ آپ اس خودداری میں کسی تعلق کی بھی رعایت نہ کرتے تھے۔ ربط و تعلق کی رعایت جس طرح آپ کے یہاں موجود تھی، اس کا اندازہ درج ذیل واقعہ سے ہوگا۔ جس کے راوی آپ کے برادر خورد مولانا سیف اللہ شاہ ہیں، کہتے ہیں۔ ایک بار عید الاضحیٰ کے بالکل قریب حضرت شاہ صاحبؒ کشمیر تشریف لائے، مکان پہنچنے سے پہلے اپنے پرانے و خصوصی متعلقین لگرو خاندان کے ساتھ وقت گذارا۔ ادھر اُدھر سے کچھ عزیز و اقارب پہنچ گئے، جن کی خواہش تھی کہ آپ عید گھر کریں۔ دوسری جانب لگرو خاندان کا اصرار تھا کہ عید بارہ مولہ میں ہونا چاہئے۔ عید سے دو روز قبل بارہ مولا کے ایک گاؤں کے کچھ عقیدت مند آئے اور اپنی بستی میں چلنے پر اصرار کیا۔ عید بالکل قریب تھی۔ اس لئے آپ نے جانے سے انکار فرمایا۔ انہوں نے یقین دلایا کہ ایک رات کے قیام کے بعد صبح ہی بارہ مولہ واپس ہونے میں کوئی رُکاوٹ نہیں ڈالی جائے گی۔ بار بار کی اس یقین دہانی پر دل شکنی سے بچنے کے لئے بارہ مولہ سے اس گاؤں کی جانب روانہ ہوئے اور اگلی صبح کو وعدہ کے مطابق جب واپسی کا ارادہ فرمایا تو جیسا کہ عوام کی عادت ہے، گاؤں کی آبادی نے نہ صرف پروگرام کو لیت و لعل میں ڈالا، بلکہ اچھی خاصی مزاحمت پر آمادہ ہوگئے۔ آپ نے فرمایا بھائی میں بارہ مولہ میں عید کرنے کا وعدہ کر چکا ہوں، اب یہ مزاحمت کیسی ہے؟

اس پر ایک دیہاتی نے ذرا تلخ ہو کر کہا، آپ ہم غریبوں کی دعوت نظر انداز

کر کے بارہ مولہ کے روسا کی دعوت کو ترجیح دے رہے ہیں۔ اس پر حضرت شاہ صاحبؒ برہم ہوئے اور فرمایا :

خدا کے بندے میں پُرانے تعلقات کو چھوڑتا نہیں اور نئے مراسم کی تلاش کرتا نہیں۔ (نقش دوام ص ۹۲، ۹۳)

مہمان نوازی :

مہمان نوازی سنتِ انبیاء علیہم السلام میں سے ہے۔ خصوصاً حضرت ابراہیم علیہ السلام بہت زیادہ مہمان نواز تھے۔ صحابہ کرام میں حضرت علیؓ کا پسندیدہ مشغلہ مہمان نوازی تھا۔ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔ جو آدمی اللہ پر اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے۔ اُسے چاہئے کہ اپنے مہمان کا اکرام کرے۔ حضرت شاہ صاحب حد درجہ کے مہمان نواز تھے کتابوں میں یہ روایات کثرت سے ملتی ہیں کہ سادات خاندان سخی اور مہمان نواز ہوا کرتے ہیں۔ شاہ صاحبؒ تو نجیب الطرفین سید بھی تھے، عالم تھے، محدث تھے اور سب سے بڑھ کر محمد عربی ﷺ کے عاشق اور صحابہ کرامؓ کے محب تھے، اس لئے مہمان نوازی آپ کی فطرت ثانیہ تھی۔

اضیاف کا اکرام :

جناب محمد عفاء اللہ لکھتے ہیں :

ایک دفعہ غالباً ۱۳۲۸ھ بیروں کا موسم تھا اور احقر دیوبند حاضر ہوا۔ حضرت شاہ صاحبؒ بھی ڈابھیل سے تشریف لائے ہوئے تھے۔ حضرت صحن میں چار پائی پر تشریف فرماتے تھے، مولانا مشیت اللہ صاحبؒ اور بہت سے مہمان بیٹھے تھے، کمال مہربانی فرمائی۔ ہمیں دیکھتے ہی چار پائی سے اُٹھ کر ننگے ہی پاؤں ہماری طرف تشریف لائے اور مصافحہ

فرمایا، پھر مولانا مشیت اللہ صاحب بجنوری کے پاس تشریف فرما ہوئے اور ان کو بیر کا چھلکا اُتار کر عنایت فرما رہے تھے۔ ایک طبق ہماری طرف بھی رکھ دیا اور ایک طالب علم کو فرمایا کہ ان کو چھیل کر کھلاؤ اور دوسرے طالب علم کو جیب مبارک سے ایک روپیہ نکال کر دیا اور فرمایا کہ بکری کا عمدہ گوشت بازار سے لاؤ، پھر گھر کے اندر تشریف لے گئے۔

مولوی محفوظ علی صاحب فرماتے تھے کہ گھر میں حضرت فرما رہے تھے کہ بہت معزز مہمان آئے ہیں۔ کھانا عمدہ پکائیو، پھر باہر تشریف لائے اور فرمایا کہ دو تو کرے باقر خانیوں کے لے آئے۔ اتنی تکلیف کیوں اُٹھائی، اگر کوئی شے لانا ہی ہو تو بیسری چیز لے آیا کرو، میرے ہاں محبت میں کوئی فرق نہیں پڑتا، بہت تھوڑی چیز لانا چاہئے۔

فصل الخطاب :

پھر فصل الخطاب کے متعلق میں نے تذکرہ شروع کر دیا کہ ایک صاحب نے اس کا جواب لکھا ہے۔ بڑی ہی تعلّی دکھائی ہے۔ فرمایا جب عناد پر کوئی اُتر آئے تو اس کا کیا علاج ہے۔ عصر کے وقت مولانا مشیت اللہؒ چلے گئے۔ ہم سب نماز کے لئے قریب والی مسجد میں چلے گئے۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے خود امامت کرائی۔ اسی طرح سب نمازوں میں خود ہی امام بنے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت کی اقتداء میں کئی نمازیں نصیب کر دیں۔ دوسرے دن نماز فجر ہی میں ہمیں بلایا، اور بڑی شفقت فرمائی۔ میں نے بعض عبارت فصل الخطاب کا مطلب پوچھا۔ نہایت خندہ پیشانی سے مسکراتے ہوئے جواب عنایت فرماتے رہے۔ اس پر بڑے خوش ہوئے کہ اس کو کتاب پر نظر ہے، پھر فرمایا آپ ذرا لیٹ جایئے۔ یہ کمبل ہیں ان کو نیچے بچھا لیجئے۔ خود اپنے دست مبارک سے عنایت فرمائے۔ ہم نے متبرک سمجھ کر تکیے کے

نیچے رکھ لئے، پھر دوپہر کو کھانا پر تکلف بھیجا۔ مولانا محفوظ علی اور مولانا محمد ادریس سیکروڑوی اور کئی ایک مہمانوں نے مل کر کھانا کھایا۔

بیعت و تعویذ :

پھر بعد ظہر میں نے عرض کیا کہ ساتھی کو بیعت فرما لیں، نہایت شفقت سے قبول فرمالیا۔ اور دوازدہ تسبیح چشتیہ کا ذکر تلقین فرمایا، پھر احقر نے دو تعویذوں کے لئے عرض کیا کہ نظر کا تعویذ ایک میرے بچے کے لئے اور ان کے بچے کے لئے درکار ہے۔ فرمایا میری تو دوات تعویذ کے قابل نہیں رہی۔ خشک سیاہی پانی ڈالنے سے پھیکی ہو جائے گی اور پرانی ہو، اس سے تعویذ نہیں لکھنا چاہئے۔ عرض کیا کہ تعویذ تو حضرت سے لکھوانا ہے پھر دوات میں سیاہی نئی ڈلوائی اور تعویذات لکھ کر ہمارے حوالے کئے، فرماتے تھے خود ہی لکھ لینا۔

''اعوذ بلكلمات الله التامات من كل شيطان و هامة و كل عين لامة''۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے فرمایا ہے کہ اس پر یہ الفاظ بھی زیادہ کر لے۔ ''حصنتک بحصن الف الف''۔

کمال شفقت پر بھی عذر :

احقر نے عرض کیا کہ حضرت ہی تحریر فرما دیں، پھر بڑی عنایت ہوئی۔ جب شام کی گاڑی سے ہم واپس ہونے لگے تو فرمانے لگے، اگر کوئی اور گنجائش ہو تو اور ٹھہر جاؤ۔ احقر نے عرض کیا کہ کل کو رخصت لے لیں گے، پھر اگلے دن صبح کو مجلس ہوئی۔ جب رخصت ہونے لگے تو فرمایا کہ آپ کی مہمانی کا حق ادا نہیں ہو سکا۔ کچھ خیال نہ کرنا، میں بھی علیل ہوں، مجھے بہت رقت ہوئی کہ اتنی شفقت پر بھی یہ عذر۔

(انوار انوری ص ۵۳)

ایک بیرسٹر کی دلجوئی :

شاہ صاحبؒ کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے حسن اخلاق کی خوبی سے بھی سرفراز فرمایا تھا۔ چنانچہ آپ کے پاکیزہ اخلاق وعادات کی وجہ سے ہر کوئی آپ کو عزیز رکھتا تھا۔ چھوٹا ہو یا بڑا ہر ایک کا خیال رکھتے تھے۔ کیا مجال جو کبھی کسی کو آپ کی باتوں سے ٹھیس لگی ہو۔ لوگوں کے جذبات کی قدر کرنا آپ کو خوب آتا تھا۔ چنانچہ آپ اس خوبی سے بات کرتے کہ مقصد بھی حل ہو جاتا اور سننے والے کو آپ کی بات گراں بھی معلوم نہ ہوتی۔

چنانچہ ایک دفعہ شاہ صاحبؒ امرتسر تشریف لے گئے۔ شاہ صاحبؒ کی شہرت سن کر بہت سے لوگ آپ کی قدمبوسی کے لئے حاضر ہوئے۔ اُن میں ایک مشہور ومعروف بیرسٹر بھی تھے۔ بیرسٹر صاحب داڑھی مونچھیں نہ رکھتے تھے۔ اس لئے شاہ صاحبؒ کے سامنے بیٹھنے سے کتراتے تھے۔ شاہ صاحبؒ نے بیرسٹر صاحب کی حالت کو بھانپ لیا اور فرمانے لگے بیرسٹر صاحب! آپ تو بلاوجہ شرمندہ ہو رہے ہیں، اگرچہ ہمارا فعل مختلف ہے لیکن ہم دونوں کا مقصد ومنتہٰی دنیاداری ہی کرنا ہے، اگر میری داڑھی نہ ہو تو مجھے کوئی بھی روٹی نہ دے اور اگر آپ داڑھی رکھیں تو آپ کو بیرسٹر کون مانے۔ اس لئے آپ کو شرمندہ ہونے کی چنداں ضرورت نہیں۔

شدید بارش کے باوصف دعوت کے لئے چل پڑے :

ایک مرتبہ ایک صاحب کے یہاں شاہ صاحبؒ کی دعوت تھی۔ خدا کا کرنا کیا ہوا کہ دعوت کے وقت بارش ہونے لگی، شاہ صاحبؒ نے ایک صاحب سے فرمایا، مولوی محمد حسن صاحب! فلاں صاحب نے آج ہماری دعوت کی ہے، اُن کے گھر چلنا ہے۔ محمد حسن صاحب نے فرمایا، شاہ صاحب! اس وقت تو بارش ہو رہی ہے، کھانا یہیں پر منگوا لیجئے گا۔

شاہ صاحب نے فرمایا بھائی محمد حسن صاحب! ایسا نہیں ہو سکتا، میرے ایک مخلص نے دعوت کی ہے، ایسا کیسے ہو سکتا ہے کہ میں وہاں جانے سے رُک جاؤں۔ چنانچہ شاہ صاحبؒ بارش ہی میں نکل پڑے۔ راستہ میں میزبان صاحب سے مڈبھیڑ ہوگئی۔ انہوں نے لاکھ کہا کہ شاہ صاحب! کھانا دردولت پر پہنچا دیا جائے گا لیکن شاہ صاحبؒ نہ مانے اور بارش ہی میں اُن کے گھر جا کر کھانا تناول فرمایا۔ اس واقعہ سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ شاہ صاحبؒ لوگوں کے جذبات کی کتنی قدر کرتے تھے۔ بعض اوقات آپ کو تکلیف بھی اُٹھانا پڑتی لیکن اس ڈر سے کہ کہیں آپ کی وجہ سے دوسرے کو شرمندہ نہ ہونا پڑے۔ اپنی تکلیف کا مطلق ذکر نہ فرماتے اور خندہ پیشانی سے ہر تکلیف کو برداشت کرتے۔ (سیرت انور ص ۲۶)

☆☆☆☆☆☆☆☆

باب : ۸

سلوک وتصوف اور صفائے باطن کا اہتمام‘ احترامِ اساتذہ واطاعت‘ حضرت گنگوہیؒ سے عشق ومحبت‘ عبدیت وانابت‘ معاصی سے اجتناب اور نفرت

تصوف' تربیتِ اخلاق اور تزکیۂ نفوس دینِ مبین کا اہم ترین شعبہ ہے۔ ہمیشہ سے علماءِ حق کا یہ دستور چلا آ رہا ہے کہ علومِ ظاہری کی تکمیل کے بعد کسی شیخ سے بیعت کا سلسلہ قائم کر لیتے اور درس و تدریس کے ساتھ ریاضت و مجاہدہ' سند حدیث کے ساتھ سند خلافت باطنی اور جوشِ احوال کے ساتھ ادب قال کے زمرے میں بھی داخل ہو جاتے۔ یہ علماءِ حق اہل علم ہونے کے ساتھ ساتھ اہل تصوف بھی ہوتے۔ مدرسہ میں پڑھاتے یا بازاروں سے گزرتے۔ خواص میں بیٹھتے یا عوام سے ملتے، اپنی زندگی کے روشن نقوش سے لوگوں کی زندگی اور ان کے فکر و نظر کے زاویوں کا رُخ بدل دیتے۔ ہمارے اسلاف اور اکابر دنیاوی مشاغل کے ساتھ ساتھ ذکر و شغل، تزکیۂ باطن، معرفت و سلوک اور مراقبہ و نسبت مع اللہ کے بلند درجات پر فائز ہوتے تھے ....

میرے غم کی قدر و قیمت کوئی میرے دل سے پوچھے
یہ چراغ وہ ہے جس سے میرے گھر میں ہے اُجالا

ہمارے اکابرؒ کو عبادت' ذکر الٰہی' تہجد اور وظائف کا بے حد ذوق تھا۔ دن قال اللہ و قال الرسول میں گذرتا تو رات قیام و سجود میں گذر جاتی اور وہ بزبانِ حال فرماتے۔

دل میں اس طرح ہوا ہے میرے پنہاں کوئی
ہر ادا سے میری ہوتا ہے نمایاں کوئی

تصوف کا اصل مقصد اوراد و اشغال نہیں بلکہ اعمالِ باطنہ کی اصلاح ہے اور اعمال باطنہ کی اصلاح کے لئے شیخ و مربی اور مرشد کی صحبت از بس ضروری ہے۔

حضرت گنگوہیؒ سے بیعت وخلافت :

محدثِ کبیر حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ نے جب دار العلوم سے سندِ فراغت حاصل کی تو روحانی تربیت اور تزکیۂ باطن کے لئے حضرت مولانا مفتی رشید احمد گنگوہیؒ کی خدمت میں گنگوہ حاضر ہوئے۔ بچپن ہی سے حضرت شاہ صاحب وظائف کا اہتمام کرتے تھے۔ خصوصاً اپنے والد حضرت مولانا پیر معظم شاہ صاحب کو جن اذکار و اوراد میں مشغول پاتے، خود بھی وہی وظائف شروع کر دیتے، لیکن جب حضرت گنگوہیؒ کے دستِ حق پر بیعت ہوئے تو ہمیشہ اُن کے تلقین فرمودہ ذکر و وظائف پر کاربند رہے۔

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب جو حضرت شاہ صاحبؒ کے تلمیذِ خاص تھے فرماتے ہیں :

حضرت شاہ صاحبؒ کے درس و تدریس کے ساتھ ساتھ ارشاد و تلقین کا سلسلہ بھی جاری رہتا تھا۔ بیعت بھی فرما لیتے تھے۔ اپنے اکابر سے سُنا کہ حضرت گنگوہیؒ کی طرف سے مجازِ بیعت بھی تھے۔ دیوبند کے بعض لوگ بھی آپ سے بیعت تھے۔ الٰہ دین دیوبندی جو حضرت نانوتویؒ کے دیکھنے والوں میں تھے، حضرت شاہ صاحب سے بیعت تھے۔ حضرت شیخ الہندؒ کے وصال کے بعد میں نے اور جناب مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مفتی اعظم پاکستان مقیم کراچی نے بھی حضرت شاہ صاحب کی طرف رجوع کیا۔ آپ نے ہمیں طریق چشتیہ کے مطابق اذکار تلقین فرمائے اور ہم اس میں کھلی تاثیر و تصرف محسوس کرتے تھے۔

(حیاتِ انور ص ۲۰۲)

باطنی کیفیت کی جھلک :

حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی اپنے استاذِ مکرم حضرت امام کشمیریؒ کی باطنی

کیفیت اور تصوف سے متعلق علوم و معارف کو ان الفاظ میں بیان کیا۔ فاضل گیلانی لکھتے ہیں :

حادث یعنی کائنات و مخلوقات کا قدیم یعنی خالق سے کیا تعلق ہے۔ شاہ صاحبؒ کے الفاظ میں ربط الحادث بالقدیم یہی عنوان قائم کر کے اس سلسلے میں کچھ فرماتے تھے۔ یہی تصوف کے نظری حصہ کا بنیادی و اساسی مسئلہ تھا۔ پہلی دفعہ شاہ صاحب نے اس مغالطہ کا ازالہ فرمایا کہ عوام الناس خالق و مخلوق کے تعلقات کو صانع و مصنوع یا معمار و مکان کی مثال سے سمجھنا چاہتے ہیں۔ مصنوع اپنے باقی رہنے میں چونکہ صانع کا محتاج نہیں ہوتا یعنی مکان کو بن جانے کے بعد معمار کی ضرورت باقی نہیں رہتی، عوام کی سمجھ میں صحیح طور پر اس لئے نہیں آتا کہ پیدائش میں تو عالم خدا کا محتاج ہے لیکن پیدا ہو جانے کے بعد عالم کو اپنی بقا میں خدا کی کیا ضرورت ہے؟ صوفیہ اس وسوسہ کا ازالہ اپنے اس نظریہ سے کرتے ہیں جو وحدت الوجود وغیرہ ناموں سے مشہور ہے اور نہ جاننے والوں نے مشہور کر رکھا ہے کہ صوفیہ وحدت الوجود کے جو قائل ہیں تو اس کا یہ مطلب ہے کہ ان کا ایمان وحدت الوجود پر ہے یعنی سارے موجودات ایک ہیں، حالانکہ الوجود کی وحدت کو الموجود کی وحدت سے کیا تعلق؟

مسئلہ احسان :

اسی طرح مشہور حدیث جبرئیل، جس میں ہے کہ ایمان و اسلام اور احسان کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مسافر کے بھیس میں حضرت جبرئیل نے سوالات کئے تھے۔ اس حدیث میں "الاحسان" کے لفظ کا ترجمہ ہی شاہ صاحبؒ نے ایسا کیا کہ تصوف کے عملی حصہ کی اصل خصوصیت سامنے آ گئی۔ فرمایا تھا کہ احسان کا صلہ جب الیٰ کے ساتھ آتا ہے تو کسی کے ساتھ حسنِ سلوک کرنا اس کا مطلب ہوتا ہے لیکن صلہ کے بغیر صرف

احسان کا ترجمہ ''حسن پیدا کردن'' کرنا چاہئے۔ یہی یا قریب قریب اسی کے فارسی زبان میں احسان کا ترجمہ کر کے فرمایا کرتے تھے کہ عقائد و اعمال اور زندگی کے تمام شعبوں میں، جو مذہب کے دائرے میں داخل ہیں، ان کو بار ٹھہراتے ہوئے سر سے ٹالنا، ایک حال تو یہ ہوتا ہے، لیکن ان میں حسن آفرینی کی کوشش بس یہی احسان ہے اور تصوف کا مطلب یہی ہے کہ بجائے تکلیف کے دین ہی گویا زندگی کا اقتضاء بن جائے' اور یوں دین کے ہر شعبہ میں حسن کے اندر حسن کا اور جمال کے اندر جمال کا اضافہ کرتے چلے جانا چاہئے۔ یہی الاحسان کے مقام کا اقتضاء ہے۔ خیال آتا ہے کہ قرآن مجید میں جہاں کہیں ''المحسنین'' کا لفظ آیا ہے، اس کا صحیح مصداق شاہ صاحب کے نزدیک مسلمانوں کا وہی طبقہ ہے جو دینی مطالبات کی تعمیل میں اپنے پیش نظر احسانی نقطۂ نگاہ رکھتا ہے۔

(احاطۂ دار العلوم میں بیتے ہوئے چند دن ص ۹۲)

علم غالب اور سلوک مغلوب تھا :

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی صاحب اپنے مشاہدات لکھتے ہوئے فرماتے ہیں،

علمی شغف و انہماک اور علمی کمال کا آپ پر اتنا غلبہ تھا کہ دوسرے تمام کمالات اور زندگی کے دوسرے پہلو اس کے نیچے بالکل دبے ہوئے تھے۔ چنانچہ آپ کی زندگی کا وہ بلند ترین پہلو جس کو ''سلوک و تصوف'' سے تعبیر کرنا چاہئے۔ اس علمی کمال اور شغفِ علمی سے دبا ہوا تھا۔ اسی وجہ سے بہت سے لوگ آپ کی زندگی کے اس رخ سے بالکل ناواقف ہیں۔ یہ عاجز بھی کچھ زیادہ واقف نہیں ہے لیکن اجمالاً اتنا ضرور جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس دولت سے بھی حصۂ وافر عطا فرمایا تھا اور یقیناً آپ آراستہ باطن اصحاب احسان میں سے تھے۔ حضرت گنگوہی نور اللہ مرقدہٗ سے مجاز بھی تھے۔ لیکن اس لائن کی باتیں کرنے کی عادت

نہ تھی۔

احسانی کیفیت' شریعت وسنت پر استقامت ہے :

البتہ ایک دفعہ ایک واقعہ سنایا اور اس سلسلہ میں جو کچھ جوش آگیا تو ایک آدھ بات ہم لوگوں کو ایسی بھی سننی میسر آگئی جس سے کچھ سمجھا جا سکا کہ اس فضا میں بھی حضرت استاذ کی پرواز کتنی بلند ہے۔ جو واقعہ حضرت نے سنایا وہ یہ تھا :

فرمایا کہ ایک دفعہ میں کشمیر سے یہاں کے لئے چلا۔ راستہ کی کافی مسافت گھوڑے پر سوار ہو کر طے کرنی پڑتی تھی۔ راستہ میں ایک صاحب کا ساتھ ہو گیا۔ یہ پنجاب کے ایک مشہور پیر صاحب کے مرید تھے اور ان ہی کے پاس جا رہے تھے۔ یہ مجھ سے اپنے ان پیر صاحب کا اور ان کے کمالات اور کرامات کا تذکرہ راستہ بھر کرتے رہے۔ ان کی خواہش اور ترغیب یہ تھی کہ میں بھی ان پیر صاحب کی خدمت میں حاضر ہوں اور اتفاق سے وہ مقام میرے راستہ میں بھی پڑتا تھا۔ میں نے بھی ارادہ کر لیا۔ جب ہم دونوں پیر صاحب کی خانقاہ پر پہنچے تو ان صاحب نے مجھ سے کہا کہ نئے آدمیوں کو اندر حاضر ہونے کے لئے اجازت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس لئے میں پہلے جا کر آپ کے لئے اجازت لے لوں۔ چنانچہ وہ اندر تشریف لے گئے، ان بزرگ نے اطلاع پا کر خود اپنے صاحبزادے کو مجھے لینے کے لئے بھیجا اور اکرام سے پیش آئے۔ خود ایک تخت پر بیٹھے ہوئے تھے، باقی سب مریدین و طالبین نیچے فرش پر تھے، مگر مجھے اصرار سے اپنے ساتھ تخت پر بٹھایا۔ کچھ باتیں ہوئیں، اس کے بعد اپنے مریدین کی طرف متوجہ ہو گئے اور اپنے طریقہ پر ان پر توجہ ڈالنی شروع کی اور اس کے اثر سے وہ بے ہوش ہو ہو کر لوٹنے اور تڑپنے لگے۔ میں یہ سب دیکھتا رہا، پھر میں نے کہا کہ میرا جی چاہتا ہے کہ اگر مجھ پر بھی یہ حالت طاری ہو سکے تو مجھ پر آپ

توجہ فرمائیں۔ انہوں نے توجہ دینی شروع کی اور میں اللہ تعالیٰ کے ایک اسم پاک کا مراقبہ کر کے بیٹھ گیا۔ بیچاروں نے بہت زور لگایا اور بہت محنت کی، لیکن مجھ پر کچھ اثر نہیں ہوا۔ کچھ دیر کے بعد انہوں نے خود ہی فرمایا کہ آپ پر اثر نہیں پڑسکتا۔

حضرت استاذ نے یہ واقعہ اتنا ہی نقل فرمایا اور اُس کے بعد ایک غیر معمولی جوش کے ساتھ فرمایا:

''کچھ نہیں ہے لوگوں کو متاثر کرنے کے لئے ایک کرشمہ ہے اور کچھ مشکل بھی نہیں معمولی مشق سے ہر ایک کو حاصل ہوسکتا ہے۔ ان باتوں کا خدارسیدگی سے کوئی تعلق نہیں''۔

پھر اُسی سلسلہ میں اور اُسی جوش کی حالت میں فرمایا:

''اگر کوئی چاہے اور استعداد ہو تو ان شاء اللہ تین دن میں یہ بات پیدا ہوسکتی ہے کہ قلب سے اللہ اللہ کی آواز سنائی دینے لگے، لیکن یہ بھی کچھ نہیں۔ اصل چیز تو بس احسانی کیفیت اور شریعت وسنت پر استقامت ہے۔ (حیات انور ص ۱۶۷)

حضرتؒ صوفی بھی ہیں:

حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ فرماتے ہیں کہ میں جب دہلی پڑھتا تھا تو میں نے سنا کہ مولانا کریم بخش صاحب گلاوٹھی ضلع بلند شہر سے حضرت شاہ صاحب سے ملاقات کرنے تشریف لائے ہیں۔ میرے چونکہ مولانا کریم بخش صاحب استاد تھے، میں بھی گیا۔ یہ مغرب کے بعد کا وقت تھا۔ مولانا کریم بخش صاحب تو ملے نہیں، حضرت شاہ صاحب کو دیکھا کہ مدرسہ امینیہ کے اندر بیٹھے ہیں اور ذکر جہری سے اللہ اللہ کر رہے ہیں۔ تب میں سمجھا کہ حضرت صوفی بھی ہیں۔ یہ تو حضرت شاہ صاحبؒ نے خود فرمایا تھا۔ بہاولپور

کے مقدمہ میں احقر نے ریل گاڑی میں جب امرتسر سے لاہور کو چلے، سوال کیا کہ آپ کو اجازت کن بزرگوں سے ہے، تو فرمایا حضرت گنگوہیؒ سے ۱۳۱۹ھ میں حضرتؒ نے مجھے حدیث کی سند بھی دی اور بیعت کرنے کی اجازت بھی دی۔ ویسے تو ہمارا سلسلہ دس پشت سے سہروردی ہے اور مجھے حضرت مولانا محمد معظم شاہ والد صاحب سے اجازت ہے۔

(ف) حضرت شاہ صاحب عموماً سہروردی سلسلہ میں اور چشتیہ سلسلہ میں بیعت کرتے تھے۔ دونوں حضرات کے ذکر تلقین کرتے تھے۔

شاہؒ صاحب کو دیکھ کر خدا یاد آجاتا ہے:

حضرت شاہ صاحبؒ ایک دفعہ گنگوہ تشریف لے گئے تو حضرت گنگوہیؒ سے عرض کیا۔ حضرت میرے لئے دعا فرمائیں کہ مجھے نماز پڑھنی آجائے۔ دیوبند کے بزرگوں میں مشہور تھا کہ حضرت شاہ صاحب جب نماز پڑھتے ہیں تو ٹھیک بندہ بن کر کھڑے ہوجاتے ہیں۔ ہمارے ایک استاد حضرت مولانا مفتی فقیر اللہ صاحب تھے، وہ فرماتے تھے کہ شاہ صاحب کو دیکھ کر خدا یاد آجاتا ہے۔ یہی اولیاء اللہ کی نشانی ہے۔ کم از کم میں نے ساری زندگی حضرت شاہ صاحب جیسا نماز پڑھنے والا نہیں دیکھا۔ (انوار انوری ص ۱۵، ۱۶)

حضرت گنگوہیؒ کے عاشق زار:

مولانا سید احمد رضا مؤلف انوار الباری لکھتے ہیں:

حضرت علامہ محمد انور شاہ صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ امام ربانی حضرت گنگوہیؒ نہ صرف مذہب حنفی کے ماہر تھے، بلکہ چاروں مذاہب کے فقیہ تھے، میں نے اُن کے سوا کسی کو نہیں دیکھا جو چاروں مذاہب کا ماہر ہو۔ (مقدمہ انوار الباری ج ۲ ص ۲۳۱)

حضرت شاہ صاحبؒ نے ایک مرتبہ فرمایا، ہم یہاں کشمیر سے ہندوستان آئے تو

دین حضرت گنگوہیؒ کے پاس دیکھا۔ اس کے بعد حضرت شیخ الہندؒ اور حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ کے یہاں دیکھا۔ جو دیکھنا چاہے وہ مولانا اشرف علی تھانویؒ کے یہاں جا کر دیکھے۔ حضرت گنگوہیؒ کی شان میں شاہ صاحبؒ نے ایک عربی قصیدہ لکھا، جب مصر کے بہت بڑے عالم علامہ رشید رضا دیوبند آئے تو خطبہ استقبالیہ میں حضرت شاہ صاحبؒ نے اکابرین دیوبند کے تذکرہ کے ذیل میں حضرت گنگوہیؒ کے علمی و روحانی کمالات کے بارے میں اپنا عربی قصیدہ بھی پڑھا۔

حضرت شاہ صاحبؒ حضرت گنگوہیؒ کے عاشقِ زار تو تھے ہی کیونکہ حضرت گنگوہیؒ سے تو ان کو بیعت کا تعلق تھا، آپ نے حضرت گنگوہیؒ کے علاوہ دوسرے اساتذۂ کرام کے احترام اور عقیدت میں بھی کبھی کوئی فرق نہیں آنے دیا۔

امام کشمیریؒ اپنے اُستاذ پر پنکھا چلاتے رہے:

حضرت مولانا محمد انوری لائل پوری کا بیان ہے:

حضرت شاہ صاحبؒ دارالعلوم کے صدر مدرس تھے جو اس علمی درسگاہ کا سب سے بڑا عہدہ ہے۔ حضرت شیخ الہندؒ مالٹا کی اسارت کے بعد دیوبند واپس ہوئے۔ میں اپنے والد مرحوم کے ہمراہ دارالعلوم میں داخلہ کے لئے دیوبند پہنچا۔ حضرت شاہ صاحب کی زیارت کا اب تک موقع نہیں ملا تھا، لیکن آپ کی علمی عظمت کا احساس آپ کے سینکڑوں تلامذہ سے سُن کر دل و دماغ پر غالب تھا۔ دیوبند پہنچ کر میرے والد مجھے لے کر آستانہ شیخ الہندؒ پر پہنچے۔ گرمی کا زمانہ تھا اور ظہر کی نماز ہو چکی تھی۔ حضرت کی مردانہ نشست گاہ میں ایک ہجوم حضرت کو چہار طرف سے گھیرے ہوئے بیٹھا تھا۔ چھت میں لٹکے ہوئے پنکھے کو ایک صاحب کھینچ رہے تھے، جن کا پُر انوار چہرہ اس پر معصومیت و نورانیت شکوہ علم اور جلالت علمی

کی ملی جلی کیفیات دعوتِ نظارہ دیتیں یہ صاحب پنکھا کھینچتے ہوئے چپکے چپکے لوگوں سے کہتے ذرا ہٹ کر بیٹھیے، کہیں حضرت کو تکلیف نہ ہو۔ والد صاحب نے چپکے سے میرے کان میں کہا کہ یہ پنکھا کرنے والے دارالعلوم کے صدر مدرس حضرت مولانا انور شاہؒ ہیں، یہ سن کر میرے پاؤں تلے کی زمین نکل گئی کہ جس کی ذاتِ گرامی کی علمی شہرتوں سے ایک عالم گونج رہا ہے اور جس کے خود اپنے شاگرد اس مجلس میں موجود ہیں، کس خدمت اور عقیدت سے اپنے اُستاد کی خدمت میں مصروف ہے۔

حضرت شیخ الہندؒ کا احترام:

مولانا اعزاز علی صاحب فرماتے کہ حضرت شاہ صاحبؒ جب حضرت شیخ الہندؒ کے سامنے آتے تو احتراماً جھک جاتے کہ ہمیں آپ کے گرنے کا اندیشہ ہوتا۔

حکیم صفت احمد صاحب کہتے ہیں، مالٹا سے تشریف لانے کے بعد دوپہر کو معمولاً میری حاضری حضرت شیخ الہندؒ کے یہاں ہوتی۔ حضرت اقدس اس وقت کچھ آرام فرماتے اور میں آپ کا بدن دابتا۔ ایک روز حضرت چادر اوڑھے ہوئے استراحت فرما رہے تھے اور میں حسبِ دستور بدن دبا رہا تھا کہ اچانک شاہ صاحب تشریف لائے۔ آنے کو تو آ گئے لیکن یہ دیکھ کر کہ حضرت آرام فرما رہے ہیں، بڑی تشویش میں مبتلا ہو گئے۔ کچھ لمحات ایسے گذرے کہ اپنے سانس کو اس طرح روکے رہے جیسا کہ آپ زندہ ہی نہ ہوں، یہ ساری کوشش اس لئے تھی کہ حضرت استاد کو کسی تیسرے کی موجودگی کا احساس ہو کر آرام میں خلل نہ آئے۔ (نقش دوام ص ۱۰۴،۱۰۵)

سراپا انکسار خادم:

مولانا مشیت اللہ صاحب کے بڑے صاحبزادے حکیم محبوب الرحمٰن صاحب

فاضل دیوبند کا بیان ہے:

میں جب دیوبند پڑھتا تھا تو حضرت شاہ صاحب کے ساتھ آپ کے رہائشی کمرہ میں میرا قیام تھا۔ حضرت کو پان کی عادت تھی۔ ایک روز میں نے پان لگا کر پیش کیا، آپ نے منہ میں رکھا ہی تھا کہ مجھے سامنے سے حضرت شیخ الہندؒ تشریف لاتے ہوئے نظر آئے جو کسی ضرورت سے اپنے شاگرد کے پاس تشریف لا رہے تھے۔ شاہ صاحبؒ کو حضرتؒ کے اس وقت آنے کی اطلاع کی گئی، میں اس اضطراب کو بھول نہیں سکتا جو اس وقت شاہ صاحبؒ پر اپنے استاد کی آمد اور منہ سے پان نکالنے کی عجلت کی صورت میں طاری تھی۔ تیزی کے ساتھ اپنے منہ کو صاف کیا اور کمرے کے دروازے پر ایک سراپا انکسار خادم کی حیثیت سے اپنے آقا کے استقبال کے لئے کھڑے ہو گئے۔ (نقش دوام ص ۹۲)

سارا فتنہ ختم ہو گیا:

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ رقمطراز ہیں:

فتنہ ۳۲ھ میں جب معاملہ حدود سے بڑھنے لگا اور حضرت شاہ صاحبؒ نے مدرسہ میں آنا اور درس دینا چھوڑ دیا، جس سے طلبہ میں انتشار پھیل گیا اور اسٹرائک کی صورت پیدا ہوئی تو حضرت والد ماجدؒ نے بلا واسطہ اس مسئلہ کو سلجھانے کی سعی فرمائی اور ایک دن اچانک صبح کے وقت حضرت شاہ صاحب کے مکان پر تن تنہا پہنچ گئے اور اطلاع ہونے پر اک دم گھبرا کر حضرت شاہ صاحب باہر تشریف لائے اور اسی سابقہ نیازمندی کے ساتھ بہت ہی مؤدبانہ انداز سے پردہ کرا کر گھر میں لے گئے۔ گردن جھکا کر عرض کیا کہ حضرت اس وقت اچانک کیسے تکلیف فرمائی؟

حضرت والد ماجد نے فرمایا کہ حضرت مجھے یہ عرض کرنا ہے کہ میرا ابھی آپ پر کوئی حق ہے؟ فرمایا ہے، اور یہ ہے کہ اگر آپ میری کھال کی جوتیاں بنا کر پہنیں تو مجھے کوئی عذر

نہ ہوگا۔ والد ماجد نے فرمایا کہ بارک اللہ۔ بس تو میری گذارش یہ ہے کہ آپ ان قصوں کو چھوڑ دیں اور مدرسہ چلیں اور میرے ساتھ چلیں۔ فرمایا بہت اچھا۔ حضرت نے چند مطالبات پیش فرمائے کہ حضرت انہیں یوں کر دیا جائے۔

والد ماجد نے فرمایا کہ آپ کا منصب مطالبہ کرنے کا نہیں مطالبے پورا کرنے کا ہے۔ آپ اپنے قلم سے جو مناسب سمجھیں چل کر خود کر دیں۔ اس پر ساتھ ہولئے اور مدرسہ میں پہنچ گئے۔ سب کو حیرت اور بے انتہا مسرت ہوئی کہ سارا فتنہ ختم ہو گیا۔ والد ماجد نے فرمایا کہ یہ سب مطالبے آپ خود جاری کر دیں اور درس شروع کرا دیں۔ فرمایا کہ حضرت آپ اجازت دیں کہ ظہر کے بعد حاضر ہو کر درس شروع کروں۔ فرمایا مضائقہ نہیں۔

(حیات انور ص ۲۳۲)

استاذ کے یکہ کے پیچھے دوڑتے رہے:

حضرت شاہ صاحبؒ تمام اساتذہ کا احترام کرتے تھے۔ مولانا منفعت علی صاحب دیوبندی جو دار العلوم کے استاد تھے۔ ایک مرتبہ کسی ضرورت سے دہلی گئے، حضرت شاہ صاحب اس وقت مدرسہ امینیہ کے صدر مدرس تھے۔ مولانا منفعت علی صاحب حضرت شاہ صاحب کے ہاں ٹھہرے، جب مولانا منفعت علی صاحب دیوبند واپس ہونے لگے تو شاہ صاحب کے پاس سواری کے لئے پیسے نہیں تھے۔ اپنے استاد کو یکہ پر سوار کر دیا اور خود شاہ صاحب پیچھے دوڑنے لگے۔

کتاب کا احترام:

اساتذہ کے احترام کے ساتھ کتاب کا بھی احترام کرتے۔ قاری محمد طیب صاحب راوی ہیں:

حضرت شاہ صاحب خود فرمایا کرتے کہ میں مطالعہ میں کتاب کو اپنا تابع نہیں کرتا

بلکہ خود ہمیشہ کتاب کا تابع ہو کر مطالعہ کرتا ہوں۔ چنانچہ سفر و حضر میں ہم لوگوں نے کبھی نہیں دیکھا کہ لیٹ کر مطالعہ کر رہے ہوں یا کتب پر کہنی ٹیک کر مطالعہ میں مشغول ہوں، بلکہ کتاب کو سامنے رکھ کر مؤدب انداز سے بیٹھتے۔ گویا کسی شیخ کے آگے بیٹھے ہوئے استفادہ کر رہے ہیں۔

مطالعہ کے لئے وضو کا اہتمام :

یہ بھی فرمایا کہ "میں نے ہوش سنبھالنے کے بعد سے اب تک دینیات کی کسی کتاب کا مطالعہ بے وضو نہیں کیا"۔ سبحان اللہ کہنے کو تو یہ بات بہت چھوٹی سی نظر آتی ہے لیکن اس پر استقامت اور دوام ہر ایک کے بس کی بات نہیں۔ یہ وہی کر سکتا ہے جسے حق تعالیٰ نے ایسے کاموں کے لئے موفق اور میسر کر دیا ہے اور وہ گویا بنایا ہی اس لئے گیا ہے کہ اس سے دینی آداب کے عملی نمونے پیش کرائے جائیں۔ کُلٌّ میسّرٌ لما خُلق له

ہر کسے را بہر کارے ساختند   میل او را در دلش انداختند

کسی غیر محرم عورت پر نظر نہ پڑ جائے :

حضرت شاہ صاحبؒ کے تصوف کا تذکرہ کرتے کرتے ہم بہت دور نکل آئے۔ تصوف و سلوک کا ثمرہ بھی تو یہی ہے کہ انسان میں اساتذہ کا احترام، کتابوں کا احترام، طلبا پر شفقت، تقویٰ و پرہیزگاری، تواضع و عبدیت کے آثار ظاہر ہوں اور اخلاقِ رذائل غیبت، بدگوئی، چغلی، بدنظری سے انسان محفوظ ہو جائے۔ حضرت شاہ صاحب بھی تمام اخلاقِ رذیلہ سے محفوظ تھے۔

مشہور عارف باللہ حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری جنہوں نے دلی کے قیام کے زمانہ میں آپ سے میبذی، ملا حسن اور ترمذی پڑھیں۔ فرماتے ہیں۔ حضرت

صاحب مہینوں مسجد سے باہر نہ نکلتے تھے اور کبھی ضرورت کے لئے باہر نکلنا ہوتا تو چہرہ پر رومال اس طرح ڈال لیتے کہ سوائے راستے کے گرد و پیش کے کوئی چیز نظر نہ آتی، یہ اہتمام اس لئے تھا کہ کسی غیر محرم عورت پر نظر نہ پڑ جائے۔ (نقشِ دوام ص ۸۷)

جب پہلی مرتبہ اتفاقاً غیر محرم خاتون پر نظر پڑی :

حضرت مولانا انظر شاہ فرماتے ہیں۔ میں نے اپنی والدہ سے سنا ہے کہ شادی کے بعد حضرت والد کا قیام دارالعلوم کے ایک کمرہ میں تھا اور والدہ مولانا محمد طیب صاحب کے رہائشی مکان سے ملحق ایک مکان میں جو مہتمم صاحب کی ملکیت تھا، قیام فرماتیں۔ شاہ صاحبؒ مکان پر تشریف لاتے تو دستور یہ تھا کہ دستک دیتے اور اجازت کے بعد اندر تشریف لاتے۔ اتفاقاً ایک روز مہتمم صاحب کی والدہ ہمارے گھر میں تشریف رکھتی تھیں۔ حضرت شاہ صاحب تشریف لائے اور زنان خانے میں آنے کی اجازت چاہی۔ والدہ کو سہو ہوا اور اجنبیہ کا خیال دل سے نکل گیا۔ اندر آنے کی اجازت دی۔ شاہ صاحبؒ نے جونہی زنان خانے میں قدم رکھا تو ان اجنبیہ پر نظر پڑنے کے ساتھ ہی استغفار پڑھتے ہوئے اُلٹے پاؤں باہر لوٹ گئے۔

اس اتفاقی حادثہ کی تکلیف جو کچھ آپ کو ہوئی، وہ ایک مدت کے لئے والدہ مرحومہ سے ناراضگی کی شکل اختیار کر گئی۔ اپنے سبق میں طلبا کے سامنے غمگین لہجے میں فرمایا: بھائی! بالغ ہونے کے بعد کل بلا ارادہ مولانا طیب صاحب کی والدہ پر نظر پڑ گئی، جس کی تکلیف سوہانِ روح کی طرح محسوس کرتا ہوں۔

حرام کسب کا پان بھی گوارا نہ ہو سکا :

حضرت شاہ صاحبؒ کے نامور شاگرد مولانا بدر عالم میرٹھی کا بیان ہے :

ایک بار آپ دیوبند سے سفر فرما رہے تھے اور رفیق سفر کی حیثیت سے میں آپ کے ساتھ تھا۔ ریل کے جس ڈبہ میں سوار ہوئے اس میں دو خوش پوشاک و خوش رو عورتیں بھی تھیں۔ حضرت شاہ صاحب جب گاڑی میں تشریف رکھتے تو اپنے منور چہرہ کی وجہ سے مرکز نگاہ بن جاتے۔ یہ عورتیں برابر آپ کو دیکھتی رہیں اور آپ حسب دستور کتاب کے مطالعہ میں مستغرق رہے۔ دونوں عورتوں کے ساتھ ایک بڑا پان دان تھا، انہوں نے پان لگایا اور طشتری میں رکھ کر مجھے دیا کہ ان بزرگوں کیلئے پیش کردوں۔ دونوں کا اصرار اتنا زیادہ تھا کہ ان سے پان لینے اور شاہ صاحب کو پیش کرنے کے سوا میرے لئے کوئی چارہ کار نہیں رہا میں نے طشتری آپ کے سامنے رکھ دی، استغراق مطالعہ میں آپ نے بھی بے تکلف پان منہ میں رکھ لیا ابھی چند منٹ بھی نہ گذرے تھے کہ آپ پر امتلا کی کیفیت طاری ہوگئی اور مسلسل متلی شروع ہوگئی۔ پہلے تو مجھے خیال ہوا کہ غالباً تمبا کو مقدار سے بڑھ گیا، جس سے امتلا کی شدت ہے۔ دوسرا پان کھول کر دیکھا تو تمبا کو کی مقدار آپ کی معمولاً مقدار سے بھی کم تھی، پھر شبہ ہوا کہ کوئی قے آور چیز تو پان میں نہیں دی گئی، لیکن موجود دوسرے پان کو خوب دیکھنے کے بعد یہ بدگمانی بھی جاتی رہی۔ میرٹھ کے اسٹیشن پر معلوم ہوا کہ دونوں عورتوں کا تعلق طوائفوں سے تھا۔ اب معلوم ہوا کہ اس پاکیزہ باطن انسان کا دل حرام کسب کے پان کو بھی گوارا کرنے کے لئے تیار نہیں۔ اللہ اکبر مردانِ خدا کے ساتھ خدائے حفیظ و حافظ کا یہ حفاظتی معاملہ۔ (نقش دوام ص ۸۰)

مزاج کی یہ لطافت، باطن کی پاکیزگی، اللہ کی طرف سے حفاظت اور سلامتی فکر کے باوجود پیری مریدی اور سلوک و تصوف بطور مستقل شغل کے شاہ صاحبؒ کے یہاں نہیں تھی۔ اگر کوئی شخص تعویذ مانگتا تو حتی الوسع اجتناب کرتے۔ اعمال و اشغال میں آپ کسی خاص طریقہ سلوک کے پابند نہ تھے۔

حفاظتِ مال کا تعویذ :

ایک دفعہ فرمایا :

حافظ ابوزرعہ رازی نے فرمایا کہ جرجان میں آگ لگنے سے ہزار ہا گھر جل گئے، اور قرآن بھی جلے۔ لیکن یہ آیات نہ جلیں ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ. (یٰس ۳۸) و عَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ. (ابراہیم ۱۱) وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ. (ابراہیم ۴۲) وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا. (النحل ۱۸) وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ. (بنی اسرائیل ۲۳) تَنْزِيْلًا مِّمَّنْ خَلَقَ الْاَرْضَ وَالسَّمٰوٰتِ الْعُلٰى. (طٰہٰ ۴) لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرٰى. (طٰہٰ ۶) يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ ۝ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ. (الشعراء ۸۸،۸۹) وَلِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا، قَالَتَآ اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ. (حم السجدہ ۱۱) وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ. (الذاریات ۵۶) مَآ اُرِيْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ وَّمَآ اُرِيْدُ اَنْ يُّطْعِمُوْنِ. (الذاریات ۵۷) اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ. (الذاریات ۵۸) و فِى السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ. (الذاریات ۲۲) فَوَرَبِّ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِنَّهٗ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَآ اَنَّكُمْ تَنْطِقُوْنَ۔ (الذاریات ۲۳)

فرمایا یہ تجربہ ہے کہ آیات مذکورہ لکھ کر کسی برتن میں بند کر کے دوکان یا سامان میں رکھنا حفاظت کے لئے مجرب ہے۔

فرمایا کہ ایک آدمی یا کئی آدمی مل کر ہر سورت کی آخری آیت پڑھ کر پانی پر دم کریں تو لا علاج مرض کے لئے مفید ہے۔

کیڑے سے حفاظت کا تعویذ :

فرمایا: اگر کوئی درج ذیل اسماء کو کاغذ پر لکھ کر چھت سے تعویذ باندھ دے تو چھت کی لکڑی کو کیڑا نہیں لگتا۔

فقہاء سبعہ مدینہ :

فرمایا: فقہائے سبعہ مدینہ ان کے نام مبارک یہ ہیں ....

الا کل من لا یقتدی بائمۃ ! فقسمتہ ضیزی عن الحق خارجہ
فخذھم عبید اللہ و عروۃ وقاسم سعید وابوبکر سلیمان و خارجہ

(انوار انوری ص۸۰)

حضرت شاہ صاحبؒ کے چھوٹے بھائی جناب حضرت مولانا سید سلیمان شاہ صاحبؒ راوی ہیں کہ ایک کشمیری جو کہ باولا تھا۔ حضرت شاہ صاحب کا ایک جگہ کشمیر میں وعظ ہو رہا تھا، وہ گڑبڑ کرتا ہوا دوڑ کر حضرت کی طرف آیا۔ حضرت شاہ صاحب نے ایک تھپڑ مارا، اس کی حالت درست ہوگئی۔ فوراً صحت یاب ہوگیا۔ اس کے بعد کبھی بھی دیوانوں والی حرکت نہیں کی۔ (انوار انوری ص۳)

حضرت شاہ صاحبؒ کا قلب وقالب اور ظاہر و باطن تصوف کے نور سے منور تھا۔ آپ کے قلب مبارک میں معرفت ومحبتِ الٰہیہ کا بحر موجزن تھا۔ ایک ایک لفظ سے معرفت کے سوتے اُبلتے تھے۔ غفلت کا غبار دھلتا ہوا محسوس ہوتا تھا اور مردہ دلوں میں محبت الٰہی کا جذبہ پیدا ہوتا تھا۔ آپ باطنی حالات ومکاشفات میں بڑے بلند رتبہ کے حامل تھے ....

کتنے نغمے ہیں کہ پردوں میں چھپا رکھے ہیں
آپ چھیڑیں تو یہ ساز دل ناساز کبھی

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

باب : ۹

عشقِ رسول ﷺ

اور

قادیانیت کا تعاقب

ہر وہ شخص جس کو اللہ نے ایمان اور عقل وفہم کی دولت نصیب فرمائی ہے، وہ یقین کے ساتھ جانتا ہے کہ عشق رسول ﷺ ایمان کی روح اور بنیاد ہے ......

محمد کی محبت دینِ حق کی شرطِ اوّل ہے
اسی میں ہو اگر خامی تو سب کچھ نامکمل ہے

ربّ ذوالجلال نے ہر مسلمان پر محمد عربی ﷺ کی محبت اس کے تمام خویش و اقارب، اعزہ واحباب سے زیادہ لازم کی ہے۔ ارشاد ربانی ہے: میرے حبیب! فرما دیجئے اے لوگو! تمہارے باپ، تمہارے بیٹے، تمہاری عورتیں، تمہارا کنبہ، تمہاری کمائی کے مال، تمہاری تجارت، جس کے نقصان کا تمہیں ڈر رہتا ہے اور تمہاری پسند کے مکان ان میں سے کوئی چیز بھی اگر تمہیں اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ محبوب ہے تو انتظار کرو کہ اللہ اپنا عذاب اُتارے اور اللہ فاسقوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ (توبہ)

انس بن مالک انصاریؓ فرماتے ہیں کہ محمد عربی ﷺ نے فرمایا:

تم میں کوئی مؤمن نہ ہوگا جب تک میں اس کے نزدیک اس کے ماں باپ، اولاد اور سب آدمیوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔ اس مضمون کی متعدد آیات واحادیث موجود ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمان ونجات کا دارومدار محمد رسول اللہ ﷺ کی محبت پر ہے۔ محبت ایسی چیز ہے جو ظاہر میں بھی نظر آتی ہے اور دل میں بھی موجزن رہتی ہے......

نگاہوں سے ٹپکتی ہے اداؤں سے برستی ہے
محبت کون کہتا ہے کہ پہچانی نہیں جاتی

ذکرِ محبوب ﷺ:

نبی ﷺ کی محبت کی علامات میں سے ایک علامت یہ بھی ہے کہ محب مخلص اور نبی ﷺ کا عاشق زار اکثر محبوب دو عالم ﷺ کا تذکرہ کرکے اپنے دل میں عشق کی لگی آگ کو ٹھنڈا کرنے کا سامان کرتا ہے۔ حدیث میں ہے: جس کو جس چیز سے محبت ہوتی ہے، وہ اکثر اس کا ذکر کرتا ہے۔

روضۂ رسول ﷺ پر حاضری:

محدثِ کبیر حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری صاحبؒ بھی رسول اللہ ﷺ کے عاشق اور سچے محب تھے۔ جب یکم محرم الحرام ۱۳۴۴ھ کو آپ روضۂ رسول پر عرض سلام کے لئے حاضر ہوئے تو نہایت رقت آمیز انداز میں بارگاہِ محمدی میں درج ذیل اشعار کا نذرانہ پیش کیا ......

اے صبا عالم رساں نزد رسول	اذ ما لی نحو مولی قد باؤل
گرچہ از تر دامنی ہستم ولے	علیٰ ان اروی اذا هبت قبول
چوں گدا ہستم نہ دارم از درم	انه لا يبهر الوجه سؤل
چوں رسیدی انور ابر کوئے او	انک الاتی بخیر فی القفول

سوزِ درون و عشقِ رسول ﷺ:

محدثِ کبیر حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ کی علمی زندگی سراپا معمورۂ عشق رسول تھی۔ عشق رسول ان کی زندگی کی سب سے قیمتی متاع عزیز تھی۔ یہی وجہ تھی کہ جب

قادیانیت نے اپنے پر پرزے نکالنے شروع کیے تو حضرت شاہ صاحب کے دن کا چین اور رات کی نیند اڑ گئی، کیونکہ سوز درون عشق رسول ﷺ کے راستے کی خشت اول ہے۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ، حضرت شاہ صاحبؒ سے شرف تلمذ رکھتے ہیں، وہ اپنا واقعہ اپنے قلم سے لکھتے ہوئے فرماتے ہیں:

قادیانیت کا ارتداد اور کفر کا سیلاب اُمڈتا چلا آرہا ہے:

میں حسب عادت ایک روز استاذ محترم حضرت شاہ صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوا تو ان کی دائمی عادت کے خلاف یہ دیکھا کہ ان کے سامنے کوئی کتاب زیر مطالعہ نہیں، خالی بیٹھے ہوئے ہیں اور چہرے پر فکر کے آثار نمایاں ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ کیسا مزاج ہے؟ فرمایا کہ بھائی مزاج کو کیا پوچھتے ہو' قادیانیت کا ارتداد اور کفر کا سیلاب اُمڈتا چلا آتا ہے۔ صرف ہندوستان میں نہیں عراق و بغداد میں ان کا فتنہ سخت ہوتا جاتا ہے اور ہمارے علماء و عوام کو اس طرف توجہ نہیں۔ ہم نے اس کے مقابلہ کے لئے جمعیۃ علماء ہند میں یہ تجویز پاس کرائی تھی کہ دس رسالے مختلف موضوعات متعلقہ قادیانیت پر عربی زبان میں لکھے جائیں اور ان کو طبع کرا کر بلاد اسلامیہ میں بھیجا جائے، مگر اب کوئی کام کرنے والا نہیں ملتا اس کام کی اہمیت لوگوں کے خیال میں نہیں۔ میں نے عرض کیا کہ اپنی استعداد پر تو بھروسہ نہیں لیکن حکم ہو تو کچھ لکھ کر پیش کروں۔ ملاحظہ کے بعد کچھ مفید معلوم ہو تو شائع کیا جائے، ورنہ بے کار رہنا تو ظاہر ہی ہے۔

ہدیة المهديين کی طباعت:

ارشاد ہوا کہ مسئلہ ختم نبوت پر لکھو۔ احقر نے استاذ محترم کی تعمیل ارشاد کو سرمایۂ سعادت سمجھ کر چند روز میں تقریباً ایک سو صفحات کا ایک رسالہ عربی زبان میں لکھ کر آپ کی

خدمت میں پیش کیا۔ حضرت شاہ صاحبؒ رسالہ دیکھتے جاتے تھے اور بار بار دعائیہ کلمات زبان پر تھے۔ مجھے کوئی تصور نہ تھا کہ اس ناچیز خدمت کی اتنی قدر افزائی کی جائے گی، پھر خود ہی حضرت نے اس رسالہ کا نام "هدية المهديين في آية خاتم النبيين" تجویز فرما کر اس کے آخر میں ایک صفحہ بطور تقریظ تحریر فرمایا اور اپنے اہتمام سے اس کو طبع کرایا۔ مصر، شام، عراق مختلف مقامات پر اس کے نسخے روانہ کئے۔

قادیان میں اعلانِ حق اور ردِّ مرزائیت :

اسی زمانہ میں حضرت شاہ صاحبؒ کے ایماء پر امرتسر و پٹیالہ و لدھیانہ کے چند علماء نے یہ تجویز کیا کہ اس فتنہ کے استیصال کے لئے خاص قادیان میں ایک تبلیغی جلسہ سالانہ منعقد کیا جائے تاکہ "قضیۂ زمین برسرِ زمین" طے ہو سکے۔ یہ عوام کو فریب میں ڈالنے والے مناظرے اور مباہلے کے چیلنج جو اکثر اس فرقہ کی طرف سے چھپتے رہتے ہیں، ان کی حقیقت لوگوں پر واضح ہو جائے۔ چنانچہ چند سال مسلسل یہ جلسے قادیان میں ہوتے تھے اور حضرتؒ اکثر بذاتِ خود ایک جماعت علماء دیوبند کے ساتھ اس میں شرکت فرماتے تھے۔

احقر ناکارہ بھی اکثر ان میں حاضر رہا ہے۔

شاہ صاحبؒ کو قتل کی دھمکیاں :

قادیانی گروہ نے اپنے آقاؤں (انگریزوں) کے ذریعہ ہر طرح اس کی کوشش کی کہ یہ جلسے قادیان میں نہ ہو سکیں لیکن کوئی قانونی وجہ نہ تھی جس سے جلسے روک دیئے جاویں کیونکہ ان جلسوں میں عالمانہ بیانات تہذیب و متانت کے ساتھ ہوتے اور کسی نقضِ امن کے خطرہ کو موقع نہ دیتے تھے۔ جب قادیانی گروہ اس میں کامیاب نہ ہوا تو خود تشدد پر اتر آیا۔ حضرت شاہ صاحب قدس سرہ اور ان کے رفقاء کو قادیان جانے سے پہلے اکثر ایسے

خطوط گمنام ملا کرتے تھے کہ اگر قادیان میں قدم رکھا تو زندہ واپس نہ جا سکو گے اور یہ صرف دھمکی ہی نہ تھی، بلکہ عملاً بھی اکثر اس قسم کی حرکتیں ہوتی تھیں کہ باہر سے جانے والے علماء و مسلمانوں پر حملے کئے جاتے تھے، ایک مرتبہ آگ بھی لگائی گئی۔

لیکن حق کا چراغ کبھی پھونکوں سے بجھایا نہیں گیا۔ اس وقت بھی ان کے اخلاق سوز حملے مسلمانوں کو ان جلسوں سے نہ روک سکے۔

تردید مرزائیت میں تصانیف کا سلسلہ :

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ ہم چند خدام جلسۂ قادیان میں حضرت شاہ صاحب کے ساتھ حاضر تھے۔ صبح کی نماز کے بعد حضرت شاہ صاحب قدس سرہ نے اپنے مخصوص تلامذہ حاضرین کو خطاب کر کے فرمایا کہ "زمانہ کو الحاد کے فتنوں نے گھیر لیا اور قادیانی دجال کا فتنہ ان سب میں زیادہ شدت اختیار کرتا جاتا ہے۔ اب ہمیں افسوس ہوتا ہے کہ ہم نے اپنی عمر و توانائی کا بڑا حصہ اور درسِ حدیث کا اہم موضوع حنفیت و شافعیت کو بنائے رکھا۔ ملحدین زمانہ کے وساوس کی طرف توجہ نہ دی، حالانکہ ان کا فتنہ مسئلہ حنفیت و شافعیت سے کہیں زیادہ اہم تھا۔ اب قادیانی فتنہ کی شدت نے ہمیں اس طرف متوجہ کیا تو میں نے اس کے متعلق مسائل کا کچھ مواد جمع کیا ہے، اگر اس کو میں خود تصنیف کی صورت سے مدوّن کروں تو میرا طرز ایک خالص علمی اصطلاحی رنگ کا ہے اور زمانہ قحط الرجال کا ہے۔ اس قسم کی تحریر کو نہ صرف یہ کہ پسند نہیں کیا جاتا بلکہ اس کا فائدہ بھی بہت محدود رہ جاتا ہے۔ میں نے مسئلہ **"قراءة فاتحة خلف الامام"** پر ایک جامع رسالہ **"فصل الخطاب"** بزبانِ عربی تحریر کیا۔ اہل علم اور طلباء میں عموماً مفت تقسیم کیا لیکن اکثر لوگوں کو یہی شکایت کرتے سُنا کہ پوری طرح سمجھ میں نہیں آتا۔ اس لئے اگر آپ لوگ کچھ ہمت کریں تو یہ مواد میں آپ کو دیدوں۔ اس وقت حاضرین میں چار آدمی تھے۔ احقر ناکارہ اور حضرت مولانا سید مرتضیٰ

حسن صاحبؒ سابق ناظم شعبہ تعلیم و تبلیغ دارالعلوم دیوبند اور حضرت مولانا بدر عالم صاحب سابق مدرس دارالعلوم دیوبند و جامعہ اسلامیہ ڈابھیل سورت و دارالعلوم ٹنڈو الہیار سندھ و حال مہاجر مدینہ طیبہ اور حضرت مولانا محمد ادریس صاحب سابق مدرس دارالعلوم دیوبند و شیخ الجامعہ بہاولپور و حال شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور ادام اللّٰہ تعالٰی فیوضہم۔ ہم چاروں نے عرض کیا کہ جو حکم ہو ہم امتثال امر کو سعادت کبریٰ سمجھتے ہیں۔

فتنۂ قادیانیت کے استیصال کے لئے عملی کام :

اسی وقت فرمایا کہ اس فتنہ کے استیصال کے لئے عملی طور پر تین کام کرنے ہیں۔

اول مسئلہ ختم نبوت پر ایک محققانہ مکمل تصنیف جس میں مرزائیوں کے شبہات و اوہام کا ازالہ بھی ہو۔

دوسرے حیات حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مسئلہ کی مکمل تحقیق قرآن و حدیث اور آثار سلف سے مع ازالہ شبہات ملحدین۔

تیسرے خود مرزا کی زندگی، اس کے گرے ہوئے اخلاق اور متعارض و متہافت اقوال اور انبیاء و اولیاء و علماء کی شان میں اس کی گستاخیاں اور گندی گالیاں اس کا دعویٰ نبوت و وحی اور متضاد قسم کے دعوے۔ ان سب چیزوں کو نہایت احتیاط کے ساتھ اس کی کتابوں سے مع حوالہ جمع کرنا جس سے مسلمانوں کو اس فرقہ کی حقیقت معلوم ہو اور اصل یہ ہے کہ اس فتنہ کی مدافعت کے لئے یہی چیز اہم اور کافی ہے، مگر چونکہ مرزائیوں نے مسلمانوں کو فریب میں ڈالنے کے لئے خواہ مخواہ کچھ علمی مسائل میں عوام کو الجھا دیا ہے اس لئے ان سے بھی اغماض نہیں کیا جا سکتا۔ پھر فرمایا کہ مسئلہ ختم نبوت کے متعلق تو یہ صاحب (احقر کی طرف اشارہ کر کے فرمایا) ایک جامع رسالہ عربی زبان میں لکھ چکے ہیں اور اردو میں لکھ رہے ہیں اور آخر الذکر معاملہ کے متعلق مواد فراہم کر کے مدون کرنے کا سب سے

بہتر کام حضرت مولانا سید مرتضیٰ حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کر سکیں گے کہ اس معاملہ میں ان کی معلومات بھی کافی ہیں اور مرزائی کتابوں کا پورا ذخیرہ بھی ان کے پاس ہے، وہ اس کام کو اپنے ذمہ لے کر جلد سے جلد پورا کریں۔

مسئلہ رفع و حیات عیسیٰؑ :

اب مسئلہ رفع و حیات عیسیٰ علیہ السلام رہ جاتا ہے۔ اس کے متعلق میرے پاس کافی مواد جمع ہے۔ آپ تینوں صاحب دیوبند پہنچ کر مجھ سے لے لیں اور اپنے اپنے طرز پر لکھیں۔

یہ مجلس ختم ہو گئی مگر حضرت شاہ صاحب قدس سرہ کے قلبی تاثرات اپنا ایک گہرا نقش ہمارے دلوں پر چھوڑ گئے۔ دیوبند واپس آتے ہی ہم تینوں حضرت شاہ صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مسئلہ حیات عیسیٰؑ سے متعلقہ مواد حاصل کیا۔

حضرت مولانا بدر عالم صاحب دامت برکاتہم نے آیت انی متوفیک و رافعک الیّ کی تفسیر سے متعلقہ مواد لے کر اس پر ایک مستقل رسالہ اردو میں بنام الجواب الفصیح لمنکر حیات المسیح تحریر فرمایا جو علمی رنگ میں لاجواب سمجھا گیا اور حضرت شاہ صاحب قدس سرہ نے پسند فرما کر اس پر تقریظ تحریر فرمائی۔ یہ رسالہ ۱۳۴۲ھ میں شعبہ تبلیغ دارالعلوم دیوبند سے شائع ہوا۔

حضرت مولانا محمد ادریس صاحب دامت فیوضہم نے اپنے مخصوص انداز میں اسی مسئلہ پر اردو زبان میں ایک جامع اور محققانہ رسالہ بنام کلمۃ اللہ فی حیوۃ روح اللہ تصنیف فرما کر حضرت شاہ صاحب قدس سرہ کی خدمت میں پیش کیا۔ حضرتؒ نے بے حد پسند فرما کر تقریظ تحریر فرمائی اور ۱۳۴۲ھ میں دارالعلوم دیوبند سے شائع ہو کر مقبول و مفید خلائق ہوا۔

احقر ناکارہ کے متعلق یہ خدمت کی گئی کہ جتنی مستند ومعتبر روایات حدیث حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات یا نزول فی آخر الزمان کے متعلق وارد ہوئی ہیں، ان سب کو ایک رسالہ میں جمع کردے۔ احقر نے تعمیل حکم کے لئے رسالہ **التصریح بما تواتر فی نزول المسیح** بزبان عربی لکھا اور حضرت شاہ صاحبؒ کی بے حد پسندیدگی کے بعد اس سال شائع ہوا۔

ختم نبوت پر مستقل کتاب :

اس کے بعد حسب ارشاد مسئلہ ختم نبوت پر ایک مستقل کتاب اردو زبان میں تین حصوں میں لکھی :

پہلا حصہ ختم النبوۃ فی القرآن جس میں ایک سو آیات قرآنی سے اس مسئلہ کا مکمل ثبوت اور ملحدوں کے شبہات کا جواب لکھا گیا ہے۔

دوسرا ختم النبوۃ فی الحدیث جس میں دو سو دس احادیث معتبرہ سے اس مضمون کا ثبوت اور منکرین کا جواب پیش کیا گیا ہے۔

تیسرا ختم النبوۃ فی الآثار جس میں سینکڑوں اقوال صحابہ وتابعین اور ائمہ دین اس کے ثبوت اور منکرین اور ان کی تاویلات باطلہ پر رد کے متعلق نہایت صاف وصریح نقل کئے گئے ہیں۔ یہ تینوں رسالے پہلی مرتبہ ۱۳۴۳ھ سے ۱۳۴۵ھ تک شائع ہوئے۔ اسی کے ساتھ مختصر رسالہ دعاوی مرزا اور مسیح موعود کی پہچان اردو زبان میں احقر نے لکھ کر پیش کئے۔ ان رسائل کا جو کچھ نفع مسلمانوں کی اصلاح وہدایت اور ملحدین منکرین پر اتمام حجت کے سلسلہ میں ہوا یا ہوگا، اس کا علم تو اللہ ہی کو ہے مجھے تو اپنی محنت کا نقد صلہ حضرت شاہ صاحب قدس سرہ کی مسرت وخوشنودی اور بے شمار دعاؤں سے اسی وقت مل گیا اور جوں جوں ان رسائل کی اشاعت سے مسلمانوں کی ہدایت بلکہ بہت سے قادیانی خاندانوں کی توبہ ورجوع الی الاسلام

کے متعلق حضرت کو معلوم ہوئے، اسی طرح اظہار مسرت اور دعا کے انعامات ملتے رہے۔

مولانا مرتضیٰ حسن کی تصانیف :

مخدومنا حضرت مولانا سید مرتضیٰ حسن صاحبؒ جو عمر اور طبقہ کے اعتبار سے حضرت شاہ صاحب قدس سرہ سے مقدم تھے لیکن حضرت شاہ صاحبؒ کے محیر العقول علم کے بے حد معتقد اور آپ کے ساتھ معاملہ بزرگوں کا سا کرتے تھے، جو خدمت اس سلسلہ کی ان کے سپرد فرمائی تھی۔ اس کو آپ نے بڑی سعی بلیغ کے ساتھ انجام دینا شروع کیا اور مرزا قادیانی کی پوری زندگی، اس کے اخلاق واعمال اور عقائد وخیالات، دعویٰ نبوت ورسالت اور تکفیر عام اہل اسلام، گستاخی درشان انبیاء واولیاء کو مرزا کی اپنی کتابوں سے بحوالہ صفحہ سطر نہایت انصاف اور احتیاط کے ساتھ نقل کرکے بہت سے رسائل تصنیف فرمائے اور حضرت شاہ صاحب قدس اللہ سرہ کے سامنے پیش فرما کر ان کی مراد پوری فرمائی۔ ان رسائل میں سے چند کے نام حسب ذیل ہیں :

قادیان میں قیامت خیز بھونچال 'اشد العذاب علی مسیلمۃ البنجاب' فتح قادیان 'مرزائیوں کی تمام جماعتوں کو چیلنج' مرزائیت کا خاتمہ 'مرزائیت کا جنازہ بے گور وکفن' ہندوستان کے تمام مرزائیوں کو چیلنج، مرزا اور مرزائیوں کو دربار نبوت سے چیلنج۔ یہ سب رسائل ۱۳۳۲ھ سے ۱۳۴۴ھ تک شائع ہوئے۔

تاریخی مناظرہ :

اسی زمانہ میں چھاؤنی فیروز پور پنجاب میں قادیانیوں کا ایک خاصہ جتھہ جمع ہوگیا تھا۔ یہ لوگ وہاں کے مسلمانوں سے چھیڑ چھاڑ کرتے رہتے تھے اور اپنے دستور کے موافق عوام مسلمانوں کو مناظرہ ومباحثہ کا یہ چیلنج کیا کرتے اور جب کسی عالم سے مقابلہ کی نوبت آتی

تو راہِ گریز اختیار کرتے۔ اسی زمانہ میں ضلع سہارنپور کے رہنے والے کچھ مسلمان جو فیروز پور میں بسلسلۂ ملازمت مقیم تھے، ان لوگوں نے روز روز کی جھک جھک کو ختم کرنے کے لئے خود قادیانیوں کو دعوتِ مناظرہ دیدی۔

قادیانیوں نے سادہ لوح عوام سے معاملہ دیکھ کر بڑی دلیری اور چالاکی کے ساتھ دعوتِ مناظرہ قبول کر کے بجائے اس کے کہ مناظرہ کرنے والے علماء سے شرائطِ مناظرہ طے کرتے، انہیں عوام سے ایسی شرائطِ مناظرہ پر دستخط لے لئے جن کی رو سے فتح بہرحال قادیانی گروہ کی ہو اور اہلِ اسلام کو مقررہ شرائط کی پابندی کی وجہ سے ہر قدم پر مشکلات درپیش ہوں۔ ان عوام مسلمین نے مناظرہ اور شرائطِ مناظرہ طے کرنے کے بعد دارالعلوم دیوبند سے چند علماء کو دعوت دی جو قادیانیوں سے مناظرہ کریں۔

مہتمم دارالعلوم حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحبؒ اور حضرت شاہ صاحبؒ کے مشورہ سے اس کام کے لئے حضرت مولانا سید مرتضیٰ حسن صاحبؒ، حضرت مولانا بدر عالم صاحب، حضرت مولانا محمد ادریس صاحب اور احقر تجویز ہوئے۔ ادھر قادیانیوں نے یہ دیکھ کر کہ ہم نے اپنی من مانی شرائط میں مسلم مناظرین کو جکڑ لیا ہے، اپنی قوت محسوس کی اور قادیان کی پوری طاقت فیروز پور میں لا ڈالی۔ ان کے سب سے بڑے عالم اس وقت سرور شاہ کشمیری اور سب سے بڑے مناظر حافظ روشن علی اور عبدالرحمٰن مصری وغیرہ تھے۔ یہ سب اس مناظرہ کے لئے فیروز پور پہنچ گئے۔

شاہ صاحب کو مناظرے کی اطلاع:

ہم چار افراد حسبِ الحکم دیوبند سے فیروز پور پہنچے تو یہاں پہنچ کر چھپا ہوا پروگرام مناظرہ اور شرائطِ مناظرہ کا نظر سے گذرا۔ شرائطِ مناظرہ پر نظر ڈالی تو معلوم ہوا کہ ان میں ہر حیثیت سے قادیانی گروہ کے لئے آسانیاں اور اہلِ اسلام کے لئے ہر طرح کی بے جا

پابندیاں عوام نے اپنی ناواقفیت کی بناء پر تسلیم کی ہوئی ہیں۔ اب ہمارے لئے دو ہی راستے تھے کہ یا ان مسلم فریقین شرائطِ مناظرہ کے ماتحت مناظرہ کریں جو ہر حیثیت سے ہمارے لئے مضر تھیں یا پھر مناظرہ سے انکار کریں کہ ہم ان شرائط کے ذمہ دار نہیں ہو سکتے جو بغیر ہماری شرکت کے طے کر لی گئی ہیں، لیکن دوسری شق پر مقامی مسلمانوں کی بڑی خفت اور سبکی تھی اور قادیانیوں کو اس پروپیگنڈے کا موقع ملتا کہ علماء نے مناظرہ سے فرار کیا، اس لئے ہم نے سب سے مشورہ کر کے مناظرہ کرنے کا تو فیصلہ کر لیا اور بذریعہ تار صورتِ حال کی اطلاع حضرت شاہ صاحب قدس سرہٗ کو دے دی۔

ہماری طرف سے کوئی شرط نہیں:

اگلے روز مقررہ وقت پر مناظرہ شروع ہو گیا۔ ابھی شروع ہی تھا، عین مجلس مناظرہ میں نظر پڑی کہ حضرت شاہ صاحبؒ اور حضرت مولانا شبیر احمد صاحبؒ مع چند دیگر علماء کے تشریف لا رہے ہیں۔ ان کی آمد پر ہم نے کچھ دیر کے لئے مجلس مناظرہ ملتوی کی اور ان حضرات کو صورتِ حال بتلائی۔ حضرت شاہ صاحب قدس سرہٗ نے فرمایا کہ جائیے ان لوگوں سے کہہ دیجئے کہ تم نے جتنی شرطیں اپنی پسند کے موافق عوام سے طے کرائی ہیں، اتنی ہی اور لگا لو، ہماری طرف سے کوئی شرط نہیں۔ تم چوروں کی طرح عام ناواقف مسلمانوں کے دین و ایمان پر ڈاکہ ڈالنے کے عادی ہو، کسی شرط اور کسی طریق پر ایک مرتبہ سامنے آ کر اپنے دلائل بیان کرو اور ہمارا جواب سنو پھر خدا کی قدرت کا تماشا دیکھو۔

حضرت امام کشمیریؒ کے ارشاد کے موافق اسی کا اعلان کر دیا گیا اور مناظرہ جاری ہوا۔ ان اکابر کو مناظرہ کے لئے پیش کرنا ہماری غیرت کے خلاف تھا۔ اس لئے پہلے دن مناظرہ مسئلہ ختمِ نبوت پر احقر نے کیا۔ دوسرے تیسرے دن حضرت مولانا بدر عالم اور مولانا محمد ادریس صاحب نے دوسرے مسائل پر مناظرہ کیا۔

قادیانی رسوا ہوئے :

یوں تو مناظرہ کے بعد ہر فریق اپنی اپنی کہا ہی کرتا ہے، لیکن اس مناظرہ میں چونکہ عموماً تعلیم یافتہ طبقہ شریک تھا، اس لئے کسی فریق کو دھاندلی کا موقع نہ تھا، پھر اس مناظرہ کا کیا اثر ہوا۔ اس کا جواب فیروز پور کے ہر گلی کوچہ سے دریافت کیا جا سکتا تھا کہ قادیانی گروہ کو کس قدر رسوا ہو کر وہاں سے بھاگنا پڑا۔ خود اس گروہ کے تعلیم یافتہ و سنجیدہ طبقہ نے اس کا اقرار کیا کہ قادیانی گروہ اپنے کسی دعوے کو ثابت نہیں کر سکا اور اس کے خلاف دوسرے فریق نے جوبات کہی قوی دلیل کے ساتھ کہی۔

مناظرہ کے بعد شہر میں ایک جلسۂ عام ہوا، جس میں حضرت شاہ صاحب اور حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہما کی تقریریں قادیانی مسئلہ کے متعلق ہوئیں یہ تقریریں فیروز پور کی تاریخ میں ایک یادگار خاص کی نوعیت رکھتی ہیں۔ بہت سے وہ لوگ جو قادیانی دجل کے شکار ہو چکے تھے، اس مناظرہ اور تقریروں کے بعد اسلام پر لوٹ آئے۔

حضرت شاہؒ صاحب کا دورۂ پنجاب :

۱۳۴۳ھ میں جب کہ حضرت شاہ صاحب قدس اللہ سرہ کی کوشش سے بذریعہ تصنیف و تحریر قادیانی دجل و فریب کا پردہ پوری طرح چاک کر دیا گیا اور قادیانیت سے متعلق ہر مسئلہ پر مختلف طرز و انداز کے بیسیوں رسائل شائع ہو چکے تو آپ نے اس کی بھی ضرورت محسوس فرمائی کہ ناخواندہ عوام کا طبقہ جو زیادہ کتابیں نہیں پڑھتا اور قادیانی مبلغین چل پھر کر ان میں اپنا دجل پھیلاتے ہیں اور مناظرہ مباہلہ کے جھوٹے چیلنج ان کو دکھاتے پھرتے ہیں، ان لوگوں کی حفاظت کے لئے پنجاب کے مختلف شہروں کا ایک تبلیغی دورہ کیا جائے۔

پنجاب و سرحد کے دورہ کا پروگرام بنا۔ علماء دیوبند کی ایک جماعت ہمرکاب ہوئی اس جماعت میں حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ اکابرین سے حضرت شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ، حضرت مولانا سید مرتضیٰ حسن صاحبؒ شریک تھے اور حضرت مولانا محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا بدر عالم صاحبؒ، حضرت مولانا محمد ادریس صاحبؒ اور مولانا محمد نعیم صاحب لدھیانویؒ اور احقر [illegible] شامل تھے۔ یہ علم کے پہاڑ اور تقوے کے پیکر، پنجاب کے ہر بڑے شہر میں پہنچے اور مرزائیت کے متعلق اعلانِ حق کیا۔ منکرین کو رفع شبہات کی دعوت دی۔ لدھیانہ، امرتسر، گوجرانوالہ، گجرات، راولپنڈی، ایبٹ آباد، مانسہرہ ہزارہ، کھونہ وغیرہ میں ان حضرات کی بصیرت افروز عالمانہ تقریریں ہوئیں۔ مرزائی دجال جو آئے دن مناظرہ و مباہلہ کے چیلنج عوام کو دکھانے کے لئے پھرا کرتے تھے۔ ان میں سے ایک سامنے نہ آیا۔ معلوم ہوتا تھا کہ وہ اس جہان میں نہیں ہیں۔

اس پورے سفر میں عام مسلمانوں نے جاء الحق و زھق الباطل کا منظر گویا آنکھوں سے دیکھ لیا۔

بہاولپور کا معرکۃ الآراء تاریخی مقدمہ :

حضرت شاہ صاحبؒ اور دیگر اکابر علماء کے بیانات،
مرزائیوں کے مرتد ہونے کا فیصلہ

۱۹۲۶ء میں احمد پور شرقیہ ریاست بہاولپور کی ایک مسلمان عورت کا دعویٰ اپنے شوہر کے مرزائی ہو جانے کی وجہ سے نکاح فسخ ہونے کے متعلق بہاولپور کی عدالت میں دائر ہوا اور سات سال تک یہ مقدمہ بہاولپور کی ادنیٰ اعلیٰ عدالتوں میں دائر رہتے ہوئے آخر

میں دربار معلی بہاولپور میں پہنچا۔ ۱۹۳۳ء میں دربار معلےٰ نے پھر عدالت میں یہ لکھ کر واپس کیا کہ ہمارے خیال میں اس مسئلہ کی پوری تحقیق و تنقیح کرنا ضروری ہے۔ دونوں فریق کو موقع دیا جائے کہ وہ اپنے اپنے مذہب کے علماء کی شہادتیں پیش کریں اور دونوں طرف کے مکمل بیانات سننے کے بعد اس مسئلہ کا کوئی آخری فیصلہ کیا جائے۔

اب مدعیٰ علیہ مرزائی نے اپنی حمایت کے لئے قادیان کی طرف رجوع کیا۔ قادیان کا بیت المال اور اس کے رجال کار مقدمہ کی پیروی کے لئے وقف ہو گئے۔ ادھر مدعیہ بے چاری ایک غریب گھرانے کی لڑکی نہایت کسمپرسی میں وقت گذار رہی تھی۔ اس کی قدرت سے قطعاً خارج تھا کہ ملک کے مشاہر علماء کو جمع کر کے اپنی شہادت میں پیش کر سکے یا اس مقدمہ کی پیروی کر سکے، مگر الحمد للہ بہاولپور کے غیور مسلمانوں کی انجمن مؤید الاسلام نے زیر سرپرستی حضرت مولانا محمد حسین صاحب شیخ الجامعہ بہاولپور اس کام کو اپنے ہاتھ میں لیا اور مقدمہ کی پیروی کا انتظام کیا اور ملک کے مشاہیر علماء کو خطوط لکھ کر اس مقدمہ کی پیروی اور شہادت کے لئے طلب کیا۔ حضرت شاہ صاحبؒ اس وقت جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں صدر مدرسی کے فرائض انجام دے رہے تھے اور کچھ عرصہ سے علالت کے سبب رخصت پر دیوبند تشریف لائے ہوئے تھے۔ طویل علالت سے نقاہت بے حد ہو چکی تھی۔

بیماری کے باوجود بہاولپور کا سفر:

لیکن جس وقت یہ معاملہ آپ کے سامنے آیا تو مسئلہ کی نزاکت اور دینی غیرت کے قوی احساس نے آپ کو اس کے لئے مجبور کر دیا کہ اپنی صحت اور دوسری ضرورتوں کا خیال کئے بغیر وہ بہاولپور کا سفر کریں۔ آپ نے نہ صرف اپنے آپ کو شہادت کے لئے پیش فرمایا، بلکہ ملک کے دوسرے علماء کو بھی ترغیب دے کر شہادت کے لئے جمع فرمایا۔

یہ واقعہ تقریباً ۱۳۵۰ھ کا ہے، جبکہ احقر ناکارہ بحیثیت مفتی دار العلوم دیوبند فتویٰ

نویسی کی خدمت انجام دے رہا تھا۔

انجمن مؤید الاسلام بہاولپور کی دعوت کے علاوہ استاذ محترم حضرت شاہ صاحب قدس سرہٗ کا ایماء بھی میری حاضری کے متعلق معلوم ہوا۔ احقر نے حاضری کا قصد کر لیا۔ لیکن حضرت الاستاذ شاہ صاحب قدس سرہٗ کو جو خداداد شغف دینی ضرورتوں کے ساتھ تھا اور آپ کو بے چین کئے رکھتا تھا۔ اس کی وجہ سے آپ نے تاریخ مقدمہ سے کافی روز پہلے بہاولپور پہنچ کر اس کام کو پوری توجہ کے ساتھ انجام دینے کا فیصلہ فرما کر سب بیانات کے اختتام تک تقریباً بیس پچیس روز بہاولپور میں قیام فرمایا۔

ختم نبوت کا مقدمہ لڑنے کے لئے سفرِ حج ملتوی کر دیا:

بہاولپور کے ایک بزرگ تھے مفتی محمد صادقؒ، انہوں نے چار ورق خط لکھا حضرت کشمیریؒ کو کہ ہمارے ہاں قادیانیت کا فتنہ ہے، بچی مسلمان ہے، شوہر قادیانی ہو گیا ہے۔ کیس عدالت میں ہے اور آپ ہماری مدد کریں۔ یہ خط حضرت انور شاہ کشمیریؒ نے پڑھا تو حج کے لئے تیار تھے۔ اب ایک بندے نے حج کا ارادہ کر رکھا ہے، سامان تیار ہے، رفقاء تیار ہیں، وفد تیار ہے، خط پڑھنے کے بعد پانچ چھ منٹ خط کو دیکھا، خط بند کیا تو حاضرین سے کہنے لگے کہ آپ حج پر جائیں، میں تو حج پہ نہیں جا سکتا۔ رفقاء نے کہا کہ حضرتؒ! آپ کی رفاقت کی بناء پر تو ہم تیار ہوئے ہیں کہ آپ کے ساتھ ہمارا حج ہو جائے گا۔ ہم تو تیار ہی آپ کی خاطر ہوئے ہیں تھے۔ فرمانے لگے کہ بہاولپور کے ایک عالم دین کا خط آیا ہے۔ ایک مسلمان بچی کے تنسیخ نکاح کا مسئلہ ہے اور اس کے ساتھ ساتھ قادیانیت کے ارتداد، کفر کا مسئلہ ہے اور ختم نبوت کے اعتقاد کا مسئلہ ہے تو خط کھول کر یوں بند کرنے کے وقت میں نے زندگی کے پچھلے اعمال پر سوچا کہ اگر اللہ تعالیٰ قیامت کے دن پوچھ لے کہ کونسا عمل لائے ہو، پچھلی زندگی میں کوئی عمل رکھتے ہو تو پیش کرو؟ تو سوچنے کے بعد میرے دماغ میں

کوئی ایسا عمل تازہ نہیں ہوا، جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کر سکوں۔ حج چھوڑتا ہوں' میں اب واپس جاؤں گا اور بہاولپور کیس کے سلسلے میں سفر کروں گا تاکہ قیامت کے دن حضور ﷺ کے منصب ختم نبوت کے تحفظ کرنے والوں میں شمار کیا جاؤں اور سمجھا جاؤں اور اس عمل کے صدقے میں میری بخشش ہو جائے اور اس کے ساتھ فرمانے لگے کہ دل میں یہ خیال بھی آیا کہ جا تو رہا ہوں حج کے لئے اور آگے سفر کروں گا مدینہ منورہ کا' تو اللہ تعالیٰ کی رضا بھی چاہیے، حضور ﷺ کی شفاعت بھی چاہیے، فرمانے لگے کہ قیامت کے دن اگر حضور ﷺ پوچھ لیں کہ ضرورت وہاں تھی، آ یہاں گیا؟ ضرورت تو تیری بہاولپور میں تھی اور تو یہاں آ گیا؟ تو میرے پاس اس کا بھی کوئی جواب نہیں ہوگا۔ میں حضور ﷺ کے مقامِ ختم نبوت اور منصب ختم نبوت کی حفاظت کے لئے بہاولپور جاؤں گا۔

(ماہنامہ "لولاک" ملتان جنوری ۱۹۹۹ء تقریر مولانا عزیز الرحمٰن جالندھری)

ضو سے اس خورشید کی اختر میرا تابندہ ہے
چاندنی جس کے غبارِ راہ سے شرمندہ ہے

کمرۂ عدالت یا دیوبند کا دارالحدیث :

حضرت شاہ صاحبؒ کا پُرشوکت عالمانہ بیان جو کمرۂ عدالت میں ہوا، اس کی اصل کیفیت تو صرف انہی لوگوں کے دل سے پوچھئے، جنہوں نے یہ منظر دیکھا ہے۔ اس کو بیان نہیں کیا جا سکتا۔ مختصر یہ کہ اس وقت کمرۂ عدالت دارالعلوم دیوبند کا دارالحدیث نظر آتا تھا۔ عدالت اور حاضرین پر ایک سکتہ کا عالم تھا۔ علوم ربانی کے حقائق و معارف کا دریا تھا جو اُمڈا چلا جاتا تھا۔

تین روز مسلسل بیان ہوا۔ تقریباً ساٹھ صفحات پر قلم بند ہوا۔ یہ بیان اور دوسرے حضرات کے بیانات جو ایک مستقل جلد میں طبع ہوئے۔

حقیقت یہ ہے کہ نہ صرف ردِ مرزائیت کے لئے بلکہ اسلام و ایمان اور کفر و ارتداد کی پوری حقیقت کو سمجھنے کے لئے ایک نادر مجموعہ ہیں۔

اس مقدمہ میں کیا ہوا؟ اس کی پوری تفصیل تو اس منصل فیصلہ سے معلوم ہو سکتی ہے جو عدالت کی طرف سے ۷ر فروری ۱۹۳۵ء مطابق ۳ر ذیقعدہ ۱۳۵۳ھ کو دیا گیا اور جو اسی وقت بزبان اردو ایک سو باون صفحات پر شائع ہو چکا تھا۔ اس کی اشاعت کا اہتمام حضرت مولانا محمد صادق صاحب استاد جامعہ عباسیہ بہاولپور حال ناظم اُمور مذہبیہ بہاولپور کے دست مبارک سے ہوا۔ اس مقدمہ کے پیروی علماء کے اجتماع ان کی ضروریات کا انتظام بھی مولانا موصوف ہی کے ہاتھوں انجام پایا تھا اور مولانا سے میرا پہلا تعلق اسی سلسلہ میں پیدا ہوا۔ آپ نے اس فیصلہ کے شروع میں ایک مختصر تمہید لکھی ہے۔ اس کے چند جملے نقل کر دینے سے کسی قدر حقیقت پر روشنی پڑ سکتی ہے وہ یہی ہیں :

"مدعیہ کی طرف سے شہادت کے لئے حضرت شیخ الاسلام مولانا سید محمد انور شاہ صاحب کشمیریؒ، حضرت مولانا سید مرتضیٰ حسن صاحبؒ چاند پوری، حضرت مولانا محمد نجم الدین صاحبؒ پروفیسر اورئنٹل کالج لاہور و مولانا محمد شفیع صاحب مفتی دارالعلوم دیوبند پیش ہوئے۔ حضرت شاہ صاحبؒ کی تشریف آوری نے تمام ہندوستان کی توجہ کے لئے جذبِ مقناطیسی کا کام کیا۔ اسلامی ہند میں اس مقدمہ کو غیر فانی شہرت حاصل ہوگئی۔

حضرات علمائے کرام نے اپنی اپنی شہادتوں میں علم و عرفان کے دریا بہا دیئے، اور فرقۂ ضالہ مرزائیہ کا کفر و ارتداد روز روشن کی طرح ظاہر کر دیا اور فریق مخالف کی جرح کے نہایت مسکت جواب دیئے۔ خصوصاً حضرت شاہ صاحبؒ نے ایمان' کفر' نفاق' زندقہ' ارتداد' ختم نبوت' اجماع' تواتر' متواترات کے اقسام' وحی' کشف اور الہام کی تعریفات اور ایسے اُصول و قواعد بیان فرمائے جن کے مطالعہ سے ہر ایک انسان علی وجہ البصیرت بطلان

مرزائیت کا یقین کامل حاصل کرسکتا ہے، پھر فریق ثانی کی شہادت شروع ہوئی، مقدمہ کی پیروکاری اور شہادت پر جرح کرنے اور قادیانی دجل وتزویر کو آشکارا کرنے کے لئے شہرۂ آفاق مناظر حضرت مولانا ابوالوفاء صاحب نعمانی شاہ جہانپوری تشریف لائے۔ مولانا موصوف مختار مدعیہ ہوکر تقریباً ڈیڑھ سال مقدمہ کی پیروکاری فرماتے رہے۔ فریق ثانی کی شہادت پر ایسی باطل شکن جرح فرمائی جس نے مرزائیت کی بنیادوں کو کھوکھلا اور مرزائی دجل وفریب کے تمام پردوں کو پارہ پارہ کرکے فرقہ مرزائیہ ضالہ کا ارتداد آشکار عالم کردیا۔ فریقین کی شہادت ختم ہونے کے بعد مولانا موصوف نے مقدمہ پر بحث پیش کی اور فریق ثانی کی تحریری بحث کا تحریری جواب الجواب نہایت مفصل اور جامع پیش کیا۔

امام کشمیریؒ عدالت کے کمرہ میں:

۲۵ راگست ۱۹۳۲ء کو حضرتؒ کا بیان شروع ہوا، عدالت کا کمرہ امراء و روساءِ ریاست اور فضلاء کی وجہ سے پُر تھا۔ عدالت کے بیرونی میدان میں دور دور تک زائرین کا اجتماع تھا۔ باوجودیکہ شاہ صاحبؒ عرصہ سے بیمار تھے اور جسم مبارک بہت ناتواں ہوچکا تھا مگر متواتر پانچ روز تک تقریباً پانچ پانچ گھنٹے یومیہ عدالت میں تشریف لاکر علم وعرفان کا دریا بہاتے رہے۔ مرزائیت کے کفر وارتداد ودجل وفریب کے تمام پہلو آفتاب نصف النہار کی طرح روشن فرمائے۔ حضرت شاہ صاحبؒ کے بیان ساطع البرہان میں مسئلہ نبوت اور مرزا کے ادّعاء نبوت ووحی ومدعی نبوت کے کفر وارتداد کے متعلق جس قدر مواد جمع ہے اور ان مسائل وحقائق کی توضیح وتفصیل کے لئے جو علمی مباحث موجود ہیں۔ شاید مرزائی نبوت کے رد میں اتنا علمی ذخیرہ کسی ضخیم کتاب میں یکجا نہیں ملے گا۔ حضرت شاہ صاحبؒ کے بیان پر تبصرہ خاکسار کی فکر کی رسائی سے باہر ہے۔ ناظرین بہرہ اندوز ہوکر حضرت شاہ صاحبؒ

کے حق میں دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ حضرت مرحوم کو اعلیٰ علیین میں مدارج بلند فرمادیں۔ (آمین) (انوار انوری ص: ۷۵، ۷۶، ۷۷، مولانا محمد انوری)

ہم سنگ سے ٹکرائیں تو شیشہ کی صدا ہیں
گل مد مقابل ہو تو شبنم کی صدا ہیں

مقدمے کا بصیرت افروز فیصلہ:

کامل دو سال کی تحقیق وتنقیح کے بعد عالی جناب ڈسٹرکٹ جج صاحب بہادر نے اس تاریخی مقدمہ کا بصیرت افروز فیصلہ ۷؍فروری ۱۹۳۵ء بحق مدعیہ سنایا۔ یہ فیصلہ اپنی جامعیت اور قوتِ استدلال کے لحاظ سے یقیناً بے نظیر وبے عدیل ہے۔

اس مقدمہ میں حضرت شاہ صاحب قدس سرہٗ کے حکم کی بناء پر پہلا بیان اس احقر کا ہوا۔ تین روز بیان اور ایک دو روز جرح ہوکر تقریباً ساٹھ صفحات پر بیان مرتب ہوا۔

پہلا پہلا بیان تھا۔ ابھی لوگوں نے اکابر کے بیان سنے نہ تھے، سب نے بیحد پسند کیا، مجھے یاد ہے کہ دورانِ بیان میں بھی اور مکان پر آنے کے بعد بھی حضرت شاہ صاحب قدس سرہٗ دل سے نکلی ہوئی دعاؤں کے ساتھ اپنی مسرت کا اظہار فرماتے تھے اور اس ناکارہ وآوارہ کے پاس دین ودنیا کا صرف یہی سرمایہ ہے کہ اللہ والوں کی رضا' رضائے حق کی علامت ہے۔

امام کشمیریؒ کی کرامت:

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ کے صاحبزادے رقمطراز ہیں:

مقدمہ بہاولپور وہ پہلا مقدمہ تھا جس میں قادیانیوں کو عدالتی سطح پر غیر مسلم قرار دیا گیا۔ چنانچہ اس مقدمے کا فیصلہ اپنے حق میں کرانے کے لئے قادیانیوں نے اپنا سارا زور

صرف کر دیا تھا۔

ادھر جب حضرت شاہ صاحبؒ کو اس کی اطلاع ہوئی کہ ایسا مقدمہ زیر سماعت ہے تو آپ نے بہ نفس نفیس وہاں تشریف لے جانے کا ارادہ فرمالیا اور اس غرض کے لئے آپ نے جو رفقاء منتخب فرمائے، ان میں حضرت والد صاحبؒ بھی شامل تھے۔ اتفاق سے ان دنوں حضرت والد صاحبؒ اپنے والد ماجد (حضرت مولانا محمد یٰسین صاحب) کی علالت کی وجہ سے ذہنی طور پر مشوش اور فکر مند تھے، لیکن جب حضرت شاہ صاحب نے بہاولپور جانے کے لئے فرمایا تو تیار ہو گئے، لیکن قیامِ بہاولپور کے زمانے ہی میں اچانک والد صاحبؒ کے پاس دیوبند سے تار آیا کہ:

"آپ کے والد کی طبیعت زیادہ خراب ہے جلدی واپس آ جائیں"۔

حضرت والد صاحبؒ یہ تار حضرت شاہ صاحبؒ کے پاس لے گئے۔ حضرت والد صاحب فرمایا کرتے تھے کہ اس وقت میں سخت تردد کی حالت میں تھا۔ ایک طرف والد ماجدؒ کی صحت کی طرف سے پریشانی تھی اور اس تار کا تقاضا یہ تھا کہ ایک لمحے کی تاخیر کے بغیر واپس چلا جاؤں۔

دوسری طرف ایسے اہم کام میں حضرت شاہ صاحبؒ کی رفاقت کی جو سعادت اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی تھی اسے چھوڑتے ہوئے دل کٹ رہا تھا اور خیال یہ تھا کہ حضرت شاہ صاحبؒ اس تار کو دیکھ کر واپسی کی اجازت دے دیں گے، کیونکہ ہمارے اکابر عام طور سے ان باتوں میں بہت رعایت فرماتے ہیں، لیکن اس روز حضرت شاہ صاحبؒ کی کرامت ظاہر ہوئی۔ حضرتؒ نے تار کا مضمون سننے کے بعد بڑے اعتماد کے ساتھ فرمایا:

"ہم آپ کے والد صاحبؒ کے لئے دعا کریں گے' ان شاء اللہ وہ تندرست ہو جائیں گے' آپ بے فکر ہو کر یہاں اپنا کام کریں"۔

حضرت والد صاحبؒ فرماتے ہیں کہ حضرت شاہ صاحبؒ کی زبان سے یہ جملہ سن کر میرے دل میں ٹھنڈک پڑ گئی اور ساری تشویش اور پریشانی کافور ہو گئی، پھر حضرتؒ نے خود والد صاحبؒ کے نام اس مضمون کا تار روانہ کیا کہ:

"مولوی شفیع صاحب کی یہاں ضرورت ہے میں نے انہیں روک لیا ہے، ہم سب آپ کی صحت کے لئے دعا کر رہے ہیں"۔

اور پھر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے والد صاحب کی طبیعت بھی بہتر ہو گئی"۔

(البلاغ مفتی اعظم نمبر ص: ۲۹۱، ۲۹۲)

فیصلہ میری قبر پر آ کر سنایا جائے:

ریاست بہاولپور میں قادیانیوں کے کفر و اسلام کا ایک مقدمہ چل رہا تھا۔ جب وہ آخری مراحل میں پہنچا تو شیخ الجامعہ حضرت مولانا محمد گھوٹوی اور حضرت مفتی صادق صاحبؒ اور تمام علماء نے استدعا کی کہ حضرت شاہ صاحبؒ کا ایک علمی بیان عدالت میں ہونا چاہئے۔ شاہ صاحبؒ ان دنوں خونی بواسیر کے سخت مریض تھے۔ ڈاکٹروں' حکیموں نے سفر سے بالکل روک دیا تھا، کمزوری بہت ہو چکی تھی، لیکن جونہی شاہ صاحبؒ کو دعوت پہنچی' آپ سفر کے لئے تیار ہو گئے۔ بہاولپور سے مفتی صادق صاحب خود انہیں لینے کے لئے دیوبند گئے تھے۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ اگر قیامت کے روز حضور ﷺ نے یہ سوال کر لیا کہ میری ختم نبوت کا مقدمہ پیش تھا' تجھے طلب کیا گیا اور تو نہیں گیا تو میں کیا جواب دوں گا۔ موت تو آنی ہی ہے' اگر اسی راستہ میں آ گئی تو اس سے بہتر اور کیا ہوگا، تو حکیموں کے روکنے کے باوجود آپ تشریف لے گئے۔ جج صاحب جن کا محمد اکبر نام تھا، وہ شاہ صاحبؒ کا بہت احترام کرتا تھا۔ آپ کو عدالت میں کرسی مہیا کی گئی اور حضرت شاہ صاحبؒ کا آخری معرکۃ الآراء بیان ہوا' اور قادیانیوں کی طرف سے اس پر جرح ہوتی

رہی اور شاہ صاحبؒ جواب دیتے رہے۔ جب حضرت شاہ صاحبؒ کا بیان اور جرح ہوئی ختم ہوئی۔

غلام احمد قادیانی کو جہنم میں جلتا ہوا دکھاؤں :

تو حضرت شاہ صاحبؒ نے قادیانیوں کے بڑے مناظر جلال الدین شمس کا ہاتھ پکڑا اور بڑے جوش سے فرمایا کہ جلال الدین اگر اب بھی تمہیں قادیانی کے کفر میں شبہ ہو تو آؤ میں تمہیں اسے جہنم میں جلتا ہوا دکھاؤں، یہ سن کر اس نے جلدی سے ہاتھ چھڑا لیا اور کہنے لگا کہ اگر آپ دکھا بھی دیں تو میں کہوں گا کہ یہ استدراج یعنی کوئی شعبدہ ہے حقیقت نہیں۔

ہمارے حضرات کہتے ہیں کہ وہ بدبخت تھا' اگر ہاں کر لیتا تو حضرت شاہ صاحبؒ پر اس وقت ایسی جذب کی حالت تھی کہ وہ اسے کشفاً جہنم میں جلتا ہوا دیکھ رہے تھے اور دکھا بھی سکتے تھے۔

مقدمہ کی سماعت ہو جانے کے بعد جب حضرت شاہ صاحبؒ دیوبند جانے لگے تو مولانا مفتی محمد صادقؒ اور دیگر علماء کو وصیت فرمائی کہ مقدمہ کا فیصلہ اگر تو میری زندگی میں ہو گیا تو میں سن لوں گا' اگر یہ فیصلہ میری وفات کے بعد ہو تو میری قبر پر آ کر سنایا جائے۔ چنانچہ حضرت کی واپسی کے بعد آپ کی جلد وفات ہو گئی اور یہ فیصلہ آپؒ کی وفات کے بعد ہوا اور حضرت محمد صادق صاحبؒ حضرت شاہ صاحبؒ کی وصیت کے مطابق خصوصی طور پر دیوبند گئے اور شاہ صاحبؒ کی قبر پر کھڑے ہو کر یہ فیصلہ سنایا۔ الحمدللہ فیصلہ مسلمانوں کے حق میں ہوا تھا۔

اس واقعہ سے آپ اندازہ لگا سکیں کہ حضرت شاہ صاحبؒ کو کتنی فکر اور کتنا لگاؤ اس مسئلہ سے تھا کہ وفات کے بعد بھی جبکہ وہ عالمِ برزخ میں چلے گئے تھے، وہاں بھی آپ کو اس کا انتظار تھا۔ یہ اس وقت کے مسلمانوں کو اس فتنہ کے استیصال کی طرف متوجہ کرنے

کی ایک صدا تھی جو شاہ صاحبؒ نے وصیت کی شکل میں بلند کی۔

(چراغِ ہدایت ص ۳۳، ۳۵، از مولانا محمد چراغ تقریر مولانا منظور احمد چنیوٹی)

ڈھونڈا تو بہت لیکن پایا نہ کوئی تجھ سا
اک مدت اسی کوشش میں دمساز گنوائی ہے

امام کشمیریؒ کے ایک خادم کا اعلان :

سنا تھا کہ تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے۔ یہ شنید اس وقت دید میں بدل گئی، جب قادیانیوں کے جشن صد سالہ کی رٹ جسٹس خلیل الرحمٰن خان کی عدالت میں زیر سماعت تھی۔ اس عدالت میں بھی عدالتِ بہاولپور کی تاریخ دہرائی گئی' جس طرح وہاں مرزائیوں کا وکیل جلال الدین شمس' محدث العصر سید انور شاہ کشمیریؒ کے روبرو خائب و خاسر ہو کر فرار ہوا تھا' اسی طرح اس عدالت میں مرزائیوں کا وکیل مجیب الرحمٰن' مجاہد ختم نبوت جناب رشید مرتضیٰ قریشی صاحب کے ہاتھوں ذلیل و خوار ہوا۔ دورانِ سماعت ایک دن یوں ہوا کہ جب بحث طول پکڑ گئی تو جناب رشید مرتضیٰ قریشی عدالت میں کھڑے ہوئے اور پر جلال انداز میں فرمایا کہ جناب عالی ! یہ بحث آج ہی ختم ہو جاتی ہے، میں انور شاہ کشمیریؒ تو نہیں' ان کا ادنیٰ خادم ہوں' لیکن جس ذات پہ ان کا بھروسہ تھا' اسی ذات پہ بھروسہ کرتے ہوئے آج رشید مرتضیٰ قریشی اعلان کرتا ہے کہ اگر مجیب الرحمٰن میرے ہاتھوں میں ہاتھ دے تو میں اسے اسی عدالت میں مرزا قادیانی کو جہنم میں جلتے دکھا سکتا ہوں۔

یہ سننا تھا کہ عدالت میں سناٹا چھا گیا۔ رشید مرتضیٰ صاحب نے بار بار چیلنج دیا، مگر اس کا جواب نہ آنا تھا نہ آیا۔ اسلام ایک دفعہ پھر سربلند رہا اور باطل منہ کے بل گر کے رہا۔ بے شک اِنَّ الباطلَ کانَ زھوقا۔

(جنہیں ختم نبوت سے عشق تھا ص ۳۳)

فتنہ مرزائیت پر حضرت شاہ صاحبؒ کی اپنی تصانیف :

مرزائیت کے متعلق تمام ضروری مسائل پر کافی سے زائد رسائل و کتب حضرت شاہ صاحب قدس سرہ کے ارشاد و ایماء کی بناء پر لکھے جاچکے تھے۔ لیکن ایک مسئلہ ہنوز تشنہ باقی تھا کہ مرزائیوں کے نماز، روزہ اور تلاوت قرآن اور کلمۂ اسلام پڑھنے سے عام مسلمانوں اور خصوصاً تعلیم یافتہ طبقہ کو سخت اشتباہ تھا کہ ان چیزوں کے ہوتے ہوئے ان کو اسلام سے خارج کیسے کہا جاسکتا ہے۔ بلکہ اس معاملہ میں بعض اہل علم کو بھی یہ اشکال تھا کہ اہل قبلہ اور کلمہ گو کی تکفیر نیز جو شخص کسی تاویل کی بناء پر خلاف شرع عقیدے کا قائل ہو، اس کی تکفیر میں علمائے اہل حق نے بہت کلام کیا ہے۔ اس لئے اس مسئلہ پر حضرت الاستاذ شاہ صاحب قدس سرہ نے خود قلم اُٹھایا اور ایک رسالہ بنام اکفار الملحدین و المتاولین فی شئی من ضروریات الدین جس میں اس مسئلہ کو قرآن و حدیث اور تصریحات سلف کی روشنی میں آفتاب نصف النہار کی طرح واضح فرمادیا۔

بلکہ کفر و ایمان کی مکمل حقیقت، اہل قبلہ اور کلمہ گو کی شرعی تعریف پر ایک نہایت جامع تصنیف فرمادی، جس میں اس بات کو بھی واضح کردیا گیا کہ اگر کسی عقیدۂ کفریہ میں مطلقاً تاویل کو مانع کفر قرار دیا جائے تو دنیا میں کوئی کافر نہیں رہ سکتا کیونکہ ہر کافر کچھ نہ کچھ تاویل اپنے عقیدۂ فاسدہ کی کرتا ہے۔ بلکہ فیصلہ یہ ہے کہ اسلام کے وہ احکام جو قطعی الثبوت اور قطعی الدلالت ہیں (جن کو اصطلاح فقہ و کلام میں ضروریات دین کہا جاتا ہے) جیسے ان کا انکار صریح کفر و ارتداد ہے۔ اسی طرح تاویل کر کے جمہور اُمت کے خلاف ان کے نئے معنی بتانا بھی کفر و ارتداد ہے (یہ کتاب عربی زبان میں ہے)

عقیدۃ الاسلام فی نزول عیسیٰ علیہ السلام :

ایک دوسری مستقل کتاب مسئلہ حیات و نزول عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق بھی اپنے قلم سے بزبان عربی تصنیف فرمائی۔ جس کا نام "عقیدۃ الاسلام فی نزول عیسیٰ علیہ السلام" رکھا۔ یہ کتاب کہنے کو تو اسی ایک مسئلہ کی بہترین و جامع تحقیق ہے، لیکن حضرت شاہ صاحبؒ کی تقریر و تحریر کو جاننے والے جانتے ہیں کہ ایک مسئلہ کے ضمن میں کتنے علوم و معارف کے ابواب آجاتے ہیں۔ یہ کتاب بھی اپنے موضوع کی عجیب و غریب تصنیف ہے۔

مقدمہ بہاولپور سے واپسی کے بعد مرض روز بروز شدت پکڑتا گیا، لیکن اسی حالت میں جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کے درس حدیث کو جاری رکھا۔ تا آنکہ قویٰ نے بالکل جواب دیدیا اور آپ دیوبند تشریف لاکر گویا صاحب فراش ہوگئے اور یہی مرض مرض الموت ثابت ہوا۔ لیکن قدرت نے جو دینی خدمت کا جذبۂ بے پایاں آپ کے قلب مبارک میں ودیعت فرمایا تھا، وہ بستر مرگ پر بھی چین سے نہ لیٹنے دیتا تھا۔ افادات علمیہ اور کتب بینی کا سلسلہ اس حالت میں بھی اسی طرح جاری تھا۔

خاتمۃ التصانیف :

تا آنکہ یہ ارادہ ہوا کہ ایک مرتبہ پھر کشمیر کا سفر کیا جائے۔ وہاں اپنے اعزہ و اقارب کی ملاقات کے علاوہ پیش نظر یہ تھا کہ کشمیر میں قادیانی فتنہ پھیلا ہوا ہے۔ اب تک وہاں پہنچ کر اس کے انسداد کے متعلق کوئی کام نہیں کیا گیا۔ اس سفر کا قصد کرنے کے ساتھ یہ ضرورت محسوس فرمائی کہ کشمیر کے عوام اردو یا عربی کے رسائل تو پڑھ نہ سکیں گے۔ فارسی زبان میں مسئلہ ختم نبوت اور قادیانیت کے متعلق لکھ کر طبع کر کے وہاں ساتھ لے جائیں اور مفت تقسیم کریں۔ اس ارادہ کے ساتھ ہی خود ایک رسالہ کی تصنیف شروع فرمادی۔

تصنیف تکمیل کو نہ پہنچی تھی کہ مرض کے اشتداد نے بالکل ہی قویٰ کو معطل کر دیا تو ایک طا
علم کے ذریعہ اس ناکارۂ خلائق کے پاس پیغام بھیجا کہ میں نے کشمیری کی ضرورت سے
زبان میں مسئلہ ختم نبوت پر ایک رسالہ لکھنا شروع کیا تھا، مگر اب میں اس کی تکمیل
معذور ہوں تم سے ہو سکے تو اس کی تکمیل کر دے۔

احقر ناکارہ نے تعمیل ارشاد کو سعادتِ عظمیٰ سمجھ کر شروع کرنے کا ارادہ ہی ک
کہ حضرت استادؒ کی حالت بدلنا شروع ہوئی اور یہ علم وتقویٰ کا آفتاب عالمتاب غرو
کے کنارے آ لگا۔ یہاں تک کہ ۲ ماہ صفر ۱۳۵۲ھ شب دوشنبہ اس پیکرِ علم وتقویٰ مجسم و
دیانت نے دین ہی کی فکر میں اپنی عمر کا آخری سانس پورا کر دیا۔ آپ کے گرد وپیش
گویا بزبان حال یہ سنا جاتا تھا

اگرچہ خرمن عمرم غم تو داد بباد
بخاک پائے عزیزت کہ عہد نہ شکستم

اب وہ کشمیر کا قصد اور وہاں رسالہ فارسی کی اشاعت بھی ایک خواب وخیال ہ
عرصہ کے بعد آپ کے مسودات میں سے وہ منتشر اوراق فارسی جمع کر کے مجلس علمی ڈا
اسلامیہ ڈابھیل ضلع سورت نے بنام خاتم النبیین شائع کیا اور یہی اوراق آپ کا خا
التصانیف قرار پائے۔ (حیات انور ص: ۲۶۵ تا ۲۶۹)

امامِ کشمیریؒ کا عربی قصیدہ:

حضرت کشمیریؒ نے ردّ قادیانیت کے سلسلہ میں اس اضطراب وبے چینی کا اظہ
اپنے بعض قصائد میں بھی کیا ہے۔ ایک طویل عربی قصیدہ میں جو "اکفار الملحدین"
میں طبع ہوا ہے آپ نے قادیانی فتنہ کی شدت وگہرائی کی طرف امت اسلامیہ کو متوجہ ف

اس قصیدہ کا زور بیان، قلق واضطراب آج بھی امت اسلامیہ کا خون گرما دینے کی
رکھتا ہے:

أَلَا يَا عِبَادَ اللّٰهِ قُوْمُوْا وَ قُوْمُوْا — خُطُوْبًا أَلَمَّتْ مَا لَهُنَّ يَدَانِ

اے اللہ کے بندو! اٹھو اور ان فتنوں کے کس بل نکال دو جو ہر جگہ چھا رہے
اور جن کے برداشت کرنے کی تب وتاب نہیں رہی۔

وَقَدْ كَادَ يَنْقَضُّ الْهُدَىٰ وَ مَنَارُهُ — وَزُحْزِحَ خَيْرٌ مَا لِذَاكَ تَدَانِ

ان فتنوں کی شدت سے ہدایت کے نشانات مٹنا چاہتے ہیں، خیر وصلاح سمٹ رہی
اور پھر اس کے تدارک کی کوئی صورت نہیں پڑے گی۔

بُ رَسُوْلٌ مِنْ أُولِي الْعَزْمِ فِيْكُمْ — تَكَادُ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ تَنْفَطِرَانِ

ایک اولوالعزم رسول (سیدنا عیسیٰ علیہ السلام) کو تمہارے سامنے گالیاں دی
رہی ہیں، قریب ہے کہ قہر الٰہی سے زمین اور آسمان پھٹ پڑیں۔

وَحَارَبَ قَوْمٌ رَبَّهُمْ وَ نَبِيَّهُ — فَقُوْمُوْا بِنَصْرِ اللّٰهِ إِذْ هُوَ دَانِ

ایک نابکار قوم (مرزائیوں) نے اپنے رب اور اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے
چھیڑ رکھی ہے پس اللہ کی مدد کے بھروسے اٹھو کہ وہ بہت ہی قریب ہے۔

وَقَدْ عِيْلَ صَبْرِيْ فِي انْتِهَاكِ حُدُوْدِهِ — فَهَلْ ثَمَّ دَاعٍ أَوْ مُجِيْبُ أَذَانِيْ

حدود اللہ کو ٹوٹتے دیکھ کر صبر کا دامن میرے ہاتھ سے چھوٹ چکا ہے۔ پس کیا
بھری دنیا میں کوئی حدود الٰہی کے تحفظ کے لئے پکارنے والا یا میری دعوت پر لبیک کہنے
ہے؟

وَإِذْ هَزَّ خَطْبٌ جِئْتُ مُسْتَنْصِرًا بِكُمْ — فَهَلْ ثَمَّ غَوْثٌ يَا لَقَوْمِ يُدَانِيْ

اور جب مصیبت حد برداشت سے نکل گئی تب میں نے مدد کے لئے تمہارے

دروازے پر دستک دی' پس اے قوم ! کیا کوئی فریادرس ہے جو آگے بڑھ کر میرے دکھ درد میں شریک ہو جائے؟

لَعَمْرِیْ لَقَدْ نَبَّهْتُ مَنْ كَانَ نَائِمًا — وَ اَسْمَعْتُ مَنْ كَانَتْ لَهٗ اُذُنَانِ

بخدا ! میں ان لوگوں کو جو خوابِ غفلت میں مست تھے' بیدار کر چکا ہوں اور ہر ایسے شخص کو جسے قدرت نے سننے کی صلاحیت عطا فرمائی ہے' سنا چکا ہوں۔

وَنَادَیْتُ قَوْمًا فِیْ فَرِیْضَةِ رَبِّهِمْ — فَهَلْ مِنْ نَّصِیْرٍ لِّیْ مِنْ اَهْلِ زَمَانٍ

اور میں قومِ مسلم کو ان کے رب کے جانب سے عائد شدہ فریضہ کے سلسلہ میں پکار چکا ہوں' پس کیا اہلِ خانہ میں کوئی شخص میری مدد کو اٹھے گا؟

دَعُوْا كُلَّ اَمْرٍ وَاسْتَقِیْمُوْا لِمَا دَهٰی — وَقَدْ عَادَ فَرْضُ الْعَیْنِ عِنْدَ عِیَانٍ

سب کچھ چھوڑ کر اس فتنۂ عظمیٰ کے مقابلہ میں کمربستہ ہو جاؤ' اس لئے کہ اس فتنہ کا مشاہدہ ہو جانے کے بعد اس کا استیصال ہر شخص پر فرضِ عین ہو گیا ہے۔

اَلَا فَاسْتَقِیْمُوْا وَاسْتَهِیْمُوْا لِدِیْنِكُمْ — فَمَوْتٌ عَلَیْهِ اَكْبَرُ الْحَیَوَانِ

ہاں اٹھو ! اور اپنے دین کی حفاظت کے لئے دیوانہ وار جان کی بازی لگا دو' بخدا ! دین کی خاطر جان دے دینا ہی سب سے اعلیٰ واشرف زندگی ہے۔

وَعِنْدَ دُعَاءِ الرَّبِّ قُوْمُوْا وَ شَمِّرُوْا — حَنَانًا عَلَیْكُمْ فِیْهِ اَثَرُ حَنَانٍ

اور جب تحفظ دین کے لئے رب تعالیٰ کی طرف سے پکارا جا رہا ہے تو دیر کیوں کرتے ہو؟ اٹھو اور کمرِ ہمت چست باندھ لو اس راستے میں تم پر رحمتوں پر رحمتیں نازل ہوں گی۔ (ماہنامہ ''الرشید'' دارالعلوم دیوبند نمبر ص ۶۸۹، ۶۹۰)

میں ظلمتِ شب میں لے کے نکلوں گا اپنے درماندہ کارواں کو
شرر فشاں ہوگی آہ میری نفس میرا شعلہ بار ہوگا

تحفظ ختم نبوت کا کام نہ کرسکے تو گلی کا کتا بھی بہتر ہے :

قادیانیت کی بیخ کنی اور استیصال کے لئے حضرت شاہ صاحبؒ نے مرض اور بڑھاپے کے باوجود سفر فرمایا۔ شاہ صاحبؒ اس سفر کو اپنے لئے ذخیرۂ آخرت سمجھتے تھے۔ چنانچہ حسب روایت مولانا محمد انور لائل پوری جو اس سفر میں رفیق تھے، بہاولپور پہنچنے کے بعد جمعہ آپ نے بہاولپور کی جامع مسجد میں پڑھا اور نماز کے بعد ہزارہا مسلمانوں کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا :

میں بواسیر خونی کے مرض کے غلبہ سے نیم جان تھا اور ساتھ ہی اپنی ملازمت کے سلسلہ میں ڈابھیل کیلئے پابہ رکاب بھی، اچانک شیخ الجامعہ کا مکتوب مجھے ملا جس میں بہاولپور آ کر مقدمہ میں شہادت دینے کیلئے لکھا گیا تھا، میں نے سوچا کہ میرے پاس کوئی زادِ آخرت تو ہے نہیں، شاید یہی چیز ذریعہ نجات بن جائے کہ میں محمد ﷺ کے دین کا جانب دار بن کر یہاں آیا ہوں، پھر فرمایا، اگر ہم تحفظ ختم نبوت کا کام نہ کرسکیں تو گلی کا کتا بھی ہم سے بہتر ہے۔ (نقشِ دوام ص ۱۹۰)

فتنہ قادیانیت کی سرکوبی کے لئے تلامذہ کو وصیت :

حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحبؒ کے تلامذہ جب دیوبند سے فارغ التحصیل ہو کر اپنے اپنے علاقوں کا رخ کرتے تو تمام اساتذہ دارالعلوم دیوبند سے اور حضرت شاہ صاحبؒ سے الوداعی ملاقات کرتے دعا کراتے، آپ ہر طالب علم کو فتنہ قادیانیت کے استیصال کی طرف ضرور توجہ دلاتے اور بزبانِ حال فرماتے ....

قتیل اس شخص کا کیا واسطہ میرے قبیلے سے
وفا کے جرم میں جس نے سزا پائی نہیں ہوتی

فتنۂ قادیانیت کا مقابلہ کرو :

حضرت مولانا محمد علی جالندھری بھی حضرت شاہ صاحب کے شاگرد تھے۔ حضرت شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اجازت طلب کرتے ہوئے دعا کی درخواست کی اور عرض کیا کہ میرا خاندان اہل حدیث ہے، جبکہ میں حنفی ہوں۔ خطرہ ہے کہ گھر میں اختلاف مسائل سے بدمزگی پیدا نہ ہو۔ رفع اختلاف اور اصلاح ذات البین کے لئے خصوصی دعا فرمائیں۔ حضرت شاہ صاحب نے فرمایا:

بھائی مولوی صاحب، اہل سنت اور اہل حدیث کے اختلاف کی کیا فکر ہے، تمہارے پنجاب میں جھوٹی نبوت، کذاب نبی، دجالِ اُمت اور خطرناک پارٹی پیدا ہو چکی ہے۔ یہ پارٹی کافرانہ عقائد اور غیر اسلامی مسائل کی حامل ہے۔ یہ لوگ اپنے عقائد کی بنیاد پر مرتد ہو چکے ہیں اور مسلمانوں کو مرتد بناتے ہیں مولوی صاحب اس فتنہ کا مقابلہ کرو اور مسلمانوں کے باہمی اختلافی مسائل سے بچتے رہو۔ قادیانی فتنہ اور طائفہ مرتدہ کے خلاف کام کرکے حضور علیہ السلام کی روح طیبہ کو خوش کرو۔ مسلمانوں اور اسلامی فرقوں کے مسائل میں اختلاف کے باوجود اتحادِ عمل اور آپس میں اتفاق رکھتے ہوئے منکرین جہاد و ختم نبوت کے مقابلہ پر سیسہ پلائی دیوار بن کر رہنا چاہئے، مسلمان فرقوں کے درمیان اختلاف ہو تو ہو لیکن مخالفت نہ ہو اور سب مسلمانوں کو سب سے پہلے نبوت کاذبہ کا ڈٹ کر مقابلہ کرنا چاہئے۔ (ختم نبوت کے محاذ ص:۱۸)

آخری وصیت :

میں نے خود حضرت شاہ صاحبؒ سے سنا کہ:

''جب یہ فتنہ کھڑا ہوا تو چھ ماہ تک مجھے نیند نہیں آئی اور یہ خطرہ لاحق

ہو گیا کہ کہیں دینِ محمدی (علی صاحب الصلوٰۃ والسلام) کے زوال کا باعث یہ فتنہ نہ بن جائے۔ فرمایا چھ ماہ کے بعد دل مطمئن ہو گیا کہ ان شاء اللہ دین باقی رہے گا اور یہ فتنہ مضمحل ہو جائے گا''۔

میں نے اپنی زندگی میں کسی بزرگ اور عالم کو اس فتنہ پر اتنا دردمند نہیں دیکھا جتنا کہ امام العصر حضرت شاہ صاحبؒ کو۔

ایسا محسوس ہوتا تھا کہ دل میں ایک زخم ہو گیا ہے، جس سے ہر وقت خون ٹپکتا رہتا ہے۔ جب مرزا کا نام لیتے تو فرمایا کرتے تھے ''لعین ابن اللعین قادیان'' اور آواز میں ایک عجیب درد کی کیفیت محسوس ہوتی۔ فرماتے تھے کہ:

''لوگ کہیں گے کہ یہ گالیاں دیتا ہے فرمایا کہ ہم اپنی نسل کے سامنے اپنے اندرونی درد دل کا اظہار کیسے کریں، ہم اس طرح قلبی نفرت اور غیظ وغضب کا اظہار کرنے پر مجبور ہیں، ورنہ محض تردید و تنقید سے لوگ یہ سمجھیں گے کہ یہ تو علمی اختلافات ہیں جو پہلے سے چلے آتے ہیں''۔

مرض موت میں جب تمام قوتیں جواب دے چکی تھیں اور چلنے پھرنے کے قابل نہیں تھے، ایک دن (یہ جمعہ کا دن تھا) جامع مسجد میں ڈولی میں لائے گئے اور اپنے شاگردوں اور علماء اور اہلِ دیوبند کو آخری وصیت فرمائی کہ دینِ اسلام کی حفاظت کی خاطر اس فتنہ قادیانیت کی سرکوبی کے لئے پوری کوشش کریں اور فرمایا:

''میرے تلامذہ کی تعداد جنہوں نے مجھ سے حدیث پڑھی ہے دو ہزار ہوگی، ان سب کو میں وصیت کرتا ہوں کہ اس فتنہ کے خلاف پوری جدوجہد کریں''۔

(خاتم النبیین ﷺ ص:۳۳ از مولانا انور شاہ کشمیریؒ)

میں جنت کا ضامن ہوں :

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس دنیا کو الوداع کہنے والے تھے۔ اس کا بھی ایک واقعہ بروایت حضرت علامہ شمس الحق صاحب افغانی سن لیں۔ حضرت علامہ افغانیؒ بھی حضرت علامہ کشمیریؒ کے اجل شاگردوں میں سے تھے۔ حضرت علامہ افغانیؒ نے فرمایا کہ :

"جب حضرت کشمیریؒ کا آخری وقت آیا' کمزوری بہت زیادہ تھی، چلنے کی طاقت بالکل نہ تھی، فرمایا کہ مجھے دارالعلوم دیوبند کی مسجد پہنچائیں۔ اس وقت کاروں کا زمانہ نہ تھا، ایک پالکی لائی گئی، پالکی میں بٹھا کر حضرت شاہ صاحب کو دارالعلوم کی مسجد میں پہنچایا گیا۔ محراب میں حضرت کی جگہ بنائی گئی تھی، وہاں بٹھا دیا گیا، حضرت کی آواز ضعف کی وجہ سے انتہائی نحیف اور دھیمی تھی۔ تمام اجل شاگرد حضرتؒ کے ارد گرد ہمہ تن گوش بنے بیٹھے تھے۔ آپ نے صرف دو باتیں فرمائیں۔ پہلی بات تو یہ فرمائی کہ تاریخ اسلام کا میں نے جس قدر مطالعہ کیا ہے' اسلام میں چودہ سو سال کے اندر جس قدر فتنے پیدا ہوئے ہیں' قادیانی فتنہ سے بڑا خطرناک اور سنگین فتنہ کوئی بھی پیدا نہیں ہوا۔

دوسری بات یہ فرمائی کہ حضور ﷺ کو جتنی خوشی اس شخص سے ہوگی جو قادیانیت کے استیصال کے لئے اپنے آپ کو وقف کردے تو رسول اکرم ﷺ اس کے دوسرے اعمال کی نسبت اس کے اس عمل سے زیادہ خوش ہوں گے اور پھر آخر میں جوش میں آ کر فرمایا کہ جو کوئی اس فتنہ کی سرکوبی

کے لئے اپنے آپ کو لگا دے گا' اس کی جنت کا ضامن میں ہوں"۔

(انتہی) سبحان اللہ! دنیا سے رخصت ہو رہے ہیں، آخری وقت ہے' اگر فکر ہے تو اس فتنہ کی۔

(چراغ ہدایت ص ۲۳۳ تا ۲۳۴ از مولانا محمد چراغ تقریظ مولانا منظور احمد چنیوٹی)

محمدؐ کی محبت دینِ حق کی شرطِ اوّل ہے
اس میں ہو اگر خامی تو سب کچھ نامکمل ہے
محمدؐ کی محبت آنِ ملت' شانِ ملت ہے
محمدؐ کی محبت روحِ ملت جانِ ملت ہے
محمدؐ کی محبت خون کے رشتوں سے بالا ہے
یہ رشتہ دنیوی قانون کے رشتوں سے بالا ہے
محمدؐ ہے متاعِ عالمِ ایجاد سے پیارا
پدر' مادر' برادر' مال' جان اولاد سے پیارا

امام کشمیریؒ نے عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کو امیر شریعت کا اعزاز بخشا :

حیات امیر شریعت کے مؤلف مرزا جانباز لکھتے ہیں :

پیشتر ازیں تحریر کیا جا چکا ہے کہ ہندوستان کی سیاسی اور مذہبی ابتری نے ملک کا امن و سکون تہہ و بالا کر دیا تھا اور یہ خانہ ویرانی اسلام کی ترقی کی راہ میں سنگِ گراں تھی۔ ہندو کے طرز عمل نے مسلمانوں کو مجبور کیا کہ وہ اپنے لئے شہادت کی موت تلاش کریں تاکہ ہندوستان میں نبی کریم ﷺ کی آبرو محفوظ رہ سکے۔ شدھی و سنگھٹن شاردا ایکٹ تحریک شاتم رسول کے بڑھتے ہوئے سیلاب نے کمزور اور قلیل تعداد مسلمانوں کو اس قدر ہراساں کر دیا تھا کہ علمائے کرام کی اپنی ذمہ داریاں بھی مخدوش نظر آنے لگی تھیں۔ خطیب شہر کی

اذان بے اثر ہو رہی تھی، صحن حرم اور مسجد کے مینار اپنی رونق کی تلاش میں سرگرداں تھے کہ مارچ ۱۹۳۰ء کے آخری دنوں میں لاہور میں انجمن خدام الدین کا سالانہ اجلاس منعقد ہوا جس کی صدارت دیوبند کے شیخ الحدیث حضرت علامہ محمد انور شاہ صاحب کشمیریؒ نے فرمائی۔ وقت اور حالات کی موجودگی میں علمائے ہندوستان کا تاریخی اجتماع تھا۔ دوسرے علماء کے ساتھ شاہ جی (حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری) بھی اس جلسے میں شریک ہوئے ہزاروں کا اجتماع تھا۔ صدارتی تقریر ہو رہی تھی کہ شاہ جی جلسہ گاہ میں پہنچے۔ حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرما رہے تھے :

> "دین کی قدریں بگڑ رہی ہیں۔ کفر چاروں طرف سے یلغار کر چکا ہے۔ اس وقت مسلمانوں کو اپنے لئے ایک امیر کا انتخاب کرنا چاہئے۔ اس کے لئے میں سید عطاء اللہ شاہ بخاری کو منتخب کرتا ہوں، وہ نیک بھی ہیں اور بہادر بھی۔ اس وقت انہوں نے فتنہ شاتم رسول اور شاردا ایکٹ کے سلسلے میں جس جرأت اور دلیری سے دین کی خدمات انجام دی ہیں۔ آئندہ بھی ان سے ایسی ہی توقع ہے"۔

یہ کہہ کر حضرت شاہ صاحبؒ نے اپنے دونوں ہاتھ حضرت شاہ جیؒ کی طرف بڑھائے اور شاہ جیؒ نے اپنے دونوں ہاتھ حضرت شاہ صاحبؒ کے ہاتھوں میں دے کر فرمایا۔ آپ یہ نہ سمجھیں کہ حضرت شاہ صاحبؒ نے میرے ہاتھ پر بیعت کی ہے بلکہ حضرت نے مجھے اپنی غلامی میں قبول فرمایا ہے۔ (حیات امیر شریعت ص ۱۳۲)

یہ جملے کہہ کر شاہ جی زار و قطار رونے لگے اور ان کا سارا جسم کانپنے لگا۔ اس کے بعد باقی علماء جن کی تعداد پانچ صد تھی، اس وقت شاہ جی (امیر شریعت) کے ہاتھ پر بیعت کی۔ ان میں مولانا ظفر علی خان' مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی' مولانا احمد علی لاہوریؒ

سرفہرست تھے۔

حصولِ زندگی میں مذہب ایسے جذبات کا مجموعہ ہے جس سے عقل انسانی احاطہ نہیں کر سکتی اور نہ ہی فکر و تدبر میں ان کا وزن کیا جا سکتا ہے۔ جنونِ شوق ہی البتہ اس کسک کو محسوس کرتا ہے، پھر نمرود کی آگ ہو یا دریائے نیل کی موجیں وہ ان تمام خطرات کی دعوت پر لبیک کہتا ہے۔ ۱۹۲۵ء سے ۱۹۳۰ء تک فرنگی عملداری میں کفر و ارتداد نے اصولِ اسلام' داعیِ اسلام اور مسلمانوں پر وقت کے مختلف موڑوں سے جس طرح بے محابا خشت باری کی' حضرت امیر شریعت سینہ سپر ہو کر ان سے ٹکرائے اور بامراد ہوئے۔ حضرت انور شاہ کشمیری صاحبؒ اور دیگر پانچ صد مقتدر علماء کا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کو امیر شریعت کا اعزاز بخشا انہی خدمات کا صلہ تھا اور ہنوز مستقبل کی کئی اُمیدیں ان سے وابستہ تھیں۔

قائد شریعت :

وقت گذرتا رہا' اور تاریخ نے ایک مرتبہ پھر اپنے آپ کو دہرایا' ایک وقت وہ بھی آیا جب چشمِ فلک نے دیکھا کہ ہزارہ ڈویژن کے تین ہزار علماء نے تحریک نفاذ شریعت کیلئے محدث کبیر شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق کے ہاتھ پر بیعت کر کے آپ کو قائد شریعت کا خطاب دیا یوں حضرت عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کو امیر شریعت کا لقب ملا تو استاذ مکرم حضرت مولانا عبدالحقؒ کو قائد شریعت کا اعزاز حاصل ہوا۔

امیر شریعتؒ سے محبت اور تعلق پر افتخار :

امیر شریعت تحفظ ختم نبوت کے جانباز سپاہی اور قائد تھے۔ تحفظ ختم نبوت ان کی زندگی کا مشن تھا، اس لئے حضرت علامہ انور شاہؒ صاحب کو امیر شریعت سے خصوصی تعلق اور محبت تھی۔ حضرت شاہ صاحبؒ کے صاحبزادے مولانا محمد ازہر شاہ قیصر بیان کرتے ہیں۔

اباجی شاہ جیؒ کے سوجان سے دیوانے تھے۔ ہر وقت شاہ جی کا کلمہ پڑھتے ہر وقت انہی کا حال پوچھتے۔ کتاب سے فراغت ہوئی، چارپائی پر سنبھل کر بیٹھ گئے۔ سادہ چائے آئی اس کا دور چلا۔ سامنے میرے ماموں جناب حکیم سید محفوظ علی صاحب یا مولانا حفظ الرحمان، مولانا محمد ادریس صاحب، مولانا عتیق الرحمٰن عثمانی ہوئے اور اباجی نے سلسلہ کلام شروع کردیا۔ کیوں مولوی صاحب؟ ہم عطاء اللہ شاہ کو اگر سب کاموں سے ہٹا کر صرف تردید قادیانیت پر لگادیں تو یہ کیسا رہے گا؟

مولوی صاحب ! یہ صاحب واقعی مخلص ہیں بہت محنتی اور بہت زیادہ بہادر۔ انہوں نے پنجاب میں چند تقریریں کرکے قادیانیت کے خلاف ایک عام جذبہ پیدا کردیا ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ اگر انہوں نے اس طرح محنت سے کام کیا تو قادیانیت انشاء اللہ ختم ہوجائے گی۔ قادیانیت کے سلسلہ میں شاہ جیؒ نے جتنا کام کیا، سب اباجی کے اشارہ و ارشاد پر۔ شاہ جی کی تقریریں پسند کی جاتیں تو اباجی کا خون سیروں بڑھ جاتا۔ وہ تردید قادیانیت کے لئے لمبے لمبے دورے کرتے تو اباجی کی نگاہ ان کے ہر قدم پر رہتی۔ ایک دفعہ جمعہ کے خطبہ میں فرمایا:

"پنجاب میں ایک صاحب ہمیں مل گئے ہیں۔ صاحب توفیق، صاحب صلاحیت، صاحب سواد خوب کام کرتے ہیں۔ ہم نے قادیانیت کے متعلق انہیں توجہ دلائی ہے۔ بڑے بڑے لوگوں سے جو کام نہ ہوا وہ اس نوجوان (حضرت شاہ جیؒ) نے کردکھایا ہے"۔

حضرت امام کشمیریؒ عقیدہ ختم نبوت کو دین کی اساس و بنیاد سمجھتے تھے۔ اس لئے اس کے تحفظ کے سلسلہ کو حرز جان کی طرح اولین اہمیت دیتے تھے۔ اخلاص و للّٰہیت ان کا مزاج تھا جو کچھ کرتے تھے، رضائے الٰہی کے لئے کرتے تھے۔

علامہ اقبالؒ سے تعلق و دوستی :

علامہ محمد اقبالؒ سے حضرت شاہ صاحبؒ کے گہرے مراسم تھے۔ ان گہرے مراسم اور دوستی کا یہ نتیجہ نکلا کہ علامہ محمد اقبال قادیانیت کے فتنہ عظیم کے مفاسد و مکائد سے مطلع اور ان کی بیخ کنی کے لئے عملاً آمادہ ہوگئے۔ چونکہ حضرت صاحبؒ فتنہ قادیانیت کی تردید و ابطال کو اپنی زندگی کا مشن اور عظیم مذہبی فریضہ سمجھتے تھے۔ اس لئے انہوں نے ڈاکٹر اقبال کو بھی اس رنگ میں رنگا۔ پھر اقبال مرحوم نے اپنی تحریر و تقریر اور شاعری میں اس فتنہ کی برائیوں کو ہر جگہ بے نقاب کیا۔ یہ علامہ محمد انور شاہؒ کا فیض نظر تھا جو ختم نبوت کے سلسلہ میں علامہ اقبال کو یہ افکار عمیق، لذت گفتار اور انداز بیان کی چبھن نصیب ہوئی۔

انور شاہؒ کی مثال بہ ارشاد علامہ اقبالؒ :

ڈاکٹر اقبال مرحوم کو حضرت شاہ صاحبؒ سے اس قدر شغف اور تعلق ہوگیا تھا کہ حضرت سے ملاقات کا ہر وقت اشتیاق لگا رہتا تھا۔ مقدمہ بہاولپور کے سفر میں جبکہ احقر بھی ہمراہ تھا، لاہور ورود ہوا۔ آسٹریلیا بلڈنگ میں قیام فرمایا۔ ڈاکٹر اقبال مرحوم کو جب میزبان کی طرف سے اطلاع پہنچی، فوراً کار سے تشریف لائے۔ کئی گھنٹے مختلف مسائل میں حضرتؒ سے استفادہ فرماتے رہے۔ اکثر رقت طاری ہوجاتی تھی، پھر وصال سے چند ایام قبل جب لاہور تشریف لے گئے، ڈاکٹر اقبال مرحوم نے خود قیام کا انتظام کرایا۔ اپنے احباب سمیت ہر وقت حاضر خدمت رہتے تھے۔ حضرت امام کشمیریؒ کی مجالس میں اکثر اعلیٰ تعلیم یافتہ طبقہ کو حاضر ہونے کی دعوت دیتے، پھر برکت علی محمڈن ہال میں اپنے اہتمام سے جلسہ کا انعقاد کیا۔ ختم نبوت اور ردّ قادیانیت پر حضرتؒ کا بیان ہوا۔ ڈاکٹر صاحبؒ پر اس قدر اثر ہوا کہ ردّ قادیانیت کے لئے کمربستہ ہوگئے۔

ڈاکٹر صاحبؒ کا آخری دور کا کلام نظم ونثر اردو وفارسی ان حقائق کی ترجمانی کر رہا ہے۔ ردّ قادیانیت میں نہایت بلند پایہ مضامین سپرد قلم فرمائے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب قادیانی نے ملازمین برطرف کرائے۔ یہ حضرت شاہ صاحبؒ کی کھلی کرامت ہے۔

ڈاکٹر صاحب مرحوم اس کی سعی فرماتے رہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ کو لاہور لایا جائے۔ فرمایا کرتے تھے، دیوبند میں بعض جزوی اختلافات کے رونما ہونے کو ہم اپنے لئے نیک فال سمجھتے ہیں۔ یہ تو احقر کے سامنے لاہور میں حضرت سے عرض کرتے تھے کہ میں نے اپنی ذاتی سعی سے احباب کو کوئی ہزار کی رقم جمع کرنے کے لئے کہا ہے کہ جناب کے لئے ایک کوٹھی تعمیر کرائی جائے اور کتب مہیا کی جائیں تاکہ آپ کی ذات سے قدیم وجدید تعلیم یافتہ حضرات استفادہ کریں اور مسائل جدیدہ جس قدر سامنے آ رہے ہیں، ان کے حل کی کوشش کی جائے اور علم الفقہ کی از سر نو ترتیب دی جائے۔

حضرت شاہ صاحب مرحوم لاہور کے آخری سفر میں رسالہ خاتم النبیین کا مسودہ ساتھ لے گئے تھے۔ اس کے بعض مقامات ایک مجلس میں سنائے۔ ڈاکٹر صاحبؒ نہایت محظوظ ہوئے، اپنے دوستوں کو بلا بلا کر لاتے اور بار بار سنانے کا تقاضا کرتے۔

حضرت کے وصال کی خبر لاہور میں سن کر ڈاکٹر صاحبؒ بے حد مغموم ہوئے۔ تعزیتی جلسہ اپنے اہتمام سے کرایا۔ خود صدارتی تقریر میں بھرائی ہوئی آواز میں جو الفاظ ادا فرماتے، فضا میں اب تک گونج رہے ہیں۔ فرمایا:

''مولانا محمد انور شاہ صاحبؒ کی مثال پیش کرنے سے اسلام کی پانچ سو سال کی تاریخ عاجز ہے''۔ (اقبال کے ممدوح علماء ص: ۷۰، ۷۰ مؤلفہ قاضی افضل حق قرشی)

ہر لحظہ ہے مؤمن کی نئی آن نئی شان
گفتار میں کردار میں اللہ کی برہان

قادیانی نبوت برگِ حشیش:

ضرب کلیم میں علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں ......

میں نہ عارف نہ مجدد نہ محدث نہ فقیہ
مجھ کو معلوم نہیں کیا ہے نبوت کا مقام
ہاں مگر عالم اسلام پہ رکھتا ہوں نظر
فاش ہے مجھ پر ضمیر فلک نیلی فام
عصر حاضر کی سیہ رات میں دیکھی میں نے
یہ حقیقت کہ ہے روشن صفت ماہ تمام
وہ نبوت ہے مسلماں کے لئے برگِ حشیش
جس نبوت میں نہیں قوت و شوکت کا پیام

علامہ انور کشمیریؒ اور علامہ اقبالؒ:

اس زمانے میں پنجاب اور دیگر برصغیر میں انگریزی تعلیم یافتہ طبقے میں قادیانی فتنے کی شر انگیزی اور اسلام کشی کا جو احساس پایا جاتا تھا، اس میں بڑا دخل ڈاکٹر اقبالؒ کے اس لیکچر کا تھا جو عقیدۂ ختم نبوت پر تھا اور ساتھ ہی اقبالؒ کے اس انگریزی مقالہ کا بھی بڑا اثر تھا، جو قادیانیت کے خلاف شائع ہوا تھا، لیکن شاید یہ کم لوگوں کو معلوم ہے کہ ان دونوں تحریروں کا اصل باعث مولانا سید محمد انور شاہ کشمیریؒ ہی تھے۔

ایک مرتبہ انجمن خدام الدین کے سالانہ اجتماع میں شرکت کے لئے علامہ انور شاہ لاہور تشریف لائے تو ڈاکٹر اقبال ان سے ملاقات کے لئے خود ان کی قیام گاہ پر پہنچے پھر ایک شب انہیں اپنے ہاں کھانے پر بھی مدعو کیا۔ دعوت کا تو بہانہ ہی تھا۔ علامہ اقبالؒ کے

پیش نظر اصل مقصد تو علامہ انور شاہؒ سے علمی استفادہ کرنا تھا۔ چنانچہ رات کے کھانے کے بعد ڈاکٹر اقبالؒ نے عقیدۂ ختم نبوت اور قتل مرتد کا مسئلہ چھیڑ دیا، جس میں اڑھائی گھنٹے تک گفتگو ہوتی رہی۔ ڈاکٹر اقبالؒ کی عادت یہ تھی کہ جب وہ کسی اسلامی مسئلے پر کسی بڑے عالم سے گفتگو کرتے تھے تو بالکل ایک طالب علم کا انداز اختیار کر لیتے تھے۔ ہر زیر بحث مسئلے کے ایک ایک پہلو کو سامنے لاتے اور اس کے بارے میں اپنے شکوک وشبہات کو بے تکلفانہ بیان کرتے چلے جاتے تھے۔

چنانچہ علامہ انور شاہؒ کے ساتھ گفتگو میں بھی انہوں نے یہی انداز اختیار کیا۔ حضرت انور شاہ کشمیریؒ نے ان کے تمام شکوک وشبہات اور اعتراضات کو بڑے صبر وسکون کے ساتھ سنا اور اس کے جواب میں ایسی جامع اور مدلل تقریر کی کہ ان دونوں مسائل کے بارے میں ڈاکٹر اقبالؒ کو مکمل طور پر اطمینان ہو گیا اور ان مسائل کے بارے میں اگر کوئی خلش ان کے دل ودماغ میں تھی تو وہ جاتی رہی۔ چنانچہ اس کے بعد انہوں نے عقیدۂ ختم نبوت کے بارے میں وہ لیکچر تیار کیا جو ان کے چھ لیکچرز کے مجموعے میں شامل ہے۔ انہوں نے قادیانیت پر وہ حقیقت افروز مقالہ سپرد قلم کیا کہ جس نے انگریزی اخبارات میں شائع ہو کر پنجاب کی فضا میں تلاطم برپا کر دیا۔ (روزنامہ پاکستان، ۲۱ر جنبر ۲۰۰۰ء از چوہدری اصغر علی کوثر وڑائچ)

چشم نرگس سے کوئی حال چمن کا پوچھے
دیکھتے دیکھتے کیا کیا گل خنداں نہ رہے

اقبالؒ کو امام کشمیریؒ کا تحفہ:

حکیم الامت حضرت اقبالؒ اگرچہ فلسفے پر خود پورا عبور رکھتے تھے اور اسی مضمون میں انہوں نے ایم اے بھی کیا تھا۔ پھر اسلامیات کا بھی وسیع مطالعہ رکھتے تھے، جس کا

اندازہ ان کی شاعری، خطبات اور دیگر تصانیف سے بھی ہوتا ہے لیکن بایں ہمہ انہوں نے Reconstruction of Religious Thoughts کے عنوان سے انگریزی زبان میں جو 6 لیکچرز تیار کیے، ان میں علامہ کشمیریؒ سے خاطر خواہ مدد لی۔ ''حدوث عالم'' پر علامہ انور شاہ کا منظوم رسالہ اگرچہ بہت مختصر ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ رسالہ ''حدوث عالم'' کے موضوع پر قدیم وجدید فلسفہ اور اس پر جامع تنقید کا نچوڑ ہے۔ یہ رسالہ جب چھپا تو علامہ انور شاہ نے اس کا ایک نسخہ بدست مولانا سعید احمد اکبر آبادی تحفۃً ڈاکٹر اقبالؒ کو بھی ارسال فرمایا۔

چنانچہ علامہ اقبالؒ نے پڑھنے کے بعد مولانا سعید احمد اکبر آبادی سے کہا میں مولانا انور شاہ کا رسالہ پڑھ کر دنگ رہ گیا ہوں کہ رات دن قال اللہ وقال الرسول سے واسطہ رکھنے کے باوجود فلسفہ میں بھی ان کو اس درجہ درک وبصیرت ہے اور اس کے مسائل پر وہ اس قدر گہری نگاہ رکھتے ہیں کہ حدوث عالم پر اس رسالے میں انہوں نے جو کچھ لکھ دیا ہے اس کی توقع تو یورپ کے بڑے سے بڑے فلسفی سے بھی نہیں کی جا سکتی۔

مولانا سعید احمد اکبر آبادی ان دنوں بطور طالب علم لاہور میں مقیم تھے اور علامہ اقبالؒ کو اس کا علم تھا۔ علامہ اقبالؒ یہ بھی جانتے تھے کہ علامہ انور شاہؒ سے بھی مولانا سعید احمد اکبر آبادی کی گہری ارادت تھی، اس لئے انہوں نے چار شعروں پر نشان لگا کر یہ رسالہ ان کے سپرد کیا کہ جب بھی آپ کی ملاقات علامہ انور شاہؒ سے ہو تو ان سے کہیے گا کہ ان چار اشعار کا مفہوم مجھے سمجھ نہیں آیا۔ آپ بتا دیجئے کہ ان کا مطلب کیا ہے۔ مگر علامہ انور شاہؒ نے رسالہ لے کر مولانا سعید احمد کو کہنے کے بجائے ان اشعار کے مفہوم کے بارے میں ڈاکٹر اقبال کو فارسی میں ایک طویل خط لکھا۔ یہ خط مولانا سعید احمد ہی لے کر آئے اور ڈاکٹر اقبالؒ کو دیا۔ (روزنامہ پاکستان، ۲۱ر جنبر ۲۰۰۰ء، از قلم چوہدری اصغر علی کوثر وڑائچ)

اے دل ! تمام نفع ہے سودائے عشق میں :

حضرت شاہ صاحبؒ کی پوری سوانح پڑھ جایئے، ختم نبوت کے حوالے سے اُن کے معرکوں کی گونج تاریخ کے صفحات میں سُنی جائے گی۔ تردید قادیانیت کے سلسلہ میں اُن کے مجاہدانہ کردار کے قصے لوگوں کی زبان پر رہیں گے۔ اُن کے عشقِ رسول کی داستان ضرب الامثال بنے گی۔ عشق رسول ہی وہ مقام ہے جہاں عقل کے پَر جلتے ہیں، بڑے بڑے وفادار رفیق پیچھے رہ جاتے ہیں، لیکن شاہ صاحب جیسے لوگ اپنے کام کیے جاتے ہیں اور دوسروں کو بھی تلقین کرتے نظر آتے ہیں ....

اے دل تمام نفع ہے سودائے عشق میں
اک جان کا زیاں ہے سو ایسا زیاں نہیں

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

باب : ۱۰

حضرت امام کشمیریؒ کا سفرِ آخرت

مرگ اک ماندگی کا وقفہ ہے — یعنی آگے چلیں گے دم لے کر

محمد عربی ﷺ کا ارشاد ہے، دل بھی اس طرح زنگ آلود ہو جاتے ہیں جس طرح پانی لگ جانے سے لوہا زنگ آلود ہو جاتا ہے۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! اس زنگ کو دور کس طرح کیا جائے۔ آپ نے فرمایا۔ موت کو یاد رکھیں اور قرآن مجید کی کثرت سے تلاوت کریں۔ یہی وجہ ہے کہ اہل اللہ موت کو ہر وقت یاد رکھتے ہیں اور بعض تو اشتیاق سے اس کے منتظر رہتے ہیں ....

خرم آن روز کہ زیں منزل ویراں بردم
راحت جان طلبم و زپئے جانان بردم

ربِ ذوالجلال کے نیک بندوں نے اس عارضی زندگی کو ایک آزمائش ایک امتحان اور دیدار الٰہی کے حصول کا ایک ذریعہ سمجھا اور وصالِ دوست اور دیدارِ دوست کی آرزو میں تڑپنا اپنا معمول بنا لیا۔ موت اُن کے لئے اذیت نہ تھی بلکہ ملاقات دوست کا پیغام اور مژدہ سنانے کا باعث تھی۔ اس لئے وہ موت کی طلب میں بے قرار رہتے تھے، جنگِ یرموک کے دوران سب سے پہلے ایک مجاہد سپہ سالار فوج کی خدمت میں حاضر ہوا عرض کیا ....

اے بوعبیدہ! رخصت پیکار دے مجھے
لبریز ہوگیا میرے صبر و سکوں کا جام
بے تاب ہوگیا ہوں فراق رسول ﷺ میں
اک دم کی زندگی بھی محبت میں ہے حرام

موت کا ایسا اشتیاق بارگاہ رب ذوالجلال میں باریابی کا ایسا یقین اور رحمت خداوندی کی ایسی طلب ہی ایمان کی علامت اور نشانی ہے۔ اللہ کے محبوب بندوں نے اس عارضی زندگی اور رنگ و بو کی فانی بستی میں کبھی دل نہیں لگایا اور سفر آخرت پر روانگی سے کبھی پہلو تہی نہیں کی۔ وہ ہمیشہ یہی کہتے رہے ہیں

دیکھ لینے کو تیرے سانس لگا رکھا ہے
ورنہ بیمار غم ہجر میں کیا رکھا ہے

ہمیں موت کیوں کڑوی لگتی ہے۔ ہمارے مزاج میں خرابی کیوں آ گئی ہے۔ درحقیقت ہم دنیا سے دل لگا بیٹھے ہیں، موت و حیات کے بارے میں ہمارا تصور غلط ہے۔ ہمیں ہمارے محبوب ﷺ نے تو چودہ سو سال قبل بتلا دیا ہے کہ ہم دنیا میں مسافر ہیں اور مسافر بھی ایسے جو گھڑی دو گھڑی کیلئے کسی سایہ دار درخت کے نیچے آرام کرے اور پھر اپنی منزل کو روانہ ہو جائے۔ حضرت امام کشمیریؒ کا جب وقت آخر آیا تو گریہ و خشیت الٰہی کے آثار آپ پر نمایاں تھے، جو ساتھی ملتا اُس سے فرماتے بھائی ہماری آپ سے آخری ملاقات ہے۔ اکثر گھر میں فرماتے، پیر کے روز مجھے سفر کرنا ہے، کس جگہ جانا ہے، اس کا تعین نہ فرماتے۔

حضرت امام کشمیریؒ کی علالت :

حضرت امام کشمیریؒ کے فرزند جناب مولانا انظر شاہ کشمیری حضرتؒ کی بیماری اور سفر آخرت کے لمحات بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں :

ڈابھیل کے زمانہ قیام میں پرانے مرض ''بواسیر خونی'' کا غلبہ ہوا۔ اس میں بڑا دخل گجرات کی آب و ہوا کی ناموافقت کو تھا۔ یہی وہ زمانہ ہے کہ مرض آہستہ آہستہ بڑھتا

گیا۔ قویٰ پر ضعف غالب آ گیا، بھوک ختم ہو گئی۔ بیماری کی شدت ہوئی تو آپ ڈابھیل سے رخصت لے کر دیوبند تشریف لے آئے۔ مکان پر علاج و معالجہ جاری رہا۔ دہلی کے مشہور معالج حکیم نابینا صاحب، حکیم محمد احمد صاحب اور ڈاکٹر انصاری صاحب علاج کرتے رہے۔ خود آپ کے برادر نسبتی حکیم سید محفوظ علی صاحب تجربہ کار طبیب تھے۔ تن دہی سے تدابیر صحت کر رہے تھے، لیکن مرض کا یہ عالم تھا کہ بڑی مقدار میں خون اجابت کے ساتھ خارج ہوتا۔

شفیق باپ کی شفقت کا آخری مظاہرہ :

۲ ر صفر ۱۳۵۲ھ بروز اتوار عصر سے کچھ پہلے قضائے حاجت کے لئے تشریف لے گئے۔ خون بڑی مقدار میں جسم سے خارج ہو گیا۔ عصر کے بعد دارالعلوم دیوبند کا ایک ہجوم مزاج پُرسی کے لئے آیا۔ میری عمر اس وقت چار یا ساڑھے چار سال کی تھی۔ اتفاقاً اس دن آماس گلو کا مرض لاحق تھا۔ خوب یاد ہے۔ والدہ مرحومہ نے اشارہ فرمایا کہ والد کی خدمت میں پہنچ کر دم کرالوں۔ خدا تعالیٰ نے آپ کے دم میں خاص تاثیر عنایت کی تھی۔ چنانچہ دم کرایا گیا، شفا نصیب ہوئی۔ ایک یتیم ہونے والے بچے کے لئے شفیق باپ کی شفقت کا یہ آخری مظاہرہ تھا۔ مغرب کی اذان پر مہتمم صاحب اور طلبا قریب ہی مسجد میں نماز مغرب ادا کرنے کے لئے گئے۔ آپ نے چارپائی پر مغرب کی نماز ادا فرمائی۔

چوں قضا آید طبیب ابلہ شود :

عصر و مغرب کے درمیان بیماری کی شدت بڑھتی رہی، بلکہ مغرب کے بعد سے نزع کی کیفیات طاری ہو گئیں، لیکن ہوش و حواس کی سلامتی اور مکمل تیقظ و بیداری کی وجہ سے آنے جانے والوں اور گھر کے کسی فرد بلکہ تجربہ کار و حاذق طبیب کو بھی اس کیفیت پر

نزع کا شبہ نہیں ہوا۔ چوں قضا آید طبیب ابلہ شود۔ وقت گزرنے کے ساتھ آپ کی بے چینی بڑھتی جاتی۔ تشنگی کا یہ عالم تھا کہ چند سیکنڈ کے وقفہ سے پانی کی ضرورت محسوس ہوتی، ایک قریبی عزیز محمد سعید مرحوم خدمت کی آخری سعادت سے بہرہ اندوز تھے۔ آپ بڑی بے تابی کے ساتھ اُٹھتے، ''بھائی سعید! پانی پلاؤ'' کے مضطربانہ کلمہ سے پانی طلب فرماتے۔ چند گھونٹ پی لیتے اور اسی پانی میں انگلیاں تر فرما کر کبھی چہرہ اور کبھی سینہ پر ملتے۔ حسب معمول حسبنا اللہ پڑھتے ہوئے سیدھے لیٹ جاتے، بے تابی سے اُٹھنا، بے قراری سے لیٹ جانا مسلسل ہوتا۔

علم وکمال کا آفتاب غروب ہوا چاہتا تھا:

یہ رات اپنے منظر کے حساب سے بڑی بھیانک تھی۔ شام سے ہی والدہ کے سر میں شدید درد تھا۔ دنیا ومافیہا سے بے خبر گھر کے ایک گوشے میں لیٹی ہوئی تھی۔ معصوم بچے محو خواب اور بڑوں کے دماغ پر نیند کا خمار۔ کسی کو جگایا بھی جاتا، تو بیداری وخواب کی کشمکش میں نیند کی فتح ہوتی۔ آخری چند گھڑیاں خالہ زاد بھائی محمد سعید اور ان کی والدہ کے ساتھ ہی گزریں۔ رات کی تاریکی بڑھتی جاتی۔ زندگی کے مشرق پر علم وکمال کا آفتاب جہاں تاب جو نصف صدی سے مصروف گردش تھا جس کی روشنی سے علمی کائنات کے ذرے چمک رہے تھے اور جس کی گرمی سے روح گرمی حیات پائے ہوئے تھی' بڑھ کر موت کے مغرب میں چھپا چاہتا تھا۔ ایک تاریکی رات اپنے ساتھ لائی تھی، ایک اندھیرا اس دنیا میں اور پھیلنا چاہتا تھا، جس کے لئے ایک مردِ حق آگاہ کی زندگی اس ناسوتی عالم سے بسرعت اپنا تعلق توڑ رہی تھی۔ شب کے گیارہ بجے پندرہ منٹ اور بڑھے اس پر آدھ گھنٹہ کا اضافہ ہوا، ادھر یہ امیر المؤمنین فی الحدیث موت کے پیہم حملوں سے لاچار ہو کر مصفّٰی وپاکیزہ روح کو قفس

عنصری سے آزاد کر رہا تھا۔

سفید پوشوں کا ہجوم:

میری خالہ کا بیان ہے جن کی زندگی کے ساتھ اسی سال کی طویل صداقت بیانی ایک شاہد عدل کی حیثیت رکھتی ہے کہ میں نے گھر میں جلتے ہوئے چراغ کو پست کیا تو گھر کا پورا صحن سفید پوش انسانوں سے جن کے سروں پر عربی عمامے تھے لبریز ہو گیا۔ کبھی اپنی آنکھوں پر شبہ ہوتا اور کبھی اس منظر پر حیرت ہوتی، کیا یہ دارالعلوم دیوبند کے طلبہ ہیں؟ لیکن آج تو ان کو اندر آنے کی اجازت نہیں، کیا یہ بلند پایہ علماء کا گروہ ہے؟ جنہیں ان کی خصوصیات کی بنا پر اندر آنے کی اجازت مل گئی، لیکن ان کے منور چہرے، عربی طور وطریق میرے تمام تخیلات کو غلط کر دیتے۔ اس خدا کی قسم! جس کے قبضہ میں تمام انسانوں کی جان ہے، نہ میری آنکھیں دیکھنے میں غلطی کر رہی تھیں اور نہ صورت واقعہ کے بیان میں کسی مبالغہ سے کام لیا۔ دیوار پر آویزاں گھنٹہ نے اپنی مانوس آواز میں بارہ بجائے۔ حضرت شاہ صاحبؒ ایک ناقابل گفتنی اضطراب کے ساتھ پلنگ پر اُٹھ بیٹھے۔ ''بھائی مجھے پانی پلا دو'' کانپتے ہاتھوں سے ایک گلاس کو ہونٹوں تک پہنچایا ابتداء میں حسبنا اللہ اور خاتمہ کلمہ توحید کے پاکیزہ ورد پر کیا۔ خود ہی چارپائی پر قبلہ رُخ ہو گئے، وہ مقدس ہجوم جس نے گھر کے ماحول کو لبریز کر رکھا تھا کوئی چیز ہاتھوں میں تھام کر بلند آواز سے کلمہ طیبہ کا ورد کرتا ہوا گھر سے باہر جا رہا ہے۔

کائناتِ علم کا عظیم سانحہ:

میں نے جھک کر دیکھا تو پیشانی پسینہ آلود تھی اور شاہ صاحب مرحوم ساکت وصامت لیٹے ہوئے تھے۔ دنیا میں اندھیرا چھا گیا روشنی گل ہو گئی، علم وکمال کا آفتاب غروب

ہو گیا اور رشد و ہدایت کا چراغ بجھ گیا۔ یہ دو صفر ۱۳۵۲ھ اتوار کا دن ختم ہو کر تین صفر شب پیر تھی۔ تقریباً نصف شب کے وقت کائنات علم کا یہ سانحۂ عظیم پیش آیا۔

انا للہ و انا الیہ راجعون

امام الحدیث کی وفات ہو گئی :

اس سانحہ کی اطلاع فوراً دیوبند میں پھیل گئی۔ دارالعلوم دیوبند جہاں طلبہ گرمی کی رات میں اپنے کمروں سے باہر مصروف خواب تھے۔ نودرہ کی مشہور عمارت کے سامنے ایک بھیانک پُر درد آواز سُنی گئی۔ لوگو تم سو رہے ہو امام الحدیث کی وفات ہو گئی۔ آواز کچھ ایسی زہرہ گداز تھی کہ سونے والے جاگ گئے اور سہمے کے سہمے رہ گئے۔ قاری اصغر علی صاحب ٗحضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کے خصوصی خادم بیان کرتے ہیں کہ اس آواز سے چند منٹ پہلے میں حضرت مدنیؒ کے سر میں مالش سے فارغ ہوا تھا۔ وہ زنان خانے میں تشریف لے گئے۔ ادھر میں اپنے بستر پر دراز ہوا کہ یہ فلک شگاف نعرہ کانوں میں گونجا، میں گھبرا کر اٹھا دیکھا کہ اندر سے مولانا مدنیؒ برہنہ پا و برہنہ سر باہر تشریف لے آئے۔ مجھ پر خوف کا ایسا غلبہ تھا کہ بے اختیار مولانا کی پناہ گاہ میں آ گیا۔ کہتے تھے کہ یہ جنات تھے جو حضرت شاہ صاحبؒ کی وفات پر ماتم کناں ہیں۔ کچھ طلبا نے اس جسم کو دیکھا، جس سے یہ خوفناک آواز نکل رہی تھی۔ اس آواز کو سُن کر طلبہ شاہ صاحبؒ کے گھر پر جمع ہونے لگے۔ تمام رات اہل شہر ٗاکابر دارالعلوم اور طلبہ کی آمد و رفت جاری رہی۔ اس زمانہ میں دیوبند کے پوسٹ آفس میں رات کے وقت تار دینے کا نظم نہیں تھا بلکہ اوقات شب میں دیوبند کے اسٹیشن سے ٹیلی گرام دیا جاتا۔ چنانچہ اطراف ملک میں رات کو اسٹیشن سے تار دیے گئے دہلی، لاہور، امرتسر، لدھیانہ وغیرہ متعلقین کو اس حادثہ کی اطلاع دی گئی۔ صبح تک دیوبند کے

قرب وجوار اور مضافاتی دیہات سے مسلمانوں کی آمد کا یہ عالم تھا کہ رہائشی محلہ انسانوں کا ایک سمندر نظر آتا۔

غسل کی تیاری :

چاشت کا وقت گزرنے کے بعد غسل کی تیاری ہوئی اور مکان کے ایک حصہ میں جسد خاکی منتقل کر دیا گیا۔ دارالعلوم کے بعض حضرات غسل دینے میں شریک ہوئے۔ مولانا عبدالواحد صاحب استاد دارالعلوم دیوبند اور حافظ محمد شریف صاحب پیر جی اس سعادت میں شرکت کر رہے تھے۔ غسل وکفن کے بعد جنازہ گھر میں رکھ دیا گیا۔ دہلی اور پنجاب کے بعض علاقوں سے ٹیلی گرام دیوبند پہنچ چکے تھے، جس میں نماز جنازہ میں شرکت کی خصوصی درخواست کے ساتھ اپنے پہنچنے کی اطلاع بھی دی گئی تھی۔

جنازہ میں جم غفیر :

اس زمانہ میں پنجاب اور دہلی سے آنے والی گاڑی کا دیوبند اسٹیشن پر تین بجے کراس ہوتا، اس لئے مناسب سمجھا گیا کہ جنازہ کی نماز چار بجے کے قریب ہو۔ ظہر کی نماز کے بعد جنازہ کو گھر سے لے جانے کی تیاری ہوئی۔ ہجوم کی بنا پر اور ہر شخص کے اس والہانہ شوق کو دیکھ کر کہ جنازہ کو ہاتھ لگ جائے، جنازہ میں بانس کی بڑی بڑی بلیاں باندھ دی گئی تھیں، اس اہتمام کے باوجود سینکڑوں کاندھا دینے کی سعادت سے محروم رہے اور کثیر تعداد نے اپنے ہاتھوں میں موجود رومالوں کو جنازہ سے چھو کر یہ آخری سعادت حاصل کی۔ ظہر کی نماز کے بعد امام الحدیث کا جنازہ اسی دارالعلوم کے وسیع ترین صحن میں لا کر رکھ دیا گیا، جس کے چمن زار کا یہ ایک شاداب پھول تھا اور جس کی چمن بندی کے لئے اس باغباں نے اپنی حیات مستعار کا نصف حصہ صرف کیا تھا۔ طلبہ کی آنکھوں نے اس پیکر علم کو سبز پوشاک میں

ملبوس دارالعلوم کے احاطے اور اس کی روشوں پر مصروف خرام دیکھا تھا۔ یہاں کے در و دیوار نے "قال اللہ و قال الرسول" کے اس شہید کی نوا نجی گوش ہوش سے سنی تھی۔

دلدوز اور بھیانک منظر :

آج سینکڑوں انسان سفید پوش میت کو اسی دبستان علم کے صحن میں اس طرح دیکھ رہے تھے، جیسے سواج سمندر کی سطح ٹھہر گئی ہو، یہ منظر کتنا دلدوز اور کتنا بھیانک تھا کہ جب مجمع کی کثرت کی بنا پر نودرہ کی عمارت کو ناکافی سمجھتے ہوئے تحتانی دارالحدیث کے تمام دروازے کھول کر جنازہ اس درسگاہ میں لا کر رکھ دیا گیا جہاں سالہا سال صحیح بخاری کے صحیفہ کو اس کوہ علم نے طلبہ کو سمجھایا تھا۔ نصف صدی کی اس اندوہناک تاریخ پر انسانوں کا ہجوم نہیں بلکہ در و دیوار بھی آہ و فغاں کر رہے تھے۔

میاں اصغر حسین نے نمازِ جنازہ پڑھائی :

صفیں سیدھی ہو گئیں اور دارالعلوم دیوبند کے ایک زاہد مرتاض میاں اصغر حسین نماز جنازہ پڑھانے کے لئے آگے آئے۔ اللہ اکبر کا بلند کلمہ کچھ اس انداز میں فضا میں گھل کر سامعین کے دلوں تک پہنچا کہ خدائے واحد کی کبریائی اور اس کے مقابلہ میں انسان کی بے بسی محسوس شکل میں سامنے آئی۔ ہجوم کی کثرت میں عارف باللہ کی گلوگیر آواز کو معلوم کرنا دشوار تھا۔ دارالحدیث کی وہ وسیع عمارت جس میں ایک ہزار کے قریب انسان ہر وقت سما سکتے ہیں بلکہ احاطہ مولسری، احاطہ دفتر اور صدر دروازہ سے باہر سامنے والی شاہراہ پر انسانوں کا ایک عظیم مجمع اشکبار آنکھوں اور سوختہ دلوں کے ساتھ دست بستہ کھڑا ہوا تھا۔ جا بجا مکبّر متعین تھے جن کے دلدوز کلمات شدت غم سے حواس باختہ انسانوں کو چونکاتے۔ آج دیوبند میں ہڑتال تھی۔ ہندو دکانداروں نے بھی اس ماتمی ہڑتال میں حصہ لیا تھا۔ بوڑھے اور

نوجوان شریک نماز تھے۔ بچے اس حسرت انگیز منظر کے تماشائی، عورتیں مکانوں کی چھتوں پر وقف نظارہ تھیں، نماز ختم ہوئی اور جنازہ کو اپنے دوش پر لینے کے لئے مضطرب ہجوم میں ایک نئی کشمکش کا آغاز ہوا۔ یہ امام الحدیث کے پاکیزہ جسم سے اپنے ہاتھ مس کرنے کی آخری سعادت تھی جسے حاصل کرنے کے لئے سب ہی بیقرار تھے۔ جنازہ مدنی گیٹ سے باہر نکلا اور دارالعلوم سے عیدگاہ تک کا وہ فاصلہ جو چند منٹوں میں آسانی سے طے کیا جا سکتا ہے ۲ گھنٹہ سوا گھنٹہ کے طویل وقفہ میں طے ہوا۔ جنازہ قبرستان جاتے ہوئے مرحوم کے رہائشی مکان کے سامنے پہنچا تو مجمع بے قابو ہو گیا۔ اس گھر کی رونق اُجڑ چکی تھی اور جانے والا اپنے ساتھ یہاں کی پوری زندگی لئے جا رہا تھا، اب یہ ایک بیوہ کا مسکن اور چند یتیموں کا اُجڑا ہوا مکان ہی نہیں بلکہ علم و حکمت کا ایک خرابہ اور کمال علمی و عملی کا تباہ آشیانہ تھا، اس محلہ کی غیر مسلم آبادی جس نے بارہا مرحوم کو چلتے پھرتے دیکھا تھا جن کے بوڑھے اور نوجوان بچے اور عورتیں اس فرشتہ صورت انسان کے سامنے آتے ہی اپنے مخصوص انداز میں ہاتھ جوڑتے ہوئے جھک جاتے، آج جنازہ کو گریاں بریاں رخصتی سلام کر رہے تھے۔

شاہ منزل کے دروازہ پر دو معصوم بچے جو شفقت پدری سے تازہ تازہ محروم ہوئے تھے۔ اپنے باپ کے جنازہ کے انتظار میں کھڑے ہوئے تھے۔ ایک کی عمر چار سے پانچ سال تک اور دوسرا سات و آٹھ سال کی عمر کے درمیان۔ ان دونوں میں سے بڑا اکبر شاہ مرحوم عمر کی چودہ بہاریں دیکھنے کے بعد اپنے شفیق باپ کی آغوش میں جا پہنچا اور یہ سیاہ نامہ والد مرحوم کا منثور مرثیہ لکھنے کے لئے ابھی زندہ ہے۔ مولوی سید حسن رضوی نے جو انور یہ لائبریری کے معتمد اور شاہ صاحب مرحوم کے خصوصی خادم ہیں، ان بچوں کو اپنے ساتھ لیا اور جنازہ کے پیچھے چلے شام کے تین اور چار کے درمیان کا وقت تھا کہ جنازہ عیدگاہ کے صحن میں رکھ دیا گیا۔ قبر تیار ہو چکی تھی لیکن پنجاب، دہلی، بجنور، مراد آباد سے آنے والوں کا انتظار کیا

جار ہا تھا۔

بھائی ہمیں یہیں دفن کرنا :

مرحوم پھلوں کے شائق تھے۔ دیو بند کے بیر جو اپنی عمدگی ونفاست کی وجہ سے دور دور شہرت رکھتے ہیں۔ عیدگاہ کے قریب پٹھان کے مشہور باغ تھے۔ بیر کی فصل آتی تو معمولاً بیر کھانے کے لئے ان باغات میں تشریف لے جاتے۔ جہاں آج آپ کا مرقد ہے۔ طلبہ وہیں آپ کے لئے مصلی بچھا دیتے، جس پر بیٹھ کر بیر تناول فرماتے۔ بارہا موجود خدام سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ بھائی ہمیں یہیں دفن کرنا۔

طویل القامہ لحیم وشحیم سفید پوش :

یہ وصیت اور آپ کی دیرینہ خواہش والدہ مرحومہ تک پہنچ چکی تھی۔ وفات کی صبح میں اپنا ایک طلائی زیور فروخت کر کے مرحومہ نے یہ زمین خرید لی اور نامور شوہر کی وصیت کو پورا کرنے کی سعادت ان کے حصہ میں آئی۔ یہ قطعاً غلط ہے کہ دارالعلوم سے اختلاف کی بنا پر مرحوم کے برادر نسبتی حکیم سید محفوظ علی صاحب نے اکابر دارالعلوم کے ساتھ قبرستان قاسمی میں دفن کرنے سے گریز کیا لیکن یہ بھی معلوم نہیں کہ مدفن کے لئے اس زمین کو شاہ صاحب نے کس خصوصیت کی بنا پر انتخاب کیا تھا۔ ہجوم برابر بڑھ رہا تھا اور جن مخصوص حضرات کا انتظار تھا، وہ بھی پہنچ چکے تھے۔ جنازہ لحد میں اُتارنے کے لئے آگے بڑھایا گیا، قرب و جوار میں موجود درختوں پر بھی آدمی چڑھ چکے تھے جس سے بعض تناور درختوں کے تنے ٹوٹ کر گرے لیکن بے قابو ہجوم کو کنٹرول کرنا ممکن نہیں تھا۔ میت قبر پر لا کر رکھی گئی تو ایک طویل القامہ لحیم وشحیم سفید پوش سر سے پاؤں تک چادر میں لپٹا ہوا مجمع کو چیرتا پھاڑتا آگے آیا اور ایک لمبی جست لگا کر جنازہ تک پہنچ گیا۔ وہ چادر جو میت کے اوپر تھی اسے کھینچ کر اس

تیزی سے فرار ہوا کہ ہزاروں انسانوں کا ہجوم اس کے تعاقب میں ناکام رہا۔ چار اور پانچ کے درمیان اس گنجینۂ علوم کو زیر زمین دفن کر دیا گیا۔ مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَ فِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَ مِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى۔

دنیا سے علم اُٹھ جائیگا :

حافظ ابن قیمؒ نے لکھا ہے کہ جب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی میت لحد میں اُتار کر مٹی دی جا رہی تھی تو آپ کے ایک نامور شاگرد آگے بڑھے اور فرمایا کہ: "هٰكَذَا يَذْهَبُ الْعِلْمُ" تشریح اس ارشاد کی خود ان کی زبانی سنئے :

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ دنیا سے علم اُٹھ جائے گا۔

یہ بات سمجھ میں نہیں آتی تھی کہ علم دنیا سے کیونکر اُٹھے گا، لیکن رئیس العلماء ابن عباسؓ کی موت نے بتا دیا کہ دنیا سے علم کے اُٹھنے کی یہ صورت ہو گی۔

علم وکمال کی جیتی جاگتی ہستی دفن کر دی گئی :

عیدگاہ دیوبند کے قریب ایک گوشہ میں وادی لولاب کے کسی ایک انسان کو دفن نہیں کیا گیا بلکہ کمال علم اور کمال عمل کی ایک جیتی جاگتی ہستی دفن کر دی گئی۔ یہ تنہا انور شاہ کی وفات نہیں بلکہ چمنستان علم سے فصل بہار کی رخصت، کمال علم کے پھولوں سے بہجت و شادابی کا خاتمہ، حدیث وتفسیر فقہ وادب معانی وبیان منطق وفلسفہ اور ان تمام علوم کا زوال تھا جو مرحوم کی شخصیت میں مبدأ فیاض کی عنایت سے جمع ہو گئے تھے۔ گردش لیل ونہار کو رہ کے اور امیر المومنین فی الحدیث امام بخاری کی رحلت، حافظ ابن تیمیہ کی موت، ابن حجر عسقلانی کا ارتحال، امام غزالی کا سانحہ، محی الدین ابن عربی کی وفات، فخر رازی کا عالم آب وگل سے سفر، ابن رشد اور جاحظ کا دنیا سے پردہ اور کسائی کے چہرہ پر موت کے آثار، یہ سب منظر

دیکھنے والوں نے اس وقت دیکھے جب امام العصر کی میت کو زیر زمین رکھا جا رہا تھا۔ یہ دنیا اپنی زندگی کے ان گنت سال گذار چکی اور خدا جانے کہ اس کی عمر ابھی کتنی باقی ہے لیکن علم کی محفلیں انور شاہ کو کبھی فراموش نہیں کر سکتیں اور جب تک اس کائنات میں علم و فن' دین و دانش کے زمزمے بلند رہیں گے یہ فرہاد کمال بھی زندہ و پائندہ رہے گا ....

عشق سے ہوں گے جن کے دل آباد
قیس مرحوم کو کریں گے یاد

اخبارات کا ماتم اور دیوبند میں تعزیتی جلسہ :

اگلے روز ہندوستان کے مسلم اخبارات نے سیاہ حاشیوں کے ساتھ علامہ مرحوم کے سانحۂ وفات کی دلدوز خبر شائع کی۔ ظفر علی خان مرحوم کے "زمیندار"۔ غلام رسول مہر کا "انقلاب" بجنور کا اخبار "مدینہ"۔ مولانا مظہر علی کا "الامان" اور دینی علمی رسالے مدتوں اس حادثہ پر ماتم کرتے رہے۔ غیر منقسم ہندوستان کا کوئی مدرسہ ایسا نہ تھا جہاں تعزیتی جلسے کے ساتھ قرآن خوانی نہ ہوئی ہو۔ انجمنوں نے تعزیتی قراردادیں پاس کیں اور ہزاروں کی تعداد میں قرآن ختم کئے گئے۔ ان جلسوں میں تین جلسے تاریخی شہرت کے مالک ہیں۔

علامہ اقبالؒ کا خراجِ تحسین :

سب پہلا جلسہ لاہور کا ہے، جس میں علماء و فضلاء کے ساتھ شاعرِ مشرق ڈاکٹر اقبال مرحوم نے اس شعر کے ساتھ تقریر شروع کی ....

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

فرمایا: "اسلام کی آخری پانچ سو سالہ تاریخ مولانا انور شاہ کشمیریؒ کی نظیر پیش

کرنے سے عاجز ہے۔ ایسا بلند پایہ عالم اور فاضل جلیل اب پیدا نہ ہوگا۔ وہ صرف جامع العلوم قسم کی ایک شخصیت ہی کے مالک نہیں تھے بلکہ عصر حاضر کے دینی تقاضوں پر بھی ان کی پوری نظر تھی۔ میں نے جدید فقہ کی تدوین کے لئے ان کا انتخاب کیا تھا اور اس موضوع پر ان سے گفتگو بھی رہی، جس طرز پر فقہ کی تدوین میرے پیش نظر تھی اس کے لئے مناسب شخصیت ان کے سوا عالم اسلام میں کوئی نہ تھی۔ دیوبند سے علیحدگی کے بعد لاہور کے قیام کی تجویز میں نے ان کے سامنے رکھی، جسے فی الجملہ مرحوم نے قبول بھی کر لیا تھا لیکن اہل گجرات کے اصرار پر آپ ڈابھیل تشریف لے گئے اور وقت کی سب سے بڑی ضرورت کی تکمیل بد قسمتی سے نہیں ہو سکی۔ اب میں مایوس ہوں کہ اس عظیم ترین کام کے لئے کوئی شخصیت موزوں نظر نہیں آتی۔

آج علم کا آفتاب غروب ہوگیا :

دوسرا تعزیتی جلسہ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کا ہے جہاں آپ کے جانشین مولانا شبیر احمد عثمانی نے علماء طلباء اور گجرات کے عام باشندوں کو اپنے ان دلدوز کلمات سے بے چین کر دیا۔ فرمایا کہ "آج علم کا آفتاب غروب ہوگیا اور کمالات کا اُجالا تاریکیوں کی لپیٹ میں ہے۔ حضرت مولانا انور شاہ کشمیری مرحوم کی وفات اسلام کا وہ بڑا حادثہ ہے جس کے نتیجہ میں طلبہ نہیں بلکہ اہل فضل و کمال یتیم ہو گئے۔ طلبہ کے لئے تو الحمد للہ ہم لوگ کافی ہیں لیکن ہماری مشکلاتِ علمی کا حل کرنے والا دنیا سے اُٹھ گیا۔ بلا شبہ آپ کی وفات سے ایک ایسا خلا پیدا ہوگیا جس کا پُر ہونا بہت مشکل ہے۔ عام طور پر دنیا آپ کو بے نظیر قوی الحفظ اور وسیع العلم فاضل کی حیثیت سے جانتی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ آپ کا تعارف ناقص ہے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ کی شخصیت میں علماء متقدمین کے کمالات اس طرح جمع ہو گئے تھے کہ

کمالات انوری کا ہر پہلو فخر روزگار شخصیتوں کا مکمل عکس نظر آتا ہے۔ اس لئے اگر کوئی مجھ سے پوچھے کہ اے شبیر! تم نے ابن حجر عسقلانی کو دیکھا ہے یا ابن دقیق العید سے تمہاری ملاقات ہوئی یا تم کو سلطان العلماء عزالدین بن عبدالسلام کی زیارت کی سعادت نصیب ہے تو میں کہہ سکتا ہوں کہ مجھے ان شخصیتوں سے نیاز کا موقعہ ملا، زمانہ کی گردش کا فرق ہے ورنہ حضرت شاہ صاحب مرحوم اگر قدیم صدیوں میں پیدا ہوئے ہوتے تو کتب سیر وسوانح میں ان کا ذکر انہیں مذکورہ اشخاص کے پہلو بہ پہلو کیا جاتا۔ تشبیہ واستعارہ کی زبان میں حضرت مرحوم کی زیارت متقدمین علماء کی زیارت اور ان سے شرف ہمکلامی ہے۔ اس لئے میرے نزدیک ان کی وفات ابن حجر کا سانحہ ابن دقیق العید کی رحلت اور سلطان العلماء کا دنیا سے اُٹھ جانا ہے۔

مجمع تصویر غم بن گیا:

ڈابھیل کے باشندوں سے سنا ہے کہ مولانا عثمانی کے دردانگیز کلمات نے پورے مجمع کو تصویر غم بنا دیا۔ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل ایک ہفتہ تک بند رہا اور صبح وشام ایصال ثواب کے لئے قرآن خوانی اور کلمہ طیبہ کا ورد ہوتا رہا۔

تیسرا تعزیتی جلسہ وفات سے اگلے دن صبح کو دارالعلوم دیوبند کے دارالحدیث کی وسیع عمارت میں ہوا، جس میں تمام اکابر دارالعلوم دیوبند خصوصاً مولانا حسین احمد مدنیؒ نے تعزیتی تقریر فرمائی۔ تعزیتی جلسہ شروع ہوا تو طلباء دارالعلوم بیقراری سے رو رہے تھے۔ مولانا مدنیؒ نے اشکبار طلبہ سے فرمایا کہ اسلام کی تیرہ سو سالہ تاریخ میں بڑے بڑے حادثے اور اہم شخصیتوں کی وفات کا حادثہ پیش آیا۔ سرور کائنات ﷺ کی وفات اور خلفائے راشدین کی رحلت اسلام پر ایک سانحہ عظیم تھا لیکن اُس وقت بھی صبر سے کام لیا گیا

۔ آپ بھی صبر سے کام لیں۔ بلاشبہ حضرت شاہ صاحب مرحوم کی وفات سے علماء وطلبہ یتیم ہوگئے۔ فضل وکمال، تبحر علمی، وسعت معلومات اور قوت حافظہ میں آپ کی نظیر نہیں تھی، میں نے ہندوستان اور عالم اسلام کے نامور علماء کو دیکھا اور ان سے ملاقات کی ہے لیکن علامہ کشمیری مرحوم کی نظیر کہیں نہیں پائی۔ جلسۂ تعزیت کے اختتام پر ایک صاحب نے فارسی کے تعزیتی اشعار پڑھے تو آپ پر رقت طاری ہوگئی۔ دارالعلوم دیوبند میں تین روز مسلسل قرآن خوانی ہوتی رہی۔ دہلی میں جمعیۃ العلمائے ہند کی جانب سے ایک جلسۂ تعزیت ہوا، جس میں مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب اور مولانا احمد سعید مرحوم نے اس روح فرسا واقعہ پر غم انگیز تقریریں کیں۔ غرض یہ کہ ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں تعزیتی اجلاس، تعزیتی قراردادیں اور قرآن خوانی کا سلسلہ تین مہینہ تک جاری رہا۔

عالِم کی موت عالَم کی موت ہے:

اہل اللہ کی وفات عام انسانوں کی موت نہیں بلکہ جناب رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ "عالِم کی موت عالَم کی موت ہے"۔

یہ واقعہ ہے کہ کسی عالم ربانی کے سانحہ پر انسان ہی ماتم نہیں کرتے بلکہ حدیث سے ثابت ہے کہ زمین وآسمان بھی اس کی موت پر اشکبار ہوتے ہیں۔ حدیث ہی میں تو ہے کہ اہل علم کے لئے کائنات کا ذرہ ذرہ دعا گو رہتا ہے تاآنکہ سمندر کی تہ میں مصروف گردش مچھلیاں بھی۔

وجہ اس کی یہ ہے کہ اہل اللہ کے فیوض سے کائنات کی ہر چیز فائدہ اُٹھاتی ہے۔ آفتاب نکلتا ہے تو اس کی ضو فشانی کے لئے کوئی مخصوص علاقہ نہیں۔ اسی طرح جب وہ غروب کرتا ہے تو تاریکی سب جگہ چھا جاتی ہے تو اہل اللہ اور علماء کے وجود سے پوری دنیا

روشن و منور اور ان کی موت پر پوری دنیا تاریک اور ظلمت ہر طرف محیط۔ خدا تعالیٰ اہل اللہ کی وفات سے پہلے اس پیش آنے والے حادثہ کی اطلاع بھی دے دیتے ہیں۔

آفتاب ٹوٹ کر زمین پر گر پڑا :

چنانچہ آپ کی علالت کا آخری دور گذر رہا تھا تو حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوری کے صاحبزادے نے جو اس وقت دارالعلوم میں طالب علمی کرتے تھے، خواب میں دیکھا کہ آفتاب ٹوٹ کر زمین پر گر پڑا۔ مغرب کی نماز حضرت شاہ صاحبؒ کی خانقاہ کی مسجد میں ادا کی۔ بعد نماز ان صاحبزادے نے اپنا یہ خواب حضرت موصوف کو سنایا، سُن کر فرمایا کہ بھائی کسی بہت بڑے عالم کی وفات ہوگی اور ممکن ہے کہ میری ہی ہو۔

اس خواب کے چند روز بعد ہی مرحوم کا سانحۂ وفات پیش آ گیا۔ بلاشبہ آپ اپنے علم و فضل کے اعتبار سے ایک درخشاں آفتاب تھے اور آپ کا حادثہ آفتاب علم کا ٹوٹ کر گرنا تھا۔ وفات کے بعد متعدد لوگوں نے ایسے خواب دیکھے جو آپ کی مغفرت کاملہ اور نجات کی جانب مشیر ہیں۔

یہ کس کا جنازہ ہے :

مولوی عبدالواحد صاحب نے ایک رات یہ خواب دیکھا کہ ایک جنازہ ہے اور اس کے پیچھے اتنا بڑا ہجوم جسے شمار کرنا بھی ممکن نہیں۔ مخلوق جنازے کے پیچھے دوڑ رہی ہے اور ہجوم بڑھتا ہی جا رہا ہے۔ میں بھی اسی ہجوم میں شریک ہو گیا اور لوگوں سے پوچھا کہ یہ کس کا جنازہ ہے؟ بتایا گیا کہ یہ جناب رسول اکرم ﷺ کا جنازہ ہے جسے لوگ تبرکاً اور حصول برکت کے لئے کاندھا دینے کے لئے دوڑ رہے ہیں۔ میں نے ہجوم سے کہا کہ ذرا ٹھہرو ٹھہرو۔ میں جناب رسول اکرم ﷺ کے چہرۂ انور کی زیارت کرنا چاہتا ہوں، میری

بیقراری پر جنازۂ مبارک زمین پر رکھ دیا گیا اور ہجوم نعش مبارک کے قریب سمٹنے لگا۔ میں نے چہرۂ مبارک سے چادر ہٹائی تو وہ بعینہٖ چہرۂ حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ کا تھا۔

نجات و مغفرت کی بشارت :

اس کے علاوہ مولانا حکیم عبدالرشید صاحب محمود نے حضرت شاہ صاحبؒ کی وفات کے بعد خواب میں دیکھا کہ حضرت مرحوم سبز پوشاک میں ہیں اور بے ریش و بروت۔ حکیم صاحب فرماتے تھے کہ اس خواب کو دیکھ کر مجھے حیرانی و تشویش ہوئی۔ غالباً حضرت تھانویؒ کو خواب لکھ کر بھیجا تو حضرتؒ نے تحریر فرمایا کہ یہ حضرت شاہ صاحبؒ کی نجات و مغفرت اور اہل بہشت میں سے ہونے کی بشارت ہے۔ چونکہ حدیث میں آیا ہے کہ اہل جنت جُرْدٌ مُرْدٌ یعنی بے ریش و بروت ہوں گے جس سے اس طرف اشارہ ہے کہ خدا تعالیٰ بہشت بریں کی لذتوں اور وہاں کی راحتوں سے استفادہ کے لئے شبابی عہد کو لوٹا دیں گے۔ ظاہر ہے کہ ازکار رفتہ بوڑھے کسی آرام دہ ماحول سے بھی فائدہ نہیں اُٹھا سکتے۔ شبابی دور میں نہ صرف یہ کہ قویٰ برسرکار ہوتے ہیں بلکہ اس زمانے کی اُمنگیں انسان کو ہر نعمت سے صحیح استفادہ کا بھرپور موقعہ بھی دیتی ہیں تو یہ خدائے تعالیٰ کی مزید نعمت ہے کہ بہشت سے اور اس کی نعمتوں سے فائدہ اُٹھانے کے لئے قویٰ بھی مناسب عنایت فرمائے۔

مزار اور لوحِ مزار :

عرض کر چکا ہوں کہ آپ کو عیدگاہ دیوبند سے متصل ایک قطعہ زمین میں دفن کیا گیا۔ اس زمین پر آپ کی سب سے پہلی قبر تھی لیکن بہت جلد آپ کی بڑی صاحبزادی عابدہ خاتون وفات پا کر وہیں دفن ہوئیں۔ دیوبند میں آپ کے چند خصوصی معتقدین بھی اسی مقبرہ میں دفن ہیں۔ مجھ سے بڑا بھائی محمد اکبر شاہ مرحوم تیرہ چودہ سال کی عمر میں غریق

رحمت ہو کر اپنے نامی گرامی والد کے قدموں کے نیچے سوتا ہے۔ آپ کے برادر نسبتی حکیم محفوظ علی صاحب، والدہ مرحومہ اور راقم الحروف کی پہلی اہلیہ نجیبہ خاتون بائیں جانب دفن ہیں۔ پورے خاندان کے بڑے چھوٹے اور معصوم بچے تیس پچیس کی تعداد میں ان سب کی قبریں والد مرحوم کے ساتھ ہیں۔ مزار کی داہنی جانب اس ظلوم وجہول نے ان تمناؤں کے ساتھ خالی رکھی ہے کہ رحمتِ حق ایک سراپا عصیان کو اسی مطہر زمین کا پیوند خاک بنائے۔ والامر بید اللّٰہ۔

وفات کے چند روز بعد مولانا حفظ الرحمٰن مرحوم دہلی سے لوح مزار تیار کرا کر لائے جس کا مضمون مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب کا اور کتابت مشہور خطاط محمد یوسف دہلوی کی ہے۔ لوح مزار کا مضمون بھی ایک فاضل روزگار کے قلم کی تراوش ہونے کی وجہ سے اس قابل ہے کہ یہاں نقل کر دیا جائے۔ الفاظ یہ ہیں:

''مرقد مبارک و منور حضرت رئیس الحکماء والمتکلمین، خاتم الفقہاء والمحدثین، شیخ الاسلام مولانا سید محمد انور شاہ کہ بتاریخ ۲ر صفر ۱۳۵۲ھ بوقت نصف شب از دار الفنا بسوئے دار البقاء رحلت فرمود''۔

اس لوح مزار کے ساتھ مسنون خام قبر عیدگاہ کے دامن میں زیارت گاہ خاص و عام اور مرجع اہل علم وکمال ہے۔ مرحوم کی عمر کل ساٹھ سال کی ہوئی۔ (نقش دوام ص ۲۷۴ تا ۲۷۵)

علوم حدیث کے حافظ :

حضرت امام کشمیریؒ کو اکابر علماء و مشائخ اور زعماء نے ان الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا۔

''مولانا محمد انور شاہ مرحوم وسعتِ نظر، قوتِ حافظہ اور کثرتِ حفظ میں اس عہد

میں بے مثال تھے۔ علوم حدیث کے حافظ اور نکتہ شناس، علوم ادب میں بلند پایہ، معقولات میں ماہر، شعر وسخن سے بہرہ مند اور زہد وتقویٰ میں کامل تھے۔ اللہ تعالیٰ انہیں اپنی نوازشوں کی جنت میں ان کا مقام اعلیٰ کرے کہ مرتے دم تک علم ومعرفت کے اس شہید نے قَالَ اللّٰهُ وَ قَالَ الرَّسُوْلُ کا نعرہ بلند کیا''۔ (علامہ سید سلیمان ندوی)

عصر حاضر کا کامل ترین عالم ربانی :

''حضرت شاہ صاحبؒ کی وفات بلاشبہ وقتِ حاضر کے کامل ترین عالم ربانی کی وفات ہے۔ جن کی نظیر مستقبل قریب میں متوقع نہیں۔ طبقہ علماء میں حضرت شاہ صاحب کا تبحر کمال، فضل ورع وتقویٰ جامعیت واستغنا مسلّم تھا۔ موافق ہو یا مخالف ان کے سامنے تسلیم وانقیاد سے گردن جھکا دیتا تھا۔ (مفتی اعظم مفتی کفایت اللہ)

چمنِ ولی اللّٰہی کے ثمردار درخت :

مولانا محمد انور شاہ صاحب چمن ولی اللّٰہی کے ایک بارآور اور ثمر دار درخت تھے جو اپنے گنجان سایہ سے تمام عالم کو مستفید کر رہے تھے اور جس درخت کے شیریں پھلوں سے ایک عالم اپنی گرسنگی کو دور کر رہا تھا۔ حضرت شاہ صاحبؒ ایک فیض جاری کے ایسے سرد اور شیریں چشمہ تھے جس کے پانی کا بہاؤ نہ صرف ہندوستان تک محدود تھا بلکہ تمام عالم اسلامی اس چشمہ سے سیراب ہو رہا تھا۔ اس کا منبع اگرچہ دیوبند میں تھا لیکن اس کا دھارا 'یمن' 'بخارا' 'جاوا' 'مصر' اور 'ترکی' میں پڑتا تھا''۔ (سحبان الہند مولانا احمد سعید دہلوی مرحوم)

انور شاہؒ کے سینے میں کتب خانہ محفوظ ہے :

''میں ایسے حضرات کو بھی جانتا ہوں جن کو ایک لاکھ حدیثیں یاد ہیں اور ایسے حضرات کو بھی جانتا ہوں جن کو صحیحین حفظ یاد ہیں لیکن ایسا عالم کہ کتب خانہ کا کتب خانہ ہی

جس کے سینے میں محفوظ ہو سوائے حضرت مولانا انور شاہ کے کوئی نہیں دیکھا۔

میں نے ہندوستان' حجاز' عراق اور شام وغیرہ ممالکِ اسلامیہ کے علماء وفضلاء سے ملاقات کی اور مسائل علمیہ میں ان سے گفتگو کی لیکن تبحر علمی' وسعت معلومات اور علوم نقلیہ (یعنی قرآن کریم وحدیث رسول اکرمؐ) اور علوم عقلیہ (یعنی فلسفہ' تاریخ اور ہیئت وغیرہ) کے احاطہ میں شاہ صاحبؒ کا کوئی نظیر نہیں پایا"۔ (شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ)

جی چاہتا ہے شاہ صاحب کے چہرے کو دیکھتا رہوں:

☆ "حضرت مولانا انور شاہ صاحبؒ کی نظیر علوم میں خصوصاً علم حدیث میں پیش کرنے سے تمام ایشیا عاجز ہے۔ جی چاہتا ہے کہ شاہ صاحبؒ کے چہرے کو دیکھتا ہی رہوں"۔ (بابائے صحافت مولانا ظفر علی خان مرحوم)

☆ "اس قسم پر کوئی کفارہ نہیں جو اس امر پر کھائی جائے کہ مولانا انور شاہؒ اس زمانے میں بے نظیر عالم ہیں"۔ (امام انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ)

☆ "صحابہؓ کا قافلہ جا رہا تھا' یہ پیچھے رہ گئے تھے"۔

(خطیب العصر رئیس الاحرار سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ)

☆ "شاہ صاحبؒ سلفِ صالحین کا نمونہ ہیں اور علم کا ایک چلتا پھرتا کتب خانہ ہیں"۔ (مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانیؒ)

میں نے کتابوں میں یہ مسئلہ نہیں دیکھا:

☆ "مجھے جب بھی کسی مسئلہ میں کوئی دشواری پیش آتی تو کتب خانہ دارالعلوم کی طرف رجوع کرتا' اگر کوئی چیز مل جاتی تو فبہا ورنہ پھر حضرت شاہ صاحبؒ سے رجوع کرتا۔ شاہ صاحبؒ جو جواب دیتے اُسے آخری اور تحقیقی پاتا اور اگر حضرت شاہ صاحبؒ نے کبھی

یہ فرمایا کہ میں نے کتابوں میں یہ مسئلہ نہیں دیکھا تو مجھے یقین ہو جاتا کہ اب یہ مسئلہ کہیں نہیں ملے گا اور تحقیق کے بعد ایسا ہی ثابت ہوتا"۔ (مولانا سید اصغر حسین دیوبندیؒ)

☆ "اگر مجسم علم کسی کو دیکھنا ہو تو مولانا انور شاہ کو دیکھ لے"۔

(مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹیؒ)

شاہ صاحب کے درجہ کا عالم:

☆ "میں نے شاہ صاحبؒ کے علاوہ اس درجہ کا کوئی عالم نہیں دیکھا جو امام بخاریؒ، حافظ ابن حجرؒ، ابن تیمیہؒ، ابن حزمؒ اور شوکانیؒ وغیرہ کے نظریات پر تنقیدی نظر و محاکمہ کر سکتا ہو اور ان حضرات کی جلالتِ قدر کا پورا لحاظ رکھ کر بحث و تحقیق کا حق ادا کر سکے"۔

(علامہ محدث علی حنبلی مصریؒ)

☆ "علامہ ابن الہمام (صاحب فتح القدیر متوفی ۸۶۱ھ) کے بعد انور شاہؒ کے پایہ کا کوئی دوسرا شخص نہیں ہوا جو متنِ احادیث سے نئے نئے مباحث نکات کے استنباط و استخراج کی اہلیت رکھتا ہو اور یہ وقفہ (شاہ صاحبؒ اور ابن ہمامؒ کے درمیان) کوئی معمولی وقفہ نہیں ہے"۔ (محدث و مفسر علامہ زاہد الکوثریؒ)

☆ سلطنتِ ترکی کے سابق شیخ الاسلام مصطفیٰ صبری نے حضرت شاہ صاحبؒ کی تصنیف "مرقاۃ الطارم" دیکھ کر فرمایا کہ:

"میں نہیں سمجھتا تھا کہ فلسفہ وکلام کے دقائق کا اس انداز سے سمجھنے والا اب بھی کوئی دنیا میں موجود ہے۔ جتنا کچھ آج تک اس موضوع پر لکھا جا چکا ہے اس رسالہ کو اس سب پر ترجیح دیتا ہوں اور اسفار اللہ شیرازیؒ کی ان چار مجلدات کبیرہ پر بھی"۔ (شیخ الاسلام مصطفیٰ صبری)

☆ ''علامہ انور شاہ صاحبؒ متاخرین میں جس پائے کے محدث گذرے ہیں، وہ اونچے اہل علم سے مخفی نہیں۔ حق یہ ہے کہ حدیث کے وسیع و دقیق فن کی مہارت کا جو سلسلۃ الذہب قرونِ اولیٰ سے چلا تھا، موصوف اس کی آخری کڑی تھے اور اب آپ کے بعد پوری دنیائے اسلام میں اس شان کے محدث اور حافظ حدیث کم از کم ہماری معلومات کی حد تک عنقا کے درجے میں ہیں۔ حدیث کو سمجھنے والے، اس پر عمدگی سے کلام کرنے والے اور اس کے مطالب و مفاہیم کو دلنشین پیرائے میں بیان کرنے والے تو بفضلہٖ تعالیٰ اب بھی ہیں لیکن جلیل القدر حفاظِ حدیث کی یہ مخصوص شان کہ صدہا احادیث لفظ بہ لفظ حافظے میں محفوظ ہوں اور بروقت ان کا استحضار بھی ہو۔ علامہ انور شاہ صاحبؒ کے بعد کہیں نظر نہیں آتی''۔

(مولانا عامر عثمانی مرحوم)

☆ ''میں حضرت شاہ صاحبؒ کے یگانہ کمالات اور ان کے تبحر علمی، محیر العقول حافظہ اور فنِ حدیث میں ان کے علوِ مرتبہ نیز ان کی حیرت انگیز وسعتِ نظر سے نہ صرف واقف بلکہ اس کا معتقد ہوں لیکن مجھے ان سے تلمذ کا شرف حاصل نہیں۔ میری واقفیت بالواسطہ اور ان کے تلامذہ کے ذریعہ سے ہے''۔ (مفکرِ ملتِ اسلامیہ مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ)

☆☆☆☆☆☆

باب : ۱۱

دو تاریخی دستاویزات

۱۔ مقدمہ بہاولپور کی تفصیلی رپورٹ

۲۔ علامہ رشید رضا کی آمد پر علماءِ دیوبند کے عقائد، مسلک و منہج پر مفصل خطاب

مقدمۂ بہاولپور کی اجمالی روئیداد

حضرت امام کشمیریؒ کا مقدمۂ بہاولپور میں کردار ایک تاریخی کردار ہے جس کے بعض گوشے مختلف ابواب میں نقل ہوتے آئے ہیں۔ ذیل میں سید محمد ازہر شاہ قیصر کے مرتب کردہ مقدمۂ بہاولپور کی اجمالی رپورٹ نذر قارئین ہے، جس سے تمام تر منظر آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے۔ (ادارہ)

بہاولپور کے تاریخی مقدمہ میں شہادت کے لئے رسول اللہ ﷺ کے جانبدار ہو کر جب حضرت شاہ صاحبؒ تشریف لے گئے۔ احقر حضرت کے ہمراہ تھا۔ مولانا اسعد اللہ صاحب سہارنپوری اور احقر دونوں کو حضرت شاہ صاحبؒ نے مختار مقدمہ بنوایا۔ چنانچہ احقر کو ۱۹ یوم سعادت رفاقت نصیب ہوئی۔ حضرت کو ان ایام میں مرض بواسیر کا دورہ شدید تھا، خون کثرت سے آتا رہا۔ صفرا کا غلبہ ہوگیا تھا، پیاس شدت کی رہتی تھی، ضعف میں قوت اور قوت میں ضعف ہوگیا تھا۔ مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی کا پہلے بیان ہوا۔ ایک دن بیان دوسرے دن جرح ہوئی۔ مولانا مرتضیٰ حسنؒ چاند پوری کا دو دن بیان ہوا، تیسرے دن جرح ہو کر پانچویں دن عدالت کا وقت شروع ہونے سے ایک گھنٹہ بعد تک رہی، پھر حضرت شاہ صاحبؒ کی خدمت میں اطلاع دی گئی، کار سے تشریف لائے، زائرین کا ہجوم تھا۔ ڈسٹرکٹ جج صاحب مرحوم نے نہایت اعلیٰ انتظام فرمایا تھا تاکہ کارروائی سننے والوں کو

وقت کا سامنا کرنا پڑے۔

جب حضرت شاہ صاحبؒ نے کمرۂ عدالت میں قدم مبارک رکھا، تمام حاضرین اُٹھ کھڑے ہوئے، تا آنکہ مرزائی بھی کھڑے ہوئے۔ احقر نے حضرت کے ضعف و نقاہت کے باعث جج صاحب سے عرض کر کے آرام کرسی کا انتظام کروایا تھا کہ حضرت بیٹھ کر بیان دیں گے۔ ہم دونوں کے لئے بھی کرسیاں رکھی ہوئی تھیں لیکن ہمیں تو اوبا کھڑے ہی رہنا تھا اور کام بھی کرنا تھا، اس لئے دونوں کرسیاں اُٹھوادی تھیں۔ کمال یہ کہ مرزائی ہر دو مختاران مدعا علیہ بھی اپنی اپنی کرسیاں اُٹھوا کر زمین پر بیٹھ گئے۔

حضرت کے حکم سے حوالہ جات کتب نکال کر پیش کرنا بھی احقر کے سپرد تھا اور حضرت کی بین کرامت تھی جس عبارت کے متعلق ارشاد فرماتے، احقر فوراً نکال کر پیش کرتا تھا اور حضرت پڑھ کر جج صاحب کو سناتے تھے۔ بیان شروع ہوتے ہی تمام کچہری میں سناٹا چھا گیا تھا، حاضرین ہمہ تن گوش تھے، حضرت کا بیان نہایت سکون واطمینان سے سن رہے تھے، باوجود ضعف کے آواز اتنی بلند ہو جاتی تھی کہ عدالت کے اندر باہر سب کو پورا بیان سنائی دیتا تھا۔ مرزائی لوگ مولانا مرتضیٰ حسن کے بیان میں شور مچاتے تھے لیکن حضرت کے بیان میں سب کی زبانیں گنگ ہوگئی تھیں۔ ایسا منضبط اور اُصولی بیان: لا عین رات ولا اذن سمعت۔

جج صاحب کی آرزو تھی کہ بیان ایسا ہونا چاہئے جس سے مجھے نتیجہ تک پہنچنا آسان ہو جائے کہ کن وجوہ کی بناء پر کسی کی تکفیر کی جاسکتی ہے۔ سو حضرت کا بیان ماشاء اللہ ایسا ہی تھی۔ جج صاحب نہایت محظوظ ہو رہے تھے کہ ان کی مراد بر آئی۔ وہ فرماتے تھے: جزیات منتشرہ کی بھرمار سے کوئی خاص نتیجہ برآمد نہیں ہوتا۔ افسوس ہے کہ "بیانات علماء ربانی" کے نام سے جو کتاب شائع ہوئی ہے، اس میں وہ تفصیلات درج نہیں ہیں۔ نیز جو عبارات اثناء بیان میں تشریحات وتفسیرات کے ساتھ پیش فرمائی جاتی تھیں، وہ بھی پوری

درج نہیں کی گئیں۔ صرف اتنا بیان طبع ہوا جو حضرت شاہ صاحبؒ جج صاحب کو املاء کرواتے تھے۔ اس میں حوالہ جات کی عبارات کا صرف اوّل اور آخری لفظ لے لیا گیا ہے۔ حالانکہ حضرت شاہ صاحبؒ پوری عبارات مع تشریحات وتفسیر سناتے تھے۔ اگر ذرا تکلیف انجمن مؤید الاسلام بہاولپور کے منتظمین گوارا فرماتے یا کم از کم احقر لائل پوری کو حکم فرماتے تو حضرت شاہ صاحبؒ کا پورا مشرح مفصل ومبسوط بیان ۱۶۰ صفحات پر آجاتا۔ اس لئے کہ احقر بھی پورا پورا بیان ساتھ ساتھ لکھتا جاتا تھا۔ فیصلہ مقدمہ پڑھئے، معلوم ہو جائے گا کہ فاضل جج نے اپنے صادق مصدوق فیصلے کا مدار زیادہ تر حضرت شاہ صاحب ہی کے محققانہ بیان پر رکھا ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ کا بیان سننے کے لئے پنجاب، بلوچستان، کراچی اور دیگر دور دراز علاقوں کے علماء وفضلاء ورؤساء اور آفیسران ریاست آئے ہوئے تھے۔

انجمن مؤید اسلام بہاولپور نے جو تمہیدی الفاظ حضرت کے بیان "البیان الازہر" پر لکھے ہیں، ملاحظہ فرمائیے:

"شیخ الاسلام والمسلمین اسوۃ السلف و قدوۃ الخلف حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب کاشمیری قدس اللہ اسرارھم کی بلند ہستی کسی تعارف اور توصیف کی محتاج نہیں۔ آپ کو مرزائی فتنے کے رد واستیصال کی طرف خاص توجہ تھی، حضرت شیخ الجامعہ صاحب کا خط شاہ صاحبؒ کی خدمت میں دیوبند پہنچا تو حضرت ڈابھیل تشریف لے جانے کا ارادہ فرما چکے تھے اور سامان سفر باندھا جا چکا تھا، مگر مقدمہ کی اہمیت کو ملحوظ فرما کر ڈابھیل کی تیاری کو ملتوی فرمایا اور ۱۹ راگست ۱۹۳۲ء کو بہاولپور کی سرزمین کو اپنی تشریف آوری سے مشرف فرمایا۔ حضرت کی رفاقت میں پنجاب کے بعض علماء، مولانا عبد الحنان خطیب آسٹریلیا مسجد

لاہور و ناظم جمعیۃ علماء پنجاب مولانا محمد صاحب لائل پوری فاضل دیوبند'
مولانا محمد زکریا صاحب لدھیانوی وغیرہم بھی تشریف لائے۔
ریاست بہاولپور اور ملحقہ علاقہ کے علماء اور زائرین اس قدر جمع ہوئے
کہ حضرت کی قیام گاہ پر بعض اوقات بیٹھنے کی جگہ نہ ملتی تھی اور زائرین
مصافحہ سے مشرف نہ ہو سکتے تھے"۔

٢٥/اگست ١٩٣٢ء کو حضرتؒ کا بیان شروع ہوا، عدالت کا کمرہ امراء و رؤساءِ ریاست وعلماء کی وجہ سے پُر تھا۔ عدالت کے بیرونی میدان میں دور تک زائرین کا اجتماع تھا۔ باوجود یہ کہ حضرت شاہ صاحبؒ عرصہ سے بیمار تھے اور جسم مبارک بہت ناتواں ہو چکا تھا مگر متواتر پانچ روز تک تقریباً پانچ پانچ گھنٹے یومیہ عدالت میں تشریف لا کر علم وعرفان کا دریا بہاتے رہے۔ مرزائیت کے کفر وارتداد اور دجل وفریب کے تمام پہلو آفتاب نصف النہار کی طرح روشن فرما دیئے۔ حضرت شاہ صاحبؒ کے بیان ساطع البرہان میں مسئلہ ختم نبوت اور مرزا کی ادعاء نبوت ووحی ومدعی نبوت کے کفر وارتداد کے متعلق جس قدر مواد جمع ہے اور ان مسائل وحقائق کی توضیح وتفصیل کے لئے جو ضمنی مباحث موجود ہیں' شاید مرزائی نبوت کے رد میں اتنا علمی ذخیرہ کسی ضخیم کتاب میں یکجا نہیں ملے گا۔

حضرت شاہ صاحبؒ کے بیان پر تبصرہ کرنا خاکسار کے فکر کی رسائی سے باہر ہے، ناظرین بہرہ اندوز ہو کر حضرت شاہ صاحبؒ کے حق میں دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ حضرت مرحوم کے اعلیٰ علیین میں مدارج بلند فرمائیں۔ آمین۔

حضرتؒ کا حافظہ اس وقت قابل دید وشنید تھا، جب حوالہ دیتے' کتاب کھولتے ہی فوراً انگلی مبارک عبارت پر ہوتی' جج صاحب لکھئے ! عبارت یہ ہے، بعض دفعہ احقر کو فرماتے کہ عبارت نکال کر دے تا کہ دکھاؤں۔ بعض دفعہ صفحہ بھی ارشاد فرماتے' بیان بیٹھ کر

فرماتے لیکن حوالہ جات پیش فرماتے وقت کھڑے ہو جاتے۔ "توراۃ شریف" کی بعض آیات عربی الفاظ میں سنائیں اور اپنے دست مبارک سے لکھ کر جج صاحب کو دیں۔ چنانچہ ایک آیت احقر کو یاد ہے :

نابی مقربخ مبحیخ کامرخ یاقیم لخ الوهخ الا وتشماعون ......
نبی من قربک من اخیک کاخیک یقیم لک الهک الیه تسمعون۔

ارشاد فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیٰ نبینا علیہ السلام نے اپنے دست مبارک سے لکھ کر اس آیت کا بنی اسرائیل میں اعلان فرمایا ...... فرمایا: جج صاحب لکھئے ! ہمارا دین متواتر ہے اور دنیا میں کوئی دین متواتر نہیں۔ تواتر کی تعریف بیان فرما کر اس کے اقسام' تواتر اسناد' تواتر طبقہ' تواتر قدر مشترک' تواتر توارث بیان فرمائے۔ فرمایا تواتر کی ایک قسم معنوی بھی ہے اور تواتر کی کسی ایک قسم کا منکر کافر ہے۔

مرزا غلام احمد نے تواتر کے جمیع اقسام کا انکار کیا ہے۔ جرح کے روز جلال دین شمس مرزائی مختار مدعا علیہ نے سوال کیا کہ آپ نے تواتر کے منکر کو کافر کہا ہے' حالانکہ یہ تو ایک اصطلاح ہے جو علماء نے گھڑ رکھی ہے۔ اس کا منکر کیسے کافر ہو سکتا ہے؟

ارشاد فرمایا کہ : تم لوگ مانتے ہو یا نہیں کہ یہ قرآن مجید وہی قرآن ہے جو حضور اکرم ﷺ پر نازل ہوا اور ہم تک محفوظ چلا آیا۔ جلال دین نے کہا ہم مانتے ہیں' فرمایا کہ اس حالت حفاظت کا نام تمہارے ہاں کیا ہے؟ جلال دین نے کہا' "تواتر" فرمایا' اس کا منکر کافر ہو گا یا نہیں؟ مرزائی مختار نے اقرار کیا' فرمایا کہ میں یہی تو کہہ رہا ہوں۔

قادیانی مختار نے سوال کیا کہ امام رازیؒ نے تواتر معنوی کا انکار کیا ہے۔ چنانچہ "فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت" میں بحر العلومؒ نے تصریح کی ہے۔ فرمایا' جج صاحب ! ہمارے پاس "فواتح الرحموت" کتاب موجود نہیں ہے۔ ٣٢ سال

ہوئے میں نے یہ کتاب دیکھی تھی' ان صاحب نے حوالہ دینے میں دھوکا دیا ہے۔ بحر العلوم امام رازیؒ کے متعلق یہ لکھتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا ہے کہ یہ جو حدیث ہے:

لا تجتمع امتی علی الضلالہ ۔ یہ تواتر معنوی کے درجہ کو نہیں پہنچتی، یہ نہیں کہ تواتر معنوی کے حجہ ہونے کا انکار کرتے ہیں۔ چنانچہ جج صاحب نے قادیانی مختار کو حکم دیا کہ اصل عبارت پڑھ کر سنایئے۔ اس نے ذرا تامل کیا تو حضرت شاہ صاحبؒ نے کتاب اس کے ہاتھ سے چھین لی کہ لاؤ میں عبارت سناتا ہوں۔ اس نے کہا کہ میں ہی سنا دیتا ہوں' جب سنایا تو وہی عبارت تھی جو حضرتؒ نے ارشاد فرمائی تھی۔ فرمایا: جج صاحب! یہ صاحب ہمیں مفحم کرنا چاہتے ہیں، لیکن میں چونکہ طالب علم ہوں' دو چار کتابیں دیکھ رکھی ہیں' میں ان سے ان شاء اللہ مفحم نہیں ہونے کا۔

قادیانی مختار نے سوال کیا، آپ نے فرمایا کہ مدعی وحی نبوت واجب القتل ہے تو رسول اللہ ﷺ نے ابن صیاد کو کیوں قتل نہ فرمایا بلکہ فاروق اعظمؓ کو بھی روک دیا۔ فرمایا: جج صاحب لکھئے ابن صیاد نابالغ تھا اور نابالغ کو شریعت میں قتل نہیں کیا جاتا۔

سوال: آپ نے فرمایا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں مسیلمہ کذاب کے دو قاصد آئے۔ حضور ﷺ نے ان سے دریافت فرمایا کہ تم بھی مسیلمہ کا عقیدہ مانتے ہو؟ انہوں اثبات میں جواب دیا، تو فرمایا کہ اگر یہ بات نہ ہوتی کہ قاصدوں کو قتل نہیں کیا جاتا تو تم دونوں کو قتل کرتا۔ اب سوال یہ ہے کہ حضور ﷺ نے رواج کا اتباع کیا؟

فرمایا کہ نبی کریم ﷺ کا یہ فرمانا کہ قاصدوں کو قتل نہیں کیا جاتا' یہ بجائے خود تشریعی حکم ہے۔ نبی رواج کا متبع نہیں ہوتا بلکہ حکم خداوندی کا متبع ہوتا ہے۔

حضرتؒ کی قیامگاہ پر زائرین کا ہجوم رہتا تھا۔ ہر وقت کسی نہ کسی موضوع پر تقریر فرماتے رہتے تھے، بہت سے لوگ حضرت سے بیعت بھی ہوئے، رات دن یہی شغل تھا

رات کے ایک بجے تک بیٹھے رہتے، قرآن وحدیث وفقہ، تصوف وغیرہا علوم وفنون کے دقیق دقیق مسائل علماء کرام وصوفیاء عظام دریافت کرتے رہتے۔ ہر ایک کے جواب میں ایسی محقق اور مبسوط تقریر فرماتے۔ گویا ساری عمر اسی میں لگائی ہے۔ ایک عالم دین نے مسئلہ وحدۃ الوجود اور وحدت شہود کے متعلق سوال کیا' بس پھر کیا تھا، تین دن عصر سے مغرب تک اور مغرب سے عشاء تک اسی پر بیان فرماتے رہے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ کی عبارت زبانی سنا رہے ہیں۔ معارف لدنیہ میں یہ فرماتے ہیں، مکتوبات شریفہ میں یہ فرماتے ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ کی یہ تحقیق ہے، عبقات میں شاہ اسماعیل شہیدؒ نے یوں فرمایا' حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن العربیؒ نے فتوحات میں یہ فرمایا ہے۔ نصوص الحکم میں یہ ارشاد ہوتا ہے' حضرت مولانا جامی رحمۃ اللہ تعالی کی نظموں پہ نظمیں وحدۃ الوجود پر طویل پڑھ کر سنا رہے ہیں۔

حضرت مولانا دین پوری نور اللہ مرقدہ بھی مع اپنے خدام کے تشریف فرما رہتے تھے۔ مولانا غلام محمد صاحب گھوٹوی' حضرت مولانا عبداللطیف ناظم مدرسہ مظاہر العلوم' مولانا مرتضی حسن صاحب، حکیم عبدالرشید افسر الاطباء بہاولپور' غرض ہر طبقہ محظوظ ہوتا تھا۔ حضرت ناظم صاحب سہارنپوری بڑی عقیدت کے ساتھ دوزانو سامنے بیٹھے رہتے تھے اور استفادہ فرماتے رہتے تھے۔

مولانا شمس الدین بہاولپوری مرحوم کی کتب خانہ سے معجم کبیر طبرانیؒ کا قلمی نسخہ منگایا۔ حضرت ناظم صاحب لے کر آئے۔ احقر کو حکم فرمایا کہ روزانہ مجھے اس میں سے احادیث نقل کر کے دیا کر' چنانچہ نشان دہی فرمائی جاتی اور احقر کو یہ سعادت نصیب ہوئی۔ فرمایا کہ قلمی کتاب کا پڑھنا مشکل ہوتا ہے' میں آپ کو طریقہ سکھاتا ہوں۔ چنانچہ تھوڑی سی رہنمائی سے احقر نے خوب سمجھ لیا۔ معجم کے اس نسخہ میں کہیں اعراب ونقاط کا نام ونشان بھی

نہیں۔ مولانا مفتی محمد شفیع صاحب اور مولانا محمد مرتضیٰ حسن مرحوم کے بیانات پہلے خود ملاحظہ فرماتے' جگہ جگہ رہنمائی فرماتے' جب خود تسلی فرما لیتے تو کچہری میں جانے دیتے' لیکن خود حضرت کوئی تیاری نہ فرماتے۔ ایک بجے شب تک تو جیسے اوپر گزرا وعظ و تلقین وارشاد و بیان مسائل ہوتا رہتا' صرف ایک گھنٹہ آرام فرماتے۔ دو بجے تہجد کے لئے اُٹھتے' فجر کی نماز تک مراقب رہتے' پاس انفاس میں مشغول رہتے' اول وقت نماز فجر کی امامت خود کرتے' پھر سورج نکلنے تک کچھ پڑھتے رہتے' چائے پی کر موٹر سے کچہری تشریف لے جاتے۔ سات بجے سے ایک بجے تک بیان ہوتا رہتا' ضعف ونقاہت بغایت تھا' لیکن تکان مطلق محسوس نہ فرماتے۔ تمام رفقاء سفر و دیگر علماء کا خوب اہتمام سے تفقد فرماتے رہتے' مجلس مشاورت میں خاص خاص علماء کو شامل فرماتے۔ احقر پر اتنی نوازشات و عنایات کی بارش ہوتی رہتی تھی کہ بیان سے باہر ہے۔ احقر نے قادیانیوں کی کتب سے بعض نئی باتیں نکال کر پیش کیں' بہت خوش ہوئے اور بار بار علماء کو بلا کر دکھاتے۔ جب تک احقر مجلس مشاورت میں حاضر نہ ہوتا' بات شروع نہ فرماتے۔ تخلیہ میں بھی مشورہ فرماتے اور باصرار فرماتے کہ تیری اس میں کیا رائے ہے۔

بہاولپور شہر میں جامع مسجد و دیگر مقامات پر قادیانیت کے خلاف تقریر کرنے کے لئے علماء کو بھیجتے رہتے تھے۔ دو دفعہ احقر کو بھی بھیجا' ان ایام میں اس قدر حضرتؒ کے چہرۂ مبارک پر انوار کی بارش ہوتی رہتی تھی کہ ہر شخص اس کو محسوس کرتا تھا۔ احقر نے بارہا دیکھا کہ اندھیرے کمرے میں مراقبہ فرما رہے ہیں' لیکن روشنی ایسی جیسے بجلی کے قمقمے روشن ہوں' حالانکہ اس وقت بجلی گل ہوتی تھی۔

بہاول پور جامع مسجد میں جمعہ کی نماز حضرت اقدسؒ پڑھایا کرتے تھے' بعد نماز کچھ بیان بھی ہوتا تھا' ہزاروں ہزار کا مجمع رہتا تھا۔ پہلے جمعہ میں فرمایا کہ :

''حضرات ! میں نے ڈابھیل جانے کے لئے سامان سفر باندھ لیا تھا کہ یکایک مولانا غلام محمد صاحب شیخ الجامعہ کا خط دیوبند موصول ہوا کہ شہادت دینے کے لئے بہاولپور آیئے۔ چنانچہ اس عاجز نے ڈابھیل کا سفر ملتوی کیا اور بہاولپور کا سفر کیا۔ یہ خیال کیا کہ ہمارا نامۂ اعمال تو سیاہ ہے ہی' شاید یہی بات میری نجات کا باعث بن جائے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کا جانبدار ہو کر بہاولپور میں آیا تھا''۔

بس اس فرمانے پر تمام مسجد میں چیخ و پکار پڑ گئی' لوگ دھاڑیں مار مار کر اور پھوٹ پھوٹ کر رو رہے تھے' خود حضرت پر ایک عجیب کیفیت وجد طاری تھی۔ ایک مولوی صاحب نے اختتام وعظ پر فرمایا کہ شاہ صاحبؒ کی شان ایسی ہے اور آپ ایسے بزرگ ہیں' وغیرہ: حضرت فوراً کھڑے ہو گئے' فرمایا: حضرات! ان صاحب نے غلط کہا ہے' ہم ایسے نہیں ہیں بلکہ ہمیں تو یہ بات یقین کے درجہ کو پہنچ گئی ہے کہ :

''ہم سے گلی کا کتا بھی اچھا ہے' ہم اس سے گئے گزرے ہیں''۔

سبحان اللہ! انکسار اور تواضع کی حد ہو گئی۔

لاہور اسی سفر کے سلسلہ میں دو روز قیام فرمایا تھا۔ آسٹریلین بلڈنگ کی مسجد میں بعد نماز فجر وعظ فرمایا: علماء و فضلاء عوام و خواص بالخصوص ڈاکٹر محمد اقبال اور ان کے ساتھی اہتمام سے حاضر ہوتے تھے۔ بیان ہوتا تھا: ''اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو' مالک تعالیٰ سے علاقہ پیدا کرو''۔ غرض حضرت نے خطبہ شروع فرمایا: الحمد للہ نحمدہٗ و نستعینہ الخ' وعظ کرسی پر بیٹھ کر فرما رہے تھے' احقر کے دل میں وسوسہ سا گزرا کہ مسجد میں تو شاید کرسی بچھانا سوئے ادب ہو۔ حضرت نے فوراً خطبہ بند کر دیا۔ فرمایا کہ مسجد میں کرسی بچھانا نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے۔ چنانچہ ''مسلم شریف'' میں روایت ہے کہ ایک سائل کے جواب دینے کے

لیے حضور ﷺ کے لئے مدینہ کے بازار سے کرسی لائی گئی۔ راوی کہتا ہے کہ اس کرسی کے پائے سیاہ تھے غالباً لوہے کے تھے مصلے کے قریب رکھی گئی۔ حضور نبی کریم ﷺ نے اسی پر بیٹھ کر جوابات دیئے یہ فرمایا اور پھر خطبہ شروع فرما کر حضرت نے وعظ کیا' احقر ندامت سے پسینہ پسینہ ہوگیا۔

قادیانی مختار نے کہا کہ '' تحذیر الناس '' میں مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے بھی بعد خاتم النبیین نبی کا آنا تجویز کیا ہے۔

فرمایا: جج صاحب لکھیے ! حضرت مولانا محمد قاسمؒ نے اپنے الہامی مضمون میں نبی کریم ﷺ کے خاتم النبیین ہونے کے متعلق دلائل و براہین ساطعہ بیان فرمائے ہیں اور اکثر عبد اللہ بن عباسؓ کی علمی توجیہات فرمائی ہیں۔ ان لوگوں پر حیرت ہے جو '' تحذیر الناس '' کو بغور و بالاستیعاب دیکھتے نہیں۔ اسی رسالہ میں جابجا نبی کریم ﷺ کا خاتم النبیین زمانی ہونا اور اس کا اجماعی عقیدہ ہونا اور اس پر ایمان ہونا ثابت فرمایا ہے۔ رسالہ کے ص ۱۰ کی عبارت' میں آپ کو لکھوانا چاہتا ہوں، حضرت مولانا فرماتے ہیں :

'' سو اگر اطلاق اور عموم ہے تب تو ثبوت خاتمیت زمانی ظاہر ہے' ورنہ تسلیم لزوم خاتمیت زمانی بدلالۃ التزامی ضرور ثابت ہے۔ ادھر تصریحات نبوی مثل انت منی بمنزلہ ھارون من موسی الا انہ لانبی بعدی او کما قال' جو بظاہر بطرز مذکور اسی لفظ خاتم النبیین سے ماخوذ ہے۔ اس بات میں کافی ہے کیونکہ یہ مضمون درجہ تواتر کو پہنچ گیا ہے اور اس پر اجماع بھی منعقد ہوگیا ہے۔ گو یا الفاظ مذکور بسند تواتر منقول نہ ہوں۔ سو یہ عدم تواتر الفاظ باجود تواتر معنوی یہاں ایسا ہی ہوگا، جیسا تواتر اعداد رکعات فرائض و وتر وغیرہ باوجود یہ کہ الفاظ حدیث مشعر تعداد رکعات متواتر

نہیں۔ جیسا کہ اس کا منکر کافر ہے، ایسا ہی اس کا منکر بھی کافر ہوگا''۔

اسی رسالہ کے دوسرے صفحات میں بھی جابجا حضور ﷺ کی خاتمیت زمانی کا اقرار فرمایا ہے۔ نیز مناظرہ عجیبہ جو صرف اسی موضوع پر ہے' نیز آب حیات' قاسم العلوم' انتصار الاسلام وغیرہا کتب مصنفہ حضرت نانوتویؒ دیکھنا چاہئے۔ حضرت مولانا مرحوم حضور ﷺ کے لئے تین طرح کی خاتمیت ثابت فرماتے ہیں۔ ایک بالذات یعنی مرتبہ حضور ﷺ کا خاتمیت ذاتی ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ وصفِ نبوت کے ساتھ موصوف بالذات ہیں اور انبیاءِ کرام علیہم السلام موصوف بالعرض اور آپ کے واسطے سے۔ جیسا کہ عالمِ اسباب میں موصوف بالنور بالذات آفتاب ہے۔ اس کے ذریعے سے تمام کواکب قمر وغیرہ اور دیگر اشیاءِ ارضیہ متصف بالنور' یہی حال وصفِ نبوت کا ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ اس سے متصف بالذات ہیں اور اسی وجہ سے آنحضور ﷺ کو سب سے پہلے نبوت ملی۔

حدیث میں ہے : کنت نبیا و ادم منجدل بین الماء والطین۔

اور دوسرے حضرات انبیاء علیہم السلام حضور ﷺ کے واسطے سے متصف بالنبوۃ ہوئے۔ حدیث میں ارشاد ہے :

''لو کان موسیٰ حیا لما وسعہ الا اتباعی ''۔ اگر موسیٰ زندہ ہوتے تو ان کو بھی میرے اتباع کے بغیر چارہ نہ ہوتا''۔

پارہ نمبر ۳ کے آخری رکوع میں ارشاد ہوتا ہے :

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ۔ (آل عمران ۸۱)

جب اللہ تعالیٰ نے نبیوں سے عہد لیا کہ جو کچھ میں تمہیں کتاب و حکمت دوں پھر تمہارے پاس وہ رسول آئے جو تمہارے پاس کی چیز کو سچ بتائے تو تمہارے لئے اس پر

ایمان لانا اور اس کی مدد کرنا ضروری ہے۔

اس آیت سے صاف واضح ہے کہ نبی کریم محمد مصطفیٰ ﷺ جیسا کہ اس اُمت کے رسول ہیں، نبی الانبیاء بھی ہیں، تمام انبیاء علیہم السلام کی جماعت کو ایک طرف رکھا گیا اور نبی کریم ﷺ کو ایک طرف' اور سب سے حضور ﷺ پر ایمان لانے اور مدد کرنے کا عہد و پیمان لیا گیا۔ آیت میں ثم جاءکم، فرما کر تصریح فرمادی گئی کہ حضور ﷺ کا زمانہ ظہور سب سے آخر میں ہوگا ....

آیت میثاق در روئے ثم ہست　　　ایں ہمہ از مقتضائے ختم ہست

ثم عربی زبان میں تراخی کے لئے آتا ہے۔ اسی واسطے علی فترۃ من الرسل الآیۃ۔ فرمایا: حدیث میں ہے: انا دعوۃ ابی ابراهیم ۔ میں اپنے باپ حضرت ابراہیم کی دعا ہوں' تمام انبیاء علیہم السلام حضور ﷺ کی تشریف آوری کی بشارت دیتے آئے۔ چنانچہ ''توراۃ شریف'' ''انجیل شریف'' و دیگر صحف میں باوجود تحریف لفظی و معنوی ہوجانے کے اب بھی متعدد آیات موجود ہیں جو حضور ﷺ کی خاتمیت اور افضلیت کا پتہ دیتی ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دوبارہ تشریف لا کر اتباع شریعت محمدیہ کرنا اسی فضیلت اور خاتمیت کا عملی مظاہرہ ہوگا۔ لیلۃ المعراج میں انبیاء علیہم السلام کا صف بندی کر کے امام کا منتظر رہنا اور حضور ﷺ کا امامت کرنا بھی اسی کی طرف مشیر ہے کہ لیلۃ المعراج میں انبیاء علیہم السلام کا اجتماع حضور ﷺ کے ساتھ ہوا اور ابن حبیب عبداللہ ابن عباسؓ سے راوی ہیں کہ یہ آیت لیلۃ المعراج میں نازل ہوئی۔ (اتقان) اور انا خطیبهم اذا انصتوا اور احادیث شفاعت بھی اسی فضیلت محمدیہ کا اعلان کرتی ہیں۔

معلوم ہوا کہ حضور ﷺ پر نبوت کا اختتام ہوا اور پہلے انبیاء علیہم السلام میں سے کسی نہ کسی کا زندہ رہنا ضروری تھا، تا کہ بطور نمائندہ سب کی جانب سے حضور ﷺ کے

دین کی نصرت کریں۔ چنانچہ عیسیٰ علیہ السلام کا انتخاب ہوا' اس لئے کہ آپ انبیاء بنی اسرائیل کے خاتم ہیں اور سلسلہ اسحاقی اور اسماعیلی کو جوڑ دینا منظور ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے تین اُمور کا اعلان فرمایا:

۱۔ یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ۔ (الصف:۵)

''اے بنی اسرائیل! میں فقط تمہاری طرف مبعوث ہوکر آیا ہوں''۔

۲۔ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ (الصف:۵)

''مجھ سے پہلے کی کتاب تورات کی میں تصدیق کرنے والا ہوں''۔

۳۔ وَ مُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْ بَعْدِی اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ۔ (الصف:۵)

''میں ایک عظیم الشان رسول برحق کی خوشخبری سنانے آیا ہوں جو میرے بعد مبعوث ہوں گے ان کا نام احمد ہے''۔

قرآن عزیز اعلان کرتا ہے کہ وہ رسول برحق جن کے متعلق عالم ارواح میں انبیاء علیہم السلام سے عہد و پیمان ہوا' اور بشارات دی گئی تھیں، آچکا۔

جاء الحق و صدق المرسلین۔

حدیث شریف میں ہے:

(۱) انی اولی الناس بعیسی بن مریم . الحدیث ۔ مجھے زیادہ قرب ہے عیسیٰ علیہ السلام سے بہ نسبت تمام لوگوں کے اور بلا شبہ وہ نزول فرمائیں گے''۔

انبیاء بنی اسرائیل کے آخری نبی اولوالعزم کا خاتم النبیین علی الاطلاق کے دین کی نصرت کے لئے تشریف لانا اور شریعت محمدیہ پر عمل فرمانا، حضور ﷺ کے افضل الانبیاء اور خاتم الانبیاء ہونے کا عملی مظاہرہ ہے۔ فضیلت محمدیہ کو دنیا پر واشگاف کر دینا منظور ہے۔

آپ کا حضور اکرم ﷺ کے زمانہ میں تشریف لانا ایسا ہی ہے جیسے ایک نبی دوسرے نبی کے علاقہ میں چلا جائے۔ چنانچہ حضرت یعقوبؑ حضرت یوسف علیہ السلام کے علاقہ میں

تشریف لے گئے تھے' جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام دوبارہ تشریف لائیں گے تو نبی ہی ہوں گے لیکن بہ حیثیت حکما عدلاً تشریف آوری ہوگی۔ بطور تجمعت فرمانے کے تشریف آوری ہوگی۔ روایات سے پتہ چلتا ہے کہ قرب قیامت میں عیسائی اقوام کی مسلمانوں سے مڈبھیڑ رہے گی۔ لہٰذا اہل کتاب کی اصلاح کے لئے تشریف لائیں گے۔ ثالث وہی ہوتا ہے جو ہر دو فریق کے نزدیک مسلم ہو۔ ہماری کتابیں " عقیدة الاسلام "'' تحیة الاسلام'' ''التصریح بما تواتر فی نزول المسیح '' اس بات میں دیکھنا چاہئے۔

دوم خاتمیت زمانی' یعنی آپ کا زمانۂ نبوت اس عالم مشاہدہ میں تمام انبیاء علیہم السلام کے آخر میں ہے۔ آپ کے بعد کسی کو نبوت کی تفویض نہ ہوگی۔ ابی بن کعبؓ سے مرفوعاً روایت ہے :

بدئی بی الخلق و کنت اخرھم فی البعث' و اخرج جماعه عن الحسن عن ابی هریرة مرفوعاً کنت اوّل النبیین فی الخلق و اخرھم فی البعث . (''کذا فی روح المعانی'' ص ۱۱ ج ۷)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام آنحضور ﷺ سے پہلے نبی بنائے جا چکے ہیں۔ نزول عیسیٰ علیہ السلام کا عقیدہ اسلام کا اجماعی اور متواتر عقیدہ ہے۔

مرزا غلام احمد نے اجماع کو حجت مانا ہے۔ چہ جائیکہ تمام اُمتِ محمدیہ کے تواتر سے ثابت شدہ عقیدہ (تریاق القلوب) حضرت نانوتویؒ نے تیسری خاتمیت مکانیہ ثابت فرمائی ہے یعنی وہ زمین جس میں نبی کریم ﷺ جلوہ افروز ہوئے۔ وہ تمام زمینوں میں بالاتر اور آخری ہے اور اس کے اوپر کوئی زمین نہیں' اس کو بدلائل ثابت فرمایا ہے۔

قادیانی مختار مقدمہ نے سوال کیا کہ امام مالکؒ سے منقول ہے کہ وہ عیسیٰ علیہ السلام کی موت کے قائل ہیں۔ احقر نے فرمایا کہ ابی کی شرح ''مسلم شریف'' نکالو چنانچہ ص

۲۲۶' ج ۱ مطبوعہ مصر سے ذیل کی عبارت پڑھ کر سنائی :

''وفی العتبه قال مالک بینا الناس قیام یستمعون لاقامه الصلوٰة فتغاشیهم غمامه فاذا عیسٰی قد نزل الخ ''۔

عتبہ میں ہے کہ امام مالکؒ نے فرمایا: '' درآنحالیکہ لوگ کھڑے نماز کی اقامت سن رہے ہوں کہ اچانک ان کو ایک بادل ڈھانپ لے گا' یکایک حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں گے''۔

امام مالکؒ کا بھی وہی عقیدہ ہے جو ساری اُمتِ محمدیہ کا اجماعی اور متواترہ عقیدہ ہے۔ ہم نے تتبع کیا ہے کوئی تیس اکتیس صحابہؓ احادیثِ نزول عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے راوی ہیں۔ تابعین کا تو احصاء بھی مشکل ہے۔ امام ترمذیؒ نے پندرہ صحابہؓ گنوائے ہیں' ہم نے مزید پندرہ (۱۵) کا اضافہ کیا۔ چنانچہ ''مسند احمد'' و ''کنز العمال'' و دیگر کتب حدیث کا مطالعہ کرنے والوں سے مخفی نہیں۔ ہمارا رسالہ '' التصریح بما تواتر فی نزول المسیح '' مطالعہ کیا جائے۔

قادیانی نے سوال کیا کہ علماءِ بریلوی' علماءِ دیوبند پر کفر کا فتویٰ دے رہے ہیں اور علماءِ دیوبند بریلوی پر۔

ارشاد فرمایا کہ جج صاحب ! احقر بطور وکیل تمام جماعت دیوبند کی جانب سے گزارش کرتا ہے کہ حضرات دیوبند ان کی تکفیر نہیں کرتے۔ اہل سنت والجماعت اور مرزائی مذہب والوں میں قانون کا اختلاف ہے' علماءِ دیوبند اور علماءِ بریلوی میں واقعات کا اختلاف ہے' قانون کا نہیں۔ چنانچہ فقہاءِ حنفیہؒ نے تصریحات فرمائی ہیں کہ اگر کوئی مسلمان کلمۂ کفر کسی شبہ کی بناء پر کہتا ہے تو اس کی تکفیر نہ کی جائے گی۔ دیکھو '' رد المختار'' و '' بحر الرائق''۔

(مضمون: مولانا محمد انوری از حیات انور ص ۲۳۱ تا ۲۳۶ مرتبہ سید محمد ازہر شاہ قیصر)

حضرت امام کشمیریؒ کی صاحبِ ''المنار'' علامہ رشید رضا کی دیوبند آمد پر تقریر

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔

الحمد للہ کفیٰ و سلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ . اما بعد !

السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ !

آج کی اس تقریب کا پسِ منظر و پیش منظر حاضرین کے علم میں ہے، جیسا کہ معلوم ہے کہ ہمارے مہمانِ مکرم ''علامہ رشید رضا'' خوش قسمتی سے ہمارے درمیان تشریف رکھتے ہیں۔ آپ قاہرہ کی ممتاز شخصیت، عالمِ اسلام کی نمایاں ہستی ہیں اور آپ کی ذات گرامی سے جدید وقدیم تصورات کی تاریخ وابستہ ہے۔ آپ کی گوناگوں شخصیت اور مرقع علم ودانش کسی طویل تعارف کا محتاج نہیں اور وقت بھی مختصر ہے۔ اس لئے میں کسی طویل تمہید کے بغیر اس وقت کے مناسب کچھ عرض کرنے کی جرأت کر رہا ہوں۔

سب سے پہلے میں دارالعلوم دیوبند کے اربابِ حل وعقد کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے مجھے اس وقیع اور پُر تپاک تقریب میں کچھ عرض کرنے کا حکم دیا جس کی تعمیل میں اپنے لئے سعادت باور کرتا ہوں۔

مہمان مکرم کی نجی گفتگو سے مجھے محسوس ہوا کہ وہ دارالعلوم کے مسلک، علوم وفنون

میں اس کے امتیاز، اس کے خصوصی ذوق ومشرب سے چنداں واقف نہیں ہیں جس کی بناپر ان کے لئے یہ حقیقت تقریباً مشتبہ ہے کہ فقہ حنفی کی حدیث سے مطابقت اور حدیث وقرآن کے سرچشموں سے اس فقہ کا استنباط واستخراج کس حد تک صحیح ہے، اس لئے میں ضروری سمجھتا ہوں کہ اسی موضوع کو اپنی گذارشات کا عنوان بنا کر کچھ عرض کروں۔

مولانائے محترم ! آپ کو معلوم ہے کہ ہمارا یہ ملک اور سرزمین وطن یعنی ہندوستان ممالکِ اسلامیہ سے بہت دور واقع ہوا ہے۔ خصوصاً اسلام کے وطنِ اوّل (مکہ معظمہ زادہا اللہ شرفاً) اور وطنِ ثانی (مدینہ منورہ زادہا اللہ شرفاً) سے بُعد مسافت کی بناپر اسلام کے شعائر اس ملک میں دھندلے اور دینی علوم کی شمع فروزاں ہونے کے بجائے یہاں دھیمی رفتار سے نور افگن تھی، الا ما شاء اللہ۔

اس لئے ہماری موجودہ اس جماعت نے جسے ''علمائے دیوبند'' کے نام سے شہرت حاصل ہے۔ ہندوستان میں اسلام اور اُمت مرحومہ کے لئے جو طریق کار ومنہاج متعین کیا اس میں یہ خصوصی حکمت ومصلحت پیشِ نظر رہی کہ یہاں صحیح ومخلصانہ خدمت کے لئے اسلام کے قدیم ہی زوایا ودوائر میں رہ کر کوئی مؤثر ومفید خدمت انجام دی جاسکتی ہے۔ چنانچہ اکابر نے پُرعزم انداز میں اپنا موقف متعین کیا اور اُسی موقف پر گامزن ورواں دواں ہیں۔ اس لئے سب سے پہلے دیوبند اور اکابرِ دیوبند کے باب میں اس نقطۂ نظر کو بقوۃ اپنانے کی ضرورت ہے کہ وہ کوئی تجدد پسند ادارہ نہیں اور نہ قدیم روایات کو شکست وریخت کرنا اس کے منصوبہ کا جزء ہے بلکہ وہ اسلام کو اس کی صحیح شکل وصورت اور حقیقی خدوخال میں نمایاں کرنے کی مبارک ومسعود خدمت کو اپنا دینی فریضہ یقین کرتے ہیں۔ بایں ہمہ اسلام جس حد تک لچک رکھتا ہے اور جس انداز پر مسائل وحوادث میں اس کی قیادت پیش کی جاسکتی ہے علمائے دیوبند اس توسع سے بھی گریز نہیں کرتے، گویا کہ قدامت کے ساتھ وسیع

المشربی، دینی اقدار پر تصلب کے ساتھ توسع ہمارا خصوصی ذوق و ممتاز رجحان ہے۔

جیسا کہ معلوم ہے کہ ہم دینی مسائل و اسلامی نقطۂ نظر میں ہندوستان میں امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم فاروقی دہلوی رحمہم اللہ سے ذہنی و علمی روابط استوار کئے ہوئے ہیں۔ ہمارے امام حضرت شاہ ولی اللہؒ کی تصانیف عالم اسلام کے ہر گوشہ میں پہنچ چکیں اور ان کی مجتہدانہ بصیرت کے مرغزار سب کے لئے دعوت نظارہ ہیں لیکن پھر بھی امام ہمام کے بعض احوال و سوانح ایسے ہیں جو ہم نے اپنے ثقہ اکابر سے سنے اور جو شاہ صاحب کی عام سوانح میں موجود نہیں۔ ان سوانحی نشیب و فراز پر اطلاع کے بغیر شاہ صاحبؒ کی ہمہ گیر شخصیت اور ان کے افکار و نظریات کے گوشے واضح نہیں ہوتے، اس لئے مقصد کو قریب تر کرنے کے لئے میں مجبور ہوں کہ شاہ صاحبؒ کی ابتداء و انتہاء پر کچھ عرض کروں۔

سوانحی خدوخال :

سوانحی خدوخال سے میری مراد نہیں کہ میں حضرت شاہ صاحبؒ کے سن پیدائش یوم ولادت وجائے پیدائش کی غیر ضروری تفصیلات میں آپ کا وقت عزیز و قیمتی لمحات صرف کروں بلکہ میں حضرت شاہ صاحبؒ کی حیات طیبہ کے اس موڑ سے گفتگو کا آغاز کرتا ہوں، جہاں سے قدرت کے فیاض ہاتھوں نے انہیں امامت کے جلیل منصب کیلئے تراش و خراش کیا۔ وہ دور شاہ صاحبؒ کے حصول علم اور علمی مراحل میں تحقیق و ژرف نگاہی کا میمون عہد ہے، انہوں نے ابتدائی علوم اپنے والد ماجد شاہ عبدالرحیم صاحبؒ سے حاصل کئے اور پھر جذبۂ زیارت و شوق تحصیل علوم کے حسین امتزاج میں حرمین شریفین کا سفر اختیار کیا۔ سرزمین حرم پر شیخ ابو طاہر کردی علیہ الرحمۃ سے باقاعدہ حدیث کا درس لیا اور استفادہ کی جدوجہد میں کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا لیکن اس استفادہ میں بھی ان کی جلیل شخصیت و تابناک

مستقبل کے آثار اس طرح ہویدا تھے کہ شیخ ابو طاہر فرماتے کہ :

"شاہ ولی اللہ مجھ سے حدیث کے الفاظ لیتے ہیں جبکہ مطالب و معارف حدیث میں میں خود ان کا تلمیذ ہوں"۔

باکمال استاذ کے اس تاریخی مقولہ کا اس کے سوا اور کیا مطلب ہو سکتا ہے کہ فیاض حقیقی نے جو ذکاوت و ذہانت کی وافر دولت فقاہت اور دقیقہ سنجی کی متاع بے بہا حضرت شاہ ولی اللہؒ کو عنایت فرمائی تھی، اس کے نتیجے میں وہ حدیث کی ایسی دل نشین توجیہ و تشریح پر کامیاب رسائی رکھتے تھے جو شارع علیہ السلام کا حقیقی مقصد ہوتا۔ دو سال کے قیام کے بعد شاہ صاحبؒ اپنے وطن ہندوستان لوٹ آئے۔

ہندوستان کی زبوں حالی اور نکبت و ذلت کے تہ بہ تہ بادل :

یہ وقت تھا کہ ہندوستان ان وجوہ کی بنا پر جن کی جانب میں نے آغاز ہی میں متوجہ کیا تھا یعنی اسلام کے حقیقی سرچشموں سے بُعد و دوری اس سرزمین پر اسلام کو عموماً اور سنت رسول اللہ ﷺ کو خاص طور پر پامال کئے ہوئے تھی۔ برائے نام مسلمان سلطنت کا ڈھانچہ بھی ٹوٹ رہا تھا اور ایک نئی تہذیب و تمدن ہندوستان کی جانب مسلسل بڑھ رہا تھا۔ اس آنے والی تہذیب سے اسلام کو جو متوقع خطرہ تھا، شاہ صاحبؒ کی دور رس نظر اس کے معلوم کرنے سے عاجز نہیں تھی۔ بدعات و محدثات کے خول میں مسلمان پھنس گئے تھے، روایات و خرافات کے گھروندے میں اُلجھے ہوئے تھے۔ شاہ صاحبؒ نے اپنی بصیرت و دانش و بینش کے نتیجہ میں یہی فیصلہ کیا کہ اس سرزمین پر اس کے سوا اور کوئی طریق کار سود مند و بار آور نہ ہوگا کہ سنت نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو قائم کرتے ہوئے اسلام کی حقیقی شکل اور اس کے پائیدار نفوذ کے لئے راہیں ہموار کی جائیں۔ چنانچہ موصوف نے اصلاحی

اقدام شروع کیا اور بگڑے ہوئے معاشرہ کو رُو بہ اصلاح لانے کے لئے اس جدوجہد میں مصروف ہوگئے، جو خاصانِ خدا کا خصوصی حصہ ہے۔ اسے تسلیم کرنا ہوگا کہ ان کے سینے کی وسعتوں میں ایسی روحانی روشنی موجود تھی، جس کے اُجالے میں وہ مستقبل کو پڑھ لیتے اور جدوجہد کے آغاز سے اس کے انجام تک پہنچنا ان کے لئے آسان تھا۔ ان کی فراست ایمانی نے کھل کر بتا دیا تھا کہ اب ہندوستان کی زمین پر حق و باطل کا ایک معرکہ شروع ہوا چاہتا ہے۔ جس میں حق کی حمایت و نصرت کے لئے محدود نہیں بلکہ وسیع اور جہدِ مسلسل کی ضرورت ہوگی۔ چنانچہ امام دہلویؒ نے جن خطوط پر کام کیا، اس کی ایک مختصر تفصیل یہ ہے۔

تجدیدی کوششوں کا آغاز اور اس کے دوائر :

حضرت شاہ صاحبؒ قرآنی ہدایت کو عام کرنے اور عوام تک پہنچانے کے لئے منصوبہ بند پروگرام کی جانب متوجہ ہوئے۔ آپ جانتے تھے کہ اسلام کے اوّلیں و حقیقی ماخذ یعنی قرآن کی تعلیمات و معارف سے براہِ راست واقفیت کے بغیر ہندوستانی مسلمان جس تہ بہ تہ گمراہی میں اُلجھا ہوا ہے، اس سے باہر نہیں آسکتا۔ اس لئے سب سے پہلے آپ نے اس وقت کی رائج زبان فارسی میں قرآن مجید کا ترجمہ کیا۔ شاہ صاحبؒ نے اپنے اس ترجمہ کو اسرائیلیات و خرافات سے پاک و صاف رکھا اور اس طرح توحید کے مسئلہ کے لئے آپؒ نے تخم کاری کی۔ اس کے ساتھ ہی اسلام کے دوسرے سرچشمہ حدیثی مضامین سے بلاواسطہ شناسائی کے لئے حدیث کی مشہور کتاب "موطا امام مالک" کی شرح فارسی زبان میں "المسوّیٰ" کے نام سے تحریر فرمائی۔ اس شرح میں فقہاءِ حدیث کے طریقہ پر حدیث و آثار کی شرح بہترین انداز میں آگئی اور سب سے بڑی بات یہ ہوئی کہ تحقیقِ مناط اور تخریج مناط اور تنقیحِ مناط کی جانب شاہ صاحبؒ متوجہ رہے۔

مہمانِ مکرم! ابھی میں نے آپ کے سامنے تین اصطلاحی الفاظ استعمال کئے، جن کی معرفت آپ کو بخوبی حاصل ہے لیکن عام افادہ کے لئے ان اصطلاحات پر روشنی ڈالنا ضروری سمجھتا ہوں، جیسا کہ معلوم ہے کہ :

تحقیق مناط :

مطلب یہ ہے کہ شارع علیہ السلام سے کسی جزئی صورت میں کوئی حکم صادر ہوا، پھر بھی حکم اس نوع کی ساری جزئیات میں ثابت کر دیا جائے۔ مثلاً شریعت نے حالتِ احرام اور حدودِ حرم میں شکار کی ممانعت کی ہے اور پھر بطور سزا و جزا حالتِ احرام میں شکار کرنے والے کے لئے قیمت شکار کردہ جانور کی ادا کرنا ضروری ہے۔ اس قیمت کی تشخیص ہی تحقیقِ مناط ہے اور چونکہ اس کا تعلق فقہ کی اہم بنیاد قیاس سے نہیں ہے، اس لئے اس میں کسی اجتہاد کی بھی ضرورت نہیں اور یہ کام ہر شخص کر سکتا ہے، بشرطیکہ تجربہ و شعور رکھتا ہو۔

تخریج مناط :

یہ ہے کہ شارع علیہ السلام نے کسی سلسلہ میں کوئی حکم دیا اور اس حکم کی علت بیان نہیں کی بلکہ نص میں بھی اس کی علت موجود نہیں۔ مزید برآں وہاں چند ایسے اوصاف بھی موجود ہیں جن میں سے ہر ایک علت بننے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ یہاں مجتہد کو اپنا سرمایۂ فکر و نظر صرف کر کے کسی ایک وصف کو بطورِ علت متعین کرنا ہوگا۔ یہ بڑے غور و فکر اور بحتاط تحقیق و تدبر کا کام ہے، اس لئے عوام اس میں قطعاً شریک نہیں کئے جا سکتے۔ اسے اس طرح سمجھئے کہ جنابِ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے "ربوا" سے منع فرمایا لیکن اس حرمت کی کوئی علت نہیں بیان فرمائی۔ البتہ چند اوصاف علت بننے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور وہ گونا گوں اوصاف یہ ہیں :

"قدر، وزن، کیل جنس، چیز کا قیمتی ہونا، شئے کا ازقبیل غذا ہونا اور قابل ذخیرہ ہونا"۔

ظاہر ہے کہ جب یہ چند در چند اوصاف یکجا جمع ہو گئے، تو علماء کے لئے راہ کھلی ہوئی ہے کہ وہ اپنے ذوق و رجحان کے مطابق کسی ایک وصف کو حرمت کی علت قرار دیں۔ چنانچہ سود ہی کے مسئلہ میں امام اعظمؒ کے خیال میں حرمت کی علت "قدر و جنس" میں اتحاد ہے اور حضرت امام مالکؒ کی رائے میں ربوا کی حرمت کی علت اشیاء کا ازقبیل غذا اور قابل ذخیرہ ہونا ہے جبکہ امام شافعیؒ نے چیز کے قیمتی ہونے کو علت بتایا ہے، مکرر عرض ہے کہ تخریج مناط مناط کی تین قسموں میں سب سے اہم اور بے حد دشوار ہے، اس میں ضروری غور و فکر اور جچے تلے تدبر و تحقیق کی قدم قدم پر ضرورت ہے اور یہ کام کوئی ماہر فن ہی انجام دے سکتا ہے۔

تنقیح مناط :

مناط کی تیسری قسم تنقیح مناط کے نام سے موسوم ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ شارع علیہ السلام نے کسی خاص واقعہ کے تحت کوئی حکم دیا اور اس سے مقصود کسی قاعدہ کلیہ کی تشکیل نہیں بلکہ کسی واقعہ کے تحت ہی وہ حکم جاری ہوا، اور یہ اسی واقعہ کے ساتھ مخصوص ہے، پھر بھی حکم کی علت معلوم نہیں ہوتی بلکہ یہاں چند در چند چیزیں جمع ہو جاتی ہیں، جن میں سے بعض علت ہونے کی صلاحیت رکھتی ہیں اور بعض نہیں۔ حالانکہ یہ بھی بادی النظر میں علل معلوم ہوتی ہیں۔ اس مرحلہ میں علت کا تعین و تشخیص فقہاء کا کام ہے اور ایسی تنقیح کو "تنقیح مناط" کہا جاتا ہے۔ اس کی مثال حضرت ابوہریرہؓ کی وہ روایت ہے کہ ایک صاحب جناب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میں تباہ و برباد ہو گیا، آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کیوں؟ کیا بات پیش آئی؟ بولا کہ رمضان کے مہینہ اور روزہ کی حالت

میں نے اپنی بیوی سے ہم بستری کر لی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ غلام آزاد کر سکتے ہو؟ جواب تھا نہیں، تو کیا پھر ساٹھ (۶۰) مسکینوں کو کھانا کھلا سکتے ہو؟ جی یہ بھی نہیں، تو پھر اچھا متواتر دو (۲) مہینہ کے روزے رکھ سکو گے؟ حضور یہ تو بہت مشکل ہے۔

اس صورت میں امام اعظمؒ اور امام مالکؒ کے خیال میں کفارہ واجب ہے اور اس کے وجوب کا مناط و علت رمضان اور روزے کی حالت میں عمداً روزہ افطار کرنا ہے، خواہ وہ روزہ کے منافی فعل ہم بستری ہو جیسا کہ اس واقعہ میں یہی پیش آیا یا کھانا پینا ہو، یہ دونوں حضرات منافی صوم کے اقدام کے لئے عمداً کی قید کا اضافہ کرتے ہیں اور ماہ رمضان کو بھی ضروری قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم بستری اتفاقاً اس واقعہ میں پیش آ گئی، ورنہ تو منافی صوم فعل کا ارتکاب وجوب کفارہ کا اصل سبب ہے۔ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے خیال میں کفارہ کا موجب و مناط صرف جماع ہی ہے۔ پس اگر جماع کے نتیجہ میں افطار ہوا تو کفارہ واجب ہوگا۔ اکل و شرب کی صورت میں وجوب کفارہ نہیں۔ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے پاس ایک اور حدیث ابوہریرہؓ ہی کی اپنے نقطۂ نظر کی مؤید ہے، وہ یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص رمضان میں کسی شرعی رخصت کے بغیر روزہ توڑ دے تو بعد میں اگرچہ عمر بھر روزہ رکھتا ہو پھر بھی اس کوتاہی کی تلافی ہرگز نہ ہوگی اور یہ دونوں حضرات اس حدیث میں لفظ "افطار" سے عمداً کھانا پینا اور ان کے ذریعہ سے روزہ توڑنا مراد لیتے ہیں، ان کا خیال ہے کہ قصداً خورد و نوش کے نتیجے میں روزہ کا توڑنا اور پھر عمر بھر روزہ رکھنا مفید نہیں۔ اس لئے اس کا کوئی کفارہ بھی نہیں ہوگا۔

غرضیکہ تنقیح مناط اور تخریج مناط یہی دونوں مجتہدین ائمہ کی اصل جولانگاہ ہے اور اسی میں ایک دوسرے سے اختلاف کرتے ہیں۔ کوئی اپنے اجتہاد سے کسی چیز کو علت بتاتا ہے اور دوسرا کسی دوسری چیز کو۔ اس کی ایک مثال وہ حدیث بھی ہے جس میں آپ ﷺ

نے ارشاد فرمایا: مفتاح الصلوۃ الطھور و تحریمھا التکبیر و تحلیلھا التسلیم ۔
اس کے پیش نظر اکثر ائمہ نے صیغۂ تکبیر "اللہ اکبر" اور صیغۂ تسلیم "السلام علیکم و رحمۃ اللہ" کو رکن نماز قرار دیا ہے لیکن امام ابو حنیفہؒ کے یہاں مناط حکم یہ ہے کہ تکبیر سے مخصوص اللہ اکبر کا صیغہ مراد نہیں بلکہ وہ ہر ذکر اللہ ہے جس میں تعظیم اور خدا کی کبریائی کا مفہوم موجود ہو اور تسلیم سے مراد یہ ہے کہ مصلی اپنے ارادے و اختیار سے نماز کو ختم کرے۔ گویا کہ وہ تسلیم کر خروج عن الصلاۃ کے ہم معنی کہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ امام اعظمؒ نے ان دونوں چیزوں یعنی الفاظ، حامل تعظیم اور ارادے کے ساتھ نماز کو ختم کر دینے کو فرض اور رکن صلاۃ ٹھہرایا ہے لیکن چونکہ جناب رسول کریم ﷺ سے عملاً تکبیر بشکل اللہ اکبر اور تسلیم بصورت السلام علیکم ورحمۃ اللہ، ہمیشہ ثابت ہے۔ اس لئے امام ابو حنیفہؒ ان دونوں کو واجب صلاۃ کہتے ہیں۔ حافظ ابن ہمامؒ مصنف "الفتح القدیر" نے اللہ اکبر کو واجب بتایا ہے اور مشہور یہ ہے کہ یہ سنت ہے۔ ان دونوں میں ذکر مشعر تعظیم اور خروج بصنع المصلی اس طرح موجود ہے، جس طرح کوئی کلی کسی جزئی کے تحت میں موجود ہو۔ پس یہ دونوں فرض ہوں گے۔

مہمانِ مکرم ! میں تفصیل سے خود کو محفوظ رکھتے ہوئے اپنے مقصد کی وضاحت اختصار سے کر رہا ہوں، ورنہ تو ایسی مثالیں اور بھی پیش کیا جا سکتی تھیں، اب میں پھر اسی تذکرہ کی جانب رجوع کرتا ہوں یعنی حضرت شاہ ولی اللہ الدھلویؒ کے مجددانہ کارناموں کی تفصیل :

میں عرض کر رہا تھا کہ شاہ صاحبؒ نے موطا کی شرح "المسوّی" میں ان تنقیحات کے تینوں شعبوں کی رعایت کی ہے اور وہ ایسے فقہ کو مختار قرار دے رہے ہیں، جس میں جامعیت موجود ہے۔ شاہ صاحبؒ نے اپنی دو معرکۃ الآراء تصانیف "الانصاف فی بیان

سبب الاختلاف" اور "عقد الجید فی مسائل الاجتھاد و التقلید" میں یہ بات محققانہ انداز میں تحریر فرمائی ہے کہ مجتہد فیہ مسائل میں حق کسی ایک امام کے لئے مخصوص نہیں ہے بلکہ وہ متعدد ہو کر ہر امام کے لئے ممکن ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ ائمۂ اربعہ کا بھی یہی نقطۂ نظر تھا، وہ خود کو حق کا اجارہ دار قرار دے کر دوسرے مجتہد کو باطل پر قائم نہیں سمجھتے تھے۔ شاہ صاحبؒ نے لکھا ہے کہ :

"میں خود بھی اسی نقطۂ نظر کا حامل ہوں"۔ یہاں یہ بھی وضاحت ضروری ہے کہ مجتہد فیہ مسائل سے میری کیا مراد ہے؟ تو یاد رکھئے اجتہادی مسائل وہ ہوتے ہیں جن میں کتاب اللہ یا سنت (رسول اللہ ﷺ) متواترہ سے کوئی حتمی بات ثابت نہ ہو۔ ایسے ہی مسائل میں حق کا تعدد کیا جا سکتا ہے ور اگر کسی معاملہ میں کوئی قطعی دلیل موجود ہے تو نہ وہاں کوئی مجتہد اجتہاد کرے اور نہ اسے اجتہادی مسئلہ کہا جا سکتا ہے، وہاں حق صرف ایک ہی ہوگا اور حق وہی گا جو اس دلیل قطعی کے مطابق ہو۔ پس اسے خوب ملحوظ رکھنا چاہئے کہ جو اس حق کی موافقت و تائید کرے وہی حق گو و حق پسند ہے اور جو اس سے مخالفت رکھتا ہوں، اسے یقیناً حق کا مخالف کہا جائے گا"۔

شاہ صاحبؒ نے اس کے ساتھ تشریح و عقائدِ اسلام کے حکم و مصالح کے بارے میں بھی ایسی تصانیف فرمائیں جو راہوں کی شمع اور دھندلکوں میں فانوس ہیں۔ ان عنوانات پر ان کی شہرۂ آفاق تالیف "حجۃ اللہ البالغۃ" اور "تفہیمات الٰہیہ" نیز "خیر کثیر" مشہور ہیں۔

اولاد و احفاد اور ولی اللّٰہی شاہکار کی حفاظت و صیانت :

خدا کا شکر ہے کہ الامام الدھلوی کے یہ مخصوص افکار و نظریات اور ان کی مجددانہ کاوشیں ان ہی پر ختم نہ ہونے پائیں بلکہ ان کی اولاد و احفاد میں اس طریق کار پر مسلسل پیش

رفت ہوتی رہی ۔ چنانچہ ان کے سب سے بڑے صاحبزادے حضرت شاہ عبدالعزیزؒ، دوسرے صاحبزادے حضرت شاہ عبدالقادر صاحبؒ اور شاہ رفیع الدین مرحوم نے قرآن مجید کے تراجم و تفاسیر ملک میں عام کیں اور حضرت شاہ محمد اسحاق، شاہ عبدالغنی، شاہ محمد اسماعیل علیہم الرحمہ نے نہ صرف حدیث و عقائد کی درستگی کا اہتمام کیا بلکہ یہ حضرات استخلاصِ وطن اور اعلاء کلمۃ الحق کے لئے جلی و خفی کوششیں بھی کرتے رہے بلکہ حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ نے تو بدعات و محدثات کے خلاف زبردست جدوجہد کی اور بعض معرکۃ الآراء تصانیف ان کے علم ریز قلم سے تیار ہو کر ایمانیات کے سلسلہ میں مفید تر ثابت ہوئیں اور موصوف نے بالاکوٹ میں سکھوں کے ہاتھوں جامِ شہادت نوش فرمایا۔ شاہ محمد اسحاقؒ درسِ حدیث میں ایسے یگانۂ روزگارِ عالم تھے کہ اطراف ملک سے طلباء کا ان کی جانب ہجوم رہتا۔ غرضیکہ یہ خانوادہ علم و عمل کا مرقع، دین و دانش کا روشن مینار، بدعات کے لئے شمشیر بے نیام اور سنتِ مصطفوی ﷺ کے احیاء کے لئے کشادہ محراب تھا۔

دیو بند کا مکتبۂ فکر :

یوں تو یہی خاندان ولی اللّٰہی دیو بندی مکتبِ فکر کا امام و سربراہ ہے، پھر بھی شاہ محمد اسحاقؒ کے خصوصی شاگرد حضرت شاہ عبدالغنی صاحبؒ مجددی مہاجر مدنی اپنے استاذ کے بعد مسند آراءِ درسِ حدیث ہوئے۔ طلباءِ حدیث نے ان سے ایسا استفادہ کیا جس کے آثار قیامت تک باقی رہیں گے۔ حضرت شاہ عبدالغنیؒ آخر میں مدینہ طیبہ کی جانب ہجرت کر گئے اور وہاں بھی بلادِ عرب کے طلباء ان سے حدیث کی سند لیتے رہے۔ ان ہی حضرت شاہ عبدالغنیؒ کے خصوصی تلامذہ میں ہمارے دارالعلوم دیو بند کے بانی حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ اور حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ ہیں۔ بانی دارالعلوم نے بخاری

شریف کا حاشیہ جو ان کے استاذ حضرت مولانا احمد علی سہارنپوریؒ کا شروع کیا ہوا تھا، مکمل فرمایا، اور دینی علوم و معارف پر اہم کتابیں تصنیف کرنے کے ساتھ مادہ پرست دہریہ اور اسلام خلاف فرقوں کی تردید میں مسلسل تصانیف کے ساتھ جابجا مناظرے بھی کئے اور اس دارالعلوم کو ایک ایسے تخیل کے تحت قائم فرمایا جس سے ان کے دینی فکر اور اعلاء کلمۃ الحق و اسلامی تعلیمات کو عام کرنے کا مخلصانہ جذبہ ظاہر ہے۔ میں نے موصوف کے مناقب و فضائل میں کچھ قصائد کہے ہیں جس میں سے ایک قصیدہ پیش خدمت کرنا مناسب ہوگا جس کا پہلا شعر یہ ہے ....

قفا یا صاحبے علی الدیار ۔۔۔ فمن داب الشجی ہو ازدیار

یہ دونوں حضرات یعنی حضرت نانوتویؒ و حضرت گنگوہیؒ رفیقِ درس اور فکر و نظر میں ایک دوسرے کے معاون تھے۔ حضرت گنگوہیؒ کو خدائے تعالیٰ نے منفرد تفقہ عنایت فرمایا تھا جس کی بنا پر انہیں بلاتکلف ''فقیہ مجتہد'' کہا جا سکتا ہے۔ ساتھ ہی وہ بدعات و محدثات کے خلاف شمشیر برہنہ تھے۔ مسائل و حوادث میں ان کے فتاویٰ ملک میں قبولِ عام رکھتے، جن میں ان کے تفقہ اور بصیرت کے جوہر نمایاں ہیں۔ پس کہا جا سکتا ہے اور اس میں ذرا بھی مبالغہ نہیں کہ حضرت گنگوہیؒ فروع و جزئیاتِ فقہیہ میں ہمارے امام اور حضرت نانوتویؒ اُصول و عقائد میں جماعت کے سربراہ ہیں۔ ان دونوں نے دیو بندی علوم کو ایسا منقح و روشن کیا کہ اب کوئی گوشہ مخفی نہیں رہا۔

علامۂ جلیل :

آپ کو معلوم ہے کہ فرنگی شاطر نے اپنی مخصوص و روایتی دسیسہ کاریوں سے کام لے کر جب ہندوستان میں اپنی حکومت کے دائرے وسیع تر کر دئے اور مسلمانوں کی

بادشاہت ختم ہوگئی تو عیسائی مشنری نے ہندوستان میں عیسائیت و تثلیث کی تبلیغ کے لئے منصوبہ بند کام شروع کیا۔ دوسری جانب مسلمانوں میں تفرقہ اندازی کرتے ہوئے بعض مذموم و اسلام خلاف نظریات کو نام نہاد مسلمانوں ہی کے ذریعہ بروئے کار لانے کی بدترین کوشش کی۔ یہی وقت تھا کہ ان دونوں حضرات نے ہندوستان میں اسلام کے تحفظ اور اسلامی تعلیمات کی نشأۃ ثانیہ کے لئے دارالعلوم دیوبند کو قائم کیا۔ اس دارالعلوم نے نہ صرف اسلامی تعلیمات کو عام کیا بلکہ یہ انگریز کی دسیسہ کاریوں کے خلاف ایسا ہی معسکر تھا جو جاں سپار و فدا کار مجاہدین اسلام کو برآمد کر کے خدمت کے ہر محاذ پر روانہ کر رہا تھا۔ آج ہندوستان میں جہاں کہیں آپ کو تعلیمات اسلام کے چراغ روشن نظر آتے ہیں، وہ اسی مدرسہ کا فیض اور یہیں سے روشن کئے ہوئے چراغ ہیں۔ دارالعلوم کی خدمات اور اس کا دائرہ کار اس قدر وسیع ہے کہ اس مختصر وقت میں میں تفصیلات بیان کرنے سے عاجز ہوں۔

طریق تعلیم اور اغراض و مقاصد :

تاہم ضروری ہے کہ میں اس عظیم درسگاہ کے کچھ بنیادی مقاصد آپ کے سامنے پیش کروں تاکہ مدرسہ کے حدود و مقاصد آپ کے لئے واضح ہوں، تو لیجئے ! ہمارا اصل مقصد حدیث اور فقہ الحدیث کی تعلیم و تدریس ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے کچھ دوسرے علوم بھی مبادیات کی حیثیت سے پڑھائے جاتے ہیں لیکن ان کی تعلیم باندازۂ ضرورت ہی ہے۔ تاآنکہ ہماری جماعت کے دوسرے امام حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ نے تو اپنی سربراہی و سیادت کے دور میں کچھ سال ایسے بھی گزارے، جن میں فلسفہ و منطق کی تعلیم اور اس کی انتہائی کتابوں کی تدریس متروک قرار دی تھی اور پھر یہ سلسلہ ایک عرصہ تک رکا رہا۔ گویا وہ علوم آلیہ میں بھی اُلجھنا نہیں چاہتے تھے بلکہ ان کی منزل علوم عالیہ

تھے۔ یعنی وحی حدیث و فقہ الحدیث، حدیث و فقہ الحدیث کی تعلیم میں ہمارا طریق کار متوازن، نپا تلا ہے، اسے یوں سمجھئے کہ مسائل فقہیہ کے استخراج و استنباط کے بارے میں ائمۂ اربعہ کے چار مشہور اصول ہیں۔

۱۔ امام مالک علیہ الرحمہ : اہل مدینہ کی اقتداء اور اتباع کو بنیاد بناتے ہیں تاآنکہ مدنی تعامل ان کے یہاں حدیث مرفوع پر بھی ترجیح رکھتا ہے۔

۲۔ امام شافعی علیہ الرحمہ : کسی باب میں صحیح ترین حدیث (اصح ما فی الباب) کو لے کر اسی مسئلہ سے متعلق باقی روایات کو تاویلاً اپنی منتخب حدیث کے موافق کرتے ہیں یا ان احادیث کو چھوڑ دیتے ہیں۔

۳۔ امام احمد بن حنبل علیہ الرحمہ : اصح، صحیح، حسن بلکہ ضعیف (جبکہ اس کا ضعف معمولی ہو) سب کو معمول بہا بنانے کے لئے اختیار کرتے ہیں۔ ان کے خیال میں ہر حدیث کا مدلول و مضمون قابل عمل ہے، اسی بنیاد پر انہوں نے اپنا مشہور مسند مرتب کیا ہے۔

۴۔ امام ابو حنیفہ علیہ الرحمہ : تمام اقسام حدیث کو جمع کرتے ہیں اور ان میں سے کسی ایک کے مضمون کو قانون کلی ہونے کی بنا پر شرعی قانون کی حیثیت دیتے ہوئے دوسری روایات کی مناسب توجیہ کرتے ہیں اور ہر حدیث کے لئے کوئی برجستہ محل تلاش کرنے کی فکر میں رہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حنفیہ کے یہاں تاویلات احادیث زیادہ ہیں جبکہ شوافع کے یہاں رُواۃ پر جرح و تنقید کی کثرت ہے۔

امام شافعیؒ پہلے وہ امام ہیں جنہوں نے مرسل حدیث کو حجت تسلیم نہیں کیا، البتہ اگر مرسل حدیث کے مضمون کی تائید دوسری احادیث سے ہو تو پھر وہ مرسل کو تسلیم کرتے ہیں۔

ائمہ حدیث اور ان کے نقاط نظر :

الضعف الجليل : آپ جانتے ہیں کہ ائمہ حدیث نے بھی فقہاء کے اسی اصول وضابطہ کے تحت رہ کر اپنے مجموعے تیار کئے ہیں۔ چنانچہ امام بخاری علیہ الرحمۃ نے امام مالکؒ وشافعیؒ کے طرز کو ترجیح دے کر ان دونوں کے اُصول کو مرکب کر دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اپنی جامع میں اصح مافی الباب حدیث کا ذکر کرتے ہوئے اس کو بھی ملحوظ رکھتے ہیں کہ اس حدیث کو سلف کے تعامل کی تائید حاصل ہو۔ امام ہمامؒ نے اس کی رعایت کی ہے کہ کوئی ایسی حدیث بخاری میں نہ آنے پائے جو کسی دوسری حدیث کے معارض ہو، بلکہ انہیں اپنے پسندیدہ اُصول کی رعایت اس حد تک ملحوظ رہی کہ صلاۃ کسوف کے بارے میں صرف اسی روایت کو انہوں نے ذکر کیا جس میں ہر رکعت میں دو رکوع کا تذکرہ ہے۔ حدیث کے دوسرے مشہور امام یعنی مسلم بن حجاج القشیری کا زیادہ زور رُواۃ کی ثقاہت پر ہے۔ چنانچہ انہوں نے صلاۃ کسوف کے سلسلہ میں اس روایت کو لیا جس میں ایک رکعت میں تین یا چار رکوع کا ذکر آرہا ہے اور تو اور وہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ پر موقوف اس روایت کو بھی ذکر کرنے سے گریز نہیں کر رہے ہیں جس میں ایک ہی رکعت میں پانچ رکوع کا تذکرہ آرہا ہے۔ غرضیکہ امام بخاریؒ صلاۃ کسوف کے بارے میں موجود جملہ روایتوں سے اصح حدیث کا انتخاب کر رہے ہیں اور امام مسلمؒ اپنے دائرۂ کار میں محدود رہتے ہوئے بہت سی روایات کی تخریج کر رہے ہیں۔

اکابر دار العلوم کی وسیع المشربی :

ہمارے مشائخ یعنی اکابر دار العلوم نے ہر گوشہ میں اعتدال کو اپنایا ہے، وہ تشدد سے بھی محفوظ رہے اور سہولت پسندی بھی ان کے یہاں نہیں۔ ان کا خاص ذوق وشوق

متعارض احادیث میں یہ رہا کہ کسی حدیث کو ترک نہ کیا جائے۔ اس مبارک ومسعود مقصد کے لئے خدا تعالیٰ نے انہیں ایسے فہم اور توجیہی ذہن سے سرفراز فرمایا کہ وہ ہر حدیث کی قابلِ قبول اور دلنشیں توجیہ پر مضبوط قدرت کے مالک ہیں، بلکہ میرا دعویٰ ہے کہ جو منصف ومعقولیت پسند فرد ان کی کی ہوئی توجیہات کو بنظرِ انصاف دیکھے گا تو اس کی گہرائی وگیرائی اور دلنشیں ہونے کی داد دیئے بغیر نہیں رہے گا۔ اپنے اس مقصد کو بعض مثالوں سے واضح کرتا ہوں۔

آپ جانتے ہیں کہ حدیث قلتین کا مسئلہ اختلافی مسائل میں ہے۔ حضرت امام شافعیؒ اور ان کا مکتبۂ فکر قلتین کے مسئلہ میں منفرد رائے رکھتا ہے۔ اس سے پہلے کہ میں اکابر دار العلوم کی مقبول توجیہ کی طرف آپ کو متوجہ کروں، پہلے اس باب کی متعارض روایات پر توجہ دلاتا ہوں۔ معلوم ہوتا ہے کہ یزید بن زریع، کامل بن طلحہ، ابراہیم الحجاج، ہدبہ بن خالد، وکیع اور یحییٰ بن معین نے اس روایت کو ان الفاظ میں روایت کیا ہے :

اذا بلغ الماء قلتين او ثلث لم يحمل الخبث۔

آپ دیکھ رہے ہیں کہ ''القلتين'' اور ''ثلث'' کے درمیان ''اَوْ'' تنویع کے لئے ہے۔ اس لئے یہ ایک اندازہ ہوگا، اسے شرعی حد بندی نہیں کہا جا سکتا اور مسئلہ کا فیصلہ اس پر ہوگا کہ ایک جانب کی نجاست دوسری جانب تک مؤثر ہے یا نہیں؟ بلاشبہ اگر روایت میں ''اَوْ'' نہ ہوتا تو مذکورہ بالا حدیث کو بے تکلف تحدید شرعی قرار دیا جا سکتا تھا۔ اسی لئے ابوحنیفہؒ اور ان کے صاحبینؒ نے مسئلہ مذکورہ میں قولِ فیصل نجاست کی تاثیر وعدم تاثیر کو کہا ہے۔ جیسا کہ علامہ ابن ہمامؒ اور علامہ ابن نجیمؒ کی وضاحت ہے۔ حنیفہ کے اس نقطۂ نظر نتیجہ میں وہ احادیث تعارض سے محفوظ ہوگئیں جو قلتین والی حدیث سے متصادم نظر آتی ہیں یعنی حدیث ''النهي عن البول في الماء الراكد'' اور حدیث ''النهي عن ادخال اليد في

الاناء'' اور حدیث'' ولوغ الکلب فی الاناء''۔

صاف نظر آ رہا ہے کہ احناف کی توجیہ نے ان مختلف روایات میں تعارض وتزاحم کو کس کامیابی سے ختم کر دیا۔

ایک دوسری مثال مزید وضاحت کے لئے پیش کرتا ہوں۔ وہی اختلافی مسئلہ ''قراۃ خلف الامام'' کا معلوم ہے کہ حضرات احنافؒ نے امام کی اقتداء میں سورۂ فاتحہ مقتدی کے نہ پڑھنے کی دلیل اس آیت کو بنایا ہے'' واذا قرئ القران فاستمعوا له و انصتوا لعلكم ترحمون ''۔ نیز یہ حدیث'' اذا قرئ فانصتوا '' اور مزید یہ حدیث ''من كان له امام فقرأة الامام له قرأة ''۔ تو انہوں نے اس سے بظاہر متعارض روایات مثلاً حدیث ''لا تفعلوا الا بام القران فانه لاصلوة لمن لم يقرابها '' کی تاویل وتوجیہ کی۔ یہ عرض کرنا بھی مناسب ہوگا کہ مذکورہ بالا آیت کے شانِ نزول کے بارے میں جب کوئی صحیح روایت نہیں تو لازماً اس کے الفاظ میں عموم کا اعتبار رہے گا۔

امام بیہقیؒ نے کتاب القرأۃ میں احمد بن حنبلؒ سے روایت کی ہے کہ معتمد علماء کا اجماع ہے کہ یہ آیت ''قرأۃ فی الصلوٰۃ'' کے بارے میں ہے، یہی احمد بن حنبلؒ ''اذا قرا فانصتوا'' والی حدیث کو صحیح قرار دے رہے ہیں اور ابو بکر بن الاثرم نے بھی اس حدیث کی تصحیح کی ہے۔ امام مسلم نے باب التشہد میں ابو موسیٰ اشعری کی روایت ذکر کی اور حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت کا حوالہ دیا بلکہ ابن خزیمہؒ، ابن طبریؒ، حافظ ابن عبدالبرؒ، ابن حزم اندلسیؒ اس روایت کی تصحیح کر رہے ہیں اور تو اور حافظ ذکی الدین عبدالعظیم المنذریؒ اور یادش بخیر۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے بھی اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے تو دیکھا آپ نے کہ سند کی حیثیت سے اس حدیث کی قوت اور ترجیح کا کیا پایہ ہے۔ دوسری طرف تعامل سلف کے لحاظ سے اگر اس حدیث پر نظر ڈالئے تو صحابہ کی ایک جماعت مالکؒ، احمدؒ اور ابو حنیفہؒ اس

حدیث پر عمل پیرا ہیں اور جب کسی حدیث کے راوی ثقہ ومعتمد ہوں اور سلف صالحین کا تعامل بھی اس کا مؤید ہو تو وہ حدیث صحیح ہوگی، بلکہ کوئی ردّ وقدح یا جرح وتنقید اس حدیث کی صحت کو مجروح نہیں کرتی۔ اب دوسری حدیث ''من كان له امام فقرأة الامام له قرأة'' کو بھی لیجئے۔ حافظ ابن ہمامؒ نے احمد بن منیعؒ کے حوالہ سے اس حدیث کی تصحیح نقل کی ہے اور لکھا ہے کہ اس کی سند شیخین کی شرائط کے مطابق ہے اور خود میں بھی آج تک کسی ایسی علت پر مطلع نہیں ہوا جو اس حدیث کے لئے قادح ہو۔ اس کی سند یہ ہے:

''اخبرنا اسحاق بن يوسف الازرق قال حدثنا سفيان وشريك عن موسى بن ابى عائشة عن عبدالله بن شداد عن جابر بن عبدالله قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من كان له امام فقرأة الامام له قرأة''۔ بلکہ ترمذی کے یہاں ایک موقوف روایت اور دوسرے محدثین کے یہاں ایک مرسل روایت اس روایت کی خوب مساعدت وتائید کرتی ہے۔ اس لئے اس حدیث کو بھی صحیح ماننا ہوگا۔

جب یہ بحث مختصر آپ کے سامنے آ گئی تو اب اکابرِ دارالعلوم کی توجیہ ومعارض روایات میں ان کی فرحت انگیز تاویل کو سنئے۔

حضرت گنگوہیؒ نے جن کے متعلق میں نے ابھی عرض کیا تھا کہ وہ فقہی جزئیات میں ہمارے مسلّم پیشوا ہیں، حضرت عبادہ بن صامتؓ کی اس روایت میں جو محمد بن اسحاق سے مروی ہے اور جس کا سیاق یہ ہے کہ لعلكم تقرأون خلف امامكم اور اس کے جواب میں صحابۂ کرام کا ارشاد ''جی ہاں''۔ اور پھر اس پر آپ ﷺ کا یہ ارشاد فلا تفعلوا حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا کہ یہ دلیل اباحت ہے کہ دلیلِ وجوب۔ معلوم ہوا کہ حضرات صحابہؓ آنحضور ﷺ کی اجازت کے بغیر قرأت کرتے تھے۔ اسی لئے تو آپ کو دریافت کرنے کی ضرورت پیش آئی اور جب انہوں نے نعم سے جواب دیا تو آپ نے ''فلا تفعلوا الا بام

القرآن" فرمایا۔

چونکہ یہ سورۂ فاتحہ قرآن مجید کی ایک متعین اور خصوصی سورۃ ہے جبکہ دوسری سورتیں اس طرح متعین نہیں۔ اس لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو سورۂ فاتحہ کا تذکرہ فرمایا۔ اس کا تمام تر تعلق صرف اس سورۃ کی خصوصیت کی بنا پر ہے اور معلوم ہے کہ یہی وہ سورۃ ہے، جس کے نہ پڑھنے سے نہ تو امام کی نماز ہوگی جبکہ وہ امامت کر رہا ہو اور نہ منفرد کی جبکہ وہ تنہا نماز پڑھ رہا ہو۔ رہا مقتدی تو اس کے حق میں سورۂ فاتحہ کی قرآۃ کا معاملہ بجز مباح ہونے کے اور کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ اباحت و کراہت کا مسئلہ خود احناف کے یہاں بھی اختلافی مسائل میں ہے، اگرچہ اس پر تمام احناف متفق ہیں کہ قرأۃ سورۂ فاتحہ مقتدی پر واجب نہیں۔ تاہم بعض اس کی قرأت کو بحالتِ اقتداء مباح کہتے ہیں اور جبکہ بعض اذا قری القرآن والی آیت کے پیش نظر ممنوع۔

حضرت مولانا گنگوہیؒ کی اس توجیہ سے تمام معارض روایات ایکپ دوسرے کے موافق ہوگئیں اور ان میں کوئی مخالفت و تزاحم نہ رہا اور اختلافی مسئلہ لیجئے یعنی رفع یدین اور آمین بالجہر۔ اس میں بھی علماء دیوبند کا ذوق یہ ہے کہ "رفع یدین" اور "آمین بالجہر" رسول اکرم ﷺ اور حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ثابت ہے اور ترک رفع اور اخفاء بالتامین بھی ثبوت کے درجہ میں ہے جیسا کہ امام ابوداؤد کے یہاں صحیح سند سے موجود حدیث میں ہے بلکہ یہی نہیں، ترکِ رفع حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کی روایاتِ صحیحہ سے بھی محقق ہے اور ترک جہر آمین کو صحابہ کرام کے جم غفیر اور سلف صالحین کے تعامل سے ثابت ہی ماننا ہوگا۔ نتیجۂ رفع و ترک، آمین بالجہر و آمین سرًا ہر دو سنت ہی کے ذیل میں آتے ہیں گفتگو جو کچھ ہوگی وہ ترجیح ہی کے باب میں رہے گی تو احناف رفع یدین کے ترک اور آمین بالسر کے ترجیح کے قائل ہیں۔

علامہ جلیل! میری اس مختصر گذارش و تفصیل سے آپ کو محسوس ہوا ہوگا کہ علماءِ دیوبند کا طریق کار تشدد و افراط و تفریط سے کس درجہ محفوظ ہے، وہ دوسرے ائمہ کے مذاہب کو کلیۃً باطل نہیں کہتے بلکہ حق و صواب ان کے لئے بھی محفوظ مانتے ہیں۔ یہی وہ اعتدال ہے جس کی وجہ سے دیوبندیت ایک محفوظ، معتدل مسلک بجا طور پر کہا جا سکتا ہے۔

اس وقت ہندوستان میں اسنادِ حدیث کا مدار حضرت نانوتویؒ بانی دارالعلوم قدس سرہٗ کے فخر روزگار شاگرد حضرت شیخ الہندؒ پر ہے۔ یہ میرے شیخ اور میرے جملہ معاصرین کے امام ہیں اور اسی طریق کار پر گامزن ہیں جو ہمارے اکابر کا خصوصی مسلک ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موصوف کو معارض روایات میں تطبیق اور مشکلات الحدیث میں دلپذیر توجیہ کی ایک امتیازی صلاحیت عطا فرمائی ہے۔ بلا مبالغہ آپ کی نظیر سے نہ صرف ہندوستان بلکہ عالمِ اسلام خالی ہے۔

حضرت شیخ کا منصب جلیل اور امامت فی الحدیث کا جو میں دعویٰ کرتا ہوں اس کی صداقت آپ پر بھی اس طرح واضح ہوگی کہ ان کی ایک دلپذیر توجیہ سنئے۔

مجھ سے ہی حضرت الاستاذ نے ایک بار فرمایا کہ صلوٰۃ کسوف میں جو آنحضور ﷺ سے تعداد رکوع کے بارے میں متعدد روایات آرہی ہیں۔ یہ آپ کی خصوصیت پر مبنی ہے، کیونکہ آپ نے صلوٰۃ کسوف پڑھنے کے بعد صحابہؓ سے خطاب فرمایا تھا، صلوا احدث صلوۃ صلیتموہا من المکتوبۃ (تم نے جو فرض نماز ابھی تازہ پڑھی ہے یعنی فجر کی نماز، تو اسی کی طرح صلوٰۃ کسوف کو بھی پڑھو) جس سے واضح ہوا کہ آنحضور ﷺ عام امت کے لئے صلوٰۃ کسوف اور عام نمازوں کے رکوع میں کوئی فرق نہیں فرما رہے ہیں۔ میں نے اس پر عرض کیا کہ حضرت! شوافع تو جناب رسول اکرم ﷺ کے اس ارشاد کو صرف تعداد رکعت کی تشبیہ پر محمول کرتے ہیں، وہ اس کا تعلق وحدۃ رکوع سے نہیں کرتے۔ اس پر فرمایا کہ یہ تو

حضرات شوافع کی کوشش ایک صاف واضح حقیقت کو نظری بنانے کی جد و جہد ہے ۔ بھلا آپ سوچئے تو سہی کہ جب آنحضور ﷺ نے کسوف کی نماز متعدد رکوع کے ساتھ مجمع عظیم کو پڑھائی تو اس ارشاد کی پھر کیا ضرورت تھی اور جبکہ ارشاد فعل کے مقابلہ میں اہمیت رکھتا ہے اور سب مانتے ہیں کہ فعل میں خصوصیت کا امکان ہے اور قول میں اس طرح کا کوئی احتمال نہیں تو پھر آپ ﷺ کے قول و فعل پر کیوں نہیں ترجیح ہوگی اور معارض روایات جب اس توجیہ سے ایک دوسرے کے موافق بنتی ہیں تو پھر یہ پسندیدہ روش کیوں ترک کی جائے۔

حضرت استاذ کی اس وضاحت پر نہ صرف میں محظوظ ہوا بلکہ آپ کی خداداد صلاحیت کا مزید قائل ہونا پڑا۔

دیکھا آپ نے کہ اکابرِ دار العلوم کس منفرد صلاحیت اور موہبتِ الٰہی کے جامع ہیں۔

استاذ الجلیل ! میں نے آپ کے قیمتی لمحات مصروف کئے جس کے لئے میں معذرت طلب ہوں ۔ میں آپ کا مکرر شکریہ ادا کرتا ہوں، خود اپنی جانب سے اور اپنی جماعت کی جانب سے۔

واللہ یحفظکم اینما کنتم وھو حسبی
و نعم الوکیل نعم المولٰی و نعم النصیر۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جمالِ حبیب ﷺ

یعنی حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے سراپا
(حلیہ مبارک) کا مختصر، جامع و مستند تذکرہ۔

ترتیب

محمد حبیب الرحمن حسامی
فاضل دارالعلوم حیدرآباد

ناشر

مکتبۂ احیاء سنت
مدرسہ امداد العلوم، نزد کریمینل کورٹ، لال ٹیکری، حیدرآباد، اے پی، انڈیا۔
Phone:3325952

تفصیلات کتاب

(جملہ حقوق بحق مرتب محفوظ ہیں۔)

نام کتاب	:	جمالِ حبیب (صلی اللہ علیہ وسلم)
نام مرتب	:	محمد حبیب الرحمٰن حسامی
صفحات	:	۴۰
سن اشاعت	:	شعبان ۱۴۲۰ھ مطابق نومبر ۱۹۹۹ء
تعداد بار سوم	:	تیرہ سو (۱۳۰۰)
کتابت و طباعت	:	امداد گرافکس Ph:(040) 4557645
باہتمام	:	ڈاکٹر محمد نثار احمد صاحب اقبال (اسسٹنٹ پروفیسر نظامیہ طبی کالج، حیدرآباد)
ناشر	:	مکتبہ احیاء سنت 11-5-597 مدرسہ امداد العلوم جامع مسجد ٹین پوش، لال ٹیکری، حیدرآباد۔
قیمت	:	Rs.10/- دس روپے۔

☆☆☆ ملنے کے پتے ☆☆☆

☆ مکتبہ احیاء سنت (ناشر)۔

☆ جامعہ اسلامیہ دارالعلوم حیدرآباد، شیورام پلی، حیدرآباد۔

☆ فضل بک ڈپو، متصل جامع مسجد معظم پورہ، ملے پلی۔

☆ مکتبہ فیض ابرار، متصل جامعہ اشرف العلوم، اکبر باغ، حیدرآباد۔

☆ مدرسہ دارالعلوم حسامیہ، محلہ دستگیر، چٹگوپہ، ضلع بیدر (کرناٹک)۔

☆ ہندوستان پیپر امپوریم، مچھلی کمان، چارمینار، حیدرآباد۔

☆ محمد بلال امین حسامی یوسفیہ کالونی، پربھنی مہاراشٹرا۔

انتساب

مادر علمی جامعہ اسلامیہ دارالعلوم حیدرآباد
کے نام جس کے علمی ماحول نے مجھے قلم پکڑنا
سکھایا اور ان تمام اساتذہ کرام کے نام جن کی
شفقتوں کے زیر سایہ میں نے اپنا علمی سفر
شروع کیا اور اس قابل ہوا کہ سرکار دو عالم
صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیہ مبارک پر یہ چھوٹا
سا کتابچہ ترتیب دے سکوں۔

فہرست مضامین

ارشاد عالی

استاذی حضرت مولانا محمد حسیب الرحمٰن صاحب قاسمی مدظلہ
شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ دارالعلوم حیدرآباد

الحمد للہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی محمد وآلہ وصحبہ اجمعین اما بعد

جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیہ مبارک اور جمال جہاں آرا کا بیان بڑی سعادت کی بات ہے۔ صحابہ میں بھی اس کا خوب چلن تھا۔ ہند بن ابی ہالہ تو اس میں خوب پیش پیش تھے۔ قدیم مصنفین میں سے محدث عبدالرزاق (م۲۱۱ھ) نے اپنے مصنّف کا اختتام ہی بطور تفاؤل کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے شمائل پر کیا ہے۔ علماء کی اس موضوع پر بہت سی مختصر و مطول تحریریں پائی جاتی ہیں، اس موضوع پر سب سے مفید اور مقبول عام امام ترمذی کا وہ مجموعہ ہے جو شمائل ترمذی کے نام سے امت کے درمیان پایا جاتا ہے۔ اور درس نظامی کے منتہی درجہ کے طلبہ کو باضابطہ پڑھایا جاتا ہے۔

مجھے خوشی ہے کہ جامعہ اسلامیہ دارالعلوم حیدرآباد کے ایک ہونہار طالب علم عزیزی مولوی محمد حبیب الرحمن سلمہ نے شمائل ترمذی کی روشنی میں آپؐ کے حلیہ مبارک پر ایک مجموعہ تیار کیا ہے۔ اور مزید افادہ کی غرض سے دوسری کتابوں سے بھی فائدہ اٹھایا ہے۔ اس طرح انہوں نے آپؐ کا ایک مختصر لیکن جامع حلیہ مبارک کتابوں کے حوالہ سے مزین کرکے بہت مفید بنایا ہے۔

دعا ہے کہ پروردگار عالم اس کو امت میں قبول عام اور اپنی بارگاہ میں حسن قبول سے نوازے اور عزیز مکرم کو مستقبل میں مزید علمی خدمات کی توفیق ارزانی کرے۔

والحمد اولا و آخرا

(مولانا) محمد حسیب الرحمن قاسمی (صاحب مدظلہ)

رائے گرامی

استاذی حضرت مولانا شاہ محمد جمال الرحمٰن صاحب مدظلہ العالی

استاذ حدیث جامعہ اسلامیہ دارالعلوم حیدرآباد و خطیب جامع مسجد ملے پلی، حیدرآباد

الحمد للہ والصلوۃ والسلام علی رسول اللہ اما بعد

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک تذکرہ خواہ وہ حسن سیرت سے متعلق ہو یا حسن صورت سے باعث خیر ہے۔ اور یہ علامت حُبِ نبیؐ اور سبب حُبِ نبیؐ ہے۔ اسی لئے ہر زمانہ میں اصحاب علم اور اہل قلم نے اپنی اپنی صلاحیتوں کے اعتبار سے اس عظیم سعادت کے حاصل کرنے کی کوشش کی ہے۔ حضرات صحابہؓ جہاں سیرت نبویؐ کے حقیقی شیدائی تھے وہیں صورت نبویؐ سے والہانہ محبت و عقیدت بھی رکھتے تھے۔ یہی وجہ ہیکہ سراپائے نبی انورؐ کی مکمل تفصیلات متعدد روایات میں موجود ہیں جنہیں جمع کر کے اہل علم نے مستقل کتابیں لکھیں، یا انہیں ضخیم کتابوں کا ایک اہم جز بنایا۔ چونکہ ہر فرد کا ضخیم کتب سے استفادہ دشوار ہوتا ہے۔

اسی لئے عزیزم محمد حبیب الرحمن سلمہ متعلم جامعہ اسلامیہ دارالعلوم حیدرآباد نے مختلف کتب سے حلیہ مبارک کے متعلق مواد جمع کر کے ایک چھوٹا سا رسالہ سادہ زبان میں ترتیب دیا ہے۔

عزیز موصوف کی یہ بالکل ابتدائی اور پہلی کوشش ہے، اسلئے حوصلہ افزائی کے مستحق ہیں۔ حق تعالی اس کو قبول فرمائیں اور کتابچہ کو شرف قبول بخشیں۔

والسلام

(حضرت مولانا) محمد جمال الرحمن مفتاحی (صاحب مدظلہ)

حرفِ اولین

الحمدلله رب العالمین والصلوۃ والسلام علی اشرف المرسلین وعلی آلہ و اصحابہ اجمعین اما بعد

احقر کی ایک عرصہ سے تمنا تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کی سیرت پاک پر کوئی جامع و مستند کتاب ترتیب دی جائے۔ کیونکہ سیرت پاک پر ارباب سیر نے بہت سی ضخیم کتابیں لکھی ہیں مگر صورت پاک (حلیہ مبارک) پر مختصر اور عام فہم اسلوب میں بہت کم کتابیں ہیں۔ جبکہ آپؐ کے ظاہری حسن و جمال اور آپؐ کے سراپا (حلیہ مبارک) کی تفصیل جہاں بڑی سعادت کی بات ہے وہیں ہر مومن کو اسے اس نیت سے بھی معلوم کرنا چاہئے کہ محبت میں زیادتی ہوتی ہے۔ اسلئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین آپ صلی اللہ علیہ و سلم کے دیدار کے لئے بے چین رہتے تھے، اور آپؐ کے پردہ فرمانے کے بعد آپؐ کے حلیہ مبارک کو اپنی اولاد کے سامنے بیان کرتے تھے۔

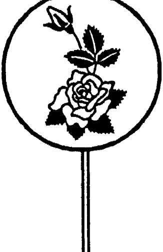
آنے والی ان سطور میں حدیث اور سیرت کی مستند کتابوں کے حوالہ سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ و سلم کے حلیہ مبارک کو بیان کیا گیا ہے، جن میں قابل ذکر کتابیں یہ ہیں (۱) شمائل ترمذی (۲) خصائل نبوی (۳) مدارج النبوہ (اردو) (۴) الانوار المحمدیہ من المواہب اللدنیہ وغیرہ اس کتاب کی

ترتیب دینے کے دوران استاذی حضرت مولانا مفتی محمد جمال الدین صاحب قاسمی مدظلہ صدر شعبہ افتاء و استاذ حدیث دار العلوم حیدر آباد گاہے گاہے مفید مشوروں سے نوازے ہیں اور تصحیح بھی فرمائی ہے۔ نیز دیگر اساتذہ کرام سے بھی اس سلسلہ میں کافی مدد ملی۔ جن میں استاذی شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد حسیب الرحمن صاحب قاسمی و استاذی حضرت مولانا محمد جمال الرحمن صاحب مفتاحی و استاذی حضرت مولانا سید احمد ومیض صاحب ندوی دامت برکاتہم ہیں اور رفقاء دور حدیث (۱۴۲۰ھ) نے بھی اس علمی کام میں خوب ساتھ دیا ہے۔ اللہ تعالی اساتذہ اور احبہ کو جزائے خیر عطا فرمائے اور اس کاوش کو قبول فرماکر نجات کا ذریعہ بنائے۔ آمین۔

نوٹ: اہل علم حضرات سے گذارش ہیکہ اس کتاب میں کوئی غلطی رہ گئی ہو تو مطلع فرمادیں۔

والسلام مع الاحترام

محمد حبیب الرحمن حسامی



بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قد (جسم) مبارک

حضور صلی اللہ علیہ وسلم درمیانہ قد کے تھے نہ بہت لانبے تھے نہ بہت پست قد تھے اتنے لانبے نہیں تھے کہ دیکھنے میں برا لگے اور نہ ہی اتنے پست قد تھے کہ ناٹے معلوم ہوں۔ (شمائل ترمذی)

پھر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب مجمع میں ہوتے تو سب سے اونچے اور ممتاز معلوم ہوتے تھے، درحقیقت یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ تھا کہ باوجود میانہ قد ہونے کے سب سے ممتاز اور اونچے نظر آتے تھے، علماء نے اس معجزہ کی وجہ یہ بیان فرمائی ہیکہ سارے لوگ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار کے لئے تڑپتے تھے خاص کر وہ حضرات جو دور دراز سے پہلی مرتبہ ہی آئے ہوئے ان کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار کا زیادہ اہتمام ہوا کرتا تھا اسی لئے اللہ تعالی نے آپؐ کو یہ ممتاز معجزہ بھی عطا فرمایا تھا تاکہ دیکھنے والے آپ کا دیدار بآسانی کرسکیں۔

ایک روایت میں ہیکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہ تو بہت لانبے تھے اور نہ بہت پست قد تھے جب آپؐ تنہا ہوتے تو درمیانی قد والے معلوم ہوتے اور جب قوم کے درمیان ہوتے تو سب سے بلند و بالا معلوم ہوتے، اور ایک جگہ وہ فرماتی ہیں کہ آپؐ اگر دو آدمی کے

درمیان ہوتے تو آپ ان دونوں سے بلند نظر آتے اور جب ان دونوں سے جدا ہوتے تو متوسط القامت نظر آتے۔ نیز مجلس میں آپؐ کے دونوں شانے مبارک بلند سے بلند تر معلوم ہوتے۔ (الانوار المحمدیہ و بیہقی)

پیشانی مبارک

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی کشادہ اور فراخ تھی اور دونوں ابروں کے درمیان ایک رگ تھی جو (خلاف شرع کام کرنے والے پر) غصہ کرتے وقت ابھر جاتی تھی۔ (شمائل ترمذی)

اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی مبارک سے نیک بختی سعادت مندی اور نورانیت ٹپکتی رہتی تھی۔

(مدارج النبوۃ اردو جلد:۱/ قسط:۱/ صفحہ:۱۷)

ہند ابن ابی ہالہ کہتے ہیں کہ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ابرو باریک خمدار اور گھنے تھے دونوں ابرو جدا جدا تھے ایک دوسرے سے ملے ہوئے نہیں تھے۔ (شمائل ترمذی)

لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی حدیث میں بیان فرمایا ہیکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی مبارک کشادہ اور بھنویں ملی ہوئی تھیں اور ہند ابن ابی ہالہ کی درج بالا حدیث میں من غیر قرن (یعنی ابرو کے بال ملے ہوئے نہیں تھے) آیا ہے ارباب سیر نے ان دونوں روایات میں تطبیق اس طرح دی ہے کہ اصل اور صحیح روایت سے تو یہ ثابت ہیکہ ابرو کے بال ملے ہوئے

نہیں تھے اور جس روایت سے باہم ملنے اور اتصال کا ذکر ہے اس سے مراد چند خفیف بالوں کا ملنا ہے، بہت گھرے ملے ہوئے نہیں تھے کہ جس سے دونوں ابرو پیوست ہو۔ (مدارج النبوہ جلد:۱/ قسط:۱/ صفحہ:۲۰)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پلکیں

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پلکیں، سیاہ، دراز اور گھنی تھیں۔ (شمائل)

پُرنور آنکھیں

آنکھ کی پتلی نہایت سیاہ تھی اور اس کی سفیدی والا حصہ خوب سفید تھا اور اس حصے میں لال ڈورے پڑے ہوئے تھے۔ (شمائل)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں بڑی بڑی تھیں اور بھنویں دراز تھیں، بڑی ہونے کا مطلب تنگ اور چھوٹی آنکھ ہونے کی نفی کرنا ہے اتنی بڑی نہیں تھیں کہ آنکھیں باہر نکلی ہوئی معلوم ہوں بلکہ اعتدال کے ساتھ بڑی تھیں ایک روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں کے سلسلہ میں اکحل العینین کا لفظ آیا ہے۔ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں بغیر سرمہ لگائے سرمگیں نظر آتی تھیں۔

(مدارج النبوۃ جلد:۱قسط:۱صفحہ:۱۷)

پھر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر رات کو اپنی آنکھوں میں اثمد سرمہ لگایا کرتے تھے اور ارشاد فرماتے کہ تم اثمد سرمہ لگایا کرو کیونکہ وہ آنکھ کی روشنی تیز کرتا ہے اور پلکیں بھی اگاتا ہے۔ (شمائل ترمذی)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بینائی خوب تیز تھی حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رات کی تاریکی میں بھی ویسا ہی دیکھتے تھے جیسا کہ دن کی روشنی میں۔ (بخاری وبیہقی)

ناک مبارک

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ناک مبارک بلندی کی طرف کچھ مائل تھی اور اس پر ایک چمک اور نور تھا پہلی مرتبہ آپ کو دیکھنے والا بڑی اور لمبی ناک والا سمجھتا تھا، لیکن غور کرنے سے معلوم ہوتا کہ حسن اور چمک کی وجہ سے وہ بلند معلوم ہوتی ہے، فی نفسہ زیادہ بلند نہیں تھی بلکہ اعتدال کے ساتھ لمبی تھی۔

(شمائل اور خصائل)

دہن (منھ) مبارک

حضور صلی االلہ علیہ وسلم کا دہن (منھ) شریف فراخ اور کشادہ تھا۔ (مسلم شریف)۔۔۔۔ اہل عرب مردوں کیلئے کشادہ دہنی کو قابل تعریف اور تنگ دہنی کو قابل مذمت ٹہراتے تھے عرب کے شعراء تنگ دہن کو معشوق اور محبوب سے نسبت دیتے تھے گویا ان کے نزدیک تنگ دہن ہونا عورتوں کے اوصاف میں سے تھا۔ اس لئے اللہ تعالی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو فراخ دہنی سے نوازا۔ دوسری روایت میں یفتح الکلام ویختمه باشداقه کا اضافہ ہے مطلب یہ ہے کہ آپؐ کے منھ مبارک سے جو بھی بات نکلتی تھی تام اور کامل ہوتی تھی شکستہ اور ناقص الفاظ استعمال نہیں فرماتے تھے، گویا

فراخ دہنی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فصیح ہونے کو بتایا گیا ہے۔

(مدارج النبوۃ جلد: ۱/ قسط: ۱/ صفحہ: ۲۱)

دندان (دانت) مبارک

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دندان مبارک موتی کی طرح آبدار تھے، سامنے کے دانتوں کے درمیان تھوڑا سا فصل تھا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم گفتگو فرماتے تو سامنے کے دانتوں سے ایک نور سا ظاہر ہوتا تھا۔ علامہ مناوی ؒ فرماتے ہیں کہ یہ کوئی حسی چیز تھی جو بطور معجزہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دانتوں کے درمیان سے نکلتی تھی۔ (مستفاد از شمائل ترمذی و خصائل نبوی)

لعاب مبارک

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا لعاب مبارک بیماروں کیلئے باعث شفاء تھا، خیبر کے روز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا تھا کہ کل میں (جنگی) جھنڈا ایک ایسے شخص کے ہاتھ میں دونگا کہ اللہ تعالی اس کے ہاتھوں فتح نصیب فرمائے گا وہ شخص اللہ اور اسکے رسول ؐ سے محبت کرتا ہے اور اللہ اور اسکا رسول اس سے محبت کرتے ہیں۔ چنانچہ دوسرے دن تمام صحابہؓ امیدوار تھے کہ اپنے کو دیا جائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ علیؓ کہاں ہیں تو صحابہ کرامؓ نے عرض کیا یارسول اللہ علیہ وسلم انکی آنکھوں میں درد (آشوب) ہے آپؐ نے فرمایا ان کو ادھر بھیجو چنانچہ ان کو لایا گیا آپؐ نے اپنا لعاب دہن ان کی دونوں آنکھوں میں لگایا تو دونوں آنکھیں ایسی اچھی ہو گئیں گویا اس میں درد ہی نہیں تھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا لعاب دہن نہایت خوشبودار بھی تھا۔ ایک کنویں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کلی فرمائی تو اس سے مشک کی طرح خوشبو آنے لگی۔

اسی طرح جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت انس؄ کے مکان کے کنویں میں اپنا لعاب دہن ڈالے تھے تو مدینہ میں کوئی کنواں اس سے زیادہ میٹھا اور شیریں نہ تھا اس طرح کی کئی روایات اور واقعات ہیں جس سے آپ کے لعاب دہن کی برکت اور عظمت معلوم ہوتی ہے۔

(الانوار المحمدیہ من المواھب اللدنیہ صفحہ: ۲۰۰)

کان مبارک

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کان کامل اور مکمل تھے (حوالہ جامع صغیر) اور دوسروں کے مقابلہ میں آپ کی قوت سماعت بھی زیادہ تھی۔

آواز مبارک اور انداز گفتگو

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بولی بڑی شیریں اور پیاری تھی تمام بولیوں سے زیادہ حسین اور دلکش تھی کوئی بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر خوش آواز نہیں گذرا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کی توصیف اور تعریف کرتے ہوئے حضرت انس؄ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالی نے کسی نبی کو نہیں بھیجا مگر خُوش آواز اور خُوش رُو یہاں تک کہ ہمارے نبی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ان اوصاف میں فائق تر اور بلند تر تھے جہاں تک کسی کی آواز نہ

پہونچتی ہو وہاں تک آپ کی آواز مبارک بے تکلف پہونچ جاتی تھی خصوصاً ایسے خطبوں کی آواز جس میں نصیحت یا خدا سے ڈرانا ہوتا تھا حتی کہ پردے میں بیٹھی ہوئی خواتین بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سن لیا کرتی تھیں۔

حجتہ الوداع کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منیٰ میں جو خطبہ دیا تھا اس کو تمام صحابہ کرامؓ نے سنا تھا، (جبکہ اس وقت وہاں پر موجودہ تعداد تقریبا ایک لاکھ تیس ہزار تھی) اور دوسری حدیث میں آیا ہے کہ منیٰ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دے رہے تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اس کی تعبیر کرتے جارہے تھے اس سے مراد اس کلام کی توضیح وتفسیر ہے آواز کو سنوانا مقصد نہیں ہے آواز تو سب سن رہے تھے۔

(مدارج النبوۃ جلد:۱/ قسط:۱/ صفحہ: ۲۳،۲۴)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتگو تم لوگوں کی طرح سے لگاتار اور جلدی جلدی نہیں ہوتی تھی بلکہ صاف صاف ہر بات کو الگ الگ بیان فرماتے تھے اور ان باتوں کو پاس بیٹھنے والے حضرات اچھی طرح سے ذہن نشین کرلیتے تھے۔ (شمائل ترمذی)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رخسار

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رخسار مبارک ہموار، پُر گوشت اور نرم تھے۔ (شمائل ترمذی)

جس کی وجہ سے آپؐ حسین اور خوشنما معلوم ہوتے تھے۔

گردن مبارک

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گردن مبارک چاند کی طرح صاف و شفاف اور خوبصورت تھی ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا کسی گڑیا کی گردن ہے۔

(شمائل وخصائل)

سر مبارک

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سر مبارک اعتدال کے ساتھ عظیم تھا اتنا بڑا نہیں تھا کہ دیکھنے میں برا معلوم ہو، سر کا قدرے بڑا ہونا باطنی کمالات اور کامل عقل ہونے کی نشانی ہے۔ اس لئے اللہ تعالی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ امتیاز بخشا تھا۔ (مدارج النبوۃ جلد:۱/قسط:۱/ صفحہ:۲۸)

زلف مبارک

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک کے بال بہت گھنے تھے نہ بالکل گھنگریالے تھے اور نہ بالکل سیدھے بلکہ قدرے خمدار تھے۔ (شمائل ترمذی)

اس سے زلف مبارک کی خوبصورتی میں مزید اضافہ ہو گیا تھا۔

زلف کی حد

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زلف کی لمبائی کے سلسلہ میں تین مختلف روایتیں حدیثوں میں آئی ہیں۔

(۱) حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زلف کان کی لو تک تھے۔ (عظیم الجمة الی شحمة اذنیه)

(۲) حضرت براابن عازب ہی کی دوسری روایت میں ہے کہ آپؐ کے بال مونڈھوں تک تھے۔ (له شعر یضرب منکبیه)۔

(۳) حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بال نصف کانوں تک تھے۔ (کان شعر رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه و سلم الی نصف اذنیه) (شمائل ترمذی)

لیکن ان تمام روایات میں کوئی تعارض اور اختلاف نہیں ہے کیونکہ بال بڑھنے والی چیز ہے ایک زمانہ میں نصف کان تک تھے تو دوسرے زمانہ میں کان کی لو تک اور جب مزید بڑھ گئے تو مونڈھوں تک آگئے ہوں، اور جو صحابی نے جس زمانہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بال مبارک کو دیکھا تو انہوں نے وہی حال بیان کردیا اور حضرت براء بن عازبؓ ہی سے اس کے متعلق جو دو قسم کے مختلف احادیث منقول ہیں۔ اس کے بارے میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ پہلی مرتبہ جب انہوں نے دیکھا تھا تو کان کی لو تک تھے اور جب دوسری مرتبہ مشاہدہ کیا تو مونڈھوں تک پہنچ چکے تھے بعض علماء کرام نے ان تینوں روایات میں تطبیق دیتے ہوئے یوں فرمایا ہیکہ سر مبارک کے اگلے حصہ کے بال نصف کانوں تک پہونچ جاتے تھے اور سر کے درمیانی حصہ کے بال کانوں کی لو تک اور سر کے آخری حصہ کے بال مونڈھوں تک پہونچ جاتے تھے بہر حال تینوں طرح کی روایات صحیح سند سے ثابت ہیں۔

(مستفاد از انوار المحمدیه من المواهب اللدنیه)

نوٹ

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو بال کٹوانے سے منع فرمایا ہے۔ (نسائی صفحہ: ۲۷۵)

اور صحابیاتؓ میں سے کسی سے بھی سر کے بال کٹوانا ثابت نہیں ہے، اور یہ حقیقت ہیکہ عورتوں کے بال جتنے بڑے ہوتے ہیں اسکی خوبصورتی میں اتنا ہی اضافہ ہوتا ہے لیکن آج کل کا دور بالکل الٹا ہوچکا ہے کہ عورتیں بال کٹوانے کو فیشن سمجھ رہی ہیں یہ بہت بری اور غلط رسم چل پڑی ہے اس فیشن پر عمل کرنے کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک ارشاد کی کھلی مخالفت ہورہی ہے۔ ان بال کٹوانے والی عورتوں کو سوچنا چاہیے کہ اسلام نے ان کو جو حقوق عطاء کئے ہیں اس کی نظیر (مثال) کسی اور مذہب میں نہیں ملتی۔ اسلام سے پہلے عورت کو گری ہوئی نظروں سے دیکھا جاتا تھا مگر اسلام نے اس کو گھر کا ملکہ بنایا لہذا وہ اس احسان عظیم کو یاد رکھیں اور اسلام کے دستور حیات کو اپنانے کی کوشش کریں۔ اسی طرح یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ عورتوں کو اپنے بالوں کے ساتھ کسی دوسرے انسان کے بال جوڑنا اور اس کی چوٹی بنانا جائز نہیں ہے، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی عورتوں پر لعنت فرمائی ہے۔ (لعن اللہ الواصلة والمستوصلة) اور ایک روایت میں اسے (فانہ زور) کہا گیا ہے۔ یعنی وہ جھوٹ کو آراستہ کررہی ہیں۔ (نسائی صفحہ: ۲۸۰)

لہذا اپنے بالوں کے ساتھ دوسرے انسانی بالوں کا جوڑنا فریب اور

دھوکہ دینا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی لعنت کے مستحق بننا ہے اس لئے اپنے بالوں کے ساتھ کسی انسانی بالوں کو نہ جوڑیں، البتہ دیگر حیوانات کے بالوں کو چوٹی بنا کر استعمال کرنا جائز ہے۔ (مستفاد از جدید فقہی مسائل)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سفید بال

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں کنپٹیوں میں تھوڑی سی سفیدی تھی اور حضرت انسؓ ہی کی دوسری روایت میں ہیکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک اور ڈاڑھی مبارک میں صرف چودہ[۱۴] بال سفید تھے اور دیگر روایات سے معلوم ہوتا ہیکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر اور ڈاڑھی مبارک میں کل سترہ[۱۷] یا بیس[۲۰] بال سفید تھے۔ (شمائل ترمذی)

لیکن یہ کوئی اختلاف یا تعارض کی بات نہیں ہے کیونکہ مختلف زمانوں پر اس کو محمول کیا جاسکتا ہے اور شمار کرنے والے کے شمار میں بھی فرق ہوسکتا ہے۔ نیز یہ اندازے کی بات ہے ہوسکتا ہیکہ ایک صحابی نے چودہ اور دوسرے نے سترہ اور بعض دوسرے حضرات نے اٹھارہ اور بیس کا اندازہ کیا ہو۔

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بالوں کی سفیدی تیل کے استعمال کے وقت محسوس نہیں ہوتی تھی، تیل کے استعمال کے وقت چونکہ سب بال چمکنے لگتے ہیں اس لئے بالوں کی سفیدی تیل کی چمک

کے اندر مل جاتی تھی یا یہ بھی ہوسکتا ہے کہ تیل کی وجہ سے بال جم جاتے تھے، جس کی بنا پر سفید بال اپنی قلت اور کم ہونے کی وجہ سے چھپ جاتے تھے۔

(شمائل ترمذی)

سفید بال کی وجہ

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یارسول اللہؐ آپ بوڑھے ہوگئے ہیں؟ (کہ آپ کے بال سفید ہوگئے اس کی کیا وجہ ہے؟) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے سورہ ھود، واقعہ، مرسلات، عم یتسالون اور سورہ کورت نے بوڑھا بنادیا ہے، اور ایک روایت میں ہے (شیبتنی ھود و اخواتھا) کہ مجھ کو سورہ ھود اور اس جیسی دوسری سورتوں نے بوڑھا بنادیا۔ (شمائل ترمذی)

ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ اپنے دولت کدہ سے تشریف لاتے ہوئے اپنی ڈاڑھی مبارک پر ہاتھ پھیر رہے تھے، حضرت ابو بکرؓ اور عمرؓ مسجد میں تشریف فرما تھے۔ حضرت ابو بکرؓ یہ منظر دیکھ کر عرض کیا یارسول اللہؐ میرے ماں باپ آپؐ پر قربان ہوں کس قدر جلدی آپؐ پر بڑھاپا آگیا اور یہ کہہ کر رونے لگے اور آنسو جاری ہوگئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سورہ ھود جیسی سورتوں نے مجھے بوڑھا کردیا ہے۔ علماء کرام فرماتے ہیں کہ سورہ ھود اور اس جیسی دیگر سورتوں سے مراد وہ سورتیں ہیں جن سورتوں میں قیامت، جہنم اور بد بخت لوگوں کے انجام وغیرہ

کا ذکر آیا ہے، کیونکہ یہ تمام آخرت کے احوال ہیں جو بہت ہی حیران کن اور خطرناک ہونگے چنانچہ ایک حدیث شریف میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا جو امور آخرت کے متعلق میں جانتا ہوں اگر تمہیں معلوم ہو جائیں تو تم ہنسنا بہت ہی کم کردیتے اور اکثر اوقات روتے رہا کرتے حتیٰ کہ بیویوں کے پاس جانا چھوڑ دیتے۔

امام زمخشریؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک کتاب میں دیکھا ہے کہ ایک شخص شام کے وقت بالکل کالے بال والا جوان تھا، ایک ہی رات میں بالکل سفید بال والا ہو گیا، لوگوں نے اس کی وجہ پوچھی تو اس شخص نے کہا میں نے رات میں قیامت کا منظر دیکھا ہے کہ لوگوں کو زنجیروں سے کھینچ کر جہنم میں ڈالا جا رہا ہے۔ اس کی دہشت اور ہیبت مجھ پر ایسی غالب ہوئی کہ ایک ہی رات میں مجھے اس حالت میں پہونچا دیا، یعنی پورے بال سفید ہو گئے۔

(خصائل نبوی صفحہ: ۵۲)

ہم سب کو اس سے سبق حاصل کرنا چاہئیے کہ ہم کو بھی ایک دن اس دنیا سے جانا ہے اور آخرت، قبر اور حشر والی زندگی سے دوچار ہونا ہے وہاں حساب بھی دینا ہے اگر ہم اس بات کو ہمیشہ اپنے فکروں اور ذہنوں میں بٹھائے رکھیں تو دینی اور دنیوی ہر دو اعتبار سے کامیابی ہو سکتی ہے۔ اسلئے ایک بزرگ نے اپنے گھر میں ایک قبر کھود رکھی تھی اور روزانہ اس قبر میں اتر کر کچھ دیر اس میں لیٹتے اور اپنے نفس سے کہتے کہ ایک دن تمہیں اس طرح قبر میں اتارا

جائیگا، منکر نکیر تمہارے پاس آئیں گے اور تمہاری زندگی کے بارے میں سوال کریں گے اس طرح وہ بزرگ فکر آخرت تازہ کرتے تھے نیز صوفیا کرام نے ایک بات یہ بھی بتائی ہیکہ اگر انسان قبر کو ہمیشہ یاد کرتا رہے تو وہ کبھی بھی گناہ نہیں کرسکتا، گویا یہ گناہوں سے بچنے کا نسخہ ہے۔

شرح السنہ میں لکھا ہے کہ ایک صاحب کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت ہوئی انہوں نے پوچھا یارسول اللہؐ مجھے یہ حدیث پہونچی ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا ہیکہ سورہ ھود نے مجھے بوڑھا بنادیا، کیا بات ہے؟ یعنی اس کا کیا مطلب ہے؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اس میں ایک آیت ہے جس نے مجھے بوڑھا کردیا، وہ آیت یہ ہے

فاستقم کما امرت الخ (سورہ ھود)

یعنی دین پر ایسی مضبوطی کے ساتھ جمے رہو جیسا کہ اللہ نے حکم دیا ہے۔

(مستفاد از خصائل نبوی صفحہ: ۵۱)

اسلیے بزرگان دین کہتے ہیں کہ استقامت ہزار کرامتوں سے افضل ہے۔

سینہ مبارک

آپؐ صلی اللہ علیہ وسلم کا سینہ مبارک فراخ اور کشادہ تھا، دونوں مونڈھوں کے درمیان اعتدال کے ساتھ فصل تھا۔ سینہ کا چوڑا اور کشادہ ہونا شجاعت اور بہادری کی علامت ہے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس میں بھی نمایاں تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو چالیس آدمیوں کی طاقت تھی اور ترمذی

شریف کی روایت کے مطابق چالیس جنتیوں کی طاقت تھی اور ایک جنتی کی طاقت دنیا کے سو آدمیوں کے برابر ہوتی ہے اس طرح گویا آپؐ کو چار ہزار دنیوی انسانوں کی طاقت دی گئی تھی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ مبارک سے لیکر ناف تک بالوں کی باریک لکیر تھی۔ (ذو مسربة) ۔۔۔۔۔ اسکے علاوہ چھاتی اور پیٹ پر بال نہیں تھے البتہ دونوں بازؤں اور کندھوں اور سینہ مبارک کے اوپری حصہ پر کچھ بال تھے۔

(مستفاد از شمائل ترمذی وخصائل نبوی)

بطن (پیٹ) مبارک

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بطن (پیٹ) مبارک ہموار اور برابر تھا، یعنی پیٹ سینہ سے بلند نہیں تھا بلکہ دونوں برابر تھے۔ سواء البطن والصدر

(شمائل ترمذی)

بغل شریف

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بغل شریف سارے بدن مبارک کی طرح سفید تھی، امام طبریؒ کہتے ہیں کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت تھی ورنہ آپؐ کے سواء اکثر لوگوں کے بغل کا رنگ کالا ہوتا ہے امام قرطبیؒ کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بغل میں بال نہیں تھے لیکن علماء فرماتے ہیں کہ یہ بات ثابت نہیں ہے کیونکہ جلد کی سفیدی سے یہ لازم نہیں آتا کہ بغل میں بال نہ ہوں، جبکہ احادیث میں نتف ابطیه آیا ہے کہ حضور صلی

اللہ علیہ وسلم بغل کے بال کو اکھیڑ لیا کرتے تھے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ کے بغل میں بال تھے۔

آپؐ کے بغل شریف سے خوشبو آتی تھی ایک صحابیؓ کا بیان ہیکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے بغلگیر ہوئے تو آپ کے بغل شریف کے پسینہ سے مشک کی طرح خوشبو آرہی تھی۔ (مدارج النبوۃ جلد:۱/ قسط:۱/ صفحہ:۳۶)

مہر نبوت

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں مونڈھوں کے درمیان (پشت پر) مہر نبوت تھی اور وہ مقدار میں کبوتر کے انڈے جیسی تھی، جو درحقیقت ایک اُبھرا ہوا گوشت تھا جسکے چاروں طرف تِل تھے جو گویا مسّوں کے برابر معلوم ہوتے تھے، اور اس کے اطراف چند بال تھے۔

مہر نبوت پر کیا لکھا ہوا تھا، یہ صحیح روایات سے ثابت نہیں ہے۔ البتہ ابن حبانؒ وغیرہ نے صراحت کی ہیکہ محمد رسول اللّٰہ لکھا ہوا تھا اور دیگر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس پر سر فانت المنصور (ترجمہ: تم جہاں چاہے جاؤ تمہاری مدد کی جائے گی) لکھا ہوا تھا۔

در اصل مہر نبوت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک معجزہ اور علامت نبوت تھی، چونکہ سابقہ کتب سماوی میں اس بات کی پیشنگوئی کی گئی تھی کہ آخری نبی جو مبعوث ہونگے ان کی ہجرت کی جگہ ایسی زمین ہوگی جہاں کھجور زیادہ ہونگے، اور وہ عرب میں پیدا ہونگے، اور وہ دین ابراہیمی پر ہونگے، وہ ہدیہ نوش

فرمائیں گے، صدقہ نہیں کھائیں گے، اور ان کے دونوں شانوں (مونڈھوں) کے درمیان مہر نبوت ہوگی۔ چنانچہ اسی مہر نبوت اور دیگر علامات کو دیکھ کر حضرت سلمان فارسیؓ ایمان لائے تھے۔ جس کا مفصل قصہ خصائل نبوی میں مذکور ہے۔

(مستفاد از شمائل ترمذی و خصائل نبوی)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ اور انگلیاں

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کلائیاں دراز تھیں اور ان پر کچھ کچھ بال تھے، ہتھیلیاں فراخ، کشادہ، پر گوشت اور نرم و ملائم تھیں انگلیاں (تناسب کے ساتھ) لانبی تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ مبارک کی نرمی کے سلسلہ میں حضرت مستور بن شدادؒ سے روایت ہے کہ انہوں نے اپنے والد سے پوچھا تو والد صاحب نے کہا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہونچا اور میں نے آپؐ سے مصافحہ کیا آپ کا دست (ہاتھ) مبارک ریشم سے زیادہ نرم اور برف سے زیادہ سرد تھا۔ (طبرانی عن مستور بن شداد)۔

حضرت انسؓ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک سے زیادہ نرم حریر و دیبا کو نہ پایا۔

(بخاری عن انس بن مالک)

حالانکہ حریر ریشمی کپڑوں میں سب سے زیادہ نرم ہوتا ہے مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ مبارک اس سے بھی زیادہ نرم تھا، ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے رخسار پر اپنا دست اقدس

پھیرا تو حضرت جابر کو ایسی ٹھنڈک اور خوشبو محسوس ہوئی جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابھی عطر کی ڈبیہ سے اپنا ہاتھ نکالا ہو۔ (مسلم ثانی صفحہ: ۲۵۶)

حضرت وائل بن حجرؓ فرماتے ہیں کہ میں جب بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مصافحہ کرتا ہوں تو میرا ہاتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مس ہونے (ملنے) کی وجہ سے ایسا معطر اور خوشبو دار ہو جاتا ہے کہ میں دن بھر اپنے ہاتھوں کو سونگھتا رہتا ہوں اور اس میں مشک (نافہ) سے بہتر خوشبو پاتا رہتا ہوں۔

(طبرانی و بیہقی)

ان تمام روایات اور واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دست مبارک ہمیشہ معطر اور ٹھنڈا رہتا تھا لیکن ٹھنڈک سے وہ ٹھنڈک مراد نہیں ہے جو مزاج اور طبیعت کی برودت اور خشکی کی وجہ سے ہوتی ہے اور سرد پسینہ آنے لگتا ہے اور اس کے چھونے کو لوگ ناپسند کرتے ہیں۔ بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ سرد اور ٹھنڈک پن اعتدال مزاج اور حرارت کا غلبہ نہ ہونے کی وجہ سے تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست اقدس کو چھونے سے راحت اور سکون محسوس ہوتا تھا، کراہیت محسوس نہیں ہوتی تھی۔ (مدارج النبوۃ جلد: ۱/ قسط: ۱/ صفحہ: ۳۹، ۴۰)

ڈاڑھی مبارک

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ڈاڑھی مبارک گھنی تھی اور آپ ؐ اپنی ڈاڑھی مبارک میں تیل لگایا کرتے تھے اکثر اس میں کنگھا کرتے اور اس کو اچھے

انداز سے رکھنے کا اہتمام فرماتے تھے۔شفائے قاضی عیاض میں کہا گیا ہے کہ اللحیۃ یملا صدرہ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ڈاڑھی مبارک کے بال اتنے زیادہ تھے کہ جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سینہ مبارک ڈھب گیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ڈاڑھی مبارک کی لمبائی کتنی تھی یہ صحیح روایات سے منقول نہیں ہے البتہ وظائف النبی میں کہا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ڈاڑھی مبارک چار انگل تھی اس سے کم نہیں ہوتی تھی۔

(لیست اسنادہ بالقوی) (مدارج النبوۃ جلد:۱/ قسط:۱/ صفحہ:۳۴،۳۳)

یہ حقیقت ہیکہ ڈاڑھی کا لمبا رکھنا آدمی کے اندر نکھار اور حسن پیدا کرتا ہے خصوصاً جبکہ ڈاڑھی گھنی ہو نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ڈاڑھی مبارک کو تھوڑی کے نیچے کرکے گرہ نہیں لگاتے تھے بلکہ ڈاڑھی پر گرہ لگانے اور اسکو اندر دبا کر رکھنے والے پر سخت ناراضگی کا اظہار فرمایا ہے۔

چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فان محمدا بری منہ یعنی اس شخص کا جو ڈاڑھی پر گرہ لگاتا ہے مجھ سے کوئی تعلق نہیں۔ (نسائی صفحہ:۲۷۷)

لہذا ہم مسلمانوں کو چاہیئے کہ اپنی ڈاڑھی کو سنت کے مطابق رکھیں، اس میں کنگھی کیا کریں۔اسے تھوڑی کے نیچے دبا کر چھپانے کی کوشش نہ کریں۔

ڈاڑھی کی شرعی مقدار

ڈاڑھی کہاں تک رکھیں اس کے بارے میں احناف کی رائے یہ ہے کہ وہ ایک مشت سے کم نہ ہو اس سے بڑھے ہوئے حصہ کو کاٹ سکتے ہیں جیسا

کہ عبداللہ بن عمر کی روایت سے معلوم ہوتا ہے۔ کان ابن عمر رضی اللہ عنہما اذا حج او اعتمر قبض علی لحیتہ فما فضل اخذہ۔ (بخاری شریف)

ترجمہ: عبداللہ بن عمرؓ جب حج یا عمرہ کرتے تو اپنی ڈاڑھی کو مٹھی میں لیتے اور اس سے بڑھے ہوئے بالوں کو کاٹتے تھے۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہیکہ ڈاڑھی اگر ایک مٹھی سے بڑھ جائے تو اس کو کاٹ سکتے ہیں، لیکن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہی کی دوسری حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ڈاڑھی کو اپنے حال پر چھوڑ دیں (عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم انھکوا الشوارب و اعفوا االلحی۔

(بخاری شریف ثانی، صفحہ: ۸۷۵)

یعنی آپ ؐ نے فرمایا کہ لبوں کو تراشنے میں مبالغہ کرو اور ڈاڑھی کو اپنے حال پر چھوڑ دو اسے مت چھیڑو۔ بظاہران دونوں احادیث میں ٹکراؤ معلوم ہو رہا ہے چنانچہ اس کے درمیان بعض شارحین تطبیق دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا فعل یعنی ڈاڑھی کا ایک مشت سے زائد حصہ کا کترانا حج اور عمرہ کے ساتھ خاص تھا اور آپ ؐ کا ارشاد عام حالات سے متعلق ہے اور اس سلسلہ میں علماء کرام کی عادت مختلف رہی ہے چنانچہ منقول ہیکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی داڑھی ان کے سینہ کو ڈھانپ لیتی تھی اسی طرح حضرت عمر اور عثمان رضی اللہ عنہما کے بارے میں بھی منقول ہے۔ نیز پیران پیر شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے حلیہ میں لکھا ہوا ہے کہ آپؒ کی

داڑھی طویل و عریض تھی لہذا ہم کو چاہیئے کہ صحابہؓ اور پیران پیرؒ کے طریق کار کو اپنا کر اپنی زندگی سنت اور اسلام کے طریقہ کے مطابق گزاریں۔

(مدارج النبوۃ جلد: ۱/ قسط: ۱/ صفحہ: ۳۲،۳۳)

لبہائے مبارک

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مونچھیں ترشواتے تھے، آپؐ نے یہ امر بھی فرمایا ہیکہ مشرکوں اور مجوسیوں کی مخالفت کرو اور اپنی ڈاڑھیوں کو بڑھاؤ اور لبوں (مونچھوں) کے کم کرنے اور ترشوانے میں مبالغہ کرو۔ (بخاری و مسلم)

لہذا ہم بھی اپنی مونچھوں کو ترشوائیں، بالکل استرا نہ لگائیں، اس طرح ترشوائیں کہ اطراف لب ظاہر ہوں، اور ابرو کی مقدار میں چھوڑ دیئے جائیں البتہ غازی یعنی جنگ لڑنے والا اس سے مستثنیٰ ہے اور انہیں مستحب ہے کہ لبوں کو لمبا رکھیں تاکہ دشمنوں کی نظر میں رعب و دبدبہ ظاہر ہو، لیکن لبوں کو اتنا دراز اور لمبا نہ کریں کہ اطراف لب ہی ڈھک جائیں۔ مونچھ اس انداز کے ہوں کہ وہ منھ کے اندر نہ آئیں۔ نیز علماء فرماتے ہیں کہ لبوں کے دونوں کناروں کے بال چھوڑنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، حضرت عمر فاروقؓ اور دیگر صحابہ کرامؓ لبوں کے گوشوں کو چھوڑ دیا کرتے تھے اس لئے اگر اطراف لب چھوڑ دیں تو کوئی حرج نہیں۔ (مدارج النبوۃ جلد: ۱/ قسط: ۱/ صفحہ: ۳۲)

چہرہ انور

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ انور نہ بالکل گول تھا اور نہ ہی بہت لانبا تھا بلکہ معتدل اور تھوڑی سی گولائی لیئے ہوئے تھا۔ (شمائل و خصائل)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حسن بے مثال

علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پورا حسن و جمال ظاہر کیا جاتا تو آنکھیں اس کا تحمل نہیں کرسکتی تھیں۔ (الانوار المحمدیه صفحه: ١٩٤)

البتہ آپؐ کے جتنے حسن کو صحابہ کرامؓ پر ظاہر کیا گیا ہے اور انہوں نے اس حسن کا جتنا ادراک کر کے اپنے الفاظ میں بیان کیا ہے اس کو یہاں لکھا جارہا ہے۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سفید رنگ کے تھے، ایسی سفیدی نہیں جو چونے میں ہوتی ہے اور نہ ایسا گندمی رنگ تھا کہ جس میں کالے پن کی جھلک آجائے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رنگ سفید ہونے کے ساتھ چمکدار بھی تھا اور اس میں کسی قدر گندمی رنگ شامل تھا جسکی وجہ سے آپؐ کا حسن دوبالا ہوگیا تھا۔ حضرت براء بن عازبؓ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہایت حسین و جمیل تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ اقدس اتنا خوبصورت تھا کہ میں نے اس سے زیادہ حسین چہرہ والا کسی کو نہیں دیکھا۔

حضرت جابر بن سمرہؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے چودھویں رات کے چاند کو دیکھا کہ بیچ آسمان میں ہے، میں کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ اقدس دیکھتا اور کبھی چاند پر نظر ڈالتا، مجھے اخیر میں یہ فیصلہ کرنا پڑا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم چاند سے کہیں زیادہ حسین ہیں۔ (ماخوذ از مسلم وشمائل)

اس سے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بدر کامل (چودھویں رات کے چاند) سے بھی زیادہ خوبصورت اور حسین تھے۔

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حسن و جمال میں ایسے معلوم ہوتے تھے گویا کہ چاندی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بدن ڈھالا گیا ہو۔ (شمائل ترمذی)

شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ سب تشبیہات تقریبی ہیں ورنہ ایک چاند کیا ہزار چاند بھی آقاؐ کے نور کے مشابہ اور برابر نہیں ہوسکتے۔ (خصائل نبوی)

ع چاند سے تشبیہ دینا بھی کوئی انصاف ہے
چاند میں ہیں چھائیاں حضرتؐ کا چہرہ صاف ہے

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ یوسف علیہ السلام کے حسن کو دیکھ کر عورتیں اپنی انگلیوں کو کاٹ لیں تھیں، اگر وہ عورتیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن و جمال کو دیکھ لیتیں تو اپنے دلوں کو کاٹ ڈالتیں۔ (جمع الوسائل)

ع حسنِ ظاہر میں آپؐ اجمل ہیں
خلقِ باطن میں آپؐ اکمل ہیں
بے تامل عقل یہ کہتی ہے کہ
کل خلائق میں آپؐ افضل ہیں (عکس جمال)

حقیقت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حسن حضرت یوسف علیہ السلام

کے حسن سے بڑھ کر تھا، اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن میں ملاحت بھی تھی جیسا کہ آپؐ نے خود فرمایا انا املح واخی یوسف اصبح۔

حضرت حسان بن ثابتؓ جو شاعرِ رسولؐ ہیں فرماتے ہیں ؎

واحسن منك لم ترقط عینی
واجمل منك لم تلد النساء
خلقت مبرا من كل عیب
كانك قد خلقت كما تشاء

ترجمہ: اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہتر ذات میری آنکھ نے نہیں دیکھی، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ خوبصورت شخص کبھی عورتوں نے نہیں جنا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر عیب سے پاک پیدا کیئے گئے تھے، گویا جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا، اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بنایا گیا۔ بعض اہل سیر فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ اقدس کو چاند سے تشبیہ دینے میں یہ حکمت ہیکہ چاند کے نور سے آنکھوں کو ٹھنڈک اور فرحت اور اس کے مشاہدہ سے دل کو لذت حاصل ہوتی ہے اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارکہ کو دیکھنا بھی دل کو راحت اور فرحت کا سبب ہے یہی وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار کئے بغیر صحابہ کرام کو چین وسکون حاصل نہ ہوتا تھا۔

(مدارج النبوۃ جلد: ۱/ قسط: ۱/ صفحہ: ۱۶)

اور ایک روایت میں ہیکہ آپ صلی اللہ علیہ و سلم جب مسرور (خوش) ہوتے تو آپ صلی اللہ علیہ و سلم کا چہرہ آئینہ کی طرح ہوجاتا تھا جس میں درو دیوار کے نقوش اور لوگوں کے چہرے کا عکس جھلکنے لگتا تھا۔

(مسلم شریف عن ابی الطفیل)

پُر گوشت جوڑ

آپ صلی اللہ علیہ و سلم کی جوڑ کی جگہیں مثلاً کہنیاں، گھٹنے، وغیرہ سب کے سب پُر گوشت اور گُداز تھیں جو کہ قوت اور طاقت کی علامت ہے۔

(شمائل و خصائل)

پنڈلیاں مبارک

آپ صلی اللہ علیہ و سلم کی پنڈلیاں باریک و لطیف تھیں پُر گوشت نہیں تھیں۔ (کان فی ساقیه خموشة)

ایک حدیث میں ہیکہ نظرت الی ساقیه کانها جمارة یعنی میں نے آپ صلی اللہ علیہ و سلم کی پنڈلیوں کی طرف نظر ڈالی تو گویا وہ درختِ خرما تھا۔ یعنی جس طرح درخت خرما ہموار صاف لطیف اور سفید ہوتا ہے اسی طرح آپ ؐ کی پنڈلیاں مبارک بھی ہموار صاف اور چمکدار تھیں۔

(مدارج النبوۃ جلد: ۱/ قسط: ۱/ صفحہ: ۴۲)

قدم مبارک

حضور صلی اللہ علیہ و سلم کے قدم مبارک پُر گوشت تھے اور انگلیاں بھی تناسب کے ساتھ لانبی تھیں تلوے کچھ گہرے، قدم ہموار اور بالکل صاف

ستھرے تھے کہ پانی ان پر نہیں ٹھیرتا تھا فوراً بہہ جاتا تھا۔ نیز ایڑی مبارک پر گوشت کم تھا۔ (قلیل لحم العقب) (شمائل)

اور حضرت بریدہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ و سلم احسن البشر قدما یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کے قدم مبارک کی ظاہری شکل بہت حسین تھی۔ (ابن سعد)۔

آپ صلی اللہ علیہ و سلم کا پسینہ

سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ و سلم کے جسم اطہر سے ہمیشہ عطر لگائے بغیر خوشبو مہکتی رہتی تھی۔ پھر بھی آپ صلی اللہ علیہ و سلم امت کی تعلیم کی غرض سے عطر لگاتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ و سلم کا پسینہ مبارک تمام عطروں سے ممتاز اور عمدہ تھا، چنانچہ حضرت انس؄ فرماتے ہیں کہ میں نے کوئی خوشبو عنبر نہ مشک اور نہ کوئی دیگر خوشبو آپ صلی اللہ علیہ و سلم کے پسینہ سے زیادہ عمدہ سونگھی۔ (مسلم ثانی: ۲۵۷)

ایک روایت حضرت انس؄ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک روز حضور صلی اللہ علیہ و سلم ہمارے گھر تشریف لائے اور دوپہر کے وقت قیلولہ (آرام) فرمایا (چونکہ حضور صلی اللہ علیہ و سلم کو خواب میں بہت پسینہ آتا تھا) تو میری والدہ (ام سلیم؄) شیشی لیکر آپ صلی اللہ علیہ و سلم کا پسینہ اطہر جمع کرنے لگیں، حضور صلی اللہ علیہ و سلم کی آنکھ کھل گئی، فرمایا اے ام سلیم کیا کر رہی ہو، عرض کیا یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ و سلم) پسینہ جمع کر رہی ہوں

تاکہ میں بطور خوشبو اس کو استعمال کروں، کیونکہ اسکی خوشبو سب سے زیادہ بہتر ہے۔ (مسلم ثانی : ۲۵۷)

ایک اور روایت حضرت انسؓ ہی سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جس راستہ سے گذرتے تھے وہاں سے خوشبو مہکتی تھی اور لوگ پہچان لیتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس راستے سے گذرے ہیں۔ (مسند ابو یعلی عن انس)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جوتے کی شکل

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جوتے دو تسمہ والے تھے۔ ایک تسمہ والے جوتے کی ابتداء حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے فرمائی۔ (ماخوذ از شمائل ترمذی)

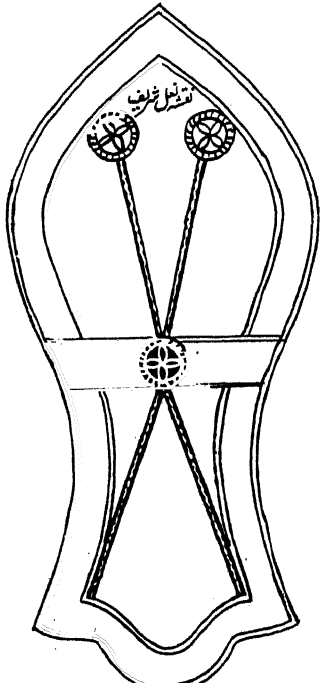
ایک تسمہ والے جوتے کی ابتداء اسلئے فرمائی تاکہ دو تسمہ والے جوتے کو ضروری نہ سمجھا جائے۔ ایک تسمہ ابہام اور سبابہ (یعنی انگوٹھا اور اسکے بعد کی انگلی) کے درمیان ہوتا تھا اور دوسرا تسمہ وسطی اور بِنصر (تیسری اور چوتھی انگلی) کے درمیان ہوتا تھا۔ (خصائل نبوی)

ایک خاص بات

حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ اپنی کتاب "زادالسعید" میں فرماتے ہیں کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نعل شریف کا نقشہ صحیح سند سے مل جائے تو اسکا ادب کریں اور اسکو بوسہ دیں، مگر اس میں اتنا غلو اور

زیادتی نہ کریں کہ خلاف شرع کوئی بات ہوجائے ۔ اسکو وسیلہ برکت اور محبت سمجھیں، یہ نہیں کہ تمام احکام دین چھوڑ کر اسی پر اکتفاء کریں، چنانچہ نعل شریف کے نقشہ کو انہوں نے حسب روایت امام زین العابدین" عراقی محدث، نقل کیا ہے۔ جو یہاں پر مذکور ہے۔ اس سلسلہ میں مزید وضاحت کیلئے مذکورہ کتاب ملاحظہ فرمالیں۔

هٰذَا مِثَالُ نِعَالِهٖ صَلُّوْا عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ



حلیہ مبارک صلی اللہ علیہ وسلم
(منظوم)

حلیہ مبارک ان کا سن لیں صلی اللہ علیہ و سلم
صدقے جن پر جنت کی حوریں صلی اللہ علیہ و سلم
خیرالبشر کا فخر رسل کا محبوب رب کا ہادی کل کا
آؤ تصور میں دیدار کرلیں ، صلی اللہ علیہ و سلم
رشکِ یوسف حسن تھا ان کا بیمثل واللہ انکا سراپا
پائیں نہ مانند ہم لاکھ ڈھونڈیں صلی اللہ علیہ و سلم
سر سے سرداری ظاہر تھی بیضوی چہرہ پیشانی چوڑی
رخساروں سے گل شرمائیں ، صلی اللہ علیہ و سلم
سرمگیں آنکھیں انڈوں جیسی پیالوں سے جیسے تسنیم چھلکی
مخمور کرتی مست نگاہیں صلی اللہ علیہ و سلم
پتلیاں کالی دیدے اجلے سرخی مائل ان میں ڈورے
شرم و حیا سے بھرپور آنکھیں صلی اللہ علیہ و سلم
ابرو انکے باہم ملتے ، گنگا جمنا ملتے ہوں جیسے

حسن کی معراج تھیں وہ کمانیں ، صلی اللہ علیہ و سلم
ناک تھی نازک اونچی پتلی ہونٹ بھی پتلے رسیلے گلابی
موتی جیسے دانتوں میں ریخیں ، صلی اللہ علیہ و سلم
سینہ کشادہ گردن لانبی ریش مقدس لانبی گھنی تھی
لانبی ، لانبی ، کالی پلکیں ، صلی اللہ علیہ و سلم
رنگ تھا دلکش گندم جیسا ، روئے مبارک پر نور ایسا
دیکھیں جو اک بار صد بار دیکھیں صلی اللہ علیہ و سلم
بوئے پسینہ مشک سے بہتر جلد مبارک ایسی منور
شمس و قمر بھی قربان جائیں صلی اللہ علیہ و سلم
بال تھے ان کے گھنگریالے نرم ملائم کالے کالے
کندھوں تک لہراتی زلفیں، صلی اللہ علیہ و سلم
ماہ کامل دھندلا دھندلا ، حسن یوسف پھیکا پھیکا
ان کے آگے سب شرمائیں ، صلی اللہ علیہ و سلم
دل موہ لیتا ان کا تبسم ، ایسا لگتا وقت تکلم
جاتی ہیں بکھری نورانی کرنیں ، صلی اللہ علیہ و سلم
ان کا قد بھی معجز نما تھا حد سے نہیں تھا حالانکہ اونچا
پھر بھی ،اونچا دیکھیں نظریں صلی اللہ علیہ و سلم

چلتے تھے تو ایسا لگتا صحراؤں میں کوئی ہے چلتا
جیسے اونچائی سے اتریں صلی اللہ علیہ و سلم

دست و پا تھے انکے سجیلے مضبوط مضبوط ایسے گٹھیلے
پل میں پہلوانوں کو پچھاڑیں صلی اللہ علیہ و سلم

میدان جنگ میں جونہی پہنچیں دشمن پریشان ہوکر بھاگیں
لرزہ ہو طاری دل ہل جائیں صلی اللہ علیہ و سلم

انسان کامل ہادی اعظم جن کے آگے سب کے سر خم
خیر البشر ایسے ہیں ہم میں صلی اللہ علیہ و سلم

پشت پہ تھی جب مہرِ نبوت تھے بال اس پر بیضہ کی صورت
ختم رسل پھر کیونکر نہ مانیں صلی اللہ علیہ و سلم

شرط ایماں ان سے محبت شرط محبت کامل اطاعت
سچا جھوٹا یوں پہچانیں صلی اللہ علیہ و سلم

اپنے آقا سردار کل پر بھیجو درود اس ختم رسل پر
جب تک رہے جان اخترؔ تن میں صلی اللہ علیہ و سلم

نعت

محمد مصطفیٰ ہیں وجہ تخلیق جہاں لاریب
محمد مرتضیٰ کاشف ہیں سرّ کن فکاں لاریب

محمد مجتبیٰ خیر الوریٰ سردار عالم ہیں
کمالات ان کے نام پاک ہی سے ہیں عیاں لاریب

محمد کی حیات طیبہ تفسیر قرآں ہے
محمد مصطفیٰ قرآن کے ہیں ترجماں لاریب

محمدؐ گفتگو کرتے تو گویا پھول جھڑتے تھے
یقینا وہ تکلم میں تھے سب سے خوش بیاں لاریب

محمد کی محبت اور عظمت روح ایماں ہے
محبت ہی نہ ہو تو دین و ایماں پھر کہاں لاریب

محمدؐ ہادی عالم محمدؐ شافع محشر
مرے آقاؐ کی رحمت ہے یہاں بھی اور وہاں لاریب

محمدؐ ہی کے اسوہ میں سکون و امن عالم ہے
وگرنہ پھر نہیں ممکن ہے دنیا میں اماں لاریب

نبیوں کے نبی آقا محمدؐ ہیں حبیبؐ اپنے
نہیں آساں مکمل ان کے وصفوں کا بیاں لاریب